حجاب
HIJAB
رام پور
4/-

(مائل خیرآبادی)

"حجاب" رامپور۔ یوپی۔ ۲۴۴۹۰۱

پروپرائٹر، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق۔ مقام اشاعت ادارہ دری محمود خاں رامپور، مطبوعہ ایم آر پریس دہلی

# یہ ربیع الاوّل کا مہینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

①

وہ مجھے بلاوادے گیا۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد اُس کے گھر سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ برابر یہ پکار اُٹھی:

"برادرانِ اسلام! آج رات، ابھی ابھی جمیل میاں کے احاطے میں محفلِ میلاد منعقد ہو رہی ہے جس میں مولانا اسلام الدین صاحب وعظ فرمائیں گے۔ تمام مسلمانوں سے درخواست ہے کہ جلد سے جلد تشریف لاکر ثواب دارین حاصل کریں۔"

جمیل میاں سے میرے تعلقات بہت گہرے تھے اور وہ محلّے کے ذی اثر آدمی بھی تھے۔ مجھے جانا ہی چاہیے تھا۔ میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ محفلِ میلاد آراستہ ہے۔ ڈیکوریشن بہت عمدہ۔ اِسٹیج بھی بجلی کے ننھے ننھے قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ سامنے تخت بچھا تھا۔ اس پر ایک شخص ذرا آگے اور سات آدمی اس کے پیچھے نیم دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔ میری نظر نے مولانا اسلام الدین کو تلاش کیا۔ وہ نہ تھے۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا "مولانا نہیں آئے؟" جواب مِلا "وہ دس بجے آئیں گے۔" میں ایک طرف بیٹھا ہی تھا کہ تخت پر آگے بیٹھے ہوئے شخص نے یہ شعر گایا:

خدا کا لاڈلا دُنیا میں پیدا ہونیوالا ہے　　اسی کے نُور سے جگ میں اُجالا ہونیوالا ہے

اُس کے ساتھیوں (منڈلی والوں) نے اپنی بھرپور آواز کے ساتھ گانا شروع کیا۔ لاؤڈ اسپیکر کی گونج نے فضا میں راگ بکھیر دیا۔ سامعین جھومنے لگے۔ درود و سلام کی گونج بھی اُٹھتی رہی۔

نو بجے سے دس بجے تک یہ منڈلی کچھ نثر اور زیادہ تر نظموں کے ساتھ نغمے بکھیرتی رہی بیچ میں ایک بار انھیں چائے پیش کی گئی۔ میں نے دیکھا کہ چائے پی کر جیسے ان کے پھیپھڑوں میں کسی طاقتور شے کی گرمی بھر دی گئی ہو۔ میں سامعین کے آگے تخت کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے سے کچھ ایسی بھبک آ رہی تھی کہ اس وقت میں اسے کوئی نام نہ دے سکا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ سب پئے ہوئے تھے۔

دس بجے مولانا اسلام الدین تشریف لائے۔ مولانا صاحب نے پہلے میلاد شریف منعقد کئے جانے کے بارے میں کچھ دلائل بیان فرمائے۔ انھوں نے سب سے بڑی دلیل یہ دی کہ حضور سرورِ عالمؐ بھی میلاد شریف پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد میلاد شریف کے فضائل بیان فرمائے۔ فضائل میں اعلیٰ درجہ کی فضیلت یہ کہ جو شخص عمر میں ایک بار بھی میلاد پڑھوا لے تو اس کا سارا خاندان جنتی ہو جاتا ہے اور اس محفل میں شریک ہونے والے سب کے سب بخش دئے جاتے ہیں۔

ساڑھے گیارہ بجے وعظ ختم ہوا۔ جمیل میاں نے سو روپیہ کا نوٹ میرے ہاتھ میں دیا اور اشارہ کیا کہ میں مولانا کو پیش کروں۔ "جزاک اللہ" کہہ کر مولانا نے نوٹ جیب میں رکھا۔ پھر سوا سیر لڈو پیش کئے گئے۔ رکشا والے کو دونوں طرف کا کرایہ فیاضی کے ساتھ دیا گیا۔ مولانا جمیل میاں کے مکان سے تھوڑی ہی دور رہتے تھے۔ پانچ روپیہ رکشا والے کو ملے۔

میلاد ختم ہونے پر میں گھر چلا آیا۔ چارپائی پر لیٹا تو دیر تک نیند نہ آئی۔ میں نے دل میں کہا جنت حاصل کرنے کا اچھا نسخہ ہے۔ عمر بھر کچھ کرتے رہو۔ بس ایک بار میلاد پڑھوا دو۔ جنت اپنی ہے۔

## ۲

میلاد شریف کے تین دن کے بعد ایک اعلان سنا اور وہ اعلان اخبار میں بھی چھپا کہ سنیچر دن گزر کر رات کو آٹھ بجے سے تحصیل کے سامنے میدان میں جلسہ ہوگا۔ میں اس جلسے میں ذرا تاخیر سے پہنچا۔ پہلی تقریر ہو رہی تھی۔ اس جلسے کو علماء کرام نے خطاب فرمایا۔ اس جلسے میں حضورؐ کے متعلق

تو بہت کم کہا گیا لیکن کچھ مشہور لوگوں کو بہت برا کہا گیا۔ علامہ اقبال، مولانا اشرف علی، حضرت قاسم اور علامہ مودودی کو کھلم کھلا کافر کہا گیا۔ اِس جلسے کی تقریروں کے دلچسپ اقتباسات یہ ہیں :

○ حضورؐ کے زمانے میں ۳۹ آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ چالیسویں حضرت عمرؓ تھے اور ان کے عہد خلافت میں اُمّتِ مسلمہ کو دور دور تک فروغ حاصل ہوا۔ یہ ہے چالیسوان کی برکت۔

○ تم سیڑھی کے وسیلے سے چھت پر جاتے ہو۔ چاند پر راکٹ کے وسیلے سے جاتے ہو۔ اور بلندی تک جانا چاہو تو بڑا وسیلہ تلاش کرنا ہوگا۔ اگر خدا تک پہنچنا ہو تو بزرگانِ دین کا وسیلہ پکڑو۔

○ حاضرین! ابجد کے حروف کے ہندسے مل کر ۱۰ ہوتے ہیں لیکن اللہ کو طاق عدد پسند ہے اِس لئے اِس میں ایک مِلا دیا۔ تو کیا ہونگے ... گیارہ! یہی ہے گیارہویں۔ اللہم صلی علیٰ محمد

مجھے اِس جلسے میں لائٹ محسوس نہیں ہوئی۔

(۳)

پھر ایک جلسہ ہوا۔ یہ سیرت کمیٹی کی طرف سے تھا۔ میں اُس میں بھی گیا۔ اس جلسے میں کچھ تقریریں بہترین اور دینی معلومات کی تھیں لیکن ایک صاحب نے چند باتیں عجیب و غریب فرمائیں مثلاً ○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن چلہ کھینچا تب مکہ فتح ہوا ○ دیوبندی حضرت بریلویوں کو بدعتی کہتے ہیں اور بریلوی مولوی دیوبندیوں کو مرتد۔ اور یہ دونوں جماعتیں جماعت اِسلامی والوں کو ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ کن) کہتی ہیں۔

اس کمیٹی میں کچھ ہندو مقررین تھے۔ انھوں نے حضورؐ کو نذر عقیدت پیش کی۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ صاحب کیا مسلمان ہو گئے ہیں۔ بتانے والے نے بتایا کہ یہ پیشہ ور مقرر ہے تین سو روپیہ پر تقریر کرنے آیا ہے۔

میں اِس جلسے سے بھی خوش نہیں آیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ربیع الاوّل کا مہینہ کیا اِس لئے آتا ہے کہ مقررین کی بن آئے ؟ کیا یہ مہینہ مقررین کا سہاگ ہے؟ مختلف طریقوں سے مسلمان بر

جگہ فرداً فرداً اور اجتماعی طور ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں اور انھیں ملتا یہ ہے کہ کچھ شرابیوں سے گانا سُن لیں، کچھ مولویوں سے اُن کے مخالف مولویوں کی شان میں تبرا سُن لیں۔ وغیرہ۔

اے کاش! حضورؐ جس مقصد سے دنیا میں آئے وہ مقصد ان جلسوں میں بیان ہو تو کیا اچھا ہو!!

# غزل

صیاد آج کل جو ذرا مہربان ہے ‏ — دل مجھ سے بدگمان بہت بدگمان ہے

جب سے کیا ہے عہدِ محبت کا آپ سے ‏ — ہر لمحہ میرے واسطے اک امتحان ہے

تھا کس قدر لطیف کسی کی نظر کا تیر ‏ — اک زخم دل میں ہے تو مگر بے نشان ہے

جب آپ آپ تھے تو یہ سب آپ ہی کا تھا ‏ — اب بھی وہی زمین، وہی آسمان ہے

راہِ وفا میں حوصلہ کچھ اور بڑھ گیا ‏ — یہ دیکھ کر کہ سامنے اب آسمان ہے

ان نعمتوں کا تجھ سے لیا جائیگا حساب ‏ — یہ نعمتیں نہیں ہیں، ترا امتحان ہے

جس کا ہر اک سوال ہے پہلے سے حل شدہ ‏ — ایسا بھی امتحانوں میں ایک امتحان ہے

اس میں جو تو نے مال بھرا ہے، بھرا نہیں ‏ — یوں دیکھنے میں تو بڑی اونچی دکان ہے

میرے پڑوسی، میرے پڑوسی نہ ڈھا اسے ‏ — میرا مکان ہے! ارے میرا مکان ہے

ہے باز پرس ہی، نہ جہنم کا ڈر یہاں ‏ — ہندوستان واقعی جنت نشان ہے

اس عمر میں یہ عزم، یہ ہمت، یہ حوصلہ!

مائل تو اس بڑھاپے میں اب بھی جوان ہے

(مائل خیرآبادی)

۹ ستمبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم مائل خیرآبادی مدیر حجاب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ امید ہے کہ لکھنؤ کے پتے پر حجاب جارہا ہوگا۔ یہاں کے تاثرات مکتوبِ حرم کی شکل میں روانہ ہیں۔ اگر مناسب ہو تو شائع فرمادیں۔ دعائیں حجاب اور مدیر حجاب دونوں کے لئے کررہا ہوں۔

عبدالسمیع ندوی مظفرنگری (خریداری نمبر ۲۳۱۰)

مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۸۲ء

# مکتوبِ حرم

میں نورجہاں جہاز سے جدہ پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر یوسف صاحب ندوی اور محمد ہارون ندوی مل گئے اور بڑی محبت سے اپنے گھر لے گئے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اُن کے

والد اُستاد محترم مولانا محمد اویس ندویؒ یاد آ گئے۔ دوسرے دن بس سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گیا۔ طواف و سعی کے لئے حرم میں گیا۔ اللہ اللہ! اِس مقدس شہر اور باعظمت گھر کا کیا کہنا پندرہ سالہ آرزو کی تکمیل ہوئی۔ پہلی نظر بیت اللہ پر پڑی تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ یہ گھر مثل شمع ہے۔ حاجی پروانوں کی طرح اِس پر نثار ہوتے ہیں۔ نماز کے علاوہ ہر وقت لوگ طواف کرتے رہتے ہیں۔

میں حجرِ اسود کے سامنے مقامِ ابراہیم میں بیٹھ جاتا ہوں۔ تلاوت، دعا اور نماز میں وقت گزارتا ہوں۔ بعض بڑے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں:۔

:: طواف ہو رہا ہے۔ عصر کی نماز ہو گئی ہے۔ ایک لڑکی، یہی کوئی دس بارہ سال کی، اپنی ماں کو کتاب سے دعائیں پڑھوا رہی ہے اور طواف کرا رہی ہے۔

:: ایک صاحب مقامِ ابراہیم پر آئے اور اپنے بارہ سالہ لڑکے کو نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ دونوں باپ بیٹے نماز پڑھ رہے ہیں۔ بڑا پیارا منظر ہے۔

:: ہجوم بڑھ رہا ہے۔ مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ عورتیں مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ شرطی (حرم کا خادم) اُن کو مردوں کے درمیان سے ہٹا کر عورتوں میں بھیج رہا ہے

:: آٹھ دس نابینا ایک صف میں بیٹھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ عورتیں اُن کو ایک ایک دو دو ریال (سعودی سکہ ریال کے ہندوستانی تین روپیہ ہوتے ہیں) دے رہی ہیں۔

بیت اللہ پر نظر جم کر رہ جاتی ہے۔ دِل ہے کہ سیر نہیں ہوتا۔ آنکھیں حرم کے بام و در پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں۔ تلاوت اور دعاؤں کی آوازوں سے حرم گونج رہا ہے۔ کالے گورے، اعلیٰ ادنیٰ، امیر غریب، عالم و عامی، عربی و عجمی، ہر جگہ اور ہر ملک کے لوگ یہاں کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ غرض ہر شب شبِ برات ہے، ہر روز روزِ عید۔

# مکتوب اردن

مکرمی ومحترمی مائل صاحب! السلام علیکم۔

خط کے ضروری مضامین آپ کے صاحبزادہ سلمہٗ کے ذریعہ روانہ کر رہا ہوں۔ اِس میں بعض مقامات کے نام ایسے ہیں جو نامانوس ہونے کی وجہ سے گراں گزرتے ہیں۔ کاپی دیکھتے وقت ان پر توجہ فرمائیے کا یا پھر کتابت کی کاپی میرے پاس بھیج دیجئے گا۔ احقر: اسلام اللہ پریمی

(یہ ایک خط کے بعض اقتباسات ہیں جو خالد سیف اللہ نے اپنے والد کو لکھا ہے۔
چونکہ اِس میں بعض معلوماتی چیزیں ہیں جنھیں جاننے کی عام طور پر خواہش ہوتی ہے، اس لئے
بغرض استفادہ عام اِسے پیش کیا جارہا ہے —— مدیر)

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

والد محترم ومکرم،

اَلسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط ۱۰ رمضان المبارک کو جب ہم لوگ اپنے سفر سے لوٹے تو ملا۔ ایک مدت سے آپ لوگوں کی کوئی خیریت نہ ملنے پر تشویش تھی۔ خیریت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا از حد شکر ادا کیا

ام زینب کے بھائی عبداللہ کی ڈیوٹی آج کل حدود اردن پر ہے۔ فوجی کیمپ سے قریب "مفرق اسد" نامی آبادی میں اُنھوں نے ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے اور وہیں اپنے بچوں کے ساتھ منتقل ہو گئے ہیں۔ ابتدائے رمضان میں اُن کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی چنانچہ ۱۰ رمضان کو میں، اُم زینب اور اُن کی والدہ اُن لوگوں کی زیارت کے لئے گئے اور ایک ہفتہ وہاں قیام رہا۔ قیام کا اصل مقصد اس منطقہ سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ دورانِ قیام الحمدللہ کئی تاریخی جگہوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مثلاً بعض جلیل القدر صحابہؓ کی قبریں جنھوں نے جنگِ یرموک میں مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کی تھی اور بالآخر طاعون عمواس میں مبتلا ہو کر جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کے

مائے گرامی یہ ہیں ـــ

۱۔ معاذ بن جبلؓ ۲۔ سلیمان بن معاذ بن جبلؓ

۳۔ ابو عبیدہ عامر بن الجراحؓ ۴۔ شرحبیل بن حسنہؓ

۵۔ عامر بن ابی وقاصؓ ۶۔ ضرار بن ازورؓ

مذکورہ صحابہ کی قبریں یکجا نہیں ہیں بلکہ پچاس کیلومیٹر کی مسافت میں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں، البتہ یہ تمام قبریں منطقۂ غور میں پائی جاتی ہیں جو دنیا کا منخفض ترین علاقہ ہے۔ نہر اردن اور نہر یرموک اسی علاقہ میں بہتی ہیں۔ نہر اردن کا مشاہدہ تو اس سے قبل کر چکا تھا البتہ نہر یرموک کا دیدار اسی سفر میں ہو سکا۔ اِن دونوں نہروں کا مشرقی ساحل اُردن کے قبضہ میں ہے اور مغربی ساحل اسرائیل کے قبضہ میں۔ نہر کے اِس ساحل سے دوسری جانب واقع یہودی آبادیاں، اُن کے عظیم الشان فارم و تالاب جو انھوں نے اقتصادی و عسکری پہلو سے تعمیر کئے ہیں، صاف نظر آتے ہیں۔

دوسرے اِس سفر میں جولان کی پہاڑیوں کا مشاہدہ ہو سکا جو کسی زمانے میں سوریا کی بلند ترین پہاڑیاں تھیں اور دفاعی پہلو سے اُن کی بڑی اہمیت تھی کہ اِن پہاڑوں سے پورا اسرائیل صاف نظر آتا ہے لیکن ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے اِن پر قبضہ کر لیا۔ حالیاً اردن اور جولان کے درمیان نہر یرموک بہتی ہے۔ المخیبۃ نامی جگہ پر نہر کے کنارے گرم پانی کے چشمے ہیں۔ اسکی حیثیت آج کل تفریحی مقام کی ہے اور حکومت نے وہاں پر سیاحوں کے لئے ایک ہوٹل تعمیر کر رکھا ہے اور غسل کے لئے گرم اور ٹھنڈے پانی کے کئی ایک حوض بنا رکھے ہیں۔ غرضیکہ یہ بلند مقام پر واقع ایک تفریحی مقام ہے جہاں ایک عالیشان پتھر کی مسجد ہے۔ اِس کا نام الحمۃ السورۃ ہے۔ ۱۹۶۷ء سے قبل یہ علاقہ سوریا کے تحت تھا اور آج کل اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ وہاں پر بھی گرم و ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود ہیں اور اسرائیل نے ایک اچھی تفریح گاہ بنا رکھی ہے اور ہر وقت وہاں سیاحوں کی بسیں آتی جاتی رہتی ہیں۔

المخیبۃ سے ہم لوگ اُم قصیر گئے جو ایک بلند ترین مقام ہے اور جہاں سے بحر طبریہ صاف

نظر آتا ہے ۔ بحرِ طبریہ کسی زمانے میں اردن و سوریا کے درمیان واقع تھا ۔ آج کل اسرائیل کے قبضہ میں ہے اور زراعتی پہلو سے وہ اچھی طرح اس سے مستفید ہو رہے ہیں ۔

منطقۂ یرموک کا دیدار تو ہو سکا البتہ موقعِ قتال پر ہم لوگ نہیں جاسکے کہ المخیبۃ سے وہاں تک کچی سڑک جاتی ہے ۔ البتہ دور سے عبداللہ نے بتایا کہ وہ مقام ان دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ۔

وہاں سے واپسی میں الشونۃ الشمالیہ نامی ایک مقام سے گذرے ۔ یہاں چند ماہ قبل گرم پانی کے ایک عظیم الشان چشمے کا انکشاف ہوا ہے ۔ حکومت کا پلان تو صرف ایک کنواں کھودنے کا تھا لیکن جب اچانک کھولتے ہوئے پانی کا چشمہ پھوٹا تو کھدائی کی مشینیں تتر بتر ہو گئیں اور جو مزدور وہاں پر تھے اُن میں سے بعض جل گئے جنھیں فوراً اسپتال پہنچایا گیا ۔ یہ گندھک کا گرم چشمہ ہے ۔

وہاں سے ہم لوگ سدّ طلال گئے ۔ سَدّ عربی زبان میں ڈیم کو کہتے ہیں ۔ یہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ۔ وہاں سے واپسی پر کچھ دیر قناۃ غور کے کنارے قیام کیا ۔ قناۃ غور ایک مصنوعی نہر ہے جو حکومت نے آب پاشی کی غرض سے نہرِ یرموک سے نکالی ہے ۔ اِسی قناۃ میں ہم لوگوں نے نہایا دھویا اور کچھ دیر آرام کیا ۔

یہ پورا منطقہ لیموں ، برتقال ، زیتون ، انجیر ، خوخ ، مشمش ، آلو ، ٹماٹر ، بیگن ، کیلے ، انگور اور دنیا بھر کی خیرات سے مالا مال ہے ۔ وہاں سے مختلف قریٰ و بستیوں سے ہوتے 'اربد' پہنچے ۔ یہ شمالی اردن کا ایک بڑا شہر ہے ۔ اربد سے جرش گئے جہاں رومن ایمپائر کے عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہیں ۔ سبھی لوگوں نے تمنا کی کہ آپ بھی اِس مرحلہ میں ہم لوگوں کے ساتھ ہوتے ۔ بہرحال اللہ سے دعا ہے کہ وہ مستقبل میں آپ کے لئے اردن کی زیارت کی کوئی سبیل پیدا فرمائے ۔

خالد سیف اللہ

# میں کبھی نہ بھولونگی

## معجزہ

وہ ایک لمحہ جو میری زندگی میں سب سے زیادہ اہم تھا اور جب بھی یہ واقعہ میری نظروں میں آتا ہے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور سر بے اختیار خدا کے حضور جھک جاتا ہے۔ وہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ میں ذرا نماز کی پابند ہوں اور پانچ وقت کی نماز بلا ناغہ پڑھتی ہوں اور سب سے زیادہ میں سورہ یٰسین کی تلاوت کرتی ہوں۔ ایک دن جب میں حسب معمول شام کی نماز کے بعد سورہ یٰسین کی تلاوت کر کے اٹھی اور باورچی خانے میں جا کر کھانا تیار کرنے لگی، چولہے پر ہنڈیا چڑھی تھی اور میں اس کے پاس ہی بیٹھی سالن بھون رہی تھی۔ میرے پاس میری بہن بھی بیٹھی تھی۔ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ کب میرے دوپٹے میں آگ لگی اور یہ آگ بڑھتے بڑھتے میرے کندھے تک آ گئی کہ اچانک میری بہن نے شور مچایا کہ تمہارے کپڑوں میں آگ لگ گئی ہے۔ میں گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ سب گھر والے بھی اس وقت تک آ گئے تھے اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ آگ میرے کپڑوں سے ایسے گر رہی تھی کہ جیسے پھول گرتے ہیں۔ میرے جسم پر کوئی خراش تک نہ آئی۔ ہاں صرف دوپٹہ آدھا جل گیا تھا۔ لیکن میری "قمیص" پر داغ تک نہیں آیا۔ سب یہ کہتے ہیں کہ یہ سب تمہاری نماز اور یٰسین کا اثر ہے جو آج تم صحیح سلامت ہو ورنہ نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ واقعہ مجھے جب بھی یاد آتا ہے میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور سر اس کے حضور جھک جاتا ہے۔ یہ ایسا واقعہ ہے جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔

(نور جہاں۔ سعود آباد

# جسے اللہ رکھے

اِس واقعہ کو میں لاکھوں کوششوں کے باوجود نہیں بھول سکی۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ہم اپنے ماموں جان کے گھر جا رہے تھے۔ اپنے اِسٹاپ پر بس نہیں ملی تو اگلے اسٹاپ پر چلے گئے۔ وہاں کھڑے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سامنے سے بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں اپنی چھوٹی بہن عمرانہ کے ساتھ آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی کہ بس اکثر آگے رکتی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ بس کا کونہ میرے کندھے سے لگا اور میں گھوم کر پوری بس کے نیچے آ گئی۔ لوگوں کا شور سنائی دیا اور کچھ لوگوں نے مجھے بس کے نیچے سے گھسیٹا۔ بس کے اگلے پہیے گزر گئے تھے، پچھلے پہیے آگے بڑھ رہے تھے اور میری گردن صرف باہر تھی۔ لیکن جب سب نے مجھے کھڑا کیا تو لوگ حیرت کر رہے تھے کہ میرے جسم پر خراش تک نہ تھی۔ اِس واقعہ کو دو سال گزر گئے لیکن میں اِس کو یاد کر کے سوچتی ہوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے محتاج نہیں کیا اور میرے جسم کے کسی عضو کو خراش تک نہیں پہنچی۔ (شبانہ فاروقی)

# بھیانک لمحہ

رات کا وقت تھا۔ چونکہ ہوا چل رہی تھی لہٰذا ہم نے پنکھا نہ چلایا۔ مگر رات کو جب دس بجے کے قریب سونے لگے تو میرے ابّو نے کہا کہ پنکھا چلا دو۔ میری بہن پلنگ لے کر اندر کمرے میں سوئچ بورڈ پر لگانے چل دی۔ جونہی وہ سوئچ لگانے لگی اچانک تاروں کو آگ لگ گئی اور پنکھے کے تار سے شعلے نکلنے لگے۔ ہم لوگ اِس ناگہانی آفت سے یکدم گھبرا گئے۔ لائٹس ساری آف ہو گئیں اور سارا گھر اندھیرے میں ڈوب گیا میری بہن جہاں کھڑی تھی اُس کمرے میں اور باہر دھواں دھواں سا ہو گیا۔ تاروں کی بدبو سارے گھر میں پھیل گئی۔ ہمارے تو ہوش و حواس گم تھے۔ ادھر میری بہن چیخ لگا کر اُچھلی اور پردوں کے پیچھے چھپ گئی۔ امّی نے پریشان ہو کر اُسے پکارا۔ ہم سمجھے کہ کہیں وہ جل نہ گئی ہو۔ کرنٹ نہ لگا ہو۔ مگر اُس کی آواز سے ہمیں قدرے سکون ملا۔ چند لمحوں بعد وہ دوڑتی دوڑتی دوسرے کمرے سے نکل آئی۔ خوف کے مارے اُس کا

بُرا حال تھا مگر وہ صاف بچ گئی تھی۔ پیڈسٹل فین کے تار اور سوئچ بورڈ وغیرہ بالکل جل گئے تھے اور لائٹ بھی ساری رات ٹھیک نہ ہو سکی۔ مگر ہم نے خداوند تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا اور خیرات وغیرہ بھی دی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے میری بہن اور ہمارے گھر کو بچا لیا اور یوں یہ بھیانک لمحات میرے ذہن پر نقش بن کر رہ گئے ہیں۔ (نجمہ جبیں)

## ننھی دوست

جانوروں سے سبھی پیار کرتے ہیں لیکن ایک ننھی سی پیاری چڑیا کی یاد اب تک میرے دل میں نقش ہے۔ میں روزانہ چڑیوں کو دانہ وغیرہ ڈالتی تھی۔ اِن ہی میں سے ایک ننھی سی چڑیا میری دوست بن گئی۔ دانہ کھانے کے بعد سب چڑیاں اُڑ جاتیں تو ایک چڑیا دور بیٹھی مجھے دیکھتی رہتی۔ میں ہاتھ کے اشارے سے اُسے دانہ دکھاتی تو موقع پا کر دانہ چھین کر پھُر سے اُڑ جاتی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ مجھے بڑی اچھی لگتی۔ میرا جی چاہتا کہ میں اُسے پکڑ کر بے حد پیار کروں۔ وہ دور ہی سے چوں چوں کرتی رہتی۔ آخر کب تک۔ ایک دن پھر میرے ہاتھ سے دانہ لے کر چلی گئی اور پھر مجھ سے اتنی مانوس ہوئی کہ سب چڑیاں زمین پر سے معمول کے مطابق کھا کر چلی جاتیں مگر وہ میرے ہاتھوں سے کھا کر جاتی۔ میں انھیں چڑیوں میں سے اُسے پہچان جاتی کہ وہ میری چڑیا ہے۔ مجھے دیکھ کر چوں چوں کرنا شروع کر دیتی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں کمرے میں اپنے بستر پر بیٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ پنکھا چل رہا تھا۔ وہ اچانک کمرے میں آگئی۔ بڑی چہچہا رہی تھی۔ میں جان بوجھ کر انجان بن کر آنکھیں بند کئے اس کا تماشہ دیکھتی رہی۔ کبھی میرے پاؤں پر کبھی ہاتھوں پر چونچیں مارتی۔ آخر مجھے اُس کے حال پر ترس آگیا۔ اُٹھ کر چاول جو اُس کے لئے رکھے تھے لائی۔ اُسے کھلائے۔ بڑے مسرور انداز سے چہکتی ہوئی چلی گئی۔ میں جی ہی جی میں بے حد خوش تھی اور دوبارہ آ کر لیٹ گئی۔ اِسی لمحے اچانک پنکھے سے کسی چیز کے چھونے سے کھٹاک سے آواز آئی۔ میں بدحواسی کے عالم میں اُٹھی۔ میری دوست، پیاری ننھی چڑیا خون میں لت پت پڑی تڑپ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اُسکے منھ میں پانی ڈالا مگر کہاں۔ ہاتھوں سے دانہ کھانے میرے ہی ہاتھوں میں جان دے دی۔ (مہ جبیں بٹ)

# قرآن کا مطالعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (سورۃ النصر۔ آیت ۱ تا ۳)

# حاصل کلام

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ اللہ نے آپ کو نبی بنایا۔ آپ کے ذمہ یہ کام کیا کہ آپ کے پاس اللہ کا جو پیغام اور حکم آئے آپ اسے اللہ کے بندوں تک پہنچا دیں۔ اس پر عمل کرکے دکھا دیں اور اللہ کا دین پھیلانے میں ایسی کوشش کریں کہ دنیا میں اسی کا بول بالا ہو۔ انسانوں نے جو بہت سے من گھڑت دین بنا رکھے ہیں، ان پر اسلام غالب آجائے اور ہر کام اسلامی طریقے پر ہونے لگے۔

اس طرح ۲۳ سال تک اللہ کے پیغام اور احکام آتے رہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم انہی کے مطابق

کام کرتے رہے۔ بہت سے لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ ہو گئے۔ بہت سے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ سے جھگڑنے لگے۔ جب تک آپ مکہ معظمہ میں رہے بہت کم لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ مکے کے سردار اور بڑے بڑے لوگوں نے طرح طرح سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا، مارا، پیٹا۔ گھر سے بے گھر کیا۔ اللہ نے ڈھارس بندھائی کہ گھبراؤ نہیں۔ بہت جلد میری مدد آئے گی اور تم ہی کامیاب ہوگے۔ نصر من اللہ وفتح قریب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے مدینے چلے گئے۔ جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی مدینے پہنچ گئے۔ مدینے کے تمام لوگ مسلمان ہو کر آپ کے ساتھ ہو گئے اور وہاں آپ نے اسلامی حکومت بنالی۔ اب وہاں اسلامی قانون چلنے لگا۔

مکے کے سرداروں نے یہ دیکھا کہ مدینے میں اسلامی ریاست بن گئی تو انھوں نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور مدینے کی طرف بڑھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ نے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے ابھارا۔ ۳۱۳ مسلمان اسلام پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے حضورؐ کے ساتھ ہو لئے۔ آپ نے اتنے ہی مسلمانوں کو ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ کے فضل سے آپ نے دشمن کو مار بھگایا۔

اس لڑائی کے بعد بھی بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ ہر لڑائی میں دشمنوں نے منھ کی کھائی۔ دھیرے دھیرے اسلامی حکومت مضبوط ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن حضورؐ نے مکہ بھی فتح کرلیا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ ہے۔ کعبہ کی وجہ سے مکے کے سرداروں کی ہر جگہ عزت کی جاتی تھی۔ مکہ فتح ہوا اور مکے کے سردار بھی مسلمان ہو گئے اور انھوں نے آپ کی اطاعت قبول کرلی تو اب سارے عرب میں آپ کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ دو ایک قبیلے ایسے تھے جو اپنے گھمنڈ میں اسلامی حکومت سے ٹکرائے لیکن وہ بھی ہار گئے۔

ادھر اللہ تعالیٰ حضورؐ کو کامیاب کر رہا تھا ادھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اسلامی ریاست میں شیر اور بھیڑ کو ایک گھاٹ پانی پلا رہے تھے۔ پورا پورا انصاف کرتے تھے۔ مسلمانوں کو بہترین تربیت دے کر انھیں اچھا اور سچا انسان بنا رہے تھے۔ لوگوں نے یہ سب دیکھا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ سب نے مخالفت چھوڑ دی۔ چاروں طرف سے گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ مسلمان ہونے لگے۔ اطاعت

قبول کرنے لگے۔ چاروں طرف اِسلام کا بول بالا ہوگیا۔

یہ وقت تھا جب سورۂ نصر نازل ہوئی۔ اِس سورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اے نبیؐ! جب اللہ کی مدد آجائے اور آپ کو پوری فتح حاصل ہوجائے اور اسلامی حکومت کی نگرانی میں دین کا ہر کام ہونے لگے اور آپ دیکھ لیں کہ لوگ فوج در فوج آ آ کر مسلمان ہورہے ہیں اور اطاعت قبول کر رہے ہیں تو آپ کا کام یہ ہے کہ:

- اللہ کی حمد کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کریں۔
- اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگیں۔

## حمد

حمد کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا، اللہ کا اِحسان ماننا، اُس کا شکر ادا کرنا۔ یعنی اے نبیؐ! آپ کو یہ جو کامیابی ہوئی ہے، یہ اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے ہوئی ہے۔ اللہ کسی سے بھی یہ کام لے سکتا تھا لیکن آپ پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ، وہ آپ کا مرتبہ بڑھانا چاہتا تھا اِس لئے آپ سے یہ کام لیا" تو آپ اپنی تعریف کرنے کے بدلے اللہ کی تعریف کریں اور اُس کا شکر ادا کریں کہ اُس نے آپ سے یہ نیک کام کرایا۔

اِس جگہ ٹھہر کر یہ بات سوچنے کی ہے کہ اِسلام ہمیں کیا سکھانا چاہتا ہے۔ دنیا میں جب کوئی سپہ سالار کوئی لڑائی فتح کرتا ہے یا کسی شخص کو کہیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنی تعریفیں کرتا ہے۔ پورے غرور و گھمنڈ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جلسے جلوس کراتا ہے۔ لوگ اس کی بہادری اور بڑائی کے گیت گاتے ہیں۔ شعراء قصیدے پڑھتے ہیں۔ لیکن اسلام یہ سکھاتا ہے کہ بڑی سے بڑی کامیابی پر غرور کرنے کے بدلے اللہ کا احسان مانو، اللہ کی کبریائی مانو اور اللہ کے ہی گن گاؤ۔ اِسلام کسی حال میں بھی اِنسان کو آپے سے باہر نہیں ہونے دیتا۔

## تسبیح

تسبیح کے معنی ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنا یعنی اللہ ہر عیب اور خامی سے پاک ہے۔ وہ اس کا محتاج

نہیں ہے کہ کوئی اُس کی مدد کرے تب اُس کا کلمہ بلند ہو۔ کوئی اُس کا ساتھ دے تو اُس کا بول بالا ہو۔ نہیں،
اِس لئے اُس کا اِحسان آپ پر ہے کہ اُس نے آپ سے یہ کام لیا اور آپ کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہوا۔

## مغفرت

مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اَے نبی! اَپنے رب سے دعا مانگو۔ یہ دعا کہ اُس نے جو خِدمت آپ کے سپرد کی تھی اُس کا پورا پورا حق اَدا کرنے میں اگر کوئی کوتاہی اور کمی ہوگئی ہو، اُسے معاف فرمائے۔

اس طرح دعا مانگنے میں بھی وہی اَدب سِکھایا جا رہا ہے کہ کوئی کتنی ہی قربانی دے، کیسی ہی کوشش اَور محنت کرے لیکن اُس کے دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ میں نے اللہ کا دین غالب اَور بلند کرنے میں پورا پورا حق اَدا کر دیا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ادب اللہ تعالیٰ اَپنے آخری اَور سَارے نبیوں سے بڑے نبی کو سکھا رہا ہے تو کسی اَور شخص کا یہ مقام اور کمال کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اَپنے عمل کو بڑا عمل سمجھے اَور یہ غرور کرنے لگے کہ اللہ کا جو حق اس پر تھا وہ اُس نے اَدا کر دیا۔

سورۂ نصر ہمیشہ مسلمانوں کو یہ یاد دلاتی رہے گی کہ اللہ کی راہ میں جان کھپا دینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا کسی کامیابی پر غرور کرنے کے بدلے اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کا احسان مانیں اَور اَپنے لئے مغفرت کی دعا کریں۔

سورۂ نصر کا مطالعہ کرنے پر ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس کام کے پورا کرنے پر لگایا تھا۔ وہ کام یہ تھا: اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً (پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ) زندگی کے ہر شعبے میں اِسلامی قانون پر عمل ہو اَور اِس کی نگرانی اِسلامی حکومت کرے۔

سورۂ نصر اُن لوگوں کی اِس غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے جو چند عبادات ہی کو پورا دین سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ:

"اِسلام کا مقصد اِسلامی حکومت قائم کرنا نہیں ہے"

# پیشین گوئی

سورۂ نصر میں ایک پیشین گوئی بھی پوشیدہ ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب سورۂ نصر نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا "اب بہت جلد حضور صلے اللہ علیہ وسلم انتقال فرما جائیں گے۔" لوگوں نے پھر پوچھا "یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟" بتایا کہ جس کام کے لئے اللہ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جلد ہی آپؐ کو اپنے پاس بلالے گا۔

■ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی سمجھ گئے تھے اِس لئے حجتہ الوداع میں آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر منیٰ میں جو خطبہ دیا اُس میں فرمایا "شاید اس کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں۔" اور ایسا ہی ہوا۔ حج سے واپس آئے تو تین مہینے کے اندر ہی آپؐ کا انتقال ہوگیا۔

■ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب سورۂ نصر نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا "مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے اور میرا وقت پورا ہوگیا ہے۔"

■ اُم المومنین حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا "اِس سال میرا انتقال ہو جائے گا۔"

■ ایک مجلس میں جس میں اکابر صحابہؓ موجود تھے تو حضرت عمرؓ کے کہنے سے عبداللہ بن عباسؓ (جو اُس وقت نوجوان تھے) نے یہ کہا کہ اس میں حضورؐ کے انتقال کی خبر دی گئی ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہیں جانتا۔

■ امہات المومنین اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ اِس سورہ کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ بڑی کثرت سے حمد و تسبیح اور استغفار فرماتے "سبحان اللہ وبحمدہ" اور اس سے ملتے جلتے الفاظ اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتے رہتے تھے۔

■ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخرت کے لئے محنت اور ریاضت کرنے میں ایسا لگ گئے کہ اِس سے پہلے کبھی اس طرح مشغول نہیں ہوئے۔

# کتمانِ حق

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ — (اٰل عمران-۷۱)

اے اہلِ کتاب کیوں حق میں باطل کو ملاتے ہو۔ کیوں حق کو چھپاتے ہو جان بوجھ کر۔

اگرچہ آیت میں ایک خالص گروہ سے خطاب ہے مگر کتمانِ حق عموماً ممنوع ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (البقرہ-۱۵۹)

جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری کھلی آیتوں اور ہدایت کو ہمارے بیان کر دینے کے بعد۔ کتاب میں ایسے لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے۔

جس پر خدا ئے تعالیٰ لعنت کرتا ہے، وہ شخص کس قدر بُرا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے "اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے۔ گواہی کے متعلق بھی یہی ہے جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے باوجود دیکھ لینے کے وہ گنہگار ہوتا ہے۔

# کم تولنا

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ (الرحمٰن — ۹)

انصاف سے تولو۔ کم مت تولو۔

کم تولنا حرام ہے۔ اس سے مالِ تجارت میں برکت نہیں رہتی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا

افسوس ہے ان کم تولنے والوں پر، جو

عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ (المطففين ۱تا۳) لیتے وقت پورا چاہتے ہیں اور دیتے وقت کم تولتے ہیں اور کم ناپتے ہیں۔

حقیقۃً یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جب یہ کم تولنے والے خود سودا خرید تے ہیں تو چاہتے ہیں پورا ملے بلکہ کچھ زیادہ ملے مگر جب دوسروں کو دیتے ہیں تو پورا تولنا نہیں چاہتے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ○ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ○ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (الشعراء ۱۸۱تا۱۸۳) پورا ناپ کرو کم مت دو۔ وزن کرو سیدھی ترازو سے اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں سے کم مت دو۔

# کینہ

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا (الحشر ۱۰) اے رب مت ڈال ہمارے دلوں میں کینہ۔

دل میں دشمنی کو چھپائے رکھنا کینہ کہلاتا ہے۔ یہ منافقت کی دلیل ہے۔ چھپا ہوا دشمن بہ نسبت ظاہر دشمن کے بہت خطرناک ہوتا ہے جو لوگ کمزور ہوتے ہیں ان میں کینہ زیادہ ہوتا ہے کمزوری کی وجہ سے وہ بدلہ پر قادر نہیں ہوتے۔ لہٰذا دل ہی دل میں ان کی دشمنی پرورش پاتی رہتی ہے۔

بعض لوگ مرے ہوئے لوگوں سے کینہ رکھتے ہیں ان کی اولاد سے بدلہ لیتے ہیں یا جب کبھی ان کا ذکر آتا ہے تو برائی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بدترین انسان ہیں یہ کینہ کا انتہائی کینہ درجہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عادتوں سے پناہ مانگی ہے۔ جاہلوں میں کینہ اکثر ہوتا ہے۔

یہ لوگ دوستانہ طور پر اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں جو نہایت بزدلانہ حرکت ہے۔

# لغویات

وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (الفرقان ۷۲) جب لغویات پر گذرتے ہیں تو گذر جاتے ہیں بزرگانہ۔

یعنی خدا کے بندے جب لغو و بیہودہ چیزوں کی طرف سے گذرتے ہیں تو وہ دیکھتے بھی نہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ نکمی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتا۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (القصص — ۵۵)
اور جب سنیں نکمی باتیں تو ان سے اعراض کریں۔

جو لوگ لغو باتوں سے بچتے ہیں ان کی اس آیت میں تعریف کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مجلس میں لغو باتیں ہونے لگیں تو وہاں مت بیٹھو اور ان کی باتوں کو مت سنو۔
لغویات سے اس لئے روکا گیا ہے کہ ایسی باتوں سے ناگوار باتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وقت بھی فضول ضائع ہوتا ہے۔

# ناشکری

وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ٥ (البقرہ-۲، ۱۵۲)
میرا شکر کرو۔ ناشکری مت کرو۔

ناشکری کرنے سے نعمت زائل ہو جاتی ہے۔

مَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ٥ (لقمان ۱۲)
جو شکر کرتا ہے تو اپنی بھلائی کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنے لئے برا کرتا ہے اللہ غنی حمید ہے

اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرنا اس کی دی ہوئی چیز میں عیب نکالنا نہایت مذموم ہے۔ جو کچھ کسی سے ملے خواہ وہ تمہاری شان کے لائق نہ ہو، ضرور اس کا شکریہ ادا کرو تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ ایسا کرنے سے بہت سے فائدوں کی امید ہے اور یہ ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ منعم حقیقی کی ناشکری کرنا تو پھر کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال اس حیثیت میں زندگی بسر کی ہے کہ لوگوں سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے لیے بہترین نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنہ۔

ترجمہ:۔ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ایک معاشرے میں اور ایک پورے ملک میں لوگوں سے یہ بات کہہ دی جائے کہ یہ شخص تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی کو کھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ آپ کی کوئی چیز پرائیویٹ نہیں تھی۔ سب کچھ پبلک تھا۔ لوگوں کو ہر وقت اس بات کی اجازت تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ آپ کی زندگی کو بچشم خود دیکھیں۔ آپ کے اقوال کو سنیں اور لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ کے افعال کو دیکھیں اور لوگوں سے بیان کریں۔ بلکہ ان کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ ازواج مطہرات سے آپ کی نجی زندگی کے متعلق بھی معلومات حاصل کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہستی پورے دس سال تک اس طرح عوام کے سامنے ہے کہ وہ اس کی زندگی کا کوئی اور پہلو بھی ان سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ خدا کے رسول ؐ کے سوا کوئی انسان اس آزمائش (TEST) پر پورا نہیں اتر سکتا۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے کہ کوئی انسان اپنے آپ کو اس آزمائش کے لئے

پیش نہیں کرسکتا کہ ہر وقت ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے کر دیکھا جائے اور پھر کسی پہلو سے اس کے اندر کوئی عیب، کوئی نقص کوئی خامی اور کوئی کمزوری نہ پائی جائے بلکہ جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے، کامل درجے کا انسان نظر آئے۔ اور اس کے متعلق فی الواقع لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں کہ ہاں یہی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ مقام پوری انسانی تاریخ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

(۲)

## رہبر کامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جس دور کو بھی دیکھا جائے، آپ اس دور کے ایک مرد کامل نظر آتے ہیں۔ آپ کی ذات اقدس انسانیت کا بلند ترین نمونہ تھی جس کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے، کوئی داغ اور کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ یہی وہ چیز ہے جس سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ حضورؐ اللہ کے رسول تھے۔ اور ہمارے لیے سب سے زیادہ قابل اعتماد رہبر۔ انسان کسی شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے سکتا اور نہ اس کی پیروی اطمینان سے قبول کرسکتا ہے۔ جب تک کہ اس کو یقین نہ ہوجائے کہ وہ شخص ہر لحاظ سے قابل اعتماد سیرت کا آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان پوری انسانی تاریخ میں ایسا نظر نہیں آتا کہ جو اس درجہ مکمل اور قابل اعتماد سیرت و کردار کا مالک ہو۔ اس وجہ سے حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسی شخصیت جس کو انسانیت کا رہبر کامل مانا جاتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ کی ذات والاصفات کے سوا کوئی نہیں۔ اگرچہ تمام انبیاءؑ بھی بہترین رہبر تھے لیکن یہ واقعہ ہے کہ دوسرے انبیاءؑ کے متعلق ہم کو یہ یقین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت حاصل ہے کہ وہ اللہ کے نبی تھے، کیونکہ جن دوسری کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے ان کی موجودہ حالت میں ان کی حقیقی شخصیتوں کو بالکل مسخ کردیا گیا ہے اور ان کے اخلاق و کردار کا غلط نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ (ابوالاعلیٰ)

# اُمّتِ وسط

ایک ایسا اعلیٰ و اشرف گروہ جو عدل و انصاف کی روش پر قائم ہو جو دُنیا کی قوموں کے درمیان اپنی اعلیٰ درجہ کی قدروں کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہو۔ جو اللہ کے سارے بندوں کے ساتھ حق و راستی کا تعلق رکھے کسی سے اُس کا ناحق اور نامناسب تعلق نہ ہو۔

قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّتِ وَسَط اُس گروہ کو کہا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تربیت دے کر مقامِ بلند عطا فرمایا۔ یعنے مسلمان جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ قرآنِ کریم میں جس آیت کے اندر مسلمانوں کو اُمّتِ وَسَط فرمایا گیا اُسی آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ لقب کیوں دیا گیا۔ فرمایا:

---

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اس طرح ہم نے تم کو ایک اُمّتِ وَسَط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

---

گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جب سارے انسانوں سے اکٹھا حساب لیا جائے گا تو سب سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! تو نے ایمان و عمل اور نظامِ حق و انصاف کی جو تعلیم مجھے دی تھی وہ میں نے کچھ گھٹائے بڑھائے بغیر لوگوں تک پہنچا دی اور اُس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ اِس کے بعد اُمّتِ مسلمہ یعنی مسلمانوں کو یہ گواہی دینی

ہو گی کہ رسول نے جو تعلیم دی تھی وہ ہم نے دنیا کے تمام لوگوں تک پہنچانے میں اپنی حد تک کمی نہیں کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کے حکموں پر عمل کر کے ہم کو دکھایا اسی طرح عمل کر کے ہم نے بھی دنیا کے لوگوں کو دکھا دیا۔

اُمتِ مسلمہ کو اُمتِ وسط کا لقب دینا ایک بہت بڑی فضیلت ہے لیکن وہ جو مشہور ہے کہ جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے، یہ ایک بھاری ذمہ داری بھی ہے۔ یہ ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ اُمت مسلمہ کے سپرد کی ہے۔ اِس امانت اور ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ایک اعلیٰ اور اشرف گروہ اور حق و انصاف کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے کہاں تک اِس کا حق ادا کیا؟ اِس کا جواب مسلمان گروہ کو میدانِ حشر میں سب کے سامنے دینا پڑیگا۔

ہم بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہم بھی اللہ کے آخری نبی کے اُمتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم بھی اُمت وسط میں شامِل ہیں تو ہمیں بھی سوچنا ہے کہ اگر ہم اللہ کی عدالت میں واقعی اِس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی ہوئی تعلیم کو دنیا میں اپنے قول و عمل سے پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی ہے تو ہم بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت یہی شرف، یہی سرفرازی اور یہی فخر ہمیں لے ڈوبے گا۔ پھر یہ کہ خدانخواستہ ہمارے دَور میں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے جتنی برائیاں اور گمراہیاں دنیا میں پھیلیں اور جتنے فساد اور فتنے اللہ کی زمین میں رُونما ہوئے، اُن سب کے لئے برائیاں پھیلانے والوں کے ساتھ ہم بھی دھر لئے جائیں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں گناہ، ظلم اور گمراہی کا طوفان برپا تھا تو تم کہاں مر گئے تھے؟

دراصل یہ اُس اہم فرض کی یاددہانی ہے جس کے ادا نہ کرنے پر بنی اسرائیل کے اندر ایک ممتاز اور مخلص عابد کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو حکم دیا تھا کہ اس عبادت گذار سمیت اس بستی کو اُلٹ دو۔ یہ کیسا عابد ہے کہ نماز پر نماز اور وظیفے پر وظیفے پڑھے چلا جا رہا ہے لیکن پھیلتی ہوئی برائیوں کو دیکھ کر اس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کونے میں ٹانگ توڑے بیٹھا ہے۔

# اور میں اور میرے رفقاء تحریکِ اسلامی سے کس طرح وابستہ ہو گئے

آج تقریباً چھ سال کا عرصہ ہوا کہ میں شہر رانچی میں مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد سے تعلیم حاصل کر کے پہنچا تھا چند ہی دن گزرے تھے کہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی وغیرہ پر بحث لوگوں سے سنا کرتا تھا۔ میں ان جماعتوں سے بہت ہی کورا تھا۔ چونکہ میری پیدائش ایک ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو نیاز خوانی۔ میلاد خوانی کے علاوہ کچھ نہ جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ماحول کا اثر بھی پڑتا ہے۔ کوئی بھی میرے ماحول کے خلاف کچھ کلمات نکالتا تو میں وہابی' دیوبندی وغیرہ کہہ دیا کرتا تھا۔

چند ماہ گزرے ہی تھے کہ میری دوستی ایک تبلیغی بھائی سے ہو گئی۔ انھوں نے مجھے جماعت کے نصب العین۔ جماعت کے طریق کار اور جماعت اور تبلیغ کے فضائل بتائے اور میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہفتہ وار اجتماع میں شریک ہوا۔ شروع شروع تو مجھے اس جماعت سے کافی دلچسپی بڑھی اور ہفتے میں دو گشت تبلیغی نصاب کی تعلیم ماہانہ اجتماعات کے علاوہ تبلیغی دوروں میں حصہ لیتا رہا۔ بلاشبہ بعض خوبیوں نے مجھے بے حد متاثر کیا اور اس میں کوئی وجہ نہیں کہ میرے اندر داعیانہ انداز پیدا ہو گیا۔ اور میں ہر ملنے والے کو جماعت میں آنے کی دعوت دیتا۔ نمازوں کی تلقین کرتا۔ نفلوں پر

دھیان دینا میرا مشغلہ بن گیا تھا۔ گویا تھوڑے سے ہی عرصے میں اس جماعت کا جو کورس تھا مکمل کر لیا۔

اسی زمانے میں جماعت اسلامی کا نام بھی سننے میں آیا کہ جماعت اسلامی والے اقتدار کے بھوکے۔ سیاسی گروہ۔ امریکی پٹھو ہیں۔ حالانکہ میں نے جماعت اسلامی کے رفیقوں کو بھی دیکھا تھا۔ اخلاق مندی اور اسلامیت کی بو باس ان کی باتوں سے ظاہر ہوتی تھی۔ ایک صاحب نے دو عدد کتابیں دیں۔ (جن کا نام ذہن میں نہیں) ان کتابوں میں جو حوالے دیکر جماعت اسلامی پر تنقید و کیچڑ اُچھالا گیا تھا۔ وہ تنقیحات تفہیمات۔ خطبات وغیرہ کے حوالے تھے۔ میں نے پڑھا اور پڑھ کر مجھے بھی کھوٹ سا نظر آیا اور میں بھی تنقید کرنے والوں کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اُسی وقت ایک اور بات کا انکشاف ہوا۔ وہ یہ کہ جماعت اسلامی والے ہی پاکستان کے وزیر اعظم بھٹو کے پھانسی کا سبب بنے ہیں اس بات نے تو اور ہی آگ میں تیل کا کام کیا۔ میں نے جی کھول کر جماعت اسلامی والوں پر تنقیدوں کی بوچھار شروع کر دی اور انتہائی درجے کا تعصب مجھے جماعت اسلامی والوں سے ہو گیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک رفیق سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھے ایک کتاب "خطبات" تھما دی۔ میں نے اسے بہ مشکل لیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس کتاب میں اور مولانا مودودی صاحب کی کتاب میں بہت سی تحریف ہے۔ انھوں نے دعوے کے ساتھ کہا کہ ہرگز ایسی تحریف نہیں۔ آپ نے جو کتابیں پڑھی ہیں۔ ان میں محض عوام کے ذہن کو جماعت اسلامی کے خلاف اسے بگاڑا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایسی بات ہے تو تقابلی مطالعہ کیجئے۔ دونوں طرح کی کتابوں کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ کہیں ایسا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

بہرحال میں گھر واپس آیا اور تقابلی مطالعہ ایک ایک حوالہ کے مطابق کیا اُف اللہ میری زبان سے نکلی۔ راز کھل گیا حقیقت سمجھ میں آگئی۔ اب یہیں سے روشنی کا آغاز ہوا۔ اور میں جوں جوں لٹریچر پڑھتا گیا۔ حقیقت واضح ہوتی گئی۔ اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا اور نہ جانے کتنی قیمتی چیزیں میری سمجھ میں آئیں۔ اب میں نے سوچا کہ جماعت اسلامی کو قریب سے سمجھوں۔ چنانچہ میں نے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کی۔ درس قرآن۔ درس حدیث مشقی تقاریریں۔ معلومات میں اضافہ ہوا۔

یہ ساری باتیں اپنے رفقاء کو بتاتا رہا جو میرے ہی جیسے تھے۔ بلکہ جماعت اسلامی والوں کے سخت مخالف۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ جماعت اسلامی کو میں قریب سے جانتا ہوں۔ اُن کے سارے اصول عین اسلام ہے۔ انہوں نے ان سب باتوں کو سمجھا اور جماعت کے اجتماع میں شریک ہونے لگے بلکہ آل انڈیا اجتماع حیدرآباد میں شرکت کی۔ اِس اجتماع میں ساری تقریروں کو ٹیپ رکارڈ کر کے گھر لایا عوام کو سنایا۔ بہت سے لوگ اِس جماعت سے دلچسپی لینے لگے اور جماعت اسلامی کا ضلعی اجتماع بھی اس گاؤں میں منعقد کیا اور میں میرے رفقاء تحریک اسلامی سے اِس طرح وابستہ ہو گئے۔

حافظ نہال ابدآل احمد خضر ٹولہ۔ رانچی

# جو بڑھ کر تھام لے مینا اُسی کا ہے

دُنیا گویا ایک ریل گاڑی ہے جس کو فکر و تحقیق کا انجن چلا رہا ہے اور مفکرین و محققین اِس انجن کے ڈرائیور ہیں۔ یہ گاڑی ہمیشہ اُسی رُخ پر سفر کرتی ہے جس رُخ پر ڈرائیور اس کو چلاتے ہیں۔ جو لوگ اِس میں بیٹھے ہیں وہ مجبور ہیں کہ اُسی طرف جائیں جس طرف گاڑی جا رہی ہے خواہ وہ اُس طرف جانا چاہیں یا نہ چاہیں۔ اگر اِس گاڑی میں کوئی ایسا مسافر بیٹھا ہے جو اِس راہ پر نہیں جانا چاہتا تو وہ اِس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ :

چلتی ہوئی گاڑی ہی میں بیٹھے بیٹھے اپنی نشست کا رُخ آگے کے بجائے پیچھے یا دائیں بائیں پھیر دے۔ مگر نشست کا رُخ بدل دینے سے سفر کا رُخ نہیں بدل سکتا۔ سفر کا رُخ بدلنے کی صورت اِس کے سوا اور کوئی نہیں کہ انجن پر قبضہ کیا جائے اور اُس کی رفتار کو اُس جانب پھیر دیا جائے جو مطلوب ہے۔

اِس وقت جو لوگ انجن پر قابض ہیں وہ سب خدا سے پھرے ہوئے ہیں اور فکر اسلامی سے بے بہرہ ہیں۔ اس لئے گاڑی اپنے مسافروں کو لئے ہوئے الحاد اور مادہ پرستی کی طرف دوڑی چلی جا رہی ہے اور سب مسافر طوعاً و کرہاً اسلام کی منزلِ مقصود سے دور اور دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اب اِس رفتار کو بدلنے کے لئے ضرورت ہے کہ خدا پرستوں میں سے کچھ باہمت مرد اٹھیں اور جدوجہد کر کے انجن کو اِن ملحدین کے ہاتھوں سے چھین لیں جب تک یہ نہ ہوگا، گاڑی کا رخ نہ بدلے گا۔ ہمارے جھنجلانے، بگڑنے اور شور مچانے کے باوجود اُسی راہ پر سفر کرتی رہے گی جس پر ناخدا شناس ڈرائیور اُسے چلا رہے ہیں۔ (مولانا مودودیؒ)۔ مرسلہ: وسیمہ تزئین بلند شہر

وسیمہ تنویر۔ بلند شہر

# ایک ماں مثلِ زینب رضی اللہ عنہا

یہ کہانی ایک ایسی ماں کی ہے جس نے مثلِ زینبؓ ایثار اور صبر کیا تاکہ وہ زینبؓ کی مثل بن سکے۔ یہ کہانی اسی ماں کی زبانی سنئے (وسیمہ)

میں ۴۰ سال قبل قزوین (ایران) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئی۔ میں ابھی ۱۴ سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ میری شادی ماموں زاد بھائی سے ہوئی۔ ہماری ازدواجی زندگی ایک کرائے کے کمرے سے شروع ہوئی۔

شروع ہی سے میرے شوہر کو بچوں سے بڑی دلچسپی اور لگاؤ رہا ہے۔ خدا نے اپنے فضل سے چار سال بعد ایک لڑکا عطا کیا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اب تمہارے اور لڑکا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس لئے یہی بچہ ہماری ساری توجہ کا مرکز بن گیا۔

لڑکپن ہی سے اسے نماز اور عبادات سے کافی لگاؤ تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ کھڑا ہوتا اور نماز کے ارکان ادا کرتا۔ میرے شوہر نماز کو ستونِ دین سمجھتے تھے۔ وہ نماز اور عبادات میں لڑکے کی دلچسپی دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

اسی طرح میرا لڑکا پرویز بڑھتا گیا اور جیسے جیسے وہ بڑھتا گیا میں بہت خوش تھی۔ ایسی خوشی جس کا اظہار اس دنیا میں ممکن نہیں۔ انقلاب کے مظاہروں میں میرا شوہر اپنے ایک دوست کے

ساتھ گیا۔ پھر واپس نہیں آیا۔ تو میرے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ آ پڑا۔

میں چاہتی تھی کہ شوہر کے نقشِ قدم پر چلوں اور اُن کے اِرادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔ راتوں کو میں کپڑا سیتی اور اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کرتی۔

شروع میں میں ایک مالدار خاتون کے گھر میں کام کرتی رہی۔ ایک روز پرویز کو ساتھ لے گئی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت آ پہونچا۔ میں نے اور پرویز نے باورچی خانے میں کھانا کھایا۔ پرویز نے مجھ سے پوچھا کہ ہم باورچی خانے میں کھانا کیوں کھا رہے ہیں؟

میں نے جواب دیا "بیٹا! وہ مالک ہے اور میں اُس کے گھر میں کام کرتی ہوں۔ اِسی لئے ہم باورچی خانے میں کھانا کھا رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد پرویز نے بچکانہ پن میں کہا "جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو جباروں کا سر توڑ دوں گا۔" اُس دن کے بعد سے میں پھر اس دولت مند کے گھر نہیں گئی۔ صرف خیاطی ہی کے ذریعہ اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرتی تھی۔

پرویز آہستہ آہستہ محروموں کے حالات سے آشنا ہوتا گیا اور ہمیشہ اُن کی مدد کے لئے تیار رہتا تھا۔ پڑوس میں ایک بی بی تھیں۔ اُن کا شوہر چھ مہینے سے اسپتال میں ہی پڑا تھا۔ پرویز اُس زمانے میں اُن کی ضرورت کو پورا کرتا رہا۔

دورانِ انقلاب وہ دل و جان سے درباریوں کا مقابلہ کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی مجھ پر مادرانہ جذبات غالب آتے تو میں کہتی "بیٹا! اِتنا زیادہ مظاہروں میں شریک نہ ہو۔ اگر تم مر گئے تو میں کیا کروں گی؟ میں نے تیرے باپ کو مظاہروں میں کھو دیا اور تو بھی اِن مظاہروں میں کھو جائے گا۔"

انقلاب کی کامیابی کے بعد اُس نے انقلابی کمیٹی میں کچھ کام کیا۔ اِس دوران میں اُس نے اپنے کئی دوستوں کے خیالات جو کہ انقلاب کے دشمن تھے، اپنے دلائل سے بدل دیئے۔

جنگ کے آغاز سے ہی پرویز کو آرام اور چین نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مسلمان کے لئے باعثِ ننگ

ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور اُس کا ملک غیروں کے ہاتھ میں پڑ جائے۔

وہ اپنے خطوں میں ہمیشہ مجھے اِس بات کی تاکید کرتا تھا کہ میں زخمیوں اور بے خانماں افراد سے ہمدردی کروں۔ وہ چند مرتبہ طہران آیا۔ آخری مرتبہ وہ مجھ سے لپٹ پڑا اور کہنے لگا "ماں! مجھے یسا محسوس ہوتا ہے کہ طویل عرصہ جنگ میں تم کو آخری بار دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا سلام اپنے باپ کو اور دوسرے شہدار کو پہنچاؤں گا۔ خدا حافظ ماں!"

جب کبھی مجھ پر مادرانہ جذبات غالب آتے تو میں اپنے فرزند کے کہنے کے مطابق صبر کرتی۔ فرزند اور شوہر کی جدائی کے اِن جان لیوا لمحوں کو بڑے تحمل سے برداشت کیا۔

ایک رات خواب میں میں نے اپنے شوہر کو دیکھا۔ وہ مسرور و خوش تھے کہ اُن کی امانت میں نے بخیر و خوبی انجام پہنچائی۔

میں خواب سے حیران و پریشان بیدار ہوئی۔ شام کے وقت میرے تنہا فرزند کی شہادت کی خبر ملی۔ پرویز کی شہادت سے پہلے مجھے یہ خیال تھا کہ اگر میں پرویز کو کھو دوں گی تو تنہا رہ جاؤں گی۔ لیکن میں اکیلی نہیں ہوں بلکہ ہزارہا فرزند میرے پاس ہیں۔ سب کے سب کفر سے دلیرانہ جنگ میں مصروف ہیں۔

خدایا تو میرے فرزندوں کو طاقت و قوت عطا فرما کہ وہ ہمیشہ ثابت قدم رہیں اور دشمنانِ اسلام سے بہادرانہ جہاد کرتے رہیں۔ آمین

آج کا حاتم ۔ قسط ۴

گذشتہ سے پیوستہ

# ردِ عمل

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا ۔ یا یوں کہیئے وہی ہوا جو ہونا چاہیئے ۔ حسن کئی دن کے بعد برہما پور سے جونیر ہائی اسکول گیا ۔ وہ کُرتہ ، پاجامہ پہن کر گیا تھا ۔ ماسٹروں اور لڑکوں کو بڑا اچنبھا ہوا ۔ حسن نے آج ایک نئی بات یہ بھی کی کہ خود بھی ڈیسک اور اسٹول لے کر بیٹھا اور دوسرے اچھوت لڑکوں سے بھی کہا کہ وہ بھی سب کے برابر بیٹھیں ۔ اونچی ذات والوں کے لئے یہ آشچریہ کی بھی بات تھی اور ناقابل برداشت بھی ۔ کلاس ٹیچر پوچھ بیٹھا :

"ارے ہسوا ! آج تو یہ نئے پرکار کے کپڑے پہنے ہے رے !"

"پنڈت جی ! اب میں ہسوا نہیں ہوں ۔ میرا نام حسن ہے اور میں مسلمان ہوں ۔"

"ہوں ... ں ... ں ملیکھ ہو گیا ۔"

"نہیں ۔ پہلے ملیکھ تھا ۔ اب پاک ہو گیا ہوں ۔"

"اور آج تیری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ ڈیسک کرسی لے کر بیٹھا ہے ؟"

"بپّا نے کہا تھا کہ سب کے برابر بیٹھنا ۔"

"پھکّو چودھری نے ؟ وہ جو ایم ۔ ایل ۔ اے ۔ ہیں ۔"

"پنڈت جی ! میرے بپّا کا نام فاروق چودھری ہے اور وہ بھی مسلمان ہیں ۔"

"ہوں ... ں ... ں ۔ اور کون کون ملیکھ ہوا ہے ؟"

"پنڈت جی ! ملیکھ نہ کہیئے ۔ میرے بپّا اور رحیم ودھا کے سارے لوگ ، بچے ، بوڑھے ، مرد ، عورتیں سب مسلمان ہو گئے ہیں ۔ اب اُن کے بڑے اچھے نام ہیں ۔ میری بہن آرتی کا نام عائشہ ، ہری کا نام حمزہ ، کملی کا کاملہ ، ہمنی کا غزالہ ، بن کٹوا کا بلی پہلوان وہیں تھا ۔ وہ مسلمان ہوا تو اُس کا نام خالد سیف اللہ رکھا گیا ..." حسن کہتا چلا گیا ۔ پھر اُس کو خدا جانے کیا سوجھی ۔ پیاؤ کے پاس گیا ۔

گلاس اٹھایا اور بالٹی سے پانی لینا چاہا تو اونچی ذات کا ایک لڑکا بڑھا۔ وہ اس سے گلاس چھیننے لگا۔ وہ
بھی کہتا جا رہا تھا کہ حسوا نے گلاس چھوت کر دیا۔ حسن نے گلاس نہ چھوڑا تو اونچی ذات کے کئی اور
لڑکے پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر اچھوت لڑکے جو ابھی تک سہمے ہوئے تھے، اچانک ان کو جوش آ گیا اور
وہ بھی حسن کی مدد کو جا پہنچے۔ قریب تھا کہ بات بڑھ جائے کہ ہیڈ ماسٹر نے آ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ اس نے
اسی وقت چھٹی کر دی۔ ماسٹروں کو روک لیا تھا۔ ان سے کہا "اسمبلی میں سوال اٹھ کھڑا ہوگا۔ آپ لوگ
قانون کے تحت اچھوت لڑکوں کو پانی پینے سے روک نہیں سکتے۔ حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"
حسن کو ڈر تھا کہ اونچی ذات کے لڑکے راستے میں پکڑ کر پیٹیں گے۔ سامنے لودھرا گاؤں تھا۔
وہ اپنے ساتھی کھنا کے ساتھ لودھرا چلا گیا۔ کھنا نے اپنے پتا سے پھر اس کے پتا نے گاؤں والوں سے
حال کہا تو سب نے کہا "ہم چلتے ہیں کنش پور۔ دیکھیں کون حسن بھیا کا بال بیکا کرتا ہے۔ ہم لٹھ چلا دیں گے"
سب لٹھ لئے ہوئے کنش پور پہنچے۔ فاروق چودھری سے ملے۔ فاروق چودھری نے اپنے ایک آدمی کو
پردھان کو دوڑا کر حاتم کو بلوایا۔ اسکول میں جو کچھ ہوا تھا، سنا گیا۔ چودھری نے حاتم سے کہا کہ
بھیا! میری طرف سے ایک خط پردھان منتری کو لکھو۔ میں خود لے کر جاؤں گا اور اسمبلی میں سوال
اٹھاؤں گا۔

حاتم نے کہا "آپ پہل نہ کریں۔ کئی گاؤں کے سیکڑوں آدمیوں کا مسلمان ہونا ایسی بات نہیں ہے
جو چھپی رہے۔ اب آپ دیکھیں گے۔ کل کے اخباروں میں یہ بات آ جائے گی اور دو تین دن کے اندر پورے
دیس میں آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ پریس کے نمائندے ہندو مسلمان سبھی یہاں آنے لگیں گے۔
جب تک اجلاس شروع نہ ہو آپ کنش پور سے باہر نہ جائیں۔ پریس کے نمائندے زیادہ تر آپ ہی سے
بات کریں گے۔ میں ایک آگاہی دے دوں۔ شر پسند لوگ ہنگامہ کرنے کی بہت کوشش
کریں گے۔ جہاں تک ہو سکے صبر سے کام لیجیے۔ امن برقرار رکھنے کی کوشش کیجیے۔ گاؤں کے
چوکیدار کو خبردار کر دیجیے۔ اس سوال کا جواب سوچ رکھیے جو شر پسند لوگ اٹھائیں گے یعنی یہ کہ

عرب ویس سے پیٹرو ڈالر آرہے ہیں۔ ہزار ہزار پانچ پانچ سو روپیہ دے کر یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ ایک بات اور یاد رکھئے۔ اب کی آپ دلی جائیں تو ایک صاحب آپ سے ملیں گے سید صادق حسین صاحب۔ وہ آپ ہی کے گروپ کے ہیں۔ وہ بھی کانگریس آئی کی طرف سے ایم ایل اے ہوئے ہیں۔"

"ہاں بھیا! سید صاحب بہت اچھا بولتے ہیں۔"

"اُن سے مل کر یہاں کا حال کہہ دیجئے گا۔ بتا دیجئے گا کہ آپ کا دس ہزار کا چیک وصول کر لیا گیا اور کپڑا خرید کر لوگوں کو شرعی لباس بنوا دیا گیا۔"

"بیٹا حاتم! سید صاحب سے تمہارا کیا رشتہ ناتہ ہے؟"

"سید صاحب ہی بتا دیں گے۔ میرا سلام کہہ دیجئے گا۔"

حاتم جان بوجھ کر بات کو مختصر کر رہا تھا۔ اُس نے بات ختم کر کے لودھرا کے لودھ ذات کے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ یہی کہا کہ ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ انسان ہونے کے ناتے سب برابر ہیں۔ ہمارا سب کا خدا ایک ہے۔ وہ خدا ایک ہی ہے۔

اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا۔ آخرت کا عقیدہ سمجھایا بالکل اسی ڈھنگ سے جیسے چمرودھا والوں کے سامنے پیش کیا تھا جب حاتم نے یہ کہا کہ آپ دیکھیں دنیا میں ڈاکو اور غنڈے لوگ دندناتے پھرتے ہیں اور بھلے لوگ سہمے اور دبے رہتے ہیں جیسے آپ لوگ ہیں، پھر سب مر جاتے ہیں تو کیا اس کا انصاف نہیں ہونا چاہئے۔ اگر جواب ہے کہ "نہیں" تو پھر دنیا میں آدمی کا پیدا ہونا بیکار ہی معلوم ہوتا ہے۔ دل کہتا ہے کہ ایک دن ایسا آنا چاہئے جب پورا پورا انصاف ملے۔ دنیا میں کسی کو پورا پورا انصاف نہیں ملتا۔ مل بھی نہیں سکتا۔ سوچئے! ایک ڈاکو نے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اس قتل سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے۔ پھر اُس ڈاکو کو پھانسی دے دی گئی تو کیا انصاف ٹھیک ٹھیک ہوگیا؟ ہرگز نہیں ہوا۔ یہ انصاف آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کریگا کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے

یہ بات لودھرا والوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ "ستیہ ہے" اُن کی زبان سے نکلا اور وہ اسی جگہ مسلمان ہوگئے۔ پھر جب لودھرا گئے تو گاؤں بھر کے سارے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ یہ خبر جرودھا اور کنشور پہنچی۔ فاروق چودھری، مکھیا، بابا اور حاتم وہاں پہنچے۔ بتایا کہ نہا دھو کر پاک کپڑے پہن لو۔ دوپہر ہوتے ہوتے سب نے نہا دھو لیا۔ ظہر کی نماز جرودھا کے مکھیا ابوالحسن علی نے پڑھائی۔ پھر کوریانہ کے مکھیا ابوالاعلیٰ (سابق نام سُدھاک مکھیا) نے بھاشن دیا۔ بھاشن میں اُنھوں نے چار باتوں کی طرف دھیان دلایا۔ اوّل یہ کہ سب سے پہلے ہمیں اسلام کے سانچے میں پورے کے پورے ڈھلنا ہے۔ دوم یہ کہ اپنے گھر والوں اور بستی کے لوگوں کو اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلانا ہے۔ تیسرے یہ کہ اسلامی تعلیم کا بندوبست کرنا ہے جو ہم سوچ رہے ہیں۔ اِس کے لئے آٹھ گاؤں کے بیچ میں چودھری صاحب نے پانچ ایکڑ اپنی زمین دی ہے۔ دو ایکڑ علی میاں نے دی۔ اِس سے ملی بابا کی تین ایکڑ زمین تھی۔ بابا نے اپنی وہ زمین دے دی۔ اِس طرح دس ایکڑ زمین ہوگئی۔ اللہ نے چاہا تو وہاں مسجد اور اسکول بنے گا۔ اور چوتھی بات یہ کہ ہم اگلے الیکشن میں ایسے نیک لوگوں کو اُوپر لے جائیں گے جو ستیہ کا پالن کرنے والے ہیں، دیش میں ستیتا پھیلانے والے ہیں اور ہمارے دیس کی مہما ایشور کا نام لے کر بڑھانے والے ہیں۔ ہم اُن کے سامنے اسلام بھی پیش کریں گے۔ جو مان لے اُس کا بھلا اور جو نہ مانے ہم اُس کے لئے بھی بھلائی کی ہی بات سوچیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ اُونچی ذات کے گھمنڈی لوگوں کو چھوڑ کر سب ہماری بات سُنیں گے۔ پھر اللہ نے چاہا تو ہم اُن میں سے اچھے لوگ چن لیں گے۔

تقریر ختم ہوئی۔ لودھرا کے چودھری خان محمد (کھنّا چودھری) نے میٹھا پکوا کر سب کو کھلایا۔ اِسکے بعد لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

## جھوٹ کے پاؤں

اِسی ہفتہ موٹی موٹی سُرخیوں کے ساتھ اخباروں میں خبریں آنے لگیں۔ پریس نے اندیشہ ناک اور

اشتعال انگیز مضامین کے ساتھ اتنا شور مچایا کہ دیش بھر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ پریس نمائندے چاروں طرف سے چمرودھا، کنش پور، لودھرا، بن کٹوا، کوریا نہ آنے لگے۔ ہمارے دیس کے پریس نمائندوں کا عجیب حال ہے۔ خبر کو کچھ کا کچھ کر دینے میں اُن کو شرم نہیں آتی۔ پوری پوری خبریں جھوٹی بنا دیتے ہیں۔ ایک اخبار نے یہ خبر چھاپی:

"فرقہ پرست جماعتِ اسلامی کے دو نوجوان ممبر ایک نوجوان لڑکی کو اغوا کرنے کے لئے چمرودھا پہنچے۔ اُنھوں نے لڑکی کے باپ پر دولت کی بھرمار کر دی۔ وہ اُس کے گھر رہے۔ پھر جب کنش پور کے لوگ اس لڑکی کو بچانے چمرودھا پہنچے تو انھیں پانچ پانچ سو روپیہ دیئے گئے۔ اُنھیں بہکایا گیا۔ دولت کا لالچ دیا گیا۔ یہ بھی دھونس دی گئی کہ اگر تم لوگ مسلمان نہ ہوئے تو تمہارے گاؤں کو جلا کر راکھ کر دیا جائے گا۔ ہمارے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ دونوں مسلم نوجوانوں کے پاس آتشیں آلے ہیں۔ بہت سے ہندو چمرودھا اور کنش پور سے برہما پور بھاگ آئے ہیں۔"

یہ بات تو لگ بھگ نوّے فیصد اخباروں نے چھاپی کہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے عرب دیسوں سے لاکھوں ڈالر آتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ مسلمان ہونے والوں کو پانچ پانچ سو روپیہ بھی دیا جاتا ہے جو اخبار والے پکش پات اور تعصب سے پاک ہیں اُن کا رول بہت اچھا رہا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہندو دھرم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اچھوتوں کو سماج میں برابری کا مقام ملنا چاہیئے۔ دراصل وہ اس لئے مسلمان ہوئے کہ اسلام میں مساوات (سماجی برابری) ہے۔

## اسمبلی ہال میں دھواں دھار تقریریں

جیسا کہ خیال تھا۔ شر پسندوں نے اسمبلی میں سوال اُٹھوادیا حکومت پر اعتراض کیا کہ وہ مسلمانوں سے ووٹ لینے کے لالچ میں اُن کے ساتھ رعایت کرتی ہے۔ فرقہ پرست ممبروں نے اسمبلی

دھواں دھار تقریریں کیں۔ اِن تقریروں کے جواب میں کنش پور کے ایم۔ ایل۔ اے جناب فاروق دھری نے تقریر کی۔ اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"اسپیکر مہودے! آپ گواہ ہیں۔ آپ کی کتابیں گواہ ہیں۔ آپ کا دھرم گواہ ہے۔ ہزاروں برس سے آپ نے ہمارے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔ آپ نے ہم کو ہمیشہ نجس اور ناپاک سمجھا۔ ہمارے سائے سے آپ کو نفرت رہی۔ آپ نے ویدوں کے بول ہمیں سننے نہیں دئے۔ اگر ہماری غلطی سے ویدوں کا کوئی اشلوک ہمارے کانوں میں پہنچ گیا تو آپ نے سیسہ گرم کر کے ہمارے کانوں میں ڈال دیا۔ آپ نے ہمیں اپنی بستیوں میں رہنے نہ دیا۔ ہم نے جنگل کاٹ کر بسایا۔ ہم نے آپ کے لیے جنگل کی نعمتیں پیش کیں۔ آپ نے ہمیں شرافت کا کوئی دانہ نہیں دیا۔

نتیجتّہً! ہم ہزاروں برس سے مُردار کھاتے چلے آرہے تھے۔ ہم آپ کے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے رہے۔ ہم کو حرام و حلال، جائز و ناجائز کی تمیز نہیں تھی۔ آپ ہمیں باہم لڑاتے رہے جب بھی بلوہ ہوا، آپ نے ہم سے کام لیا اور ہم نے اپنے تیر آپ کے مقابل فرقے پر برسائے آپ کے کہنے سے ہم نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو اُن کے گھروں میں زندہ جلا دیا مہاپاپ کے اپرادھی بنے۔

حکومت نے برابری کا قانون پاس کر دیا مگر وہ آپ کے دلوں میں نہ اُترا۔ آپ نے ہمارے ساتھ رعایت کا اعلان کیا لیکن حکومت کے کارندے ہی آدھے سے زیادہ ہڑپ کر گئے۔ ہم چوری کرتے رہے۔ ہم ڈاکہ ڈالتے رہے۔ ہم اس حالت میں پہنچا دئے گئے کہ ہم سے جانور اچھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ اُس نے ایک مسلم نوجوان کو ہمارے یہاں بھیجدیا۔ ہم اس نوجوان کی پاکیزگی اور پوترتا کے گواہ ہیں۔ اُس نے ہماری عزت کو اپنی عزت سمجھا۔ اُس نے ہمیں اللہ کے بارے میں ٹھیک علم دیا۔ اللہ کے

رسول کے بارے میں سچا عقیدہ دیا۔ اس نے اسلامی مساوات کا نمونہ پیش کیا۔ آج ہماری لڑکیوں کی شادیاں مسلمان لڑکوں سے ہو رہی ہیں اور مسلمان لڑکیاں ہمارے لڑکوں کے نکاح میں ہیں۔

سجنو! کل جب ہم پھکو کے نام سے آپ کے گھر جاتے تو آپ ہمیں زمین پر بٹھاتے تھے۔ آج جب میں فاروق بن کر آپ کے گھر جاتا ہوں تو آپ کرسی پیش کرتے ہیں۔ یہ صرف نام کی تبدیلی کا اثر ہے۔ رہا قبول اسلام کا نتیجہ تو اللہ نے چاہا تو آخرت میں ہم کو جنت ملے گی میں آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ بکش بات سے کام نہ لیں۔ اسلام کا مطالعہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہی وہ دین ہے جس کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس ہندو ہندی ہندوستان کے سوا کچھ نہیں۔"

فاروق چودھری کے بعد سید صادق حسین صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارے دیس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے کہ اب بھارت کے لوگ پانچ پانچ سو روپوں کے عوض بکنے لگے اگر ہم اس طرح بکتے رہے تو دنیا کی نظروں میں ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔ ان جھوٹی باتوں سے کام نہیں چلنے کا حقیقت کو سامنے لائیے۔ وہ بات کیجئے جس سے دیش کا وقار اونچا ہو۔ اس طرح کی افواہ اڑانے سے ہماری سرکار کو نااہل کہنے کے سوا اور کیا مطلب لیا جائے گا۔

اُس دن کے اجلاس کا ٹائم ختم ہونے پر جب فاروق چودھری اور سید صادق حسین صاحب گلے ملے اور صادق صاحب حاتم کا نام لے کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے تو چودھری صاحب کا بھی دل بھر آ کچھ ہریجن ایم۔ ایل۔ اے۔ بھی آ گئے تھے۔ اُن میں سے بیراگی بابو نے اسی جگہ صادق حسین صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ بیراگی بابو کا نام گل محمد رکھا گیا۔

صادق صاحب نے فاروق صاحب سے حاتم کا حال پوچھا۔ فاروق چودھری نے حال بتا۔ کے بعد انھیں چمرودھا آنے کی دعوت دی جسے سید صاحب نے منظور کر لیا اور کہا کہ عاصم صاحب

سے مشورہ کرکے آنے کی تاریخ لکھ بھیجوں گا۔ اس کے بعد سید صاحب نے عاصم صاحب کو خط لکھا کہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے حاتم جیسا بیٹا ملا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا میں اب اس کا قائل ہوگیا۔ حاتم پڑھ لکھ کر جو کام کر رہا ہے دراصل وہی کام کرنے کا ہے۔ میں نے بھی وہی نصب العین قبول کر لیا ہے۔ انشاءاللہ اب آپ مجھے اپنے نقشِ قدم پر دیکھیں گے۔

اُردو اخباروں میں "صدائے سحر" نے بڑی سنجیدگی سے اس مسئلے کو لیا۔ صدائے سحر کا ایڈیٹر خود ان گاؤں میں گیا۔ وہاں کے حالات قلمبند کئے۔ ایڈیٹر صاحب صدائے سحر صحافی ہونے کے ساتھ ادیب بھی ہیں۔ انھوں نے ایک ایک بات کو بہترین عنوان دے کر لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

**سعادت**:۔ چمرودھا کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے کوئی سوال کیا۔ نومسلم نے بغیر خوف کھائے نہایت اطمینان سے اس کا جواب دیا۔ عہدہ دار کے لئے یہ جواب بالکل ہی خلافِ توقع تھا کیونکہ اب تک ہریجن حکومت کے کسی عہدہ دار کی صورت دیکھتے ہی سہم جایا کرتے تھے اور جواب دینا ہوتا تو ہاتھ جوڑ کر اور گڑگڑا کر جواب دیتے تھے۔ مگر یہاں تو دوسری ہی صورت حال تھی جسکے عادی یہ حکومت کے عہدیدار نہیں تھے۔ اس جواب سے عہدیدار کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے کڑک کر کہا "اے، تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے بات کر رہا ہے؟"

"اپنے جیسے ایک انسان سے" نومسلم نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"نالائق! تمیز سے بات کر" عہدیدار ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تمیز سے مجھے نہیں تمہیں بات کرنی چاہئے کیونکہ میرے ٹیکس سے تم پل رہے ہو مگر تمہاری نوکری سے میں نہیں پل رہا ہوں۔" نومسلم نے اسی اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"تجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ یہی نا کہ مجھے جھوٹے الزامات میں گرفتار کرا دو گے، اس پر بھی تمہارا دل نہ بھرا تو میری بیوی کو بھی پکڑوا دو گے۔ اس پر بھی تمہارا دل نہ بھرے تو میری معصوم بچی کو

بھی تکلیف دو گے۔ اس کے باوجود بھی تمہارا دل نہ بھرے تو ہم سب کو ایذائیں دلوا کر قتل کروا دو گے۔ یہی کرو گے نا۔ لیکن تم یقین کرو کہ اب تمہارا کوئی حربہ ہم پر کارگر نہ ہوگا۔ آہ! تم کیا جانو کہ ہری جن ہو کر مرنا ہمارے لئے کتنا دردناک ہوتا اور اب مسلمان ہونے کے جرم میں قتل ہو جانا کتنی بڑی سعادت ہے!"

عہدہ دار نے چند ہی دنوں کے نومسلم کی زبان سے اِس جذبۂ ایمانی کو سُنا تو ہکا بکا ہو کر وہاں سے چل دیا۔

**سکون کہاں مِلا؟** :۔ مرکزی حکومت کا ایک اعلےٰ آفیسر حمر پو دھا آ کر ایک نومسلم سے ملاقات کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے "حکومت نے تم کو یہ اور یہ سہولتیں دی تھیں اور ہر قدم پر اتنی رعایتوں سے تمہیں نواز رہی تھی۔ اِس کے باوجود تم نے اپنا ہندو مذہب کیوں بدل دیا؟" اِس کے جواب میں نومسلم نے کہا:

"ہاں صاحب! حکومت ہمیں طرح طرح سے نواز رہی تھی لیکن ایک بات میں کہتا ہوں۔ آپ اِس پر غور کیجیئے۔ ایک اچھی نسل کے کتّے کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص اسے اپنے پاس رکھتا ہے اسے اپنے ساتھ کھلاتا ہے، روزانہ اعلےٰ صابن سے نہلاتا ہے، اپنے ساتھ نرم گرم بستر پر سُلاتا ہے، موٹر کار میں لیے لئے پھرتا ہے، روزانہ اپنے ساتھ تفریح کراتا ہے، موقع پڑے تو ہوائی جہاز میں اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے اور اگر وہ کتّا مر جائے تو اُس کا ماتم بھی کرتا ہے۔ مگر صاحب سچ بتائیے کتّے پر اتنی مہربانیاں ہونے کے باوجود بھی آپ اُسے کیا کہتے ہیں ــ کتّا یا انسان؟"

آفیسر نے جواب دیا "کتّا ہی کہیں گے"۔ نومسلم نے کہا:

"تو بس صاحب! ہندوستان کے اندر ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں نیچے سے لے کر اُوپر تک ساری آسانیاں دینے اور نوازشات سے نوازنے کے بعد بھی آپ ہمیں کیا کہتے ہیں۔ ہری جن ہی نا جس کے معنی ہندوستان کے اندر جانوروں سے بھی بدتر مخلوق کے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ انسان آسانیوں پر نہیں بلکہ انسان بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اور ہمیں یہ چیز ہزاروں برسوں سے ہندو دھرم میں نہیں ملی۔ اِسی لئے ہم نے اسلام

قبول کیا ہے اور ہمیں یہاں وہ چیز مل گئی ہے جس کے ہم بھوکے تھے۔"
آفیسر نے کہا" تمہارے مسلمان ہوتے ہی حکومت وہ ساری رعایتیں تم سے واپس لے لیگی"
نومسلم نے کہا" ہمیں جو ایمان، دل کا سکون اور بھائی چارگی ملی ہے اس کے مقابلے میں یہ ساری رعایتیں مچھر کے پر کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔"
یہ جواب سُن کر آفیسر اپنا سامنہ لے کر وہاں سے چل دیا۔ یہ جواب صرف چار کلاس پڑھے ہوئے ایک نومسلم نے دیا تھا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

**چُپ ہو کر رہ گئے:۔** ایک مہا پُرش بڑے طمطراق سے چیرودھا گئے اور اپنے لوگوں سے کہا" جو ہری جن مسلمان ہو گئے ہیں میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔" اُن کے لوگ دو چار نومسلموں کو لے آئے۔ مہاشے جی اُن کی صورت دیکھتے ہی بولے" ارے بھائی میں مسلمانوں سے نہیں بلکہ ابھی جو حال میں ہری جن لوگ مسلمان ہوئے ہیں اُن سے ملنا چاہتا ہوں"۔ یہ سُن کر نومسلموں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا" جناب! ہم ہی وہ ہری جن ہیں جنہوں نے چند دن قبل اسلام قبول کیا ہے۔"
"میں نہیں مانتا کہ تم ہی وہ نومسلم ہو، اس لئے کہ تمہارا سارا حلیہ ہی بدلا ہوا ہے"۔ مہاشے جی نے اپنی حیرانی ظاہر کی۔ نومسلم نے کہا" جناب، مسلمان کو ایسا ہی حلیہ بنانا ضروری ہے"۔ اس کے بعد مہاشے جی نے اُن سے کوئی بات نہیں کی اور رخصت کر دیا۔ جو نومسلم اُن سے ملنے آئے تھے اُن کے چہروں پر داڑھیاں تھیں۔ ساتر لباس تھا۔ سروں پر ٹوپیاں تھیں اور وہ اپنی وضع قطع سے برسوں کے مسلمان نظر آ رہے تھے۔

**ایک گلاس پانی پی لیجئے:۔** چیرودھا کے اطراف میں قبول اسلام کی لہر چلی تو ایک اور مہاشے وہاں گئے اور مسلمان ہونے والے ہریجنوں کو پکڑ پکڑ کر بہت دیر تک ہندو مذہب کی خوبیاں، آئندہ اُن کو دی جانے والی سہولتیں، اُن پر آئندہ ظلم نہ کئے جانے کے پکے وعدے اور اُن کے ساتھ آئندہ کئے جانے والے بھائی چارگی کے سلوک وغیرہ کی باتیں سُنانے لگے۔ نومسلم پورے اطمینان کے ساتھ اُن کی باتیں سنتے رہے۔ پھر نومسلموں میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے ایک نوجوان سے کہا" بھائی!

یہ ہمارے مہمان ہیں اور اس تپتی ہوئی گرمی میں یہ بہت دیر سے ہم سے باتیں کر رہے ہیں۔ جاؤ کم سے کم انھیں ٹھنڈا پانی ہی پلا دو۔" یہ سن کر ایک نوجوان پانی لانے کے لیے دوڑا اور چند گلاسوں میں اپنے گھر سے پانی لے آیا اور اپنے مہمانوں سے کہا "لیجئے پانی پی لیجئے"۔ مہمان نوازی کی اس پیش کش پر مساوات، برابری، اور بھائی چارگی کی ڈینگیں مارنے والوں کے پسینے چھوٹ گئے۔ اُن کا ہندو فلسفہ اُن کا گلا گھونٹنے لگا کہ ایک ہریجن کے ہاتھ کا پانی پی کر وہ کس طرح اپنے ہندو دھرم کو بچا سکتے ہیں۔ اچانک ہی وہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار کر دیئے گئے کہ نہ انکار کر سکتے تھے کہ اس انکار سے اُن کے گروگھنٹال قبولِ اسلام کے سیلاب پر جو بندھ باندھنا چاہتے تھے اُس میں سوراخ پڑ جاتا اور اگر پانی پیتے تو اُن کے ہندو دھرم کا بندھ ہی ٹوٹ جاتا۔ اس لئے اُن کے چند لوگوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا "شکریہ ہمیں پیاس نہیں لگی ہے"۔ مگر نومسلم بھی بڑے گھاگ تھے۔ وہ کہاں اُن کو چھوڑنے والے تھے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ اپنے ہاتھ کا پانی پلا کر اُن کے مساوات کا امتحان لیں۔ اس لئے وہ اصرار کرنے لگے "ارے بھائی! آپ بہت دیر سے باتیں کر رہے ہیں۔ گرمی سے حلق سوکھ رہا ہوگا۔ دو گھونٹ پانی پی لیجئے"۔ نومسلموں کے اس اصرار کو دیکھ کر مہاشے چوکڑی بھول گئے اور اپنا بھائی چارگی اور برادری کا درس سمیٹ کر جلد از جلد یہاں سے بچ نکلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھنے لگے اس لئے کہا کہ "اچھا سجنو! اب اجازت دو، بھگوان نے چاہا تو بہت جلد آپ سے ملیں گے" نومسلم کہاں چھوڑنے والے تھے۔ انھوں نے کہا "ٹھیک ہے۔ آپ پھر آئیے مگر ایک گلاس پانی تو پیتے جائیے"۔ مہاشے جی نے "شکریہ، شکریہ، ہمیں ضرورت نہیں ہے"، کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر نو دو گیارہ ہو گئے۔

اُن کے جاتے ہی نومسلموں نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہ ہے ان کی مساوات کا حال۔

**اے کاش تم بھی کلمہ پڑھ لو!** ۔ لودھرا کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک ایک ذمہ دار نے پوچھا "کلمہ پڑھ کر آخر تمہیں ملا کیا؟" نومسلم نے جواب دیا "یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ کیا نہیں ملا"۔ حکومت کے ذمہ دار نے کہا "مسلمان ہونے سے بھی تمہاری حالت سدھر نہیں سکتی"۔ نومسلم نے جواب دیا "تم کیا جانو کہ مسلمان ہونے کے بعد ہماری حالت میں کتنا بڑا انقلاب آگیا ہے

دِل کا سکون، مَن کا چین، محبت بھرا دل، اَور انسانیت کی عظمت یہ سب چیزیں ہمیں مِل گئیں ۔ مگر اِن کی حقیقت کو تم کیا جانو ۔ اَے کاش! تم کلمہ پڑھ لو ۔! تو یہ ساری حقیقت تمہارے دل میں اُتر جائے گی ۔"

**شیلا** :۔ بن کٹوا گاؤں میں ایک بیوہ رہتی تھی ۔ اُس بیوہ عورت کا ایک بھائی دوسرے گاؤں میں رہتا تھا ۔ اُس تک اطلاع پہنچی کہ اُس کی بہن کا پورا گھر ہندو دھرم کو خیرباد کہہ چکا ہے ۔ اس نے یہ سُنا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ اَور یار لوگوں نے بھی اِس آگ پر طرح طرح کی افواہوں کے ذریعہ اَور تیل چھڑک دیا ۔ وہ اپنی بہن کے گھر پہنچ گیا ۔ بہن نے اپنے بھائی کا آنا سُنا تو اَپنے بچوں کو جمع کرکے کہا کہ تم اَپنے ماموں سے کچھ نہ کہو ۔ میں اس سے نمٹ لوں گی ۔ وہ اِنشاء اللہ کچھ نہ کر سکے گا ۔ بھائی مومن بہن کے دروازے پر پہنچ گیا اَور گالیوں کی بوچھار کرنے لگا مگر جب اَندر سے اس کے جواب میں کوئی آواز نہیں آئی تو اَور آپے سے باہر ہوگیا اَور گھر میں گھس کر اول فول بکنے لگا ۔ بہن نے بڑے اطمینان کے ساتھ اُسے سمجھانا چاہا تو بھائی نے کہا کہ تو جہنم میں جاتی ہے تو جا مگر میرے بہنوئی نے جو سامان تجھے لاکر دیا ہے وہ نہیں لے جا سکتی ۔ بہن نے کہا "اگر سامان ہی پر تمہاری نظر ہے تو یہ لو ۔ تمہارے بہنوئی کی بنائی ہوئی سونے کی بالیاں، یہ کپڑے لتّے، یہ بچوں کا سامان، یہ گھر کا سامان جس اللہ نے ہمیں یہ سامان دیا تھا وہی اللہ اَب بھی ہمیں اور دے دے گا ۔" بھائی اِس کے لئے کہاں تیار ہو کر آیا تھا ۔ وہ تو ہنگامہ کرنا چاہتا تھا ۔ اَور یار لوگوں نے اُسے ہنگامہ کرنے کے لئے تیار کرکے شراب پلا کر بھیجا تھا ۔ اِس لئے وہ مزید زیادتی پر اُتر آیا ۔ مقامی مسلمانوں کو اِس ہنگامہ کی اطلاع مِلی تو وہ اس بیوہ بہن کی ہمدردی میں اس کے گھر کے پاس جمع ہو گئے ۔ بیوہ کو مسلمانوں کے جمع ہونے کی اِطلاع ملی تو وہ فوراً گھر سے باہر آگئی اَور ہاتھ جوڑ کر مسلمانوں سے کہنے لگی "بھائیو! خدا کے لئے آپ اپنے اَپنے گھروں کو چلے جائیے ۔ آپ اِطمینان رکھئے کہ جس خدا نے اَب تک ہماری حفاظت کی ہے وہی خدا اَب بھی ہماری مدد کرے گا ۔ آپ اگر ذرا سی بھی مداخلت کریں گے تو اَندیشہ ہے کہ ہندو مسلم فساد ہو جائے گا ۔ آپ اِطمینان کے ساتھ جائیے ۔ اِنشاء اللہ میرا بھائی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا ۔" مسلمان اَپنے اَپنے گھروں کو لوٹ گئے ۔ بیوہ کا بھائی کچھ بھی بگاڑ نہ سکا ۔ آخر تھک ہار کر چل دیا ۔

# تقریبِ شادی

مومن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست دی ہے۔ حاتم ایک بات پر برابر غور کرتا رہا۔ پھر جب اس نے پکا ارادہ کرلیا تو مبارک سے کہا کہ یہاں ہمارا تمہارا کنوارا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میرے والدین زندہ ہیں۔ میں اپنے بارے میں اُن سے مشورہ کروں گا۔ تم تنہا ہو۔ میری رائے ہے کہ کاملہ کے ساتھ شادی کرلو۔ تم اُس کو اچھی طرح جانتے ہو اور وہ بھی تم کو پسند کرتی ہے۔ میں نے اشارہ کنایہ میں بابا سے کہا تو وہ بھی تیار ہیں۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے لیکن میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ میں تو خالی ہاتھ ہوں۔" مبارک نے کہا۔

"میں یہاں سادگی سے شادی کرنے کا نمونہ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ شرعی نکاح دیکھ کر لوگ اور زیادہ متاثر ہوں گے۔"

حاتم نے یہ بات بہت ہی خوب سوچی۔ اس کے بعد کھل کر بابا مکھیا اور چودھری سے مشورہ کیا گیا۔ وہ سب بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے دن نکاح ہونا طے ہوا۔

جمعہ سے پہلے جمعرات کو عجیب لطیفہ رہا۔ ایک مہاشے جی دورہ پر آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے گاؤں میں تقریر کی کہ ہریجنو! تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟ مسلمانوں میں بھی اونچ نیچ ہے۔ تم یہ سوچو کہ مسلمان ہونے کے بعد تم اپنی اولاد کی شادیاں کہاں کروگے۔ کیا مسلمانوں سے آشا رکھتے ہو کہ وہ تم کو لڑکی دیدیں گے یا تمہاری لڑکیوں سے شادی کرلیں گے۔

تقریر ختم ہوئی تو اُن سے کہا گیا کہ آپ کل تک ٹھہر جائیں اور شادی کی ایک تقریب میں شریک ہوں۔ کل کاملہ بی کا نکاح مبارک کے ساتھ پڑھا دیا جائے گا۔

مہاشے جی یہ سُن کر ایسے بھاگے کہ پھر مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

(باقی آئندہ)

# مار پیچھے پکار

شمس کنول

ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا کہہ رہا
: " تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جاندار وں
ن پینے کی فکر میں رہتا ہے اور شکار کی
نا میں دُور، دُور تک جاکر دھاوا بولتا ہے
ے جنگل میں تو بدنام ہے۔ آج اس
ن کو پھاڑ ڈالا، کل اُس پاڑھے کے ٹکڑے
ادیئے۔ ایسی خوں خواری بھی اچھی بات نہیں"
شیر نے یہ سب کچھ خاموشی سے سُنا
پھر بولا" قبلہ میرے سانس میں بھی اگر
ی ہی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور
د گھسٹتے ہوئے میرے منھ میں چلے آیا کرتے
میرے پیٹ کی آگ کو بجھا دیا کرتے تو
ںا بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون سے اپنے
نجے نہ رنگتا"

آج کے سماج میں جہاں اور بہت سی
بُرائیاں مسئلہ بنی ہوئی ہیں، وہاں شادی
کے سلسلے میں جہیز کا لینا دینا بھی ایک تکلیف دہ
اور تباہ کن بُرائی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ
انسانیت سے گری ہوئی اس بُرائی کا مرتکب
کون ہوتا ہے؟ لڑکا جو جہیز طلب کرتا ہے
یا لڑکی والے جو جہیز دیتے ہیں؟۔

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے
اور جذباتی بن کر کسی فریق پر ترس نہ کھایا جائے
تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آج کل سماج کی
اس بُرائی کو دونوں فریق مل کر انجام دیتے ہیں
لڑکا بھی اس بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اور لڑکی
والے بھی۔

یہ بہت پُرانی بات ہے اور شاید ابتدا
سے ہی مرد اور عورت کا یہ مزاج رہا ہے کہ مرد
کبھی اپنی آمدنی صحیح نہیں بتاتا اور عورت اپنی

عمر۔ مرد اپنی آمدنی ہمیشہ زیادہ بتائے گا اور عورت اپنی عمر کم بتائے گی۔ ممکن ہے کہ مرد کسی موقع پر اپنے آپ کو غریب یا تھوڑی تنخواہ پانے والا انسان بتا بھی دے، مگر جب شادی کے سلسلے میں کسی مرد کا رشتہ لے کر اس کے عزیز و اقارب کسی لڑکی والے کے گھر جاتے ہیں تو اس کی آمدنی ہمیشہ چار سے ضرب دیکر بتاتے ہیں۔

ایک بیٹے تھے، خاصے بڑے ہو گئے تھے مگر کام دھندا کچھ بھی نہ کرتے تھے۔ بوڑھی ماں کی بس آخری تمنا یہی تھی کہ بیٹے کا سہرا دیکھیں۔ جہاں بھی رشتہ لے کر جائیں کوئی بھی ان کے نکھٹو بیٹے کو اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ بیٹے نہ کوئی ہنر جانتے تھے اور نہ ایسے پڑھے لکھے ہی تھے کہ کہیں نوکری ملتی۔ مگر ماں نے دنیا دیکھی تھی۔ کچھ روپے بیٹے کی گانٹھ میں باندھے، کچھ کان میں کہا، اور پردیس روانہ کر دیا۔ چند ہی دن بعد بیٹے کی چھٹی آئی۔ ماں پڑوس کے کئی گھروں میں پڑھوا آتی پھریں۔ سارے محلے میں یہ خبر پھیل گئی کہ فلاں کے بیٹے کو نوکری مل گئی ہے۔ مہینہ ہو ہی تھا کہ منی آرڈر آیا۔ ماں نے انگوٹھا لگایا، اور پڑوسی کی گواہی پر ڈاکیئے نے رقم حوالے کی۔ محلے میں یہ خبر پھیلتے دیر نہ لگی۔ گھروں میں ذکر ہونے لگے کہ کپوت پوت میں بدل گیا منی آرڈر پر منی آرڈر آرہے ہیں۔ ماں نے جب دیکھا کہ معاملہ پک گیا تو اپنے محلے کے ہی ایک گھر میں اپنے بیٹے کی بات لے کر پہنچ گئیں۔ ظاہر ہے اس گھر میں ماں کے پہنچنے سے پہلے ہی بیٹے کی اچھی خبریں پہنچی ہوئی تھیں۔ ماں کے ایک دو پھیروں میں بات پکی ہو گئی۔ اگلے ہی ہفتے پردیس سے بیٹے آگئے۔ ماں نے پڑوس میں کہا کہ بڑی مشکل سے آٹھ دن کی چھٹی ملی ہے۔ بیاہ کرتے ہی چلا جائے گا۔ آخر وہ مبارک گھڑی بھی آئی بیاہ رچا۔ ماں کی تمنا بر آئی کہ اُس نے بیٹے کے سہرے کے پھول دیکھے۔ آٹھ دن ہو گئے، پندرہ دن گزر ے، مہینہ ہو گیا اور اسی طرح دن بیتتے گئے۔ دُلہن بھی پُرانی ہو چلیں اڑوس پڑوس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ارے یہ سب ماں بیٹے کی ملی بھگت تھی، کیسی نوکری۔ بس بیاہ رچانا تھا۔ ماں بیٹے کے کانوں میں بھی پڑوس کی یہ باتیں پڑتیں مگر "نقار پیچھے پکار" کون سُنتا ہے۔

بیٹے والوں کی یہ ٹیکنک بہت پرانی ہے لڑکی والوں سے بیٹے کی تنخواہ کو بڑھا چڑھاکر بتانا اور بعض اوقات پڑوسی کے مکان کو بھی اپنا ہی مکان بتادینا عام بات ہے۔

مگر اب لڑکی والے بھی اسی فارمولے پر عمل کرکے اپنے سر کا بوجھ اُتارنے لگے ہیں۔ ایسا لڑکا دیکھا جاتا ہے کہ جس کے آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا۔ وہ تنہا ہوتا ہے اس لئے اس کو آسانی سے پھسلایا جاسکتا ہے، وہ اگر کسی آفس میں ملازم ہوتا ہے تو لڑکی والے اُسے یقین دلاتے ہیں کہ جلد ہی فلاں منسٹر سے کہہ کر اُسے ترقی دلوادیں گے۔ آج کے نوجوانوں میں ہندوستان چھوڑکر امریکہ، کناڈا جانے کا شوق بہت ہے۔ چنانچہ لڑکی والے اس سلسلے میں بھی لڑکے کو اُمید دلانے سے نہیں چوکتے اور کچھ نہیں تو کم سے کم کویت یا دوبئی کا ویزا حاصل کرادینے کا یقین دلایا ہی جاتا ہے۔ کچھ لڑکی والوں کی جانب سے فلیٹ یا روم کی پیش کش بھی کی جاتی ہے۔

جب بات یہاں تک پہنچتی ہے تو پھر لڑکے اور لڑکی والوں میں آنکھ مچولی شروع ہوجاتی ہے۔ لڑکا لڑکی کو لے کر سنیما جاتا ہے، ہوٹل بازی کرتا ہے۔ پک نک کے پروگرام بھی بناتا ہے۔ مگر دراصل اس کو تفریح یا لڑکی سے زیادہ اُن وعدوں سے دلچسپی ہوتی ہے جو لڑکی والے اُس سے کرتے ہیں جب کہ لڑکی والوں کے وہ وعدے محض دل بہلاوے کے لئے ہوتے ہیں۔ چونکہ آج کے بیٹی والے اپنی بیٹی کے مستقبل کے سلسلے میں بھی مخلص نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ جھوٹ یا سچ بول کر کسی بھی طرح اپنی بیٹی کو اپنے گھر سے دوسرے گھر میں پہنچادیں۔ لڑکے کی کوشش ہوتی ہے کہ شادی کے بندھن میں بندھنے سے پہلے ہی تمام سہولتیں اُسے حاصل ہوجائیں جن کو فراہم کرنے کا لڑکی والے وعدہ کئے ہوئے ہیں، جب کہ

لڑکی والے اپنی عقل کا سارا زور اسی بات پر لگائے رہتے ہیں کہ مچھلی چارا کھائے نہیں اور کانٹے میں پھنس جائے۔ غرض اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسی کشمکش میں شادی ہو نہیں پاتی اور پیام وسلام کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

دونوں فریقوں کے اس ذہنی مقابلے میں جس فریق کی جیت ہوتی ہے۔ دراصل وہی ہارتا ہے۔ لڑکا اگر لڑکی والے کے ہاتھوں بہل کر شادی کر لیتا ہے اور پھر شادی کے بعد اس حقیقتِ حال کا علم ہوتا ہے کہ شادی سے قبل سسرال والوں کا وعدہ محض وعدہ ہی تھا تو اس کے تعلقات نہ صرف سسرال سے کشیدہ ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی اپنی ازدواجی زندگی میں بھی تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر جب اپنی بیوی کے سامنے بیوی کے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو بُرا کہتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ اُس سے بیوی کی دل آزاری ہوتی ہے اور جب گھر کا یہ تنازعہ بڑھتا ہے تو گھر میں پلنے والے بچوں کا معصوم ذہن بھی متأثر ہوتا ہے اور اس طرح ایک نسل کی لغزش سے جو بُرائی پیدا ہوتی ہے اس کو اگلی نسل بھی قبول کر لیتی ہے ـــــ اس طرح ازدواجی بُرائی کا سفر نسل در نسل جاری رہتا ہے۔

جنوبی ہند کا صوفی شاعر ویما کہتا ہے:

”ایک چھوٹا سا کیڑا بڑے درخت کو
گھُن لگا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک
معمولی بدکردار انسان سارے
خاندان کو برباد کر ڈالتا ہے“

لڑکا اگر اپنی ہونے والی سسرال کے سامنے دروغ گوئی اور فریب سے کام لے کر اپنے آپ کو دولت مند ثابت کرتا ہے تو یہ ایک بہت بڑی بُرائی ہے۔ شادی کے بعد وہ یقینی طور پر اپنی بیوی کے سچے پیار اور اپنی سسرال کے پُرخلوص تعاون سے محروم رہے گا اور اس کی گرہستی اور اس کی اولاد بھی متأثر ہوگی۔

لڑکی کے والدین اگر اپنے ہونے والے داماد سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور اپنے کئے ہوئے معاہدے کے باوجود شادی کے بعد اس کی جائز ضرورت میں بھی اس کے معاون و مددگار ثابت نہیں ہوتے تو اپنے ہاتھوں سے

اپنی بیٹی کے حق میں کانٹے ہوتے ہیں اور بیٹی کا گھر خود بسا کر خود ہی اُسے اُجاڑتے ہیں۔

اور دنیا کی کہی ہوئی بات عملی طور پر سچ ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ بُری بات جسے بہت معمولی سمجھا جاتا ہے، سارے خاندان کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔

دونوں فریقوں میں سے جب کسی ایک کو اپنی زیادتی یا حماقت کا احساس ہوتا ہے تو اپنی پیشانی سے اپنا پسینہ پونچھتے وقت اس کی وہی حالت ہوتی ہے جو مولوی محمد حسین آزاد نے ایک جگہ بیان کی ہے:

"جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اگرچہ میرا ہی چہرہ تھا۔ مگر میں ایسا بے اختیار ہنسا کہ میری اپنی بھی صورت بگڑ گئی اور صاف معلوم ہوا کہ وہ بے چارہ میرے ہنسنے سے شرما گیا۔ مگر مجھے بھی اپنے حال پر کچھ فخر کی جگہ نہ تھی کیونکہ جب میں اپنی پیشانی سے عرقِ ندامت پونچھنے لگا تو وہاں تک ہاتھ نہ پہنچ سکا، چہرہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ ہاتھ رکھتا کہیں تھا اور جا پڑتا کہیں تھا، ناک اتنی بڑھ گئی تھی کہ جب چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو کئی دفعہ ہاتھ نے ناک سے ٹکر کھائی۔"

دونوں فریقوں کو، یعنی داماد اور سسرال والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ شادی ایک پاک اور مقدس رشتہ ہے۔ اس کی بنیاد میں سونے کی اینٹیں نہیں بلکہ پیار محبت اور اعتماد کی اینٹیں رکھنا ضروری ہے۔ اگر لڑکا کسی آفس میں اردلی کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے اپنے آپ کو صاحب بتاتا ہے یا لڑکی کا باپ مسجد کے کسی بانگی دوست ہے۔ مگر کسی وزیر اعلیٰ کو اپنا یار مشہور کئے ہوئے ہے تو نہ اُس لڑکے اچھی بیوی ملے گی اور نہ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کو سُکھ سے دیکھ سکے گا۔ (ماخوذ) ●●

---

پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ علمائے سلف کی پیروی صحیح معنوں میں جماعتِ اسلامی کر رہی ہے جو کافرا
نظام کو بدلنے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے جس کو بدلے بغیر نیکی اور تقویٰ کی پرورش اور نشوونما ناممکن
علمائے سلف خدانخواستہ اسلام کو اسی طرح مغلوب حالت میں پاتے جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے
ہیں تو وہ بھی لازماً وہی کام کرتے جو جماعتِ اسلامی کر رہی ہے۔

## مناجات بدرگاہ ربّ العزت

نہ گھر مانگتا ہوں، نہ در مانگتا ہوں
میں اُن کے کرم کی نظر مانگتا ہوں

جگر جس سے ہیروں کے شق ہوں الٰہی
وہ نالوں میں اپنے اثر مانگتا ہوں

کھلیں جس سے اسرارِ آفاق و انفس
الٰہی! وہ فکر و نظر مانگتا ہوں

یہ تسبیح تجھ کو مبارک ہو واعظ!
خدا سے میں تیغ و تبر مانگتا ہوں

مجھے خانقہ میں بھلا کیا ملے گا!!
خدا سے میں عزمِ عمرؓ مانگتا ہوں

گرے تو وہ موتی سمجھ کر اٹھالیں
وہی قطرۂ چشمِ تر مانگتا ہوں

لرز جائے عرشِ معظم بھی جس سے
الٰہی! وہ آہِ سحر مانگتا ہوں

اگر میں کروں آہ جل جائیں پتھر،
میں یا رب وہ سوزِ جگر مانگتا ہوں

مٹا دے جو مغرب کی تاریکیوں کو
وہ مشرق کا نورِ سحر مانگتا ہوں

جو پہنچا دیں اوجِ ثریا پہ مجھ کو،
الٰہی! میں وہ بال و پر مانگتا ہوں

ہوا دست کش گرچہ ہر سنگِ در سے
مگر میں ترا سنگِ در مانگتا ہوں

مجاہد کو مصعبؓ کا قلب و جگر دے
کٹے، پر نہ خم ہو، وہ سر مانگتا ہوں

ابو ہارون مجاہد اعظمی مدرسۃ الاسرار کونڈہ گھوسی۔ اعظم گڑھ

# دورۂ انگلستان کے تاثرات

(اَمۃُ الرحمٰن محسنی۔ علی گڑھ)

گزشتہ موسم گرما میں تقریباً ڈھائی ماہ تک مجھے انگلستان میں قیام کرنے کا موقع ملا۔ وسطی اور جنوبی انگلستان کے متعدد شہروں قصبوں سے گذر ہوا۔ کہیں کہیں رک کر گھومنے پھرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ زیر نظر جائزہ میں صرف خوش آئند حقائق و تجربات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو ایک مسلمان کی حیثیت سے میرے مطالعہ میں آئے اور جن کو ایک امید افزا دور کا پیش خیمہ سمجھا جا سکتا ہے۔

انگلستان کی پریس رپورٹوں کے مطابق اب اس ملک میں اسلام کے نام لیواؤں کی آبادی پندرہ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ چار سو مساجد کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ ان سب مسجدوں میں ۲۴ گھنٹوں میں پانچ بار آواز بلند اذان کی آواز گونجتی ہے۔ کثیر تعداد میں مسلمان پنجگانہ نماز ادا کرنے کے لیے ان مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کے اخباروں میں اس کا بھی ذکر دیکھا کہ تخمینہ کے مطابق عیسائی مذہب کے پیرو سال میں صرف ایک بار کرسمس کے موقع پر تقریباً ۱۰ لاکھ کی تعداد میں مختلف چرچوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ گذشتہ بیس سال میں انگلستان کی سرزمین پر اسلام کا اثر و رسوخ بڑی آب و تاب سے بڑھا ہے۔

انگلستان میں زیادہ تر مسلمان تبدیل سکونت سے جمع ہوئے ہیں۔ اور انھوں نے وہاں کے سماجی اور تہذیبی حالات پر نمایاں اثر ڈالا ہے۔ انکے رہن سہن، روحانی اقدار اور پسندیدہ کردار نے انگریزوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپس کے میل جول نے ان تک اُسوۂ حسنہ کی روشنی پہنچائی جس نے انکے دلوں میں اسلامی آداب سیکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ اب وہاں نومسلم انگریزوں کی تعداد مقامی جرائد کے اندازے میں پچاس ہزار کے قریب سمجھی جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں

جو برضا ورغبت اسلام کے دائرہ میں آئے ہیں۔

میرے قیام کے دوران ہی انگلستان کی ایک مشہور صحافی خاتون (پولی ٹائن بی) کا ایک مضمون گارڈین کے ہفتہ وار ۲۴ جولائی کے شمارہ میں چھپا تھا۔ جو غیر جانبداری کے اعتبار سے حقیقت افروز ہے۔ وہ جنوبی لندن کے ایک مکان میں دو مسلم خواتین سے ملی تھیں اور اسی بنا پر ان کا انٹرویو سپرد قلم کیا تھا۔ پولی ٹائن بی کو ان خواتین نے بتلایا کہ وہ اپنی شادیوں سے پہلے ہی حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں اور جب ہی سے لباس کے سلسلے میں وہ دونوں شعار اسلامی کی پوری پابندی کرتی ہیں۔ بعد میں ان کی شادیاں بھی مسلم احباب کی تجویز کردہ جگہوں پہ انجام پائیں۔ دونوں اب کئی کئی بچوں کی مائیں ہیں اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی قدروں کی حدود میں کر رہی ہیں۔

یہ دونوں مسلم خواتین (نعیمہ اور سکینہ) ڈھیلے ڈھالے لبادے پہنے ہوئے تھیں۔ سر پہ سے چادر لا کر چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ دیکھ کر کوئی بھی ان دونوں کو ایرانی یا مصری خواتین سمجھ سکتا تھا۔ صرف ان کی شستہ انگریزی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خواتین انگلش ہیں۔ انکی نشست و برخاست میں بھی اسلامی تہذیب کے آداب نمایاں طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ان سے جب تک کوئی مخاطب نہ ہوتا وہ سنجیدگی سے خاموش بیٹھی رہتیں۔ سوال کا مناسب جواب دیتیں اور عام طور پر اجنبیوں سے بات چیت کرنے میں تامل کرتیں۔ جیسے کہ وہ چاہتی ہوں کہ ان کے مرد اس کام کو انجام دیں۔ دریافت کرنے پر ان کے ذاتی حالات کا علم ہوا۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

نعیمہ:۔ جن کی پیدائش، تعلیم و تربیت کیمبرج میں ہوئی تھی۔ انکی والدہ جرمن کیتھولک تھیں، باپ انگلستان کے چرچ سے متعلق تھے اور ہوائی افسر تھے۔ تقریباً پانچ سال پہلے نعیمہ کیمبرج میں ہی ایک سکریٹری کی پوسٹ پر کام کر رہی تھیں۔ اس زمانہ میں اتفاقیہ طور پر انکی ملاقات سوڈان کے ایک مسلم خاندان سے ہوگئی۔ نئے ملاقاتیوں کے عادات و اطوار۔ انکے مذہبی معتقدات میل جول کے غیر رسمی اور پرخلوص انداز ایسے تھے جن سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ مغربی سوسائٹی کی اوپری رسمی خوش اخلاقی سے بالکل مختلف۔ نعیمہ نے بتلایا کہ وہ لوگ بہت ہی شریف، منکسر المزاج اور بیحد شفیق تھے انھوں نے مجھے قرآن شریف کے... انگریزی ترجمہ کی ایک جلد بطور ہدیہ دی۔ اس کتاب مقدس کے مطالعہ

بین ہوگیا کہ وہی صراطِ مستقیم ہے اور اس کا پیش
حیات ایک مکمل آئین ہے۔ اسکے بعد مجھے اسلام
کا شرف حاصل ہوا اور میں نے عیسائیت سے
قطع کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنی ایک مسلم دوست
اپنے لیے تجویز کیا۔

سکینہ :۔ یہ لنکا شائر کی رہنے والی ہیں۔ انکی
ی قدروں سے کبھی بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔
ٹی کی طالبہ تھیں اور ہپی طرزِ زندگی کو اپنا چکی
ن کو ایک جہانگرد ہپی کی طرح مراکو جانے کا
ہا۔ وہاں کے دوران قیام میں ہی وہ اسلامی
و معاشرت سے واقف اور متاثر ہوئیں۔ اپنے
سس کے زیر اثر انھوں نے مراکو میں بہت
دست لوگوں سے اسلام کے بارہ میں۔ انکی
، اور دنیوی زندگی کی تنظیم کے بارے میں
سے سوالات کیے۔ ان کا کہنا ہے کہ تسلی بخش
پا کر میرے دل و دماغ پر اسلام کے نقوش
ہ گئے۔ یونیورسٹی آ کر انھوں نے اپنے مسلمان
کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے رہن سہن اور لباس
امی طور طریقوں کو اپنا کر نمایاں تبدیلی پیدا کر لی
ٹی کے طلباء، طالبات اور قضا و قدر نے ردعمل
کے طور پر تحقیر اور اجتناب کا رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ اس
نام نہاد تعلیم ہی سے دست بردار ہو گئیں جس کا طرۂ
امتیاز الحاد و انکار تھا اور دانشوری کے لیے شرط لازم
کا درجہ رکھتی ہے۔ اس وقت ان کے مسلمان دوستوں
نے ملیشیا کے ایک مسلم دیندار کا شادی کے لیے پیام
پیش کیا جو منظور کر لیا گیا اور شادی کی اسلامی رسم
ادا کر دی گئی۔ سکینہ اب شعائر اسلام کی پوری پابندی
کے ساتھ اپنے خاوند اور بچوں میں بحیثیت مسز زندگی بسر کر رہی ہیں۔

برطانوی مسلمانوں نے لندن میں ایک مرکزی
ادارہ قائم کیا ہے جس کو برطانوی مسلمانوں کی انجمن
کہتے ہیں۔ (The Association for British Muslims)۔ اس انجمن کا قیام
۴۔۵ سال قبل ہوا تھا۔ ابتداء میں یہ دوستوں کی غیر
رسمی سی انجمن تھی لیکن اب یہ ایک رجسٹرڈ انجمن ہے
جس کا باقاعدہ دستور بنایا جا رہا ہے جو رفاہِ عام اور
تعلیمی تنظیم پر مشتمل ہے۔

رضی عبداللہ: انجمن کے روح رواں ایک
نومسلم انگریز رضی عبداللہ ہیں۔ پہلی نظر میں آپ ان
کو ایک پابند شریعت دینی رہنما پائیں گے۔ مضبوط
قوی اور شرعی داڑھی رکھنے والا یہ مردِ مومن دھیلا

سا سفید کرتا اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنے سر پہ عربی
عمامہ باندھے ایک جانے پہچانے مسلمانوں کا سراپا معلوم
ہوتا ہے. گفتگو کیجیے. تو یہ شستہ مذاق رکھنے والا پاک
فطرت انسان نور ایمان کی روشنی سے منور معلوم ہوتا ہے
ملت اسلام کا یہ بہادر سپاہی اپنی معاش کے لیے اسٹوک
نیونگسٹن (stok newington) میں کتب اسلامیہ
کی ایک دوکان لگاتا ہے. ہفتہ کے دن رضی عبداللہ
ریجنٹ پارک لندن کی مسجد میں بچوں کو درس قرآن
دیتے ہیں. بچوں سے وہ ہلکے پھلکے انداز میں باتیں
کرتے ہیں. خاص مزاحیہ انداز میں کبھی کبھی وہ مسلمان
بچوں کو تنبیہ کرتے سنے گئے ہیں. کہ دیکھو پیارے
بچو قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ ساتھ اگر تم نے
اسلامی آداب نہ سیکھے تو تم پھر سے عیسائی بن
جاؤ گے۔

رضی عبداللہ قبول اسلام سے پہلے ایک معمولی
برطانوی تاجر تھے. اور ساتھ ساتھ انشورنس ایجنٹ
کا کام بھی کرتے تھے. ان کی ساری تجارتی سرگرمیاں
بحری ملازمین کے رہائشی علاقہ سے وابستہ تھیں.
تقریباً پانچ سال قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اس
روحانی تبدیلی نے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی. یہ

تن من دھن سے دینی خدمت میں ا[illegible]
ہوئے گویا اب تک راستہ بھولے
اب ان کو منزل مل گئی.

محمد عیسٰی. رضی عبداللہ کے
میں ایک اور انگریز نو مسلم داؤد [illegible]
اب بھی زیورات اور جواہرات کے
اسلام سے قبل لندن میں ان کا شمار
کے منکرین میں ہوتا تھا. ایک اور
جو برٹش لائبریری میں ترکی اور [illegible]
مخطوطات کے ماہر کی حیثیت سے
ان کے علاوہ ایک اور اہم معاو[illegible]
ہیں جو کیٹ اسٹیونس [illegible]
نامی مغنی کی حیثیت سے بہت مش[illegible]
رہ چکے ہیں.

برطانوی مسلمانوں کی انجمن
برطانوی ملت اسلامیہ کی تعلیم [illegible]
وہ اسلامی ادارہ ہے جو عرصے [illegible]
کی مسجد میں سرگرم عمل ہے. جمعہ [illegible]
وقت وہاں مسلمانوں کا بڑا اجتما[illegible]
دن میں زیادہ تر لوگ پرانے [illegible]

م کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اس مجمع میں
ُ مسلمان تو آپ کو انگریزی یا نصف
اس میں نظر آسکتے ہیں۔ مگر انگریز نو مسلم
ا قسم کا جبّہ پہن کر ہی نماز کے لیے آتے
ا رضی اللہ کو یہ وضاحت کرتے سنا گیا ہے
سلمانوں کی انجمن کسی سیاسی جماعت یا
ـ کی اندرونی سیاست سے وابستہ نہیں
، صرف اسلام کے روحانی تقاضوں کو
ے لیے وجود میں آئی ہے۔ یہاں صرف
حیات کی تعلیم ہوتی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ
، تیرہ سو سال پہلے بنی نوع انسان کی دینی
بہبود کے لیے ہر خاص و عام کو سنایا گیا۔
ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے وہ اعتراف
ل ۱۹۷۶ء میں وہ اسلام لائے تھے۔ ان
نے ان کو کلام پاک سے متعارف کرایا
وقت تک وہ دنیاوی عیش و عشرت سے
ُ لطف اندوز ہو چکے تھے۔ مگر روح
ہیں تھی۔ گویا وہ ایک لوزنہ کی مانند ایک
سے دوسرے درخت۔ ایک شاخ سے
شاخ پر پھلانگتے رہے تھے کہ شاید اطمینان
کی جگہ ملے۔ مگر اس تسلسل کو کودنے پھاندنے کے باوجود
سکونِ قلب میسّر نہیں تھا اور جستجو کی یہ آخری جست تھی
جہاں آخر کار قرآن کے مطالعہ سے حیات ابدی کی
راحتوں کا سراغ میسّر آیا ہے اب میں محسوس کرتا
ہوں کہ لوزنہ نہیں انسان ہوں اور خود کو پہچاننے
لگا ہوں۔

**یوسف اسلام۔** اسی طرح کیٹ اسٹیونس
یعنی یوسف اسلام بھی اب اپنا زیادہ وقت مسجد
میں گزارتے ہیں۔ انگلستان کی ملت اسلامی کی فلاح
و بہبود کے منصوبوں کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن
مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک ترکی مسلم خاتون
سے شادی کی ہے اور عنقریب پہلے بچے کے باپ بننے
والے ہیں۔ انھوں نے خوش دلی کے ساتھ کہا کہ اب
زندگی کی ذمہ داری اختیار کرنے کی صلاحیت مجھ
میں کہاں تھی۔ میں تو گانے کے ریکارڈوں کی ترتیب
اور گانے بجانے کی محفلوں کے اہتمام کو اپنا تمام
وقت دیتا تھا۔ اور اسی کو اپنا بڑا کارنامہ تصور
کرتا تھا۔ بھلا میں اگلی نسل کے وجود اور اس کی ذمہ
داریوں کے سلسلے میں سنجیدگی سے کیا سوچ سکتا تھا
یوسف اسلام اب پوری طرح یقین رکھتے ہیں کہ

زن و شوہر کا مقدس رشتہ قائم کرنے اور اس کے آداب قرآن پاک کے اہم موضوعات میں سے ہیں۔

رقیہ :۔ ایک اور نومسلمہ رقیہ لنڈا تھا۔ اس نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عہد نو کی ترقی یافتہ سوسائٹی میں عورت کی آزادی پر بہت زور دیا گیا ہے لیکن اگر فکر سے کام لیا جائے تو یہ معلوم کر لینا دشوار نہیں ہوگا کہ یہ انسان دوستی کی مانگ نہیں ہے بلکہ اس آزادی میں جنسی بے راہ روی کے تقاضے پوشیدہ ہیں۔ اسلام عورت کو کہیں زیادہ باعزت زندگی بسر کرنے کا حق دیتا ہے۔ عزت نفس کے ساتھ دنیا میں رہنے اور عمر گذارنے کے امکانا مہیا کرتا ہے۔ مغربی تہذیب کی اس دور کی بیماری یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے بے راہ روی کے دروازے وا کرنا چاہتی ہے۔ اچھائی برائی کو الجھاؤ میں ڈال کر ایک عام انتشار پیدا ہو گیا ہے جس سے اب ہم اسلامی طرز زندگی اختیار کر کے ہی نجات پا سکتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ "میں خدا ہوں" جو کچھ میں سمجھتا ہوں اس پر کوئی روک نہیں لگائی جا سکتی۔ یا تو ہم یکبارگی ایسا روحانی سکون حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں جہاں کوئی پابندی مشقت اور محنت نہ ہو یا پھر ہم جسم اور مادہ کی لذت کے علاوہ دوسرا اعلیٰ اقدار کے ایک سرے سے منکر ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس بات کا کہ انگلستان میں ایک مضبوط اسلامی معاشرہ لندن، مانچسٹر، ناٹنگھم اور بریڈفورڈ جیسے شہروں کے علاقوں اور بازاروں میں اور اسی طرح شاید پر بھی، اسلامی کاروں کے نقش قدم صاف مسلمانوں کی دوکانوں کے شوکیس جابجا اردو انگریزی میں اعلانات نصب میں مواعظ، مذاکرات، سیرت کے جلسوں، مشاعروں کے انعقاد کی اطلاعات درج جائیے تو مانوس آواز کے ساتھ السلام علیکم کے خوشگوار کلمات سنائی دیتے ہیں۔ مسلم اتحاد کی مسکراہٹیں بکھر جاتی ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

میرے دوران قیام میں رمضان شریف کا بابرکت زمانہ میں تھا۔ طلوع و غروب کا فاصلہ بہت طویل تھا ہوتا تو صبح کے ۴ بجے سورج اپنی پوری آب و تاب سے اور رات کے دس بجے غروب ہوتا تھا لیکن باوجود طوالت کے مسلمانوں کی بڑی تعداد نہایت ذوق و رمضان ادا کر رہی تھی۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک کھا کر ۱۸ گھنٹے پورے صبر و سکون سے گذار کر معمول کے مطابق تمام دنیاوی کاروبار ہمیشہ کی ان مومنین کے لیے کس قدر صبر آزما ہوگا۔

# آپ اپنے بچے کا مستقبل ہیں!

(یاسمین فاطمہ)

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ انتہائی نرمی، خلوص اور محبت سے پیش آئیں۔ بار بار اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہرگز نہ ماریں۔ بار بار کی مار پیٹ سے بچے کے دل سے مار کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ مارنے کے بجائے نرمی سے سمجھائیں۔ بچے کی جائز بات کو ضرور مان لیں۔ اگر حالات اس کی اجازت نہ دیں تو بچے کو صاف صاف بتائیں کہ آپ اس کی بات کیوں نہیں مان سکتے۔ تاکہ وہ مطمئن ہو جائے۔ بچے میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کریں۔ اگر وہ کوئی غلط کام بھی کرے، تو فوراً لٹھ لے کر کھڑے نہ ہو جائیں۔ ایک دو بار صرف زبان سے تنبیہہ کریں۔ اور کہیں کہ اگر آئندہ ایسی غلطی کی تو سزا دی جائے گی۔ حتی الامکان مارنے سے پرہیز کریں۔ بعض اوقات بچہ بدزبان اور خود سر ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں تو والدین کو بچے کی ایسی حرکتیں پسند آتی ہیں اور اس امید پر برداشت کرتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ حالانکہ بچپن میں پڑی ہوئی عادتیں بڑی مشکل سے چھوٹتی ہیں۔

یاد رکھئے، بچپن میں جو باتیں بچوں کے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہیں، وہ ہمیشہ ان کے دماغ میں محفوظ رہتی ہیں۔ لہٰذا اس خود فریبی کا شکار نہ ہوئیے۔ کہ بچہ بڑا ہونے کے بعد سنبھل جائیگا بلکہ یہ سمجھ لیجیے کہ بڑا ہونے کے بعد آپ اس کو قابو میں نہیں لا سکتے۔ لہٰذا بچپن ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں خود سری کا جذبہ نہ اُبھرنے پائے۔ دل میں بے شک آپ اس کو لاکھ چاہیں، اپنی اس

چاہت کا اظہار اس پر اتنا زیادہ نہ کریں کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب میں خود مختار ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ ماں باپ نہ مجھے ماریں گے نہ ملامت کریں گے۔ اس مقولے پر عمل کیجئے۔ "کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے"۔ آپ اپنے بچے کا مستقبل اسی طرح سنوار سکتے ہیں۔

## ضدی نہ بنایئے!

میں نے والدین اور بچوں دونوں میں ایک بات خاص طور پر دیکھی ہے۔ بچہ اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میں بہت ضدی ہوں۔ اور اپنی ہر بات منوا کر چھوڑتا ہوں۔ اور والدین کہتے ہیں۔ بھئی ہمارا بچہ تو بہت ضدی ہے۔ ہم کیا کریں۔ ہمیں اس کی ضد ماننی پڑتی ہے۔ درحقیقت یہ دونوں بالکل غلط اور بے معنی ہوتی ہیں۔ بچوں کی ہر جائز و ناجائز بات کو مان لینا سراسر غلطی ہے۔ بچہ وہی ضدی بنتا ہے جو یہ دیکھتا ہے کہ ضد کر کے ہر بات منوائی جا سکتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بچپن کے یہ ضدی بچے جب جوانی کی حدود میں قدم رکھتے ہیں اور ان کے شادی بیاہ کا مسئلہ اٹھتا ہے تو وہ ماں باپ کی رائے کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ والدین اپنی پسند کے مطابق بچوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر میں نے اکثر دیکھا ہے کہ صاحبزادے والدین کو دھمکی دیتے ہیں۔ اگر فلاں جگہ میری شادی نہ کی تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ لڑکیاں چونکہ لڑکوں کے مقابلے میں ذرا کمزور ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ گھر سے بھاگ جانے کے بجائے خودکشی کر لینے کی دھمکی دیتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بچوں اور والدین میں کش مکش چھڑ جاتی ہے۔ بچے اگر اپنی پسند کی شادی کر لیں۔ تو والدین انھیں عاق کر دینے یا جائداد سے محروم کر دینے کا حکم صادر کر دیتے ہیں۔ اس طرح اولاد کا یہ ضدی پن والدین کے لیے مصیبت بن جاتا ہے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ شروع ہی سے بچوں کو ضدی اور خود سر ہونے سے روکا جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ (الاحزاب ۷۰)

اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (التوبہ ۱۱۹)

اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

مندرجہ بالا احکامات اُس قادرِ مطلق کے ہیں جس نے ہمیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ زندگی بسر کرنے کے طور طریقے از مہد تا لحد اپنے برگزیدہ بندے، رسولِ پاکؐ کے ذریعے بتانے کا انتظام بھی کیا۔ کیا ہمیں کسی معذور یا بیمار کو دیکھ کر اپنی صحت و توانائی پر اللہ کی نعمت یاد آئی؟ کیا روزمرہ کے حادثات سے اتلافِ جان و مال پر ہم نے کوئی درسِ عبرت حاصل کیا اور پھر کبھی اِس فانی زندگی میں ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُس پر کوئی غور و خوض کرنے کی نوبت آئی؟ ہمارا ذاتی ملازم تو درکنار، ایک ماتحت بھی ہمارے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے تو ہمارا غیض و غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ اُس وقت ہمارا کیا حال ہوتا ہے؟ بس یہی کہ نافرمان کو ایسا سبق دیا جائے کہ ساری عمر یاد رکھے۔ اب ذرا سوچئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ارحم الراحمین بھی ہے۔ اُس کی یہ تمام صفات ہمیں کسی جان لیوا مصیبت ہی میں یاد آتی ہیں اور اُس وقت کٹر سے کٹر دہریہ بھی اُس کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوا

نظر آتا ہے۔ پھر ہمیں کیسے ہمت پڑتی ہے کہ ہم اُس قہار و جبار کے احکامات، جس میں ہماری فلاح و بہبود مضمر ہے، کے خلاف سچ بولنے کو نہ اپنائیں اور اِس دُنیا کے اغراض کی تکمیل میں جھوٹ کو اپنا شعار بنائیں۔ نمک حرامی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہمیں یہ گوارا ہوتا ہے کہ کوئی ہم سے جھوٹ بول کر اپنی کوئی غرض پوری کر لے یا کوئی مقصد حاصل کر لے؟ پھر ہم دوسروں سے جھوٹ کیوں بولیں۔ جھوٹ بولنا دوسرے الفاظ میں دھوکہ دینا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیوں نہ ہم اِس اصول پر عمل پیرا ہوں:

کرو نہ کسی سے بھول کر سلوک ایسا
جو وہ تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

اِس سلسلے میں ہمارے پیارے رسول پاکؐ کا ارشادِ گرامی بھی سُن لیں۔ چار خصلتیں پکے منافق کی ہیں۔ اِن میں سے ایک ہے گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ منافق کے متعلق اللہ تعالیٰ غفور الرحیم کا فرمان ہے

---

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۝

یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور اُن کا کوئی حامی نہیں۔

---

جھوٹ بولنا ایسی بُرائی ہے کہ جس کا ایک مسلمان سے کوئی تعلق ہی نہیں اور اُس کی شان کے خلاف ہے حضورؐ کا فرمان ہے کہ ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ کیا ہم جھوٹ بول کر اپنا ایمان سلامت رکھ سکیں گے؟ شاید ہی ہم میں سے کوئی ایسا ہو کہ وہ اپنا ایمان کھو کر مسلمان نہ رہنا پسند کرے اور خود کو منافقین کے زمرے میں شمار کرائے۔ مسلمان رہنا اور حالتِ ایمان میں رہنا جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک مسلمان لاشعوری میں جھوٹ بولتا ہے۔ وہ ہی اچھا مسلمان ہے جو کیسی ہی مصیبت اُٹھانا پڑے جھوٹ نہیں بولتا۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کی خوشی و رضا حاصل کرنے اور اُس کے غضب سے بچنے کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ وہ نہ کسی کے لالچ میں آ کر اور نہ کسی کے

نہ سے جھوٹ بولتا ہے۔ یہ مثل بھی زبان زد عام ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں (سچے کو کوئی تکلیف نہیں)۔
بحیثیت مسلمان ہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَامُرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

یقیناً مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائی کی اصلاح۔ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار رہو۔ لوگوں کو اچھے کام کرنے کی نصیحت کرو اور برے کاموں سے منع کرو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ایمان یہ ہے کہ برائی کو بات سے روک دو ورنہ دل سے برا جانو۔ اس طرح اللہ نے ہم پر فرض عائد کر دیا کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو اچھے کاموں کے لئے تلقین کریں اور برے کاموں کے کرنے سے روکنے کی کوشش کریں۔ لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے بھائیوں تک پہنچانا لازم ٹھہرا کہ "سچ بولئے" کیونکہ اس میں ہمارے ایمان کی سلامتی ہے اور اس کے برعکس جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہی نہیں مدغار تگرایمان بھی ہے۔

ہمارے محترم صدر اسلامیہ جمہوریہ پاکستان نے قوم کو ایک نعرہ "رزق حلال عین عبادت ہے" نوٹ میں شائع کرا کر دیا ہے۔ اس طرح موصوف نے ایک حد تک تبلیغ دین کا فرض اور اپنے بھائی کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بعینہ اسی طرح "سچ بولئے" اللہ کا حکم اور فرمانِ رسول عربی صلعم کو ہم اپنے تمام برادرانِ اسلام تک پہنچانا لازمی گردانیں۔

(مولوی) علی حسن خیرآبادی ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکخانہ جات

# اُس نے کہا تھا!

(طارق اسمعیل ساگر)

**ٹرین** گجرات پہنچی تو حولدار نور محمد خان نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ پچھلے تین چار روز سے مسلسل سفر کر رہے تھے۔ گلگت کے ایک دور دراز علاقے سے ان کی کمپنی کو اچانک ایک سرحدی علاقے میں پہنچنے کا حکم ملا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور صبح انھیں اسپیشل ٹرین پکڑنا تھی۔ جسے دس بجے آنا تھا۔ کمپنی کے باقی جوان تو مسافر خانے میں جا بیٹھے صوبیدار جہاں داد اور اس کا بیٹا نائیک زمان حولدار نور محمد سے باتیں کرتے رہے

"نورے آؤ میرے گھر چلیں۔ اسٹیشن پہ تو ساری رات وہیں گزرنے میں صبح [illegible] ساتھ ہی واپس آجانا۔" صوبیدار نے تجویز پیش کی اور نورے نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی۔ اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ ٹرین پر اتنا لمبا اور مسلسل سفر اس نے بخار کی حالت میں کبھی بھی کرنے کا تصور نہیں کیا تھا۔ تینوں اسٹیشن سے پیدل ہی روانہ ہو گئے۔

صوبیدار جہاں داد کا گھر آگیا اور وہ اور اس کا بیٹا تو دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ انھوں نے حولدار نور محمد کو کسی کمرے میں لٹا دیا۔ بخار نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ نور محمد چارپائی پر گرتے ہی بے سدھ ہو کر لیٹ گیا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ نائیک زمان نے اسے دودھ کے ساتھ [illegible] کھانے کو دی تھی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو سورج چڑھ رہا تھا۔ غالباً صوبیدار یا اس کے بیٹے نے اس کی رات کی حالت کے پیش نظر اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ دونوں قریبی مسجد میں نماز ادا کرنے چلے گئے تھے۔ نائیک زمان کی گولی نے بھی جادو کا اثر دکھایا تھا۔ خوب پسینہ آنے سے اس کے جسم کے سارے مسام کھل گئے تھے اور صبح تک اس کا بخار ختم ہو چکا

تھا۔ نورے نے چارپائی سے اٹھ کر ایک انگڑائی لی۔ نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ پھر بھی وہ پانی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ صو بیدار کے آنے سے پہلے پہلے قریبی ٹیوب ویل سے نہا کر واپس آجائے اور ان کے ساتھ مل کر ناشتہ کر کے واپس اسٹیشن چلا جائے۔

اس نے اپنے سرہانے رکھا تولیہ اٹھایا اور دروازے پر پڑی چق اٹھا کر جونہی باہر نکلا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔ ایک عورت سامنے سے دودھ کی بالٹی پکڑے آرہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے دونوں کو سکتہ ہو گیا ہو۔

●

جالندھر کے ایک محلے کی گلی میں قطار در قطار بنے مکانوں میں سے ایک مکان کا دروازہ کھلا اور ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی ہاتھ میں پتیل کا کٹورا پکڑے باہر نکلی۔ وہ مستی کے عالم میں بھاگتی ہوئی جارہی تھی۔ اسی لمحے گلی کی ایک نکڑ والے مکان سے ایک پندرہ سالہ لڑکا باہر نکلا۔ جیسے وہ پہلے ہی سے اس کا منتظر ہو۔ نوجوان کی نظر پڑتے ہی لڑکی کی رفتار میں کچھ کمی آگئی۔ اس نے اپنا دوپٹہ پھر سے سر پر جمایا۔ اب وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی تھی۔ پاس سے گزرتے ہوئے اس نے انکھیوں سے لڑکے کو دیکھا تھا۔ عین اسی لمحے لڑکا بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ ایک سرخی سی دونوں کے چہروں پر دوڑ گئی۔ تب لڑکی نے اپنی رفتار ایک دم بڑھا دی۔ لڑکے کی نظریں گلی کے آخری موڑ تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ روزانہ کے معمول کے مطابق اس نے اس کی واپسی کا انتظار بھی وہیں کھڑے کھڑے کیا۔ واپسی پر بھی دونوں نے وہی عمل دہرایا تھا۔ دونوں پہلے ایک ڈیڑھ ماہ سے اسی طرح سے ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھا کرتے تھے۔

اگلے روز ایک عجیب بات ہوئی۔

آج لڑکے نے اس کا تعاقب بھی کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس طرح چھپ چھپ کر اس کے پیچھے جارہا تھا کہ لڑکی کو اپنے تعاقب کا احساس بھی نہ ہو سکا۔ وہ حسب معمول محلے کے باہر سڑک کے کنارے بنی چھنے پہلوان کی دوکان سے دہی خرید

رہی تھی۔ لڑکی نے جیسے ہی مڑکر اس کی طرف دیکھا وہ اچانک گھبرا سی گئی۔ شرم اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس نے تیزی کے ساتھ اس نے تیزی سے سڑک پار کرنا چاہی۔ شاید اس نے وہ جیپ نظر انداز کر دی تھی جو اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ جیپ کا ڈرائیور اس اچانک صورت حال سے گھبرا سا گیا۔ اس نے بریک لگانا چاہی لیکن پاؤں شاید ٹھیک سے نہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ جیپ لڑکی کو ٹکر مارے، ایک کوندا سا لپکا۔ لڑکے نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ سڑک کے عین درمیان پہنچ کر لڑکی کو زور سے واپس دھکا دیا تھا۔ لڑکی تو بچ گئی لیکن وہ خود جیپ کے ایک مڈگارڈ سے ٹکرا کر گر پڑا۔ وہاں موجود تمام لوگ حیرت زدہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ لڑکی اس طرح بچالی جائے گی۔ لڑکی کے ہاتھ سے دہی کا کٹورا پرے جا گرا تھا۔ وہ زمین پر خود گر پڑی تھی چند ہی لمحوں میں ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے لڑکے کے زخمی سر کی طرف دیکھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا دل جیسے پھٹ گیا۔ اب لوگوں کا ہجوم ان دونوں کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگوں کے ساتھ اسے زخمی حالت میں لے کر واپس آ رہی تھی۔

اگلے تین چار روز تک وہ اس دروازے کے سامنے رک رک کر بازار جاتی رہی وہ ہر مرتبہ وہاں سے گزرتے ہوئے خالی خالی نظروں کے ساتھ دروازے کی طرف دیکھتی لیکن ہر مرتبہ دل مسوس کے رہ جاتی۔

پانچویں روز اچانک وہ اسے نظر آ گیا وہ اپنے سر پر پٹی باندھے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ آج تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر وہ اس کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئی۔ کسی ان دیکھی طاقت نے اسے وہاں کھڑا کر دیا تھا۔

"تو پاگل ہے کیا اس روز تو نے مجھے بچانے کے لیے"... اس کا فقرہ نامکمل ہی رہ گیا۔ اسے بولنے میں بڑی دقت محسوس ہو رہی تھی۔

"تیرا نام کیا ہے؟" لڑکے نے اچانک پوچھا

"عائشہ — اور تیرا" اس نے جواب اور سوال اکٹھا ہی کیا۔

نور محمد — نورا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔ قریب ہی کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی لڑکی گھبرا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

پھر تو جیسے ان کا معمول ہو گیا۔ وہ اسی جگہ رک کر روزانہ ایک آدھ نامکمل سی بات کر لیا کرتے تھے۔ ایک روز لڑکی وہاں سے گزری تو اس کا چہرا اترا اترا دکھائی دے رہا تھا۔

میں کل سے نہیں آؤں گی"۔ اس نے نظریں جھکا کر کہا

"کیوں؟" نورے کو ایسا لگا جیسے کسی نے اسے پہاڑ سے دھکا دے دیا ہو۔

"آج میری کڑمائی ہو جائے گی اماں کہتی ہے اب میرے سسرال والے برا مانیں گے"۔ اس نے زخمی نظروں کو ایک لمحے کے لیے اٹھا کر پھر جھکا لیا لیکن اتنے عرصے میں جو قیامت نورے کے دل پر ٹوٹی تھی اُسے بھی اس نے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔

"کیا؟؟" اس کے گلے سے رُندھی رُندھی سی آواز نکلی۔ اچانک کسی نے نورے کو اندر سے آواز دی۔ اور وہ گھبرا کر آگے بڑھ گئی۔ گلی کی نکڑ پر کھڑے ہو کر وہ دو تین منٹ تک دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اسی اثنا میں اس نے دو تین بار اپنی چُندھیائی سی آنکھوں کو صاف بھی کیا۔ وہ باہر نکلا تو عائشہ بوجھل بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ واپسی پر بھی وہ موجود نہیں تھا۔ وہ جیسے کٹ کر رہ گئی۔

اس کی کڑمائی کے بمشکل ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد ہی بٹوارا ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں اس کی ماں نے اسے ایک مرتبہ بھی تو باہر نہیں جانے دیا تھا۔ صرف ایک دن اس نے بہانے سے اپنی سہیلی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ نورا ہر روز دروازے پر کھڑا کسی کا انتظار کیا کرتا ہے۔

●

"نورے تو ٹھیک ہے نا؟" خاتون نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"ہاں تم سناؤ خوش رہتی ہو؟" — نورے کو محسوس ہو رہا تھا جیسے رت کی ساری تھکن نے پلٹ کر اس پر حملہ کر دیا ہو"

"تو نے شادی کر لی کتنے بچے ہیں تیرے؟" — خاتون نے اس سے بمشکل آنکھیں ملائیں۔

"میں نے شادی نہیں کی"۔ — نورے

نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کی جسمانی طاقت اب جواب
دے رہی تھی۔

"کیوں؟" اس کی زخمی نظریں دیکھ کر نورے
کو کئی سال پہلے والی عائشہ یاد آ گئی۔ اس نے ایک
روز انہی نظروں کے سامنے دیکھ کر اسے اپنی
کرشمائی کا المیہ بتایا تھا۔

اب تو خاتون کا بھی دل بیٹھنے لگا تھا۔ اس
نے دودھ کی بالٹی زمین پر رکھ کر قریبی دیوار کا سہارا
لے لیا۔ نورے نے چاہا کہ آگے بڑھ جائے اُسے
خود سے زیادہ اس پر ترس آ رہا تھا۔ اچانک ایک
آواز نے اُسے روک لیا۔

"نورے ایک بات سنتے جاؤ!" خاتون کی
سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

"کیا؟" ـــ نورے کو ڈر تھا کہ اسے اگر اسے
دوبارہ کسی بات کا جواب دینا پڑا تو شاید وہ بول
بھی نہ پائے گا۔

"ایک روز تم نے میری جان بچائی تھی نورے!
بری زندگی بھر کا تم میری آس مراد میرا ہی ایک
بیا ہے۔ ہاں اس کا خیال رکھنا" ـــ آنسو اس کی
آنکھوں سے گر کر اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

"اچھا" کہہ کر حوالدار نور محمد تیزی کے ساتھ آگے
بڑھ گیا اُسے ڈر تھا کہ وہ گر نہ پڑے۔ مکان کے دروازے
سے باہر نکلتے ہوئے اس نے دہلیز میں کھڑے
ہو کر ایک نظر مڑ کر دیکھا۔ خاتون اپنے دوپٹے سے
آنسو پونچھ رہی تھی۔ ایک مرتبہ اسی طرح اس نے
جالندھر کے ایک محلے کی ایک گلی کی نکڑ میں پڑا اپنی
چُنری سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

صوبیدار اپنے بیٹے کے ساتھ واپس آیا تو وہ
واپس اسٹیشن جا چکا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔

●

گولہ باری قیامت ڈھا رہی تھی۔ وہ ایک مورچے
سے نائیک زمان کے ساتھ دشمن پر فائرنگ کر رہا
تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ان کے دائیں ہاتھ
ایک پہاڑی سے تین گورکھے ان کی طرف بڑھے۔
اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ مشین گن کا منہ ان کی طرف
پھیر سکے۔ نائیک زمان نے رائفل تھامی اور بجلی
کے کوندے کی طرح باہر کو لپکا۔ اس نے پہلے ہی
حملے میں ایک گورکھے کو جہنم واصل کر دیا۔ دوسرے
گورکھے پر وہ سامنے سے حملہ آور ہو رہا تھا۔ تیسرے
نے چاہا کہ پیچھے سے اسے سنگین گھونپ دے اس

اثناء میں حوالدار نور محمد عقاب کی طرح اس پر جھپٹا۔ گورکھے
کی رائفل کی سنگین اس کی پسلیوں میں لگی تھی۔ لیکن اس
نے اپنی تمام تر ٹریننگ بروئے کار لا کر گورکھے سے
رائفل چھین کر سنگین اس کے سینے میں اتار دی۔
اس اثناء میں زمان دوسرے سے فارغ ہو چکا تھا۔
نور محمد نے اس کی طرف دیکھا تو جیسے اس کا دل اچھل کر
مٹھی میں آ گیا۔ اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا۔
"زخم زیادہ تو نہیں ــــ ٹھیک ہو نا"۔
"بالکل ٹھیک ہوں حوالدار صاحب معمولی
زخم ہے"۔
وہ دونوں اپنے مورچے میں پہنچ چکے تھے۔
نور محمد نے اس کی اور اپنی فیلڈ پٹی زمان کے پیٹ
پر کس کر باندھ دی تھی۔
خود اس نے مورچے میں پڑا اپنا بڑا سا فوجی
کوٹ پہن لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا زخم چھپا رہے
لڑائی رک گئی مورچہ فتح ہو چکا تھا۔ وہ ایک
خطرناک پہاڑی علاقے میں لڑ رہے تھے۔ بڑی مشکل
سے ایک ایمبولینس وہاں تک پہنچی تھی۔ اور صرف
شدید زخمی ہی پیچھے لے جائے جا رہے تھے۔ باقیوں
کا محاذ پر ہی علاج کیا جا رہا تھا۔ ایک آدمی کی گنجائش
باقی رہ گئی تھی۔
"تم بیٹھو حوالدار" صوبیدار جہانداد نے اس
کے چہرے کی پیلی رنگت دیکھ کر اس کی حالت کا
اندازہ لگا لیا تھا۔ خون بے تحاشہ بہہ چکا تھا۔
"صوبیدار صاحب! میں بالکل ٹھیک ہوں
معمولی زخم ہے۔ آپ زمان کو بھیجیں۔ اس کے پیٹ
میں بڑا گہرا زخم لگا ہے"ــــ اسے تو نائیک زمان کی
فکر کھائے جا رہی تھی۔ اگر اسے کچھ ہو گیا"ــــ اس
سے آگے وہ نہ سوچ سکا۔ پھر اس کی ضد کے پیش نظر
زمان کو ایمبولینس میں بٹھا کر بھیج دیا گیا۔
نور محمد کو معمولی زخم نہیں آیا تھا۔ زہر میں بجھی
سنگین نے اس کے سارے جسم میں آگ لگا دی
تھی۔ جیسے ہی ایمبولینس آگے بڑھی، وہ لڑکھڑا کر
گر پڑا۔
"کیا ہوا کیا ہوا؟"ــــ صوبیدار نے گھبرا کر
اس کا بھاری کوٹ اوپر اٹھا کر دیکھا تو سہم گیا
بہت گہرا زخم تھا۔ اسے یہ بات صاف سمجھ میں
آ گئی تھی کہ حوالدار نور محمد نے یہ سب کچھ اس کے
بیٹے کی زندگی بچانے کے لیے کیا ہے۔
"نور محمد ــــ تم سے کس نے کہا تھا کہ

تم میرے بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان دے ڈالو۔ بتاؤ نورے بتاؤ ـــ صوبیدار نے اسے جھنجھوڑ ہی ڈالا تھا۔

حوالدار نور محمد کے منہ سے بمشکل نکلا۔

" اس نے کہا تھا " ـــ

ایمبولینس پہاڑی کے گرداگر دبنی ہوئی سڑک کا چکر کاٹتی اس کی نظروں سے دور ہی دور ہوتی چلی جارہی تھی۔ اس کی گردن اچانک ایک طرف ڈھلک گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تو اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ (مرکزی خیال ماخوذ)

| شمسی کیلنڈر سنہ ۱۹۸۳ء | | | | | مئی | اگست | فروری مارچ نومبر | جون | دسمبر ستمبر | اپریل جولائی | جنوری اکتوبر |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۲۹ | ۲۲ | ۱۵ | ۸ | ۱ | اتوار | پیر | منگل | بدھ | جمعرات | جمعہ | سنیچر |
| ۳۰ | ۲۳ | ۱۶ | ۹ | ۲ | پیر | منگل | بدھ | جمعرات | جمعہ | سنیچر | اتوار |
| ۳۱ | ۲۴ | ۱۷ | ۱۰ | ۳ | منگل | بدھ | جمعرات | جمعہ | سنیچر | اتوار | پیر |
| ح | ۲۵ | ۱۸ | ۱۱ | ۴ | [illegible] | جمعرات | جمعہ | سنیچر | اتوار | پیر | منگل |
| ج | ۲۶ | ۱۹ | ۱۲ | ۵ | جمعرات | جمعہ | سنیچر | اتوار | پیر | منگل | بدھ |
| ا | ۲۷ | ۲ | ۱۳ | ۶ | جمعہ | سنیچر | اتوار | پیر | منگل | بدھ | جمعرات |
| ب | ۲۸ | ۲۱ | ۱۴ | ۷ | سنیچر | اتوار | [illegible] | منگل | بدھ | جمعرات | جمعہ |

پیش کردہ:۔ محمد جاوید اختر۔ دھنباد۔ بہار

# کچھ آزمودہ نسخے

**نسخۂ عرق النساء** ہلیلہ کابلی ۶ ماشہ، ہلیلہ سیاہ ۶ ماشہ، ہلیلہ زرد ۶ ماشہ سونٹھ ۶ ماشہ، مرچ سیاہ ۶ ماشہ، کالی زیری ۶ ماشہ مغز کرنجوا ۶ ماشہ، مویز منقیٰ ۱۵ دانے

پہلی ساتوں چیزوں کو کوٹ پیس کر کپڑے میں چھان لیں۔ پھر اس سفوف میں منقے ۱۵ دانے حل کریں۔ لبدی سی بن جائے گی۔ اس لبدی سے دال لونگ سائز کی گولیاں بنا کر دھوپ سے بچا کر سایہ میں خشک کریں۔ جتنی گولیاں تیار ہوں ان کی اندازاً چالیس خوراکیں برابر برابر بنالیں۔ صبح شام دو وقت سادے پانی کے ساتھ کھالیں۔ بیس دن بعد بھی اگر تکلیف باقی رہے تو مزید بیس دن کی دوا بنا کر استعمال کریں۔ انشاء اللہ مرض کا بالکل استیصال ہوجائیگا

**بواسیر خونی** چرائتہ ۶ ماشہ، مرچ سیاہ چار دانے۔

چرائتہ رات میں آدھا تولہ چھٹانک بھر پانی میں بھگو دیں۔ صبح چار دانے مرچ سیاہ کے ڈال کر سل پر باریک پیس لیں۔ کپڑے سے چھان کر صبح و شام دو وقت پی لیں ایک ہفتہ کے اندر انشاء اللہ شفائے کلی حاصل ہوجائیگی مرچ اور چائے کا پرہیز لازم ہے۔

**کتے کاٹے کی دوا** کچلے کی ڈوڈکیاں لے کر چالیس ٹکڑے بنالیں۔ روزانہ نہار منھ ایک ٹکڑا پانی کے ساتھ حلق سے اتاریں۔ چالیس دن تک مسلسل کھائیں۔ ناغہ نہ ہونے دیں۔ تریاق ہے۔ (افتخار احمد بلگرامی۔ بارہ نکی)

# بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے

(مسرت مصطفیٰ)

بچے کا ذہن کس درجہ حساس ہوتا ہے اس امر کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ میرے قریب ہی لان میں چار پانچ بچے کھیل میں مشغول تھے۔ میں چونکہ پینٹنگ کر رہی تھی شاید اس لئے رنگوں کی کشش انھیں میرے قریب لے آئی اور وہ بچے ایک محلے میں رہنے کی وجہ سے مجھ سے کافی مانوس تھے۔ طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ جب ان کے تمام سوالات ختم ہو گئے تو میں نے ان سے کہا "اچھا بچو اب تم سب بتاؤ کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے"۔ میرے اس سوال پر کوئی تو ڈاکٹر تو کوئی انجینئر اور کچھ بروس لی اور سیکس ملین ڈالر مین بننے کے خواب سنانے لگے۔ ان میں ایک بچہ بڑی معصومیت سے بولا "باجی میں تو چاٹ والا بنوں گا۔" میں نے حیرت سے پوچھا میرا خیال تھا کہ میں نے سننے میں غلطی کی ہے مگر وہ بچہ پھر اسی معصومیت سے بولا "باجی وہ [illegible] پر چاٹ بیچتا ہے نا... میں وہ چاٹ والا بنوں گا۔" "مگر کیوں"؟ میں نے اُسے [illegible] کرتے ہوئے پوچھا "آپ کے ابو امی دونوں ڈاکٹر ہیں، آپ ڈاکٹر کیوں نہیں بن جاتے؟" "نہیں باجی میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا میں تو چاٹ والا بنوں گا۔ یہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اپنے بیٹے کو ساتھ رکھتے ہیں۔" اور ایک دم میرے ذہن میں چاٹ والا گھوم گیا جو موڑ پر صبح سے شام تک چاٹ کی ریڑھی لگاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا چھ سالہ لڑکا بھی ہوتا ہے جو پلیٹیں دھونے اور پکڑانے میں مدد کرتا ہے۔

"مگر آپ کے پاس بھی تو آپ کے امی ابو ہوتے ہیں"۔ میں نے اسے پیار کرتے

ہوئے کہا" کہاں ہوتے ہیں صبح جب میں اسکول جاتا ہوں تو وہ ہسپتال چلے جاتے ہیں دوپہر کو وہ کلینک چلے جاتے ہیں اور پھر معلوم نہیں کب آتے ہیں۔ میں تو ٹی وی دیکھتے دیکھتے سوچکا ہوتا ہوں اس لئے میں ڈاکٹر کبھی نہیں بنوں گا۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے بچوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر کھیل میں مشغول ہوگیا مگر میرا ذہن منتشر ہوگیا اور میں سوچنے لگی کہ اس مشینی دور نے ہمیں کس قدر بے حس بنادیا ہے۔ ہم اپنے بچوں کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ کبھی اس قسم کا سوال والدین سے کر بیٹھیں تو وہ یہی کہتے سنے جائیں گے کہ اتنا کام اتنی محنت جو ہم کر رہے ہیں "کس کے لئے ہے؟ اتنی دولت جو جمع کر رہے ہیں اور معاشرے میں مقام بنا رہے ہیں "کس کے لئے ہے؟۔۔ صرف اور صرف اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے۔" مگر والدین کو کون سمجھائے کہ دولت سے تجوریاں بھر لینے اور سوسائٹی میں مقام بنا لینے سے بچے کی شخصیت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ان کی شخصیت کو نکھارنے کے لئے ہمیں اپنی مصروفیات کو کم کرکے انہیں کچھ وقت دینا ہوگا تاکہ وہ محسوس کریں کہ والدین ان سے پیار کرتے ہیں۔

## غزل

دلوں میں آج اُمڈتی ہیں نفرتیں کتنی　　سمٹ رہی ہیں نہ جانے محبتیں کتنی

ذرا ذرا سی توجہ سے ہم نے دیکھا ہے　　بدل گئی ہیں محبت میں رنجشیں کتنی

لبوں پہ آج بھی ہے ان کا تذکرہ باقی　　اگرچہ ٹوٹ گئی ہیں رفاقتیں کتنی

بس ایک آپ سے ملنے کی دل میں حسرت ہے　　نکل چکی ہیں خدا جانے حسرتیں کتنی

یہ پوچھ کر ہی بتاتے ہیں منزلوں کا پتہ　　وفا کی راہ میں کھائی ہیں ٹھوکریں کتنی

یہ دل کے راستے ہوئے زخم اور یہ داغِ جگر　　نگاہِ ناز نے کی ہیں عنایتیں کتنی

دلوں میں آج بھی جاوید فاصلے ہیں وہی
سمٹ چکی ہیں اگرچہ کہ وسعتیں کتنی

# اُجالے ڈوب گئے

(طاہرہ ناہید حجاب)

ایک دم اُسے آج شام والا واقعہ یاد آگیا تو وہ رک کر بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور پھر اس واقعے کے متعلق سوچنے لگا۔ یہ واقعہ یاد کر کے اُسے بہت خوشی ہو رہی تھی اور خوشی بھلا کیوں نہ ہوتی آج شام اس نے ایک ایسی بھکارن دوشیزہ کی عزت بچائی تھی۔ جو ایک ٹانگ سے اپاہج تھی اگر وہ وقت پر پہنچ کر مداخلت نہ کرتا تو وہ غنڈے اس کی عفت کا دامن تار تار کر دیتے وہ دل ہی دل میں خوشی کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ جب یہ خبر انسپکٹر نیازی کو سنائے گا تو وہ کتنا خوش ہوگا۔

انسپکٹر نیازی اس کا کتنا مہربان افسر اور کتنا پرخلوص انسان تھا۔ وہ جب سے شہر میں آیا تھا اس نے جگہ جگہ پہرے لگوا دیے تھے۔ تاکہ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے اس سے پہلے غنڈوں نے اس علاقے کا چین قرار لوٹ رکھا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی واردات ہوتی۔ کبھی کبھی غریب کی آبرو لٹتی۔ کبھی کسی مجبور کی عزت۔ مگر اب انسپکٹر نیازی کے آنے سے قدرے سکون ہوگیا تھا۔ کتنا اچھا ہے انسپکٹر نیازی۔ اس نے سوچا۔

ٹن ٹن۔ تبھی اچانک گھنٹہ گھر کے گھڑیال کی تیز آواز نے اس کے خیالوں کا تسلسل توڑ دیا۔ غالباً رات کے دو بج گئے تھے۔ ابھی اس کی ڈیوٹی کے دو گھنٹے باقی تھے لیکن آج وہ جلدی اپنے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کی اب بھی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح گھر پہنچ کر روٹی کے دو چار نوالے ٹھونسے اور پھر سویرے سویرے انسپکٹر کو رات والے

واقعہ کی بر سنا دے اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔
اس کے قدموں کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی۔ اب وہ سڑک کے کنارے چلتا ہوا ان
جھگیوں تک پہنچ گیا جو برگد کے پیڑوں لے تھے۔ کے نیچے بنی ہوئی تھیں۔
جب وہ ان جھگیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ
تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کتنے آرام اور چین سے سو رہے ہیں یہ لوگ۔ مگر اچانک ایک جھگی
سے آنے والی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ جھگی کے دروازے پر پہنچ کر ایک لمحے کے لیے
ساکت ہو کر رہ گیا۔ اندر سے آنے والی نسوانی آواز نے اس کے پاؤں جکڑ لیے پھر اس نے
احتیاط سے دروازے کی ایک دراڑ سے آنکھ لگا کر اندر جھانکا تو اس کے رونگٹے کھڑے
ہو گئے۔ یہ تو وہی بھکارن تھی جس کی آج شام اس نے عزت بچائی تھی۔ مگر اب پھر ایک اجنبی
نوجوان انتہائی اشتعال انگیز حالت میں اس کی آبرو لوٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پاس ہی
اس کی بوڑھی ماں اوندھے بل زمین پر پڑی تھی۔ ساتھ ہی اندر سے کسی سڑی ہوئی چیز کی
بدبو آ رہی تھی۔ ایک طرف اندھیرے میں اور پشت ہونے کی وجہ سے نوجوان کی صورت
نظر نہیں آ رہی تھی۔ اور لڑکی اس سے بچنے کے لیے ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس
کشمکش میں لڑکی کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور جسم کے
کئی حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔
یہ منظر دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چند لمحوں تک وہ بے حس و حرکت
کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ انسپکٹر نیازی کے پاس جا رہا تھا۔ اچھا تو غنڈو
نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ بڑبڑایا۔
پھر اس کے جسم میں حرکت ہوئی۔ اس کی آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ اس کا دماغ
غصے کے مارے ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں اس بے بس لڑکی کی آہ

اور کراہوں کی آوازیں آرہی تھیں غصے کی ایک خوفناک لہر اس کے سارے بدن میں دوڑ گئی چند لمحوں کے بعد اس کے ہوش وخرد کے طوطے اڑ گئے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک دم رک گیا ایک ثانیے کے لیے وہ خلا میں کچھ گھورتا رہا۔ اور پھر اس نے ایک یقینی فیصلہ کرلیا۔

اس کے ہاتھ تیزی سے بندوق کے آگے لگی سنگین پر پڑے۔ اس نے مضبوطی سے سنگین کے دستے کو ہاتھ میں پکڑا۔ اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو اندر سے لڑکی کی آواز آئی۔

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔"

"پہلے وعدہ کرو... پھر! ورنہ زبردستی... تمہیں آج مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لو پیو۔"

پھر اس نوجوان کا مستی بھرا قہقہہ گونج اٹھا۔

اس کی برداشت کی اب انتہا ہو چکی تھی۔ وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ غصے سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس نے دروازے کی دستی کو یوں کھینچا کہ دستی اکھڑ گئی۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سنگین والا ہاتھ بلند کیا۔ جونہی آہٹ ہوئی اجنبی نے فوراً گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ ایک ثانیے کے لیے دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور پھر سنگین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ اس کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ اجنبی کے سامنے جھک گیا۔ کیونکہ وہ اس کا افسر تھا۔ اور سب سے بڑھ کر عزت وآبرو کا محافظ انسپکٹر پیارے

## غزل

(سید حسن اختر جیبوری)

آپس میں جو بھی میل ہے اس میرے شہر میں
بہروپیوں کا کھیل ہے اس میرے شہر میں

حیوانیت کو چھوٹ ہے عیش ونشاط کی
انسانیت کو جیل ہے اس میرے شہر میں

سرسبز شاخ بغض وکدورت ہے کیا کہوں
سوکھی وفا کی بیل ہے اس میرے شہر میں

آخر وہ آرہے ہیں جو کوٹھوں سے لوٹ کر
ایسوں کی ریل پیل ہے اس میرے شہر میں

سرگذشت لوم کے خالق ۔ ہزار چشم تے سے حلقۂ حجاب واقف ہو چکا ہے ۔ آنجناب تشبیہوں اور استعاروں کا سہارا لے کر عہد حاضر پر بھرپور تبصرہ کرتے ہیں ۔ حالانکہ حلقۂ حجاب کے لئے زبان و بیان کی آسانیاں ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہی ہیں لیکن حضرت ہزار چشم کی دقیق زبان پر اگر ہم مدیرانہ حق استعمال کریں تو ہزار چشم کا استاہدہ اور اُن کا تبصرہ مجروح ہو جائے گا اس لئے ہم کسی ترمیم کے بغیر پہلی قسط اس اشاعت میں دے رہے ہیں اس کے بعد کی قسطیں اتنی مشکل زبان میں نہیں ہیں ۔ — مائل خیرآبادی

" فہمیدن معانی ہر طبع کے تواند بہ لذت بیابد آں دل کو زاہا بداند "

انتساب :— عالمی شہرت یافتہ مشہور ہندوستانی ماہر پرند (Ornithologist) ڈاکٹر سلیم علی کے نام — مبادا کہ بوم و ہما کے وجود سے ہی انکار فرمادیں اور ہماری ساری کوشش اکارت جائے اور کاوش بے کار ہو جائے۔

تعارف :— ہما ایک مبارک پرندہ ہے جس آدمی پر اس کا سایہ پڑ جائے بادشاہت پاوے۔ اس لئے خوش بختی کی نشانی ہے — یہ جنس ارزاں نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب پیدا ہوتا ہے تو کایا پلٹ دیتا ہے — اس کی نمودار ی سے دنیائے بوم میں ہاہاکار مچ جاتی ہے۔ ہر رنگ و نسل کے بوم طرح طرح کے نالہ و شیون سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ بوموں کی بوکھلاہٹ قابل دید ہوتی ہے۔ پروں کی پھڑپھڑاہٹ اور قرّ — قرّ — قیں — قاں — قوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

بوم جس کو اُلو بھی کہتے ہیں ایک تاریکی پسند پرندہ ہے۔ روشنی سے گریز اس کی فطرت ــــ بے وقوفی اور نحوست کی علامت ــــ مگر مغرب میں AS WISE AS OWL کی کہاوت زبان زدِ خواص و عام ہے۔ مشہور مصلح شاعر شیخ سعدی ؒ اپنی گلستان "میں لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر ہُما دنیا سے ناپید بھی ہو جائے تو بھی کسی کو بوم کے سایہ تلے نہیں آنا چاہیے۔

"کس نہ آید زیرِ سایہ بوم ــــ ور ہُما شود از جہاں معدوم"

ہُما معدوم تو نہیں ہوئے، وقفے وقفے سے آتے رہے۔ اچھے اور پاک دانہ پانی کے حصول کے طریقے سکھاتے رہے۔ فکرِ صحیح کی طرف بلاتے اور جھنڈ کے ساتھ بھلے انداز میں کیسے رہنا چاہیے، سکھاتے۔ ان کے سایہ تلے جمع ہونے والے مراد کو پا گئے۔ بادشاہت مل گئی ــــ مگر عظیم اکثریت بوم کے سایہ تلے ہی رہی اور نحوست پھیلاتی رہی اور بدبختی کو روتی رہی۔ یہی آویزش بوم و ہما سے ہے۔ جس کا تجربہ دنیا زمانہ قدیم سے کرتی آ رہی ہے اور رہتی دنیا تک کرتی رہے گی۔ دنیائے بوم میں ابھی جو فساد برپا ہے اور اس کے گھر کو جو آگ لگی ہوئی ہے اس کے اپنے چراغ سے ہی لگی ہے۔ اگر ہما کے زیرِ سایہ رہتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔ ایک شاعر کا نالہ سنیے:-

بربادیٔ گلشن کی خاطر بس ایک ہی اُلو کافی تھا ــــ ہر شاخ پہ اُلو بیٹھے ہیں انجامِ گلستاں کیا ہوگا

لفظ بوم کی مختلف صورتیں:- ــــ لفظ بوم بذاتِ خود ایسا منحوس ہے کہ نہ کسی لاحقہ سے اچھا معنی پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی سابقہ سے۔ نہ حک حسن پیدا کرتا ہے اور نہ اضافہ۔ رومن رسم الخط میں بھی اگر لکھا جائے تو بھی کسی لاحقہ و سابقہ سے اچھے معنی پیدا نہیں ہوتے۔ اگر حرفوں کی ترتیب بھی الٹ دی جائے تو نحوست سے پنڈ نہیں چھوٹتی۔ آپ لاحقہ و سابقہ لگا کر، حک و اضافہ کر کے اردو یا انگریزی میں کوئی لفظ اچھے معنی والا بنا دیں تو آپ کا لوہا مان لیں گے ــــ "ہزار چشم"

تاریخ پیدائش۔ بحث درج ذیل ہے:- ــــ تاریخ وفات کے لیے قیامت کا انتظار کیجیے۔

اندھوں کے نزدیک بوم و ہما کی تحقیق ٹیڑھی کھیر ہے۔ آپ نے لگے ہاتھ ٹیڑھی کھیر کی تحقیق کر لیں ــــ

—ایک تازہ وارد ولایتی فقیر سے کسی نے پوچھا: "شاہ صاحب کھیر کھائے گا؟"

اندھے نے پوچھا: "بابا! کھیر کیسی ہوتی ہے؟" — جواب دیا گیا: "سفید ہوتی ہے" اندھے نے سوال کیا، "سفید کیسی ہوتی ہے؟" کہا گیا: "بگلے جیسی" اندھے نے دریافت کیا: "اور بگلا کیسا ہوتا ہے؟" مالک مکان کے گھر بگلا پلا ہوا تھا، پکڑ کر اندھے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سر سے پاؤں تک ٹٹول کر اندھا بولا: "نا، بابا، کھیر ٹیڑھی ہے، نہیں کھائیں گے، حلق میں پھنس جائے گی" — لومیانہ تحقیقات اسی نہج کی ہوتی ہیں —

علمائے بوم اس بات پر متفق ہیں کہ بوم پہلے وجود میں آیا۔ ہما اس کی ترقی یافتہ شکل ہے اور بعد کی پیداوار — مگر محققین کے نزدیک مستند ترین روایت یہ ہے کہ پہلے ہما پیدا ہوا اور مدتوں ہما ہی ہما تھا اور یہ کہ ہما سرے سے زمینی پیداوار ہے ہی نہیں، کسی اور جگہ سے یہاں آترا ہے۔ یہ دیگر زمینی جانوروں کے مقابلے میں الگ ساخت رکھتا ہے۔ اور منفرد صلاحیت۔ بوم کچھ نہیں۔ مگر ہما کی بگڑی ہوئی صورت و خصلت۔ جو اس نے زمینی جانوروں کے ساتھ رہ کر ان سے سیکھ لئے ہیں۔ بات دل کو لگتی ہے اور درایتہً بھی ثابت ہوتی ہے۔

کیا چیزیں پہلے سڑی ہوئی حالت میں ہوتی ہیں اور بعد میں اچھی ہو جاتی ہیں؟ کیا جیب بننے سے پہلے ہی جیب تراش پیدا ہو چکے تھے؟ کیا مال کے وجود میں آنے سے پہلے ہی چور موجود تھے؟ کیا سورج سے روگردانی کے پہلے ہی اندھیرا چھا جانا شروع ہو جاتا ہے؟ کیا علم سے انکار اور گریز کا نام جہالت نہیں ہے؟ کیا تندرستی کے بگاڑ کا نام بیماری نہیں ہے؟ کیا اصلی چیز کے بغیر ملاوٹ ممکن ہے؟

ہما خوش بختی کی نشانی ہے اور بوم بدبختی کی۔ خوش بختی سے پہلے ہی بدبختی کیسے پیدا ہو گئی؟ K کا لڑکا بھی جانتا ہے کہ حساب میں ۴۶ پہلے آتا ہے اور ۴۸ بعد میں —

پس ثابت ہو گیا کہ بگڑے ہما کا ہی نام بوم ہے۔ "ہزار چشم"

پہلا دور: — بگاڑ کی ابتدا۔

ثابت ہو چکا کہ پہلے ہما ہی ہما تھا، آپس میں نہ فریب تھا اور نہ تفرقہ — نہ جبر تھا اور نہ استحصال — (Exploitation) نہ بادشاہی تھی اور نہ غلامی۔ بگڑے کا وجود نہیں تھا۔ برابری ہی برابری تھی۔ آزادی

ہی آزادی ــــ مگر شدنی سے بچنا محال ــ پھر ایک روز ایک حادثہ ہوگیا ــــ بی فاختہ کا انڈا کوّے کو کھاتے دیکھ گیا ــــ آرام پسندوں، سہل نگاروں اور خام دماغوں کو ایک آسان نسخہ ہاتھ لگا. بغیر محنت کئے دوسرے کے مال اڑا کر بھی عیش کیا جاسکتا ہے ــــ قوت مشاہدہ تو تھی. کوے کی اسنڈی کی. متاثر ہوئے اور استاد مان لیا.

کوا ٹھہرا بڑا سیانا، بڑا استاد. چونچ ایسی کڑی کہ مٹی کھود کر قبر بنانا سکھا دے. ذہن ایسا رسا کہ چستائی کے نت نئے طریقے نکالے ــ پنجہ ایسا شکنجہ کہ جس کو دبوچے نکل نہ پاوے ــــ شور مچانے کی ایسی تکنک معلوم کہ آسمان سر پہ اٹھا دے ــ پھر اکیلے کوے کی نقل پر ہی نہ رکے. آگے بڑھے. کتے سے ہمہ پیٹ اور ہمہ شہوت ــ سور سے ہمہ گندگی اور بے حیائی، ریچھ سے مکاری، بھیڑیے سے سفاکی، چیتے سے درندگی، سانپ سے ایذا رسانی بچھو سے نیش زنی اور گرگٹ سے رنگ بدلنا سیکھا ــ بات ختم نہیں ہوئی، تحقیق تاایندم جاری ہے. نت نئی فنکاری سے اپنے استادوں پر تفوق حاصل کرنا شروع کر دیا اور حالت یہ ہوگئی کہ گرو گڑ ہی رہے. چیلا چینی ہو گئے ــــ

بڑے بوڑھے ہُما نے سدھار کی بڑی کوشش کی مگر انقلاب زندہ باد کی کائیں کائیں میں ساری کوششیں دب گئیں ــــ ہُما کی سوسائٹی میں اتھل پتھل ہوگئی. لوٹ مار، چوری، چکاری. رہزنی اور ڈاکہ. دھوکا اور فریب اور دیگر برائیاں عام ہوگئیں. بوم بننے کی رفتار بیضہ کے جراثیم بڑھنے کی رفتار سے بھی بڑھ گئی ــــ پھر بوم ہی بوم نظر آنے لگے. نہ مال سلامت رہا اور نہ آبرو ــ ہُما عنقا ہو گئے ــــ

قبلہ اپنا بوم نے پھر خدا بنایا "اپنے مزے کو سب نے اپنا خدا بنایا"

دوسرا دور :ــ قبائلی نظام

اپنے مزے کو اپنا خدا نانے کا جو انجام ہونا چاہئے تھا وہ ہوگیا. لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگیا. کمزوروں اور غریبوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہی. بوم سماج میں انتشار و بدنظمی پیدا ہوگئی. بھینس لاٹھی والے کے گھر چل گئی. طاقتور دندنانے لگا. پرامن زندگی کے لئے نظم و انصاف ضروری ہے اور وہی غائب ہوگیا.

ہمارے اور آپ کے سب کے علم میں ہے کہ نہ سب کا قد برابر نہ قامت، نہ علم برابر نہ صحت، نہ فکر برابر اور نہ عقل ــــ بوموں کی دنیا میں نظم پیدا کرنے کی کوشش میں تگڑے اور بزعم خود عقلمند بوموں کو ایک ترکیب سوجھی۔ رنگ چوکھا آنے والا مسالہ ہاتھ لگا۔ ہلدی پھٹکڑی کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ بوم پریشان اور دکھی تو تھے ہی ــــ ان کے دکھوں کا۔ کمزوروں کی ہمدردی اور حمایت کا۔ نظم اور انصاف کا زوردار طریقہ پر چرچا شروع کر دیا گیا اور اس طرح مظلوموں اور بیوقوفوں کی ہمدردی جتا کر ایک ایک جھنڈ کے ایک ایک سردار بن گئے۔ بوم کی گاڑی ہدایت کی پٹڑی سے اتر کر ضلالت کے گڑھے میں گر گئی۔ دھوکے لئے نظم و انصاف کے کچھ خود ساختہ ضابطے بنے اور آج تک بن رہے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے آج کل مزدوروں کے ہمدرد، ہمدردیاں جتا کر مزدور یونینیں (Labour Unions) بنایا کرتے ہیں اور اپنا اُلو سیدھا کرتے رہتے ہیں ــــ اسی طرح زمانہ قدیم میں بھی حقوق اور جان و مال کی حفاظت کے بدلے مفت دانا چارا اور خدمت حاصل کر لی گئی ــــ مگر اجتماعی زندگی میں وہ ہمائیت واپس نہ آسکی جس کو چھوڑ کر اپنے مزے کے لئے جانوروں کو اپنا پیشوا بنایا تھا ــــ بے چینی باقی رہی۔ حزن و ملال سے چھٹکارا نہیں ملا۔ لوٹ کھسوٹ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ انفرادی ڈاکے اور لوٹ نے اجتماعی روپ دھار لیا ــــ اور بس ــــ ایک طاقتور جھنڈ دوسرے کمزور جھنڈ پر اپنے سردار کے ماتحت دھاوا بولتا رہا اور شب خون مارتا رہا ــــ اور اب یہ چیز علی الاعلان جائز ہو گئی ــــ بومیت کراہتی رہی۔ مگر ہمائیت کی طرف مراجعت میں مزاحم رہا۔ غریب سدھارن بوم قبیلے کے سرداروں کے سامنے دست بستہ سرِ کرتا رہا ــ

کچھ ہستی نہیں بوم کی حال جناب کے آگے " ہے بھرتے کی کیا حقیقت مٹی چاپ کے آگے"

تاریخ بوم میں اس کو قبائلی نظام کہا جاتا ہے۔

تیسرا دور: ــــ ــــ : نظام جاگیرداری

مدتوں بعد کسی منچلے بوم کے ذہن میں ایک اور زیادہ کارگر ترکیب سوجھی۔ امن و امان کے ساتھ رہنا بوم کی فطرت میں ہے۔ اپنی اصلی ہمائیت کی طرف مراجعت اس کی سرشت کا تقاضا ہے۔ مگر وہ راستہ ہمیشہ

غلط اختیار کرتا ہے۔ بہرحال اس منچلے بوم نے لوٹتے ہنستے ہوئے دانہ چارہ کی مدد سے سوپچاس جھنڈ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ہر جھنڈ کے سردار کو کچھ سبز باغ دکھایا، انعام و اکرام کے وعدے کئے اور اس لاؤ لشکر کے ساتھ آس پاس کے دوسرے بوم قبیلوں پر چڑھائی شروع کر دی۔ ہزاروں ہزار بوم تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ کتنے ہی جھنڈ تتر بتر ہو گئے اور بوموں کی دنیا میں۔ یہ پہلا قسمت آزما بوم مہاراج دھیراج کے لقب سے سنگھاسن پر بیٹھا مفتوحہ بوم کی نہ صرف اچھی چراگاہیں مہاراج دھیراج کے صرف خاص کے لئے مخصوص کی گئیں، بلکہ بیہ وطرحدار بومنیاں بھی "کماری بھون" میں داخل کر لی گئیں۔ بوموں کے ذہن میں یہ بات شدت سے اتاری جانے لگی کہ خلقت خدا کی اور ملک بادشاہ کا۔ دوسرے اور تیسرے درجہ کی چراگاہیں ان بوم سواروں کو بخشی گئیں جن کے زور پنجہ و چونچ سے فتح حاصل ہوئی تھی۔ اوسراور بنجر چراگاہیں ہی مفتوحہ جنتا کے لئے چھوڑ دی گئیں اور ان کی بھی آدھی پیداوار اور سرکاری لگان کے نام پر ہز مجسٹی وصول کرنے لگے۔ وفادار بوموں کو سرکاری نوکریاں دی گئیں۔ نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ ماہی مراتب تقسیم ہوئے۔ مہاراج دھیراج کا سلسلہ نسب سورج دیوتا سے جوڑ دیا گیا۔ الارض للہ۔ الملک للہ کے ہمائی تصور پر ایک دبیز شاہی پردہ ڈال دیا گیا۔

بوم سوسائٹی میں پیشہ ور گائنیں اور گائک مسخرے اور بھانڈ۔ مداری اور کلاکار پیدا ہوئے۔ خوشامدیوں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا۔ مال تو سب بادشاہ اور امیروں کا تھا۔ پیٹ بھرنے کے لئے تو کوئی صورت نکالنی ہی تھی۔ ہز مجسٹی اور ان کے امراء کو خوش رکھنا ہر بوم کا مقصد زندگی ہو گیا۔ رضائے الٰہی نے رضائے بادشاہت کی شکل اختیار کر لی۔ علمائے بوم اس گراوٹ کو ترقی حضارت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بات بھلا ایک ہز مجسٹی یا مہاراج دھیراج پر کیسے رک سکتی تھی، بوموں میں اور بھی تو منچلے تھے۔ یہ مانا کہ اس زمانہ میں نہ رپوٹر تھا اور نہ تاس اور نہ بی بی سی اور نہ اے پی۔ مگر خبریں چلتی تو تھیں چاہے پیدل ہی چلتی ہوں، شدہ شدہ یہ بات دور دور دراز کی بوم آبادیوں تک پہنچی۔ منچلوں کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آگیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری بوم دنیا میں بادشاہوں کا ڈنکا بجنے لگا۔ ایک دو نہیں بیسیوں بادشاہتیں وجود میں آگئیں اور ہر بادشاہ دوسرے بادشاہ پر اپنی شان و شوکت کی دھونس جمانے لگا۔ بوموں کی محنت سے حاصل شدہ

آدمی بوم بادشاہ اور اس کے امراء اڑانے لگے۔ ہزاروں ہزار بوم بیگار میں پکڑ کر امیروں کی خدمت گاری کے لیے لائے جانے لگے۔ خوشامدیوں کے جھنڈ کے جھنڈ وجود میں آ گئے۔ قصیدہ خوانی کی شکل میں مکھن پالش شروع ہو گئی۔ بوم شہزادوں کے سہرے پڑھے جانے لگے۔ بادشاہوں کو عمل دعائیں دی جانے لگیں۔ بادشاہ عیش کرتے رہے، جاگیردار مزے اڑاتے رہے۔ بادشاہت آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی رہی۔ بومیت کراہتی رہی۔ خوف اور سوال طاری رہا۔ عام بوم فاقہ مست اور ننگا بچا ہی رہا۔

بوم کی اصطلاح میں اس کو نظام جاگیرداری کہتے ہیں۔

(ا س طیار نظام آباد)

# بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھ دیا ہے لوگ انھیں دوسری چیزوں میں تلاش کرتے ہیں۔

بھلا وہ کیسے پائیں گے

میں نے اپنی رضا کو مخالفت نفس میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے موافقت نفس میں تلاش کرتے ہیں

بھلا وہ کیسے پائیں گے

میں نے آرام کو جنت میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں۔

بھلا وہ کیسے پائیں گے

میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے، لوگ اُسے سیری میں تلاش کرتے ہیں۔

بھلا وہ کیسے پائیں گے

میں نے تونگری کو قناعت میں رکھ دیا ہے، لوگ اُسے مال میں تلاش کرتے ہیں۔

بھلا وہ کیسے پائیں گے

میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے بادشاہوں کے دروازوں پر تلاش کرتے ہیں

انجم جمالی
مرسلہ: م۔ع۔ باسط

مرزا نیاز بیگ جب بس پڑاؤ کے قریب آئے تو بوندا باندی نے انہیں گھیر لیا۔ گہرے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی رات سرد ہواؤں کی لپیٹ میں پڑی تھرتھراتی، سہمی سی تھی، وقت گذارنے کی خاطر وہ بس پڑاؤ کے شیڈ کے اندر ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ بجلی کی پھیلی ہوئی روشنی میں ان کی گھومتی ہوئی نگاہیں شیڈ کے اندر ایک کنارے وہاں بینچ کے رک گئیں جہاں ایک نوعمر لڑکا زمین کے فرش پر ایک کتے کے دوش بدوش سویا ہوا تھا۔ قدرت نے مرزا نیاز بیگ کے جسم کے خول کے اندر جو دل عطا کیا تھا وہ انسانیت کے نور سے بھرا تھا۔ ان کی آنکھوں نے جو اثر ذہن کو سونپا اس سے وہ تڑپ اٹھے بے اختیار ہو کر بینچ سے اٹھ کر اس لڑکے کے پاس گئے اور اکڑوں بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے اس کا سر سہلانے لگے ان کے اس پیار بھرے عمل نے کچھ ایسا جادو جگایا کہ لڑکے کی آنکھوں کے پپوٹوں میں پہلے ہلکا سا تناؤ پیدا ہوا اور پھر اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ سامنے مرزا نیاز بیگ کا چہرہ اس پر جھکا تھا۔ جب سے وہ اپنے گھر سے فرار ہوا تھا ایسے چہروں نے طرح طرح سے اس کے دل کو توڑا مروڑا تھا۔ مرزا نیاز بیگ زمانہ شناس تھے۔ لڑکے کے دل میں اٹھتے ہوئے خوف کو بھانپتے ہوئے بولے۔

"تمہارا گھر کہاں ہے بیٹے؟"

"مرزا پور"

اور پھر مرزا نیاز بیگ اس لڑکے کی زبانی گھر سے ماں کے زیورات لے کر بھاگنے اور گنوانے کی کہانی سن کر بوندا باندی کے ختم ہوتے ہی جب اس کو ساتھ لیے اپنے مکان میں داخل ہوئے تو ان کی بیگم اس میلے کچیلے لڑکے کو دیکھتے ہی ابل پڑیں۔

: جانے کہاں کہاں سے کس کس کو اٹھا لاتے ہو۔ ایک بار دھوکہ کھا چکے ہو۔ پھر بھی عقل نہ آئی تو کب آئے گی مرزا؟"

ایسی عقل کبھی نہ آئے تو اچھا ہے بیگم جس سے بھلائی کرنے کا حوصلہ ٹوٹ جائے۔ ہر اچھے کام کی راہ میں کچھ مشکلات ہوتی ہیں۔ انسان کہلانے کا حق دار وہ ہے جو ان مشکلات میں پھنس کر بھی انسانی حقوق کو نظرانداز نہ کرے۔ مرزا نیاز بیگ نے کہا۔ "دیکھو یہ لڑکا بہت بھوکا ہے پہلے اس کو کچھ کھلا پلا دو۔"

بیگم مرزا کے مزاج سے پوری طرح واقف تھیں۔ ان کا حکم نہ ماننے کی صورت میں ایک ہنگامے کا اٹھ جانا لازمی ہے۔ عمر کے اس دور میں پہنچ کر جہاں بیٹے عقل کی باتیں کرنے لگے ہوں۔ بیگم ایسے ہنگاموں کے اٹھنے کے امکان پر اپنی سوجھ بوجھ کے دھیان دینے لگی تھیں۔ اپنے دل پر جبر کرکے پہلے انھوں نے اس لڑکے کا منھ صاف کرایا پھر اس کو کھلایا پلایا جب وہ اس کے ساتھ مرزا کے کمرے میں آئیں تو ضبط نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا بڑے تلخ انداز میں بولیں۔

"اس چہیتے کو اپنے ساتھ ہی سلانا!"

مرزا نے بڑے غور سے اس لڑکے کا بھرپور جائزہ لیا۔ گرد و غبار کے گہن سے نکل کر اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ چہکتے ہوئے بولے۔

"کسی اچھے خاندان کا چشم و چراغ ہے اگر صحیح ڈگر پر چل نکلا تو بھی نام روشن کرے گا۔"

"چپ بھی رہو مرزا، جاگتے ہوئے تم اب لذت خواب دیکھنے لگے ہو، تم نے اس لڑکے کے متعلق بھی جس کو نہ جانے کہاں سے اسی طرح اٹھا لائے تھے کچھ ایسی ہی باتیں ایک دن کہی تھیں اور اس رات وہ تمہاری گھڑی اور روپے لے کر فرار ہو گیا تھا۔" بیگم بولیں حقیقت جھٹلانے کے عیب سے مرزا جی کا کوئی سروکار نہ تھا بیگم کی سچی باتوں سے لاجواب ہو کے وہ خاموش ہو گئے اور کئی دنوں کے بعد ان کا تار پاکر جب اس لڑکے کا باپ اس کو لے گیا تو اس کے جانے کے بعد جہاں ان کی بیگم پرائی آگ سے بچ نکلنے پر خوش ہوئی تھیں وہاں مرزا جی کچھ پا کے کچھ دینے پر بجھ سے گئے تھے اکثر وہ لڑکا ان کے ذہن میں جھانک کر یادوں کے چراغ جلاتا رہا۔ لیکن گذرتے ہوئے وقت میں

کہیں وہ روشنی مدھم ہوکے بجھ گئی۔ بدلتے ہوئے موسم
کے ساتھ ساتھ وقت بھاگتا رہا، مرزا کی عمر بڑھتی رہی۔
اور اس گذری ہوئی طویل مدت میں اپنی ایمانداری
اور فرائض کی ادائیگی میں چوکنا رہنے کے بل بوتے پر
انھوں نے ایک معمولی کلرک سے ترقی پاکے بڑے
ناظر کا منصب پالیا تھا۔ اب تو گنتی کے چند سال
ان کی ملازمت کے باقی رہ گئے تھے لیکن ڈھلتی
عمر کے حدود میں داخل ہوکر بھی ان کے روز مرہ کے
معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ آج بھی وہ روز
کی طرح اخبار پر نظریں جمائے چائے چسکیاں لے رہے
تھے۔ کہ ملازم نے آکے یہ خبر دی کہ ضلع کے بڑے حاکم
ان سے ملنے آئے ہیں۔ بیگم جو ان کے قریب ہی بیٹھی
تھیں اس خبر کے پاتے ہی ان کے جسم کی رگوں میں
دوڑتا ہوا خون رک رک کر چلنے لگا اور اس کا ردعمل
یہ ہوا کہ ان کے چہرے کا رنگ سرخ مائل سے زرد
مائل ہوگیا۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ ان کے
پڑوس میں رہنے والا ایک بابو جو کسی سرکاری
دفتر میں کام کرتا تھا۔ غبن کے الزام میں صبح تڑکے
ہی اپنے گھر پہ دھر لیا گیا تھا۔ اس خیال کے ذہن
میں کوندتے ہی بیگم کانپ اٹھیں، دروازے کی
طرف بڑھتے ہوئے مرزا کی کار کا راستہ روکتی ہوئی
بولیں۔

لین دین کا کام تم بھی کرتے ہو۔ جانے انجانے
میں کوئی بھول چوک ہوگئی ہو مجھ سے تو نہ چھپاؤ۔"

"پاگل نہ ہو بیگم، میں اپنی زندگی سے زیادہ
ہمیشہ اپنی ایمانداری کی قیمتی سمجھتا رہا ہوں۔ حاکم
اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ جی میں آیا چلے
آتے ہیں۔" پر ان کی یہ بات ان کے ہی خیال میں کوئی
وزن نہیں رکھتی تھی۔ ناظر اور کلکٹر کے درمیانی فاصلے
کا پوری پوری طرح علم تھا۔ عجیب تذبذب میں پڑے
جب وہ مکان کے اندرونی حصے سے نکل کر باہر
سائبان میں آئے تو نوکر نے ان سے کہا۔

"صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

اس وقت تک ایک خوبصورت جوان جو
کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اٹھ کھڑا ہو چکا تھا۔ مرزا نیاز
بیگ کے چہرے پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے بولا

"کل اپنے عہدے کا چارج لینے میں مصروف
رہا، ورنہ کل ہی آپ کی زیارت کو حاضر ہوتا۔"

"شرمندہ کیوں کرتے ہیں حضور میں تو آپ
کے ماتحت کا ایک معمولی ملازم ہوں۔ ایک بار جا

ہوتا تو دس بار حاضر ہو گیا ہوتا، تشریف تو رکھیے در فرمایئے کیا حکم ہے؟" مرزا جی نے نہایت ہی ادب سے کہا۔

"مرزا چاچا آپ مجھے پہچان نہیں پائے۔ میں بھی شاید آپ کو کبھی جان نہیں پاتا اگر اس شہر میں میرے تبادلے کی خبر پاکر والد محترم کا مجھے وہ خط ملا نہ ہوتا جس سے میرے بچپن میں فرار ہونے، آپ کا اپنے گھر میں مجھے پناہ دینے اور پھر مجھے میرے والد کے حوالے کرنے کا تذکرہ نہ ہوتا، آپ کی بھلائی نے میری زندگی کا رخ موڑ کر اس کو کتنا روشن بنا دیا ہے۔" نوجوان مسکرایا۔

مرزا نیاز بیگ بے اختیار ہو کر اس نوجوان سے لپٹ گئے، ساری زندگی انسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں جو کچھ بھی انھوں نے لٹایا تھا اس کا بدل ضلع حاکم کے سرنگوں ہونے پر انھوں نے پالیا تھا۔

آدمی سے انسان بننے کا کٹھن عمل ہر شخص اختیار نہیں کر پاتا۔ کچھ میں ہمت کی کمی ہوتی ہے اور کچھ میں حوصلے کا فقدان، اور جو کر لیتا ہے وہ انسانیت کی معراج پالیتا ہے۔ مرزا جی نے بھی اپنے اصولوں اپنی ہمت اور اپنے حوصلے کے سہارے آج وہ مقام پالیا تھا، اور ان کی بیگم جو اپنے دل پر جھلے ہوئے خوف سے دروازے سے لگی چپ کھڑی تھیں، سارا حال جان کر دل ہی دل میں کٹ سی گئیں، انھوں نے بھلائی کرنے میں خلوص دل سے مرزا کا ہاتھ کبھی نہیں بٹایا تھا۔ پل بھر میں انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا، آئندہ ایسی نادانی وہ کبھی نہ کریں گی۔ (آواز بیگم ستمبر ۱۹۸۱ء)

# میں کبھی نہ بھولوں گی!

## رستے ناسور

نواب شاہ سے ہم لوگ سکھر عوامی سے جا رہے تھے۔ تو ہماری ساتھی لڑکی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اوپر برتھ پر لیٹ گئی۔ وہ برتھ پہلے ہی سے کسی کے لیے ریزرو تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی پاس کے کمپارٹمنٹ سے ایک حضرت تیزی سے آئے اور زور زور سے بولنے لگے۔

"آپ کو کوئی حق نہیں یہاں پر بیٹھنے کا۔ ہم نے اپنے آرام کے لیے اتنا پیسہ خرچ کیا ہے اور نہایت چھچھورے پن سے بولے۔ یہ فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ ہے۔ اس کا ٹکٹ بھی ہے آپ کے پاس۔ یا یونہی شوقیہ آکر دوسرے کی سیٹ پر قبضہ کر لیا۔

ہم سب لڑکیاں اس ناگہانی آفت پر حیران و پریشان تھیں کہ بولیں تو کیا بولیں۔

ان صاحب کی زبان تو ایسی چلتی ہے کہ ان پر عورت ہونے کا گمان ہونے لگا ہے۔

ہماری ساتھی لڑکی منتیں کر رہی تھی کہ بھیا ہمیں سکھر ہی تک جانا ہے۔ ڈھائی تین گھنٹے کا سفر ہے اور کوئی ایسا آرام کا وقت بھی نہیں ہے کہ آپ کو آرام کرنا ہو۔ مگر وہ صاحب تو پیچھے ہی سے اکھڑے جا رہے تھے کہ نہیں تم یہاں سے اُتر جاؤ۔ چاہے اُتر کر تمہیں کھڑکی یا دروازے کے ڈنڈے ہی سے کیوں نہ لٹکنا پڑے۔

ذرا فاصلے پر بیٹھی ہوئی پڑوسی ملک ہندوستان سے آئی ہوئی ایک خاتون یہ سب منظر دیکھ

رہی تھیں۔ آخر ان سے نہ رہا گیا تو ایک متانت سے اٹھ کر وہ ان صاحب کے قریب آئیں اور نہایت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔

بھائی صاحب کیا یہ آپ کی بہن نہیں ہے جو آپ اس کو غیر مردوں کے قدموں میں روندنے کے لیے برتھ پر سے اُتار رہے ہیں۔ کیا آپ کی کوئی بہن نہیں ہے۔ جو اس عظیم جذبے سے غافل ہیں۔ اتنے سارے مردوں کے بیچ میں جب آپ کی پاکستانی بہن کسی کے کاندھے سے ٹکرائے گی کوئی اس کو دھکے دیگا تو کیا آپ کی غیرت یہ تقاضا کرے گی۔ ویسے تو آپ لوگ پاکستان کا بڑا نام لیتے ہیں۔ کہ ہم ایک آزاد مملکت میں ہیں اور پاکستان سے پیار ہے۔ ملک سے تو پیار ہے مگر یہاں کی عزتوں سے محبت نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہندو بھائی عورتوں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اور ان کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں"

ان خاتون کی یہ تقریر تھی۔ وعظ تھا یا زہر کا پیالہ تھا جس کو گھونٹ گھونٹ پینا وہاں موجود تمام لوگوں کے لیے ایک مشکل کام تھا۔

خاتون کے منھ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح ہمارے کانوں کو چیر رہے تھے۔ اور نظریں مارے شرمندگی کے ان خاتون کی طرف اٹھ نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس وقت ہماری آنکھیں مارے حیرت کے نہ صرف پھٹ گئیں۔ بلکہ مجھے اتنی زور کا چکر آیا کہ میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔ جب وہ صاحب بجائے نادم ہونے کے یوں گویا ہوئے۔

" اجی محترمہ دیکھا ہے ہم نے آپ کا ہندوستان اور وہاں کی عزتیں بھی۔ یہ ہمارا معاملہ ہے آپ کون ہوتی ہیں بولنے والی۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے دن بھول گئیں جب ہندو بھائی کیا کرتے تھے۔ اور کون کس کی پناہ میں تھا۔ میرے گھر اور خاندان میں کیا کم لڑکیاں ہیں جو یہ آئی جا! لڑکی کو بہن کا رتبہ دوں۔ اگر آپ کو اپنی اور اپنے ہندوستان کی عزت پیاری ہے تو جاکر آرام سے اپنی سیٹ پر بیٹھ جائیے۔ ہم خود اس لڑکی سے بات کر لیں گے۔ وہ خاتون چار و ناچار اور

حیران نظروں سے ان صاحب کو دیکھتی ہوئی اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔
اور میں سکتے کے عالم میں اس نئی نسل کو دیکھتی رہی جو ہمارے ملک و قوم کے معمار کہلاتے ہیں۔ جو ہماری عزتوں کے محافظ ہیں۔ ہم گھر سے اکیلے اسی فخر کے ساتھ نکلتے ہیں کہ ہمارے اوپر کوئی نگاہِ غلط انداز نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ ہمارا اپنا ملک ہے۔ یہاں پر مقیم ہمارے مسلم بھائی ہمیں ہر طرح سے تحفظ کا یقین دلاتے ہیں۔
مگر مجھے آج معلوم ہوا کہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ عمل پیرا ہونا بہت دشوار ہے حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ ہم صرف پاکستان کے نام کا پرچار تو ضرور کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے عوام سے محبت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔
لیکن ان خاتون کے جو تیر میرے دل میں پیوست ہو گئے ہیں۔ انھیں میں کبھی نہ نکال سکوں گی۔ (صابرہ ایرانی)

# ساس اور بہو

ہمارے پڑوس میں ایک سیٹھ صاحب کا گھر ہے۔ بہت بڑا گھر بے حد قیمتی اشیاء سے ڈیکوریٹ ہے۔ پانچ بہوئیں نو پوتے پوتیاں سب اکٹھے رہتے ہیں۔ دنیا کی نظر میں دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کے نزدیک غم نام کی کوئی چیز نہیں۔ مگر جب میں نے اندر جھانکا تو آہوں سے گھبرا گئی۔ کوئی بہو خوش نہیں۔ ساس جابر حکمراں کی طرح انھیں معمولی کپڑوں مکوڑوں کی طرح پیس ڈالتی۔ کسی کی جرات نہیں کہ سسکتی روتی مظلوم عورت کو تسلی دے سکے۔
ایک روز صرف دو بہوئیں گھر میں تھیں۔ ایک بہت بیمار تھی۔ دوسری کے چھوٹے چھوٹے بچے بری طرح رو رہے تھے۔ مگر وہ بے چاری ساس کے خوف سے کام میں جٹی ہوئی تھی باورچی خانے میں بڑے سے دیگچے میں گھر بھر کے لیے دودھ اُبل رہا تھا۔ اچانک ا

چھوٹا بیٹا کرسی سے گر پڑا۔ وہ اس کی طرف لپکی۔ اُسے اٹھا کر کچن میں لے آئی۔ تو دودھ اُبل کر فرش پر بہہ رہا تھا۔ وہ ساس کے خوف سے کانپ گئی۔ بیٹے کو نیچے اُتار کر جلدی سے دودھ اُتارنے لگی۔ کہ ساس آن پہنچی اور پیچھے سے اُسے دو ہتڑ مارا۔ وہ بے چاری سنبھل نہ سکی۔ اُبلتے دودھ کا دیگچہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور نیچے کھڑا بچہ بلبلا اُٹھا۔ سارا دودھ معصوم بچہ اور ماں پہ گر گیا۔ ماں تڑپ کر چیخی اور بچے کی طرف لپکی مگر گر پڑی۔ اُف خدایا وہ منظر یاد آتا ہے تو لرز اٹھتی ہوں۔ بچہ آبلوں میں اس طرح چھپ گیا تھا کہ دیکھنے والا جھرجھری لے کر دل تھام لیتا تھا۔ ماں کے ہاتھ پاؤں بڑے بڑے آبلوں سے بھر گئے تھے۔ خوبصورت بچہ اس قدر خوفناک ہوگیا کہ بچے ڈر جاتے۔ مہینوں تک ہسپتال رہ کر ماں بیٹا پھر ظلم و ستم نہ سہہ سکے۔ ماں اپنی قسمت کو روتی ماں باپ کی چوکھٹ پر آبیٹھی۔ (غزالہ یاسمین)

# نئی زندگی

اس واقعہ کو تقریباً پچیس چھبیس سال ہو گئے ہیں۔ مگر جب بھی یہ یاد آتا ہے میرے لبوں سے خدا کے شکر کے الفاظ نکلتے ہیں۔ ہمارے گھر میں کنواں تھا۔ بچے اس کے اندر اکثر چیزیں پھینک دیا کرتے تھے۔ جب کنواں خشک ہوگیا تو ہم نے اس کے اوپر لکڑیاں رکھ کر اس کے اوپر ٹاٹ کا بڑا سا ٹکڑا ڈھانپ دیا تاکہ بچے جو چیزیں بھی اس کے اندر ڈالیں وہ کنوئیں میں نہ جائیں۔

ایک دن میری نند جس کی عمر چھ سال تھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی بھابی مُنّے کو امی بُلا رہی ہیں۔ اس وقت مُنّے کی عمر تین سال ہوگی۔ میں نے اپنے بیٹے کو اسے دیدیا وہ امی کے پاس لے گئی۔ امی کنوئیں کے قریب چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ مُنّا انھیں دے دیا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ کر اس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ امی کسی کام سے مُنّے کو چھوڑ کر

کمرے میں گئیں اور کہنے لگیں۔ دیکھو منا روئے نہ اس کا خیال رکھنا۔ میری نند بولی۔ اچھا اور منے کو اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ جب وہ اندر چلی گئیں تو اس نے منے کو کنوئیں کے اوپر ڈال دیا۔ اور جب وہ اندر کو جانے لگا تو خوش ہو کر خوب تالیاں بجانے لگی۔ اور کہنے لگی آہا آہا منا تو جھولا جھول رہا ہے۔ بھائی دیکھو منا جھولا جھول رہا ہے۔ یہ سنکر میں صحن میں آئی تو دیکھتی کیا ہوں کہ منا آہستہ آہستہ کنوئیں کے اندر دھنستا جا رہا ہے۔ جسے وہ جھولے کا نام دے کر خوش ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میری جان نکل گئی۔ اور میں نے جلدی سے بھاگ کر اپنے بیٹے کو کنوئیں کے اوپر سے اٹھالیا اور اس طرح قدرت نے میرے بیٹے کو کنوئیں کے اندر جانے سے بچالیا اور اسے نئی زندگی عطا فرمائی۔ اسی وقت میں نے شکرانے کے دو رکعت ادا کیے اور دوسرے دن کنواں بند کروا دیا گیا۔ یہ واقعہ میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔ (عشرت پروین)

اس مراسلہ میں قلمکار بہنوں (خواتین) سے مخاطب ہے

# اولاد میں صالح فکر پیدا کیجیے

بقلم جہاں آرا صدیقی اورنگ آباد

میری بہنو! اپنی اولاد میں ملت کے نفع ونقصان کو پہچاننے والی سوچ پیدا کرنا والدین کی ذمہ داریوں میں سے سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ آج کے معاشی دور میں کمانے کی دھن، دکانداری، اعلیٰ عہدوں کو حاصل کرنے کی دوڑ بھاگ ملازمت کی مصروفیات، ایک والد کو اتنا وقت کہاں دیتی ہیں کہ وہ بچوں کی ٹھیک ٹھیک تعلیم وتربیت کر سکے ہم دیکھ رہے ہیں کہ والدین دونوں کمانے میں لگ جاتے ہیں تو بچے اصل تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں الا ماشاء اللہ کہ بچے ہندی، مراٹھی انگریزی جیسی زبانیں سیکھ لیتے ہیں بول سکتے ہیں اور چند مضامین مثلاً ریاضی، طبیعات کیمیاء، حیاتیات معاشیات جغرافیہ وغیرہ میں مہارت ضرور حاصل کر لیتے ہیں مذکورہ بالا مضامین کی تعلیم دراصل وہ تعلیم نہیں ہے جس سے اولاد کی صحیح تربیت ہو سکے اور بچوں میں صحیح فکر پیدا کر سکے۔ صالح فکر (صحیح سوچ) بچوں میں حقیقی تعلیم اور صحیح ڈھنگ پر کی گئی تربیت سے ہی پیدا ہوتی ہے ایسی فکر بچوں کو آزادانہ طرز کے ہوسٹل میں پرورش کرنے سے ٹیوشن دلوانے سے، انا یا آنٹی کے زیر نگراں رکھنے سے پیدا نہیں ہوتی محض کتابوں کے اسباق پڑھ لینا کافی نہیں ہوتا یونیورسٹی کے امتحانات میں اچھے نشانات اور امتیازی درجات سندیں دونوں کا حاصل کر لینا، اولاد کی حقیقی تعلیم وتربیت کی ضمانت نہیں بن سکتی اولاد کی تربیت کا انحصار ماں باپ کی طرف سے اولاد کی کی جانے والی تربیت (Training) پر ہے صالح فکر پیدا کی جاتی ہے باشعور معلم و معلمات کے زیر سایہ بچوں کو تربیت دلوانے سے۔ ملت کا نفع ونقصان کو پہچاننے والے اساتذہ حضرات کی مسلسل جدوجہد اور جانفشانی

سے۔ ایسے اساتذہ کی قدر کرنا چاہیئے اور انھیں ملت کا اثاثہ سمجھنا چاہیئے کہ یہی حضرات ہمارے بچے اور بچیوں کو سپاہی بناتے ہیں میری گذارش ہے کہ والدین جہاں اپنے بچوں اور بچیوں کو اعلیٰ میعاری اسکول میں تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں وہیں وہ اعلیٰ تربیت کے لئے صفات حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ رکھنے والے معلمین و معلمات کی خدمات اپنی اولاد کی تربیت کروانے کے لئے لازماً compulsorily حاصل کریں اگر ایسے اساتذہ اور معلمات اپنے شہر میں نہ ہوں تب انھیں جہاں میسر ہوں وہاں سے حاصل کریں

آپ کے ذہن میں سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیوں حاصل کریں؟ اس کا جواب یہ حقیقت ہے کہ آج کے بچے بچیاں (Tommorow) کل زمین پر سپاہی ہوں گے۔ آج کے یہ بچے کل ملت کے وجود و بقاء کا چراغ ہیں اگر انھیں آج تعلیم کے زمانے میں صرف کتابی تعلیم اور اسکول کے نصاب تک محدود رکھا گیا اور حقیقی تعلیم و فکر سے اندھیرے میں رہنے دیا گیا اور آنے والے مستقبل میں پچھتانے اپنے آپ کو ملامت کرنے کے سوا آپ کچھ نہ کر سکیں گے۔ آج بچیوں کی تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہے یہی وہ زمانہ ہے کہ آپ جو کچھ انھیں بنانا چاہتے ہیں اپنی پوری توجہ اور احساسِ ذمہ داری سے انھیں بنائیے سکھائیے، اپنے وسائل حتی الامکان بروئے کار لائیے کیونکہ والدین کی مثال کاشتکار کی طرح ہے جو پودوں کی نشو و نما کرتا ہے حفاظت کے ساتھ ساتھ

بس ہمیں معلوم ہوا کہ صالح فکر سے صالح اولاد بنتی ہے اور صالح اعمال زندہ ہوتے ہیں ایسی فکر بنانے کے لئے صحیح طرز پر تربیت کرنا اور حقیقی علم سے اولاد کو روشناس کرانا ہمارا اولین فرض ہے۔ اس کے بغیر شعور درست نہیں ہوتا۔ صحیح فکر پیدا نہیں ہوتی۔ **ایک مشورہ** تعلیم کو خاطر خواہ مفید و مؤثر بنانے کے لئے اسکول میں پڑھائے جانے والے مضامین کے علاوہ صالح فکر و صالح اعمال پیدا کرنے والے مضامین پڑھائے جائیں نہ یہ کام اسکول میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی والدین کو فرض سے فرار ہے لہٰذا بطور پہلا قدم اس ضمن

(یں) قلیل الوقت روزانہ کلاس جاری کئے جائیں۔
"Conduct short time classes"
طلوبہ تعلیم کے لئے محلہ محلہ چھوٹے مراکز اور شہر
(ش)ہر اسکول قائم کیجئے۔

میری بہنو! نسل کے بننے اور بگڑنے کا
(دا)رومدار اولاد کی تربیت پر ہے۔ شعور اور بیداری
(پ)یدا کرنے والی نہج پر تربیت کی جائے تو ملت
(ب)یدار ہوگی، اس میں شعور آئے گا، اپنے نفع و
(ن)قصان کو پہچانے گی لیکن یہ کام اجتماعی طریقہ
(پ)ر کرنے کا ہے۔ ملت کے درد مند باشعور افراد
(ک)و آگے بڑھ کر باگ ڈور ہاتھ میں لینے کا ہے خود
غرض اور چال بازوں سے ہوشیار رہنے کا ہے

بہنو! ہمیں موت کے آغوش میں سونے
سے پہلے پہلے یہ ڈیوٹی کرنی ہے۔ یاد رکھو!
(آ)ج کی دنیا سے گیا ہوا انسان مستقبل کی دنیا میں
حاضر نہیں رہے گا لیکن اپنی اولاد کی تربیت کرکے
جو چراغ (صالح نسل، وارث زمین) وہ روشن کرکے
چھوڑ جائے گا وہ آنے والی دنیا میں روشنی سے
چمکتا رہے گا۔ تمہاری آج کی محنت، خرچ اور
احساس ذمہ داری، کل کے نوجوانوں کو اطاعت
گذار اعمال حسنہ والی زندگی دے گی گو تم موت
کے بعد اپنی قبروں میں سو رہے ہو گے۔
فرشتے تمہارے دفترِ اعمال (Record of deeds)
میں نیکیاں قیامت تک لکھتے رہیں گے ایسی
صالح فکر رکھنے والی اولاد اور باقیۃ الصالحات
تمہارا حقیقی ثواب جاریہ ہیں۔

اے میری بہنو! کیا تم بھی اپنی بچیوں
بچوں کے لئے صحیح تعلیم و تربیت جاری کرنا
پسند کرتی ہو کہ تمہاری موت کے بعد بھی تمہارے
لئے فرشتے ثواب اور نیکیاں لکھتے رہیں؟

اٹھو! آج اٹھو۔ ہمت کرو قبل اس کے
کہ مہلتِ عمل ختم کردی جائے یا ختم ہو جائے

فقط تمہاری خیر خواہ بہن
جہاں آرا صدیقی۔ عثمان پورہ اورنگ آباد

---

## "فتنۂ مودودیت"

کوثر [illegible] اعظمی

وہ حیران تھی کہ وہ اب تک کتنی پیچھے تھی۔ سرشاری کا یہ احساس اس کی روح تک میں اُتر گیا۔ آصف اس کی زندگی میں اس طرح آئے کہ انھوں نے اسے دل میں بسا کر گھر میں لا بسایا اب کوئی کمی نہ تھی۔ اگرچہ اس کی زندگی میں وہ مصروفیات اب بھی تھیں۔ وہ ادبی نشستیں.... وہ شعری محفلیں... وہی دوست اور وہی رسالے کا دفتر۔ مگر اب ہر چیز نکھری نکھری تھی۔ ہر چیز میں نیاپن تھا۔ صاف ستھراپن، چمکیلاپن، جیسے برسوں کی جمی دھول صاف ہو جائے تو ہر چیز جگمگا اٹھتی ہے.. جیسے بارش کے بعد ساری فضا دُھل اُٹھتی ہے۔ مگر کبھی کبھی دُھلی ہوئی فضاؤں میں دھواں سا بھی تو پھیلتا ہے... آنکھیں جلتی بھی ہیں... سانس گھٹتا بھی ہے کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا مینو کو بھی۔ اس وقت جب آصف نے بڑے پیار سے کہا۔

"مجھے بچے بہت پسند ہیں۔"

"ہیں...." اس نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔

"ہاں"... وہ مسکرائے۔

"مگر مجھے پسند نہیں"..... اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"مذاق نہیں مینو۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں آصف۔ کم از کم اپنی اور آپ کی محبت میں کسی اور کو شریک نہیں کر سکتی۔"

کمال ہے نیتو. محبت کے معاملے میں اتنا تنگ دل تو مرد کو کہا جاتا ہے۔ عورت تو شعور کی پہلی سیڑھی سے ماں بننے کی خواہش کرنے لگتی ہے۔"

"ہاں وہ اور ہوتی ہوں گی۔ مجھے ان جھمیلوں کا کوئی شوق نہیں۔" وہ اس وقت تنی ضدی اور بے رحم لگ رہی تھی کہ آصف جھنجھلا گئے۔

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

ان کے جھنجھلانے پر ایک دم نوتیہ کا لہجہ تیز ہو گیا۔

"اس لیے آصف... اس لیے کہ ان اوپر تلے روتے چلاتے پیدا ہونے والے بچوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔"

وہ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر بولی: "آپ کو پتہ ہے میں اپنے گھر میں سب سے بڑی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ پھر؟"

"مجھے شروع کے دو سال امی ابو کی بے اندازہ چاہت ملی ہو گی۔"

ملی ہو گی سے کیا مراد؟" آصف نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کتنے عجیب ہیں بھئی۔ مجھے اس عمر کی باتیں یاد کہاں۔ میرا اندازہ ہے کہ پہلی اولاد کو جو لاڈ پیار ملتا ہے۔ وہ مجھے بھی ملا ہو گا مگر جب میں نے مکمل ہوش سنبھالا تو میرے بعد کے پانچ بہن بھائی امی ابو کی توجہ کے ساتھ ساتھ ان کے دل کثرت اولاد کی وجہ سے ہر اولاد پر خصوصی توجہ کا شوق بھی کھینچ چکے تھے۔ لہٰذا میں بالکل ایک فالتو چیز بن گئی۔ فالتو کیا۔ امی کا ہاتھ بٹانے والی بے جان مشین۔ یوں مجھے پتہ چلا کہ میری اپنی ذات کی ایک علیحدہ بھی حیثیت ہونی چاہیے۔ جو میری نشانی اور شناخت بن سکے۔ میں تو اتنے بچوں میں بے توجہی کا شکار ہو کر ایک گم کردہ نشان بن گئی۔ جسے ڈھونڈنے والے نے ڈھونڈا بھی نہیں... بس ایک احمق سی لڑکی سمجھ کر" اس کا گلا رندھ گیا: "ٹھکرائے جانے سے میری شخصیت کی جو نفی ہوئی اس نے مجھے بچوں

سے متنفر کردیا۔ میں بچوں کو اس معاشرے کا سب سے بڑا ناسور سمجھتی ہوں۔ ذرا سوچو آصف میرے پاس ذہن تھا، تعلیم تھی۔ سب سے بڑھ کر خاندانی شرافت اور عزت کا پاس تھا۔ اگر میری جگہ کوئی بھی ذرا کمزور کردار کی لڑکی ہوتی تو ..... "

اس نے آصف کی طرف رُخ پھیرا "یہ جو اتنی ماڈل گرل ہیں... اتنی فلم اسٹارز ہیں... یہ اتنا کرپشن ہے۔ یہ جو اتنا سارا ڈپریشن عورت ذات پھیلا ہے۔ آج لڑکی کیوں اتنی کھل کر مرد کے سامنے آئی ہے۔ آصف اگر ان کے اندر دیکھو تو بیشتر انانیت کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔ مرد کو نیچا دکھانے کی کوشش میں کوئی بلندی پہ پہنچ گئی اور زیادہ تر پستی میں جا گری ہیں

"دیکھو نیتو۔ یہ ہمارا گھر ہے نا۔ اسے ہمیں ایک کنبہ بنانا ہے اپنے بچوں سے تاکہ جب ہم بوڑھے ہو جائیں تو بچے ہمارے سامنے مختلف روپ میں کھڑے ہوں۔ اس ملک کی مشینری میں مختلف جگہوں پر ایک اہم پرزہ بن کر فٹ ہو جائیں۔ وہ وقت ہمارا سب کچھ ہوگا۔ ذرا تصور کرو

انھوں نے اسے ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنے دل سے بچوں کی نفرت نہ نکال سکی۔ یہاں تک کہ ایک نئی زندگی اس کے وجود میں سانس لینے لگی تو وہ چیخ اٹھی روئی... چلائی... آصف ان دنوں حد درجہ پریشان تھے اور وہ تھی کہ اس موضوع پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھی۔ کسی معاہدے پر آمادہ نہ تھی۔

"آصف اگر یہ بچہ پیدا ہو گیا تو میں خود اس کا گلا گھونٹ دوں گی"

"اتنی نفرت....." آصف کا دل لرز گیا "عورت فطرتاً فنکار ہوتی ہے۔ پھر تمہیں تو قدرت نے تخیل کی دولت سے نوازا ہے... یوں یہ تمہاری شاہ کار ہونا چاہیے"

"اونہہ شاہکار... میں نے گلیوں، سڑکوں، محلوں میں ان شاہ کاروں کو آزار بنتے دیکھا ہے"

پھر ایک دن آصف کو بتلائے بغیر وہ اپنی ایک دوست لیڈی ڈاکٹر کے ہاں پہنچ گئ

جس نے پہلے تو اسے خوب ڈانٹا۔ پھر ایک گھنٹہ بیٹھ کر سمجھایا۔ مگر جب وہ اس کے پاس سے اٹھی تو ہونے والے بچے سے اس کی نفرت انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے خود کو پریشان کن حد تک مصروف کر لیا۔ مصروفیت میں سارا سارا دن مصروف رہی۔ رات رات بھر جاگ کر کام کیا۔ مگر وہ تو پتہ نہیں اس کے وجود سے کیسے چپٹا تھا کہ ٹھاٹ سے اپنا آپ پھیلائے جا رہا تھا۔ بے زاری، خوف اور نفرت نے اسے حد درجہ چڑچڑا بنا دیا تھا۔ وہ آصف تک سے متنفر ہو گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان سے الجھتی اور گھنٹوں روتی۔ ان کی گھریلو زندگی تلخ ہو گئی تھی۔

محبت پیار اور خلوص کی جس فضا کے آصف عادی تھے۔ جانے کہاں گم ہو گئی تھی وہ افسردہ انداز سے سوچتے۔ میں نے اپنی زندگی کے اس نازک اور حسین ترین موڑ کے بارے میں بہت سے خواب دیکھے تھے۔ بہت کچھ سوچا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ نوتیہ میری محبت کو اپنے وجود میں سمجھ کر مجھے لازوال جذبوں کا جیتا جاگتا تحفہ دے گی جس کے آگے دنیا کے تمام رشتے حسین خوبصورتیاں اور بلند ترین معصومیت ہیچ ہوگی۔ مگر وہ تخلیق کار ہو کر بھی حقیقی تخلیق سے نفرت کرتی تھی۔ گھر میں بھابی اور امی کے ہوتے ہوئے بھی انھیں یہ مرحلہ بہت کٹھن لگ رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ نیتو نے ان سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور جس وقت سے وہ ڈر رہے تھے وہ آ گیا۔ جب وہ امی کے ساتھ نیتو کو اسپتال لے جا رہے تھے تو وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"آصف میں زندہ نہیں بچ سکوں گی۔ میں زندہ بچنا بھی نہیں چاہتی۔ میں اس کی منحوس صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔"

کتنا وقت گزرا جب اسپتال کے برآمدے میں کھڑے کھڑے آصف کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔ وہ کسی خوشخبری سے زیادہ نوتیہ کی زندگی کی نوید سننا چاہتے تھے۔

کیونکہ وہ ضدی اور ہٹ دھرم نوئیہ خود ان کی زندگی تھی۔ اور . . . . اب انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نیتو کے سکون کے لیے ہونے والے بچے کو اس سے دور رکھیں گے اور آئندہ کے لیے یہ تلخ تجربہ ہرگز نہیں دہرائیں گے۔ بلکہ وہ پشیمان تھے کہ کاش وہ نیتو کے جذبات کی انتہا کو پہلے ہی سمجھ لیتے اور اتنی جلدی اس پر ذمہ داری نہ ڈالتے ہو سکتا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ممتا کا جذبہ اس کے اندر خود ہی بیدار ہو جاتا۔ جب یہ وقت ان کی زندگی میں کتنا خوبصورت بن کر آتا۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ پھر ان کا قصور بھی کیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ محض باتیں ہیں جب عملی طور پر وہ خود میں تبدیلیاں محسوس کرے گی۔ تو خود بخود سارا تنفر ختم ہو جائے گا نوئیہ کی دوست ڈاکٹر دو نرسوں سمیت ان کی طرف آئی۔ وہ بے اختیار آگے بڑھے۔

مبارک ہو آصف بھائی۔ بڑا خوبصورت بیٹا ہوا ہے۔

"نوئیہ . . . . وہ کیسی ہے ؟"

"بالکل ٹھیک . . . . آپ اس کے پاس جا سکتے ہیں۔ وہ روم میں پہنچ چکی تھی۔

"اوہ شکریہ . . . ." وہ تیزی سے آگے بڑھے اور دروازے پر جا کر ٹھٹک گئے۔

"کیا کہیں گے نیتو سے . . . . کیسے ملیں گے . . . خوشی کا کوئی جملہ . . . یا . . . پھر . . . ؟

انھوں نے کمرے میں قدم رکھا۔ نیتو بستر پر دراز تھی۔ اس نے انھیں دیکھتے ہی مبارکباد دی اور کمبل میں لپٹا ایک گلابی ننھا سا وجود ان کی طرف بڑھایا۔

میرے بیٹے کے کان میں اذان دو آصف . . . . مگر وہ ایک دم جھینپ گئے۔ دیکھا بھی نہیں۔ یوں بھی ہر امنگ دم توڑ چکی تھی۔ اور حوصلہ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ نیتو کے قریب پہنچ گئے۔ قدموں کی چاپ پر نیتو نے آنکھیں کھولیں اور اپنا چہرہ ایک دم چادر میں چھپا لیا کچھ نہ سمجھتے ہوئے آصف بولے۔

"نیتو میرا وعدہ ہے کہ میں بچے کو تم سے دور ...."

"نہیں آصف" نیتو نے تڑپ کر چادر ہٹائی ... "یہ نہ کہیے"

"کیا ...؟" آصف نے حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر کہا۔

"مجھے معاف کر دیجیے آصف ... میں نے اتنا عرصہ خود بھی بڑی اذیت اٹھائی اور آپ کو بھی پریشان رکھا ... مگر اس کا چہرہ ... وہ چہرہ دیکھ کر مجھے پتہ نہیں کیا ہوا .... اس پر تو دنیا کی حسین ترین خوبصورتیاں اور بلند ترین معصومیت قربان ہے۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ میرا شاہکار ہے۔ ایسی تخلیق پر تو میرے سارے فن پارے قربان ہیں"

آصف کٹی ہوئی شاخ کی طرح پاس پڑی کرسی پر ڈھیر ہو گئے۔ نویتہ کو چپ کیا کراتے خود ان کے رخساروں پر آنسو ڈھلک رہے تھے۔

آنسو ... جو جذبوں کے اظہار کا بلند ترین ذریعہ ہیں ان کے بھی یہ آنسو تشکر کے آنسو تھے۔

اس لمحے خدا کے حضور شکر ادا کرنے کے سارے الفاظ جو ختم ہو گئے تھے۔

---

(فوزانہ عابد)

مطمئن اور آسودہ زندگی ہر شخص کی دلی خواہش ہوتی ہے مگر زمانہ ایسی قیامت کی چال چلا کہ طور طریقے ہی بدل گئے۔ گھر میں رہنے والی خاتون خانہ نے آفس سنبھالا۔ بچے نرسری میں داخل کر دیئے گئے اور میاں تو پہلے ہی آفس کے تھے۔ اس طرح جو گھر جنت ہوا کرتا تھا، شہروں میں خصوصاً قیدخانہ بن چکا ہے کیونکہ آگے نکلنے کی دوڑ اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ گھر میں ماں باپ بہن بھائی مل جل کر رہا کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے مسائل حل کیا کرتے تھے۔ اب ایک دوسرے سے بات کرنے کو بھی ترستے ہیں۔

وہ زمانہ گزر چکا جب ماں کی گود اولین درسگاہ ہوتی تھی۔ آج بچے ہوسپٹل میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اولین گود نرس کی ہوتی ہے اور وہ مائیں جو آداب زندگی و بندگی سکھایا کرتی تھیں اب اس کا اندازہ ان کی گفتگو سے کیجئے جو وہ سڑک اور گلی کوچوں میں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی تربیت کس طور پر ہو رہی ہے۔ یہ بچے ہمارے لئے اور معاشرے کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آگے چل کر یہ کیا کریں گے۔ جس کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو وہ عمارت کس طور پر قائم رہ سکے گی۔ بچوں کی اکثریت نافرمان، ضدی اور خودسر ہے [illegible] کا ہی نتیجہ ہے جس کے ردعمل

میں بچے ناآسودہ رہ جاتے ہیں کیونکہ بچہ ماں کے قرب کا خواہاں ہوتا ہے اور اس سے اس کی پوری توجہ چاہتا ہے لیکن جب ماں کو فرصت ہی نہ ہو اور بچے نرسری میں پل رہے ہوں تو بچہ تضاد کا شکار ہو جاتا ہے، صبح کو اس کا ماحول کچھ اور ہوتا ہے، دوپہر کو کچھ اور رات کو کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ وہ اِدھر کا رہتا ہے نہ اُدھر کا۔ بلکہ خود سر ہو جاتا ہے اور لازمی طور پر اس کا اثر اس کی آئندہ زندگی پر ہوتا ہے، بچہ اگر بچپن سے ماں کی طرف سے آسودہ رہے تو وہ مستحکم شخصیت بن جاتا ہے کیونکہ ایک تحقیق کے مطابق جو بچے ماں کی سرپرستی میں پرورش پاتے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر ان بچوں سے زیادہ صحت مند ہوتے ہیں جو ماں کے قرب سے محروم رہے ہوں۔

بچوں کی تربیت کا مرحلہ پیدائش کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے اور انہیں ماں کی شدید ضرورت رہتی ہے لہٰذا اگر بوجہ مجبوری ملازمت ہو تو عورتوں کو باقی تمام وقت گھر پر ہی صرف کرنا چاہیئے۔ بچے کی تربیت اس طرح کریں کہ ان کی سزا اور جزا میں توازن رکھیں۔ اس کے کسی بھی فعل پر غور و فکر کے بعد قدم اُٹھائیں۔

## غزل

یہ فیصلہ ہے تمہاری نظر کے ماروں کا !!
نہ لیں گے نام کبھی بھول کر بہاروں کا

پلٹ نہ آئے کہیں پھر خزاں گلستاں میں
گذر نہ جائے کہیں دورِ پھر بہاروں کا

سمندروں کے جواہر دہی بتائیں گے
پتہ ملا ہے جنھیں ڈوب کر کناروں کا

چمن میں برق تڑپتی ہے ہر طرف یارو
فلک سے ابر برستا ہے اب شراروں کا

نظر ملا کے گراتے ہیں بجلیاں دل پہ
اثر جواب نہیں ہے ستم شعاروں کا !

(عتیق احمد آخر۔ ضلع بھوپال)

**مصنف**: وصی سیتاپوری **مرتّبین**: ایم۔ وحید صدیقی اور آلِ احمد
**ناشر**: اُردو مرکز، ۴۴۔ آزاد نگر، سیتاپور، یو۔ پی **صفحات**: ۱۱۲
**کاغذ**: سفید اوسط درجے کا۔ کتاب مجلّد ہے **قیمت**: پانچ روپیہ (Rs.5/-)

---

"تجلیاں" وصی سیتاپوری کی اُن غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جن کا تعلق نعت سے ہے۔ لائق مرتبین نے اِن غزلوں اور نظموں کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

یہ چاروں ابواب شیخ سعدیؒ کے ایک قطعہ کے چار مصرع ہیں۔ قطعہ یہ ہے:

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کے تحت نظموں میں حمد باری تعالیٰ ہے۔ باقی نعتوں سے متعلق ہیں۔

دوسرے باب کشف الدجیٰ بجمالہٖ کے تحت وصی صاحب نے روایتی انداز سے ہٹ کر خوب خوب شعر کہے ہیں ۔ یہ اشعار اس باب کی جان ہیں ۔ فرماتے ہیں ـــــ

تیرگی کو جس نے بخشی کائناتِ رنگ و نور — روشنی کے اس نظام کار کی باتیں کریں

اس خواب کی تعبیر وصیؔ دیکھے کیا ہو — میں بدر کے میداں میں دعا مانگ رہا ہوں

انساں کو انساں سے مانوس کیا جس نے — اسلام ہی اک ایسی تحریکِ عوامی ہے

کہیں گمراہ ہو کر وجہِ رسوائی نہ بن جاؤں — سمجھتی ہے مجھے دنیا مسلماں یا رسول اللہ

دلوں میں انقلاب آئے بھی کیسے — سوالِ خیر و شر باقی نہیں ہے

حقیقت میں خدائے پاک کی وحدت کا قائل بھی — نہیں رہتا کہیں کا صرف انکارِ رسالت سے

اس باب میں اس طرح کے یہی چھ اشعار نہیں ، اور بھی ہیں ۔ محبتِ رسولؐ میں وصی صاحب نے کہیں کہیں ایسے اشعار بھی کہے ہیں کہ پڑھ کر دل کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے ـــــ

ٹھہر سا گیا آکے پلکوں پہ طوفاں ، — مرے دل نے کیا کہہ دیا چشمِ نم سے

دل میں یادِ فخرِ بشر ! — جام میں جیسے ہو کوثر ! !

تیسرا باب حَسُنت جمیع خصالہٖ اور چوتھا باب صلوا علیہ وآلہٖ سے متعلق ہے ۔ تیسرے باب میں جتنے اشعار ہیں سب میں مخاطب "مسلمان" ہیں جنھیں وصی صاحب نے تلقین کی ہے کہ تم :ـــ

کیا نظامِ جہاں سنوارو گے — جبکہ بلّی جمال کھو بیٹھے

یہ مانا تو ابھی زندہ ہے لیکن — حیاتِ معتبر باقی نہیں ہے

اسیرِ کمتری ؟ اے مردِ مومن ! — یہ تیری موت ہے روشن خیالی

اس باب میں اور بھی بہت سے ایسے اشعار ہیں کہ قاری انھیں پڑھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ مدینے سے آنے والے کی جذباتی کیفیت ملاحظہ ہو ـــــ

کتنا جامع تمہارے سارے سوالوں کا جواب — کچھ زبان سے نہ کہا سوئے مدینہ دیکھا

چوتھے باب میں سلام ہیں۔ ان سلاموں میں مجھے یہ اشعار پسند آئے :۔

سلام اُس پر کہ جس نے ظلمتوں میں نور پھیلایا — سلام اُس پر کہ جو باطل کی ہر طاقت سے ٹکرایا

سلام اُس پر محبت جس کی رُوحِ ایماں ہے — سلام اُس پر کہ جس کی زندگی تفسیرِ قرآں ہے

مرتبین نے کتابت و طباعت میں دِل چسپی لی ہے۔ کہیں کہیں پروف ریڈنگ میں کوتاہی ہو گئی ہے۔ فنی اِعتبار سے یہ مجموعہ غلطیوں سے تقریباً پاک ہے۔ (مدیر)

---

# جماعت اسلامی (ایک حقیقت پسندانہ جائزہ).

**مصنف:** ڈاکٹر عقیل الرحمٰن (ڈی یو ایف ڈی)

**ناشر:** اسلامی کتاب گھر، پرانا بازار۔ ہاپوڑ، ضلع غازی آباد۔ یو پی۔ **صفحات:** ۱۲۰ - **قیمت:** ۲ روپے

اُمتِ مسلمہ میں اب تک جتنے فتنوں نے جنم لیا ہے ان میں ایک فتنہ ہے ایک دوسرے کے خلاف فتوی بازی۔ اِس بازی میں سب سے زیادہ مہم جماعتِ اسلامی کے خِلاف چلائی گئی ہے۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ دیوبندی بریلویوں کے خلاف، بریلوی دیوبندیوں کے خِلاف اور یہ دونوں مل کر جماعت اسلامی کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عقیل الرحمٰن صاحب نے جماعت اسلامی کے لٹریچر کا جائزہ لیکر بتایا ہے کہ یہ مولوی صاحبان جماعتِ اسلامی کے کیوں خِلاف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۔ جہاد ۲۔ اجتہاد۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ سوسائٹی کے اندر پہلے جو مقام پتھر کے بتوں کو حاصل تھا وہ مقام آج جمہوریت، کمیونزم اور وطن پرستی کے بتوں کو حاصل ہے۔ پتھر کے بتوں سے جنگ ختم ہو گئی۔ اَب اِن تین زندہ بتوں سے جہاد بھی کرنا ہے اور اجتہاد کر کے اسلامی نظریات و افکار کے مطابق اُن کی حیثیت بھی متعین کرنا ہے۔ جماعتِ اسلامی یہی کام کر رہی ہے اور اسی سے جماعت اسلامی کے مہربان علماء کی روح کانپتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان علماء کرام کو جامد علماء کہا ہے۔ جماعتِ اسلامی سے متعلق ڈاکٹر صاحب کا جائزہ چھوٹے سے پمفلٹ کی صورت میں ہے ضرورت ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اِسے پڑھے اور نصیحت حاصل کرے (م)

URDU MONTHLY **HIJAB** Rampur (U.P) 244901

Regd No. R. N. 20384/70 Regd. No. MRD 34

JANUARY 1983 E

فروری ۱۹۸۳ء ★ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ
جلد ۱۴ ★ شمارہ ۱۵۲
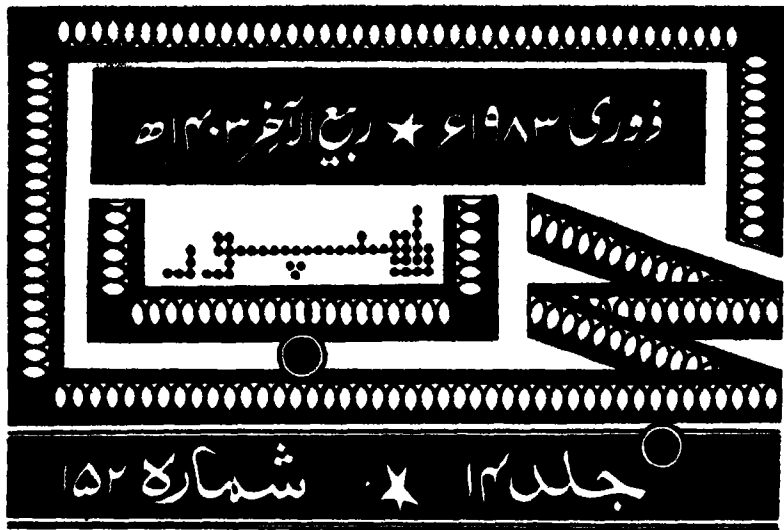
قیمت ——— عام شمارہ ——— ۴ روپیہ

سالانہ چندہ ۴۵ روپیہ، تحفے کی کتابوں کے لئے پوسٹیج ۵ روپیہ، کل پچاس روپیہ

## تحفے کی کتابیں

ہم حجاب کے ہر سالانہ خریدار کو مطبوعاتِ حجاب میں سے ۲۵ روپیہ کی کتابیں بطور تحفہ دیتے ہیں۔ کتابیں یہ ہیں۔ چندہ ارسال فرماتے وقت اِن کتابوں میں سے اپنی پسند کی کتابیں ضرور لکھئے۔

- قرآن میں عورت کی حیثیت۔ قیمت ۵ روپیہ ● نقلی شہزادہ۔ ۲/۵۰
- اسلامی سماج میں عورت کا استھان (ہندی) ۶ روپیہ ● شہزادۂ توحید ۱/۵۰
- تفہیم القرآن جلد پنجم نصف (حدید تا طلاق) ۵ روپیہ ● نماز کیسے پڑھیں؟ (ہندی) ۲/۵۰
- اِسٹیٹس آف وومین اِن اِسلامک سوسائٹی (انگریزی) ۷ روپیہ

منیجر مکتبہ حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

اِس دائرے میں سُرخ نشان اِس بات کی علامت ہے کہ اِس شمارے کے ساتھ آپ کے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہو گئی۔ آئندہ کے لئے زرِ تعاون ارسال فرمائیں
'منیجر'

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر، محمد اسحاق۔ مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور۔ مطبوعہ وجئیتا آفسیٹ پریس دہلی

# در پردۂ حجاب

## ایمانیات



## مقالات و مضامین



## افسانے اور کہانیاں

## یہ نامے میرے نام آتے ہیں



## منظومات



## متفرقات



برائے کرم خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر یا نمبر ایجنسی ضرور لکھ دیا کیجئے۔

# حق وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے!

اسلامی تعلیم نے جس طرح عورت کو گھر کی زینت قرار دیا ہے اس سے زیادہ اس کا اہتمام کیا ہے کہ وہ گھر کی ملکہ، اولاد کی مربی، اور گھر کی منتظم و سلیقہ شعار بنے۔ قرآن و حدیث کے ارشادات، امہات الامت کے عمل سبھی کچھ اس کے لئے پیش فرمائے لیکن یورپ زدہ قلب و دماغ افسوس کہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیجئے آج خود یورپ ہی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک یورپین مضمون نگار کا مقالہ پڑھئے۔ (جو انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔)

"میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ یورپ کی عورت کیا سے کیا بن گئی۔ اس نے تمام نسوانی خصوصیات کو ترک کر دیا جو گذشتہ دور میں عورتوں کے لئے طرۂ امتیاز تھیں۔ نہ عورت میں وہ پہلی سی سادگی ہے نہ محبت نہ اطاعت۔ عورت زمانے کے ساتھ بدل چکی ہے۔ بیوی کی خصوصیات کو ترک کرنے کے لئے عورتوں نے محبوبہ کی خصوصیات اختیار کر لی ہیں محبوبہ کی خصوصیات بلاشبہ دلکش ہیں لیکن یہ خصوصیات ہماری دلچسپی کا باعث تو بن سکتی ہیں ان خصوصیات کے ذریعہ ہم معاشرتی سکون کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہم معاشرتی سکون چاہتے ہیں تو ہم کو ایک باوقار بیوی کی ضرورت ہے محبوبہ کا وجود ہمارے لئے بیکار ہے۔

موجودہ دور کی بیوی کی زندگی کے جس شعبے پر بھی نظر ڈالئے صرف بناوٹ اور ظاہر داری ہی ظاہر داری ہے

موجودہ دور کی بیوی آپ سے غیر معمولی محبت کرے گی لیکن یہ محبت در حقیقت محبت نہیں ہے بلکہ ایک آرٹ ہے جس کے ذریعہ شوہروں کو احمق بنایا جاتا ہے۔ اگر بیویاں در حقیقت اتنی ہی محبت کیا کریں جتنی کہ وہ ظاہر کرتی ہیں تو پھر یورپ میں سو فیصدی شادیوں کا نتیجہ طلاق نہیں ہوا کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کو محبت کرنے کا فن آگیا ہے یہ ایک ایکٹرس کی طرح اپنا پارٹ ادا کرتی ہیں اور بس۔ اس سے زیادہ ان کی محبت کی کچھ وقعت نہیں۔

میں نے ایک دو نہیں ہزاروں عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں پر والہ وشیدا نظر آتی ہیں لیکن میں نے جب انکی پرائیوٹ زندگی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کی محبت کا سب سے بڑا حقدار ایک غیر شخص ہے جو بظاہر تو دوست بنا ہوا ہے لیکن در حقیقت وہ ان اظہار محبت کرنے والی عورتوں کی دلچسپی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ کیا یہ حالات صاف طور پر یہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں کہ یورپ کی بیوی ایک پیشہ ور محبوبہ بن گئی ہیں

موجودہ دور کی بیویوں کے لباس پر نظر ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کا مقصد جسم کی پوشش نہیں ہے بلکہ جسم کو خوشنما بنا کر اور جسم کے بعض حصوں

کو عریاں کر کے مردوں کے سوئے ہوئے جذبات کو ابھارنا ہے ایک نیک بیوی جو صرف اپنے شوہر سے غرض رکھتی ہے اسے بھلا نفسانی جذبات کو ابھارنے والے لباس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ سب کچھ جس مقصد کے ماتحت ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ اور یہ مقصد اس قدر تاریک ہے کہ عورت کی ہستی کو اس مقصد نے مٹا دیا ہے

تمدن و معاشرت و تفریحات کے لحاظ سے بھی آپ کو مشکل ہی سے کوئی بیوی نظر آئے گی۔ ہر بیوی محبوبہ بنی ہوئی ہے اور ہر بیوی کی یہ خواہش ہے کہ شوہر اسے بچے پیدا کرنے کے لئے مجبور نہ کرے ذرا غور کیجئے اگر عورت بچے پیدا کرنے سے گھبراتی ہے تو اس کے وجود کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور پھر بھی اس کی ضرورت مان لی جائے تو آخر وہ کون سا سبب ہے جو اسے بچے پیدا کرنے سے متنفر کئے ہوئے ہے

بچے پیدا کرنے سے نفرت کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ موجودہ دور کی بیوی ایک محبوبہ کی طرح خوش جمال رہنا چاہتی ہے حالانکہ ایک بیوی کا حقیقی حسن اس کی اولاد ہے۔

یورپ کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنا ہر معقولیت پسند انسان کا فرض ہے ممکن ہے کہ عورتوں کا محبوبہ پن جوانی میں اچھا معلوم ہو سکے لیکن جوانی کے چند محدود سال گزرنے کے بعد ہم کو محبوبہ کی ضرورت نہیں ہوگی ہم کو ایک سچے دوست کی ضرورت ہوگی۔ ہم کو ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہوگی ہم کو ایک بہترین شریک زندگی کی ضرورت ہوگی مگر وہ اس زمانہ میں مفقود ہے

اس زمانہ میں حشرات الارض کی طرح محبوبہ پن رکھنے والی عورتیں مل سکتی ہیں۔ مگر شریف اور نیک بیوی کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ بشکریہ ندائے ملت لکھنؤ

برادر مکرم و محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"حجاب" نہ برابر پڑھتا ہوں۔ نہ بالاستیعاب بس کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں۔ البتہ اب امید ہے۔ کہ آئندہ کبھی اپنے "حجاب" کو پڑھنے کا ذکر کروں گا۔ تو اس میں یہ کبھی کبھی نہ ہوگا۔

پچھلے کسی پرچہ کے ایک مضمون پر مبارکباد دینے کا ارادہ کیا تھا مگر بس سوچ کر ہی رہ گیا۔ اس مضمون کا عنوان تھا۔ غالباً "میں جماعت اسلامی کا رکن بنا" جس میں "جماعت الفضول" کا ذکر تھا مضمون بہت خوب ہے۔ بس ان دو تین مقامات کو "بہت خوب" نہیں کہوں گا۔ جہاں "جماعت الفضول" پر طنز یا اس کا استخفاف ہوگیا۔ اور میرا یہ تاثر حکمت تبلیغ کے نقطہ نظر سے ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔

"الجھنوں کے گرفتار نمبر" کا اعلان دیکھا تو میں خود ایک الجھن میں گرفتار ہوگیا سوچا اس انوکھے موضوع کو نباہنا تو بہت مشکل کام ہے۔ اپنی "روش" کو برقرار رکھتے ہوئے یہ کام کیسے ہوگا؟ جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو دل ہی دل میں یہ کہہ کر خاموش ہوگیا کہ دیکھ لیں گے۔ اس وقت یہ بھی سوچا تھا کہ دعائیں بھی کروں گا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ (بہت سی الجھنوں اور ان باتوں کے ہجوم کی وجہ سے جن کے لئے مجھے دعا کرنا تھی) بعد میں خیال نہیں آیا۔ اب جو وہ نمبر دیکھا تو اسے اپنی دعا کے بغیر اتنا کامیاب پایا۔ سچ کہتا ہوں۔ آنکھیں کھل گئیں۔ میری الجھن پوری مسرت کے ساتھ آدھی سے زیادہ رفع ہوگئی۔ الجھن آدھی سے زیادہ رفع ہوئی؟ میں رسمی بات کا قائل

نہیں اس کا تھوڑا سا حصہ اگرچہ اچھا ہے۔ مگر موضوع کے اندر نہیں ہے۔
مائی بھائی! آپ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ "مجھے آپ سے محبت ہے"۔ اور میں خاموش ہو گیا تھا۔ مگر اب کہتا ہوں کہ مجھے بھی آپ سے محبت ہے" . . . . . . . . . . . . . . کس کی محبت کتنی ہے؟ یہ تو میں جانتا نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ آپ کی محبت بے وجہ ہے۔ اور اندھی جبکہ میری محبت وجہ نہیں وجوہ رکھتی ہے اور دیدہ ور ہے ــــ وہ کیسے؟
ادب پر کچھ نہ کچھ میں نے بھی پڑھا ہے۔ مگر سچ کہتا ہوں آپ کی سادہ زبان اور سادہ اسالیب نے میرے پڑھے ہوئے پر پانی پھیر دیا۔ "اسلامی تحریکی ادب" پر جو کچھ آپ نے اور برادرم ڈاکٹر احمد سجاد صاحب نے لکھا ہے میں اس کی بات نہیں کر رہا ہوں میں تو اس پرچہ کی "نذیرن بُوا" سے کچھ باتیں لیتا ہوں۔
"میرے دل میں جیسے کچھ پھٹ سے ہوتا ہے نا! اس طرح ہوا۔ دل ہی دل میں کچھ لفظ بنے جو آواز نہ بن سکے۔ شاید عربیوں کے اسلام اور رئیسوں کے اسلام میں فرق ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ دل نے کہا۔" ص ۱۱۹ میرا خیال ہے کہ یہ جملے فن ادب نہیں سکھا سکتا۔ خصوصاً "دل ہی دل میں کچھ جملے بنے جو آواز نہ بن سکے میں نے سوچا کہ گھر میں کام کرنے والی ایک عورت ہو جائے گی۔ کہہ دیا کہ نذیرن کو لے آؤ" ص ۱۱۹
شیریں والے طبقہ کے ذہن کی بہترین عکاسی
میرے دل میں کچھ پھر پھٹ سے ہوا۔ شاید کوئی احساس ہوتا ہے جس میں ہمدردی کی حس ہوتی ہے . . ." ص ۱۲۰
نفسیات کی لہروں پر وہ نظر جس کے بغیر کسی کو افسانہ وغیرہ لکھنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے
دل میں ایک خیال آیا۔ پرائی نماز سے ہمارا کیا واسطہ؟ پھر کلّو نے کھانا لگایا۔ نذیرن بُوا

غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ہم نے کھانا کھایا نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں۔ کلو نے میز صاف کی نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں۔ پھر ہم آرام کرنے کمرے میں چلے گئے۔ نذیرن بوا اب ہمیں نہیں دیکھ سکتی تھیں ۔۔۔
تخلیہ کے انتظار کو بیان کرنے کا یہ انداز ۔۔۔ ممکن ہے ادب وانشا کے ماہرین نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں" کی تکرار پر ناک بھوں چڑھائیں۔ مگر مجھے تو اس طرز بیان پر مزہ آگیا۔
اس مختصر مضمون میں ایسے اور بھی مقامات ہیں۔ سب کا حوالہ دینے میں طوالت ہو گی۔
کلام برتع کی حسن افزا ہونے کی صفت بیان کرنے میں شیرینی والے طبقہ کے مزاج کی رعایت۔
غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ نذیرن بوا کی زبان وطرز کلام اور سطح ذہن الگ۔ شیرینی کی الگ اور اُن کے صاحب کی الگ۔
یہ محض مشق و تمرین کی دین نہیں۔ فن ادب پر عبور بھی نہیں۔ میں اسے فطری صلاحیت بھی نہیں کہوں گا۔ اگر چہ ان سب چیزوں کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ مگر میری رائے میں اصل بات ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ ۔۔۔ دل چاہتا ہے ایسا لکھنا مجھے بھی آتا۔
دعا تو دل سے نکلتی ہی ہے ساتھ ہی ایک بات پر افسوس بھی ہوتا ہے۔ اس قلم کار کی عمر اتنی کیوں ہے۔ کاش کہ عمر کے اعتبار سے بھی وہ اپنے قلم کی طرح جوان ہوتا۔
آپ کے صاحبزادہ کا نام بھول جاتا ہوں۔ اخلاق کے اعتبار سے "الولد سر لابیہ" کا نمونہ۔
انھیں دعا ۔۔۔ والسلام

Clinic 25
Res· 37

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Hakeem Muhd. Ayyub
Bilaria Ganj, Azam Garh, (U.P.)

حکیم محمد ایوب
بلریاگنج - اعظم گڈھ - یوپی

مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

یوں تو نمائندگان کے اجلاس ہی میں میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اب کچھ لکھ کر بھیجوں گا مگر وعدہ پورا نہ ہوسکا۔ کچھ مصروفیت کچھ نااہلی کچھ کاہلی۔ تازہ پرچہ الجھنوں کے گرفتار پڑھ کر پھر آپ بہت زیادہ یاد آتے۔ کئی دن سے اب کچھ لکھنے کی سوچ رہا تھا۔ مگر آپ کا حجاب حجاب بن رہا تھا۔ کہ کہیں آپ اپنے حجاب میں بے حجاب نہ کردیں مگر باتیں ایسی تھی کہ لکھنا ضروری تھا۔ کیا جماعت اسلامی میں کوئی صاحب دل ہے؟ اور میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگیا۔ بہت پسند آیا۔ دونوں اجتماع میں پڑھ کر سنایا آپ سے گذارش ہے کہ اسے پمفلٹ کی شکل میں الگ الگ چھپوادیں۔ پروفیسر غلام احمد صاحب والا مضمون کا عنوان اور میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگیا" کے بجائے "میں نے کیا" ہو۔ اور سیکڑہ کے حساب سے قیمت رکھیں بہت ہی مفید ہوگا۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ایک کتاب لکھیں جو قرآن مجید کی تلخیص ہو اور مسجدوں میں سنانے کے لئے ہو۔ ۵۔ ۱۰ منٹ میں بات آجائے۔ آپ یہ کام کر جائیں تو بڑا کام ہوگا۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث شریف کا لٹریچر کا بھی اسی طرح انتخاب کی تلخیص ہو تو بہتر ہے۔ آپکا فرمانبردار۔ ایوب

---

المکرم جناب مدیر حجاب مائل خیرآبادی صاحب السلام علیکم

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت بھی دے اور آپ کی بینائی بھی زیادہ کرے اور اللہ تعالیٰ آپ کو عمر طویل بھی عطا فرمائے۔ تاکہ آپ اس قلمی جہاد کو زیادہ دیر تک انجام دیتے رہیں۔ حجاب کے دونوں شمارے مل گئے ہیں۔ حجاب کو پہلی ہی دفعہ دیکھا اور خوب سے خوب پایا۔ کیونکہ یہ ہمیں پسند آیا ہے۔ اس لئے ہم آپ کو ایک خریدار دے رہے ہیں۔ آپ ایک پرچہ عمر فاروق مودودی صاحب کے نام جاری کردیں۔ اُن کا پتہ دوسرے پرچے پر لکھوا کر بھیج رہا ہوں۔ عمر فاروق صاحب کو بھی یہ بہت پسند آیا۔ ان کا زرتعاون عنایت سبحانی صاحب جمع کروادیں گے۔ ہم ان کو یہاں پر دیدیں گے۔ ہم علی گڑھ کی تحصیل اترولی میں

میں پیدا ہوئے۔ سن پیدائش ۱۹۳۱ء ہے۔ یونیورسٹی ایریا علی گڑھ میں پرورش پائی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان آئے۔ یہاں پر میں کمیونسٹ ہوگیا۔ مولانا مودودی صاحب کے رسالہ دینیات کی بدولت دوبارہ ۱۹۵۴ء میں مسلمان ہوگیا۔

اللہ کے فضل سے جو کچھ میرے پاس ہے سب مولانا کا ہی ہے۔ ان جیسا کسی اور کا حصّہ نہیں ہے۔ باقی انشاء اللہ آئندہ۔ والسلام — محمد شریف انصاری۔ ریاض۔ سعودی عربیہ

---

محترمی جناب مینجر صاحب سلام مسنون۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا — باعث تحریر یہ کہ آپ کا ارسال کردہ پارسل مورخہ ۸ نومبر ۱۹۸۳ء موصول ہوا شکریہ۔

آپ نے جو کتابیں روانہ کیں۔ میں نے ان کو پڑھا۔ بہت مفید پایا۔ میں اس کیلئے آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ اس کو مفید تر بنانے کی کوشش کریں گے۔ میری ایک ناقص رائے یہ ہے کہ آپ اس ماہنامہ حجاب کو کسی ایک جنس کے لئے خاص کردیں۔ بلکہ اس کو اس طرح ترتیب دیں تاکہ مرد عورت چھوٹے بڑے سب پڑھ سکیں۔ امید ہے آپ میری اس ناقص رائے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ فقط۔ والسلام — احقر: مسرور احمد الاعظمی۔ مئوناتھ بھنجن

---

## کیا آپ جانتے ہیں؟

مرسلہ (قمر عبداللہ رامپور)

- ہاتھی ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے۔
- گھوڑے کو سب جانوروں سے زیادہ سردی لگتی ہے۔
- نائٹ انگل (پرندہ) کا گانا ایک میل دور تک سنائی دیتا ہے۔
- مچھلی کبھی پانی نہیں پیتی۔
- کُتے کا پسینہ (رال) منھ سے نکلتا ہے۔
- کچھوے کی مادہ ایک دن میں ۱۹ مرتبہ انڈے دیتی ہے۔

مولانا ابوالمجاہد ہارون صاحب سے حلقہ حجاب ناواقف نہیں ہے مولانا حجاب کے ایک قلمی مقابلے میں انعام بھی حاصل کر چکے ہیں۔ بڑی سنجیدگی سے بات کرتے ہیں بڑی ہی سنجیدگی سے ہر بات پر تنقید کرتے ہیں۔ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں چھپے ہوئے ایک مضمون پر آپ نے سخت تحقیقی گرفت کی ہے۔

اس سے پہلے میرے دوست سید امین الحسن رضوی مدیر ریڈینس دہلی نے اس ... ادارے کی معنون پر تنقید فرمائی۔ رضوی صاحب نے لکھا کہ یہ تنقید بغرض اشاعت نہیں ہے افسوس کہ اسے ضائع کر دیا گیا اب جب کہ مولانا ہارون صاحب کی تنقید ہم شائع کر رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں رضوی صاحب کا مکتوب گرامی یاد آرہا ہے کاش! اس سے پہلے اُسے چھاپتے خیر آپ پڑھیں اور صحیح نکتہ پانے کی کوشش کریں۔ (م)

ابوہارون مجاہد اعظمی
مدرسۃ الاسرار کونرہ گھنی اعظم گڑھ

برادر محترم جناب مائل خیرآبادی صاحب السلام علیکم ورحمۃ

"حجاب" کا الجھنوں کے گرفتار نمبر ملا۔ رسول خدا کو معیارِ حق ماننے والوں کا کردار" نذیر جیسا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ان لوگوں جیسا جو بے حجابانہ ولایت اور فقہی موشگافیوں کے ذریعہ حیا

اور گنجائشوں کی تلاش میں نہ جانے کن کن وادیوں میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔

"حسینؓ و یزید" کی بحث میرے نزدیک آپ کی جرأت اور بے باکی کی بین دلیل اور افضلُ الجہاد عند سلطان جائر کے مصداق ہے۔ آج جبکہ ہر شخص اپنی عاقبت سے بے خبر اس فکر میں ہے کہ جیسے بھی ہو معاویہ رضؓ اور یزید کو جہنم میں پہونچا کر ہی دم لے۔ یزید کے عمل و کردار کی صفائی اور حدیث قسطنطنیہ کے مطابق مغفور لہم کے عموم میں داخل گرداننا یقیناً افضل الجہاد ہے۔ جس کے لئے آپ لائق مبارکباد ہیں اور انشاء اللہ عنداللہ اجر کے مستحق بھی۔

تاہم میں سمجھتا ہوں کہ چند اسقام اب بھی باقی ہیں۔ جنھیں صاف ہو جانا چاہیے۔ یہ طویل عریضہ اسی لئے عرض ہے کہ ہمیں امید ہے کہ آپ غور فرمائیں گے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اوروں کی طرح آپ نے بھی امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کی خلافت کو لافت راشدہ علی منہاج النبوہ تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ بقول آپ کے ان کی خلافت 'خلافت قتب نہ ہوئی بلکہ انھوں نے مسند خلافت پر قبضہ کرنے کے لیے سیاسی ہتھکنڈوں (؟) کا ستعمال کیا۔ پھر اپنے اختیارات کا بالخصوص بیت المال کا ناجائز (؟) استعمال کر کے خلافت و ملوکیت میں (خلافت ضلالت) میں تبدیل کر دیا۔

میں جانتا ہوں کہ مبیوی تاریخی روایات آپ کی تائید میں موجود ہیں لیکن یزید کے باب میں اس قبیل کی ساری روایتوں کو آپ رد کر چکے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ روایات کے باب میں آپ تقلید جامد کے قائل نہیں ہیں۔ اور معاملے کو درایت کے پہلو سے بھی پرکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلافت راشدہ علی منہاج النبوہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ وہ حکومت جو ہدایت یافتہ ہو اور لوگوں کو ہدایت کے راستے پر چلانے والی ہو۔ بالفاظ دیگر کتاب اللہ و رسنت رسول اللہ پر پوری طرح عامل ہو۔ ورنہ وہ یا تو بالکلیہ طور پر ضلالت ہے یا تو منون

ببعض الکتب و تکفرون ببعض کے مصداق ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ رشد اور ضلالت کے درمیانی درجے کو کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس درمیانی مرتبے کو بھی ضلالت سے ہی تعبیر کیا جانا چاہیئے۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ صحبت یافتگان رسالت میں شامل اور الصحابی کالنجوم الخ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب انھیں کی خلافت، خلافت رشدہ نہ رہے تو اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا ہوگی۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

الصحابۃ کلھم عدول کا مطلب جہاں یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابہ مثل انبیاء علیہم السلام معصوم عن الخطا رہیں وہیں یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ صحابہ سے خطائیں ہوں اور خطا کے واضح ہونے پر بھی رجوع وانابت الی اللہ سے غافل رہیں اور پھر انکی عدالت مجروح نہ ہو۔ حضرت ماعز اسلمی رض، حضرت غامدیہ رض، حضرت حاطب بن بلتعہؓ وغیرہم کی عدالت اسی لئے باقی رہی کہ انھوں نے توبہ وانابت کی راہ اختیار کی۔

حضرت معاویہؓ پر عائد شدہ سارے الزامات یا تو حضرت عثمان رض پر لگائے گئے بہتانوں کی طرح بہتان عظیم ہیں۔ جیسے مسلمانوں کے ایک گروہ نے حب علیؓ کے نشے میں بدمست ہو کر باندھے اور "اہل حق" نے من وعن قبول کر لیا۔ یا پھر خطائے اجتہادی ہیں۔ جو مجتہد کے لئے جائز ہیں۔ یا پھر سہو وخطا ہیں جس کے علم کی صورت میں آپ نے توبہ وانابت کی ہوگی یا لاعلمی کی صورت میں خود بخود معاف ہیں اور جسے اللہ معاف کر دے۔ بندوں کو اس پر نکیر کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں حضرت معاویہؓ کی اس کے سوا کوئی خصوصیت نہ تھی کہ وہ کاتبین وحی میں شامل تھے۔ یہ لکھتے ہوئے بالکل غیر شعوری طور پر

آپ معاویہ رض کی اہمیت کم کرنا چاہتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ کاتب جس کا پہلا سبق "نقل را چہ عقل" ہوتا ہے۔ امیر معاویہ رض بھی انھیں میں شامل ہیں۔ لیکن آپ غور فرمائیں کتابت وحی سے کیا؟

وحی اللہ کا کلام۔ جس وحی کی بات ہو رہی ہے۔ اللہ کا آخری کلام ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کی حفاظت اس طور پر کہ وحی کا لانے والا روح الامین اور جس پر وحی کا نزول ہوا وہ رسول امین۔ ان دونوں کی امانت پر خود وحی ناطق شاہد عدل۔ پھر کیونکر ممکن ہوا کہ اس وحی کے کاتب امین، عادل اور صادق نہ ہوں۔ اور نہ ہوں تو وحی کی حفاظت اور اس کا اثر باقی کب رہا؟ وحی کی تمام ظاہری تدابیر بھی اللہ نے اس لئے اختیار فرمائیں تاکہ انسان محسوس طور پر اس کی حفاظت پر اعتماد کر سکے۔ گویا جو لوگ کتابت وحی کے منصب پر مامور کئے گئے وہ اور لوگ تھے جن کی امانت اور عدل پر اللہ اور اس کے رسول کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔ کیا ایسے شخص پر بد دیانتی کا الزام حیرت انگیز نہیں۔ اور اس کی خلافت، خلافت رشد نہ رہے، لوالعجبی نہیں۔

معاویہ رض و یزید کے باب میں شیعان علی کو جو حیرت انگیز کامیابی ملی۔ اس میں حقائق کا پہلو کم اور جذبات کا پہلو زیادہ ہے۔ علی رض و حسین رض کو نبوت سے جس نسبی قربت کا شرف حاصل تھا معاویہ رض و یزید کو وہ نسبی قربت بھلا کب تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت علی رض کی خلافت مختلف فیہ تھی۔ اصحاب کبار مثل حضرت عائشہ حضرت زبیر ابن العوام رض، حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رض، امیر معاویہ رض، عمر ابن العاص رض وغیرہم ان کی بیعت سے مجتنب رہے۔ جب کہ حضرت معاویہ رض کی خلافت متفق علیہ تھی۔ اصحاب رسول کا اس باب میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ عہد علوی میں جہاد و قتال

کفار کا سلسلہ یکسر موقوف ہوگیا اور اہل قبلہ میں باہم مناقشت اور مقاتلت کا سلسلہ شروع ہوگیا جس پر آنجناب کو قابو حاصل نہ ہوسکا جبکہ معاویہ رضؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد ختم ہوگیا اور جہاد و فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو۔ حضرت علی رضؓ اپنے عہد خلافت میں قصاص عثمان پر قادر نہ ہوسکے۔ جو خلافت کا اولین فریضہ تھا۔ کتب علیکم القصاص فی القتلی۔ اس کے باوجود ان کی خلافت، خلافت رشد تھی۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کہ یقیناً ان کی خلافت، خلافت رشد ہی تھی لیکن امیر معاویہ رضؓ کی خلافت، رشد نہ رہے ملوکیت بن جائے۔ یا للعجب ثم یا للعجب۔

خلافت علوی سے امیر معاویہ رضؓ کی بغاوت" سیاسی ہتھکنڈوں "سے مسند خلافت پر قبضہ، اختیارات اور بیت المال کا ناجائز استعمال اور یزید کی نامزدگی کے باوجود سیکڑوں صحابہ کا ان کی خلافت پر بیعت کرنا اور مستقیم رہنا، واقعہ کربلا کے باوجود اصحاب کبار عبداللہ ابن عباس رضؓ، عبداللہ ابن عمر رضؓ، ابو ہریرہ رضؓ، زید بن ارقم رضؓ وغیرہم کی بیعت و استقامت بر دست یزید کس بات پر دلالت کرتی ہے؟ خلافت رشد پر یا ملوکیت و ضلالت پر۔

کیا یہ حضرات شیعان علی رضؓ کے بقول مرتد ہوگئے تھے؟ یا متصوفین کے بقول اپنے فرض منصبی قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ کو بھول کر گوشہ نشین تھے اور گیان دھیان، ہو حق کی جاپ میں مشغول ہوگئے تھے؟

علی رضؓ اور حسنین رضؓ کی خود ساختہ عظمت کے لیے سیکڑوں صحابہؓ کی عظمتوں کی قربانی اور انکی کردار کشی انھیں لوگوں کو مبارک۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ والسلام

ابو ہارون مجاہد اعظمی مدرسۃ الاسرار۔ کوزہ کھنی۔ اعظم گڑھ۔ یوپی

## مطالعہ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○

(سورہ تحریم۔ آیت ۱۰)

اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ مگر انھوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی نہ کام آسکے۔ ان دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ ان کا تعلق چاہے کسی بڑے سے بڑے نبی ہی سے کیوں نہ ہو پھر بھی وہ جہنمی ہی ہوتے ہیں۔ مثال دے کر بتایا جا رہا ہے کہ حضرت نوحؑ کی بیوی کو دیکھو، حضرت لوطؑ کی بیوی کو

دیکھو، دونوں میں سے ہر ایک ایک عظیم پیغمبر کی بیوی تھی لیکن ان دونوں نے اللہ کے نبیوں کے ساتھ خیانت کی۔ خیانت یہ کہ اول تو اللہ کے نبی پر ایمان نہ لائیں۔ دوسرے یہ کہ گھر میں کوئی دین کی بات ہوتی۔ گھر میں کوئی شخص آتا اور اللہ کے رسول سے ملاقات کرتا تو جاکر کافروں کو خبر دے دیتیں کہ آج یہ ہو رہا ہے۔ آج یوں سوچا جارہا ہے۔ قرآن کی تفسیر کرنے والے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت لوطؑ کے پاس جب دو فرشتے لڑکوں کی شکل میں آئے تو لوطؑ کی بیوی ہی نے جاکر لوگوں کو خبر دی تھی۔

ان دونوں عورتوں کے بارے میں قرآن کا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ وہ یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ جن سے ان کا میاں بیوی ہونے کا قریبی تعلق تھا، وہ بھی اللہ کے مقابلے میں ان کے کام نہ آسکے۔ ان دونوں عورتوں کے لئے حکم ہوتا ہے کہ جاؤ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

اس آیت میں ایک طرف یہودیوں کے اس گھمنڈ پر چوٹ پڑتی ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد ہونے کے غرور میں یہ سوچے بیٹھے ہیں کہ ہم تو اس تعلق سے ضرور بخش دئے جائیں گے۔ دوسری طرف عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی غلط ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے پھانسی پر لٹک کر سارے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا۔ تیسری طرف آج کے مسلمانوں کو بھی خبردار کیا جارہا ہے کہ تم بھی اس زعم میں نہ رہنا کہ تمہارے پیر تم کو بخشوا لیں گے۔ جب تک تم خود اللہ اور اللہ کے رسول کے فرماں بردار نہ بنو گے خود دیندار نہ بنو گے۔ اس وقت تک اللہ تم پر مہربان نہ ہوگا۔ تم بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات سن لو جو آپ نے اپنے خاندان والوں میں سے ایک ایک کا نام لے لے کر فرمایا تھا کہ اے عبد مناف کی آل واولاد یعنی اللہ کے نبی سے خاندانی رشتہ رکھنے والو۔ اے چچا عباس، اے پھوپی صفیہ! اے بیٹی فاطمہؓ! تم اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ اللہ کے نبی سے تمہارا اتنا قریبی رشتہ ہے اس لیے تم کو ضرور جنت مل جائے گی۔ نہیں ہرگز نہیں

میرا تعلق تمہارے کام نہ آئے گا۔ اللہ کے مقابلے میں میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ لہذا اللہ کی راہ میں تم خود آگے بڑھو اور اللہ کے فرماں بردار بندے بنے رہو۔ تب ہی جنت پاسکو گے ورنہ نہیں۔

یہ حدیث اس آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ اب جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے۔

صلیب و مقتل و زنداں کے درمیاں بولا — نہ پوچھ بندۂ حق گو کہاں کہاں بولا
ہزار حیف کہ دو لفظ میں جہاں بولا — مرے خلاف زمیں بولی آسماں بولا
کسی نے داد نہ دی میری حق بیانی کی — مرا قصور تھا بہروں کے درمیاں بولا
زبانِ گنگ کو تحریک کس نے بخشی ہے — جسے نہ بولنا آیا وہ ناگہاں بولا
کسے خبر تھی کہ پروانہ آہ بھرتا ہے — چراغِ بزم سے نکلا ہوا دھواں بولا
گلاب والا سے مالی نے کیا سلوک کیا — زبانِ حال میں ماحولِ گلستاں بولا
عظیم جرم ہے اظہارِ حق زمانے میں — چڑھائی آستیں لوگوں نے میں جہاں بولا
نگاہِ دہر سے کیا میرا رازِ دل چھپتا — کہ راز دار ہی لوگوں کے درمیاں بولا
چھپا کے داغ تمنا کا ہم نے رکھا تھا — زبانِ اشک سے لیکن غمِ نہاں بولا

یہی تو فرق ہے دونوں غموں میں اے حسرت
غمِ حبیب رہا چپ غمِ جہاں بولا

(حسرت بھٹکلی منگلور)

# الجھنوں کے گرفتار

ہم دیکھتے ہیں کہ خانقاہی نظام میں جو رنگ پیر و مرشد کا ہوتا ہے اسی رنگ میں اس کی اولاد رنگ جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی پیر کی زندگی میں اس کا لڑکا اس کے رنگ پر نہیں ہے تو اس کے مرتے ہی لڑکا یکدم وہی رنگ اختیار کر کے گدی سنبھال لیتا ہے چونکہ یہ عام بات ہے اس لئے اس کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کے ارکان کی اولاد باپ کا رنگ نہیں اپناتی بلکہ ہم ان میں الٹا اثر دیکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ باپ کا شکوہ کرتے ہیں۔ کچھ باپ سے بغاوت کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسی مثالیں ہیں کہ جماعت اسلامی کے رکن کا لڑکا رکن ہے ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔ یہ بھی عام بات ہے اس لئے اس کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اوپر جو سوال نقل کیا گیا ہے۔ یہ کسی ایک شخص کا نہیں ہے۔ یہ سوال کبھی اعتراض کی شکل میں مخالفِ جماعت کے لوگ کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی حق پر ہوتی تو اس کے ارکان کی اولاد تحریک اسلامی کے ساتھ ہوتی۔ کبھی یہ سوال محض سوال کی شکل میں ان صاحبان کی طرف سے اٹھتا ہے جو جماعت کو کچھ نیچے سمجھتے ہیں۔ اب ادھر کئی ماہ سے یہی سوال ہمارے کئی رفیقوں نے کیا ہے اور اطمینان بخش جواب مانگا ہے۔

ہمارے لئے یہ تیسری شکل بہت قابل توجہ ہے۔ ہم اسی پر تبصرہ کریں گے

ہو سکتا ہے کہ اسی سوال کے جواب میں مخالف جماعت لوگوں کے اعتراض کا جواب آجائے اور جماعت کے ہمدردوں کی الجھن بھی دور ہو جائے۔

محترم رفیقو! آپ میں کچھ تو ایسے ہیں جو جماعت میں آنے سے پہلے والی زندگی کو اپنا جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔ وہ لاالٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ زبان سے تو کہتے تھے لیکن وہ نہ لاالٰہ الا اللہ کے تقاضوں سے واقف تھے نہ محمد رسول اللہ کے معنی سمجھتے تھے۔ وہ اپنی زبان سے اللہ کو واحد الٰہ تسلیم کرتے تھے لیکن انھوں نے اس کے علاوہ بہت سی ہستیوں کو الٰہ کا مقام دے رکھا تھا۔ اگر وہ کسی ملازمت پر تھے تو اپنے افسروں سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح خدا سے ڈرا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر افسر ناراض ہو گیا تو رزق کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اگر تاجر تھے تو سیل ٹیکس افیسر اور انکم ٹیکس افیسر سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح خدا سے ڈرا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ان افیسروں کو راضی نہ رکھا گیا تو تجارت برباد ہو جائے گی۔ مطلب یہ کہ جس طرح نفع اور نقصان کا مالک خدا کو مانا جاتا ہے اسی طرح کا خیال ان افیسروں کے بارے میں بھی تھا۔ رہا اللہ پر ایمان اور رسولؐ کی تعلیم وہ لاریب فیہ۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن ملازمت اور یہ تجارت اپنی جگہ اور اللہ اور اللہ کا رسول اپنی جگہ۔

ملازم پیشہ اور تاجر پیشہ لوگوں کے علاوہ عام لوگ جو محنت مزدوری کرتے تھے۔ ان کی دین داری یہ تھی کہ رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو روزے رکھ لیتے۔ اس مبارک مہینے میں نمازیں بھی پڑھ لیتے۔ عید کی نماز پڑھ کر روزہ اور نماز چھوڑ کر پھر جیسے کے تیسے ہو جاتے۔ اس کے بعد ان کا ایمان بقر عید اور محرم میں جاگتا۔ یا پھر اجمیر شریف، کلیر شریف، دیوہ شریف اور جتنے شریف مقامات پر عرس ہوتا

اس وقت ان کا جوش وخروش پورے شباب پر ہوتا ۔

اس طبقے کی عقیدت اللہ سے زیادہ مزاروں میں لیٹے ہوئے بزرگوں سے اس طبقے کی اطاعت اللہ کے رسولؐ سے زیادہ مزاروں کے گدی نشین پیروں سے ۔ اس طبقے کے سامنے قرآن و حدیث کی تفسیریں کر ڈالیے، سب ٹھیک قرآن اور حدیث برحق لیکن مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا جو ہم نے اپنے باپ دادا سے پایا ہے کیا وہ غلط ہے ؟ ۔ ہم وہی کریں گے جو بزرگوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اولاد عطا فرمانا، روزی سے لگانا، دکھ سے نجات دلانا، مراد پوری کرنا، اس طرح کے عقیدے اللہ سے زیادہ پیروں سے۔ گیارہویں شریف کے موقع پر اسی طبقے کے لوگوں پر بہار آتی۔ کونڈوں کے مہینے میں شباب انہی لوگوں کے گھروں میں آتا۔ نذر ونیاز اور درود و فاتحہ کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح بتایا اور کیا، اس سے تو توہم پرستوں اور رسوم قبیحہ کرنے والوں کو کوئی غرض نہیں۔ شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں نہ اللہ کا خیال انہیں آتا ہے اور نہ رسولؐ کی ہی اطاعت کا۔

محترم رفیقو ! ہم آپ انہی لوگوں سے تو کٹ کر جماعت میں آئے ہیں! ہم نے جماعت اسلامی کے لٹریچر میں لا الٰہ الا اللہ کا مطلب اور اس کے تقاضے پڑھے۔ ہم نے جماعت اسلامی کے لٹریچر میں محمد رسول اللہ کے معنی اور اس کی تشریح پڑھی سب سے پہلے جو تاثر قبول کیا وہ یہ کہ دراصل ہم مسلمان ہی نہیں ہیں۔ پھر ہم پر اللہ کا فضل ہوا۔ ہم نے سارے بناوٹی خداؤں کو ٹھکرا دیا۔ لا الٰہ نہیں ہے ان میں سے کوئی نہ کوئی افسر، نہ کوئی پیر، نہ کوئی بزرگ، ہاں، الا اللہ۔ بے شک اللہ الٰہ ہے۔ وہی پیدا کرنے والا، وہی رزق دینے والا، وہی مالک، مولا، حاکم، آقا، سب کچھ اس کے بس

میں ہے یہ افیسر، یہ حکام، یہ پیر، فقیر سب اللہ کے محتاج ہیں، ان میں سے کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ نہ اللہ کی ذات میں شریک نہ اس کی صفات میں۔

ہم نے دل میں تہیّہ کر لیا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کو الٰہ ماننے کے لئے بتایا اور کر کے دکھایا، اسی طرح مانیں گے۔ جب محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپؐ جو حکم اللہ کی طرف سے فرمائیں اور اس پر عمل کر کے دکھائیں، وہی ہماری زندگی کا لائحہ عمل اور ضابطہ۔ اس کے سوا سب باطل۔

رفیقو! یہی اجمال تو ہے جماعت میں آنے کی پوری تفصیل کا۔ پھر ہوا کیا؟ یہ ہوا غلط ملازمت ہمیں کھٹکنے لگی، غلط تجارت سے نفرت ہونے لگی، حرام، حلال نظر آنے لگا، پھر یہ ہوا کہ ہم میں سے کسی نے وکالت چھوڑی۔ کسی نے ملازمت ٹھکرائی کسی نے تجارت کو پاک کرنا شروع کیا۔ حرام کو لات ماری اور حلال کی طرف رخ کیا

یہ سب ہم نے سمجھ بوجھ کر کیا۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر کی وہ تمام کتابیں پڑھ ڈالیں جن میں انبیاء کی سیرت، صحابہ کرامؓ کے حالات اور بزرگوں کے واقعات ہیں معلوم ہوا کہ حق کی راہ میں یہ مشکلات آئیں گی۔ ہم نے اس حدیث کو پڑھا کہ اگر رسول سے واقعی محبت ہے تو افلاس کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کو تیار رہنا چاہیئے۔

ہم سے ہمارے خاندان کے بزرگوں اور دوستوں نے کہا کہ ملازمت مت چھوڑو۔ فلاں تجارت ترک نہ کرو۔ گھریلو رسموں سے نہ کٹو۔ تم اپنے پاؤں میں کلہاڑی مار رہے ہو۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ بال بچوں والے۔ ان کا خیال کرو۔ جان بوجھ کر آزمائش میں پڑنا بھی تو اسلام کے خلاف ہے۔ ہم کو تجربہ کار شاعروں کے اشعار بھی سنائے گئے: ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھتا ہے۔ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
ساری دنیا کے خداؤں سے ہے جھگڑا کرنا۔ ایک اللہ کو آسان نہیں سجدہ کرنا

ہم نے کسی کی ایک نہ سنی۔ سارے بناوٹی خداؤں سے جھگڑا مول لے لیا۔ ملازمت چھوڑنے اور تجارت کو حرام سے پاک کرنے میں آمدنی سکڑنے لگی۔ آمدنی سکڑنے لگی تو گھریلو معاملات بھی سکڑنے لگے۔ کھانا، کپڑا، مکان اور رشتہ داروں کی خاطر و مدارات یہ سب سکڑتے سکڑتے ضروریات اتنی مختصر ہو گئیں جسے کہتے ہیں کہ ہم زندگی نہیں بسر کر رہے ہیں بلکہ زندگی ہم کو بسر کر رہی ہے۔ اہلیہ دم بخود بچے پریشان گھر کے ہر شعبے میں زینے سے ایک ایک کر کے نیچے آنے لگے۔ کھانے کو سادہ کیا، کپڑوں میں کوتاہی کی، اب گھر میں بچوں کے لئے "چیز" آنا بھی بند ہو گئی۔ ہمارے رفیقوں کے گھروں میں بچوں کی زبان اکثر سنا گیا "امی! ابا غریب ہو گئے۔ اب چیز نہیں لاتے!" کلیجہ منہ کو آنے والی بات ہے کہ نہیں؟ ایسے ہی موقع پر شعر گویا پھٹ پڑتا ہے۔

کتنی آسان تھی بے راہ روی اے مائل! راہ پر آئے تو چلنا ہمیں دشوار ہوا۔

بچوں کا مستقبل بنانے کے لئے کیا کیا کچھ سوچا تھا سب کو خیرباد کہا انہیں کالجوں سے ہٹا کر دینی تعلیم کی طرف لے جایا گیا۔ ہم نے بیوی کو کسی کسی طرح منائے رکھا مگر بچے کیا جانیں، وہ قدم قدم پر روئے۔ انھوں نے ضدیں کیں، ان کو سمجھانے اور ان کے جذبات دبانے کی کوشش کی جب تک وہ بے شعور رہے۔ ہماری تقلید میں نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے رہے۔ باشعور ہوئے تو انھوں نے دوسرے بچوں کو دیکھا۔ ملازموں کے بچوں کو دیکھا، تاجروں کے بچوں کو دیکھا، مزدوروں کے بچوں کو دیکھا، اپنے کو سب سے کمتر پایا۔ احساس کمتری پیدا ہوا اور شکوہ زبان پر آ گیا۔ انھوں نے ہمارے متعلق دوسروں سے سنا کہ یہ لوگ احمق ہیں۔ آجکل افراط زر کا زمانہ ہے۔ بہتا دریا ہے اور یہ ہاتھ نہیں ڈالتے۔ خواہ مخواہ آج کے دھارے کے خلاف جا رہے ہیں، ارے بھئی، چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔ یہ بیوقوف اقبال کے

پجاری کہتے ہیں کہ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز۔ اگر زمانے کے لوگ تجھ سے میل نہیں کھاتے تو ان سے لڑ۔

پھر بچوں نے دیکھا کہ برادری نے ہمارا بائی کاٹ کیا، حکومت نے ہمیں قید کیا، روزی کے دروازے ہم پر بند کئے گئے، ہماری جائدادیں لٹیں، مکانات جلائے گئے، آخر بچّے ہی تو ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ابا یہ سب کیوں سہہ رہے ہیں اور ہم انہیں سمجھاتے ہیں تو ایک ہمارے علاوہ سیکڑوں گھر والے اور رشتہ دار ہمارے خلاف انہیں سمجھاتے ہیں۔ آخر وہ ماحول سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔

اب دیکھیے دوسری طرف۔ ملازم پیشہ رشوتوں پر رشوتیں لیتے ہیں۔ تجارت پیشہ بلیک مارکٹنگ کر کے نمبر دو کا پیسہ سمیٹ کر تجوریاں بھر رہے ہیں، مزدور ہیں کہ وہ بھی ہم سے زیادہ کماتے اور خیانت کر کے مزید بھی لاتے ہیں۔

ان سب کے والدین گھر آتے ہیں تو طرح طرح کے ریڈی میڈ کپڑوں، پھلوں میووں اور مٹھائیوں اور کھلونوں سے لدے ہوتے۔ ہمارے بچّے یہ سب دیکھتے ہیں احساس کہتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بچے خانقاہوں کی نعمتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور ترستے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہم سے نفرت کرنے لگتے ہیں، بڑے ہو کر یہی باغی ہو جاتے ہیں۔ کہیں اکا دُکا ہماری نصیحت کے مطابق پڑھ گئے، سمجھ گئے، وہ رکن جماعت بن گئے۔

دراصل یہ اللہ کی رضا کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور مکروہات سے گھری ہوئی جنّت کی طلب اور زمین پر اللہ کی مرضی کو غالب کرنا ایسا کٹھن کام ہے کہ بڑے بڑے چیخ اُٹھے ہیں اور اب بھی چیخ اُٹھتے ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ رند کے رند رہیں ہاتھ سے جنّت بھی نہ جائے۔ یہ طریقہ سیاسی مسلمانوں

نے ڈھونڈ نکالا۔ اقتدار وقت سے مصالحت کر لی۔ نماز روزہ اللہ کے لئے اور دُنیا اقتدار وقت کے ساتھ۔ ان کے پو بارہ ہو رہے ہیں

سجادہ نشینوں نے مزار شریف کے اندر کے بزرگ کی کرامات کا پروپگنڈا کیا ان بزرگوں نے اصل کام جو تبلیغ اسلام کے سلسلے میں کیا تھا۔ وہ تو گم کر دیا اور دُعا گنڈوں اور غلط عقیدوں میں عوام کو مبتلا کر کے چڑھاوؤں اور نذروں سے اپنا گھر بھرنے لگے۔ ان کے بیٹوں نے ان سیاسی اور مزاری مجاوروں کے سامنے دولت کی ریل پیل دیکھی تو باپ کے نہایت فرماں بردار اور سعادت مند بیٹے بن گئے۔ اور اگر کوئی بیٹا زیادہ سے زیادہ جیب خرچ پاکر آوارہ ہو گیا تو میں آپکو بتاؤں وہ کیسے لعاب دہن چاٹ کر یکدم ولی بن جاتا ہے۔

میرا ایک دوست ”ولی اللہ“ ہے۔ مدرسہ رکنیہ لاہر پور میں میرے ساتھ عربی پڑھتا تھا۔ دلدار خاں نام تھا۔ تعلیم سے اُسے کچھ لگاؤ نہیں۔ بڑا اچھڈی اور خراب لڑکا تھا۔ اس کا باپ پیر تھا۔ ارے بھئی، جب پیر صاحب مرنے لگے تو انھوں نے بیٹے کو رات کے وقت لعاب دہن چٹا دیا۔ صبح ہوئی تو دنیا بدلی ہوئی تھی پیر صاحب مردہ پڑے تھے اور دلدار خان دلدار شاہ بن گیا تھا۔

بہت دنوں کے بعد دلدار شاہ سے میری ملاقات ہوئی۔ مزاج پرسی کا تبادلہ ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا ”تجھے خدا کی قسم! سچ بتا۔ رات بھر میں ”ولی“ کیسے بن گیا۔ یہ لعاب دہن چٹانے والا قصہ دراصل ہے کیا؟“

ہنسا اور کہنے لگا ”ابا نے فرمایا تھا کہ بیٹا! یہ دولت کی گدی دوسروں کے حصے میں جا رہی ہے۔ لے سنبھال لے اور دولت کی دیوی سے مصالحت کر لے۔ بات میری سمجھ میں آ گئی پھر صبح کو میں دلدار شاہ تھا۔ اور اب تک ہوں لیکن یار!

تجھے خدا کی قسم ہے کہ میری زندگی میں یہ راز فاش نہ کرنا"

میں نے کہا "اور آخرت میں اللہ کو کیا منہ دکھلائے گا"۔ بولا" بس

اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔

واقعہ یہی ہے کہ جو آخرت کو دنیا کے ہاتھوں بیچنے والے پیر، فقیر، تاجر اور ملازم دنیوی نعمتوں سے آزمائے جاتے ہیں۔ بچے ظاہر دیکھتے ہیں، نقد سودا چاہتے ہیں۔ بہک جاتے ہیں اور ہم ارکان جماعت کو سننا پڑتا ہے جو کچھ سننا پڑتا ہے۔

ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔ ہمارے بچوں کی تربیت جو ہمارے ساتھ رہ کر ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ رائیگاں جائے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں جب ہمارے بہت سے رفقاء جیلوں میں ٹھونس دئے گئے تھے تو دیکھنے میں آیا کہ ان کے لڑکے جو کچھ کماتے تھے اس کا بیشتر حصہ ان گھروں پر خرچ کرتے تھے جن گھروں کے قوام ارکان جماعت جیلوں میں تھے۔ میں نے دہلی میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ وہ گھڑی کی مرمت کا کام کرتا ہے۔ ایک دن اس نے پوری ٹوکری سیب لئے ہوئے پر جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کہاں"، رکشا رکوا کر السلام علیک کے بعد کہا" ابا کے لئے یہ سب لئے جا رہا ہوں"

"اتنا!" میں نے کہا تو بولا "ابا جان نے فرمایا ہے کہ جو کچھ لاؤ وہ کہ یہاں جیل میں جو ساتھ ہیں انہیں بھی دیا جا سکے۔ ورنہ مت لاؤ"۔

سنا آپ نے! یہ کیا ہوا؟ اس زمانے کے ان نوجوانوں کے میرے بھی فرصت سے سناؤں گا۔ میں ان سے مایوس نہیں ہوں جب جاتا ہے تو اب شرماتے ہیں۔ ان الفاظ پر جو کبھی نکل گئے تھے۔

[illegible] معلم درسگاہ اسلامی۔ رامپور۔

اولڈ بوائز کے نام مراسلہ جاری کیا۔ اس میں پوچھا کہ "آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے۔"

ایک لڑکا جو رکن جماعت باپ سے خفا ہو کر بیرون ملک چلا گیا تھا اور آجکل بھی باہر ہی ہے۔ اس نے لکھا "چچا میاں! میری آخری تمنا یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دنیا کے کسی خطے میں اسلامی حکومت دیکھ لوں بس"

یہ وہ لڑکا ہے۔ جس نے لوگوں کے سمجھانے پر بھی باپ کو معاف نہیں کیا تھا۔

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک جگہ پچاس روپیہ منی آرڈر سے بھیجے ہمارا رفیق جیل میں تھا۔ لڑکے نے منی آرڈر وصول کیا۔ اور ان صاحب کو لکھا کہ چچا میاں! ابا کے جانے کے بعد میرے اندر احساس ذمہ داری جاگا۔ میں اچھا خاصا کما لیتا ہوں۔ لیکن ... چچا میاں پریشان ہیں۔ اجازت ہو تو یہ رقم انہیں دیدوں میرا خیال ہے کہ میں نے مختصراً سب کچھ کہدیا۔ اب اطمینان ہونا یہ اللہ کی توفیق پر ہے جو لوگ اعتراض کرتے ہیں یا جو ہمدردی میں ہمیں اس راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ وہ خود سوچیں کہ وہ کس بات سے ہمیں ہٹا رہے ہیں۔ بہر حال اللہ کو ایک دن ہمیں بھی منہ دکھانا ہے اور انہیں بھی۔ اس سے زیادہ حق بات اور کیا عرض کروں۔

وما توفیقی الا باللہ۔

---

## یہ مضمون

یہ مضمون جو اوپر آپ نے پڑھا کتابت ہو چکا تھا کہ ہمیں وہ خط ملا جو اسی شمارے میں "بیٹے کا خط باپ کے عنوان سے چھپا ہے۔ اگر یہ خط پہلے آجاتا تو ہم اسے اسی مضمون کے ساتھ بطور مثال کسی جگہ لگاتے۔ صفحہ پر آپ اس خط کو بھی پڑھئے اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھئے۔

یہ ایک رکن جماعت اسلامی کا بیٹا ہے۔ درسگاہ اسلامی میں درجہ ۸ تک تعلیم حاصل کر کے بددل ہو گیا اور وہاں تعلیم چھوڑ دی۔ اس کے ماں باپ اور ہمدردوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اب یہی لڑکا دنیا کے میدان میں اترا تو اس کا پہلا تجربہ "آپ بیتی" کی شکل میں آپ بھی پڑھیئے۔ اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ ارکان جماعت اسلامی کے بچوں کا رجحان واقعی کیا ہوتا ہے۔ (م)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابا جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— دہلی میں آکر کئی تجربے ہوئے۔ ابلیس اعظم صاحب نے بھی بہت بہکایا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں ثابت قدم رہا۔ مجھے امید ہے کہ آپ آپ کی داستان سن کر خوشی محسوس کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب مجھے کہیں ملازمت نہیں ملی تو ایک دن میں نے اخبار میں دیکھا کہ ایک کلرک کی ضرورت ہے تو میں قسمت آزمانے کے لئے پہنچا۔ انٹرویو ہوا اور میں پاس ہو گیا۔ میرے سپرد کام یہ ہوا کہ معمہ کے حل پر نمبر دینا اور منی آرڈر کی رقم انعام پانے والے کو بھیج دینا۔ میں نے آپ کا مضمون الجھنوں کے گرفتار نمبر میں پڑھا

جس میں آپ بننے ادبی معمہ کی مخالفت کی ہے۔ میں اس نوکری کو کرکے مطمئن نہیں تھا لیکن کرتا بھی کیا کہیں اور کام ملا نہیں، میری نوکری -/350 روپے میں طے ہوئی تھی۔ ۲ ماہ کے بعد -/400 روپے ہو جاتے اور سال بھر کے اندر اندر -/500 روپے کرنے کا وعدہ تھا۔ لیکن میں اس کام کو حرام ہی سمجھتا رہا۔ آخر چار دن کام کرکے میں نے کہہ دیا کہ میں آپ کے یہاں کام نہیں کروں گا۔ انھوں نے بہت سمجھایا لیکن میں رکا نہیں۔ انھوں نے میرے کام اور لگن کی بھی بہت تعریف کی۔ لیکن میں یہ کام چھوڑنے کا فیصلہ ہی کر چکا تھا۔ آخر میں نے چار دن کا معاوضہ -/45 روپے لے کر کام ختم کر دیا۔

میں معمہ والوں کے یہاں سے آ رہا تھا راستہ میں ایک جے پوری دوست سے ملاقات ہوئی جو کہ دہلی میں بھارت لاٹری میں کام کرتا ہے۔ میں نے اس سے تذکرہ کیا کہ میں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔ تو اس نے کہا کہ ایک جگہ خالی ہے۔ میں تم کو -/500 روپے میں لگوا دوں گا۔ کام یہ ہوگا کہ لاٹری کے ٹکٹ بیچنا ہوں گے۔ اور لاؤڈ اسپیکر پر لاٹری کا اعلان کرنا ہوگا۔ میں نے لاحول پڑھی اور اس سے کہا کہ میں ابھی ابھی اسی قسم کے کام کو لات مار کر آ رہا ہوں۔ اس نے بہت کہا، اور کہا کہ یہ تو تمہاری محنت ہوگی۔ پھر اس میں کیا حرج ہے لیکن میں نے کہا کہ چور اور ڈاکو بھی تو محنت کرتے ہیں اور محنت ہی کرکے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر ڈاکہ ڈالتے ہیں تو کیا وہ بھی حلال ہوا۔ تو وہ چپ رہا اور میں اپنی راہ ہو لیا۔

ابھی کچھ ہی دور چلا تھا کہ رامپور کے قاسم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سلام دعا کے بعد انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس شام کو ساکیت کالونی مالوی نگر آنا۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ آؤں گا مغرب بعد مولانا سید حامد علی صاحب کے پاس ملنے گیا۔ وہیں احراز صاحب اور مظفر سے ملاقات ہوئی۔ وہیں کھانا بھی کھایا اور اب آٹھ بج گئے۔ میں نے مولانا حامد علی صاحب سے کہا کہ مجھے اجازت دیں۔ میں ساکیت کالونی جاؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ اب نہ جاؤ رات زیادہ

ہو جائے گی تو واپسی میں بس کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن میں قاسم صاحب سے وعدہ کر چکا تھا۔ اس لئے ساکیت کالونی ساڑھے نو بجے پہنچ گیا۔ ساکیت کالونی کا راستہ بس کے ذریعہ لال قلعہ سے ایک گھنٹہ کا ہے۔ میں قاسم صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مالک مکان اور قاسم صاحب دونوں ابھی ابھی کہیں چلے گئے ہیں۔ اور اب صبح ہی آئیں گے۔ میں واپس چلا آیا اور بس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن بس نہیں ملی۔ بسوں کی سروس دہلی میں ساڑھے دس گیارہ بجے ختم ہو جاتی ہے۔ جب بس نہیں ملی تو میں نے سوچا کہ کیا کرنا چاہیے۔ رات کہاں گذاروں؟ رات کے گیارہ بج چکے تھے تو پھر واپس جہاں قاسم صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ گیا۔ نوکر سے کہا کہ مجھے رات بھر ٹھہرالو لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ مالک نہیں ہے اور ہم تمہیں جانتے بھی نہیں۔ کیسے ٹھہرالیں؟

میں واپس آیا اور سوچا کہ کسی مسجد میں ٹھہروں لیکن وہاں دو مسجدیں تھیں اور دونوں میں تالے پڑے ہوئے تھے۔ وہیں ایک ہوٹل تھا۔ چائے منگا کر پی۔ وہیں ایک صاحب سے بات چیت ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ چلو میرے ساتھ۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک ہال جیسا نظر آیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ بیماریوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ تم بھی یہیں سو جاؤ۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ میں وہیں لیٹ گیا۔ جھولا اپنے سر کے نیچے رکھا۔ جیب میں 45/- روپے متعمہ والوں کے دئے ہوئے تھے۔ اور تھیلے میں 50-5/ روپے۔ صبح ہوئی تو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا۔ پھر جب جیب دیکھی تو 45/- روپے غائب تھے۔ خدا جانے گر گئے یا وہیں کسی مسافر نے نکال لئے۔ بہرحال میں نے افسوس کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کی کمائی ضائع کر دی۔ اور جو تکلیف ہوئی تو میں نے کہا کہ حامد علی صاحب کا کہا نہ مانا۔ اس لئے رات

میں بس بھی نہ ملی۔

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد میں او کھلا گیا اور دوسرے دن سے آج تین دن ہو گئے ایک ایسی جگہ پر کام کر رہا ہوں۔ جسے آپ بھی پسند نہیں کریں گے اور میں بھی پسند نہیں کرتا ہوں۔ لیکن ایک حدیث ہے کہ دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی کو مجبوری میں اپنا لو۔

یہ ہے میری آپ بیتی۔ آپ یہ خط قاسم صاحب کو بھی پڑھوائیں تاکہ انھیں بھی معلوم ہو جائے کہ ان کی خاطر مجھے کتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔

اب آپ کے کان کا کیا حال ہے۔ آپ دہلی کب تک آ رہے ہیں لکھئے گا۔ والسلام

Z.I.R — 230 ABUL FAZAL ENCLAVE
JAMIA NAGAR . NEW DELHI-110025

نماز وہ چیز ہے جو مادی انسان کو روحانی انسان میں تبدیل کر کے اس کو خدا سے جوڑتی ہے۔ نماز کے ذریعہ بندہ اپنے آپ کو تصورات کی اس دنیا میں لے جاتا ہے جہاں وہ اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے۔ جہاں وہ خدا سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور یہ نماز جب اندھیری رات کی تنہائیوں میں پڑھی جاتی ہے تو اس کی تاثیر کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

نماز نام ہی دراصل اس بات کا ہے کہ خدا کے سامنے اپنی عاجزی اور بےچارگی کا اظہار کیا جائے۔ نماز اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا کی خدائی اور اس کے مقابلے میں بےبسی کا اعتراف ہے۔ بندہ قادر مطلق کے سامنے اپنی عاجزی کو پیش کر کے اسکی رحمت کی درخواست کرتا ہے کہ جس خدا پر وہ ایمان لایا ہے اسکو واقعی معنوں میں اپنا خدا بنائے اور اپنے تمام معاملات میں کائنات کے مالک کا سہارا پکڑے۔ (مبشرہ بیگم۔ بلند شہر)

# سنگدلی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (البقرہ ۷۴)
پھر تمہارے دل سخت ہو گئے پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

رفتہ رفتہ گناہوں سے دل سخت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کے دلوں میں رحم باقی نہیں رہتا۔ وہ درندوں کے مانند ہو جاتے ہیں جس قدر ان کے گناہ بڑھتے جاتے ہیں دل کی سختی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ ابتداء میں مجرم کو اپنے کیے پر پشیمانی اور گھبراہٹ محسوس ہوا کرتی ہے مگر بار بار ایسا کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس کو احساس باقی نہیں رہتا۔

وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران - ۱۵۹)
اگر تو (اے محمد) بدمزاج سخت دل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے کبھی کے بھاگ گئے ہوتے۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اگر آپ سخت دل ہوتے تو کوئی بھی آپ کے پاس نہ آتا۔ اللہ کی رحمت سے آپ رحم دل پیدا کیے گئے ہیں۔ سنگدلی کا بہترین علاج ذکر موت ہے۔ حرام کھانے سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے۔

# شیخی

وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (الحدید - ۲۳)
شیخی کیا کرو اس کے دیئے ہوئے پر۔

کم ظرف جہاں ذرا بڑھتے ہیں شیخی بگھارنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی دولت و عزت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ شریف لوگ دولت و عزت پانے پر بھی خاموش رہتے ہیں۔ شیخی انسان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (الحدید ۲۳)
اللہ پسند نہیں کرتا کسی اترانے والے فخر کرنے والے کو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شیخی باز کی باتیں سن کر لوگ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں بظاہر عزت بھی کرنے لگتے ہیں مگر جب وہ ان کے سامنے سے چلا جاتا ہے تو وہی اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس کے برعکس بڑے لوگ جو شیخی باز نہیں ہوتے لوگ ان کی تعریف کیا کرتے ہیں کہ دیکھو کس قدر بڑا آدمی کس قدر تواضع کی باتیں کرتا ہے۔

## طعنہ زنی

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات — ۱۱) کسی کو عیب نہ لگاؤ اور چڑانے کے لئے بُرے نام نہ لو۔

انسان کو اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیئے۔ طعنہ زن اپنے عیبوں سے اندھا ہوتا ہے۔ ہنسی اُڑانے کے لئے بُرے نام ڈالنا بھی گناہ ہے۔ اس سے جھگڑے فساد، کینہ و غضب پیدا ہوتے ہیں اولاد کے بُرے نام رکھنا بھی اچھا نہیں۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ (الہمزہ — ۱) خرابی ہے ہر طعنہ زن عیب جُو کے لئے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ (القلم ۱۰ — ۱۱) مت کہا مان کسی قسمیں کھانے والے لوفر، طعنہ زن کا۔

طعنہ زن اپنی پگڑی بھی اُچھالتا ہے اور دوسروں کی بھی اگر کوئی تمہارے ساتھ یہ حرکت کرے تو اس کا جواب نہ دو۔ وہ خود خاموش ہو جائے گا۔ طعنہ زن جو عیب لگاتا ہے انصاف کی نظر سے اس کو اپنے اندر دیکھو اور کوشش کرو کہ یہ باتیں تم سے دور ہو جائیں۔

## ظلم

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ ۱۹۰) کسی پر زیادتی نہ کرو خدا زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

کسی کو بیجا تکلیف دینا، حق مارنا، ضرورت سے زیادہ بدلہ لینا، بے وجہ جانی ومالی نقصان پہنچانا ظلم کہلاتا ہے۔ بنا بر بغض وعداوت کے بھی ناانصافی کرنا ممنوع ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ، (المائدہ — ۲)

نہ آمادہ کردے تم کو ظلم کرنے پر دشمنی اس قوم کی جس نے تم کو مسجدِ حرام سے روکا تھا۔

ظالموں کی مذمت سے قرآن حکیم اور کتب احادیث بھری ہوئی ہیں۔ شریعتوں کے قوانین حکمتوں کے قوانین سب اسی کے بند کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں کوئی صاحبِ عقل اس سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ ظلم انتہائی بُری چیز ہے۔ جانوروں پر بھی ظلم کرنا حرام ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی میں مروی ہے۔

# حقوقِ والدین

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ، (بنی اسرائیل ۲۳ — ۲۴)

تیرے پروردگار نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں اور والدین کے ساتھ احسان کرو اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو ان کو اُف بھی مت کہو اور نہ ان کو جھڑک اور اُن سے عمدہ باتیں کر۔ ان کے لئے رحمت کے بازو بچھادے اور کہہ اے پروردگار ان پر رحم کر جس طرح ان دونوں نے مجھے بچپنے سے پالا۔

ماں باپ اگر بوڑھے ہوجائیں تو ان کو کمزور سمجھ کر (تو) بھی مت کہہ۔ یہ آیت کس قدر

عجیب ہے۔ کسی آسمانی وغیر آسمانی کتاب میں اس سے بہتر مضمون اطاعتِ والدین کے بارے میں نہیں ملتا۔

ماں باپ کی نافرمانی سوائے واجبات اور فرائض کی مخالفت کے حرام ہے۔ فی زمانہ والدین کا لوگ بہت ہی کم خیال کرتے ہیں اور تعلیم یافتہ حضرات تو والدین کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ حالانکہ اس طبقہ کا فرض تھا کہ والدین کی زیادہ سے زیادہ قدر کرتا۔

## عیب جوئی

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ﴿الہمزہ - ۱﴾ خرابی ہے ہر طعنہ زن عیب جُو کے لئے۔

دوسروں کی عیب جوئی سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا سوائے فتنہ و فساد میں پڑنے کے چار آدمیوں کو اپنا دشمن بنانے کے اور کچھ نہیں ملتا۔ دنیا میں تو اس کی سزا اس صورت سے ملتی ہے اور آخرت میں ماخوذ ہوتا ہے۔ مرد وہ ہے جو اپنے عیبوں کی جستجو میں رہتا ہے اس طور سے اپنی اصلاح ہو سکتی ہے مگر غیروں کی عیب جوئی سے کیا فائدہ مثل مشہور ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا ہے اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی شہتیر معلوم ہوتا ہے۔

عیب ہر شخص میں ہوتے ہیں اور جن لوگوں میں عیب زیادہ ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ عیب جُو ہوتے ہیں۔

انسان کو چاہئے ہمیشہ غیروں کے عیوب سے چشم پوشی کرے اور اپنے عیوب کی جستجو میں رہے۔

## غُرور

فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿الزمر - ۷۲﴾ غرور کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ذٰلِكُم بِمَا كُنتُم تَفرَحُونَ فِي الاَرضِ بِغَيرِ الحَقِّ وَبِمَا كُنتُم تَمرَحُونَ ٥ اُدخُلُوا اَبوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا فَبِئسَ مَثوَى المُتَكَبِّرِينَ ٥ (المومن ۷۵، ۷۶)

یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم زمین پر ناحق اتراتے پھرتے تھے اور اکڑتے تھے۔ جہنم میں داخل ہوجاؤ، ہمیشہ کے لئے غرور کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

دنیا میں بھی غرور کرنے والے ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔

فَاليَومَ تُجزَونَ عَذَابَ الهُونِ بِمَا كُنتُم تَستَكبِرُونَ فِي الاَرضِ بِغَيرِ الحَقِّ (الاحقاف — ۲۰)

آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا تم ناحق زمین پر تکبر کرتے تھے۔

احادیث میں متکبرین کی سی وضع بنانے کو بھی منع فرمایا ہے مونچھیں چڑھانا، اکڑ کر چلنا، متکبرانہ انداز سے بیٹھنا، گفتگو کرنا۔ یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔

# غصب

وَلَا تَاكُلُوا اَموَالَكُم بَينَكُم بِالبَاطِلِ (البقرہ — ۱۸۸)

ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔

دھوکے یا زبردستی سے کسی کا مال لے لینا غصب کہلاتا ہے یہ قطعًا حرام ہے تقریبًا یہی الفاظ سورہ نساء پ۵ رکوع نمبر ۵ میں آئے ہیں۔

وَمَن يَغلُل يَاتِ بِمَا غَلَّ يَومَ القِيٰمَةِ (آل عمران — ۱۶۱)

جو کوئی چھپائے گا وہ لائے گا اپنا چھپایا ہوا قیامت کے دن۔

خیانت کرنے والا روز قیامت اپنے خیانت کردہ مال کو چھپا نہ سکے گا غصب وغبن کرنے والے کا بھی یہی حال ہوگا۔ ایسی حرکتیں دنیا میں بھی ذلت و رسوائی، بیماری و تباہی کا باعث ہوجاتی ہیں

شیخ محمد نصیر الدین رکن جماعت اسلامی حیدرآباد

# اور میں جماعت اسلامی کا رکن بن گیا

آج سے سترہ سال پہلے کی بات ہے کہ میں جماعت اسلامی کو اسی طرح ایک گمراہ جماعت سمجھتا تھا جس طرح میرے والد اور دیگر افرادِ خاندان سمجھتے تھے۔ اُن دنوں میرا چھوٹا بھائی شیخ رکن الدین تنِ تنہا جناب شبیر حسین عثمانی صاحب کی کوششوں سے جماعت اسلامی سے متاثر ہو چکا تھا اور اس جرم کی پاداش میں گھر والوں کی نظر میں مطعون تھا۔ میں بھی بڑی آواز کے ساتھ کہتا تھا کہ جس چیز کو تمہارے نانا، دادا اور ابا غلط سمجھتے ہیں۔ تم کیسے ناخلف ہو کہ تم ہاں تم! اُنہیں کے بطن سے پیدا ہو کر تم اس چیز کو صحیح کیسے کہہ سکتے ہو۔ کیا تم کو اتنا علم ہے جتنا اُنہیں حاصل ہے۔ میرا چھوٹا بھائی آیات اور احادیث سے مسئلے سمجھاتا اور جواب دیتا بعض مشرکانہ اور غیر اسلامی اعمال کو دلائل سے غلط ٹھیراتا۔ جس کے جواب میں ہمارے پاس آباواجداد کے اعمال ہوتے۔ قرآن و حدیث کے استدلال پر دل معترف ہوتا لیکن نفس بہکاتا۔ اس صورتحال کے سبب میں اپنی کم علمی پر شرمسار ہوتا اور بڑے درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اس صراطِ مستقیم پر جس کو اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کہتا ہے کچھ دن بعد مجھے ملازمت کے سلسلے میں کریم نگر ضلع جانا پڑا ساتھ چھوٹا بھائی تھا۔ حسن آباد کریم نگر میں جس کمرے میں قیام کیا وہاں ایک اور نوجوان محمد سلیم الدین صاحب سے سابقہ پڑا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی جماعت اسلامی کے حامیوں میں سے ہیں۔ چند دن ساتھ رہنے کے بعد اندازہ ہوا کہ لوگوں نے جماعت کے بارے میں جو بھیانک تصوّر دیا تھا وہ غلط ہے۔ جن کو لوگ نبیؐ اور اولیاء کے دشمن کہتے ہیں وہ کردار میں کتاب و سنت اور محبّ رسول کے سب

حجابی بہنیں

میرے پاس کچھ بچے پڑھنے آتے ہیں۔ ان بچوں میں سے ایک کا نام راشد رزاق ہے۔ وہ روز قاعدہ گم کر دیتا ہے۔ یا پھاڑ دیتا تھا۔ ایک دن اُسے سبق یاد نہیں تھا۔ مجھے غصہ آیا۔ میں نے غصے میں راشد سے کہا" روز قاعدہ گم کر دیتے ہو۔ آج میں تمہاری پٹیا کر دوں گی۔"

یہ سن کر راشد نے بڑے مزے سے جواب دیا" میں مگر اس قاعدے کو تو آٹھ دا ہو گئے ہیں۔ نہ میں نے گم کیا ہے، نہ ہی پھاڑا ہے۔" (عذرا پروین۔ غازی)

---

میری بہن مہر ساڑھے تین سال کی ہے اور بہت پیاری باتیں کرتی ہے۔ ایک دن ہمارے ہاں مہینے کا سودا گدھا گاڑی پر آیا۔ سامان میں کشمش بھی تھی۔ مہر کشمش نکال کر کھانے لگی۔ میری دوسری بہن نے پوچھا" کشمش کہاں سے آئی ہے۔ جو تم کھا رہی ہو۔" مہر جھٹ بولی "گدھا گاڑی پر آئی ہیں۔" (رفعت سلطانہ)

---

میری خالہ کی چھوٹی بیٹی افشاں اپنی امی کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ خالہ جان نے غصے سے کہا" افشیں کبھی تو شرافت کے ساتھ بیٹھ جایا کرو۔"

افشیں نے معصومیت سے کہا" امی شرافت بھائی تو گھر نہیں ہیں بیٹھوں کس کے ساتھ

میری بھابی کے دو بچے ہیں۔ بڑے لڑکے کا نام خالد ہے اور چھوٹے بھائی کا نام زاہد ہے ........ ایک دن کی بات ہے کہ بھابھی نے خالد سے کہا۔ کہ قینچی اٹھا کر دے لیکن وہ بڑے آرام سے بیٹھا رہا۔ اسی اثناء میں زاہد نے قینچی اُن کو دے دی تو انھوں نے ان کی پٹائی کی کہ کیوں تم نے چیز اٹھا کر نہیں دی۔ مار کھانے کے فوراً بعد ہی اس نے چمیٹا ان کو دے دیا۔ انھوں نے کہا۔

"یہ کیوں لائے ہو؟"

تو وہ بڑی معصومیت سے کہنے لگا۔ جب مار پڑتی ہے تو چیز اٹھا کر دینی ہی پڑتی ہے۔" (ریحانہ گلنار)

---

میرا بھائی کاشف جو چھ سال کا ہے۔ ایک دن صبح اٹھتے ہی اپنا خواب سنانے لگا۔ ہم بہت سارے لڑکے تھے۔ آصف بھی ساتھ تھا۔ (جو کاشف سے چھوٹا ہے) میں نے دیکھا کہ ہمارے ماسٹر صاحب کا گھر بہت خوبصورت ہے۔ ہم سب اس میں گھوم پھر رہے تھے۔ اتنے میں ماسٹر صاحب آجاتے ہیں۔ اور ہم سب بھاگتے ہیں۔ میرا پاؤں پھسل جاتا ہے اور میں کنوئیں میں گر جاتا ہوں۔"

آصف جو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جھٹ بول اُٹھا: "میں اُس وقت کہاں تھا؟"

(فردوس کنول)

---

# خبر و نظر

## یہ اپنے وطن میں

لڑکیوں اور عورتوں کو ملازمت حاصل کرنے کے لئے اپنی صلاحیت سے زیادہ اپنے جسم اور خوبصورتی پر انحصار کرنا پڑتا ہے یہی نہیں بلکہ ترقی کے مراحل کرنے اور ملازمت کو برقرار رکھنے کے لئے بھی، انہیں دوسری چیزوں سے کہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے ہمہ وقت تیار یہ انکشاف حال ہی میں خواتین کی ایک میگزین مانشی کی ایڈیٹر مسز مدھو کشور نے کیا مسز کشور کا کہنا ہے کہ خواتین کے استحصال کی کوششیں ہر سطح پر اور ہر طبقے میں کی جا ہیں۔ انھوں نے مختلف مثالیں دے کر یہ بتایا ہے کہ مردوں کی جنسی ہوس کی تسکین سامان بننے سے انکار کرنے والی لڑکیوں کو کس طرح ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑ سرکاری دفاتر، پرائیویٹ ادارے، تجارتی فرمیں، اسپتال اور گھریلو ملازمت زندگی کا کوئی بھی دائرہ اس لعنت سے پاک نہیں ہے۔

اس صورت حال کا سامنا ان خواتین کو ہے جن کے بارے میں یہ کہا جاتا انھوں نے مردوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لی ہے، جو مرد کے شانہ بشانہ ترقی میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ جو اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مردوں کی محتاج نہیں ہیں جو جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم و آگہی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن نما[illegible] کیا ملا؟ کیا اس آزادی اور خود اکتفائی کی حقیقت بس اتنی نہیں ہے؟

فۂ حیات کے روپ میں فکر معاش سے آزاد، اپنے گھر کی چہار دیواری میں عزت
ہر دکی زندگی گزارنے کے بجائے وہ بہت سے مردوں کی محتاج اور دست نگر بن کر
ئی ہے ایک مرد کی "غلامی" سے نجات حاصل کر کے، اس نے کئی مردوں کی غلامی
وق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اسے جو وقت اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرنا تھا
دوسروں کی ہوس کی تسکین پر، اور اپنے آپ کو ان کی ہوس کی تسکین کے قابل بنائے
نے پر صرف کرنے لگی۔ نتیجے کے طور پر وہ عائلی ڈھانچہ ہی چرمرا کر بیٹھ گیا جو ایک صحت
معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔

کاش آنکھیں بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے ان حقائق سے سبق سیکھتے اور
یکھنے کی زحمت گوارہ کرتے کہ اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان دائرہ کار کی تقسیم
بنیاد پر عائلی زندگی کی جو ٹھوس بنیادیں فراہم کی ہیں۔ وہ کتنی حقیقت پسندانہ ہیں۔
حقیقی معنوں میں مجبور، بے بس اور مظلوم عورت نہیں ہے بلکہ وہ فکر معاش سے آزاد اپنے
ر کے سیاہ و سفید کی مالک ہے یا ان کے برعکس جو ملازمت حاصل کرنے یا اپنے پاؤں پر آپ
ے ہونے کے جذبے کی تسکین کے لئے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے اوباش مردوں کی
س کا نشانہ بنتی ہیں۔؟ بشکریہ دعوت

# چار باتیں

از نصائح فرید الدین عطار ؒ

اد کرنا ۲ عقل و ہوش رکھنا ۳ مصیبتوں پر صبر کرنا ۴ لوگوں کی عزت کرنا چار باتیں ایسی ہیں جن کو دنیا کا
ناپسند کرتا ہے۔ ۱ حسد اور کینہ ۲ تکبر اور خود بینی ۳ غصہ کو نہ پینا ۴ بخیلی کرنا۔ چار باتیں ایسی ہیں جن پر عمل
سے انسان جنت کے اعلیٰ درجہ میں رہ سکتا ہے۔ (۱) خدا سے ڈرتے رہنا ۲ رزق حلال کی جستجو کرنا ۳ راہِ
پر چلنا ۴ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کرنا۔ چار باتیں ایسی ہیں جن کو ترک کرنے سے انسان بہت بڑا مدبر
تا ہے۔ ۱ بیوقوف سے مشورہ کرنا ۲ دولت جاہل کے حوالے کرنا ۳ دوستوں کی نصیحت قبول نہ کرنا ۴ دنیا سے عبرت حاصل نہ کرنا

# تعلیمِ نسواں

سیدہ فاطمہ زہرہ: نوگن کالج بیٹر

دنیا میں کوئی چیز اس وقت کامل نہیں کہلائی جا سکتی جب تک اس کے تمام اجزاء ہر لحاظ سے مکمل نہ ہوں۔ اسی طرح انسان کا گھر جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، شائستہ مہذب اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا جب تک یہ دونوں افراد باہم ترقی نہ کریں۔ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ صرف ایک پہیے سے گاڑی نہیں چل سکتی بلکہ منزلِ مقصود تک صحیح و سلامت پہنچنے کے لئے دونوں پہیوں کو مضبوط ہونا لازم ہے۔ جب تک مرد اور عورت دونوں تعلیم نہ پائیں تب تک ہم پوری رفتار سے ترقی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ بچوں کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ اگر ماں تعلیم یافتہ سلیقہ شعار ہوگی تو اس کی اولاد بھی بااخلاق اور باادب ہوگی۔ دنیا میں جتنی نامور ہستیاں گزری ہیں ان سب نے تعلیم یافتہ ماؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہے۔ مثلاً سکندرِ اعظم، نپولین، سرسید، شیواجی، محمد سراج اور ودیا ساگر وغیرہ۔

عورت کو مندرجہ ذیل باتوں کی تعلیم دینا نہایت ضروری ہے:

**مذہبی تعلیم:-** مذہبی تعلیم عورت کے لئے اشد ضروری ہے کیونکہ عورت کی مذہبی تعلیم تمام سوسائٹی کو مذہب کی طرف مائل کرتی ہے اور بچوں پر خصوصاً کافی اثر پڑتا ہے

اس سے عورت میں خدا کا خوف، انصاف، پرہیزگاری، عصمت صبر اور توکل پیدا ہوتا ہے عورت جاہلانہ رسوم اور اوہام پرستی سے محفوظ رہتی ہے۔

**اپنی زبان کی تعلیم:۔** عورتوں کو اپنی زبان کی تعلیم ضرور دینی چاہیئے، تاکہ وہ اپنے عزیزوں اور جو اُن سے دور ہوں ان سے خط و کتابت کر سکیں اور انھیں غیروں سے خطوط لکھوانے اور پڑھوانے کی ضرورت نہ پڑے۔

**علم حساب:۔** کوئی دن ایسا نہیں جس دن انسان کو علم حساب کی ضرورت نہ پڑے، اس لئے ہر عورت کو اتنا حساب آنا ضروری ہے جس سے وہ اپنی آمدنی اور خرچ کا حساب کر سکے۔ ناخواندہ عورتیں ذرا ذرا سے لین دین میں دھوکا کھا جاتی ہیں اور گھر کی آمدنی کا ایک حصّہ جہالت کے ہاتھوں برباد کرتی ہیں وہ اپنی انگلیوں پر حساب کرتی ہیں جو اکثر غلط ہوتا ہے علاوہ بریں علم حساب طبیعت میں غور و خوض اور کفایت شعاری کی عادت ڈالتا ہے۔

**اصول خانہ داری:۔** ہر عورت کے لئے اصول خانہ داری سے واقف ہونا لازم ہے۔ سینا، پرونا، کھانا پکانا، نوکروں کی نگرانی، بچوں کی نگہداشت، اور ان کی پرورش و تربیت کے اصولوں سے واقف ہونا ضروری ہے، امور خانہ داری کی قابلیت کے بغیر کوئی بھی عورت صحیح معنی میں عورت کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔

**علم حفظانِ صحت:۔** عورتوں کو بھی صحت اور توانائی کی ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے جیسے مردوں کو ہوتی ہے۔ اگر عورتیں بھی علم طب اور ڈاکٹری کی مہارت حاصل کریں تو ہزاروں جانیں تکلیف سے بچ جائیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم حاصل کر کے عورتیں بگڑ جاتی ہیں۔ ان کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ان کا خیال خام ہے کیونکہ علم ایک نور ہے جو جہالت کی تاریکی کو دور کر کے گمراہی سے بچاتا اور شرافت کی طرف لے جاتا ہے اور اخلاق کو معیاری بناتا ہے۔

# آتشِ حاتم

قسط ۶

## اب تک کہانی کا خلاصہ

حاتم کی ابتدائی تعلیم امانت انٹر کالج میں ہوئی۔ پرنسپل صاحب کا بیٹا وشوناتھ اسی کے کلاس میں پڑھتا تھا۔ وشوناتھ حاتم سے بڑھ جانا چاہتا تھا مگر ہر امتحان میں حاتم اس سے بازی لے جاتا۔ وشو (وشوناتھ) کو حاتم سے حسد پیدا ہو گیا اور اس نے سالانہ امتحان سے ایک دن پہلے موقع پا کر حاتم کو دریا میں ڈھکیل دیا لیکن حاتم بچ گیا۔ مگر وہ امتحان نہ دے سکا۔ اس طرح حاتم فیل ہو گیا اور وشو نے پہلی پوزیشن حاصل کر لی لیکن ٹھیک تقسیمِ انعام کے دن اس نے صدرِ جلسہ سید صادق حسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔ کو ایک تحریر دے کر اپنی حرکت سے آگاہ کر دیا۔ سید صاحب اس سے بہت خوش ہوئے۔ اُسے عظیم انسان کہا۔ اس کے بعد سید صاحب نے حاتم کی تعریف کی اور اُسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ آگے چل کر اُسے علیگڑھ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں ایک آسٹرین لڑکی ایرنا اسی کے درجے میں تھی۔ ایرنا کو ایک سکھ نوجوان سے محبت تھی۔ سکھ نوجوان نے شرط رکھی کہ اگر ایرنا ایم۔ اے۔ میں ٹاپ کرے تو وہ اُس سے شادی کر لے گا۔ یہ شرط بڑی مشکل تھی۔ حاتم ایرنا کی راہ میں پہاڑ بنا ہوا تھا۔ ایرنا اُس کے اخلاق و کردار سے واقف تھی۔ اُس نے حاتم سے التجا کی کہ وہ اس سال امتحان نہ دے۔ حاتم نے منظور کر لیا اور وہاں سے چل کر ایک گاؤں میں پہنچا۔ گاؤں کا نام چمردھا تھا۔ اس گاؤں اور اس کے آس پاس کے گاؤوں میں اچھوت آباد تھے۔ وہ سب کے سب حاتم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر مشہور ہوئی تو شرپسندوں نے ایک شور مچا دیا۔ اُن کے اخباروں نے الزام لگایا کہ پیسے کے لالچ میں یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اس کی روک تھام کرے۔ اسمبلی میں بھی سوال اُٹھایا گیا تو چمردھا کے علاقے کے اچھوت ممبر جو اب مسلمان ہو چکے تھے اور جن کا نام فاروق احمد رکھا گیا تھا، انھوں نے اسلامی مساوات اور اسلامی عقیدوں کے بارے میں بڑی اچھی تقریر کی۔ پھر سید صادق حسین صاحب نے بھی تقریر کی۔ ان دونوں تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ کئی اچھوت ایم۔ ایل۔ اے مسلمان ہو گئے۔ پھر مسلمان اور ہندوؤں کے وفد چمردھا کے اطراف میں پہنچے۔ شرپسندوں نے نومسلموں کو بہت سمجھایا اور دھمکایا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں لیکن سب ناکام لوٹے۔ انہی دنوں حاتم نے اپنے ساتھی مبارک کی شادی نومسلمہ کاملہ بی سے کرا دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اب تک جو اچھوت مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد آگے کہانی اس طرح ہے:

# ایک جلوس کی تیاری

مبارک اور کاملہ کی شادی ہونے سے چرودھا اور آس پاس کے گاؤں والوں کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ سچ مچ اسلام میں مساوات (انسان انسان ہونے کے ناتے برابری) ہے۔ ابھی تک جو اچھوت مسلمان ہونے سے باقی رہ گئے تھے اب وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

اونچی ذات کے جو لوگ تھے اُن پر دو طرح کا اثر ہوا۔ ان میں جو شر پسند تھے اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انھوں نے دل میں ٹھان لیا کہ اب چاہے جو کچھ ہو حاتم اور ان نو مسلموں کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ وہ سب خفیہ تدبیریں کرنے لگے۔ ناجائز طریقے سے اسلحہ اکٹھا کرنے لگے۔ نیک دل ہندوؤں نے ایسا کرنے سے روکا تو اُن کو ڈانٹ دیا گیا۔ انھیں ڈرا دھمکا دیا گیا کہ اگر تم نے روک ٹوک کی تو تمہارا حال بھی وہی ہوگا جو نو مسلموں کا ہونا ہے۔ بے چارے نیک دل ہندو سہم کر خاموش ہو گئے۔ پھر بھی اُن میں سے جو بہت ہی امن پسند تھے انھوں نے فاروق چودھری کو چپکے سے خبر کر دی کہ ایسا ہونے والا ہے۔ اپنے بچاؤ کا پربندھ کر لو۔ ہم لوگ تمہاری کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے۔

شر پسندوں نے "دھرم بدلی بند دوس" منانے کے لئے پروگرام بنایا۔ تاریخ مقرر کر کے جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ یہ جلوس ہریجن آبادی کے آٹھوں گاؤوں میں جائے گا۔

فاروق چودھری، مکھیا، کلو کاکا اور بابا سے رائے ملانے بیٹھے۔ سوچا جانے لگا کہ فسادیوں سے بچنے کی کیا تدبیر کی جائے۔

حاتم بھی مدافعت (بچاؤ) کرنے کا حامی تھا۔ اس نے کہا کہ ناکہ بندی کر لینا چاہئے۔ رات کے وقت خاص طور سے چوکنا رہنا چاہئے اور جب فسادی حملہ کریں تو نعرۂ تکبیر بلند کرنا چاہئے۔ اللہ پر بھروسہ اور اُس سے سلامتی کی دعا کرنا چاہئے۔

آٹھوں گاؤوں کے لوگ جو اپائے کر سکتے تھے کرنے لگے۔ سب نے جان پر کھیل جانے کی ٹھان لی

پھر بھی یہ سوچ کر سب کے جی چھوٹے جا رہے تھے کہ بندوقوں اور تیزاب کی بوتلوں اور آتشیں اسلحہ کے مقابلے میں ہم کس طرح ٹھہر سکیں گے۔ مطلب یہ کہ آٹھوں گاؤوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ نوجوانوں کا کہنا تھا کہ ٹھیک ہے، ہم فسادیوں کو مار نہیں سکتے لیکن اللہ کے دین پر مر تو سکتے ہیں۔ حاتم بھیا نے کئی بار یہ بات قرآن و حدیث پڑھ کر سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کو اُس کے کرموں کا حساب کتاب لئے بغیر ہی جنت دے گا۔ ہم کو اور چاہیئے ہی کیا۔ یہی تو ہم نے اپنے رب سے پرتگیا کی ہے۔ اِن نوجوانوں نے سینہ تان کر یہ کہا تو عورتوں میں بھی جوش پھیل گیا اور انھوں نے بھی شہید ہونے کے لئے کفن سر سے لپیٹ لیا۔

# سیوا کا پھل میوہ

شرپسندوں کے جلوس کی تاریخ کے تین دن باقی تھے کہ ایک رات ایک سکھ چمر ودھا آیا۔ وہ بابا کے گھر آیا اور حاتم سے ملا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اُس نے بتایا کہ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔ وہ درد کے مارے تڑپ رہی ہے۔ ابھی تک کوئی دائی نہیں مل سکی ہے۔ کوئی ہمارے یہاں جانے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کے بارے میں سُنا ہے کہ آپ اِنسانوں کے ہمدرد ہیں۔ آپ سچے مسلمان ہیں آپ ہیں ایک دائی تلاش کر دیجئے۔ آپ کا خدا آپ کو ثواب دے گا۔ حاتم نے بابا سے کہا۔ بابا نے مکھیا کو بلایا۔ مکھیا نے کہا "اِس میں کچھ دھوکا نہ ہو!" حاتم نے جواب دیا کہ چلو ہم ایک اِنسان کی مدد کے لئے دھوکا کھانے کو تیار ہیں۔ یہی تو مشہور ہوگا کہ گرونانک کے ایک چیلے نے مسلمان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ پھر مبارک اور کاملہ سے رائے ملائی۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔ بابا اور مکھیا نے کاملہ کو تیار دیکھا تو ایک تجربہ کار عورت سے کہا۔ وہ تنہا جانے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ حاتم نے کہا کہ میں ساتھ چلوں گا۔ اِس کے بعد جب سکھ دائی کو لے کر چلا تو حاتم اور مبارک بھی ساتھ ہو لئے۔ کاملہ کو روک لیا گیا۔

سکھ چمر ودھا سے چھ کلو میٹر دور بن کٹوا کے پاس جنگل کے کنارے اپنے کھیتوں میں گھر بنا کر رہتا تھا۔ خدا کی قدرت کہ جیسے ہی یہ لوگ پہنچے اور دائی نے دوا پلائی بچہ پیدا ہو گیا۔ دائی نے پکارا:

"سکھ بھائی لڑکا مبارک ہو"۔ سکھ اُداس بیٹھا تھا۔ وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ وہ برادری کے لوگوں کو خوشخبری سُنانے کے لئے دوڑا گیا۔

بارہ بجے اُس کے گھر کے دوارے سکھ برادری کے کچھ مرد اور عورتیں آ گئے۔ سب نے حاتم اور بابا کو سراہا۔ بہت احسان مانا اور کہا کہ تم پرواہ گرو کا سایہ ہو۔ تم بہت ہی بہادر اور دلیر ہو۔ ہم اِس احسان کے بدلے تم کو کچھ نہیں دے سکتے۔ احسان کی قیمت کوئی نہیں لگا سکتا۔ صبح کے وقت سکھوں نے بڑے خلوص سے ناشتہ کرا کے حاتم اور مبارک کو رخصت کیا۔ دائی کو سو روپیہ ایک جوڑا کپڑا، چاول اور گڑ دیا اور چمرودھا کے نمبر تک پہنچا گئے۔

جس دن فسادیوں کا جلوس نکلنے والا تھا اُس سے ایک دن پہلے بن کٹوا کی طرف سے ایک جلوس نکلا۔ سڑکوں پر سیکڑوں سکھ مرد اور عورتیں تلواریں اور کٹاریں لئے واہ گرو کے ساتھ حاتم بھیّا کی جے ہو کے نعرے لگاتے ہوئے چمرودھا کی طرف آ رہے تھے۔ ایک ہاتھی پر ایک بزرگ سکھ پیلے کپڑے پہنے بڑی سنجیدگی کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اُن کے آگے ایک کار پر لاؤڈ اسپیکر نصب تھا اور اندر سے بابا فرید کے بھجن گائے جا رہے تھے۔ ہاتھی کے آس پاس کچھ سکھ اونٹوں پر بیٹھے، کندھوں پر تلوار رکھے ہوئے ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے۔ اُن کے پیچھے ٹرک اور بہت سے سکھ پیدل قطار در قطار چل رہے تھے۔

حاتم کو خبر ہوئی تو وہ بابا اور مکھیا کو لے کر سواگت کو بڑھا۔ سکھوں کے گرو نے کہا کہ ہم اِسی طرح جلوس کے ساتھ فاروق چودھری کے یہاں چلیں گے تو چمرودھا کے بہت سے لوگ ساتھ ہو گئے۔ اب یہاں سے اُن کا نعرہ یہ تھا:

"ہندو مسلم سکھ عیسائی۔ ہم سب ہیں بھائی بھائی"

گرو صاحب نے حاتم کو ہاتھی پر اپنے برابر بٹھا لیا۔ مبارک نے بڑھ کر چودھری کو خبر کی تو اُس نے جلدی میں جو کچھ ہو سکا سواگت کا انتظام کیا۔ گاؤں میں جو مٹھائی مل سکی منگا کر سجا دی۔ پھر بڑھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہاتھی بٹھایا گیا تو چودھری اور مکھیا اور بابا وغیرہ بڑے بوڑھوں نے گرو کو سہارا دے کر اُتارا۔ پلنگوں پر

سب کو بٹھایا۔ کھان پان سے سب کی خاطر اور تواضع کی۔ دو تین گھنٹہ ٹھہر کر جلوس جس طرف سے آیا تھا اُسی طرف چلا گیا۔ کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس جلوس کا مقصد کیا تھا اور کیوں اِدھر آیا تھا لیکن پھر دوسرے دن شر پسند لوگوں کا جلوس نہ نکلا۔ پتہ ہی نہ تھا کہ اُن کے بہادر کہاں چلے گئے۔

# اِحسان کا بوجھ

یہ بات کہنے کی نہیں کہ سکھ بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے پیشے کرتے ہیں۔ ان میں انجینیر بھی ہیں، کاریگر بھی، تجارت پیشہ بھی۔ چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں اُن کو عار نہیں۔ بن کٹوا کے پڑوسی سکھ چودھا والوں کے احسان کا بدلہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح اِس بوجھ کو ہلکا کریں۔

ایک دن سکھوں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام قبول کرنے والے نومسلموں نے دس ایکڑ زمین میں مسجد اور اپنا مدرسہ بنانا طے کیا ہے لیکن اُن کو کہیں سے نہ اینٹ مل رہی ہے اور نہ لکڑی لوہا۔ برہما پور کے دوکانداروں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ سکھوں میں بہترین بڑھئی تھے۔ ایسے بھی جن کے پاس لوہے اور سیمنٹ کا لائسنس تھا۔ انھوں نے مِل بیٹھ کر رائے مِلائی۔ پھر کنشی پورا کر چودھری صاحب سے ملے اور کہا کہ آپ ہم سے سودا کریں۔ ہم آپ کے لئے بھٹہ لگائیں گے۔ آپ کو جتنی اینٹ کی ضرورت ہو گی ہم دیں گے۔ لوہا لکڑی بھی فراہم کریں گے آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔

یہ سُن کر چودھری صاحب بہت خوش ہوئے۔ شر پسندوں کے ہُلڑ مچانے اور پریس نمائندوں کے بیانات سے قبولِ اِسلام کرنے والوں کے بارے میں دور دور تک کے لوگ جان گئے تھے۔ دیس بھر کے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی جا چکی تھی۔ چندہ برابر آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ دورہ کرنے آتے تو وہ بڑی بڑی رقم دے جاتے۔ اِس طرح چودھری کو پیسے کی فکر نہ تھی۔ فکر تھی اینٹوں کی، لوہے کی، لکڑی کی، سیمنٹ کی۔ اِس کے لئے سکھوں نے کہا تو چودھری نے اسی وقت ہر سامان کے لئے پانچ پانچ ہزار کا بیعانہ دے کر رسید لے لی۔ سکھ بہت خوش ہوئے اور وہ ان چیزوں کی فراہمی کے جتن کرنے لگے۔

چودھری صاحب نے اپنی ممبری کے اثر کو استعمال کیا۔ چھ ماہ کے اندر سکھوں نے اینٹوں، لکڑی، اور لوہے کی سلاخوں کے چھٹے لگا دیے اور کہہ دیا کہ رقم کی فکر نہ کرنا۔ کام شروع کرو۔ رقم آگے پیچھے مل جائیگی۔

اترتے جاڑوں میں زور رکھنا طے پایا۔ یہ بھی طے پایا کہ افتتاحی جلسہ کیا جائے اور اس میں ان تمام لوگوں کو بلایا جائے جنھوں نے کسی بھی صورت سے نومسلموں سے دلچسپی ظاہر کی ہے۔ جلسے کا ناظم حاتم کو بنایا گیا حاتم نے سب کے مشورے سے پروگرام بنایا۔ مشورے میں سکھوں کو شریک کیا۔ سکھوں نے پورے تعاون کا وعدہ کیا۔ جلسے کے لئے تدبیر اور دوڑ بھاگ ہونے لگی۔ سید صادق حسین صاحب ایم ایل اے کو اینٹ (سنگ بنیاد) رکھنا تھی۔ انھوں نے لکھا کہ میں اور عاصم صاحب گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ جلسے سے دو دن پہلے آجائیں گے۔ سید صاحب نے بہت سے ممبروں کو اپنی طرف سے مدعو کر لیا تھا۔

حاتم کو اپنی صلاحیت آزمانے کا بڑا اچھا موقع ملا۔ اس نے دس ایکڑ کی زمین میں چھوٹا سا گاؤں بسا دیا تھا۔ مسلمان معمار شہروں سے بلوائے تھے۔ کھانا پکانے اور کھلانے کے لئے سلیقے کے باورچی بھی آگئے تھے۔ باورچی اپنے ساتھ پکانے اور کھلانے کا سامان بھی لائے تھے۔ ایک ہفتہ پہلے سے دیگیں کھنکنے لگی تھیں۔ آٹھوں گاؤں کے بوڑھے، جوان، بچے، مردوں اور عورتوں نے دل وجان سے تعاون کیا۔ سب بڑے جوش کے ساتھ حاتم کے ایک ایک اشارے پر کام کر رہے تھے۔ دن کو آتے۔ رات کو چلے جاتے۔ حاتم کو دم مارنے کی فرصت نہ تھی۔ عائشہ پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی۔ وہ زبردستی اُسے چائے پلا دیتی، کھانا کھلا دیتی۔ کبھی کبھی حاتم کو زیادہ کام ہوتا تو عائشہ اور حاتم میں جھڑپ بھی ہو جاتی۔ دیکھنے والے اس دلچسپ جھڑپ سے بڑا لطف لیتے۔ ہوتا یہ کہ حاتم کام کی زیادتی سے بھاگا بھاگا پھرتا اور عائشہ کھانا لئے ہوئے اُس کے پیچھے ہوتی۔ اُسے پکڑ کر بٹھاتی اور اُس وقت تک نہ چھوڑتی جب تک حاتم کھانا نہ لیتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ پیمائش کرنے میں لگا ہوتا اور عائشہ ہاتھ میں پیالی لئے اُسے چائے پلاتی ہوتی۔ حاتم کو مبارک کے بارے میں تجربہ ہوا کہ وہ کام کا نوجوان ہے۔ وہ حاتم کا بہترین معاون ثابت ہوا۔

سید صاحب اور عاصم صاحب آئے۔ حاتم اور مبارک کو اندھا دھند کام کرتے دیکھا تو ڈانٹا کہ

سب کو بٹھایا۔ کھان پان سے سب کی خاطر اور تواضع کی۔ دو تین گھنٹے ٹھہر کر جلوس جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔ کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس جلوس کا مقصد کیا تھا اور کیوں اِدھر آیا تھا لیکن پھر دوسرے دن شر پسند لوگوں کا جلوس نہ نکلا۔ پتہ ہی نہ تھا کہ اُن کے بہادر کہاں چلے گئے۔

# اِحسان کا بوجھ

یہ بات کہنے کی نہیں کہ سکھ بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے پیشے کرتے ہیں۔ ان میں انجینیر بھی ہیں، کاریگر بھی، تجارت پیشہ بھی۔ چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں اُن کو عار نہیں۔ بن کٹوا کے پڑوسی سکھ چودھری والوں کے احسان کا بدلہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح اِس بوجھ کو ہلکا کریں۔

ایک دن سکھوں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام قبول کرنے والے نو مسلموں نے دس ایکڑ زمین میں مسجد اور اپنا مدرسہ بنانا طے کیا ہے لیکن اُن کو کہیں سے نہ اینٹ مِل رہی ہے اور نہ لکڑی لوہا۔ برہما پور کے دوکانداروں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ سکھوں میں بہترین بڑھئی تھے۔ ایسے بھی جن کے پاس لوہے اور سیمنٹ کا لائسنس تھا۔ انھوں نے مِل بیٹھ کر رائے مِلائی۔ پھر کنش پورا کر چودھری صاحب سے ملے اور کہا کہ آپ ہم سے سودا کریں۔ ہم آپ کے لئے بھٹہ لگائیں گے۔ آپ کو جتنی اینٹ کی ضرورت ہوگی ہم دیں گے۔ لوہا لکڑی بھی فراہم کریں گے آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔

یہ سُن کر چودھری صاحب بہت خوش ہوئے۔ شر پسندوں کے ہُلڑ مچانے اور پریس نمائندوں کے بیانات سے قبولِ اسلام کرنے والوں کے بارے میں دور دور تک کے لوگ جان گئے تھے۔ دیس بھر کے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی جا چکی تھی۔ چندہ برابر آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ دورہ کرنے آتے تو وہ بڑی بڑی رقم دے جاتے۔ اِس طرح چودھری کو پیسے کی فکر نہ تھی۔ فکر تھی اینٹوں کی، لوہے کی، لکڑی کی، سیمنٹ کی۔ اِس کے لئے سکھوں نے کہا تو چودھری نے اسی وقت ہر سامان کے لئے پانچ پانچ ہزار کا بیعانہ دے کر رسید لے لی۔ سکھ بہت خوش ہوئے اور وہ ان چیزوں کی فراہمی کے جتن کرنے لگے۔

چودھری صاحب نے اپنی ممبری کے اثر کو استعمال کیا۔ چھ ماہ کے اندر سکھوں نے اینٹوں، لکڑی، اور لوہے کی سلاخوں کے چٹے لگا دیے اور کہہ دیا کہ رقم کی فکر نہ کرنا، کام شروع کرو۔ رقم آگے پیچھے مل جائیگی۔

اُترتے جاڑوں میں نیو رکھنا طے پایا۔ یہ بھی طے پایا کہ افتتاحی جلسہ کیا جائے اور اس میں ان تمام لوگوں کو بلایا جائے جنھوں نے کسی بھی صورت سے نو مسلموں سے دلچسپی ظاہر کی ہے۔ جلسے کا ناظم حاتم کو بنایا گیا حاتم نے سب کے مشورے سے پروگرام بنایا۔ مشورے میں سکھوں کو شریک کیا۔ سکھوں نے پورے تعاون کا وعدہ کیا۔ جلسے کے لئے تدبیر اور دوڑ بھاگ ہونے لگی۔ سید صادق حسین صاحب ایم ایل اے کو اینٹ (سنگ بنیاد) رکھنا تھی۔ انھوں نے لکھا کہ میں اور عاصم صاحب گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ جلسے سے دو دن پہلے آجائیں گے۔ سید صاحب نے بہت سے ممبروں کو اپنی طرف سے مدعو کر لیا تھا۔

حاتم کو اپنی صلاحیت آزمانے کا بڑا اچھا موقع ملا۔ اس نے دس ایکڑ کی زمین میں چھوٹا سا گاؤں بسا دیا تھا۔ مسلمان معمار شہروں سے بلوالئے تھے۔ کھانا پکانے اور کھلانے کے لئے سلیقے کے باورچی بھی آگئے تھے۔ باورچی اپنے ساتھ پکانے اور کھلانے کا سامان بھی لائے تھے۔ ایک ہفتہ پہلے سے دیگیں کھنکنے لگی تھیں۔ آٹھوں گاؤوں کے بوڑھے، جوان، بچے، مردوں اور عورتوں نے دل و جان سے تعاون کیا۔ سب بڑے جوش کے ساتھ حاتم کے ایک ایک اشارے پر کام کر رہے تھے۔ دن کو آتے، رات کو چلے جاتے۔ حاتم کو دم مارنے کی فرصت نہ تھی۔ عائشہ پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی۔ وہ زبردستی اُسے چائے پلا دیتی، کھانا کھلا دیتی۔ کبھی کبھی حاتم کو زیادہ کام ہوتا تو عائشہ اور حاتم میں جھڑپ بھی ہو جاتی۔ دیکھنے والے اس دلچسپ جھڑپ سے بڑا لطف لیتے۔ ہوتا یہ کہ حاتم کام کی زیادتی سے بھاگا بھاگا پھرتا اور عائشہ کھانا لئے ہوئے اُس کے پیچھے ہوتی۔ اُسے پکڑ کر بٹھاتی اور اُس وقت تک نہ چھوڑتی جب تک حاتم کھانا نہ لیتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ پیمائش کرنے میں لگا ہوتا اور عائشہ ہاتھ میں پیالی لئے اُسے چائے پلاتی ہوتی۔ حاتم کو مبارک کے بارے میں تجربہ ہوا کہ وہ کام کا نوجوان ہے۔ وہ حاتم کا بہترین معاون ثابت ہوا۔

سیّد صاحب اور عاصم صاحب آئے۔ حاتم اور مبارک کو اندھا دھند کام کرتے دیکھا تو ڈانٹا کہ

اوقات کو منظّم کر کے کام کرتے ہیں۔ ہر شخص پر اُس کے جسم کا بھی حق ہوتا ہے۔ پھر سید صاحب نے عائشہ سے کہا کہ بیٹی تم ہمارے بال بچّوں میں دل بہلاؤ۔ اب حاتم کو ہم اپنے ساتھ کھانا کھلا لیا کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔

حاتم کی ہدایت کے مطابق مبارک نے بڑی سادگی اور نفاست کے ساتھ جلسہ گاہ کو سجایا تھا۔ اس میں شرکت کے لئے حاتم نے ضلع کے حکام کو بھی مدعو کیا تھا۔ وہ خود چودھری صاحب کے ساتھ سب سے ملا اور شرکت کا وعدہ لیا۔

جلسے کے دن مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس دن اسٹیشن سے مہمانوں کو لانے کا منتظم ایک سکھ نوجوان دلیر سنگھ کے سپرد تھا۔ اُس نے بہت سے ٹرک، موٹریں اور رکشائیں پہلے سے طے کر لی تھیں۔ اسٹیشن سے جلسہ گاہ تک اُن کا تانتا بندھا تھا۔ دوپہر کو مہمانوں اور میزبانوں نے مل جل کر کھانا کھایا۔ دسترخوان پر سکھ بھی تھے۔ سکھوں نے گرونانک کی تعلیم کا بڑا اچھا نمونہ پیش کیا۔ انھوں نے زبان سے بھی کہا کہ ہمارے یہاں آدمی آدمی کے درمیان ذات پات کی بنا پر کوئی تفریق نہیں ہے۔

ذات پات نا پوچھے کوئی ❖ ہری کو بھجے سو ہری کا ہوئی

سیّد صادق حسین صاحب اور حاتم کے والد عاصم صاحب دو دن پہلے آچکے تھے۔ دونوں نے یہاں کا حال دیکھا۔ حاتم کی مقبولیت اور خود اُس کی دلچسپی کا جائزہ لیا۔ اِس کے بعد آپس میں کچھ مشورہ کیا اور پھر ان دونوں کا زیادہ تر وقت فاروق چودھری کے ساتھ گزرنے لگا۔ چودھری صاحب سے اکثر چپکے چپکے کچھ باتیں ہوتیں۔ آخر میں مبارک اور کاملہ کو بلایا۔ سیّد صاحب اور عاصم صاحب نے تنہائی میں اُن سے مشورہ کیا کہ حاتم اور عائشہ کا جوڑ کیسا رہے گا۔ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا:—

"بہت اچھا"

ان دونوں نے حامی بھری تو ان ہی سے کہا کہ اچھا اب تم دونوں حاتم کی رائے معلوم کرو۔ دونوں نے حاتم کے سامنے بات رکھی۔ اُس نے کہا کہ سیّد صاحب اور والد صاحب کو اختیار ہے۔ جہاں چاہیں، کریں۔ دل ماشاد چشم ما روشن۔

سید صاحب نے فاروق چودھری کو پیغام دیا۔ انھوں نے یہ رشتہ بہت پسند کیا۔ اسی وقت طے ہوا کہ نکاح جلسہ گاہ ہی میں پڑھایا جائے گا۔ صبح ہوتے ہوتے یہ بات مشہور ہو گئی لیکن سنگ بنیاد رکھنے کے بعد دو نکاح پڑھائے گئے۔ پہلے حاتم اور عائشہ کا نکاح ہوا۔ اس کے بعد چودھری کے لڑکے حسن اور مکھیا کی لڑکی حسنیٰ کا نکاح ہوا۔ تمام لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ پھر تقریریں ہوئیں۔ تقریروں کے بعد مسجد اور مدرسہ کے لئے لوگ چندہ دینے لگے۔ سب سے پہلے سید صادق حسین صاحب نے پچیس ہزار کا چیک دیا۔ اس کے بعد باہر سے آئے ہوئے مہمانوں نے اس نیک کام میں حصہ لیا۔ بمبئی کے کچھ سیٹھ آئے تھے۔ انھوں نے بھاری بھاری رقمیں دیں۔ عوام نے بھی حصہ لیا۔ برہما پور کے اگزیکیٹو آفیسر نے ڈی۔ ایم۔ کے اشارے سے بجلی کی سپلائی کی منظوری اپنے خصوصی اختیارات سے دی اور کنٹرول آفیسر نے ایک ہزار بوری سیمنٹ کا پرمٹ اسی وقت دیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ حسب ضرورت سیمنٹ دیا جاتا رہے گا۔ سکھوں کے گرو نے گرونانک کی ایک قلمی تصویر عوام کے سامنے پیش کر کے کہا کہ میں اسے نیلام کرنا چاہتا ہوں۔ لوگ گروجی کا منشا سمجھ گئے۔ بولی شروع ہوئی۔ سکھوں نے بڑھ بڑھ کر بولی لگائی۔ بولی بیس ہزار پر ختم کی گئی۔ یہ رقم گروجی نے مدرسے میں دیدی۔

اللہ اللہ! ایک دن وہ تھا کہ حاتم یہاں بے یار و مددگار اکیلا آیا تھا۔ خدا کی شان، ایک دن وہ تھا کہ برہما پور کے نیک دل ہندو شرپسندوں کے دباؤ سے اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے ڈرتے تھے، آج انھوں نے بھرے مجمع میں خوشی کا اظہار کیا۔ ڈی۔ ایم۔ نے حاتم کی خدمات کو سراہا۔ سید صادق حسین کے بلائے ہوئے جتنے ممبر آئے تھے اُن سب نے اپنی تقریروں میں حاتم اور عائشہ کی شادی کا ذکر کیا اور کہا کہ حکومت یہی چاہتی ہے کہ دیس سے رنگ و نسل کا امتیاز اٹھ جائے۔ ہم حاتم کو اس نیک کام کے انجام دینے پر بدھائی دیتے ہیں۔ بہت سے ممبروں اور بمبئی کے سیٹھوں نے کہا کہ ہمیں یہ نہیں معلوم تھا ورنہ ہم دولہن کے لئے تحفے لاتے۔ اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ نقدی کی شکل میں ہم اپنی خوشی کا اظہار کریں۔ انھوں نے نوٹوں کی گڈیاں دیں۔ نیک دل عائشہ اور حسنیٰ نے یہ رقم بھی مسجد اور مدرسے

کے بیت المال میں جمع کردی۔

جلسہ بڑی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ سید صاحب اور عاصم صاحب تین دن اور کنش پور میں رُکے۔ اِس عرصے میں حاتم نے ضروری کام سمیٹے۔ حساب کتاب مکمل کیا۔ مبارک سے کہا کہ ابا اور سید صاحب کا اصرار ہے کہ مجھے وطن لے جائیں۔ میں اُن کے ساتھ جاؤں گا۔ کاملہ بھی عائشہ کے ساتھ جائے گی۔ اب تم یہاں میری جگہ ہو۔ تم نے بڑی لگن کے ساتھ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو میرے آنے تک یہاں کی ذمہ داریاں انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

مبارک یہ سُن کر حاتم کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔ اُس نے کہا کہ آپ نے مجھے خاک سے پاک کیا۔ اگر آپ مجھے نہ مل گئے ہوتے تو خدا جانے میں کیا بنتا۔ آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ کام اسی طرح ہوتا رہے گا جس طرح آپ کرتے رہے ہیں۔

تین دن کے بعد سید صادق حسین صاحب فاروق چودھری سے رخصت ہوئے۔ دلیر سنگھ دو نہایت عمدہ کاریں لے آیا۔ ایک لمبی کار میں عائشہ، کاملہ، حاتم کی والدہ، بیگم سید صادق حسین اور دو تین لڑکیاں بیٹھیں۔ دوسری کار میں سید صاحب، عاصم صاحب، حاتم اور دلیر سنگھ سوار ہوئے۔ دلیر سنگھ نے کہا کہ گرو دیو نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں گھر تک آپ کے ساتھ جاؤں۔ سید صاحب نے شکریہ ادا کیا اور اس مختصر سے قافلے کا امیر سفر دلیر سنگھ کو بنا دیا۔ پھر ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کی دعائیں لے کر کنش پور سے رخصت ہوئے۔ کاریں رینگیں۔ کچھ دور لوگ پیدل گئے۔ اس کے بعد اصرار کر کے سید صاحب نے اُن کو رخصت کیا۔

لوگوں نے درخواست کی کہ حاتم کو جلد واپس کر دیجئے گا۔

## وشوناتھ

گھر آ کر حاتم نے سب سے پہلے مسٹر جگن ناتھ پرنسپل امانت انٹر کالج اور وشوناتھ کو پوچھا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل

صاحب کا انتقال ہوگیا اور وشوناتھ جیل میں ہے۔

"جیل میں ...؟"

عاصم صاحب بتانے لگے "اُس نے ایم۔ اے۔ فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔ پھر اسی اُمانت انٹر کالج میں لکچرر ہو گیا۔ اُس کی تیزی طرّاری اور سمجھداری مشہور تھی۔ پرنسپل صاحب کو اس سے بڑی توقعات تھیں لیکن افسوس کہ فرقہ پرست گروہ نے اُسے تاکا اور اُس کے اندر ہندو مسلم تعصب بھرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وشوناتھ فرقہ پرست گروہ کا بڑا کامیاب ورکر ثابت ہوا۔ اچھے بھلے مجمع میں ہنگامہ برپا کر دینا، آن کی آن میں اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر لینا، پلک جھپکتے توڑ پھوڑ کی اسکیم بنا لینا، دیکھتے دیکھتے تیزاب کی بوتلیں، چھری، چاقو اور بارودی اسلحہ فراہم کر لینا اور پھر اشتعال انگیز نعرے، بلوے، لوٹ مار، آگ لگا دینا، قتل و غارت گری اُس کا آئے دن کا کھیل ہو گیا۔ پرنسپل صاحب نے روکا، میں نے سمجھایا لیکن اُسے تو ایک جنون تھا جو سمجھانے سے اور زیادہ بڑھتا تھا۔ سوچا گیا کہ اُس کی شادی کر دی جائے تو شاید سنبھل جائے۔ اُس کی شادی کر دی گئی۔ سوشیلا ایم اے بڑی سُندر اور سُلجھی لڑکی ہے لیکن اُس احمق نے اُس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ مجبور ہو کر ایک دن سوشیلا نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تو اُس نے یہ جواب دیا"۔

"سوشیلا دیوی! تم قانون کے مطابق تو میری بیوی ہو لیکن میں تم کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ ہمارے سنگھ میں وہی اعلیٰ منصب پاتا ہے جو کنوارا رہتا ہے۔ اِس لئے بس چُپ چاپ گھر میں پڑی رہو اور میری راہ میں دیوار نہ بنو"

"... جب تک پرنسپل صاحب زندہ رہے تعلیمی کمیٹی والے اور حکّامِ ضلع لحاظ کرتے رہے۔ پرنسپل صاحب بیٹے کے کرتوتوں کا غم کھاتے کھاتے پرلوک سِدھارے۔ اب وشوناتھ کو کُھل کر کھیلنے کا موقع مِلا۔ اُس نے اُمانت انٹر کالج کی پرنسپلی کے لئے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے گروہ کا آدمی آجائے لیکن ایک سنجیدہ شخص مسٹر ہرش چندر کو پرنسپل بنا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا جس دن ہرش بابو

چارج لے رہے تھے اُسی دن کالج پر پتھروں کی بارش شروع ہوگئی۔ توڑ پھوڑ اور نعرے بازی ہونے لگی۔ پولیس نے آکر شرپسندوں کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں وشوناتھ بھی تھا ان سے صاف کہہ دیا گیا کہ جب تک تحریری معافی نہ مانگیں گے چھوڑے نہیں جائیں گے۔۔۔"

"اور چاچی اور سوشیلا کا کیا بنا؟" حاتم نے اپنے والد صاحب سے پوچھا۔

عاصم صاحب نے بتایا کہ "میں دوسرے تیسرے دن چلا جاتا تھا۔ خیر خبر لیتا رہتا تھا پھر ایک دن وشوناتھ کی ماں نے رو رو کر کہا کہ آپ کا یہاں آنا خطرے سے خالی نہیں ہے تو میں نے سیّد صاحب سے کہا۔ سیّد صاحب ڈی۔ ایم۔ سے ملے۔ اپنی ممبری کے اثر سے کام لیا۔ تمہاری چاچی اور سوشیلا کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ پھر بھی خطرے کی خاطر ان دونوں عورتوں نے یہی کہا کہ آپ کا یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ بالآخر میں نے جانا بند کر دیا۔"

یہ حال سُن کر حاتم کو بڑا دُکھ ہوا۔ اس نے اپنی چاچی سے ملنے کا پروگرام بنایا اور ایک آدمی کے ذریعہ اطلاع بھی کر دی۔ پھر جب حاتم عائشہ اور کاملہ کے ساتھ اس گھر میں پہنچا جہاں وہ وشوناتھ کے ساتھ مل کر اسٹڈی کیا کرتا تھا، جہاں کبھی پرنسپل جگناتھ جی اُسے پڑھایا کرتے تھے، جہاں اس کی چاچی اُسے اچھی اچھی چیزیں کھلایا کرتی تھیں آج اس گھر میں ایک بوڑھی عورت سفید ساری پہنے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ چاچی کہہ کر حاتم بڑھا سلام کیا۔ اور اس بوڑھی عورت نے جس کی ویران آنکھوں میں آنسو بھی نہ تھے اُسے گلے سے لگا لیا۔ پھر عائشہ اور کاملہ کو سینے سے لگا یا۔ دونوں کو آشیرباد دیا۔ اس کے بعد لے جا کر اُس کمرے میں بٹھایا جس میں کبھی کبھی وشوناتھ کے ساتھ حاتم ساری ساری رات گزار دیا کرتا تھا۔ یہیں جب سوشیلا چائے لے کر آئی تو حاتم نے دیکھا کہ وہ بھی سفید ساری میں ہے اور پوری بیوہ معلوم ہوتی ہے۔ حاتم کا دل بھر آیا۔ اس نے آنسو روکنے کی کوشش کی لیکن جب اس کی چاچی نے کہا "کاش! آج تمہارے چاچا ہوتے یا دشو پاگل نہ ہو گیا ہوتا" تو حاتم ضبط نہ کر سکا۔ وہ بچوں کی طرح بلک پڑا۔

حاتم کی چاچی اور سوشیلا رانی بیتے دنوں اتنا رو چکی تھیں کہ اب رونے کی کوئی رمق انکے اندر باقی نہیں رہی تھی کہ آنکھوں سے ظاہر ہوتی۔ دونوں بت بنی حاتم کو روتے دیکھتی رہیں۔ پھر ساس نے بہو سے کچھ کہا۔ سوشیلا حاتم کے پاس آئی۔ سر پر ہاتھ رکھا "بھیا! صبر کرو، جیسے ہم نے صبر کیا۔"

اس کے بعد سوشیلا نے چائے کی پیالی پیش کی۔ اپنے ہاتھ سے منھ کو لگا دی تو حاتم نے پیالی ہاتھ میں لی۔ چائے پی۔ کچھ کھایا پیا۔ دل سنبھلا۔ عائشہ اور کاملہ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں یہ درد بھرا سین آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ رہی تھیں اور آنچل سے بار بار آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ ان دونوں نے چاچی اور بھابی کو الگ الگ تحفے پیش کئے۔

"کون پہنے گا بیٹے یہ رنگین ساریاں اور خوبصورت جمپر؟" چاچی اور سوشیلا کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

"بھابی! آپ!" حاتم نے جواب دیا اور کہا "چلئے وشو سے ملنے۔"

"اپنی چاچی کو لے جاؤ بھیا! میں وشو کی ہوں کون؟" سوشیلا نے کہا۔ حاتم کے دل کو دھکا لگا۔ اس نے عائشہ اور کاملہ کو سوشیلا کے پاس چھوڑا اور چاچی کو لے کر وشو ناتھ سے ملنے کے لئے جیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیلر بڑا اچھا آدمی تھا۔ اس نے اسی وقت منظوری دے دی۔ لیکن وشو ناتھ نے حاتم سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ حاتم نے اس کے نام ایک خط لکھا:

مائی ڈیر وشو!

میں تمہارا حاتم ہوں۔ چاچی میرے پاس بیٹھی ہیں۔ میں کئی برس کے بعد آیا ہوں۔ آتے ہی سب سے پہلے تم کو پوچھا۔ پیارے وشو! وہ دن یاد ہے جب۔ ۔ ۔ سے صبح میں تم نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔ آہ! تمہارے سینے کی آنچ آج بھی میری چھاتی کو گرمی پہنچا رہی ہے۔ تم کو ضرور یاد ہوگا۔ تمہارے گرم گرم آنسوؤں کو میرے کرتے کے دامن نے زمین پر گرنے سے روک لیا تھا۔ آہ! آج

وہی کرتہ میرے اپنے آنسوؤں سے تر ہو رہا ہے۔ وشوا! میں نے سنا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کے بدلے آگ کے شعلے بھرے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔؟ لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں پسی ہوئی بجلیاں بھری ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔؟ نہیں نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے۔ جھوٹ ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حاتم کا وشوا ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی اور ہی وشوا تھا ہے۔ میرا وشوا ہوتا تو وہ دوڑ کر آتا۔ ایک دن میرے وشو نے کہا تھا کہ حاتم! مجھے بھول نہ جانا جیل کے وشوا تھا اگر تم میرے وشو ہو تو یاد کرو۔ کہا تھا کہ نہیں۔ مجھے تو تم یاد ہو۔ میں تم کو نہیں بھولا۔ وشوا یاد ہے سید صاحب نے انعام دیتے وقت تم کو عظیم انسان کہا تھا۔

بس وشوا خط ختم کر رہا ہوں۔ میں چاچی کو لے کر گھر جا رہا ہوں۔ میں تین دن اس کمرے میں سوؤں گا جس کمرے میں اپنے وشو کے ساتھ سویا کرتا تھا سوؤں گا اور روؤں گا۔ روؤں گا اور سوؤں گا۔ اپنے وشو کے لئے دعا کروں گا کہ ایشور میرے وشو کو وہ سب یاد دلا دے جو وہ بھول گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا تمہارا خدا میری دعا قبول کرے گا اور ایسی صورت پیدا فرما دے گا کہ حاتم اور وشو پھر اسی طرح مل سکیں کہ لوگ کہیں "ایک جان دو قالب"۔

تمہارا اور صرف تمہارا : حاتم

حاتم نے خط لکھ کر جیلر کو دیا اور چاچی کو لے کر رکشا پر جا بیٹھا۔ گھر آیا۔ سوشیلا دونوں کا چہرہ دیکھ کر سمجھ گئی۔ اس نے عائشہ اور کاملہ سے کہا کہ دونوں نامراد واپس ہوئے۔ گھر آکر حاتم نے چاچی سے کہا:۔
"آئیے ہم سب مل کر ایشور سے اپنے گناہوں کے لئے معافی مانگیں اور وشو کے لئے دعا کریں۔"
"بیٹا! یہ سب کر کے دیکھ لیا" چاچی نے کہا "ایشور ہم سے روٹھ گیا ہے۔"
"تو آئیے۔ اسے منائیں۔"

"وہ کب مانے گا۔ نہ جانے پچھلے جنم میں ہم نے کیا کیا تھا کہ اس کا یہ پھل مل رہا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے چاچی! خدا بڑا مہربان ہے۔ آئیے اُس کے سامنے گڑگڑائیں۔ وہ اپنے بندوں کے آنسو موتی بنا دیتا ہے۔"

"جیسا تم کہو بیٹا!"

حاتم، عائشہ اور کاملہ تینوں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ چاچی اور سوشیلا دھیان گیان میں لگ گئیں۔ نمازیں پڑھ پڑھ کے، دھیان گیان کر کر کے اور نیت خالص کر کے اپنے پیدا کرنے والے کو پکارا تو آپ سے آپ اُن کے دل بھر آئے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جب زیادہ رقت طاری ہوتی تو حاتم پھر نماز پڑھنے لگتا۔ دعا کرتا۔ عائشہ اور کاملہ آمین کہتیں۔ سب رات بھر اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے۔

صبح کو جب حاتم نے فجر کی نماز پڑھی تو اُس نے چاچی سے کہا:

"چاچی! وشو کے قدموں کی آہٹ آ رہی ہے۔"

"بیٹا! یہ تمہارا وہم ہے۔"

"نہیں چاچی! میرا دل کہتا ہے کہ وشو آ رہا ہے۔"

"بیٹا! ہمارے بھاگیہ ایسے کہاں؟"

"نہیں چاچی! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔"

اِس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے باہر کی کنڈی بجائی۔ سوشیلا اُٹھ کر گئی۔ اُس نے جا کر کواڑ کھولے تو چونک پڑی۔ سامنے وشوناتھ کھڑا تھا۔ سوشیلا نے چاہا کہ پتی کے چرن چھوئے کہ وشوناتھ پر بدحواسی چھا گئی۔ وہ پکارتا ہوا گھر کے اندر دوڑا:

"حاتم! میرا حاتم! میرا پیارا حاتم ۔۔۔!"

چاچی اور حاتم دوسری طرف سے دوڑ پڑے۔ عائشہ اور کاملہ نے آنچل سنبھال لئے۔ وشوناتھ بیچ صحن میں گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اُس کا داہنا ہاتھ ماں کے چرنوں کو چھو رہا تھا اور بایاں حاتم کے ہاتھ میں تھا۔

عجیب شادی مرگ جیسا منظر تھا۔ سوشیلا ہکّا بکّا ابھی دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ اُسے سکتہ سا ہوگیا تھا۔ ماں نے بیٹے کا سر گود میں لے لیا تھا۔ حاتم نے اپنا گال وشو کے گال پر رکھ دیا تھا۔ عائشہ نے سوشیلا بھابی کی حالت بھانپ لی تھی۔ اُس نے بڑھ کر زور سے سوشیلا کے چٹکی لی اور جھنجھوڑا۔ کاملہ وشو پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھی۔ اِس وقت سب کی زبانیں خاموش تھیں۔ دل میں خوشی و غم کا ملا جلا سمندر موجیں مار رہا تھا لیکن آنکھوں کی جھیلوں میں پانی نام کو نہ تھا۔

بڑی دیر کے بعد کاملہ کی کوشش سے وشوناتھ نے آنکھیں کھولیں۔ حاتم نے اُسے اُٹھایا۔ وہ اُٹھا۔ ماں کے قدموں میں گر گیا:

"ممّی! مجھے چھما کر دیجئے۔"

پھر حاتم کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔ اِس کا رونا تھا کہ سب کی آنکھوں کے چشمے اُبل پڑے۔ یہ دَور بھی ختم ہوا تو سوشیلا کے پاؤں چھونا چاہے۔ وہ پیچھے ہٹی لیکن وشو جوش میں تھا۔ اُس نے سوشیلا کا پاؤں پکڑ لیا۔ وہ اُس سے معافی مانگ رہا تھا۔ سوشیلا پریشان تھی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی:

"آپ میرے پتی دیو ہیں۔ آپ میری غلطیاں معاف کیجئے۔"

عائشہ اور کاملہ نے بڑھ کر ناشتہ تیار کیا۔ نہایت مختصر ناشتہ۔ بسکٹ گھر میں رکھے تھے۔ رَوا رکھا تھا۔ روا کا حلوہ بنا لیا۔ دس منٹ میں ٹرے سجا کر لے آئیں۔ اب سب مل کر ناشتہ کر رہے تھے اور حاتم ایک دوسرے سے اُن کا تعارف کرا رہا تھا۔ "اچھا ایک منٹ!" وشوناتھ کی زبان سے نکلا۔ اُس نے آنکھوں آنکھوں میں سوشیلا سے کچھ کہا۔ وہ اُٹھی تو وہ بھی اُٹھا۔ دونوں اپنے کمرے میں گئے۔ وشوناتھ نے ایک صندوق کھولا۔ اس میں سے دو ہار نکالے۔ سوشیلا کو دئے۔ وہ سمجھ گئی۔ اُس نے واپس آکر ایک ہار عائشہ کے گلے میں اور دوسرا کاملہ کے گلے میں ڈال دیا۔ حاتم منع کرتا رہا۔ تو وشوناتھ نے کہا:

"نادان مت بنو۔ عائشہ میری بہو ہے اور کاملہ بہن۔ میں نے پہلی بار ان کو دیکھا ہے۔ میں اتنا سنجیدہ نہیں بن سکتا کہ اُن کا حق نہ ادا کروں۔"

اِس کے بعد عائشہ اَور کاملہ کی باری آئی۔ ان دونوں کا اصرار تھا کہ وشو بھائی اب اُس وقت تک سوشیلا بھابی سے نہیں مِل سکتے جب تک ہم بھابی کو دولہن نہ بنالیں۔ اِس پر وشوناتھ شرما گیا۔ حاتم کا ہاتھ پکڑ کر باہری کمرے میں بھاگ گیا۔ یہاں عائشہ اَور کاملہ نے وہ رنگین ساری نکالی جو تحفے میں لائی تھیں۔ کپڑے اور زیور پہنا کر سوشیلا کو سجایا تو دیکھتے دیکھتے اُس کا حسن نکھر آیا۔ اُس کے گالوں کے پھول سُرخ ہوگئے۔ اُس مرگ نینی کے سہرا لگایا گیا تو سجانے والیاں دیکھ کر خود حیران رہ گئیں۔ پھر جب دونوں نے آئینہ دکھا کر سوشیلا کے گالوں میں دونوں طرف سے چٹکی لی تو سوشیلا نے اُف کی عائشہ اَور کاملہ کی چٹکیوں نے اُس کے نازک گالوں پر نیل کا نشان ڈال دیا تھا۔ عائشہ نے کہا "اچھا ٹھہر جا! تجھے بھیا سے ایسا ٹھیک کراؤں گی کہ یاد کرے گی۔" وشوناتھ کی ماں نے اس خوشی میں سید صاحب، عاصم صاحب اور حاتم کی ماں کو بھی شریک کرلیا۔ رات کا کھانا عائشہ اَور کاملہ نے بڑے اہتمام سے تیار کرایا۔ سب نے مل کر کھایا۔ اِس کے بعد عاصم صاحب سب کو لے کر گھر واپس آگئے۔ وشوناتھ نے حاتم کو روکنا چاہا لیکن عائشہ اور کاملہ دونوں اُسے بھی گھسیٹ لے گئیں۔

دوسرے دن وشوناتھ سوشیلا اَور ماں کو لیکر عاصم صاحب کے گھر گیا۔ وہیں سید صاحب بھی آگئے۔ سب نے مل کر مشورہ کیا۔ پھر عاصم صاحب، سید صاحب، حاتم اور وشوناتھ یہ چاروں آدمی امانت انٹر کالج گئے۔ تعلیمی کمیٹی کے ممبروں سے ملے۔ سمجھا بجھا کر مقدمہ اُٹھا لینے کو کہا گیا۔ سید صاحب کا شہر میں کافی اثر او ردبدبہ تھا۔ راضی نامہ ہوگیا اور مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

اِس سے فرصت پاکر حاتم اَور وشوناتھ نے ایک دوسرے سے بیتے دنوں کے حالات سُنے۔ وشوناتھ اَور سوشیلا سے حاتم نے کہا کہ ہمیں دو اچھے ہندی جاننے والوں کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں سوشیلا بھابی اَور وشو بھائی سے زیادہ قابل کہاں ملیں گے۔ ان دونوں نے ماں سے مشورہ کیا۔ حاتم نے چاچی کو بھی راضی کرلیا۔ طے پاگیا کہ جب حاتم واپس ہوگا تو یہ خاندان بھی ساتھ جائے گا۔ سوشیلا پہلے ہی دن سے ممنون اَور مانوس ہورہی تھی۔ اُس نے عائشہ اَور کاملہ کو ہندی اَور انگریزی یہیں پڑھانا شروع کردی۔ پڑھنے پڑھانے سے جو وقت بچتا تو یہ تینوں سید صاحب کے اشارے سے کپڑے سیتی رہتیں۔ چھوٹے بڑے سائز کے جمپر اَور شلواریں۔ کپڑا لاکر سید صاحب نے ڈھیر کردیا تھا۔ تینوں تن من سے سی رہی تھیں۔ منشا یہ تھا کہ جب چمرودھا واپس ہوں تو وہاں کی تمام عورتوں کے لئے ساتر لباس ساتھ ہو۔ وشوناتھ کی فطری شرافت پھر اُبھر آئی تھی۔ وہ حاتم کے مشورے سے ایسا تعلیمی و تربیتی نقشہ ترتیب دے رہا تھا جس کے مطابق وہاں پر کام کرنا ہوگا۔

فرصت کے اوقات میں وشوناتھ حاتم کو لیکر سیر کرنے نکل جاتا۔ وہ خاص طور پر مسلمانوں سے ملاقاتیں کرواتا۔ حاتم کی آپ بیتی جو اُسے یاد ہو گئی تھی مسلمانوں کو سُناتا اور کہتا کہ تمہارے لئے نہ بھارت میں خطرہ ہے اور نہ کہیں اور جگہ خطرہ تم خود اپنے لئے ہو تم اس خطرے سے نکل سکتے ہو بشرطیکہ تم سچے مسلمان بن جاؤ اور جو تعلیم اسلام دیتا ہے اُسے جانو اور اس پر عمل کرو۔

# ٹیلی فون

ایک دن حاتم وشوناتھ، سوشیلا، عائشہ اور کاملہ کے ساتھ ٹھٹھا، چمرودھا جانے کا پروگرام بنا رہا تھا کہ فضل دوڑتا ہوا آیا "چھوٹے میاں، چھوٹے میاں! ٹیلیفون!" حاتم سید صاحب کے کمرے میں پہنچا۔ رسیور سید صاحب کے ہاتھ میں تھا انھوں نے حاتم کو تھما دیا اور کہا "کوئی لڑکی ہے۔ بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔"

"ہیلو، یس، حاتم، جی ہاں میں حاتم بول رہا ہوں۔ آپ مینا یعنی میناکماری ہیں!"

"پلیز حاتم! میں میناکماری فلم ایکٹریس نہیں ہوں۔ مینا تصدق ہوں۔ میں ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں۔ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" دوسری طرف سے لڑکی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ باہر کسی جگہ فوری طور پر آسکتے ہیں؟"

"دیکھئے محترمہ! آپ نے غلط جگہ گھنٹی گھمائی ہے۔ میں اُن لڑکوں میں سے نہیں ہوں سُن رہی ہیں آپ! میں بھی شریف باپ کا بیٹا ہوں میری شادی ہو چکی ہے۔ اور سنئے میرا ایک اور باپ ہے جو سامنے کرسی پر بیٹھا یہ گفتگو سن رہا ہے۔ الحمدللہ میں بھری دنیا میں اکیلا نہیں ہوں۔"

"پلیز حاتم!" لڑکی دانت پیس کر بولی "میں آپ کو اغوا نہیں کر رہی ہوں۔ پلیز آپ سنجیدہ نہیں۔ میں آپکے بارے میں بہت کچھ سُن چکی ہوں۔"

"تو پھر آپ مجھے تنہائی میں کیوں بلا رہی ہیں؟ آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ نامحرم مرد اور عورت جب تنہا بیٹھتے ہیں تو اُنکے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے"

"پلیز! ایک منٹ! آپ بہت دور نکل گئے۔ ایک منٹ! اچھا! اگر آپ باہر نہیں آنا چاہتے تو میرا انتظار کیجئے۔ میں دس منٹ میں آرہی ہوں لیکن میری آپ کی ملاقات تنہائی ہی میں ہوگی۔"

"ملاقات تنہائی ہی میں ہوگی!" حاتم نے مینا کا جملہ دہرایا۔ سامنے سید صاحب یہ تمام گفتگو سن رہے تھے۔ حاتم سے بولے۔

"حاتم بیٹے! معلوم ہوتا ہے کوئی پریشان لڑکی ہے۔ کیا حرج ہے اسی کمرے میں مل لینا۔ کواڑ کھلے رکھنا بس یہ احتیاط کافی ہے۔"

(باقی آئندہ)

# ممتا

انان بانگ

ایک مرتبہ میں نے ایک ظالم ریچھنی دیکھی، لیکن ریچھنی سے زیادہ ظالم تو میں خود تھا۔ وہ پرسکون بیٹھی اونگھ رہی تھی کہ میں نے اس پر فائر کر دیا وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور اس نے اپنا ایک بچہ مجھ پر دے مارا۔ ایک لمحے کو تو میں بھونچکا ہو گیا! مگر پھر سنبھل کر میں نے دوسرا فائر کیا۔ وہ ہلاک ہو گئی۔ ریچھنی کا بچہ میرے بازوؤں میں چچیا رہا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر اپنے کوٹ میں لپیٹ لیا اور گھر لے آیا۔ ہم نے اسے دودھ پلانا چاہا لیکن اس نے دودھ پیا اور نہ روٹی کے اس ٹکڑے میں کوئی دلچسپی ظاہر کی جو بچوں نے اسے دی تھی۔ تنگ آکر اسے اپنی کتیا کے حوالے کر دیا جو اپنے پلوں کے ساتھ اسے بھی دودھ پلانے لگی۔

بچوں کے لئے تو گویا ایک نعمت گھر میں آگئی۔ ویسے بھی وہ دن بہت اچھے تھے۔ دن بھر گھر سب مل کر اودھم مچاتے رہتے کبھی کبھی اخروٹ کے درخت پر چڑھ جاتے اور ان کے ساتھ ریچھنی بھی درخت پر چڑھ جاتی۔ بچوں نے اس کا نام موخنالکا رکھ چھوڑا تھا۔

اگست میں جب درختوں پر پھل آنے لگتے تو موخنالکا صبح سے شام تک شاخوں پر بیٹھی پھل کھاتی رہتی۔ ایک بار میں تنگ آگیا اور میں نے درخت کو زور سے ہلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ درخت سے گر پڑی اور اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس پر بچوں نے وہ رونا دھونا مچایا کہ الامان۔ میں نے اس کی ہڈی درست کی پٹی باندھی اور ہر طرح سے اس کا علاج کیا اور موخنالکا کی ٹانگ درست ہو گئی لیکن اب وہ ذرا سا لنگڑانے لگی تھی۔ مجھے اس سے اتنی ہی محبت ہو چکی تھی جتنی اپنے بچوں سے تھی۔ اُسے بھی بہت اُنس ہو گیا جہاں کہیں بھی میں جاتا وہ ساتھ ساتھ رہتی۔ موسم سرما کے آتے آتے موخنالکا نے خوب قد

نکالا اور ایک بڑے بچھڑے کے برابر ہوگئی۔ جب وہ موڈ میں ہوتی تو ہماری کتیا کو، جو اس کی سوتیلی
ماں تھی، اپنی پشت پر بٹھا کر خوب سیر کراتی۔ خزاں آتی تو میں شکار پر جاتے ہوئے موخناتلکا کو بھی اپنے ساتھ
لے گیا وہ میرے لئے ایک گدھے اور دو کتوں سے زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ میں اس کی پشت پر اپنی
خورجین لٹکا دیتا۔ اور ہم چٹانوں کو پھلانگتے دور تک سیر کرتے اور شکار ڈھونڈتے۔ جو بھی شکار ملتا ہم
اسے موخناتلکا پر لاد دیتا

ایک برس گذر گیا۔ موخناتلکا اب ایک مکمل ریچھنی بن چکی تھی اور بہت ہوشیار ہوگئی تھی۔ وہ
پورے گاؤں والوں کی آنکھوں کا تارا تھی۔ میں گرمیوں میں اسے بھیڑوں کے گلّے کی رکھوالی کرنے اپنے
ساتھ لے جاتا۔ بھیڑیوں نے کئی بار گلّے پر حملہ کیا۔ لیکن موختاتلکا نے انہیں وہ سبق سکھایا کہ ادھر کا راستہ
ہی بھول گئے اس نے ایک بار ایک بھیڑیے کو پکڑ لیا اور اسے چٹان پر دے مارا۔ بھیڑیے نے وہیں دم توڑ دیا
اس کے بعد ہمیں بھیڑیوں کا خوف رہا نہ چوروں کا خطرہ نہ رہزنوں کا کھٹکا۔

موخناتلکا کی شہرت وان جھیل کے علاقے تک پھیل چکی تھی۔ کئی سوداگروں نے بھاری قیمت کے
عوض اسے خریدنا بھی چاہا۔ بڑے گلّہ بانوں نے چالیس چالیس بھیڑیں اس کے بدلے میں مجھے پیش کیں۔ لیکن
میں نے ہر بار صاف انکار کر دیا۔ اب تو موخناتلکا میرے لئے دو گدھوں اور دس کتوں سے بھی زیادہ قیمتی
تھی۔ شکار میں میری مددگار، خطرے کی صورت میں ایک قوی محافظ اور سب سے بڑھ کر ایک اچھی دوست

خزاں آئی تو میں شکار کھیلنے نکلا اور حسب معمول اُسے اپنے ساتھ لیتا گیا۔ ایک شام جب میں
وملہ کی وادی میں شکار کھیل رہا تھا، تو میں نے ریچھوں کی دہاڑ سنی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ دور
ایک غار کے منہ پر دو ریچھ کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور اپنی تھوتھنیاں اٹھا کر فضا میں کچھ سونگھ رہے تھے
میرے حکم کا انتظار کئے بغیر موخناتلکا ان کی طرف بڑھی۔ "اوش، موخناتلکا اوش!" میں نے اسے رکنے کا حکم
دیا۔ وہ ایک لمحے کو رکی۔ اس نے پلٹ کر تذبذب سے مجھے دیکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے اندر ایک کشمکش
بپا ہے۔ اس کی فطرت اس پر غالب آئی اور وہ ریچھوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ فطرت تبدیل

نہیں کی جا سکتی۔ میں نے موختا نکا کو جانے دیا۔ میں واپس مڑا میری آنکھوں میں آنسو تھے اور میرا دل غم سے بھر گیا تھا میں نے اپنے پیچھے پاؤں پٹخنے کی آواز سنی۔ موختا نکا!

وہ آگے بڑھی۔ اس نے ممنونیت سے میرے ہاتھ چاٹے اور غم ناک آواز میں روئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ میری مرضی کے بغیر مجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی۔ میں نے اس کے سر پر تھپکی دی اور ریچھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیش" دولہا کے گھر جاؤ۔

پس موختا نکا اپنے قبیلے کو لوٹ گئی اور میں اپنے گھر کی سمت پلٹ آیا۔ وقت گذرتا گیا اور ہم رفتہ رفتہ موختا نکا کو بھولتے گئے۔ میں اب بھی شکار کھیلنے جاتا، لیکن دجلہ کی وادی کا رخ نہ کرتا۔ میں موختا نکا سے سامنا کرنا پسند نہ کرتا تھا۔

کوہ ارتوس کی جنوبی ڈھلانوں پر موسم گرما میں کوئی روئیدگی نہیں ہوتی۔ سورج کی تیز کرنیں گھاس جلا دیتی ہیں اور چٹانوں پر ایک سلیٹی سی راکھ باقی رہ جاتی ہے۔ انہی ڈھلانوں پر شاہ بلوط کا ایک پرانا درخت ہے اور درخت کے قریب ہی ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا ہے ایک دن میں تھک ہار کر اس درخت کے نیچے آرام کی نیت سے آ بیٹھا۔ خشک روٹی کے دو چار ٹکڑے کھانے کے بعد میں نے اپنی پگڑی کھولی اور درخت سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ میں کب سو گیا یوں بھی دن بھر مارے مارے پھرنے کے بعد درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں سو جانا کوئی حیران کن بات نہیں ہے خدا جانے میں وہاں کب تک سوتا رہا۔ میری آنکھ کھلی تو سورج ڈھلنے لگا تھا۔ میں نے اپنی رائفل اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن رائفل غائب تھی۔ وہاں کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔ اگر رائفل کسی راہزن نے اٹھائی ہوتی، تو مجھے وہ کیوں زندہ چھوڑ جاتا۔ اگر کسی آدمی نے رائفل نہیں چرائی تھی، تو پھر معاملہ کیا ہوا تھا — ابھی میں اسی حیص بیص میں تھا کہ مجھے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے۔

ایک بڑا سا ریچھ میری طرف آ رہا تھا۔ اگر میرے پاس رائفل ہوتی، تو میں اس کا بھیجا اڑا دیتا، مگر اب میں صرف ایک خنجر سے اس جانور کو کس طرح ہلاک کر سکتا تھا وہ خبیث ریچھ میری طرف یوں بے خوفی سے

بڑھا چلا آرہا تھا گویا اسے میری موجودگی کی خبر ہی نہ ہو میں خوف سے سن ہو گیا۔ موت مجھے سامنے دکھائی دے رہی تھی میں نے درخت پر چڑھنے کا ارادہ کیا لیکن مجھے فوراً خیال آیا کہ ریچھ مجھ سے کہیں زیادہ تیزی اور مہارت سے درخت پر چڑھ سکتا ہے۔ میں نے خوفزدگی کے عالم میں کنکھیوں سے ریچھ پر نظر ڈالی۔ ریچھ دائیں پاؤں سے لنگڑا رہا تھا میرا دل مسرت سے لبریز ہو گیا۔ "موخناتکا" میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر تھپکی دی۔ وہ غرائی اور اس نے میرے جسم کو چاٹنا شروع کر دیا جیسے وہ پہلے چاٹا کرتی تھی۔ پھر اس نے مجھ پر ایک دکھ بھری نگاہ ڈالی اس ایک نظر میں ایسا غم تھا جیسے وہ اپنے بچے کو دفن کر کے آئی ہو۔"

"کیا دکھ ہے تمہیں؟" میں نے پوچھا۔ اکیلی کیوں ہو۔ کیا میں نے تمہیں تمہارے قبیلے میں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اداس ہو جاؤ؟ تمہارا شوہر کہاں ہے؟ بچے کدھر ہیں؟ وہ کسی بیوہ کی طرح سر جھکائے میری باتیں سنتی رہی پھر اس نے ایک آہ بھری۔ ایک طرف کو بڑھی اور پتھر کے نیچے سے میری رائفل اٹھا لائی

سوچو تو سہی اس نے رائفل کیوں چھپا دی۔ مالک تیرے کام بھی نرالے ہوتے ہیں! اسے پتہ تھا کہ رائفل موت ہوتی ہے اور اسے خدشہ تھا کہ میں کہیں اسے پہچاننے سے پہلے گولی چلا کر اس کا کام تمام نہ کر دوں۔ موخناتکا یہ ساری باتیں سمجھتی تھی۔ میں نے اس سے رائفل لینی چاہی۔ لیکن وہ مڑی اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا وہ چند قدم چلی اور مڑ کر مجھے دیکھا۔ پھر چند قدم چلی اور پلٹ کر دیکھنے لگی پھر اس نے سامنے والی چٹان کی طرف اشارہ کیا جیسے اس کے پار کوئی غیر معمولی بات ہو وہ مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر رہی تھی

میں حیران پریشان اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا میری سمجھ میں کچھ بھی تو نہیں آرہا تھا۔ خدا کی قدرت رسول کا کرم ریچھنی آگے آگے رائفل ہاتھ میں لئے جا رہی تھی اور میں خالی ہاتھ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ چٹان کے پیچھے ایک گہری کھائی ہے چٹان پر پہونچ کر وہ پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ اور آہستہ آہستہ چٹان کے سرے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہاں پہونچ کر اس نے کھائی کی طرف جھانکا۔ بندوق میری طرف بڑھائی اور ریچھنی کھائی کی طرف جھانکنے لگی۔

اس کا اشارہ پاکر میں نے اللہ کو یاد کیا اور چاروں ہاتھوں پیروں کے بل چٹان کے آخری سرے کی طرف بڑھا۔ اب جو میں نے کھائی پر نظر دوڑائی، تو مجھے ایک غار دکھائی دیا۔ پھر یکایک میرا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ ایک بڑی گائے کے قد کا قوی ہیکل شیر، غار کے دروازے پر پنجے پھیلائے سو رہا تھا غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں اس کی نارنجی اور سیاہ دھبوں والی کھال پر چمک رہی تھیں اس کی کھال کسی بادشاہ کے ریشمی غول کی طرح خوب صورت اور پر وقار تھی۔ میں نے اس سے پہلے ایسا درندہ نہیں دیکھا تھا۔ میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ کچھ دیر بعد میرے حواس درست ہوئے تو میں نے رائفل اٹھائی۔ سیدھی کی اور چٹان کے کنارے پڑ کا فائر داغ دیا۔ فائر کی آواز وادی دور تک گونجتی چلی گئی اور دھوئیں کا ایک پردہ میرے اور شیر کے درمیان آگیا۔ موختانا کا اٹھ کر دوڑ پڑی میں بھی فوراً اس کے پیچھے دوڑا۔ ہم دونوں ایک چھوٹی سی کھوہ میں چھپ گئے شیر کی آواز نہ آئی، تو ہم باہر نکلے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے غار کی طرف بڑھے شیر غار کے منہ پر اوندھا پڑا تھا۔ گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا تھا۔ جب موختانا کو یقین ہوگیا شیر مرچکا ہے، تو وہ آگے بڑھی۔ اس کی نگاہوں میں دکھ کی دھندلاہٹ قدرے کم ہوچکی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ چاٹے، غرائی اور غار میں داخل ہوگئی میں خوشی سے ناچ رہا تھا اور زور زور سے گا رہا تھا، میری آواز پوری وادی میں گونج رہی تھی

میں سوچ رہا تھا کہ آج سارا گاؤں شکاری داؤد کی کامیابی پر جشن منائے گا۔ میں اس پرخوشی میں شیر کی کھال اتار تا جا رہا تھا کہ میں نے رونے کی آواز سنی۔ غار کے اندر موختانا کا پر ایک نظر ڈالی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی ایسا لگا جیسے کسی نے میرے دل کو چیر دیا ہو۔ تازہ چبائی ہوئی ہڈیاں غار کے فرش پر پڑی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی دو کھوپڑیاں، بھیڑ کی پسلیوں جیسے پتلے پتلے ہاتھ پاؤں، چھوٹے چھوٹے بال دار پنجے۔ وہ انھیں جمع کر رہی تھی اور تھوتھنی اٹھا اٹھا کر بین کرتی جا رہی تھی، اور اب میری سمجھ میں آیا کہ اس پر کیا بیت چکی ہے۔ شیر اس کے بچوں کو کھا گیا تھا اور چونکہ وہ خود نہیں لڑ سکتی تھی، اس نے انتقام کے لئے میری مدد لی تھی۔

میرا دل رو رہا تھا ــــ میں موختا رنکا کو دیکھتا رہا۔ اُس نے ہڈیاں ایک جگہ جمع کیں۔ انہیں چاٹتی رہی، سہلاتی رہی اور بین کرتی رہی۔ آج بھی میری نگاہوں میں اس کی صورت پھر رہی ہے اور اس کے بین کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ جب شیر کی کھال اتار کر اپنی پشت پر لاد چکا تو یوں لگا جیسے موختا رنکا کو ہوش آ گیا ہو۔ اس نے تھوڑی سی مٹی جمع کی اور اس کے نیچے ہڈیوں کو دفن کر دیا۔ پھر اس پر چند پتھر اور دو ایک ٹہنیاں بھی لا کر رکھ دیں۔

جب ہم اپنے گاؤں کے پاس پہاڑی پر پہونچے تو سورج تقریباً غروب ہو چکا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ موختا رنکا ٹھہر گئی۔ میں نے اس کا منہ چوما تھپکی تھپتھپائی اور میں، جو ایک سنگدل شکاری ہوں۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

آنکھیں پونچھتا ہوا میں گاؤں کی طرف بڑھنے لگا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ مغربی افق پر شفق پھولی ہوئی تھی۔ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی موختا رنکا مجھے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب میں گاؤں میں داخل ہو گیا تو وہ مڑی اور لوٹ گئی۔ وجلہ کی وادی کی طرف، اپنے ننھے بچوں کی قبروں کی طرف ــــ میں نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

اس منظر پر پچاس بہاریں گزر چکی ہیں اور پچاس خزائیں بیت گئی ہیں۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں میرے سر کو زمانے کی برف نے سفید کر دیا ہے۔ بعد کے واقعات بھی میری یادداشت میں دھندلا گئے ہیں لیکن وہ منظر میری نگاہوں میں اب بھی ہے ملول اور ماتم کناں رینچھنی کا، جو اپنے بچوں کی قبر پر بین کر رہی تھی۔

---

## کچے آم کی چٹنی

آم چھیل کر گٹھلیاں نکال لیں۔ اب پودینہ، ٹماٹر، پیاز اور کیریاں پیس لیں۔ دہی میں ڈال کر نمک مرچ اپنی پسند کا ملائیں۔ یہ چٹنی بہت لذیذ ہوگی۔ (صوفیہ کانپور)

[illegible]

# اور میں دیکھتا رہا

"اُف تین بج گئے اور ابھی تک تیاری بھی نہیں کی" ——— میں نے گھڑی پر طائرانہ نظر ڈالی اور خود ہی بُڑبُڑانے لگا۔

شام چار بجے کی ٹرین سے مجھے باہر جانا تھا، جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور سوٹ کیس میں سامان سمیٹ کر تیزی سے اسٹیشن کی جانب بڑھا۔ ٹرین کا لیٹ ہونا تو معمول بن چکا ہے، اُس روز بھی ٹرین کوئی پچاس منٹ لیٹ تھی آپ تو جانتے ہیں انتظار میں وقت گذارنا ایک اہم مسئلہ ہے، میں بھی اسی کشمکش میں اُلجھا ہوا تھا ———

اچانک میں نے دیکھا، ایک چار، پانچ سال کا بچّہ بار بار ٹرین کی پٹریوں پر جاتا ہے اور پھر اُچھل کر پلیٹ فارم پر چلا آتا ہے

بڑا خوبصورت اور تندرست بچہ تھا — مجھے بے حد پیار الگا —— میں دیر تک اس کی دلچسپ حرکتوں کو دیکھتا رہا بار ہا دل نے چاہا کہ اس سے باتیں کروں لیکن جب بھی بُلانے کا ارادہ کرتا وہ فوراً کو دکر پٹریوں پر چلا جاتا —— کچھ دیر بعد موقع پاتے ہی میں نے اسے اشارہ سے اپنے پاس بُلایا —— میں نے کہا

"بس کرو بیٹے! اب ٹرین آنے والی ہے"

"ہم جانتے ہیں"۔

"اچھا بیٹے! تمہارا نام کیا ہے"؟

"ہمارا نام —— ہماری اَمّی جانتی ہیں"۔

"تمہاری امی کہاں ہیں؟"

"وہاں ـــــ چلئے" اس نے میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

"چلئے" ـــــ خدا جانے کیوں اس معصوم کی بات نہ ٹال سکا اور اشارے پر اس کی انگلی پکڑے ہوئے ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔

"یہ ہیں ہماری امی ـــــ امی! یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

وہ مجھے دیکھتے ہی ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی، وہ مجھے اس طرح گھور رہی تھی جیسے شیرنی سے اس کا بچہ چھین لیا جائے ـــــ وہ کچھ دیر مجھے تکتی رہی پھر اس نے نظریں جھکا لیں ـــــ میں دل ہی دل میں سوچتا رہا ـــــ کتنی دُبلی اور سنجیدہ ہو گئی ہے۔ چہرہ بھی زرد پڑ گیا، آنکھوں کے حلقے گہرے اور سیاہ ہو گئے پہلے تو خوب تندرست اور خشیت تھی، سرخ چہرہ، بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھیں، جن میں بجلیوں کی مانند جا بجا سرخ ڈورے لہراتے تھے، گھنے اور پنڈلیوں تک لٹکتے ہوئے بال، وہ شوخی اور وہ مسکراہٹ کیا ہوئی ہے ـــــ افسوس ان چار برسوں میں کتنی بدل گئی۔ کس قدر تھکی تھکی سی لگ رہی ہے گویا چار سال پیدل سفر طے کرتی رہی ہو۔ اس طرح نہ جانے کتنے ہی سوال میرے ذہن میں ڈوبتے ابھرتے رہے۔

"آپ کیسے ہیں؟" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"..... اچھا ہوں، بہت اچھا" اس کی حالت دیکھ کر میرا دل بھر آیا تھا ـــــ میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں بے شمار موتی جھلملا رہے تھے۔

"تم کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں..... کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

" کلکتہ ، دفتر کے کام سے کلکتہ جارہا تھا ـــــ ٹرین لیٹ تھی......

" ہاں ٹرین لیٹ ہے "۔ اس نے میری بات دہراتے ہوئے کہا اور نظریں جھکالیں۔

" اکیلی ہو ؟ "۔

" نہیں ، چھوٹا بھائی ساتھ ہے "۔

" اور ـــــ یہ بچّہ.....؟" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

" یہ ہمارا چنّو ہے ـــــ نہیں پہچانا ، ہاں اُس وقت تو اتنا سا تھا " اُس نے کِھل کر کہا اور اچانک سنجیدہ ، بے حد سنجیدہ ہوگئی گویا سمندر کی موجیں ساحل میں سما گئی ہوں۔

" آ بیٹے ! ـــــ میرے پاس آ "۔ میں نے چنّو کی جانب جھک کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

" نہیں ! ہم امّی کے پاس رہیں گے "۔ اور جھٹ سے اُس نے اپنی امّی کا آنچل پکڑ لیا۔ ـــــ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا دل پکڑ کر زور سے نچوڑ دیا ہو ، میرے ماتھے پر پسینہ کی بے شمار بوندیں اُبھر آئیں ، میں دیر تک سوچتا رہا ـــــ میرا مستقبل اتنا بھیانک اور دردناک ہوگا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

" اسے دیکھ کر آنکھوں میں تراوٹ آگئی "۔

" ہاں !...آپ کو بہت یاد کرتا رہتا ہے۔ اس نے لرزیدہ لہجے میں کہا۔ میری حالت عجیب ہوتی جارہی تھی ، میں نے ایک درد سا محسوس کیا اور کچھ دیر ہم دونوں یونہی خاموش کھڑے رہے ـــــ پھر ـــــ میں نے لمبی سانس بھرتے ہوئے

"دیکھو ! تمہیں شکایت رہتی تھی کہ میں اپنا خیال نہیں رکھتا، دیکھو کتنا موٹا ہو گیا ہوں۔"

"نہیں ! آپ تو پہلے سے بھی زیادہ دُبلے ہو گئے ہیں۔

میں تھی تو.............." اس کی آواز ڈوب سی گئی، اس نے آنچل میں آنسو سکھاتے ہوئے کہا۔

"تم خوش ہو نا، کسی چیز کی کمی تو نہیں ؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دیکھتے دیکھتے اس کی سسکیاں بندھ گئیں۔

"آپا !___ آپا___ ٹرین آرہی ہے جلدی چلئے۔"

سینے میں شدید درد اُٹھا گویا میرا سینہ درد سے پھٹ جائے گا۔ میں نے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے کہا:

"جاؤ___ تمہاری ٹرین آگئی۔"

"اور___ آ___ آپ" اس نے سسکیوں کے درمیان کہا۔

"میں___ آج___ نہیں جاؤنگا۔"

وہ چنّو کے ساتھ ٹرین میں سوار ہو کر چلی گئی اور میں دیر تک کھڑا دیکھتا رہا۔ ریل کی دونوں پٹریاں چمک رہی تھیں اور گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ اور جب تک یہ دونوں پٹریاں ایک دوسرے کے ساتھ چلتی رہیں گی مسافر اپنی منزل تک پہونچتے رہیں گے۔

سوچتا ہوں میری زندگی کی گاڑی پھر کب چلے گی ؟......

م۔ شاہد مبارکپوری (ایم۔ اے) علیگ

# فجی کی مسلمان خواتین

فجی ایک چھوٹا جزیرہ ہے جو بحرالکاہل میں واقع ہے، اس کی آبادی صرف ۸لاکھ
[illegible] دیر مشتمل ہے فجی نے بارہ سال پہلے برطانوی تسلط سے نجات حاصل کی تھی۔ سو
[illegible]ل پہلے برصغیر کے مسلمان ہندو اور عیسائی یہاں آکر آباد ہوئے تھے اور آج بھی
[illegible] میں یہ تینوں قومیں مل جل کر رہتی ہیں اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ مسلمان صرف
[illegible]ہزار ہیں اور عیسائی یہاں حکمراں ہیں۔ اس چھوٹے سے مختصر آبادی والے جزیرے
[illegible] عوام کا معیار زندگی خاصہ جدید اور بلند ہے تعلیمی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے
جزیرہ ترقی یافتہ ہے اور دنیا کا ایک پُرسکون اور خوبصورت علاقہ ہے جہاں ہر
[illegible]ال لاتعداد لوگ سیر و سیاحت کے لئے جاتے ہیں فجی کی معیشت چینی عمارتی لکڑی
[illegible]ر سیاحت پر منحصر ہے۔

یہاں مسلمانوں کا ایک الگ اور منفرد مقام ہے انھوں نے فجی میں جو ایک اسلامی
[illegible]عاشرہ قائم کر رکھا ہے وہ قرآنی تعلیمات اور تہذیب و تمدن کا حامل ہے۔ اقلیت میں
[illegible]ونے کے باوجود فجی کے مسلمان وہاں تمام شعبوں اور ملکی ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہے
ہیں۔ اس تمام معاشرتی تعمیر و تربیت میں فجی کی مسلم خواتین کا کردار ہمیشہ سے موثر رہا ہے
آج سے سو سال پہلے جب مسلمان قوم یہاں آباد ہوئی تھی تو عورتوں نے سب سے زیادہ
توجہ اپنی نئی نسل کی مذہبی تعلیم و تربیت پر دی تھی اور یہ رویہ نسل در نسل یوں ہی
چلتا رہا آج بھی فجی کی مسلمان عورتیں اسلامی تعلیمات کی علمبردار ہیں اور نوجوان نسل

کے لئے مضبوط ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ والدین بیٹیوں کی تعلیم میں گہری دل چسپی لیتے ہیں۔ امینہ کو یا نے بتایا کہ فجی میں مسلمان خواتین کی واحد تنظیم زنانہ مسلم لیگ کا قیام ۱۹۹۸ء میں عمل میں آیا تھا اس کا مقصد فجی کی مسلم خواتین میں اسلامی اقدار اور قرآنی تعلیمات کو فروغ دینا ہے۔

زنانہ مسلم لیگ مسلمان خواتین کے اتحاد کی علم بردار ہے خواتین مل جل کر مسلم برادری کی فلاح و بہبود اور ترقی میں موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔

اس تنظیم نے اب تک فجی کی مسلمان عورتوں کی معاشی و معاشرتی اور روحانی قدروں کی ترقی کے لئے بھرپور جد و جہد کی اس کے قیام کے بعد فجی میں مسلم معاشرے کی سربلندی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ میں بڑی مدد ملی ہے پندرہ ہزار خواتین زنانہ مسلم لیگ کی رکن ہیں زنانہ مسلم لیگ کی تمام شاخیں اسلامی تعلیمات کے پروگراموں کو اہمیت دیتی ہیں۔ ہفتہ وار لیکچر سیمینار اور مباحثے منعقد کئے جاتے ہیں عربی کی کلاسیں اور درس قرآن پاک کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ خواتین کے لئے اسلامی ملبوسات کی تیاری اور کھانا پکانے کی کلاسیں ہوتی ہیں ماؤں کے لئے اسلامی تعلیمات پر مبنی بچوں کی نگہداشت کے لئے تربیتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں غریب اور مستحق بچوں کو خوراک اور تعلیم کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں عورتوں کی معاشی ترقی کے لئے دست کاری اور کھانا پکانے کے تربیتی کورس کرائے جاتے ہیں۔ ہر سال فجی میں مقابلہ قرأت کے موقع پر ہزاروں عورتیں شرکت کرتی ہیں۔ زنانہ مسلم لیگ مسلمان لڑکیوں میں کھیلوں کے فروغ میں گہری دلچسپی رکھتی ہے کھیلوں کے سالانہ کنونشن منعقد کئے جاتے ہیں نوجوان نسل میں اسلامی ملبوسات کی اہمیت پیدا کرنے کے لئے قرآن کنونشن کے موقع پر اسلامی ملبوسات کی سالانہ پریڈ ہوتی ہے جن میں اسلامی لباس پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ "پوشاک پریڈ" بڑی دل چسپی

دیکھی جاتی ہے کیونکہ اسلامی ملبوسات اپنے ممالک کی تہذیب و ثقافت کے آئینہ دار
تے ہیں اسلامی سوشل ویلفیر پروگرام کے تحت بے سہارا اور غریب عورتوں کو مالی
د فراہم کی جاتی ہے۔ ہنگامی حالت میں امدادی امور انجام دیئے جاتے ہیں۔ زنانہ
لیگ کی عہدے دار مصائب زدہ خاندانوں کے مسائل حل کرتی ہیں سوشل
فر اسکیم کے تحت بے سہارا لڑکیوں کو خود کفیل بنانے کے لئے ہنرمندی کے تربیتی مواقع
ہم کئے گئے ہیں اس مقصد کے لئے زنانہ مسلم لیگ نے لباس سازی کا ایک تربیتی ادارہ
ئم کیا ہے۔

اس کے علاوہ زنانہ مسلم لیگ لڑکیوں کے لئے ایک الگ مسلم گرلز کالج اور مسلم
لز یونیورسٹی قائم کی جارہی ہے یتیم اور بے سہارا لڑکیوں کے لئے رہائش اور بہت سی
ہولتوں کا انتظام کیا جارہا ہے۔

امینہ کو یا نے بتایا کہ زنانہ مسلم لیگ مسلمان برادری کی ترقی کے لئے جو کوششیں کررہی
ہے اس سے آئندہ نسلوں کی فلاح و بہبود پر بڑا خوش گوار اثر پڑے گا اور آج تک فجی میں
لمانوں نے جتنی ترقی کی ہے وہ سب مسلمان خواتین کی جد و جہد کی مرہون منّت ہے
اج فجی کی مسلمان عورتیں ترقی کی جن راہوں پر گامزن ہیں آئندہ نسلوں کو بھی اپنے سے
گے دیکھنا چاہتی ہیں زنانہ مسلم لیگ کا نعرہ ہے تمہارے بچّوں میں زیادہ بہتر تمہاری
ٹیاں ہیں۔ عورت پر اللہ کی رحمتوں میں سے ایک بڑی رحمت یہ ہے کہ اس کا پہلا بچہ بیٹی
ہو۔

جس معاشرے کی سوچ کا انداز یہ ہو کہ جہاں بیٹی کی ذات کو اہمیت و فضیلت
اصل ہوا سے احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے اس کی پیدائش پر رونے
ھونے کے بجائے خوشی منائی جائے وہاں معاشرتی تشکیل میں مرد کی بالادستی اور

اور عورت کی غلامی کا کوئی تصور نہیں مل سکتا اور جہاں یہ تصور اور سوچ نہ ہو وہاں اسلامی
تعلیمات کے مطابق عورت کا رتبہ اور مقام پہچانا جاتا ہے اور یہیں سے ایک مثالی
معاشرے کی بنیاد شروع ہوتی ہے جو کہ ۷۰ ہزار کی مسلمان آبادی والے ایک چھوٹے
سے جزیرے میں پایا جاتا ہے۔

# غزل

سر پر جب ہو اُن کا دامن
کیسی آفت کیسی اُلجھن

اُن کا پرَ تو گلشن گلشن
قسمت والو کر لو درشن

عشق ہے کانٹا پھول نہیں ہے
ہم بھی آئے جھاڑ کے دامن

وحشت کو اپنائیں کیسے
دُور گریباں سے ہے دامن

میری برق مزاجی دیکھو
پھونک دیا اپنا ہی نشیمن

اِظہارِ حق کھیل نہیں ہے
دوست بھی بن جائینگے دشمن

موت سے غافل جینے والے
بھول گئے ہیں اپنا مسکن

کھلتی ہیں جب دید کی راہیں
نظریں بن جاتی ہیں چلمن -

لو، یہ سینہ ہے یہ دل ہے
تیر چلائیں ناوک افگن

موم کبھی ہے بندۂ مومن
اور کبھی دیوار آہن

حسرت کیسے پوری ہوگی
دل ہے تونگر تنگ ہے دامن

از، حسرت بھٹکلی منگلور

# کیوبا کی لڑکی کا قبولِ اسلام

● ماریہ بجور وبیہ کے والدین نے بھی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کی خاطر اپنے آبائی وطن کیوبا پر حسرت و یاس کی نظر ڈالی اور جانیں خطرے میں ڈال کر امریکہ پہنچ گئے کیوبا سے نکلنے والے اس خاندان کے ایک فرد کی قسمت میں اسلام کی حقیقی وابدی برتو سمو صداقتوں سے ہمکنار ہونا کاتب تقدیر نے روزِ ازل سے ہی لکھ دیا تھا اس لئے ایسے اسباب بھی پیدا ہوتے چلے گئے کہ ماریہ بجور وبیہ کا سفر "مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّور" منزل سے ہم کنار ہوا۔

امریکہ میں داعی اسلام ایک نوجوان حامد ایوب امریکہ میں ماریہ سے ملا جس کی گفتگو نے ماریہ کے دل میں دین اسلام کی صداقتوں اور اس کے پہچان کی کرنیں بھی جگمگائیں۔

حامد ایوب نے امریکہ میں زرعی انجینئرنگ میں ایم ایس کی ڈگری حاصل کی اور واپس آنے کے لئے عازم سفر ہوئے تو ماریہ نے بھی پاکستان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی گویا قدرت ماریہ کو خود روشنی کی طرف کھینچ رہی تھی وہ پاکستان آگئیں انہوں نے عملاً اسلام کو دیکھا پرکھا مطالعہ کیا اور بالآخر وہ دن آگیا جب انھوں نے صدق دل سے اسلام کی عظمت کا اقرار کرلیا۔ انھوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھا پڑھ کر توحید و رسالت کا اقرار کیا اور اپنا اسلامی نام ماریہ رکھ لیا۔

ماریہ ایک پڑھی لکھی اور قدرتی ذہانت سے مالا مال لڑکی ہے۔ وہ اربن ڈیویلپمنٹ

میں ڈگری کی حامل بھی ہے۔ اس نے قبول اسلام کے بعد پاکستان میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا اور حامد ایوب سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ مسلمانوں کے لئے نومسلموں کی دلجوئی کا ثواب ہے۔ حامد ایوب اور اس کے والدین اس شادی پر آمادہ ہو گئے اس طرح نومسلم ماریہ پوری اسلامی برادری کی رکن بن گئی۔ بخشی ماریہ کے قبول اسلام میں ایک اور بات بھی ایسے عام واقعات سے کچھ الگ نظر آتی ہے۔ عام طور پر غیر مسلم خواتین کسی مسلمان سے شادی کرنے کی خاطر اسلام قبول کر لیتی ہے گویا انہیں اپنی شادی کو جائز کرنے کی خاطر اسلام قبول کرنا پڑتا ہے لیکن ماریہ نے پہلے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی اور اسلام کو برضا و رغبت اپنے دین کے طور پر چن لیا پھر احساس تشکر کے فطری جذبے کے تحت اپنے اس محسن سے شادی کر لی ہے جس نے پہلے پہل اس روشنی کی طرف اس کی رہنمائی کی تھی۔ ماریہ کا قبول اسلام جہاں اس کی ذات کے لئے اُخروی نجات کا ذریعہ ہے وہاں اس کے خاوند حامد ایوب کے لئے اجر عظیم کا باعث ہے اللہ تعالیٰ ماریہ کو توحید حق پر استقامت کی اور حامد ایوب اور ان کے خاندان کو اس کی قدر کی بھی توفیق بخشے

---

## سہ روزہ اجتماع

الحمدللہ کہ چھٹے کُل ہند اجتماع حیدر آباد کی وادیٔ ہُدیٰ میں شرکت کے بعد آج پھر ہم سب اُسی مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس اجتماع سے اُس اجتماع کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، مگر نسبت ضرور قائم کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ اُسی آفتاب کی ایک شعاع ہے، اُسی سورج کی ایک کرن ہے، اسی مقصد کے لئے ہم بار بار اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کے لئے منتشر ہو جاتے ہیں، ہم سب وہاں سے بہت بڑا سرمایہ لے کر آئے ہیں، ہماری غفلت، سُستی پست ہمتی دور ہو رہی ہے، ہماری کارکردگی کا جذبہ بیدار ہو چکا ہے، پندرہویں صدی کے پیغام نے ہمارے اندر نیا ولولہ پیدا کیا ہے، اب یہ اجتماع بھی اسی لئے ہو رہا ہے کہ ہماری منزلِ مقصود زیادہ روشن اور واضح ہو کر ہمارے قریب آتی محسوس ہوتی ہے۔ ایک بار ہم پھر اپنی فکر کو جلا دیں

اپنے جذبات میں گرمی لانے اور تازہ دم ہوکر آگے بڑھنے کے لئے پروگرام تیار کرنے کے لئے یہاں اکٹھا ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے ہم اپنے مالکِ حقیقی اَللّٰہ تَعَالیٰ کا شکر بجا لائیں جس نے ہماری مجبوریوں اور معذوریوں سے گھری ہوئی زندگیوں سے یہ موقع نکالنے کی سعادت عطا فرمائی، اور ہم اپنے رحیم و کریم معبود و مسجود کے اس اَمر میں بھی بے حد و حساب شکر گذار ہیں کہ اس نے ہمیں ایسے مُربیّ ایسے رہنما، ایسے سربراہ اور ایسے رفیق عطا فرمائے جو اپنی فکرِ فلاحِ دارین، کے ساتھ یوم الحساب کے موقع پر ہماری سرخروئی کی بھی فکر رکھتے ہیں اور مزید برآں اس فکر کو بروئے کار لانے کے لئے میدان عمل میں کام کا موقع بھی دیتے ہیں۔

ہزاروں درود اور بے شمار صلوٰۃ و سلام ہو حضرت محمّد رسُولُ اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر جنھوں نے ارشاد فرمایا ــــ اے محمّدؐ کی بیٹی فاطمہؓ اور اے محمّدؐ کی پھوپھی صفیہؓ جو کچھ آخرت کے لئے کرنا ہے یہیں کر لو، وہاں میری رشتہ داری کام نہ آئے گی۔

خواتینِ محترم! یہ بات جگہ جگہ پڑھی، بار بار سُنی اور خود بھی اوروں کو بتایا کہ عورتیں مردوں کا ضمیمہ نہیں بلکہ اپنی تمام تر ذمّہ داریوں کو سمجھنے اور انہیں ادا کرنے کی خود مکلّف ہیں۔ ہاں ہمارا میدانِ کار مردوں کے میدانِ کار کے برابر وسیع نہیں ہے۔ دنیا کے بہت سے بڑے بڑے اور پُر مشقّت کاموں کی تکلیف و ذمّہ داری سے ہمیں، سبکدوشی حاصل ہے، ساتھ ہی ذمّہ داری کے بڑے بڑے مناصب سے ہم محروم بھی رہیں۔ مثلاً نبوّت، حکومت، خلافت، عدالت، سیاست، امامت جہاد، قتال وغیرہ۔

ان مذکورہ ذرائع سے نیکیاں کمانے کی ترغیب و اجازت ہمارے لئے نہیں آئی
تہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کیا گیا اور ایمان داری کی بات
ہے کہ جن کاموں میں ہمیں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی، اُن کاموں کی
لاحیتیں بھی ہم کو مردوں کی طرح نہیں دی گئیں۔ اور اسی بنیاد پر طبقۂ نسواں
د ناقص العقل کے خطاب سے نوازا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مالکِ کائنات
و جو کام ہم سے لینا مقصود نہ تھا، اُس کی صلاحیتیں ہم کو نہ ملیں، اور جو کام لینا
طلوب تھا اُس کام کی اعلیٰ صفات عطا فرمائی گئیں میرے ایک رشتہ دار غریب
انہ پر تشریف لائے، گھر کی خواتین اس وقت دسترخوان پر تھیں۔ موصوف کو
ریکِ طعام ہونے کی دعوت دی گئی، انھوں نے انکار کیا، ہمارے اصرار
۔ بے ساختہ بولے :۔

" عورتوں کے ساتھ جو مرد کھانا
کھاتے ہیں وہ بیوقوف ہو جاتے ہیں "

ں نے کہا جب آپ دنیا میں نمودار ہوئے تھے، تو اس وقت آپ کی غذا کا
ق کس سے تھا، عورت سے یا مرد سے، رازقِ برحق نے دنیا میں شیرِ پدر
اتارا ہی نہیں جتنے اقسام کے دودھ دنیا میں ملتے ہیں، سب کا تعلق صنفِ نازک
سے ہے پھر مرد کتنا ہی وسیع الاختیار ہو، ایک طرف ماں کی آغوش میں سکون
ہے اور دوسرا ذریعۂ راحت بیوی بنتی ہے بچپن ہو، جوانی ہو یا بڑھاپا ہر
ر میں مردوں کو سکون و آرام عورت کی ذات بابرکات سے ہی پہنچتا ہے۔
ی ماں کی شکل میں ہے تو کبھی انا کی شکل میں کبھی خالہ اور نانی کی شکل میں
ہے تو کبھی [illegible]ن اور رشتہ دن کی شکل میں۔ عورتوں سے مکمل دور رہنا مردوں کے لئے

ممکن ہی نہیں، تو پھر کیا ساتھ کھانا کھانے سے مرد بیوقوف ہو جاتے ہیں؟ بعض ذمہ داریوں سے ہمیں ایک گونہ رخصت ملی، یہ ہمارے رحیم وکریم خالق نے ہمارے لئے ضروری سمجھا، نہ اس لئے کہ ہمیں ذلیل بنانا مقصود تھا بلکہ یہ اُس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا تھا، ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

عزیزاتِ محترم! جہاں تک میں غور وفکر کر سکی ہوں، میرا خیال ہے کہ جتنی بھی سبکدوشیاں ہیں وہ قابلِ شکر ہیں اس لئے کہ جو منصب ماں کی حیثیت میں عورت کو عطا ہوا ہے اس کا تقاضا یہی ہے، جس قدر ماں کا درجہ بلند ہے، اس کا ہمسر کوئی اور رشتہ بنایا ہی نہیں گیا، اسی قدر اہم اُس کی ذمہ داریاں بھی ہیں، ان ذمہ داریوں کا تقاضا یہی تھا کہ اہمیت والے کاموں کی طرف سے یکسو کر دیا جائے، صرف ایک مثال کہ اگر خواتین پر نماز کے ساتھ جماعت بھی واجب ہوتی تو ننھے منّوں کے ساتھ کتنی دشواریاں پیش آتیں۔ ماں کا یہ منصب ایسا ہے کہ پیغمبر، حکمراں، مجاہد خلیفہ، امیر وغیرہ سب ماں کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، ادب کرتے ہیں اس کے جائز احکام مانتے ہیں، اسکی خواہشات پوری کرنا ضروری سمجھتے ہیں مختصر یہ کہ اس منصب نے تمام محرومیوں کی خاطرخواہ تلافی کر دی ہے۔

ہمارے سامنے سب سے اعلیٰ مثال یہ ہے، کہ نبی کریم حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ کی دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ملاقات کے لئے آئیں تو حضورؐ نے دوشِ مبارک سے چادر اُتار کر اُن کے لئے بچھا دی آپؐ نے علمِ شعور میں اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا لیکن جو ماں کی مثل تھیں، اُن کے احترام سے اندازہ کیجئے کہ افضل البشر اور سردار انبیاء نے اپنے شانۂ مبارک کی چادر، اپنے مقدس ہاتھوں سے زمین پر بچھا دی، فرطِ محبت اور احترام کے

ضے کے ساتھ غالبًا آپ نے اس لئے بھی ایسا کیا تاکہ ماں کا درجہ واضح ہو جائے۔
اہ عبدالقادر جیلانیؒ کو قافلے کے ساتھ ڈاکوؤں نے لوٹنا چاہا اور پوچھا تمہارے
س کیا ہے؟ تو آپ نے بے تکلف بتادیا کہ میری صدری میں چالیس اشرفیاں
سلی ہوئی ہیں ــ آپ کے اس جواب سے ڈاکو حیران ہو گئے اور کہا کہ ہمارا خیال
بھی وہاں تک نہ جاتا، تم نے کیوں بتادیا؟ ــ آپ نے فرمایا، میری ماں نے
جھوٹ بولنے سے منع کر دیا تھا۔ ماں کی نصیحت پر عمل کرنے والے سے سب
ڈاکو متاثر ہوئے اور قافلہ نقصان سے بچ گیا۔ اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہم
نے پڑھی اور سنی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے رتبہ کے ساتھ ذمہ داریاں
بھی اہم اور غیر معمولی ہیں۔ ماں کی نیکی، سچائی، ہمدردی، معاملہ داری، عبادت
اطاعت، حقوق العباد، فکرِ آخرت کے اثرات اولاد میں نمودار ہوتے ہیں۔

اللہ، کی ہزاروں بار پناہ، یہ باتیں میں بڑائی کا جذبہ اُبھارنے یا فخر و تکبر میں
مبتلا ہونے کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ میرا مقصد ہے کہ اے عورت! تو اپنے
آپ کو پہچان، پیدا کرنے والے نے جو دائرہ کار ھمارے لئے مقرر کیا ہے، اسی
کے اندر ہمارے لئے سب کچھ ہے، تمام کامیابیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ دائرہ جو
اس کو توڑ کر اس میں تبدیلیاں لانے کی فکر میں اس سے باہر نکل گئیں، انہوں نے
دنیا کی سب سے اعلیٰ نعمت نسائیت اور حیا کو تباہ کر دیا۔ نسائیت اور حیا کی
تباہی کے ساتھ پھر تو انسانیت بھی جاتی رہی۔ اور انسانیت کے مفقود ہو جانے پر
حیوانیت کا غلبہ ہو جانے سے پوری دنیا تباہ ہو جاتی ہے، اور جب دُنیا تباہ ہو
جائے تو آخرت سنورنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ تفصیل میں جانے کا موقع
نہیں، دُنیا کے بگڑے ہوئے حالات روزِ روشن کی طرح گواہی دے رہے ہیں۔

لیکن یقین جانئے ،سُدھار کا امکان ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ انجام میں نگاہیں سُدھار کا راستہ ڈھونڈھ رہی ہیں۔ آپ اُٹھیں ،حق دوست ،پابند آئینِ الٰہی نمونے سامنے لائیں اور متلاشی ذہنوں کو اپنی طرف متوجّہ کرلیں ،اس میدانِ کار میں ماں کا کردار ،بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

میری محترم بہنو ،اور عزیز بیٹیو! بیدار ہو جاؤ ہماری غفلت اور لاپروائی اندھیرا پھیلا دے گی ،اور ہماری مستعدی اور کارکردگی اُسے دُور کردے گی ،جہاں کہیں جہالت ،خباثت اور خیانت پائی جارہی ہے وہ ہماری ناقص تربیت کا اثر ہے ،زندگی کے جن شعبوں سے ہم نے اپنے آپ کو دور کرلیا ہے ،اُن سے ہم لاتعلق نہیں ہیں ،کیونکہ جتنے کارکن دنیا کے تمام شعبوں میں کام کر رہے ہیں ،اُن کا پہلا مکتب ہماری آغوش رہ چکی ہے ،ہم تو اپنا مقام پہچان چکے ہیں ،اپنے فرائض کی ادائگی کا حساب لینے والے مالک سے اقرار کرچکے ہیں۔ اب تن ،من ،دھن کی بازی لگا کر منزلِ مُراد تک پہنچنے کے لئے زندگی بھر کی بازی لگانا ہے۔ ساتھ ہی جو خواتین دائرۂ اسلام میں رہنے کی دعویدار ہیں اور فرائض کی ادائگی سے غافل بھی ،اُنہیں بیدار کرکے ساتھی بنانا ہے۔ جن خواتین تک دین کا پیغام نہیں پہنچا یا جنھوں نے اسے قابلِ عمل نہیں سمجھا اور زندگی کے تمام شعبوں میں مَردوں کی ہمسری کا دعویٰ کیا اور مادری فرائض فراموش کرکے ممنوع کاموں میں حصّہ بھی لیا۔ وہی آج کی تاریکی کی ذمّہ دار ہیں۔ اگر مسلم خواتین بھی عالمگیر بگاڑ کے وجوہ واسباب کو نظرانداز کرتی رہیں تو کوئی پناہ گاہ باقی نہ رہے گی ـــ ہمیں اب کیا کرنا ہے ؟ یہ سب تفصیل مرتب پروگرام کے مطابق ہماری رفیقات ومشفقات کی تقاریر اور مقالات سے واضح ہوگا۔ میں تو صرف چند نکات پر اکتفا کروں گی۔

محترم عزیزات!

عقیدہ وعمل، عبادات ومعاملات کی درستی ہمارا اولین فریضہ ہے۔ ہمارے دستور نے اسے پورا کرنا لازمی قرار دیا ہے اور جو چیز لازمی ہے اس میں کمی یا کوتاہی کا امکان ہی نہیں ہے، اس معاملے میں ہمارا ذہن قطعاً مطمئن ہونا چاہیئے، ہم اتنے تیار ہو چکے ہوں کہ جب، ہم سے سوال کیا جائے تو ہم پورے خلوص وصداقت کے ساتھ شافی جواب دے سکیں، اس تیاری کے لئے ہمیں غور وفکر کے ساتھ بار بار دستور کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ خاص کر دفعہ ۸ کا، صرف اپنے علم وشعور پر بھروسہ نہ کریں۔ اجتماعی مطالعہ کی شکل میں سمجھیں، جو مقصد اخذ کریں، اس کو اپنے سے زیادہ جاننے والے سے دریافت بھی کرلیں۔

دعوتی کام کا آغاز اپنی ذات سے ہونا چاہیئے جتنا جتنا معروف کا علم بڑھتا جائے، اپنے اندر اوصافِ حسنہ جمع اور پیدا کئے جائیں۔ اور منکر کو توگویا خوردبین لگا کر ایک ایک کو دیکھا اور نکالا جائے، اپنی ذات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے جو درجات مقرر فرمائے ہیں، ان میں حفظِ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حکمت اور شفقت کے ساتھ دعوتی کام ہونا چاہیئے۔ والدین، اجداد، اولاد دراولاد، خالہ، پھوپھی، ماموں، چچا اور تمام اہلِ خاندان پڑوسی وغیرہ اسی طرح شادی شدہ بیٹیاں، بہویں اپنی اپنی سسرال کے سب ہی عزیزوں کو پیشِ نظر رکھیں۔ نہ تو کسی عزیز کو نظر انداز کیا جائے، نہ ہی کسی کے انتظار میں قدم روکیں۔ میں نے کارکن خواتین میں قابلِ لحاظ حد تک یہ کمی دیکھی ہے کہ خاندان سے باہر بڑی سرگرمی سے کام کرتی ہیں اور خاندان پر توجہ نہیں ہوتی خواتین کے علاوہ ہمارے کچھ محترم مرد رفقاء بھی اپنے اہلِ خانہ اور خاندان کو نظر انداز کئے

ہوئے ہیں۔

خواتین کے دعوتی کام میں جو پہلو مجھے تشنہ محسوس ہوا، اس کی نشاندہی کرنا اور آپ کو توجہ دلانا میرے خیال میں ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بصارت کے ساتھ بصیرت کی نعمت سے کام لینے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے

آخر میں میری اپنے رحیم و مہربان ربّ کائنات سے التجا ہے کہ یہ تین دن ہماری زندگی کے یادگار دن بن جائیں ہمارے مابین ایسا خلوص، ایسی محبت پیدا ہو جو ہمیشہ ترقی پذیر ہو سکے۔ ہم یہاں کے نظم ونسق کی ایسی پابندی کر سکیں کہ ہم پر کسی کو نظر اُٹھانے کا موقع نہ ملے۔

اے اللہ ہمارا کوئی لمحہ غیر مقصدی چیزوں پر ضائع نہ ہو ہماری ذات سے کسی کو کسی طرح کی تکلیف واذیت نہ پہنچے ہمارا جو عمل مقبول ہو، اس کے اثرات آخرت تک ہمارا ساتھ دیں۔

# مقصدِ تعلیم

لفظ علم اصلاً عربی زبان کا لفظ ہے جو لغت میں جب بھی آیا ہو لیکن انسانی سماج میں اس کا استعمال اور انسان سے اس کا گہرا تعلق اتنا ہی قدیم ہے جتنا تخلیق آدم کا واقعہ! گویا لفظ انسان اور علم ایک ہی وقت کی پیداوار ہیں۔ فطرت کے گہرے اتصال نے اسے اپنے معانی بیان کرنے سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ ابتدائے آفرینش سے انسان کا رفیق ہے۔

اہل دانش کے نزدیک علم کا مفہوم محتاج شرح و بیان نہیں کیونکہ وہ نہایت ہی واضح اور روشن ہدایات انسانی کا جزو اعظم ہے جس سے عمر کے ہر مرحلہ کا ذی شعور انسان واقف ہوتا ہے ساتھ ہی ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ جس طرح علم کا مفہوم ہمارے انسانی سماج میں عام ہے اسی طرح اس کی فضیلت و برتری کا احساس بھی ہمارے ذہن و شعور میں اول وقت سے بیدار ہے۔

انسانی ذہن میں علم کا تصور مثل نور ہے اور جس طرح روشنی تاریکی کے مقابلہ میں ممتاز ہے اور اس کی صفات بیان کرنے میں ہمیں تفہیم کی ضرورت پیش نہیں آتی اسی طرح علم و جہل بھی اس تشریح و توضیح سے بے نیاز ہیں۔[1]

اہل لغت کے نزدیک علم کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جہل کا مدمقابل ہے جو اپنے مفہوم میں عام اور بالکل آزاد ہے جس کے معنی اصلاً کسی مخصوص حالت سے وابستہ ہیں۔ لیکن علم "کا مقابلہ جہل سے اصولی بھی ہے اور فروعی بھی۔ یعنی علم کلی طور پر" عدم علم" کی بھی ضد ہے اور جزوی ناواقفیت کا بھی مدمقابل ہے۔ چنانچہ قبل اسلام کے اہل عرب جو شعر و سخن، کہانت، و قیافہ شناسی اور خطابت و جنگی مہارت

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے Encyclopedia of Britama مضمون Education اور Science ابن خلدون جلد ا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد دوم (انگریزی) مطبوعہ لیدن مضمون تعلیم اور علم۔

جیسے علوم سے اچھی طرح واقف تھے وہ اسلام کے لائے ہوئے نورِ علم کے مقابلہ میں جاہل قرار پائے[۱]

قرآن مجید میں تخلیقِ آدم کے واقعہ کے ساتھ اسے زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور اس کے ذریعہ اسے امتیازِ خصوصی دینے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے[۲] چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (ہم نے آدم کو تمام نام سکھا دیے) گویا قرآن مجید نے انسان کے علم کی صورت یہ متعین فرمائی کہ وہ ناموں کے ذریعہ حقائق و اشیاء کے علم کو اپنی گرفت میں لاتا ہے اور اس اعتبا سے انسان کی تمام معلومات دراصل اسماء اشیاء پر مشتمل ہیں۔ آدم کو نام سکھانا گویا ان کو تمام اشیاء کائنات کا علم دینا تھا۔ یہ فرشتوں کا شبہ کا جواب تھا کہ اس طریقہ سے میں آدم کو صرف اختیارات خلافت ہی نہیں دے رہا ہوں۔ بلکہ علم بھی دے رہا ہوں[۳]

انساں کو اپنے گرد و پیش کے واقعات اور کائنات کے حقائق تک پہنچنے اور ان سے نتائج کے اخذ کرنے کا جو ملکہ عطا ہوا ہے وہی اصلاً اس کا وصف ممتاز ہے۔ حقائق کے ادراک اور ان سے انسانیت کے مفاد کے لیے نتائج نکالنے کی ہر کوشش و جستجو اسی سلسلہ علم کی ایک کڑی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا علم کا موضوع اشیاء کا ادراک اور حقائق کا انکشاف ہے اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے انسان کی انفرادی، اجتماعی، جسمانی، ذہنی اور روحانی زندگی کی نشو و نما کا راستہ پیدا کرنا ہے[۴] ہم جیسے جیسے اپنی معلومات کو نقوش اور اشکال کی زنجیروں میں قید کر سکے ہیں تو ہمارے علمی فوائد، اس کی کیفیت و کمیت ترقی پذیر ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ آج جو کچھ ہم جانتے اور برتتے ہیں وہ اسی لفظی کھیل کا نتیجہ ہے۔

---

[۱] دائرۃ المعارف القرآن رابع عشر (عربی) محمد فرید وجدی ص ۵۱۴

[۲] دوسری مذہبی کتابوں میں تلمود بھی اس قصہ کو بیان کرتی ہے۔

[۳] تفہیم القرآن ج اول ص ۶۴ [۴] تعلیم کا مسئلہ رضی الدین احمد کی کتاب ص ۵ ۔ ۱۵

علم کا مقصود بھی ماضی سے لے کر حال تک کے طویل عرصہ میں یہی قرار پاتا رہا کہ وہ بنی آدم کے ذہنی ارتقار کا وسیلہ ہے، وہ اس حاصل کردہ طریق زندگی کا نام ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہا ہے یا زندگی کا وہ محرک ہے جو اپنے نت نئے تجربات سے زیادہ سے زیادہ بہتر زندگی کے مواقع پیدا کرتا ہے[1]

اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ علم کا مقصد کی تعین میں ہر زمانہ کے اہل فکر و نظر ایک ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرنا اس لیے فضول ہے کہ اس کے خلاف کوئی نظریہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

لیکن یہ بات قابل وضاحت ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ محض فلسفہ علم یا اہل فکر و نظر کے ان نظریات کے سلسلہ میں ہے جو "علم و تعلیم" کا مقصود متعین کرنے کی بنیاد ہیں۔ اگر کسی دور میں عملی طور پر "علم و تعلیم" کو ذریعہ معاش بنایا گیا ہو تو یہ اس کا ایک عملی پہلو ہے جو ہمارا موضوع بحث اس لیے نہیں بن سکتا کہ اس پر وقتی ضروریات و حالات کی چھاپ رہی ہے۔

اس متفق علیہ نظریہ کے ساتھ ایک دوسری چیز جو ہمیشہ سے مابہ الاختلاف ہے یہ ہے کہ "ذہنی ارتقار" کی حد کمال کیا متعین کی جائے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کائنات اور انسان کے بارے میں تصورات بدلتے رہے ہیں جس کی وجہ سے انسانی ارتقار کا تصور بھی اس کی اتباع میں متاثر ہوتا رہا ہے۔

اہل نظر واقف ہیں کہ فلسفہ اخلاق و فلسفہ سیاست کی طرح انسان و کائنات کا ایک عکس ہوتا ہے۔ لوگ انسان اور کائنات کا جو تصور قائم کرتے ہیں اس کی روشنی میں اپنے ارتقار کی منزلیں بھی متعین کرتے ہیں اور اس طرح زندگی کے بارے میں تصورات کے اختلاف سے زندگی کے

---

[1] مجموعہ خطبات تعلیم ڈاکٹر ولیم، ایچ کلپٹرک ص ۱-۵

مقاصد بھی متاثر ہوتے ہیں۔

ہمیشہ سے مختلف قومیں، اپنے مخصوص عقائد، نفسیات، زندگی کے مختلف اپنے نقطہ نظر، مطالعہ کائنات اور معیار اخلاق کی روشنی میں اپنے ارتقار کا معیار قائم کرتی ہے جس سے علم کا مقصد اعلیٰ تو ایک ہی رہتا ہے لیکن نتائج مختلف ہوتے ہیں۔ اس کا فرق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ہم اپنے سرمایہ علم کو پھیلانے اور اپنی آبادی میں عام کرنے کی تدبیریں جس کی دوسری تعبیر تعلیم اور نظام تعلیم سے کی جا سکتی ہے۔ اختیار کرتے ہیں۔ تو ہمارے نقطہائے نظر مختلف ہوتے نظر آتے ہیں جو دراصل ہمارے ارتقار کے خطوط کا اختلاف ہے۔

انسانوں کا وہ طبقہ جسے اپنے خاتمہ پر یقین نہ ہو بلکہ وہ ماورائے کائنات کی طاقتوں کے وجود پر ایمان رکھتا ہو اس کا خط ارتقار اس طبقہ کے مقابلہ بہ زیادہ آگے ہوگا جس کی نظریں زندگی کا تصور اسی ناسوتی دنیا تک محدود ہے۔

اسی طرح ایک ایسے عقیدہ کی حامل قوم جس نے اپنی کامرانی و کامیابی اور فلاح و نجات کا دار و مدار خالق کائنات کی رضا جوئی کو بنایا ہو۔ اس کے ارتقائی سفر کا آخری نشان بھی ہوگا کہ اسے اس منزل کا صحیح راستہ مل جائے لیکن جو ذہن اس عقیدہ سے ہم آہنگ نہ ہو اور جسے اس کائنات کا کوئی صانع دکھائی نہ دیتا ہو جس کی نظریں سارا وجود محض اتفاقی حادثہ ہو وہ اپنی زندگی کے ارتقار کا تعین اپنے اس مخصوص ذہن سے کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان مقاصد کو بروئے کار لانے میں انسان کی سب سے بڑی طاقت ادراک و علم کا استعمال کیا جائے گا۔

زندگی کے بارے میں یہ مخصوص عقائد و نظریات آگے چل کر قوموں کے خمیر میں اس طرح گھل

---

لہ۔ دیکھئے مضمون عالم اسلام میں نئے نظام تعلیم کی ضرورت۔ مترجمہ سلمان شمسی ندوی، اسلام اور عصر جدید۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔

مل جاتے ہیں کہ وہ ان کے نظام زندگی کی روح بن جاتے ہیں اور یہی روح تعلیم وتربیت میں سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی یہ روح محض روحانی علوم ہی میں نہیں بلکہ خارجی علوم ادب، فلسفہ تاریخ، فنون لطیفہ، علوم عمرانیہ حتیٰ کہ معاشیات تک میں سرایت کر جاتی ہے اور پھر اس کو اس سے مجرد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔[1]

یہ حقیقت ماضی کے دریچوں سے بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ اور حال کے مشاہدات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ مشرق و مغرب کے تصور زندگی میں عقیدہ کا جو اختلاف ہے اور زندگی کے بارے میں تصورات کی جو دوئی ہے اس کے نتیجہ میں ان دونوں سمتوں میں بسنے والے انسانوں کے نظریۂ ارتقاء اور تعلیم و تعلم کے مقاصد میں اختلاف عظیم ہے حالانکہ ان دونوں کونوں میں بسنے والے انسانوں کے نزدیک علم کا ماحصل متفقہ طور پر انسان کی اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا ارتقاء ہے۔ پھر یہی اختلاف جزوی طور پر مشرق و مغرب کے آپسی خطوں اور باہمی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے۔

غالباً اس کی دلیل کے لیے تاریخی شہادتوں کی ضرورت اس لیے نہیں کہ یہ صورت تا حال برقرار ہے۔ اس لیے اگر حال کا جائزہ لیا جائے تو وہ ہمارے نزدیک زیادہ قابل اعتبار قرار پائیگا۔

آج کی دنیا ماضی کے طویل تجربات کے بعد اپنے تئیں آزادی فکر و نظر کی قائل ہو رہی ہے۔ وہ ان عقائد و نظریات کو محض شخصی معاملہ قرار دینے میں اپنا فائدہ محسوس کرتی ہے اور حیات و کائنات نیز علم اور انسانیت کے استعمال اس کے وسیع مطالعہ اور نتائج اخذ کرنے میں آزاد مشربی کا رویہ اختیار کرنے پر متفق ہونا چاہتی ہے لیکن اس پسندیدہ تحریک کی دعوت کے باوجود جو قومیں اپنے اس مسلک کا اعلان کر چکی ہیں وہ ابھی تک مخصوص عقائد و نظریات کو نظرانداز نہیں کر سکی ہیں۔ جسے انھوں نے اپنے سفر زندگی کا نشان منزل بنا رکھا ہے۔[1]

---

[1] عربی کتاب (نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ) السید ابوالحسن علی الحسنی الندوی

ایک ایسے عقیدہ کے اعتبار سے جو سیاسی سطح پر بہت زیادہ اثر انداز ہے۔ دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ایک گروہ کی قیادت وقتی طور پر امریکہ کر رہا ہے اور دوسرے کی باگ ڈور روس کے ہاتھ میں ہے یہ دونوں نمائندے آزادی فکر و نظر کے علمبردار ہیں لیکن عملی میدان میں اپنا کردار پیش نہیں کر سکے ہیں جس کی وجہ اس مخصوص عقیدہ کی گرفت ہے جس سے وہ آزاد نہیں ہو سکے۔

مثال کے طور پر سویت روس کو لے لیجئے جس نے تمام ادیان و مذاہب کا کلی طور پر انکار کر دیا ہے اور فکری آزادی کا سب سے بڑا علمبردار ہے، جس کے بارے میں مشہور ہو گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی اجارہ داری کا منکر ہے اور ہر قسم کی روایات اور پابندیوں سے آزاد ہو چکا ہے۔ اس کے لیے کسی فرد کی تقدیس چاہے وہ پیغمبر ہو یا پیشوا کا نظریہ قابل قبول نہیں ہے، وہ کسی ملک کی تعلیم و تربیت کے اصول، عالمگیر انسانی اصول نوع انسانی کا مشترکہ ورثہ تسلیم نہیں کرتا اور اس کو ایسا صاف اور شفاف چشمہ نہیں سمجھتا جس میں رنگ آمیزی نہ کی جا سکے۔

وہ کیمونسٹ حلقہ سے کسی طرز تعلیم کو درآمد کرنے بلکہ ایسے علم و ادب کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا جو بقول اس کے سرمایہ داری نظریات، رجحانات، ماحول اور معاشرہ میں پروان چڑھا ہو، اسے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں ایسے علوم و فنون کیمونزم کے عقیدہ میں شک و شبہ پیدا نہ کر دیں اور اسے کمزور نہ بنا دیں۔

روس جو تمام حدود و قیود اور ہر طرح کے تقلیدی رجحانات کے خلاف بغاوت اور کامل آزادی کا علمبردار ہے اس نے بھی نظریاتی اور عملی تمام علوم، یہاں تک کہ علم سائنس، جغرافیہ اور تاریخ کو کیمونزم میں رنگنے اور اپنے قائدین اور اپنی تحریک کے مؤسسین کارل مارکس اور لینن کے افکار و نظریات کا پابند بنا دیا ہے۔

اس موقع پر روس کے ماہرین تعلیم میں سے صرف ایک کی گواہی کافی ہوگی۔ مشہور ماہر طبیعیات پروفیسر M. c Goran کی رائے ہے کہ:۔

روسی علوم دینیادی علوم کی قسم سے نہیں بلکہ ان سب سے جدا اور مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔
.س علم کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنیادیں واضح اور ممیز فلسفہ پر استوار ہیں۔ تمام
تحقیقات کے لیے کوئی اساس ہونی چاہیئے۔ اور ہمارے علم کی اساس وہی نظریات واصول
ہیں مارکس اور لینن اور استالن نے پیش کیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ طبعی علوم کے میدان
بھی فلسفہ ہمارے ساتھ رہے اور پوری قوت اور حوصلہ مندی اور یاوری کے ساتھ ان تمام
یں کا مقابلہ کر سکیں جو ہمارے مادی مارکس فلسفہ سے متصادم ہوں۔"[1]
امریکہ اور برطانیہ کے درمیان نسل اور خون کی مشارکت ہے لیکن اس کے باوجود فکر و عقیدہ
خلاف ہے۔ اس لیے امریکہ برطانیہ کے نظام تعلیم کے کسی صالح حصہ کو بھی مستعار لینا پسند
ں کرتا۔
پروفیسر J. B. connot اپنی کتاب Education and Liberty میں لکھتے ہیں۔
"ہم نے ماضی میں یورپی یا انگریزی تعلیمات یا تعلیمی نظریات کو امریکہ میں اپنا کر نفع سے زیادہ
ماں اٹھایا ہے۔"
مذکورہ ماہرین اور قائدین جو اپنی قومی خصوصیات کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ علم و تربیت
، نظام کو ایک ایسا لباس سمجھتے ہیں جس کی قطع و برید قوموں کے قدوقامت رسوم و روایات اور
ر مقاصد کے مطابق ہونا چاہیئے۔
اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اصل مقصود نہیں بلکہ یہ ذریعہ اور وسیلہ ہے زندگی
لے مقصد اعلیٰ کو حاصل کرنے کا۔
اس حد تک تقریباً سارے مفکرین اور دانش مند متفق ہیں لیکن وہ اعلیٰ مقصد جس کے حصول

---

Ed. XI Encyclopedia of Britania.

کا ذریعہ ہم نے علم اور تعلیم کو قرار دیا ہے وہ عقائد و نظریات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے
چند ماہرین تعلیم کی آرا کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔

Prey Num انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مضمون میں لکھتا ہے۔

"لوگوں نے علم و تربیت کی تعریف میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں لیکن اصل بنیادی نقطہ یہ ہے کہ علم و تربیت اس کوشش کا نام ہے جو نئی نسل کو اپنے تسلیم و اختیار کئے ہوئے نظریہ زندگی کے مطابق ڈھالتی ہے"

John Dewey اپنی کتاب Democracy and Education میں رقمطراز ہے۔

قومیں تجدید کے سہارے زندہ رہتی ہیں اور تجدیدی کوششوں کی بنیاد علم و تربیت پر قائم کی جاتی ہے۔ قوم اپنے افراد میں اپنے وسائل اور نظریہ زندگی کے لیے صالح ورثا مہیا کرتی ہے۔ اور ان کو اپنے عقائد اور اصول کے سانچے میں ڈھالتی ہے"

پروفیسر کلارک لکھتا ہے۔

"تعلیم کی تشریح و تعریف میں جو کچھ کہا جائے یہ مسلّم ہے کہ یہ اس نظریہ زندگی کی حفاظت اور استحکام اور اسے اگلی نسلوں تک پہنچانے کی جد و جہد کا نام ہے جس پر قوم ایمان رکھتی ہے اور جس کی بنیادوں پر قومی زندگی کی عمارت قائم ہے"

علم اور مذہب ا

چودہ سو سال سے لے کر اب تک اور اسلامی عقیدہ کے مطابق قیامت تک اسلام دنیا کا سب سے بڑا عالمگیر مذہب ہے جس نے حیات و کائنات کا وہ نظریہ پیش کیا ہے۔ جو اس کی نذر میں خالق کا دیا ہوا ہے جو اس کے دعویٰ کے مطابق سارے انسانوں کے لیے مشعل ہدایت ہے اس لیے مذہب کو ماننے والوں کے نزدیک علم کا متصور اعلیٰ وہ ہے جو آسمانی کتابوں نے ان کے لیے پیش کیا ہے۔

اسلام نے جب علم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اسے فریضہ خداوندی مان کر مقدس امانت کی طرح محفوظ ہی نہیں کیا بلکہ اس میں عظیم الشان اضافہ کر کے آنے والی نسلوں کے لیے پیش کر دیا۔ کوئی علم اور کسی طرح کی صنعت ہو اس کی تاریخ ترقی میں سے اگر اسلامی عہد کو حذف کر دیا جائے تو یہ بام علم کے سیڑھی کے ایک اہم زینہ کو توڑ دینا ہے۔

اس لیے ہمیں دنیا کے سب سے بڑے مذہب اسلام کے نظریۂ علم و تعلم کو پیش کرنا چاہیئے۔ تاکہ پوری انسانی برادری اس کی روشنی میں اپنے ارتقاء اور مقصد اعلیٰ کا تعین کر سکے اسلام نے علم دین دونوں کو چولی دامن کی طرح باندھ دیا ہے بلکہ قرآن مجید کی سب سے پہلے اترنے والی آیت اقرا باسم ربک الذی خلق (اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا) تو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خالق کائنات نے انسان کی تخلیق علم و تعلم ہی کے لیے کی ہے۔

اسلام کی نظر میں علم کا مقصود اور زندگی کا مقصد اعلیٰ اپنے پیدا کرنے والے کی رضا جوئی ہے جس کا تقاضا ہے کہ علم کے ذریعہ نہ صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کیا جائے بلکہ اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے اور کرنے اور اس روشنی سے جہل و نادانی کے اندھیرے کو دور کرنے، گمراہ اور سرکش انسانوں کو راہ راست پر لانے اور حق کے مقابلہ میں باطل کو مٹانے کا مشن پورا کیا جائے۔

اسلام نے حیات و کائنات میں تصرفات کے جو حدود انسان کے لیے مقرر کیے ہیں اس کی روشنی میں ان دونوں کے بارے میں علم و تلاش اس مقصد اعلیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے اس لیے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ علوم جن کا براہ راست اخلاق و سیرت پر ظاہری اثر نہ پڑتا ہو وہ اسلام کی نظر میں غیر اہم ہیں براہ راست یا بالواسطہ وہ علم جو انسان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے یا اس کی تعلیمات پر زندگی گذارنے میں معاون و مددگار ثابت ہو اس کا حصول عین عبادت ہے۔

دنیا کے ان علوم و فنون کو جو انتہائی تنوع اختیار کر چکے ہیں۔ دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ قسم ہے جسے ہم اصطلاح میں دینی علوم کہہ لیتے ہیں اور جو براہ راست ہمارے سا

وسیرت پر بڑی تیزی سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ علوم وفنون ہیں جنھیں ہم دنیاوی علوم کا نام دیتے ہیں اور بظاہر ان کے حصول یا عدم حصول سے ہماری آخرت یا نجات پر اثر پڑتا دکھائی دیتا لیکن اسلام کی نظر میں یہ دونوں قسمیں قابل احترام ہیں اور ان دونوں راستوں سے ایک ہی منزل پر پہنچنا چاہیے۔

اسلام میں مجرد علم کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید میں آدم کو مسجود ملائکہ ہونے کے استحقاق کی وجہ محض علم کائنات بتائی گئی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں علم آدم الاسماء کلھا کو ذہن میں رکھا جائے تو ذہن میں علم کائنات کا وسیع تصور ابھر آتا ہے[1]

اس کے علاوہ چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ عالم کائنات کو اللہ کی آیات بتایا گیا ہے اور اس پر غور کرنے کی دعوت دی گئی، پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ زمین اور اس کے دریا، سمندر، جمادات، نباتات حیوانات اور اسی طرح عالم بالائی مخلوقات یعنی شمس وقمر، ستارے اور سیارے یہ سب انسان کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور خدا نے ان سب چیزوں کو انسان کے تصرف واختیارات میں دیا ہے۔ اس لیے ان جیسی آیات کو سامنے رکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ علم انسانی کے مختلف گوشوں کی طرف اشارات ہیں تو بے جا نہ ہوگا[2]

اسی لیے اس دین کے پیرو اپنی ابتدا سے کبھی بھی ان علوم وفنون کو حاصل کرنے میں نہیں جھجکے۔ چنانچہ جارج سارٹن کی کتاب History of Islam اور History of Science

---

[1] قومی تہذیب اور ہندوستانی مسلمان ص ۹۰

[2] ملاحظہ فرمائیں ان جیسی آیات:-

ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء والارض الخ

وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار ۔۔۔ الخ وغیرہ

کے مصنف کی یہ شہادت کافی ہونا چاہیے کہ "اولیں مسلمان بھی علوم دینیہ و اسلامیہ کے علاوہ طبعی وسماجی اور بنیادی علوم و فنون میں سے کوئی علم سیکھنے میں پیچھے نہیں رہے بلکہ انھوں نے انسانی اجتماع اور تمدن علوم کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔

امام غزالی —— احیاء العلوم ج ۱ ص ۹۸ میں لکھتے ہیں:۔

"جب علم تمام امور میں افضل ہے تو اس کا حاصل کرنا گویا افضل چیز کا حاصل کرنا ہے اور اسکی تعلیم دینا افضل چیز کا مہیا کرنا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے مقاصد دین اور دنیا دونوں کے مجموعہ پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ دین کا نظام جب تک دنیاوی نظام پر قائم نہ ہو۔ قائم نہیں ہوسکتا اور دنیا کا نظام انسانوں کے کاموں اور پیشوں پر مشتمل ہے۔"

ابن خلدون کی رائے ہے: (دیکھئے ج ۱ ص ۴۷۰)

"انسان تمام حیوانوں سے اپنی حیوانیت میں حس و حرکت اور غذا کے لحاظ سے مشارکت رکھتا ہے اسے جو امتیاز حاصل ہے وہ اس کی قوت فکر کی وجہ سے ہے اس کے ذریعہ سے وہ اپنے معاش کی تحصیل اور اپنے ابنائے جنس سے اس کے حصول میں تعاون کرتا ہے اور اسی تعاون کو مہیا کرنے کے لیے اجتماعی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ وہ اس قوت فکر سے ان پیغاموں کو قبول کرتا ہے جو انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اور اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے وسیلے اختیار کرتا ہے۔ وہ تمام معمولات میں ہر وقت غور و فکر سے کام لیتا رہتا ہے پھر بھی اس سے غافل نہیں ہوتا۔ اور اسی غور و فکر کے ذریعہ سے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اس فکر کے ذریعہ ان ادراک کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے حاصل نہیں رہتے اس لیے وہ لوگوں کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس سے پہلے علم حاصل کر چکے ہوتے ہیں یا جن لوگوں کو اس کی معرفت زیادہ حاصل رہتی ہے یا ان انبیاء کی تعلیمات میں ڈھونڈتا ہے جو پیشتر گذر چکے ہیں اور ان سے ان کی تعلیمات کی تلقین حاصل کرتا ہے اور ان کو حاصل کرنے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اس کو فکر و نظر ایک ایک کر کے

حقائق تک پہنچتا ہے اور جو چیز اس کے سامنے آتی ہے اس کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی مشق مسلسل جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس حقیقت نے عوارض کے الحاق سے اسے ایک ملکہ حاصل ہوتا ہے اس وقت اس حقیقت کو جو چیز پیش آتی ہے اس کے متعلق اس کا ایک مخصوص علم بن جاتا ہے اور آئندہ نسل اس کے حاصل کرنے کی مشتاق ہوتی ہے۔ اور لوگ اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے فن تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم و تعلم انسانی فطرت کے لیے طبعی ہے۔

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہے[۵]

" جن علوم پر انسان غور کرتا ہے اور جن کی تحصیل و تعلیم شہروں میں عام طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انسان کے لیے طبعی ہے جسے وہ اپنی قوت فکر سے حاصل کرتا ہے اور دوسری نقلی ہے جسے اس کے وضع کرنے والے سے حاصل کیا جاتا ہے۔

قسم اول علوم حکیہ و فلسفیہ ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے انسان اپنے غور و فکر کی طبیعت کے ذریعہ واقف ہوتا ہے اور ادراک کے ذریعہ ان کے مسائل اور براہین تک پہنچتا ہے، یہاں تک کہ اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے اور وہ اس حقیقت سے کہ وہ صاحب غور و فکر انسان ہے اس کے صواب و خطا کی تمیز کرتا ہے۔

دوسرے وہ وضع کیے ہوئے نقلی علوم ہیں جو واضع شرعی کی خبر کی بنیاد پر قائم ہیں اور اس میں عقل کو داخل نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اس کے فروعی مسائل کو اس کے اصول سے عقل و قیاس کے ذریعہ ملانے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بعد میں پیش آنے والے جزئیات نقل کلی کے ماتحت وضع کے وقت درج نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے قیاسی صورت الحاق کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ قیاس بھی نقل ہی قرار پائے گا اور ان تمام نقلی علوم کی شرعی بنیاد کتاب و سنت سے جو ہمارے

---

۵۔ دیکھیے: ابن خلدون ص ۴۰۶

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے شروع کیا گیا۔"

فلاسفہ اسلام کے ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلیمی نصب العین میں صرف مذہبی تعلیم داخل نہیں بلکہ علمائے اسلام نے جملہ علوم کو عقلی و نقلی دو بڑی تقسیموں میں ممتاز کر کے عقلی علوم ضروریات انسانی کو پورا کرنے کے لیے ضروری قرار دیے ہیں۔ اور نقلی علوم کو اللہ کے پیغام کی تحصیل اور دین کی معرفت کا ذریعہ بنایا ہے[1]۔

امام غزالیؒ نے کیا اچھی بات کہی ہے[2]۔

علم دین حاصل کرنے والوں کی مثال ان مجاہدین سے دی جا سکتی ہے جو جہاد کے میدان میں اپنا سر ہتھیلی پر لیے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہوں اور دوسرے علوم حاصل کرنے والوں کی مثال فوج کے اس دستہ سے دی جا سکتی ہے۔ جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے متعین ہو۔"

اس موقع پر چھٹی صدی ہجری کے مشہور فاضل زرنوجی جسے مشرق و مغرب میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اور اس کے مدونہ آداب علم و تعلیم کو مختلف زبانوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کا تذکرہ مناسب ہوگا چند اقتباسات کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے علم کی حقیقت اور اس کے مقاصد پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔

علم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" علم اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے ذکر و بیان میں آسکنے والی اشیاء منکشف ہوتی ہیں[2]۔ انسان کی بیشتر صفات حیوان کی دوسری انواع میں بھی پائی جاتی ہیں۔ صرف صفت علم انسان کے ساتھ خاص ہے[3]۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش پر غور کرے اور جو چیزیں حال و قال دونوں میں اس کے لیے مفید ہیں انھیں حاصل کرنے اور مضر اشیاء سے

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۷۰ [2] آداب المتعلمین ص ۶۰۵ [3] آداب المتعلمین ص ۱۵

اجتناب کی کوشش کرے۔[۱] اسی میں دینی اور دنیوی سربلندی کا انحصار ہے۔[۲]

چونکہ ابدی سعادت ہر انسان کی بلند ترین تمنا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے ہر مسلم مرد اور عورت پر طلب علم کو فرض قرار دیا ہے۔

بہ اعتبار معلومات علم کی تین قسمیں ہیں۔

الف۔ ان امور کا علم جن کی حاجت ہر حالت میں ہر شخص کو ہوا کرتی ہے۔

(ب) ان امور کا علم جن کی حاجت کبھی کبھی یا کسی کسی کو ہوا کرتی ہے۔

(ج) ان امور کا علم جن کی قوم کو کبھی ضرورت پیش نہیں آتی۔

پہلی شق کی تحصیل ہر فرد امت پہ لازم ہے۔ اس لیے کہ اس کی مثال غذا کی سی ہے جس کے حصول کے بغیر زندگی کی بقاء ممکن نہیں ... خالص مذہبی علوم یعنی قرآن مجید، علم حدیث، علم فقہ، علم عقائد و کلام، علم اخلاق وغیرہ دنیوی فنون یعنی تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، طب وغیرہ مذکورہ بالا تقسیم میں شامل ہیں ان میں سے کچھ علم یا کسی علم ایک علم کا کچھ حصہ جبری تعلیم میں اور بقیہ اختیاری میں شامل کیا جائے گا۔ اس لیے کہ علم کا فائدہ جلب نفع اور دفع ضرر ہے اور یہ دونوں باتیں مذکورہ بالا علوم سے یکساں متعلق ہیں۔

**مقصد:** عمل کے نفع وضرر کا دارومدار نیت پر ہے۔ متعلم کا دلی منشا تعلیم سے رضائے الہٰی کا حصول، اپنی ذات اور دوسرے ان پڑھوں سے جہالت کا ازالہ اور احیائے دین ہونا چاہیے۔[۳] مادی جاہ و منصب اور شہرت و عظمت وغیرہ کی خاطر تحصیل علم نازیبا ہے۔

بہ الفاظ دیگر متعلم کا مقصد و مدعا خالص روحانی ہونا چاہیے۔ مادی ہرگز نہ ہو۔ ورنہ مادی جذبات کے اثر سے ایک طرف اس کا افادہ محدود ہو جائے گا اور دوسری طرف دنیا کی ہر مادی تکلیف راہ علم

---

[۱] آداب المتعلمین ص ۱۶ [۲] آداب المتعلمین ص ۱۰ [۳] زرنوجی۔ ص ۱۷

یں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائے گی۔ اور انسان اس راہ سے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو سکے گا۔

اس بلند مقصد کے پیش نظر متعلم کے لیے لازم ہوگا کہ طمع، ذلت اور تکبر سے پرہیز کرے اور تواضع و عفت اختیار کرے جو تکبر اور ذلت کا درمیانی درجہ ہے[1] ورنہ خود اس کی اور اس کے ساتھ اہل علم کی بھی ذلت ہوگی جو دراصل بلند ترین مقصد کی توہین و تذلیل کے مترادف ہے[2]

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمان کا ہر عمل خدا کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے جو محض حقوق اللہ ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ دنیاوی امور جو حسن نیت سے انجام پاتے ہیں ان سے بھی حاصل ہوتی ہے چنانچہ رسول پاک کی حدیث ہے۔

"بہت سے ایسے عمل جو دنیاوی معلوم ہوتے ہیں وہ حسن نیت سے اخروی بن جاتے ہیں اور بہت سے ایسے عمل جو دینی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نیت کی برائی سے دنیاوی بن جاتے ہیں"

ذیل میں ہم علم اور اہل علم کے فضائل بیان کرتے ہیں جو دونوں قسموں کے علوم کی فضیلت پر مبنی ہیں۔ بشرطیکہ ان علوم کی تحصیل کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ یرفع الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (آل عمران ۲۴)
تم میں سے جو ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

۲۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ ع ا
کیا اہل علم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر) خدا سے ڈرنے والے تو اسکے اہل علم بندے ہیں

---

[1] ایضاً زرنوجی ۲۰۔۲۲ [2] تعلیم المتعلم۔ زرنوجی

امام غزالیؒ نے نکتہ پیدا کیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے اہل علم ہوتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتے نہیں قرآن میں بہترین مخلوق کہا گیا ہے اس لیے اہل علم اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل و برتر ہیں۔

۴۔ وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (عنکبوت ۵)

یہ مثالیں ہم نے ان لوگوں کے لیے بیان کی ہیں اور انھیں سوائے اہل علم کے دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔

احادیث رسول میں بھی علم کی فضیلت و برتری اور اہل علم کے فضائل واکرام میں بڑی کثرت سے بشارتیں آئی ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے مجھے تم میں سے کسی معمولی آدمی پر فضیلت حاصل

۔۔ اسی طرح :۔

جس شخص نے ایک راستہ علم کی طلب میں طے کیا وہ جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلا۔[۱]

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

ایک عالم کی مجلس کی حاضری ایک ہزار رکعت نمازوں، ایک ہزار مریضوں کی عیادت اور ایک جنازوں میں شرکت سے افضل ہے۔

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کیا قرآن مجید کی تلاوت سے بھی افضل ہے؟ آپ نے جواب عطا فرمایا: قرآن مجید بغیر علم کے نفع پہنچا سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔ اگر کسی ایسے شخص کو موت آ گئی جو تحصیل علم کے راستہ میں تھا اور اس کی زندگی اسلام سے منور رہتی تو اس کے اور رسولوں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہے گا۔

فرمایا۔ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے انبیاء، علماء پھر شہداء۔ اس طرح

---

۵ بخاری ج ۱ باب العلم

ح روایت ہے :۔ جس نے ایک عالم کی عزت کی اس نے ستر شہیدوں کی توقیر کی۔

فرمایا:۔ العلم ورثة الانبیاء ـــ علماء انبیاء کے وارث ہیں[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

عالم ہو جاؤ، یا متعلم بنو یا علم کی باتیں سننے والے بنو، ورنہ کم از کم اہل علم سے محبت کرو۔ اور دیکھو پانچویں قسم میں ہرگز نہ ہو جانا یعنی اہل علم سے بغض وعداوت مت رکھنا[2]

دو صورتیں بہت زیادہ زبان زد عام ہیں۔

فرمایا: طلب علم فریضة علی مسلم ومسلمة. ہر مسلمان مرد عورت پر علم کی تحصیل لازم ہے

اور: اطلبوا العلم ولو بالصین۔ علم حاصل کرو چاہے چین کا سفر کرنا پڑے۔

علم اور علماء کی فضیلت میں صحابہ وتابعین اور علمائے اسلام کے بہ کثرت اقوال و آثار ہمارے لئے نمونہ ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل تحصیل علم کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم سکھاؤ اس لیے کہ علم کا سکھانا نیکی ہے اور اس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ اور اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح اور اس پر حجت کرنا جہاد اور اس کا خرچ کرنا تقرب الہٰی کا ذریعہ اور ناواقف کو بتانا صدقہ جاریہ ہے[3]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کمیلؓ سے فرمایا:

اے کمیل! علم دولت سے بہتر ہے۔ علم پاسبانی کرتا ہے اور دولت کی پاسبانی تمہیں کرنا پڑتی ہے اور علم حکمراں ہوتا ہے اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے، دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے

---

[1] ملاحظہ فرمائیے فاتحۃ العلوم غزالی کی اور۔ بیان العلوم وفضلہ ابن عبد البر کی نیز العلم والعلماء

[2] بحوالہ علم کا مقصد شاہ وصی اللہ الہ آبادی ص ۲ [3] ابوداؤد جلد ا ص ۷۷

اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے[1]

حضرت علی سے یہ بھی منقول ہے کہ :۔

عالم روزہ دار، زاہد اور مجاہد سے افضل ہے، جب کوئی عالم وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایک روزن ہو جاتا ہے جو اس کے قائم مقام کے آنے کے بعد بند ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو علم، دولت اور سلطنت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے لیے کہا گیا تو آپ نے علم کو منتخب کیا تو دولت و سلطنت بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو گئی۔ فتح موصلی سے منقول ہے کہ :۔

قلب کا حال یہ ہے کہ اسے تین دن علم و حکمت سے روک دیا جائے تو وہ مردہ ہو جائے گا

زبیر بن ابوبکر کا قول ہے کہ انھیں ان کے والد نے لکھا تھا۔

لازم ہے کہ تم علم کی طلب کرو کیونکہ اگر تم فقیر ہو گئے تو علم تمہاری دولت ہوگا اور اگر تم مالدار ہوئے تو علم تمہارا حسن و جمال بنے گا۔

ابن مبارک فرماتے ہیں :۔

مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو علم حاصل نہیں کرتا اس کے باوجود اپنے کو عزت کیے جانے کا مستحق سمجھتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں :۔

اگر میں ایک مسئلہ کا علم حاصل کروں تو میرے نزدیک رات بھر نماز پڑھنے سے بہتر ہے[2]

اسلام نے علم کا جو معیار بلند کیا ہے اور اس کو وسیلہ بنا کر اپنے جس مقصد اعلیٰ کا تعین کیا ہے اس

---

[1] کنز العمال ج ۵ ص ۲۰۸ [2] حوالوں کے لیے دیکھیے۔ العلم و العلماء اور العلم و فضلہ

مال وزر اور جاہ وجلال کا کوئی جوڑ نہیں رہ گیا ہے چنانچہ احادیث میں بڑی تنبیہہ فرمائی گئی ہے
اہل علم پر جو علم کو محض دنیاوی فوائد کا زینہ بناتے ہیں۔ علم کے اس اعلیٰ مقصد اعلیٰ نے اہل علم کو ایسا
غرض بنادیا تھا جس کا تذکرہ بھی ہمارے لیے اخلاقی درستگی کا ذریعہ ہے۔ انھوں نے بڑی بلند
ربانی ہے اور اپنی زندگی بڑے استغناء اور قناعت سے گذارتے تھے اور اپنے علم کی عزت کرتے تھے[1]

امام سفیان ثوری لکھتے ہیں:۔

میں نے اپنی نیت سے زیادہ کسی چیز کی حفاظت نہیں کی کہ علم کی تحصیل کی غرض میں دنیاوی
اغراض، جاہ ومنزلت کی خواہش، دولت وثروت کی ہوس، ہمعصروں اور دوستوں میں سربلندی
کی تمنا، لوگوں کی نگاہوں میں عظمت حاصل کرنے کی آرزو اور مجلسوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے
جانے کا خیال شامل نہ ہوجائے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو عمدہ چیز کے بدلے میں معمولی چیز آجائے گی۔

قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:۔

لوگو! اپنے علم سے صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت رکھو، میں جب کبھی کسی
مجلس میں اس نیت سے بیٹھا کہ خاکسار اور متواضع رہوں گا تو ہمیشہ اس مجلس سے سربلند ہوکر اٹھا۔
اور جب کبھی میری نیت میں فتور آیا اور ہم چشموں میں سربلند ہونے کا تصور دل میں پیدا ہوا تو مجھے اس
مجلس سے رسوا ہوکر اٹھنا پڑا۔ علم عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے۔[2]

وزیر جعفر برمکی عیسیٰ بن یونس مقری کے متعلق لکھتا ہے۔

میں نے قاریوں میں عیسیٰ بن یونس کے مثل کسی کو نہیں دیکھا ان کے سامنے ایک لاکھ درہم
پیش کیے گئے لیکن انھوں نے یہ کہہ کر واپس کردیے کہ خدا کی قسم اہل علم یہ نہ کہہ سکیں کہ میں نے سنت
کی اشاعت کرنے کی قیمت کھائی ہے۔[3]

---

[1] دیکھئے تعلیم المتعلم زرنوجی کی۔ [2] تذکرۃ السامع ص ۶۸ [3] تذکرۃ الحفاظ ۲۵۸

اوپر جو کچھ ہم نے بحث کی ہے اس کا نچوڑ یہ ہے کہ :-

علم انسان کا وہ تحصیلی جوہر ہے جو اسے ساری مخلوقات کے مقابلہ میں ممتاز کرتا ہے اس
علم اور انسان ایک ہی وقت کی پیداوار ہیں۔

ہر زمانہ اور ہر دور کے اہل فکر و نظر کے نزدیک علم اپنے متعین کئے ہوئے خطوط ارتقا
پہنچنے کا وسیلہ رہا ہے۔ اس کی افضلیت و برتری سارے انسانی سماج میں مسلم ہے لیکن اس فضیا
کا معیار انسانوں کے جدا جدا افکار و نظریات کی روشنی میں متعین کئے ہیں۔

قوموں نے علوم و فنون کو اپنی بقاء اور ارتقاء کی ڈھال بنایا ہے اور مذہب نے علم کو ا
ایسی روشنی قرار دیا ہے جو اسے اس کی منزل مقصود تک پہنچانے میں یقینی فائدہ پہنچاتی ہے۔
متفقہ طور پر اسے خدائے واحد کی رضا جوئی کا وسیلہ یا انسانی خدمت اور ذہنی افق کو وسیع
کرنے کا ذریعہ مانتے ہیں۔ ان میں سب سے واضح تصور اسلام نے دیا ہے۔ جس کا تفصیلی
ہم لے چکے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قوموں کی تاریخ بعض ایسے ادوار کی نشاندہی کرتی ہے جب کبھی کہ
انسان نے ہماری اصطلاح میں علم کو فروخت کیا ہے یا یوں کہئے کہ علم جو ضمیر کی آزادی
ضامن ہے اسے اپنی ضروریات کے ماتحت بنا دیا ہے ــــــ ماضی میں ایسے واقعات پیش
آتے رہے ہیں لیکن ان کی حیثیت وقتی اور ہنگامی رہی ہے۔

کسی شے کا داخلی معاملہ دراصل اہل فکر و نظر کے افکار و نظریات سے ہوتا ہے شخص
اعمال یا کردار سے نہیں لیکن یہ کردار مذہب اور سماج دونوں کی نگاہ میں غیر مستحسن ہے اور جب
کبھی یہ غلطی کسی قوم پر غالب آتی ہے تو اس نے بہت زبردست ٹھوکر کھائی ہے، وہ صدیا
تک اپنی ہم سفر قوموں سے بچھڑ گئی ہے، اسے روحانی اور جسمانی روگ نے دیوالیہ بنا کر چھوڑا
ہے اور زندہ قوموں نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی

غلطی کا ارتکاب سخت خطرناک ہے۔ چنانچہ مذاہب جو انسان کو غلطیاں کرنے سے روکتے ہیں اس کی مذمت کرتے ہیں۔

نتائج ہمیشہ مقاصد کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے اگر کسی قوم یا فرد کا مقصود علم و تعلم حصول زر ہو جائے تو آپ یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس کا سرمایۂ علم محض دولت ہی بن سکتا ہے لیکن اگر کسی نے تعلیم کو اپنی روحانی منزل کا راستہ بنایا ہو تو اس سے یہ توقع یقینی ہے کہ وہ اپنی منزل پالے گا۔

ہم جیسی پسماندہ قوموں کو اپنے مستقبل کی فکر کرنا چاہیئے جن پر عارضی احساس کمتری نے ایسا غلبہ پالیا ہے کہ ہماری جولانگاہ محض معیشت کا دائرہ بن گئی ہے۔ ہم جو کچھ سوچتے ہیں اسی دائرہ میں سوچتے ہیں اور ہمارے ذہن و دماغ سے صادر ہونے والے افعال کا نشانہ بھی یہی ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف زندہ قومیں جن کی ظاہری ترقی ہماری کوتاہ نظری محض ٹکنالوجی کی اس عظیم طاقت کے بل بوتے پر ہے وہ روحانی یا مذہبی علوم پر یقین نہ رکھتے ہوئے بھی انھیں عزیز رکھتی ہیں۔

مغرب جسے تہذیبی اور معاشی دونوں اعتبار سے مشرق پر فوقیت ہی نہیں قیادت حاصل ہے جو بظاہر مشرق کی تہذیب اور اس کی اقدار، مذاہب اور ان کے اخلاقی فلسفوں سے بے بنیاد ہے۔ اسے مشرق کی تہذیب کا مطالعہ، اس کے مذاہب کا کلی طور اپنی بقا کے لیے ناگزیر ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے ذہنی سفر میں آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اسے اس کے لیے بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

امریکہ، یورپ اور دوسرے مغربی ممالک کے مفکرین بے لوث ہو کر مشرق کی زبانوں اور مذاہب اور ان کی مختلف فروعات پر جو کام کر رہے ہیں اس کا اصل سبب اپنے ارتقائی سفر میں دوسری قوموں سے آگے بڑھ جانے کا جذبہ ہے اور اب یہ مشاہدہ ہم کرسکتے ہیں کہ مشرق اپنی خصوصیات

کے استعمال میں مغرب کا دست نگر ہے۔ ان مغربی قوموں کو اس بات کا احساس ہے کہ انھو
نے یہ میدان محض سائنس اور ٹکنالوجی کے تجربوں سے نہیں جیتا ہے بلکہ اس کا ایک بڑ
سبب یہ ہے کہ انھوں نے مشرق کے روحانی علوم کو جو اس کی روح تھے اس کے جسم سے کھینچ
لیا ہے۔

دنیا میں آنے کے بعد انسان کی زندگی کا دار و مدار روزی پر ہوتا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت
ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف مناسبتوں کے لحاظ سے مختلف پیشوں میں رہ کر انسا
اپنی اس ضرورت کی تکمیل کرتا ہے لیکن روزی کمانا خود کوئی مقصود نہیں بلکہ یہ انسان کی
ایک ایسی ضرورت ہے جس کے سہارے وہ اپنے نصب العین کی طرف پیش قدمی کرتا ہے لیکن
روزی کمانے کے اطوار اور طریقے مال و دولت کے آداب اور اس کی حفاظت نیز تصرف
واستعمال کی تمیز اصلاً علم کا کمال ہے۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ علم بنیادی طور پر انسان کا مشترکہ ورثہ ہے لیکن اپنی خاص
شکلوں میں وہ سماج کے ایک خاص طبقہ کی گود میں پرورش پاتا ہے ایسے لوگ جو علم کی
گود میں پلتے ہوں اور علم ان کے ذہن و دماغ میں نشو و نما پاتا ہو ان کے لیے سماج کی
ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لیے زندگی کی سہولتیں پیدا کریں اس لیے اگر کسی کو اپنے علم و فضل کی وجہ
سے کوئی اعلیٰ منصب ملتا ہو یہ عمل قابل گرفت نہیں بلکہ مذموم فعل یہ ہے کہ ہمارا ذہن و دماغ
حصول علم کو ہماری شخصی ضروریات کا زینہ بنا کر استعمال کرے۔ یہ سراسر علم کی توہین اور انسانیت
کی ہتک ہے۔

بد قسمتی سے ہم اپنے اس ملک میں اپنے ناساعد حالات کو بہانہ بنا کر تیزی سے اس
بے حسی میں مبتلا ہو رہے ہیں لیکن مایوسی اس لیے نہیں کہ حالات کے تحت پیش آنے والی
چیزیں عارضی اور مختصر ہوا کرتی ہیں۔

اس ملک کو صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ بنے رہنے کا شرف حاصل ہے اس کا ماضی بڑا تابناک ہے اور ابھی تک یہاں کے در و دیوار گاندھی کی اس آواز کو نہیں بھولے ہیں کہ :-

بغیر تعلیم کے انسان جانور کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اور یہ کہ :-

اگر تم اپنی تعلیم سے اپنے اخلاق و عادات کو درست نہ کرو، اپنے اعمال و خیالات پر قابو نہ پاؤ تو تمہارا شکسپیر اور ورڈس ورتھ کا مطالعہ اور تمہارے تعلیمی وظیفے سب بیکار ہیں۔[1]

اقبال کا یہ ترانہ آج بھی صدائے بازگشت کی طرح ہمارے کانوں سے ٹکراتا ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو[2]

---

اوپر جو مضمون شائع ہوا ہے۔ وہ ہمارے ایک حجاب پسند رامپوری دوست کے ذریعہ ہمیں ملا۔ یہ مضمون ایک مقابلے میں دوم نمبر پر آیا اور مضمون نگار نے دوسرا انعام حاصل کیا۔ مضمون علمی اور تحقیقی ہے۔ ہمیں اقرار ہے کہ یہ مضمون حجابی حلقے کے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کی علمی صلاحیت سے اونچا ہے پھر بھی اس مضمون کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہم اسے چھاپنے پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ ہم اپنے رامپوری دوست کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ اہم مضمون عنایت فرمایا۔ امید ہے کہ حجاب کا علمی حلقہ اسے پسند کریگا۔ مضمون نگار نے جہاں تک تحقیق کا حق تھا ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے اسکا حق ادا کر دیا دلائل حوالوں کے ساتھ نقل کئے۔ اس سے یہ مضمون واقعی بہت کامیاب ہے۔ (م)

---

[1] گاندھی جی۔ اقوال و بیانات ص ۳۸

کے استعمال میں مغرب کا دست نگر ہے۔ ان مغربی قوموں کو اس بات کا احساس ہے کہ انھوں نے یہ میدان محض سائنس اور تکنالوجی کے تجربوں سے نہیں جیتا ہے بلکہ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے مشرق کے روحانی علوم کو جو اس کی روح تھے اس کے جسم سے کھینچ لیا ہے۔

دنیا میں آنے کے بعد انسان کی زندگی کا دارومدار روزی پر ہوتا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف مناسبتوں کے لحاظ سے مختلف پیشوں میں رہ کر انسان اپنی اس ضرورت کی تکمیل کرتا ہے لیکن روزی کمانا خود کوئی مقصود نہیں بلکہ یہ انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کے سہارے وہ اپنے نصب العین کی طرف پیش قدمی کرتا ہے لیکن روزی کمانے کے اطوار اور طریقے مال و دولت کے آداب اور اس کی حفاظت نیز تصرت و استعمال کی تمیز اصلاً علم کا کمال ہے۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ علم بنیادی طور پر انسان کا مشترکہ ورثہ ہے لیکن اپنی خاص شکلوں میں وہ سماج کے ایک خاص طبقہ کی گود میں پرورش پاتا ہے ایسے لوگ جو علم کی گود میں پلتے ہوں اور علم ان کے ذہن و دماغ میں نشوونما پاتا ہو ان کے لیے سماج کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لیے زندگی کی سہولتیں پیدا کریں اس لیے اگر کسی کو اپنے علم و فضل کی وجہ سے کوئی اعلیٰ منصب ملتا ہو یہ عمل قابل گرفت نہیں بلکہ مذموم فعل یہ ہے کہ ہمارا ذہن و دماغ حصول علم کو ہماری شخصی ضروریات کا زینہ بنا کر استعمال کرے۔ یہ سراسر علم کی توہین اور انسانیت کی ہتک ہے۔

بدقسمتی سے ہم اپنے اس ملک میں اپنے نامساعد حالات کو بہانہ بنا کر تیزی سے اس بے حسی میں مبتلا ہو رہے ہیں لیکن مایوسی اس لیے نہیں کہ حالات کے تحت پیش آنے والی چیزیں عارضی اور مختصر ہوا کرتی ہیں۔

اس ملک کو صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ بنے رہنے کا شرف حاصل ہے اس کا ماضی بڑا تابناک ہے اور ابھی تک یہاں کے در و دیوار گاندھی کی اس آواز کو نہیں بھولے ہیں کہ :۔

بغیر تعلیم کے انسان جانور کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اور یہ کہ :۔

اگر تم اپنی تعلیم سے اپنے اخلاق و عادات کو درست نہ کرو، اپنے اعمال و خیالات پر قابو پاؤ تو تمہارا شکسپیر اور ورڈس ورتھ کا مطالعہ اور تمہارے تعلیمی وظیفے سب بیکار ہیں۔[1]

اقبال کا یہ ترانہ آج بھی صدائے بازگشت کی طرح ہمارے کانوں سے ٹکراتا ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کفِ جو[2]

---

اوپر جو مضمون شائع ہوا ہے۔ وہ ہمارے ایک حجاب پسند رامپوری دوست کے ذریعہ ہمیں ملا۔ یہ مضمون ایک مقابلے میں دوم نمبر پر آیا اور مضمون نگار نے دوسرا انعام حاصل کیا۔ مضمون علمی اور تحقیقی ہے۔ ہمیں اقرار ہے کہ یہ مضمون حجابی حلقے کے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کی علمی صلاحیت سے اونچا ہے پھر بھی اس مضمون کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہم اسے چھاپنے پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ ہم اپنے رامپوری دوست کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ اہم مضمون عنایت فرمایا۔ امید ہے کہ حجاب کا علمی حلقہ اسے پسند کریگا۔ مضمون نگار نے جہانتک تحقیق کا حق تھا ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے اسکا حق ادا کر دیا دلائل حوالوں کے ساتھ نقل کئے۔ اس سے یہ مضمون واقعی بہت کامیاب ہے۔ (م)

---

[1] گاندھی جی۔ اقوال و بیانات ص ۳۸

"HIJAB" URDU MONTHLY) Rampur (U.P.) 2449
Regd No R N 20384 70 Regd No. MRD
FEBRUARY 1983 E
PRICE Rs. 4 -

(کامل خیرآبادی) —
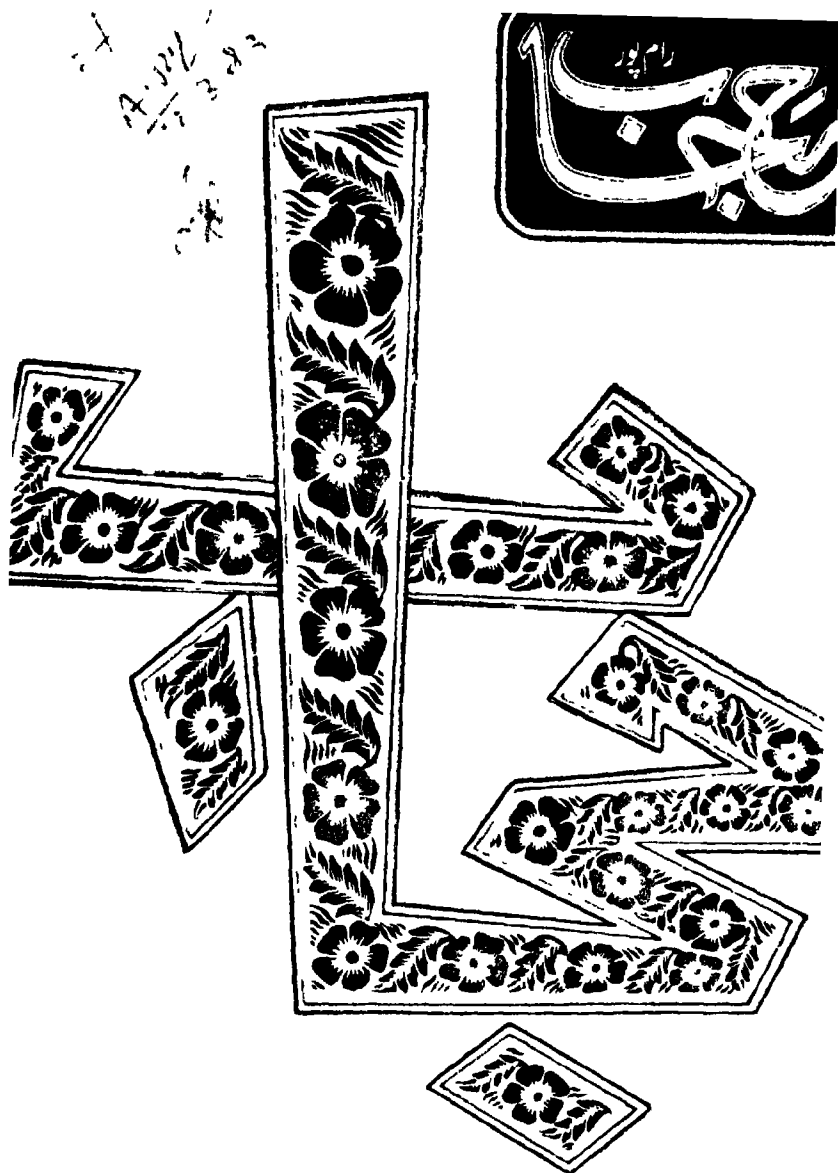
خواتین اور
کا پاکیزہ ڈائجسٹ
حجاب
رامپور
مارچ ۱۹۸۳ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ
اس دائرے میں سرخ نشان
اس بات کی علامت ہے کہ
اس شمارے کے ساتھ آپ کے
سالانہ چندے کی میعاد ختم
ہوگئی۔ آئندہ کے لئے زرِ تعاون
ارسال فرمائیں "منیجر"

# درپردۂ حجاب

## مقالات ومضامین



## تعلیم وتربیت



## منظومات



## افسانے، واقعات اور کہانیاں

## ضرورت وافادیت

اجتماعیت کی ضرورت اور افادیت کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ وہ انسان کی فطری خواہش ہے اور اجتماعیت انسان کی گھٹی میں پڑی ہے تو بجا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں آپ میری ان تمام باتوں کی تصدیق فرمائیں گے جو میں عرض کرنے والا ہوں۔

بچپن میں جب ہم پڑھتے تھے اس وقت نصاب کی کتابوں اور اساتذہ کے طریقۂ تعلیم میں تربیت کا پہلو غالب رہتا تھا۔ اجتماعیت کی ضرورت اور افادیت کے سلسلے میں ہمارے اساتذہ طرح طرح کے دلچسپ قصے اور کہانیاں سناتے تھے اور مثالوں کے ذریعہ ذہن نشین کراتے تھے۔ آج میں ان کہانیوں اور مثالوں میں سے دو ایک کا تذکرہ آپ کے سامنے کروں گا۔ آپ نے یہ کہانیاں اور مثالیں بار بار سنی ہوں گی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ سو بار بھی بیان ہوں لیکن مزہ وہی آتا ہے۔ اس لئے ملاحظہ ہو:

○ ایک شخص تھا۔ اپنے گھر کا قوام۔ اس کے کئی بیٹے تھے۔ وہ بیٹے آپس میں لڑا کرتے تھے۔ جب وہ شخص بوڑھا ہوا اور اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے بیٹوں کو پاس بلایا۔ انھیں ایک ایک دھاگا دیا اور کہا کہ اسے توڑو۔ سب نے ایک اشارے میں توڑ دیا۔ اس کے بعد باپ نے کہا کہ ان دھاگوں کو بٹ کر رسّی بنالو۔ لڑکوں نے دھاگوں کو بٹ کر رسّی بنالی۔ اب باپ نے کہا کہ اس رسّی کو توڑو۔ رسّی کسی سے نہ ٹوٹی

[illegible] سب نے بڑا زور لگایا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ باپ نے سمجھایا کہ دیکھو، اگر تم ایک ایک دھاگے کی طرح الگ الگ رہو گے تو دشمن تم کو بڑی آسانی کے ساتھ نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن رسّی کے دھاگوں کی طرح آپس میں جڑے رہو گے تو دشمن تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

یہ قصہ جھاڑو کی مثال دے کر بھی سنایا گیا تھا۔ جھاڑو کا ایک تنکا انگل بھر زمین کو صاف نہیں کر سکتا لیکن جب یہی تنکے مل کر جھاڑو بن جاتے ہیں تو میدان کے میدان صاف کر دیتے ہیں۔

اور بھی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ انگلیاں مل کر طمانچہ بن جاتی ہیں۔ یہی انگلیاں مٹھی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں تو ایک گرزِ گراں ہو جاتی ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ قطرہ جب تک سمندر میں رہتا ہے تو سمندر ہی کہلاتا ہے لیکن اگر وہ سمندر سے باہر آگیا تو 'بیرونِ دریا کچھ نہیں'۔

آپ جانتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے کہاں سے یہ مضمون لے کر اپنے لفظوں میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ آیئے ہم بتائیں:

○ قرآن میں ہے کہ اجتماعیت سے جڑے رہو ورنہ تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

○ قرآن نے جب یہ حکم دیا کہ اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو تو یہ نہیں کہا کہ الگ الگ ایک ایک رسّی کو پکڑ لو بلکہ لفظ جمیعاً کا اضافہ کیا یعنی اللہ کی رسّی کو مل جُل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا○

○ تم آپس میں اِس طرح جڑے رہو جیسے تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے بھی طرح طرح سے اجتماعیت کی ضرورت اور افادیت کے بارے میں تاکید فرمائی ہے:

○ تم سفر میں ہو تو جماعت بنا کر چلو اور اپنا امیر چن لو۔

○ جو شخص جماعت سے الگ ہوتا ہے اسے شیطان اِس طرح اُچک لیتا ہے جیسے گلّے سے الگ ہونے والی بھیڑ کو بھیڑیا بڑی آسانی سے لے جاتا ہے یعنی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اگر خبر ہوتی بھی ہے تو اس وقت جب بھیڑ بھیڑیے کے پیٹ میں ہضم ہو چکی ہوتی ہے۔

○ دین اجتماعیت کے بغیر نہیں اور اجتماعیت دین کے بغیر نہیں ، دین کے بغیر اجتماعیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک کام پورا نہیں ہوتا ۔ کام پورا ہونے کے بعد اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے ۔ اسلامی اجتماعیت میں مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے ۔ اس کے حصول کے لئے مومن مرتے دم تک جدوجہد کرتا ہے ۔

○ آپ اسلامی عبادات ، اسلامی معاملات اور اسلامی جہاد کے متعلق غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ اسلام کی نظر میں اجتماعیت کے بغیر نہ نمازوں کا بھرم ہے نہ روزوں کا اور نہ حج و زکوٰۃ کا ۔ رہا افضل العبادات جہاد تو وہ بھی اجتماعیت کے بغیر ممکن نہیں ۔

○ ایک تاکیدی حکم سُنئے ، یقیناً آپ لرز جائیں گے ۔ اللہ کے سب سے بڑے اور سچے اور منتخب اور پاک بندے نے فرمایا کہ جو لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جماعت میں شریک نہیں ہوتے جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں مگر بچوں اور عورتوں کے خیال سے رُک جاتا ہوں ۔

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجتماعی فیصلوں کا خود بھی بڑا احترام فرماتے تھے ۔ ایک بار کچھ صحابہؓ نے ایک فیصلہ کیا ۔ آپؐ نے سُنا ۔ وہ فیصلہ حضورؐ کی مرضی کے مطابق نہ تھا لیکن جب بتایا گیا کہ تمام لوگوں نے سوچ سمجھ کر طے کیا ہے تو حضورؐ نے اس فیصلے کے لئے برکت کی دعا کی ۔

واضح رہے کہ اجتماعیت کا ایک یہ فائدہ دنیا کے سامنے ہے کہ انسان مہذب اور متمدن اور شہری زندگی بسر کر رہا ہے ۔ دراصل اجتماعیت انسان کی فطری ضرورت اور ہرا بھرا شجر ہے اور تمدن اس کا میٹھا پھل ۔

## بنیادیں

دنیا میں لوگ مختلف بنیادوں پر اجتماعیت کی تعمیر کرتے ہیں ۔ یاد ہوگا ۱۹۴۷ء سے پہلے کانگریس نے آزادی کی بنیاد پر اجتماعیت اختیار کی تھی مسلم لیگ نے اجتماعیت کی بنیاد قیام پاکستان کو قرار دیا تھا ۔ آج بھی دیکھا جاتا ہے کوئی 'ہندی' ہندو، ہندوستان کی بنیاد پر لوگوں کو منظم کرتا ہے کوئی 'اردو' کو بنیاد بنا کر جماعت بناتا ہے ۔ کوئی 'گئو رکشا' کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرتا ہے کوئی 'بھودان' کی تحریک چلاتا ہے ۔ کوئی بھوکے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اجتماعیت اختیار کرتا ہے اور کوئی ایسی ہی دوسری دنیوی بنیادیں

تلاش کرتا ہے۔

اِس طرح کی اجتماعیت میں اخلاقی تربیت کا فقدان ہوتا ہے۔ ہم نے کانگریس اور مسلم لیگ کے دورِ عروج میں دیکھا انھوں نے ہر قسم کے آدمی کے لئے اپنی اجتماعیت کا دروازہ کھلا رکھا۔ اُن کی اجتماعیت میں ایک طرف متقی اور پرہیزگار لوگ بھی تھے تو دوسری طرف شرابی، جواری، بدکار اور بے دین بھی۔ ان جماعتوں کو تعدادِ کثیر کی ضرورت تھی بااخلاق اور صاحبانِ کردار کی نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی ملنے کے بعد جب یہی لوگ یہاں کے کرتا دھرتا بنے تو جو قربانی انھوں نے آزادی کے لئے دی تھی، جو جانی اور مالی نقصان اُٹھایا تھا، سب چکا لیا۔ جس مادرِ وطن کیلئے ڈنڈے کھائے تھے، جیلیں کاٹی تھیں، گھر لٹایا تھا، آزاد ہوتے ہی دودھاری گائے جان کر مادرِ وطن کو چمٹ گئے اور اُس کا گوشت نوچ نوچ کر پیٹ بھرنے لگے۔ خوب کوٹھیاں بنوائیں، بینک بیلنس بڑھایا۔ اقتدار پاتے ہی خدا کو بھول گئے بلکہ اپنی اپنی جگہ چھوٹے بڑے خدا بن بیٹھے۔ آزادی کے بعد پہلے درجے کے خود غرض اور دنیا پرست بن گئے۔ اِدھر کانگریسیوں کی دوڑ اور مسابقت دنیا کے لئے رہی اُدھر پاکستان میں مسلم لیگ کا بھی یہی حشر ہوا۔ حمام میں سب ہی ننگے ہو گئے اور ایک شاعر کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ:

ہے باز پرس ہی نہ جہنم کا ڈر یہاں
ہندوستان واقعی جنت نشان ہے

# اسلامی اجتماعیت کی بنیادیں

مجھے اسلامی اجتماعیت سے متعلق جو مضمون دیا گیا ہے اُس کا ذیلی عنوان ہے "اسلامی اجتماعیت کی بنیادیں"۔ واضح رہے کہ اسلامی اجتماعیت کی بہت سی بنیادیں نہیں ہوتی۔ اِس کی بنیاد صرف ایک ہے اور وہ ہے "رضائے الٰہی"، اِس زندگی میں ایسے کام کرنا کہ اللہ خوش ہو۔ ایک مومن مرتے دم تک اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ کے حکموں کے مطابق اِس طرح کام کرتا ہے جس طرح اللہ کے آخری نبیؐ نے فرمایا، سکھایا اور نمونہ دے کر بتایا۔

اِسلامی اجتماعیت کی اِس بنیاد "رضائے الٰہی" کی بدولت مومن توبہ و استغفار کی نعمتیں پاتا ہے،

عجز و انکساری کا بہترین جوہر حاصل کرتا ہے۔ اُسے زہد و عبادت کا غرور نہیں ہوتا۔ دوسروں کے لئے مردِ آہن ہو جاتا ہے اور اپنوں کے لئے موم۔ رحم و ہمدردی کا پتلہ اور اطاعت گزار ایسا کہ ابھی پینتیس ہزار مجاہدین کا سالار ہو کر تین لاکھ رومی لشکر جرار سے ٹکرا رہا تھا، معاً ابھی حکم آیا کہ تم معزول، فلاں کو تمہارے بدلے سپہ سالار بنایا گیا ہے۔ فوراً، اسی وقت، کسی حیل و حجت کے بغیر سپہ سالار ہونے والے کے ہاتھ میں جنگ کی باگ ڈور تھما دی۔ اور اب وہ صرف ایک سپاہی ہے اور پکار پکار کر دشمن پر حملہ آور ہو رہا ہے کہ میں اللہ کا سپاہی ہوں اور اس کے لئے شہادت کا درجہ چاہتا ہوں۔ مجھے سرداری کی خواہش نہیں۔ مجھے اللہ کی رضا کی تمنا ہے اور اس کے لئے شہادت کا درجہ چاہتا ہوں۔ ہے کوئی جو اس سپاہی کا مقابلہ کرے جو اللہ کی رضا کے لئے صرف مرنا جانتا ہے۔ تاریخ اس راضی برضا سپاہی کو جانتی ہے۔ خالد بن ولیدؓ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ڈیڑھ سو لڑائیاں لڑیں اور کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ لیکن یہی ناقابلِ شکست مردِ آہن ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کسی بات پر جھگڑ پڑا اور اللہ کے نبیؐ نے تنبیہ کی کہ اے خالد! تو کوہ احد کے برابر بھی سونا صدقہ کر دے گا تو بھی عبدالرحمٰن کی گرد کو نہ پہنچ سکے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے یہی مردِ آہن حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سامنے گڑگڑاتا ہے کہ مجھے معاف کر دو۔

رضائے الٰہی کا طالب اگر اقتدار پاتا ہے تو آج کل کے نیتاؤں کی طرح اپنا گھر دولت سے نہیں بھرتا۔ صحابہ کرامؓ کی مثال میں نہیں دیتا۔ وہ تو وہ تھے جن سے اللہ راضی ہو گیا۔ میں عمر بن عبدالعزیز کو دیکھتا ہوں کہ اقتدار پانے کے بعد، اور اقتدار بھی کیسا، اسلامی ریاست کے خلیفہ بننے کے بعد، دوسروں کا گھر بھرنے کیلئے اپنا گھر ویران کر لیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بوڑھیا خلیفہ کا مکان تلاش کر رہی تھی۔ کسی نے بتایا کہ وہ سامنے جو گھر ہے اسی میں خلیفہ رہتا ہے۔

"یہ اُجڑا گھر؟" بوڑھیا کی زبان سے نکلا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ گھر اسی لئے اُجاڑا گیا ہے کہ دوسروں کا گھر بسایا جائے۔ یہ صدقہ تھا اسلامی اجتماعیت کے اندر رضائے الٰہی کے نعرے کا۔ اس نعرے کی برکت تھی کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانے میں زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ عمال کو یہ کرنا پڑا کہ زکوٰۃ کی رقم سے غلام

اور نیچے اُتر کر چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو دیکھئے۔ ایک بڑھیا بادشاہِ وقت کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہتی ہے کہ بول! میرا فیصلہ اِسی پل پر کرے گا یا اُس پل پر جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے؟ بادشاہ گھوڑے سے کود پڑتا ہے اور اسی پل کے پاس بوڑھیا کو وہ بڑھیا انصاف دیتا ہے کہ وہ دعائیں دیتی چلی جاتی ہے۔

ایک اور بوڑھیا ہے۔ وہ غزنوی سلطان کو سرِ دربار ڈانٹتی ہے کہ جب دور دراز کے ملکوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو فتح کیوں کرتا ہے۔ مجھ پر جو ظلم ہوا ہے اُس کا انصاف کرنا ہوگا۔ سلطان محمود جیسا باجبروت بوڑھیا کی ڈانٹ سے ڈر جاتا ہے اور اُسے پورا انصاف دیتا ہے۔

اور چھوٹے چھوٹے صاحبانِ اقتدار کو دیکھئے۔ جی ہاں! اپنے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو جنھیں رضائے الٰہی کی چاہت تھی۔ اِن میں کوئی ٹوپی بناتا نظر آتا ہے تو کوئی کتابت کرتا ہے اور اس طرح کما کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے اور ملکۂ معظمہ کا بھی..... اگر ملکۂ معظمہ بادشاہت کا طعنہ دیتی ہے..... جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ کی رضا مقصود ہے تو ساتھ دو ورنہ الگ ہو جاؤ۔

دراصل بات یہ ہے کہ اِن حضرات نے رضائے الٰہی کا لیبل اپنی پیشانی پر لگایا تھا تو جو کچھ کیا اور کمایا، اللہ کی رضا کے لئے لٹایا نہ کہ اپنے اور اپنے بچوں کے عیش کے لئے گھر بھرا۔ یہ مجمع جس کے سامنے میں یہ مضمون پیش کر رہا ہوں اور جس کا مخاطب اپنے کو بھی بناتا ہوں، معافی کی درخواست کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ہم بھی تو اسلامی اجتماعیت کے افراد ہیں۔ ہم نے اس کے لئے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کی قوت کو بھی وقف کیا، اپنی دماغی صلاحیتوں کو بھی وقف کیا۔ ہم نے بھی اپنے ماتھے پر شدھ گھی کا لیبل لگا کر امیرِ جماعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی لیکن خدارا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے کہ واقعی شدھ گھی ہی سپلائی کر رہے ہیں یا اِس میں کھوٹ ہے۔ ذرا اپنی کمائی میں سے کتنا اپنے عیش و آرام کے لئے خرچ کرتے ہیں اور کتنا جماعت کو دکشنا دیتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں سُنا کوئی کیا کہہ رہا ہے؟ وہ کہہ رہا ہے کہ ؎

اِس میں جو تو نے مال بھرا ہے کھرا نہیں
یوں دیکھنے میں تو بڑی اونچی دکان ہے

## اجزائے ترکیبی

① ایسی اجتماعیت جو اللہ کی رضا کے لئے وجود میں آتی ہے اُس کے اجزائے ترکیبی میں عقیدے کے بعد سب سے زیادہ اُدخلوا فی السلم کافۃ کا جزو ہوتا ہے۔ 'اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔' ہر آن، ہر لمحہ، ہر وقت۔ ہر کام میں۔ ہر بات میں، ہر جگہ، گھر میں، مسجد میں، بازار میں، میدانِ کارزار میں۔۔۔ جہاں بھی ہو، اللہ کے حکموں پر چل کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ سمجھو کہ ہر جگہ اور ہر نعمت کے حصول پر ہمارا امتحان ہو رہا ہے۔ بقول شاعر کے :-

جب سے کیا ہے عہد محبت کا آپ سے
ہر لمحہ میرے واسطے اِک امتحان ہے

کیا بات کہی ہے سب سے بڑے امین و صادقؐ نے کہ کسی سے لڑو تو اللہ کی رضا کے لئے، کسی سے جڑو تو اللہ کی رضا کے لئے، کسی سے کٹو تو اللہ کی رضا کے لئے، کسی سے ملو تو اللہ کی رضا کے لئے۔ اگر تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کسی سے ملاقات کرنے جاتے ہو تو اللہ فرماتا ہے کہ اس بندے کے لئے بھی جنت واجب ہو گئی اور اس کے لئے بھی جس سے ملنے گیا تھا۔ سبحان اللہ!

② اسلامی اجتماعیت کا دوسرا اہم جزو اسی امین و صادق صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ کے بارے میں جو عقیدہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہی ہمارا عقیدہ ہوگا۔ اللہ کی عبادت کا جو طریقہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہی طریقہ ہمارا ہوگا۔ معاملات میں اللہ کے رسولؐ نے جو ہدایات دیں اور جو نمونہ پیش فرمایا اُس کے مطابق ہم اپنی زندگی کو ڈھالیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو ادخلوا فی السلم کافۃ کا حق ادا نہ ہوگا۔

③ اولوالامر منکم۔ تم میں سے جو تمہارے امیر بنائے گئے ہیں اُن کی اطاعت کرو۔ دراصل

جس طرح اللہ کا رسول اللہ کی زمین پر اللہ کے حکموں کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے اسی طرح تیسرے درجے پر ہمارا امیر ہماری تربیت اور امورِ دینی و دنیوی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چپٹی ناک والا حبشی بھی تمہارا امیر ہو تو تم اُس کی بھی اطاعت کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کو امیر الافواج بنا کر رومیوں کے مقابلے میں بھیجا تو اُس وقت اسامہؓ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور وہ غلام زادہ تھے۔ انہی نوجوان اسامہؓ کی ماتحتی میں امین الامت حضرت عبیدہ بن جراحؓ تھے، مشہور سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولیدؓ تھے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ تھے، حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ تھے، عشرہ مبشرہ کے مشہور فرد حضرت طلحہؓ تھے۔ میرا خیال ہے کہ اِن ناموں کے بعد شاید عمرو ابن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور ایسے ہی بہادر بزرگوں کے نام گننے کی ضرورت نہیں ہے اور ان سب نے شرح صدر کے ساتھ اسامہؓ کی ماتحتی قبول کرلی تھی۔

④ **شُوریٰ بَیْنَہُم۔** اِسلامی اجتماعیت کا چوتھا جزوِ ترکیبی یہ ہے کہ آپس میں مشورہ کرلیا جائے حضور نبیٔ کریمؐ صحابۂ کرامؓ سے مشورہ فرمالیا کرتے تھے اور اُن کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں ایک ایسا نازک وقت آیا کہ آپؐ انصار کے گھروں کی حفاظت کے لئے بعض قبیلوں سے معاہدہ کرلینا چاہتے تھے۔ یہ بات انصار کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے پوچھا "یا رسول اللہؐ! یہ معاہدہ آپ اللہ کے حکم سے کرنا چاہتے ہیں یا ہماری حفاظت کے لئے یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ میری اپنی رائے ہے اور تم کو بچانا مقصود ہے۔" اِس پر انصار نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں اِن قبیلوں سے ہم نے دب کر کبھی معاہدہ نہیں کیا۔ اب تو ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ اِس معاہدے کو اُن کے منہ پر مار دیجئے۔" یہ کہہ کر انصار نے معاہدہ پھاڑ ڈالا اور حضورؐ نے اُن کی بات مان لی۔ اِس طرح کے بہت سے نمونے ہیں۔ دَورِ نبوت کے بھی اور دَورِ خلافت کے بھی۔ نبیٔ کریمؐ نے اجتماعی فیصلوں کے لئے برکت کی دعا فرمائی ہے۔

## اسلامی اجتماعیت کی خصوصیات

چونکہ رضائے الٰہی کے لئے ہر مومن اور مومنوں کی جماعت ہر وقت رواں دواں رہتی ہے اِس لئے ہمیشہ اجتماعیت متحرک رہتی ہے۔ آگے چل کر اسلامی اجتماعیت تحریک کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

● اِس تحریک کا ہر فرد اپنی جگہ پورا مسلم بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے افراد سے جو اجتماعیت وجود میں آئے گی وہ کیسی اچھی تربیت یافتہ ہوگی۔ اِن میں مثالی نظم و ضبط ہوتا ہے ● اسلامی اجتماعیت کا ہر فرد اس میں خونی رشتے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے مسلمان ہونے کے بعد ایک دن باپ کو بتایا کہ جنگ بدر میں ایک بار آپ میری زد پر آگئے تھے لیکن میں نے طرح دیدی تھی۔ ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! اگر اُس وقت تم میری زد میں آجاتے تو میں ہرگز ہاتھ نہ روکتا۔ یہی کردار دوسرے صحابہؓ نے بھی بدر کی لڑائی کے موقع پر ادا کیا تھا۔ اگر نشانے پر ماموں آگیا تو وہ مارا گیا۔ بھائی آگیا تو وہ بھی مارا گیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی کو ایک انصاری گرفتار کر رہا تھا۔ مصعب بن عمیرؓ نے پکار کر کہا کہ اِسے مضبوطی سے باندھنا۔ اِس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ بھائی نے یہ سُن کر کہا کہ سگے بھائی ہو کر بھی یہ کہتے ہو؟ جواب دیا کہ اِس وقت یہ انصاری میرا بھائی ہے ● اسلامی اجتماعیت میں غریب و امیر، عجمی اور عربی، رنگ و نسل اور ذات پات کے امتیاز کی کوئی بات نہیں ہوتی یہاں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی خصوصیت جلوہ گر ہوتی ہے یعنی تم میں اکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ کی رضا کا طالب اور اُس سے ڈرنے والا ہے۔ ● اسلامی اجتماعیت میں جبر سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ ایک شخص نے اپنی لڑکی سے پوچھے بغیر اُس کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو صورتحال بتائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تجھے اختیار ہے۔ نکاح توڑ دے۔ لڑکی نے کہا "میں نکاح تسلیم کرتی ہوں۔ میں تو آپ سے عورتوں کے حقوق محفوظ کرانے آئی تھی۔" ● اسلامی اجتماعیت کی سب سے بڑی اور بے مثل خصوصیت یہ ہے کہ جو بات قرآن سے ثابت ہے وہ حکم قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسے شراب حرام ہے۔ اِس کا حکم قطعی ہے کوئی فرد اِس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ غیر اسلامی اجتماعیت میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں اگر کثرتِ رائے شراب کی حامی ہوجائے تو وہ ممنوع نہ ہوگی۔ غیر اسلامی اجتماعیت میں اسی لئے استحکام نہیں۔ آج ایک بات حق ہے کل کثرت رائے سے باطل۔ اسلامی اجتماعیت میں لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ۔ اللہ کا فیصلہ اٹل حق ہمیشہ حق رہتا ہے اور باطل ہمیشہ باطل۔ اِس اٹل قانون کے نفاذ میں ہاتھ نہیں گنے جاتے۔ اِس خصوصیت میں اِسلامی اجتماعیت کا کوئی مدمقابل نہیں

# علمی، تحقیقی اور دینی مطبوعات

# اپنی اپنی پسند کے اشعار

زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو　　اس زمیں کی پستیوں میں آسماں بنکر رہو　　نامعلوم

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا　　ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں　　اقبال

تسخیر آسماں کے ارادے بجا مگر　　پہلے زمیں کو مرکزِ امن واماں بنا　　منظر

زمیں سلام کرے، آسماں سلام کرے　　وہ کام کر کہ تجھے اک جہاں سلام کرے　　نامعلوم

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا　　ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے　　اقبال

کیوں سفینے ڈوب جائیں آکے ساحل کے قریب؟　　ناخدا حالات کا پہلے جو اندازہ کریں　　ماہر

..........مرسلہ :- ایم اے خیامی کھریا۔ وارانسی یوپی

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر　　اقبال

ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دو　　میرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو　　اختر سلمی

نوجوانو! موڑ سکتے ہو تو موڑ دو رُخ زمانے کا
اگر طاقت نہیں تم میں تو پھر تم نوجواں کیوں ہو　　نامعلوم

..........مرسلہ :- صبیحہ کوثر۔ ارے ہلی

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد　　نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد　　اقبال

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

..........مرسلہ :- عرشیہ انجم عزیزی۔ پداپلی۔ کریم نگر

# آجکا حاتم
## ایک کہانی کا خلاصہ
قسط ۶

حاتم ایک غریب آدمی عاصم صاحب کا لڑکا تھا۔ پڑھنے لکھنے میں بہت تیز تھا۔ اخلاق کا بھی بہت اچھا تھا۔ دوسروں کی مدد کرنا اُس کی عادت تھی اس لئے لوگ اُسے حاتم کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اُس نے ایسا بھی کیا کہ خود نقصان اُٹھا کر بھی دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اسطرح اُس نے وشوناتھ اور اُسکی بیوی سوشیلا کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی طرح اُس نے ایم اے کی ایک لڑکی ایرنا کی بات مانی اور ایم اے کا امتحان نہیں دیا۔ ایرنا اوّل آگئی اور اُس کی شادی ایک ڈی ایس پی سے ہوگئی۔ اور ایرنا بھی حاتم کے ارادتمندوں میں شامل ہوگئی۔ ایک بار حاتم ٹرین سے سفر کر رہا تھا تو اُس نے ایک اچھوت کی مدد کی۔ اچھوت کی لڑکی کی عزت بچائی۔ پھر وہ اچھوتوں کے گاؤں چڑھ دوڑا گیا۔ وہاں کے لوگ اُس کے اسلامی اخلاق اور مساوات کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔ وہیں حاتم نے ایک نومسلم لڑکی عائشہ سے شادی کی اور اپنے ایک ساتھی مبارک کی شادی نومسلم کاملہ سے کرائی۔ پھر وہیں اسلامیہ اسکول کی داغ بیل ڈالی۔ اِس کے بعد اُس نے جلسہ کیا۔ جلسہ سے پہلے کچھ شر پسندوں نے بلوہ کرنا چاہا لیکن کچھ خیر پسند غیر مسلموں اور احسان شناس سکھوں نے شرپسندوں کی اسکیم کو ناکام بنا دیا

پھر جلسہ ہوا تو اس میں ملک کے دور دور کے لوگ آئے۔ سرکاری لوگ بھی آئے۔ اِس جلسے میں حاتم کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اُسے چندے میں کافی پیسہ ملا۔ پھر حاتم اپنے ساتھی مبارک کو کام سونپ کر اپنے وطن گیا۔ وہ ایک دن اپنے مربی سید صادق حسین ایم ایل اے کے گھر بیٹھا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ایک لڑکی بینا نے اس سے کہا کہ میں آپ سے تنہا ملنا چاہتی ہوں۔ حاتم نے تنہا ملنے سے انکار کر دیا لیکن لڑکی نے اصرار کیا۔ سید صادق حسین صاحب نے حاتم سے کہا کہ کوئی مظلوم لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ کیا حرج ہے۔ مل لو۔ اُس کا کوئی کام ہی ہوگا۔ یہ احتیاط کر لینا کہ ملاقات کے کمرے کو اندر سے بند نہ کرنا اور میں برابر والے کمرے میں موجود رہونگا۔ یہ مشورہ حاتم نے مان لیا اور لڑکی سے کہا کہ آپ آسکتی ہیں۔ بینا نے کہا کہ میں دس منٹ کے اندر آرہی ہوں۔

یہاں تک کہانی آپ پڑھ چکے۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیے اور اگر یہ قسط بھی پسند آئے تو اس کہانی کے مصنف کیلئے دعا فرمائیے!

## مینا

ٹھیک گیارہویں منٹ پر وہ ٹیکسی سے اتر کر گیٹ پر آگئی۔ حاتم اس کے استقبال کے لئے تیار کھڑا تھا۔ السلام علیکم و علیکم السلام تو ہوا لیکن شاید وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی اسلامی تہذیب سے واقف تھی۔ اس نے حاتم سے ہاتھ ملانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"تشریف رکھئے۔" حاتم نے کرسی پیش کی۔

"تھینک یو" لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا "میں آپ کے بارے میں وہ سب کچھ جانتی ہوں جو پریس میں آچکا ہے۔" وہ ٹھہرے اور نرم لہجے میں بول رہی تھی "میں نے اپنا تعارف فون پر کرا دیا تھا، مزید کچھ جاننا چاہیں تو......"

"میں نے لیڈی ٹیچر کے لئے جو اشتہار دیا تھا، الحمدللہ لیڈی ٹیچر مجھے مل گئی، سوشیالوجی میں ایم اے ہے اور ہمارے مقصد کے مطابق ہے۔"

"حاتم صاحب!" وہ میز پر ہتھیلی رکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہنے لگی "آپ پھر اکھڑ رہے ہیں۔"

"کیا آپ کسی تمہید کے بغیر اپنا اصل مقصد بتانا پسند کریں گی؟"

"کیوں نہیں، آپ پوری طرح سنجیدہ ہیں؟" اس نے پرس کھولتے ہوئے کہا۔ ایک منٹ پرس میں کچھ تلاش کرتی رہی پھر ایک تصویر نکالی اور سائیڈ ٹیبل پر الٹی رکھ دی۔

"اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ سید صادق حسین صاحب کے خوابوں کی تعبیر الٹی ہو گئی ہے یعنی آپ نے تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے لندن جانا پسند نہیں کیا اور خدمتِ خلق اور تبلیغِ اسلام کا طریقہ اپنایا ہے تو بہت پہلے آپ کو تلاش کر چکی ہوتی۔ مجھے اسی ہفتے آپ کے کارناموں کا علم ہوا۔ میں یہ سوچتی رہی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیا یہ سب کچھ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ سب کسی غرض کے بغیر محض پروپیگنڈا تو نہیں؟ لیکن آپ کے [illegible] کی حقیقی پہچان سے مجھے یقین ہو گیا کہ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی، اور

درحقیقت یہ ہے کہ آپ کا اللہ غیب سے آپ کی مدد کرتا ہے۔ آپ کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے مگر نتیجہ آپ کے حق میں نکلتا ہے۔ اگر میرا یہ جائزہ ٹھیک ہے تو مجھے بھی اپنا دکھ درد آپ کے سامنے انڈیل دینا چاہئے۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"دیکھئے مس مینا! آپ وعظ فرمانے لگیں۔ ایک لمبی بات کہہ گئیں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں کوئی دوا دے سکتا ہوں تو درد کی جگہ انگلی رکھ دیجئے۔ میں پھونک مار دوں گا۔"

"حاتم صاحب! آپ مجھ سے گھبرا کیوں رہے ہیں؟ ہر کوئی جب اپنا کیس کسی وکیل کے سامنے رکھتا ہے، ہر بیمار جب ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے، ہر مقرر جب تقریر کرتا ہے تو اس کے لئے تمہید ضروری ہوتی ہے۔ آپ نے چودھری صاحب میں جو تقریر فرمائی وہ پریس میں آ چکی ہے۔ آپ نے بھی تمہید میں جب اللہ کی ربوبیت کو بنیاد بنا لیا تب ہی اسلام کی باتیں سمجھا سکے۔ اسی طرح میں جو کچھ بتانے جا رہی ہوں، میں جو درد لے کر حاضر ہوئی ہوں، اسے پوری طرح سمجھانے کے لئے تمہید بے حد ضروری ہے۔ آپ مجھے جاہل نہ سمجھیں میں نے بھی اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو دعوت پیش فرماتے تھے تو بات یہاں سے شروع کرتے تھے۔ قرآن کے الفاظ ہیں، رسولِ خدا کی زبانی ——— اتقوا اللہ واطیعون (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو) ——— یہی الفاظ ہر پیغمبر نے کہے ہیں۔ اس لئے مجھے بھی شروع سے حال بتانا ہوگا۔"

"اچھا بتائیے!" حاتم کا بناوٹی لہجہ لڑکی کی منطقی گفتگو کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اس نے گہری سانس لی اور سر کو ہتھیلیوں کے پیالے میں رکھ لیا۔ اس کا احساس بالکل ٹھیک تھا کہ اب تک اتنی مرتب و مدلل گفتگو اس نے لڑکی تو لڑکی، کسی بڑے سے بڑے آدمی سے نہیں سنی تھی۔

"تین برس ہوئے" مینا چند لمبے سانس لینے کے لئے رکی۔ پھر بولی "میں اور میری کزن انیلہ ریاض، ہم

دنوں موسم گرما کی تعطیلات منانے گھر جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں کہ مِس براؤن نے انیلہ کو ایک لفافہ دیا۔ لفافہ کھلا تھا۔ انیلہ نے اندر سے پرچہ نکال کر پہلے خود پڑھا پھر میری طرف بڑھا دیا اور اس طرح مجھے دیکھتی رہی گویا مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بڑے سلجھے ہوئے ہینڈ رائٹنگ میں تحریر تھا:۔

"ریاض! میں واپس آ گیا ہوں۔ میری امانت مجھے لوٹا دو۔ ورنہ عید پر میری طرف سے ایک تحفہ وصول کرنے کا حوصلہ پیدا کرو۔"

"میں سن رہا ہوں مس مینا! دلچسپ کہانی ہے۔ وہ خط آپ نے اپنے انکل ریاض کو پہنچا دیا۔ آگے چلئے!"

"ہاں" مینا نے انگلی کی پور سے ناک کی نوک کھجاتے ہوئے کہا "وہ خط انکل ریاض پڑھ کر پہلے بری طرح چونکے۔ پھر ان کا چہرہ کسی خوف سے زرد ہو گیا۔ میں نے بہت پوچھا، انھوں نے کچھ نہیں بتایا۔ پھر ہم لوگ سیر و تفریح میں سب کچھ بھول گئے۔ چند دنوں میں عیدالاضحیٰ آ گئی۔ تب ہم نے یعنی میں نے اور انیلہ نے محسوس کیا کہ انکل کے ساتھ آنٹی بھی ہر وقت کھوئی کھوئی اور پریشان رہنے لگی ہیں۔ وہ دونوں ہر وقت سہمے سہمے سے رہتے۔ کوئی خوف انھیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ پھر عید کی صبح انکل عباد کو لے کر نماز دوگانہ پڑھنے گئے۔ واپس آئے تو گیٹ میں ایک تھیلا پڑا ملا۔ اسے عباد نے اٹھا لیا تو تھیلا پھٹ گیا۔ اس میں انیلہ اور عباد کے چھوٹے بھائی عماد ریاض کا خون میں لتھڑا ہوا سر تھا۔"

"اچھا!" حاتم نے چونک کر مینا کو دیکھا۔ وہ ڈھلکے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ "گمنام خط بھیجنے والے نے وعدے کے مطابق تحفہ بھیج دیا تھا" حاتم نے بات پوری کی۔

"ہاں" مینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے ہونٹے سرخ ہو چکے تھے۔ اس نے پرس سے چھوٹا سا رومال نکال کر آنکھیں صاف کیں اور پھر سلسلہ جوڑتے ہوئے بولی: "اور پھر ایک سال بعد عید سے چند روز پہلے اسی مضمون کا خط انکل کو بذریعہ ڈاک ملا۔ انکل نے فوراً پولیس سے رابطہ قائم کیا۔

اسی طرح کے کچھ اور حادثے اور بھی انکل کے ذاتی اثر سے پولیس نے اُن کی حفاظت کے لیے تین سپاہی اور ایک گارڈ کمانڈر بھی بھیج دیے جو ہر وقت انکل کی فیملی کو نگاہ میں رکھتے تھے۔ عید کی چھٹیوں پر ہم پھر انکل کے گھر موجود تھے۔ عید کی نماز بھی سب نے گھر ہی پڑھی۔ عید کا دن خیریت سے گزر گیا تو سکون کا سانس لیا۔ پولیس کے سپاہی بھی یہی سمجھے کہ خطرہ ٹل گیا۔ وہ خطرے کو وہم سمجھ کر بے پروا ہو گئے۔ خوف کے مارے ہم نے نہ تو عید کی خوشی منائی نہ رات کے کھانے کا خاص انتظام کیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ہمارے ساتھ تینوں سپاہی بیٹھے تھے۔ خانساماں اللہ بخش نے سادہ کھانا لگا دیا۔ ہم سب کھانے لگے۔ اچانک آٹھ سالہ عباد کرسی چھوڑ کر اُٹھتے ہوئے بولا ــــــ 'باتھ روم'

اللہ بخش نے جھک کر اُسے اُٹھا لیا۔ گارڈ کمانڈر نے اپنے ایک سپاہی کی طرف دیکھا۔ اتنے میں اللہ بخش عباد کو سینے سے لگائے چل کھڑا ہوا۔

'اللہ بخش!' آنٹی نے کہا 'تم بچے کے ساتھ باتھ روم میں جانا'۔ سب نے کھانے سے ہاتھ روک لیے تھے۔ خاموشی چھائی رہی۔ اللہ بخش عباد کو لیے دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔"

اس کے بعد مینا کا گلا رندھ گیا۔ اُس نے رال گھونٹی لیکن اُس سے بولا نہ گیا۔

"پھر کیا ہوا؟" حاتم نے پوچھا۔

"پھر... پھر... انکل کی پلیٹ پر... کوئی چیز دھماکے سے گری۔ اور ہماری چیخیں نکل گئیں۔ گرنے والی چیز عباد کا سر تھا۔ آنٹی تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔ ہم سب باہر کی طرف دوڑے لیکن چاروں طرف بالکل خاموشی تھی۔ پولیس کے سپاہی ہم سے کٹ کر آگے نکل گئے مگر آدھ گھنٹے بعد ناکام واپس آ گئے۔"

حاتم اب تک یہ نہ سمجھ سکا تھا کہ اس حادثے میں مینا اس سے کیا مدد لینے آئی ہے۔ یہ بتانا تو کسی جاسوس کو سنانی تھی۔ لیکن واقعہ المیہ تھا۔ المیہ واقعات بڑے مؤثر اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ حاتم کے اندر کھوج پیدا ہو گئی۔ اُس نے مینا سے پوچھا "کیا اس وقت گھر کے سبھی لوگ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے اور یہ کہ ان حادثوں کا سبب کیا تھا؟"

"سبب!" مینا نے کہا "میں اس گمنام خط کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

"اچھا تو آپ اپنے انکل کی سماجی اور مالی حیثیت بتائیے کیا تھی؟"

"ہاں، آپ بات پا رہے ہیں" مینا پیشانی کو لمحہ بھر ہتھیلی سے ملتی رہی۔ پھر بولی "آپ پوری تفصیل چاہتے ہیں نا!" اس نے سائیڈ ٹیبل سے تصویر اٹھائی۔ تصویر کا سیدھا رُخ حاتم کی طرف رکھتے ہوئے بولی:

"یہ دیکھتے ہیں آپ! تصویر میں تین شخص ہیں۔" حاتم تصویر پر جھک گیا۔ پھر اس نے تصویر اٹھائی پھر وہ گم صم سا ہو گیا "حاتم صاحب! آپ انھیں نہیں پہچان سکیں گے۔ ان کا حال سنئے۔" مینا نے غور سے حاتم کو دیکھا۔ وہ اب بھی گم صم تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔

"حاتم صاحب! پلیز۔۔۔ پلیز!" لڑکی گھبرا گئی۔ حاتم تصویر لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک اٹھنے سے کرسی کے کھسکنے کی آواز پیدا ہوئی تو دوسرے کمرے سے آواز آئی:

"کیا ہوا حاتم بیٹے!"

"آ گئے" حاتم نے مینا سے کہا اور اسے لئے ہوئے سید صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سید صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے آنے والوں کو دیکھا۔ وہ یکدم اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر صوفے پر گر گئے۔ ان کی نگاہیں مینا پر جم کر رہ گئیں۔ انھیں یہ بھی ہوش نہ رہا کہ آنے والوں سے بیٹھنے کو کہیں۔

"مینا!" حاتم تعارف کرانے لگا "یہ میرے فادر نہیں ہیں لیکن ہیں میرے باپ ہی۔ آپ ہیں سید صادق حسین صاحب۔ ایم۔ ایل۔ اے۔" پھر وہ سید صاحب کی طرف مخاطب ہو گیا:

"محترم سید بابا! یہ مینا ہے۔ بہت اچھی مینا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ پوسٹ گریجویٹ ہے۔ آپ اس سے ملئے۔ آپ بہت خوش ہوں گے۔"

"اچھا اچھا بیٹھو!" سید صاحب نے جلد ہی اپنے پر قابو پا لیا۔ مینا اور حاتم دونوں سوچ میں

تھے کہ اچانک سید صاحب کو یہ کیا ہو گیا۔ انھیں نے حاتم سے تصویر لے لی تھی اور اسی کو دیکھے جا رہے تھے۔ اس تیز طرار اور ہوشیار مینا کو ان پر ترس آ گیا۔

"کیا میں بھی آپ کو سید ابا کہہ سکتی ہوں؟"

خدا جانے مینا کی آواز میں کیا جادو تھا۔ سید صاحب نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنا سینہ دبانے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ مینا جس قدر حسین و جمیل لڑکی تھی اس سے زیادہ اس کی آواز میں کھنک، کشش اور لوچ تھا۔ لیکن ایک بوڑھے شخص کو اس کے حسن و جمال، دلکش آواز اور مسحور کرنے والی اداؤں سے کیا نسبت؟ حاتم بولا:

"سید ابا! مینا کے سلام کا جواب دیجیے۔ آپ پریشان سے ہیں!"

"جیتے رہو بچو! فضل سے کہو۔ کھانا لگائے۔ تم نے حاتم! اسے پوچھا نہیں؟"

"سید ابا! میں مینا سے باتیں کرنے لگا۔ اس کی دلچسپ باتوں میں کھو گیا۔"

"ہاں، بچہ مجھ سے تعلق خاطر ہے۔ تجھے بھی کھو جانا چاہیئے۔"

"لیکن سید ابا! کیوں؟ مجھے مینا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اسے جانتا بھی نہیں۔ سید ابا! یہ وہی لڑکی ہے جس نے ٹیلیفون کیا تھا۔ میں نے اب تک اس سے اکھڑی اکھڑی باتیں کی ہیں تاکہ نہ وہ میرے قریب ہو سکے اور نہ میں اس کے۔ مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا پروردہ ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ کسی مرد کو کسی عورت سے اور کسی عورت کو کسی مرد سے اس طرح باتیں نہیں کرنی چاہیئے کہ شیطان کو اپنا وار کرنے میں آسانی ہو۔"

"شاباش بیٹے! میں تم دونوں کو زیادہ دیر تک حیران و پریشان نہیں رکھنا چاہتا۔ ادھر آؤ میرے ساتھ۔"

سید صاحب تصویر لیے ہوئے حاتم اور مینا کے ساتھ ایک الماری کے پاس گئے۔ سات نمبر کا بٹن ایک خاص حرکت کے ساتھ، جسے وہ خود ہی جانتے تھے، دبایا۔ الماری کھل گئی۔ ایک قد آدم تصویر سامنے لگی ہوئی تھی۔

"آؤ بچو! لو، یہ چھوٹی تصویر اس قد آدم تصویر سے ملاؤ۔"

حاتم اور مینا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"فضل! یہیں لاکر کرسیاں ڈال دو اور کھانا یہیں لے آؤ۔"

"اچھا ہاں بچو! اس تصویر میں تین شخص ہیں نا! تم دیکھ رہے ہو۔ ایک مرد اور ایک عورت کرسیوں پر اور ایک لڑکا پیچھے کھڑا ہے ..."

"جی ہاں، سید ابا۔ یہ لڑکا جو پیچھے ....."

"ٹھہرو حاتم! مجھے بتانے دو۔ یہ مرد جو نوابوں کے لباس میں کرسی پر بیٹھا ہے مینا اس شخص کا نام جانتی ہے۔ وہ تم کو بتانے والی تھی شاید لیکن تم نے اس تصویر کے لڑکے میں اپنے سید ابا کو دیکھ لیا شاید اور مجھ سے تصدیق کرنے چلے آئے۔ ٹھہرو بچو! صبر کرو۔ تم مت بولو۔ مجھے بتانے دو۔ مینا بھی پوری بات نہیں جانتی۔ دیکھ مینا بیٹی! میں کہتا جاؤں، تو تصدیق کرے گی۔"

سید صاحب نے ایک سرد آہ بھری۔ انھوں نے اپنا سینہ پھر دبایا۔

"مینا بیٹی! تم تصدیق کرو گی۔ یہ شخص جو تصویر میں کرسی پر ہے، اس کا نام ریاض ہے۔ نواب سید ریاض حسن خاں۔ اور یہ جو خاتون ہے یہ نواب ریاض کی بہن صادقہ ہے۔ صادقہ شہر کے ایک مشہور رئیس قدوس علی کو بیاہی گئی۔ میں دیکھ رہا ہوں مینا تجھ کو۔ ایسا لگتا ہے کہ صادقہ بچہ بن کر مینا کے روپ میں میرے سامنے آگئی۔ اگر تو صادقہ کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہے تو اب دیکھ اس لڑکے کو جو تصویر میں پیچھے کھڑا ہے۔ پہچان یہ کون ہے!"

"سید ابا" حاتم بولا "میں تصویر دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آپ ہیں۔"

"میں اسی بدنصیب صادقہ کی بیٹی ہوں" مینا سید صاحب کے سینے سے جا لگی "پیارے انکل!"

"آہ! مینا بیٹی! کیسا سکون دیا تو نے مجھے۔ مگر سن! تیرا نام مینا نہیں، امینہ ہے۔" سید صاحب نے مینا کے شانے تھپکے "بڑی دردناک کہانی ہے میری اور میری بہن صادقہ کی۔ اچھا بچو! آؤ کھانا کھا لیں۔ پھر کہانی سناؤں گا۔ اس کہانی کا بہت کم حصہ امینہ کو معلوم ہوگا۔"

مینا اور حاتم سید صاحب کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سید صاحب کھا رہے
تھے اور نہ مینا اور نہ حاتم ہی۔ تینوں کے دل بے حد متاثر تھے۔ کچھ دیر ٹونگ کر ہاتھ روک لیے۔ فضل نے دسترخوان
اٹھایا۔ سید صاحب نے بٹن دبایا۔ الماری بند ہو گئی۔ انھوں نے کارڈ سائز تصویر جو مینا لائی تھی، اٹھائی اور
صوفے پر آ بیٹھے۔ ایک طرف حاتم کو اور دوسری طرف مینا کو بٹھا لیا اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھے رہے۔

"پیارے انکل" مینا بولی "آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ ڈیڈی نے میری امی حضور کو گھر سے کیوں نکال
دیا تھا۔ یہ راز اب بھی امی حضور کے سینے میں دفن ہے۔"

"صادقہ بہت ہی شریف اور نیک دل تھی۔ دوسروں کے ساتھ نیکی کر کے بھول جانا اور دوسروں کے
ساتھ بھلائی کرنا اس کا شیوہ تھا۔ میں بتاتا ہوں۔ ریاست مرج ہونے کے بعد جب آمدنی محدود
رہ گئی تو سب سے زیادہ ریاض بھائی متاثر ہوئے۔ ریاض بھائی نے انگریزی تعلیم یورپ میں پائی اور وہیں
پڑھے پلے۔ یورپین تہذیب میں سب کچھ بینک بیلنس ہوتا ہے۔ ریاض بھائی کو دولت سے بڑی محبت تھی۔
ریاست مرج ہونے کے بعد انھوں نے ساری جائداد پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس معاملے میں قدوس علی کو
انھوں نے اپنا ہمنوا کر لیا لیکن صادقہ آپا، جنھوں نے مجھے پالا تھا، نے کہا کہ صادق علی کو اس کا حصہ ملنا چاہیے۔
بس تم سمجھو کہ یہی بات صادقہ غریب کی تباہی کا باعث بن گئی۔ قدوس علی کو ریاض بھائی نے
دو تین لاکھ کا لالچ دیا۔ وہ صادقہ کے دشمن ہو گئے۔ اسے اس وقت طلاق دے دی جبکہ آمنہ کا بوجھ وہ
سہارے ہوئے تھی۔ انھوں نے دوسری شادی کر لی لیکن صادقہ جیسی شریف بیوی کو بھلا نہ سکے۔ پھر جب
آمنہ پیدا ہوئی اور اس کی تصویر انھیں بھیجی گئی تو ان کی چیخ نکل گئی۔ دولت کے حرص نے ان کو کہیں کا نہ رکھا
وہ تین لاکھ کے لالچ میں میرے مار ڈالنے کا منصوبہ انھی نے بنایا۔ اس منصوبے کو پورا نہ کرنے پائے تھے کہ
پیام اجل آ گیا۔ مرتے وقت صادقہ کو کہلوایا کہ آمنہ کو ایک نظر دکھا جاؤ۔ صادقہ، میں نے کہا نا، ایک نہایت
شریف عورت تھی۔ وہ بچی کو لے کر گئی۔ ملی۔ قدوس صاحب نے سب کو پاس سے ہٹا دیا۔ پھر صادقہ کو
دو لاکھ کا چیک دیا اور کہا کہ صادق کو کسی گمنام مقام پر پہنچا دو، ورنہ وہ زندہ نہیں رکھا جائے گا۔ صادقہ آپا نے

وہ ڈیڈلکہ کی رقم مجھے دے دی اور میں وہاں سے آکر یہاں بس گیا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ ہاں مینا بیا میری آئینہ بیٹی تم بتاؤ آگے کیا ہوا۔"

"بیشک!" مینا سسکتی ہوئی بولی "ڈیڈی امی حضور کو اور مجھے یاد کر کے سسک اٹھتے تھے۔ ڈیڈی نے اپنی ماں کے کہنے سے دوسری شادی تو کرلی لیکن انھیں شگفتہ سے ہی نفرت ہوگئی۔ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے جن سے اُن کو دکھ ہوتا۔ اور اسی دکھ میں اُن کو سکھ ملتا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔"

اتنا کہہ کر مینا نے نواب ریاض حسن خاں کی وہ کہانی سید صاحب کو بھی سنائی جو وہ حاتم کو سنا چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے بتایا:

"پھر انکل ریاض نے شہر کی سکونت ترک کردی۔ پچاس کلومیٹر دور پہاڑ پر رہنا شروع کردیا۔ انھوں نے انگریزی حکومت کے دور کی ایک کارگاہ اور ریسٹ ہاؤس خرید لیا تھا اور وہاں رہنے کی وجہ یہ بتائی کہ انیلہ کی ممی برابر بیمار رہتی ہیں، تبدیلی ہوا کی ضرورت ہے۔ حالانکہ میں نے آنٹی کو کبھی بیمار نہیں دیکھا تھا۔

میری ممی نے یہ تصویر اپنی موت سے پہلے مجھے دی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ حاتم کو جس شریف آدمی نے اپنا بیٹا بنالیا ہے وہ میرا انکل ہے۔ اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ انکل صادق حسین یہاں رہتے ہیں، ورنہ میں خاندانی رشتہ سے ضرور آتی اور شاید یہیں آپ کے سایۂ عاطفت میں رہتی لیکن اب ضرورت آپڑی۔ انکل! مرنے والے مرگئے۔ میں آپ کے خاندان کے زندہ درگور لوگوں کا دکھ لے کر آئی ہوں۔ عباد اور عماد کے بعد اب انیلہ خطرے کی زد میں ہے۔ اگر انیلہ بھی گئی تو پھر آپ کے خاندان کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔ اس خطرے کے علاوہ بھی بہت سے دکھوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ آنٹی کسی دماغی ہاسپٹل میں زیر علاج ہیں اُن کو پاگل پن کے شدید دورے پڑنے لگے ہیں۔ انکل ریاض اُن کو ہم سے ملنے نہیں دیتے۔ نہ مجھے نہ انیلہ کو۔ انکل ریاض کا بھی ذہنی توازن قائم نہیں رہتا ہے۔ وہ اپنی جائداد نے بیچنے فروخت کرچکے ہیں۔ ہاں۔ یہ بھی بتادوں کہ دونوں بیٹوں کی ہلاکت کے بعد انکل ریاض نے تمام جائداد۔ ولیت انیلہ کے

منتقل کر دی تھی اور اب اس ایلیا پر دباؤ ڈال کر اسی دولت کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہیں۔ یہ تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر میں ایلیا کو سہارا نہ دیتی تو وہ بینک کے چیک پر دستخط کر چکی ہوتی۔"

"وہ تم کو کیوں برداشت کئے ہوئے ہیں؟" سید صاحب نے پوچھا۔

"اس لئے کہ میں ایلیا کو ان کے حق میں ہموار کر دوں اور وہ چیک پر دستخط کر دے۔"

"اور اس کا جواز کیا پیش کرتے ہیں؟"

"یہ کہ ساری جائداد فروخت کر کے اور بینک سے روپیہ نکال کر برطانیہ جائیں گے اور وہاں آنٹی کا علاج بھی کرائیں گے۔"

"تو کہانی کا لب و لباب یہ ہوا" حاتم نے ذرا جھک کر مینا کی طرف دیکھا "کہ آپ انکل کو برطانیہ جانے سے روک رہی ہیں۔"

"نہیں حاتم! میرا خیال ہے کہ انکل کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ وہ گمنام قاتل اب بھی ان پر حاوی ہے۔ شاید انکل اپنی ساری دولت دے کر خاندان کے باقی افراد کی زندگی کا سودا کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن آنٹی سے آپ کو اور ایلیا کو کیوں نہیں ملنے دیتے؟"

"یہی تو ہمارے لئے معمہ ہے جو حل نہیں ہوتا۔"

"اس پریشانی میں آپ مجھ سے کیا خدمت لینا چاہتی ہیں؟"

"قاتل کی تلاش اور ایلیا کی حفاظت کیونکہ انکل اپنے مقاصد پر کسی وقت ایلیا کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔"

"تو یہ کیس سراغ رساں سے متعلق ہے۔ میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"اوہ! آپ! آپ کا صرف ہمارے ساتھ ہو جانا باعث برکت ہوگا۔ میں انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ سہی لیکن میں پوری مشرقی لڑکی ہوں۔ دیکھئے، میں یہاں آپ کا نام سن کر آئی۔ یہ آپ ہی ہیں کہ آپ کے طفیل ل صادق حسین مجھے مل گئے۔ مجھے تو اب مزید یقین ہو چلا ہے کہ اگر آپ میرے ساتھ ہوں تو آپ سے آپ سارے الجھے ہوئے مسائل سلجھ جائیں گے۔"

"کیا حرج ہے حاتم!" سید صاحب نے سفارش فرمائی "مینا جواب تمہاری بہن ہے اُس کا دل رکھ لو۔"

"مجھے بسر و چشم منظور ہے۔" حاتم نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

"اچھا بہن امینہ!" حاتم کہنے لگا "دیکھئے آپ جب اِس گھر میں ہوں گی تو آپ امینہ بہن ہوں گی اور جب آپ اپنی دُنیا میں ہوں گی تو مینا — صرف مینا — ہوں گی۔ اِس مکان سے باہر آپ کسی کو بھی یہ نہیں بتائیں گی کہ انکل ریاض کے چھوٹے بھائی سید صادق حسین صاحب ہنوز حیات ہیں۔"

"آپ کے اندر" مینا مسکرائی "آپ کے اندر تو سراغ رساں بیٹھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ زبان جو آپ بول رہے ہیں سُراغ رسانوں کی سی ہے۔"

"دیکھئے، آپ ایک ہفتہ اپنے بچھڑے انکل کے پاس رہیں گی۔ میں آپ ہی کے کام سے علی گڑھ جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ علیگڑھ سے کہیں اور جانا پڑے۔ اِس لئے آپ پریشان نہیں ہوں گی۔"

"اچھا ٹھہرئے، میں علیگڑھ کا کام یہیں بیٹھے بیٹھے کئے لیتا ہوں۔" حاتم نے علی گڑھ کے اپنے کسی شناسا کا ٹیلیفون نمبر ملایا اور ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ کچھ ہی لمحے بیتے تھے کہ اُدھر سے کوئی بولنے لگا۔

"یس، ہیلو، مسٹر جان! میں حاتم بول رہا ہوں۔"

"الحمدللہ بخیریت ہوں... ہاں... یس... خیر وہاں جو کچھ ہوا وہ سب ہر جگہ بوں پر اللہ کا فضل تھا اچھا... ہاں... ہاں... اخباروں میں تو آم گھاس ہر قسم کی خبریں آتی ہی رہتی ہیں... بیشک، بیشک تم کو خوشی ہونی ہی چاہئے مگر اب اپنا قصیدہ بند کرو۔ میری بات سُنو... شاباش! یہ بتاؤ، ایرنا آج کل کہاں ہے... لُدھیانہ؟... بہت اچھا... خدا کرے دونوں محبت سے رہ رہے ہوں... کیا کہا... کب اُس نے استعفا دے دیا؟ بڑا ہونہار جوان تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایس۔ پی ہو جاتا۔ خیر اب کیا کرتا ہے ہیلو... ہیلو مسٹر جان! ہاں... یس، ٹھہرو، مجھے پتہ لکھا دو۔"

حاتم نے قلم اُٹھایا، ٹیبل پر پڑے اخبار پر پتہ لکھا "یس، یس، ہاؤس نمبر تھری فور سکس ون (۳۴۶۱)۔ کچھ نہیں، بس یونہی، نہ جانے کیوں اپنا اِس وقت یاد آنے لگی ...... لاحول ولاقوۃ۔ اچھا، خدا حافظ۔ السلام علیکم۔"

سلسلۂ گفتگو منقطع کرکے حاتم کچھ سوچنے لگا۔ مینا یہ ساری بات چیت بڑے انہماک سے سُن رہی تھی۔ بولی "کیا تیر مارا میرے سُراغ رساں بھائی نے!" اس وقت اس میں بھائی بہن کے جذبات شامل ہو گئے

"دیکھو امینہ! دو دن بچ گئے۔ اب میں لدھیانہ جا رہا ہوں۔"

"تو سنئے جناب بھائی صاحب! دو دن اور بچ جائیں گے۔" مینا ہنسی۔

"وہ کیسے؟" حاتم نے پوچھا۔

"ایسے کہ میرا بھائی با برکت ہے۔ دو دن علیگڑھ کے بچے۔ دو دن اُدھر کے بچیں گے۔ تو اب مجھے صرف تین دن انتظار کرنا ہوگا۔" دونوں اس طرح ہنسنے لگے جیسے واقعی سگے بہن بھائی ہنستے ہیں۔

"تو امینہ! آپ یہاں رہیں۔ میں جاؤں، ابا جان سے مل لوں۔"

"دیکھئے، جب آپ اِس گھر میں امینہ کہہ کر پکاریں تو یہ 'آپ' کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں مینا بن جاؤں تو آپ جس طرح چاہیں مخاطب کریں۔ اور سنئے، میں بھی کیوں نہ آپ کے والد صاحب کو سلام کرنے چلوں؟"

"آپ سید صاحب کے ساتھ جائیں۔ بلکہ زیادہ اچھا یہ ہے کہ یہیں جب ابا جان آئیں تو آپ اُن سے مل لیں۔ یہاں آپ کا آنا پوشیدہ ہی رہے تو اچھا ہے۔"

حاتم یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور امینہ اپنے ماموں سید صادق حسین صاحب کے کمرے میں چلی گئی۔ سید صاحب نے فضل کو بلا کر اس کے آرام و آسائش کے لئے تاکید کر دی۔

حاتم یہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر گیا۔ گھر والوں اور سوشیلا سے کہا کہ دو دن کے لئے لدھیانہ جا رہا ہوں

دشو ڈاکٹر کے یہاں سے نہیں آیا۔ چاچی کی طبیعت کیسی ہے؟ میری طرف سے پوچھ لینا اور سلام کہہ دینا۔

عائشہ شوہر کے مزاج کو سمجھ چکی تھی۔ اس نے سوٹ کیس کو ایک نظر دیکھا۔ ضرورت کے سامان سے مطمئن ہوئی تو بند کرکے حاتم کو تھما دیا۔ حاتم سلام کرکے گھر سے نکلا تو رکشا کیا اور اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ گاڑی چار گھنٹہ لیٹ ہے۔ بس اسٹینڈ گیا۔ بس مل گئی۔ اس پر بیٹھ گیا اور بس فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ حاتم نے گھڑی دیکھی۔ آپ ہی آپ زیر لب کہنے لگا:

"تو سات گھنٹے کا رن ہے۔ دس بجے رات لدھیانہ پہنچوں گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ رات کو کیسے کہاں پکاروں گا۔ نہ کبھی لدھیانہ گیا، نہ وہاں کے راستے معلوم۔ وہ اس طرح سوچتا رہا۔ بس چلتی اور ٹھہرتی رہی۔ ایک جگہ عصر کی نماز تو حاتم نے بروقت پڑھ لی۔ مغرب کی دیر میں۔ سوچا کہ عشاء کی نماز لدھیانہ کے بس اسٹینڈ پر پڑھوں گا۔

بس کسی حادثے کے بغیر وقت پر لدھیانہ پہنچ گئی۔ حاتم اترا۔ اس نے ایک طرف کونے میں جانماز بچھائی اور عشاء کی قصر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے دو رکعت فرض پڑھ کر سلام پھیرا۔ چاہا کہ وتر بھی پڑھ لے کہ ایک بوڑھا شخص آیا۔ اس کے ساتھ مزدور تھا۔ مزدور اپنے سر پر ایک صندوق رکھے ہوئے تھا۔ اس آدمی کے کہنے سے مزدور نے صندوق وہیں اتار دیا۔ اس شخص نے مزدور کو دس روپیہ دیے۔ وہ چلا گیا تب اس بوڑھے نے حاتم سے کہا: "جوان پاشا! ذرا یہ صندوق دیکھے رہیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ کھانا کھا لوں۔"

حاتم نے جانماز صندوق کے پاس کھسکا لی اور وتر پڑھنے لگا۔ وتر پڑھ چکا تو صندوق سے ٹیک لگا کر کلمہ سیدھی کرنے لگا۔ اتنے میں ایک سپاہی آیا۔ اس نے پوچھا: "اس صندوق میں کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم!" حاتم نے جواب دیا اور وہ گھبرا گیا۔

"اس کی کنجی؟" سپاہی نے پوچھا۔

"اس کی کنجی صندوق والے کے پاس ہوگی!" حاتم دل ہی دل میں کہنے لگا کہ بے سمجھے بوجھے صندوق کو لگانے میں مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔

"صندوق کا مالک کہاں ہے؟" سپاہی غرایا۔
"آدھا گھنٹہ ہوا۔ وہ ادھر کھانا کھانے ہوٹل پر گیا ہے۔"
سپاہی نے سیٹی بجا کر دو کانسٹبلوں کو پاس بلا لیا۔ اس کے بعد حاتم سے کہا: "میاں جی! آپ کو کوتوالی چلنا ہوگا۔ یہ صندوق مشکوک ہے۔"
"صندوق کے مالک کا انتظار نہیں کریں گے؟" حاتم نے بڑی نرمی کے ساتھ کہا۔
"کتنی دیر؟"

اس کا جواب حاتم نہ دے سکا۔ سپاہیوں نے صندوق اور حاتم کو حراست میں لے لیا۔ مزدور کو بلایا۔ صندوق اسے دیا کہ لے کر کوتوالی چلے۔ پھر حاتم سے کہا "چلئے میاں جی! کوتوال صاحب سے پوری بات کر لیجئے گا۔" حاتم نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا۔
"ٹھہرئے! اس کی تلاشی دینا ہوگی۔"
حاتم نے سوٹ کیس کھول دیا۔ سپاہیوں نے اندر کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھیں۔ سوٹ کیس میں کوئی شبہ کی چیز انھیں نہیں ملی تو سب مزدور کے ساتھ کوتوالی چل دئے۔ کوتوالی پہنچے۔ کوتوال نے اسی وقت شہر کے دو ذی اثر آدمیوں کو بلایا۔ ان کی موجودگی میں صندوق توڑا گیا۔ اندر ایک نوجوان عورت کی لاش تھی۔

اب تو حاتم کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ کوتوال نے حاتم کا بیان لیا۔ اس کے بعد حوالات میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔ ابھی اس حکم پر عمل نہیں ہوا تھا کہ ایک دیہاتی قسم کا جوان دس سپاہیوں کے ساتھ آیا۔ سپاہی ایک بوڑھے کو ہتھکڑی پہنائے ہوئے لا رہے تھے۔ دیہاتی جوان نے بڑھ کر کوتوال سے انگریزی میں کچھ کہا اور جیب سے ایک کاغذ نکال کر اسے دکھایا۔
"گڈ مسٹر......" کوتوال کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
بوڑھے کو دیکھ کر حاتم نے کہا "اسی کا یہ صندوق ہے۔"
"ٹھہرئے!" اس دیہاتی جوان نے کہا۔ اس کے بعد بوڑھے سے بولا "ہاں مہاشے! آپ خود

بیان دیں گے یا میں تصویریں پیش کر دوں؟"

بوڑھے نے اُس جوان کو دیکھا۔ اُس نے پہچانا۔ یہ گنوار اُس کے ساتھ گھر سے چلا آیا تھا۔ اب اس کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ اُس نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ میری بہو کی لاش ہے۔ شادی میں جہیز کم لائی تو رشتے ناطے کے لوگوں کے طعنوں سے تنگ آ کر اُس کی ساس نے دھوئیں کی کوٹھری میں بند کر دیا اور یہ گھٹ کر مر گئی۔ اِس کے بعد اُسے میرے حوالے کر دیا۔

حاتم اُسی وقت چھوڑ دیا گیا۔ کوتوال نے معذرت کرتے ہوئے کہا "جناب! ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے ہم بغیر ثبوت کسی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ جا سکتے ہیں۔" پھر خود ہی پوچھنے لگا: "آپ یہاں کس کے گھر جائیں گے؟ رات کا وقت ہے۔ میں سپاہی ساتھ کر دوں!"

"شکریہ! میں بہادر سنگھ سابق ڈی۔ ایس۔ پی۔ کے گھر جاؤں گا۔" حاتم نے بتایا۔ کوتوال مسکرایا دیہاتی جوان بھی چونکا۔ کوتوال نے پوچھا:

"کیا آپ بہادر سنگھ کو پہچانتے ہیں؟"

"نہیں!" حاتم شرما سا گیا۔

"مسٹر حاتم! آپ جانتے ہیں" کوتوال کہنے لگا "ہم لوگ کچھ کھائے پیئے بغیر بات بھی نہیں کرتے۔ کہئے جیب میں کچھ ہے؟"

"جی ہاں!" حاتم بولا "ہے، لیکن میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ رشوت سے پرہیز کریں۔ میں بھوکا ہوں۔ آپ میرے لئے کھانا منگوا دیں اور آپ بھی میرے ساتھ کھا لیں۔" کوتوال نے اس دیہاتی جوان کی طرف دیکھا۔ بولا "منظور ہے۔ چلئے، آئیے میرے ساتھ۔" کوتوال حاتم کو لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا۔ دیہاتی جوان بھی ساتھ تھا۔ تینوں کرسی پر بیٹھے۔ حاتم کوتوال کے اِس اخلاق سے بہت متاثر ہوا

والکہ رات کے وقت دو بجے وہ ایک دیہاتی کو اپنے برابر بٹھائے ہوئے ہے۔ اُس سے نہ رہا گیا۔ اس حوالے سے اُس نے کوتوال کی تعریف کی۔

"شکریہ، شکریہ! میاں جی! دراصل آپ خود بہت اچھے ہیں، اسی لیے سب کو اچھا سمجھتے ہیں"

میز پر سپاہیوں نے نہایت پرلطف کھانا چن دیا۔ تینوں اشخاص جو ایک دوسرے سے اجنبی تھے، کھانا کھانے لگے۔ کوتوال بار بار حاتم سے کہہ رہا تھا کہ خوب چھک کر کھائیے۔ آپ جس شخص کے یہاں جا رہے ہیں وہ بڑا کنجوس ہے۔ کھانا کھا کر جیسے ہی حاتم نے ہاتھ روکا وہ دونوں بھی رک گئے۔ ہاتھ دھوئے گئے، پھر چائے پی گئی۔ حاتم نے پچاس روپیہ کا نوٹ میز پر رکھ دیا کہ بل چکا دیا جائے۔

"بہت اچھا جناب!" کوتوال نے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔ اِس کے بعد اُس دیہاتی جوان سے کہا "لے جاؤ بھائی۔ اِنھیں کشٹ تو ہوگا مگر آرام سے پہنچا دینا۔"

کوتوال نے حاتم سے کہا "بل کے باقی پیسے یہی آپ کو دے دیں گے۔"

دیہاتی جوان نے انگریزی میں کہا "میں صبح آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ دھنیہ واد۔"

کوتوالی کے باہر کار کھڑی ہوئی تھی۔ دیہاتی جوان نے اس کی کھڑکی کھولی۔ حاتم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حاتم بیٹھ گیا۔ اِس کے بعد وہی جوان گاڑی چلانے لگا۔ حاتم کے لئے یہ سب باتیں حیرت انگیز تھیں۔

آدھ گھنٹہ کار مختلف راستوں پر دوڑتی رہی۔ اِس کے بعد ایک گیٹ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ دیہاتی مسلسل ہارن دے رہا تھا۔ دو تین منٹ گزرے تھے کہ پھاٹک کھلا۔ ایک دراز قد اور نہایت حسین جمیل نیلی آنکھوں والی حسینہ شب خوابی کے لباس میں سامنے آگئی۔ پہلے تو وہ اس دیہاتی جوان کی طرف بڑھی، پھر کار سے حاتم کو نکلتے دیکھا تو بچوں کی طرح پکار اٹھی "ہاؤ مسٹر حاتم! ہاؤ مسٹر حاتم! [illegible]" اس نے بڑھ کر حاتم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حاتم نے پہچانا۔ اس کی زبان سے نکلا "ایرنا!" ایرنا نے بتایا "یہ میرے ہسبینڈ [illegible] بہادر سنگھ لدھیانہ کے مشہور سراغ رساں۔ [illegible] پھر [illegible] سے ملے۔

بہادر سنگھ نے ایرنا سے کہا "کھانا ہم لوگ کھا چکے ہیں۔ اب سونے کا انتظام جلد ہونا چاہئیے۔ حاتم بہت دور سے آرہے ہیں مگر خوب ہی ڈرامائی انداز سے ملے صبح یہ سارا قصہ سناؤں گا۔"

ایرنا نے اپنے ہاتھ سے بستر ٹھیک کیا۔ حاتم کو بے جا کر لٹایا۔ اس کے بعد پائنتی اسٹول ڈال کر بیٹھی۔ حاتم کے پیروں کی انگلیاں دبانے لگی تو حاتم نے پاؤں سمیٹے۔

"ایرنا! مجھے اس طرح نیند نہیں آئے گی تم جاؤ۔ بہادر سنگھ بھی بہت تھکا ہے۔" ایرنا چاہتی تھی کہ جب تک حاتم سو نہ جائے اس کی انگلیوں کو دباتی رہے مگر حاتم کے اصرار کرنے پر اسے اُٹھ جانا پڑا۔

صبح کو ایرنا اور بہادر سنگھ نے خاطر و مدارات میں بڑے تکلف سے کام لیا۔ حال پوچھا۔ حاتم کو جلدی تھی۔ اس نے مینا کا مقدمہ پیش کیا اور بہادر سنگھ سے مدد چاہی۔ بہادر سنگھ بخوشی تیار ہو گیا۔ ایرنا نے بھی ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا۔ سارے تکلف برطرف کر کے اسی وقت حاتم کو واپس کرنے کا اہتمام کیا جانے لگا۔ بہادر سنگھ نے اُسے ایک گھڑی نما ٹرانسمیٹر دیا۔ اس کی حفاظت کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اس کے ذریعہ بات کرنے کا طریقہ بتایا۔ پھر ایک مٹھی میں چھپ جانے والا بے آواز کا پستول دیا جس میں یکے بعد دیگرے بارہ گولیاں نکلتی تھیں۔

بہادر سنگھ نے بتایا کہ "ہم دونوں کو ہر وقت اپنے پاس سمجھئے۔ سخت سے سخت تر موقع پر بھی گھبرانے کی بات نہیں۔ آپ کسی طرح مینا کے ساتھ انکل ریاض تک پہنچ جائیں۔ اس کے بعد میری ہدایات پر عمل کریں۔ آپ تو مولوی آدمی ہیں۔ دعا تعویذ کرتے ہوئے وہاں تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔" اس بات سے حاتم سمجھ گیا کہ اُسے کیا پارٹ ادا کرنا ہوگا۔ پھر اس نے پوچھا "اور آپ دونوں کب تک آئیں گے؟"

"ہم ابھی سے آپ کے سائے کی طرح آپ کے ساتھ ہیں۔"

حاتم گھر سے باہر نکلا تو ایک لمبی کار سامنے کھڑی تھی۔ حاتم اور ایرنا تو پچھلی سیٹ پر بیٹھے، بہادر سنگھ نے اسٹیرنگ سنبھالا۔ کار بھر بھرائی، پھر رینگی اور پھر جب مین روڈ پر آئی تو فراٹے بھرتی پورب کی طرف رواں دواں تھی۔ راستے میں صرف دو جگہ دس دس پندرہ پندرہ منٹ کے لئے غیر معروف بس اڈوں پر رکی اور پھر چل دی

سات گھنٹے کا راستہ پانچ گھنٹے میں طے کیا۔ شہر کے کنارے کار روک کر حاتم کو اُتار دیا گیا۔ وہاں سے حاتم رکشا کے ذریعہ گھر آیا۔ مینا چشم براہ تھی۔ اتنی جلد آنے پر بہت خوش ہوئی۔ نتیجہ سفر پوچھے بغیر چہکی کہ بھائی کے اِس معاملے میں پڑنے کی برکت ہے کہ اڑھائیس گھنٹے کے اندر واپس آ گئے۔ یقیناً ہم کامیاب ہوں گے۔

رات کا کھانا سید صاحب کے یہاں تھا۔ عاصم صاحب اور اُن کا گھر بھر مدعو تھا کھانا کھاتے وقت حاتم نے گھڑی میں ٹائم دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اُسے ایک نقطہ نظر آیا۔ وہ نقطہ سُرخ تھا جیسے وہ کوئی بلب ہو۔ وہ ذرا جھک کر دیکھنے لگا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"ہم پرسوں ٹھیک ۶ بجے پہاڑ کی طرف مارچ کریں گے۔"

حاتم سمجھ گیا کہ اُس کا رنگ ماسٹر ہدایات دینے لگا۔ اُس نے جمائی لی۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی منہ پر رکھی۔ ہاتھ رکھے رکھے کہا "میں تیار رہوں گا۔" پھر آواز آئی "آپ اسی گاڑی پر مینا کے ساتھ جائیں گے جس پر لدھیانہ سے آئے تھے۔" حاتم نے کھانے کے دوران کہا "اپنے بہن! ہم پرسوں چھ بجے یہاں سے روانہ ہونگے۔ پرسوں تم پھر مینا ہو جاؤ گی۔" اِس کے بعد عائشہ وغیرہ سے کہا کہ تم سب وشو بابو کے ساتھ مبارک کے پاس جاؤ گی۔ میں کچھ دنوں کے بعد آملوں گا۔

عاصم صاحب نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو بیٹا!"

"ابا جان! سید ابا آپ کو بتا دیں گے۔" اور حاتم نے بات ختم کر دی۔ دوسرے دن عاصم صاحب نے فیصلہ سُنایا کہ عائشہ چند دن اپنی سُسرال میں رہے گی، باقی تمام لوگ تمہارے جانے کے دوسرے دن جائیں گے۔ کپڑوں کی گانٹھ کس دی جائے گی۔ وشوناتھ اس کا نگران ہوگا۔ کاملہ یہ سب وہاں کے بزرگوں کے سپرد کر دے گی اور پھر مبارک کے مشورے سے تمام عورتوں کو شلوار اور جمپر پہنا دیا جائے گا۔ سوشیلا کاملہ کی مشیر رہے گی۔ پھر جب حاتم واپس آ جائے گا تو اس کے ساتھ عائشہ کو بھی بھیج دیا جائیگا۔

دوسرا دن حاتم کے لئے بڑی مصروفیت کا تھا۔ مبارک کو ہدایات لکھنی تھیں۔ کاملہ اور سوشیلا کو طریقۂ کار سمجھانا تھا۔ وشو بابو کو مبارک کی ذہنی کیفیت بتانا تھی اور یہ سمجھانا تھا کہ وہاں کا ماحول کیسا ہے؟

مغرب کے وقت حاتم نے امینہ سے کہا:

"دن ختم ہوگیا۔ اب تم اسی وقت سے مینا ہو۔ سنو! میں پیر حاتم علی شاہ ہوں۔ پانی پر دم کر کے پلادوں تو انسان کا دل بدل جائے۔ کیا سمجھیں مس مینا!"

حاتم نے قہقہہ لگایا اور ذہین اور اسمارٹ مینا سمجھ گئی کہ وہ کس طرح انکل ریاض تک حاتم کو پہنچا سکتی ہے۔

"ہمارا ذریعۂ سفر کیا ہوگا؟" مینا نے پوچھا۔

"وہ ایک لمبی کار ہوگی جو ہمیں مین روڈ پر کھڑی ملے گی۔ پہاڑ کے دامن تک اسے میں چلاؤں گا، پھر جب انکل ریاض کی مملکت سامنے ہوگی تو تم ڈرائیو کروگی۔"

مینا کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ حاتم نے تاکید کی:

"خبردار! جو میں کہوں گا وہ کروگی اور دخل در معقولات تو دور کی بات ہے دخل در نامعقولات بھی نہیں کروگی۔ ہمارا تمہارا معاہدہ ویسا ہی ہے جیسا معاہدہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر سے ہوا تھا۔"

مینا نے جواب دیا:۔

"آپ مجھے ہر مقام پر فرمانبردار پائیں گے۔"

"شاباش! چلو اب سیدا با سے مل لیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم لوگ فجر کی نماز شہر سے باہر ملیا پر پڑھیں گے۔"

سید صاحب نے دعا دی "بسلامت روی و باز آئی۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے لے جائے اور بخیریت پھر واپس لائے!" حاتم نے جواب میں کہا:

"انشاء اللہ نواب ریاض حسن خاں اور مینا کی آنٹی کو بھی ساتھ لاؤں گا۔"

"ان شاء اللہ۔ فی امان اللہ"، سید صاحب نے رومال آنکھوں پر رکھ لیا۔ حاتم مینا کو لے کر رکشا پر بیٹھا اور قبل فجر مین روڈ کی ملیا کی طرف چل دیا۔

(باقی آئندہ)

اپنے دور کی مشہور و معروف جرمن اداکارہ کارلا یارٹیل کی خود نوشت سوانح کے چند اہم اوراق

اسلام کے متعلق وہ اپنی کہانی اس طرح بیان کرتی ہے: ۱۹۲۴ء میں میں نے برلن میں اداکاری کا فن سیکھا اور متعدد ڈراموں میں اداکاری کی۔ میں نے ہالی وڈ میں چار فلموں اور جرمن میں دس فلموں سے زیادہ میں کام کیا۔ تب میں نے سوچا کہ میں سچائی کی تلاش خود کیوں نہ کروں؟

اس کا بہترین طریقہ جو میں نے اپنایا وہ یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کی سیاحت کر کے میں وہاں کے لوگوں میں گھل مل جاتی۔ اور اُن کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کرتی تھی۔ چند روز بعد میں مصر چلی گئی۔ قاہرہ میں مسجدوں کے میناروں سے بلند ہوتی اذانوں سے میں بہت متاثر ہوئی تھی چنانچہ میرے دل میں اسلام سے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی اور بڑھتے بڑھتے یہ خواہش ایک تڑپ کی صورت اختیار کر گئی۔

میں یوں محسوس کرتی جیسے میں مسلمان ہی پیدا ہوئی تھی حالاں کہ میرے ماں باپ عیسائی تھے اور انھوں نے مجھے بچپن سے رومن کیتھولک مذہب کے اصولوں کے مطابق تربیت دی تھی عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے مطابق میرے والدین باپ بیٹے اور روح القدس کے ایک ہونے پر یقین رکھتے تھے جس پر مجھے ہمیشہ شبہ ہوتا۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات پر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے۔ میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا جس سے مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہوا۔ میں نے اپنے لئے سکینہ نام پسند کیا۔ اس کے بعد میں مصری عوام کے ساتھ گھل مل کر اُن

سے گفتگو کرتی اور جامعۃ الازہر میں جا کر اسلام کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرتی رہی ہے۔ یقین ہو گیا تھا کہ میں مسلمان پیدا ہوئی ہوں اور مجھے احساس ہو گیا کہ اسلام ہی دین فطرت ہے۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اسلام کے دشمن جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس تھا اسلام نے عورت کو معاشرے میں بنیادی حقوق دیئے ہیں۔ یورپ میں لوگ اول تو اس عظیم دین کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں اور جو برا بھلا جانتے ہیں تو صرف اتنا کہ وحشی اور اجڈ لوگوں کا مذہب ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ اسلام کے بارے میں صدیوں سے کس قدر غلط فہمیوں کا شکار ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر ان پر اسلام کی تمام خوبیاں اور برکتیں روشن ہو جائیں تو یہ ایک لمحہ اس سے دور نہیں رہ سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کی جائے۔

اسلامی آرٹ کے متعلق انہوں نے کہا اسلامی ثقافت بہت عظیم ہے اور اسلامی فن کا اظہار قدیم مسجدوں سے ہوتا ہے۔ جو ثقافت اور معلومات کے مراکز ہیں۔ مسلمانوں نے لکڑی اور شیشے پر نقش و نگاری کے بڑے پائیدار نشانات چھوڑے ہیں۔ آرٹ کے جس میدان میں بھی وہ دلچسپی لیتے اس میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لیتے تھے۔ انہوں نے عربی خطاطی کے فن میں سے ایک منفرد فن تخلیق کیا حتیٰ کے یورپی آرٹسٹ بھی اس سے بہت متاثر ہوئے اور وہ عربی گلکاری کے فن کو آرائش کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلامی آرٹ تخلیق کی انتہا کو پہنچ چکا ہے جیسے عمارات کو زیورات سے مرصع کرنے سے تشبیہ دی جاتی ہے، مسجدوں اور محلات میں اسلامی آرائش کا یہ فن اپنے کمال پر نظر آتا ہے اور اس کیلئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ سچائی اپنا ثبوت خود ہوتی ہے۔

---

جب آپ "آپ" تھے تو یہ سب آپ ہی کا تھا۔ اب بھی وہی زمین وہی آسمان ہے

---

# سماج پر فلموں کے اثرات

یہ صنعت اب تک جن منکرین خدا اور غیر ذمہ دار اور دنیا پرست لوگوں کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ انھوں نے اس انڈسٹری کا اتنا غلط استعمال کیا ہے کہ آج بھلے لوگوں کے لئے برائی اور فلم لازم و ملزوم بن کر رہ گئے ہیں، لیکن کیا یہ بات صرف فلم تک محدود ہے؟ کیا غیر ذمہ دار اور غیر خدا ترس لوگوں نے زندگی کے جس شعبے میں بھی گل کھلائے ہیں اس شعبے کو گندگی سے نہیں بھر دیا ہے؟ تعلیم کو لے لیجیے۔ سیاست کو لے لیجئے۔ معاشرے اور معیشت کو لے لیجیے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کو لے لیجئے جس کسی شعبے میں بھی ان لوگوں کو سربراہی کا موقع ملا ہے انھوں نے اسے گندگی کا ایک ڈھیر اور شریف لوگوں کے لئے ناقابل استعمال بنا کر رکھ دیا ہے۔ جنسی جرائم عریانی، تشدّد، قتل، اسمگلنگ، ڈاکہ زنی کے واقعات کو اتنی کثرت سے پیش کیا گیا ہے کہ آج لوگ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا فلموں کا استعمال خیر کے کاموں کے لئے بھی ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آپ فلموں کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلی ہوئی بہت سی برائیوں کا سدِّباب کر سکتے ہیں آپ اس سے علمی اور تعلیمی خدمت کا کام لے سکتے ہیں۔ لوگ عموماً جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بہت سی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ آپ انہیں صحیح صورت حال سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ آپ فلموں کے ذریعے مناظر قدرت اور مناظر فطرت دکھا سکتے ہیں جس سے انسان کے ذوق جمال کی تسکین ہوتی ہے اور فرحت و انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے آپ فلموں کے ذریعے لوگوں کو عبرت ناک تاریخی واقعات اور قوموں کے عروج و زوال

لی باتیں بہت دلچسپ انداز میں دکھا سکتے ہیں جس سے انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کن وجہوں اور صفات کی وجہ سے وہ قومیں برسر عروج رہیں اور پھر کن خرابیوں کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے زوال پذیر ہو گئیں۔ آپ دنیا کی قوموں کے سماجی حالات اور ان کے تہذیب و تمدن سے دوسرے لوگوں کو روشناس کرا سکتے ہیں اور اس طرح دور دراز کے لوگ ایک دوسرے سے بہتر واقفیت پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قسم کی نعمتوں سے بھر رکھا ہے اور ایک ایک نعمت انسان کی خدمت میں لگی ہوئی اور اس کے کام آرہی ہے۔ یہ سب کچھ سلیقے سے پیش کر کے آپ اللہ کے حضور شکر گزاری کا جذبہ لوگوں میں پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ فلموں کے ذریعے اللہ کے غضب اور غصّے کے مناظر جیسے آتش فشاں پہاڑوں کا اچانک پھٹ جانا، سیلاب کی تباہ کاریاں، اچانک زلزلوں کا آجانا وغیرہ دکھا سکتے ہیں جس سے آدمی کو یہ احساس ہو کہ اپنے ہر طرح کے زعم اور گھمنڈ کے باوجود انسان کتنا مجبور اور لاچار اور محتاج ہے اور خدا جب چاہتا ہے، اسے پکڑ لیتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ دکھایا جائے تو آدمی کے اندر خدا کا خوف اور اس کی عظمت کا احساس بیدار ہوگا اور اسے یہ پتہ چلے گا کہ آدمی کے لئے خدا کی بندگی کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہ صحیح ہے اور نہ ممکن ہے۔ لیکن ہو کیا رہا ہے؟ آج نوجوانوں کو جو فلمیں دکھائی جا رہی ہیں اُن میں بینکوں میں ڈاکے ڈالنے کے طریقے، چلتی ٹرینوں میں جرائم کرنے کے طریقے، نوجوانوں کو اپنے والدین اور بزرگوں کے خلاف بغاوت کرنے کے مشورے اور کسی اخلاقی قید کو نہ تسلیم کرنے کے درس دیئے جا رہے ہیں۔ فلموں نے یہ خدمت انجام دی ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی طور پر مشتعل کر کے انہیں سوسائٹی میں چھوڑ دیا ہے اور اب ہر لیلیٰ اپنے مجنوں کو اور مجنوں اپنی لیلیٰ کو ڈھونڈتا پھرتا ہے بیشتر گھریلو زندگیاں ان فلموں کی وجہ

سے بے مزہ، بے کیف اور تلخ ہو گئی ہیں کیونکہ آدمی فلم میں جو کچھ دیکھ کر آتا ہے اسی کی تمنا اپنے گھر آکر کرتا ہے اب چونکہ فلمی زندگی اور حقیقی زندگی میں کوئی ربط نہیں ہے تو عملی زندگی میں آدمی کو وہ کچھ نہیں ملتا جو فلموں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس طرح لوگوں کی گھریلو زندگی میں یہ فلمیں ایک طرح سے زہر بھر رہی ہیں۔ ہر لڑکا اپنی بیوی کو ہیروئن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے اور ہر لڑکی کا آئیڈیل فلم کا ہیرو ہے۔

لڑکیاں بھاگ بھاگ کر بمبئی پہنچتی ہیں کہ ہم بھی فلم والوں کی تڑک بھڑک کی زندگی میں داخل ہو جائیں، پیسہ بھی کمائیں اور شہرت بھی۔ لیکن ایک بڑی تعداد تو بمبئی تک پہنچنے ہی نہیں پاتی۔ راستے کے رہزن لڑکیوں کے شکاری اور بازاروں کے دلال ان مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور جو لڑکیاں بمبئی پہنچ جاتی ہیں وہ وعدۂ فردا کے سہارے نہ جانے کتنے لوگوں کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔

ایک طرف بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے۔ دوسری طرف فلموں کی دکھائی ہوئی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی چمک دمک ہے جس نے زندگی کو اور مہنگا کر دیا ہے۔ کوٹھی، کار، بینک بیلنس، سوٹ بوٹ آدمی کے بڑا ہونے کا نشان بن گئے ہیں۔ اور اس آئیڈیل کو پانے کے لئے لوگ جرائم کرتے ہیں۔ پکڑے جانے والے بیشتر مجرم اس بات کے گواہ ہیں کہ انھوں نے قتل اور ڈاکے کسی نہ کسی فلم کو دیکھ کر ڈالے اور یہ ڈاکے اسی نقشے کے مطابق ڈالے جو انھوں نے فلم میں دیکھے تھے۔

---

## معصوم باتیں

صرف بچوں کی ہی ہوتی ہیں ایک بار میرے گھر پٹنہ سے ایک انجینئر صاحب آئے تھے اس وقت میرا بھتیجہ سو رہا تھا۔ اس وقت وہ دو ڈھائی سال کا ہوگا جب وہ سو کر اٹھا تو اس سے انھوں نے پوچھا آپ کے پاپا کہاں ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ بولا پاپا تو دودھ و چائے میں رہتے ہیں

حافظ عبد الرشید صاحب جمشید پور

# اور میں جماعت اسلامی کا ممبر بن گیا

میں گوبند پور گوریوں تحصیل سرائھوں میں پیدا ہوا۔ دو سال بعد آنکھوں سے محروم ہو گیا بہت بڑی عمر تک دیہات اور والدین کی بے علمی کے سبب میری پڑھائی کا انتظام نہ ہو سکا مجھے یاد نہ رہا کہ کیا تعلیم شروع ہوئی گوبند پور سے قریب ۱۹۴۷ء تک غالباً کوئی ہائی اسکول نہ تھا تقریباً بیس میل دور ریاست کالے کانکر کے ہائی اسکول میں محلے کے زمیندار اپنے تین بچے پڑھا رہے تھے۔ جہاں احسن مظہری رکن جماعت غازی پوری یا بنارس مدرسی کرتے تھے اُن کا معمول تھا مسلم بچوں کو ہر روز صبح فجر سے پہلے گنگا کنارے لے جاتے۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز باجماعت وہیں پڑھتے۔ پھر مسلم بچوں کو عربی زبان کی تعلیم دیتے۔ سب تو نہیں کچھ بچے دلچسپی لیتے میرے یہاں کے جناب نعمت اللہ صاحب انہیں کے ذریعے جماعت سے بھی متاثر ہوئے۔ وہ دس کلاس پاس کرنے کے بعد گھر پر رہنے لگے۔ باقی تعلیم پرائیوٹ حاصل کی آج وہ اپنے ہی ضلع میں کسی اسکول میں انگلش ٹیچر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں غالباً ہیڈ ماسٹر ہیں۔ وہ جماعت کے سارے پرچے ہندوستان و پاکستان میں چھپنے والے منگاتے رہے اور ان کے مطالعے کے وقت مجھے تلاش کر کے شریک کر لیتے۔ جناب ماسٹر صاحب مجھے بھی عربی بہت کچھ یاد کراتے تھے جس سے قرآن سمجھنے میں کچھ مدد ملتی پھر دوسرے اساتذہ نے بھی کچھ مہربانیاں فرمائیں کچھ میری اپنی دلچسپی اور سب کچھ خدا کی مہربانی سے مجھے دینی معلومات حاصل ہوئی جب ہندوستان و پاکستان سے عوامی ڈاک کا تبادلہ موقوف یا منقطع ہوا تو رقم بھیجنے کے باوجود "تسنیم کوثر"

اور ترجمان القرآن" تو بند ہو گیا ہندوستانی پرچے آتے رہے۔ میں مدرسہ اسلامیہ فتح پور چلا گیا ۱۹۴۸ء تا ۱۹۴۹ء تک وہاں رہا کیونکہ قرآن پاک کا کچھ حصہ گھر پر ہی یاد کر لیا تھا وہاں بچوں کی لائبریری میں خطبات وغیرہ اور قرآنی قصے وغیرہ ترجمان القرآن کے ۲۷ پرچوں کے ساتھ موجود تھا۔ اُن کی موجودگی کے باوجود جماعت اسلامی سے مخالفت کرنے والے بڑے تند و تیز تھے۔ یہاں تک کہ ایک ماسٹر جو جماعت کے رکن تھے۔ انہوں نے اسکول کی نوکری سے استعفا دے دیا۔ وہاں کی مخالفت کا اثر مجھ پر یہ پڑا۔ غالباً چھ ماہ تک میں بانی جماعت مرحوم اور جماعت اسلامی سے بدظن ہو گیا کیونکہ ہر دیندار اور عالم دین دیوبندی مرحوم کو کافر اور جہنمی ہونے کا یقین دلاتے رہتے تھے۔

جب گھر آیا تو وہی ماسٹر نعمت اللہ صاحب نے میرے ساتھ دوبارہ محنت کی پھر میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں جمشید پور چلا آیا ۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی لگی ۸ جولائی کو رات میں مجھے دفتر جماعت اسلامی کدمہ جمشید پور سے گرفتار کر لیا گیا۔ ٹاٹا اور گیا دونوں جیلوں میں ۸۸ دنوں تک رہا۔ اس سے پہلے مجھ سے بار ہا کہا گیا تھا کہ رکنیت کا فارم بھر دیجئے لیکن میں کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے بھی رکنیت کو ٹالتا رہا کہ کام کرنے سے مطلب ہے۔ اجتماعات بھی میرے یہاں سے دور ہوتے تھے جو آدمی کے دلچسپی کی بڑی کسوٹی ثابت ہوتی ہے میں اکثر شریک نہ ہو پاتا یہاں تک کہ میرے محلے میں دفتر قائم ہو گیا۔ ایک بار جناب ریاض الدین صاحب رکن جماعت نے مجھ سے کہا اب تو آپ ناظم اجتماع ہیں عدم شرکت کا کوئی سوال نہیں فارم بھر دیں۔ پھر بھی مجھ سے نہ ہو سکا جیل میں دیگر رفقاء نے جو رانچی اور گیا کے تھے امیر جماعت مقامی محمد عمر صاحب کو میری رکنیت کے بارے میں کچھ کہا ایک دن سوال جواب کے وقت کسی نے مجھ سے کہا آپ جیل آنے کی اُمید رکھتے تھے میرا جواب نفی میں تھا رکھتا بھی تھا اور نہیں بھی۔ نہیں رکھتا تھا اس وجہ سے کہ شاید مجھے معذور سمجھ کر میرے ساتھ

نہ کیا جائے اور امید تھی اس وجہ سے کہ جس دعوت کو لیکر چل رہا تھا اس میں آزمائش لازمی ہے
لہٰذا ایمرجنسی کے خاتمے کے بعد میں نے رکنیت کا فارم بھرا اور دسمبر ۱۹۸۰ء میں مجھے منظوری کی
اطلاع بھی دے دی گئی اور اب اس طرح میں جماعت اسلامی کا رکن بن گیا۔

# غزل

آغاز نظر میں ہے نہ انجام نظر میں
دیوانے ہیں چلتے ہیں تری راہ گذر میں

ہر سو نظر آتے ہیں مجھے اب ترے جلوے
آہٹ تری سنتا ہوں میں دیوار میں در میں

مشکل ہے نکل جائے صعوبت سے سزا سے
اک سودا سمایا ہے جو دیوانے کے سر میں

لے دے کے مرے پاس یہ ٹوٹا ہوا دل ہے
بسنا ہو تو بس جا اسی اُجڑے ہوئے گھر میں

کچھ اور تو ممکن نہ ہوا مجھ سے مرے دوست
بس اشکِ ندامت ہیں مرے زادِ سفر میں

کیا غم ہے جو دشوار ہیں راہیں مری جاوید
وہ پیشِ نظر ہیں مری منزل ہے نظر میں

مسعود جاوید ہاشمی

# سراپا خوبی

**عورت** نام ہے وفا کا، ہمدردی کا، محبت کا، قربانی کا، ایثار کا، مروت کا، انہی تمام خوبیوں کا مجموعہ عورت ہے۔ عورت نے ہر دور میں اپنے کردار سے انصاف کیا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں حضرت آسیہؓ جیسی شفیق و مہربان، رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی جیسی بہادر فاطمہ بنت عبداللہ جیسی محب وطن نور جہاں جیسی دانش ور قلوپطرہ جیسی ذہین ممتاز محل جیسی سراپا محبت ہمارے سامنے آئیں گی۔ اگر ہم تمام خوبیاں یکجا دیکھنا چاہیں تو حضرت فاطمہؓ اور دیگر امہات المومنینؓ جیسی روشن اور مثالی ہستیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ہارون رشید کی ملکہ زبیدہ نے بھی ایک عورت ہونے کے ناطے سے اپنے کردار سے خوب انصاف کیا۔ حضرت عمارہ اور خولہ جیسی بہادر خواتین میدان میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ لڑیں۔

عورت خواہ کسی مقام پر ہو کسی جگہ ہو وہ اپنی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ عورت کے پاس ماں بہن بیٹی اور بیوی جیسے مقدس روپ ہیں۔ عورت نے ان کرداروں سے پورا انصاف کیا۔ عورت کو ماں جیسا عظیم روپ اور بلند ترین رتبہ ملا ہے۔ اس کے پاؤں کے نیچے جنت بنائی اور اولاد پر اس کا رتبہ اور اہمیت واضح ہو گئی۔

**ایک** مرد کی تمام زندگی میں دکھ سکھ کی ساتھی اللہ تعالیٰ نے بیوی کے روپ میں دی ہے۔ مرد کی بہترین ساتھی بیوی ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ روپ بھی بہت خوبصورتی سے نبھایا گیا ہے۔ سراج الدولہ کی بیوی لطف النساء نے تمام عمر اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر گذاری اور آخر کار اتنی کمزور اور لاغر ہو گئی تھی کہ اٹھ نہیں سکتی تھی اور بالآخر شوہر کی قبر پر فوت ہوئیں۔

**عورت** نے معاشرے کو ایسا سکون دیا ہے جس کو وہ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو

ٹرکھ کر پروان چڑھاتی ہے اور مرد کو ایسا گھر دیتی ہے جس میں داخل ہوتے ہی محسوس
تا ہے کہ طمانیت اور اپنائیت کا جانفزا سکون انسان کی روح کی گہرائیوں تک پہنچ رہا ہو۔
خواہ کوئی کتنا قیمتی محل ہو جس کی آرائش وزیبائش قیمتی سامان سے کی گئی ہو۔ ڈھیروں
ادمیں نوکر چاکر موجود ہوں مگر یہ سب کچھ ایک انسان کو وہ سکون نہیں دے سکتا جو مٹی کی
ہوئی چار دیواری میں ایک عورت کے سلیقے سے چلتے ہوئے گھر میں موجود ہے۔
**عورت** جس مقام پر ہے اگر وہ اسلام کے بنائے حقوق وفرائض کو جانتی ہے اور
پہچانتی ہے تو یقیناً وہ گھر شاہی ہے۔ اس گھر کے فرد خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ دنیا میں سب
سے زیادہ قیمتی اور نایاب چیز سکون ہے۔ ماخوذ اردو ٹائمز بمبئی۔

## اس نے کہا

میں ایک خاں صاحب کے پیچھے پڑ گیا کہ انھیں نماز پڑھوا کر رہوں گا۔ میں ان
کے سامنے نماز کی خوبیاں بیان کرتا کہ نماز فحش اور بُری باتیں چھڑوا دیتی ہے۔ نماز
پڑھنے سے انسان با اخلاق اور خوش اطوار ہوجاتا ہے۔ باجماعت نماز پڑھنے سے آپس میں
میل جول بڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔
آخر خاں صاحب ایک بار نماز کے لئے تیار ہو ہی گئے۔ میں انھیں لے کر مسجد گیا
وہ وضو کرنے بیٹھے۔ وضو کرنے میں کچھ غلطی ہوگئی۔ میں نے کرخت آواز سنی۔ "تم کو وضو
کرنے کی تمیز نہیں، نماز کیا پڑھوگے؟"
امام صاحب ان پر برس پڑے۔ خانصاحب کو بھلا کب اسکی برداشت جس لوٹے سے وضو
کررہے تھے وہ لوٹا وہیں رہنے دیا اور اُٹھ کر مسجد سے چلے گئے۔ میں نے لاکھ آواز دی مگر خانصاحب
نے رخ نہ کیا۔ بس اتنا کہا پہلے مولانا کو با اخلاق اور خوش اطوار بنائیے۔ اس کے بعد دوسروں سے
نماز پڑھنے کو کہئے۔

بچوں کی تربیت میں بہنوں سے مخاطب ہوں

# اولاد میں صحیح فکر پیدا کیجئے

نور جہاں صدیقی اورنگ آباد

علم بہت سے ہیں۔ ہم دنیا میں علوم کی مختلف اقسام اس طرح جانتے ہیں۔ مثلاً علم طِب۔ علم جراحی۔ علم الحوانیات ونباتات۔ علم الشجریات، علم پرواز، علم آ ت، پیداوا علم زراعت۔ علم فلکیات وعلم الحساب، جیومیٹری، علم المعدنیات۔ علم طبعیات۔ علم طیارات علم معاشیات۔ علم تاریخ وجغرافیہ وغیرہ۔ مندرجہ بالا علوم تجربات ومشاہدات کی بنا حاصل کئے گئے ہیں اور یہ علوم مستحب ہیں۔ روزی کمانے کے لئے ان میں مہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔

انسان کو تعمیری کام انجام دینے اور حقیقی منفعت کی حدود میں رہ کر ان علوم کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور ان سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔

علوم کا دوسرا گروپ اُن علوم پر مشتمل ہے جن کا آج کی دنیا میں کثرت سے استعمال ہو رہا ہے اور اسے معاشرے کی ضرورت کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ علوم انسانی معاشرے کے لئے بلکہ پوری دنیا کی آبادی کے لئے حقیقت میں نقصان دِہ ہیں ان میں علم الربا (سودی کاروبار کا علم) علم الرقص وسرود (ڈانسنگ ومیوزک) علم نجوم۔ علم قمار (لاٹری اور ریس وغیرہ) علم کشید خمریات (شرابوں کا بنانا نکالنا) یہ اور اسی طرح کے علوم اللہ رب العالمین کی نظر میں غیر نافع اور سخت ناپسندیدہ ہیں۔ اسی لئے شریعتِ اسلامیہ میں انھیں سیکھنا اور سکھانا حرام وممنوع قرار دیا گیا ہے۔

علوم کا ایک نہایت ضروری و اہم گروپ اور ہے جس کا سیکھنا اور سکھانا فرضِ عین ہے صحیح تعلیم و تربیت کے لئے ان علوم کا سیکھنا اور ان پر ملت کی تعمیر کرنا صحیح فکر بنانے کے لئے ناگزیر ہے۔

علوم ضروریہ کا مختصر سا تعارف۔ عوام اسے دینی تعلیم کے نام سے پہچانتے ہیں۔ تہذیبِ یورپ کے فدائی اور فیشن پرست اسے قدامت پسندی کہہ کر دور بھاگتے ہیں۔

اس علم کے ضروری اجزا یہ ہیں

اللہ تعالیٰ کی معرفت و صفات۔ آسمانی کتابوں (قران) کی ضرورت و نزول تقدیر۔ تدبیر۔ ملکوتی نظام۔ ملائکہ۔ یوم الدین کیوں ت کی جوابدہی جزا و سزا کی ضرورت کیوں۔

رسالت و نبوت کیا ہیں نبی کیوں بھیجے گئے؟ نبی پر ایمان کے کیا معنی قران کیا ہے اس پر عمل کے فوائد اور بے عملی کے نقصانات۔

انسان کا انسان سے کیا تعلق ہے؟ (اخلاقیات۔ معاشرتی ضروریات اجتماعت۔ معاملات و لین دین۔ ایثار و قربانی۔ صدقہ زکواۃ۔ نماز اہل زمین کو خیرِ اُمّت بنانے میں کیا دخل ہے اور کس طرح؟ اور اگر ان کی عدم موجودگی ہو تو قومیں آپس میں کس طرح برباد ہوتی ہیں اور آسمانی عذاب کی تاریخ سے کیا اسباق ملتے ہیں۔

انسان کا مقصدِ زندگی کیا ہے؟ بندہ کا اللہ سے کیا تعلق ہونا چاہیئے؟ اسلام کی تاریخ کی اہمیت اور اُس کی ناواقفیت کا نقصان کیا ہوا۔ واقعات و مشاہدات کی روشنی میں سمجھایا جائے

---

**غلط فہمیاں دور کیجئے**

(ردِ فتنۂ مودودیت" ۔/۔) ۔ (جماعت اسلامی حقیقت کے آئینے میں ۔/۔)

(مولانا منظور نعمانی کی تصویر مولانا مودودی کے تاریخی خطوط کے آئینے میں ۔/۔)

(ردِ سرگزشت ۔/۔) ۔ (مولانا علی میاں کی غلط فہمیاں 50 /۱)

حجابی بہنیں

مجھے شکوہ ہے ان کی جمکیلی گاڑیوں والوں سے جو صرف اپنے بچے کی خاطر بہت سا پٹرول ضائع کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ پاس کھڑا پڑوس کا بچہ بھی کسی سواری کا منتظر ہے
(نصرت محمد علی۔ روہڑی)

مجھے شکوہ ہے اپنے محلے والوں سے جو اپنا گھر تو صاف رکھتے ہیں لیکن سارا کوڑا کرکٹ گلی میں پھینک دیتے ہیں۔
کاش وہ یہ جان سکیں کہ گلی بھی اُن کی ہے محلہ بھی اُن کا گھر کے ساتھ ساتھ ماحول کو صاف رکھنا ان کا فرض ہے۔ (مبینہ عبدالستار)

مجھے شکوہ ہے اُن طالب علموں سے جو امتحان کی تیاری نہیں کرتے لیکن جوں جوں امتحان کی ڈیٹ آجاتی ہے تو یہ آئے دن اخبار میں لکھتے رہتے ہیں کہ امتحان ملتوی کیے جائیں۔ میری اُن سے درخواست ہے کہ خدا کے لیے وہ ایسا کرنے سے باز آجائیں اپنے ساتھ کیوں دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ اور اچھی لگتی ہے۔ (فردوس رانی۔ سانگھڑ)

مجھے شکوہ ہے ان بہنوں سے جو استادوں کی نافرمانی کرتے ہیں۔ کیا تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ جن سے ہم تعلیم حاصل کر کے ایک مکمل انسان بنتے ہیں۔ ان کی عزت نہ کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کے عزت و احترام میں کمی نہ آنے دیں۔ تاکہ کامیابی و کامرانی ہمارے قدم چومے۔

ایک سمین وَن اطمہ

# آپ اپنے بچّے کا مستقبل بنائیے!

## تھوڑی سی آزادی بھی دیجیے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچے جس تفریح کو پسند کرتے ہیں، باپ اس کو ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ماں باپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس تفریح کو آپ ناپسند کرتے ہیں وہ آپ کی نہیں، آپ کے بچے کی تفریح ہے۔ اگر بچہ اسے پسند کرتا ہے تو آپ اسے اس کی اجازت دے دیں۔ بشرطیکہ اس میں بُرائی کا کوئی پہلو نہ ہو۔ ہمارے ہاں نئی اور پُرانی نسل کا جھگڑا عام ہوگیا ہے۔ نئی نسل جس چیز کی دلدادہ ہوتی ہے۔ پُرانی نسل اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ یہ زبردست اختلاف ہر دور میں نئی اور پُرانی نسل کے درمیان ہوتا چلا آیا ہے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ نئی نسل کچھ باتیں اپنے بزرگوں کی مانے اور بزرگ تھوڑی سی آزادی نئی نسل کو دیں۔ اگر دونوں اپنی اپنی بات پر اڑ جائیں گے تو اس کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلے گا۔ ایسی صورت میں نئی نسل چوری چھپے وہ کام کرنا شروع کر دے گی جو پرانی نسل کو ناپسند ہوتا ہے۔ میں یقیناً اس آزادی کی قائل نہیں کہ نئی نسل جو چاہے کرے لیکن میں اتنی آزادی کے حق میں ضرور ہوں جس سے نئی نسل اپنے جائز شوق کی تکمیل کر سکے اور اس طرح اپنے بزرگوں کے سامنے جھوٹ نہ بولنا پڑے۔ کیونکہ جھوٹ بذاتِ خود ہزاروں بُرائیوں کی جڑ ہے۔

## ن نیے ی عادت ڈالئے

والدین کو یہ بات اپنے بچوں کے ذہن نشین کردینی چاہیئے کہ گھر سے باہر کی زندگی میں انھیں جو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ان کو خندہ پیشانی سے سہیں۔ اسکول میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ پوری کلاس کو ایک کام دیا جاتا ہے لیکن بعض بچے اسے کرنے سے صاف انکار کردیتے ہیں وہ یہ عذر کرتے ہیں کہ صاحب ہم گھر پہ کام نہیں کرتے ہیں۔ پھر اسکول میں کیوں کریں؟ یہ جذبہ بچوں کے اندر والدین پیدا کرتے ہیں۔ آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسکول اور گھر کہنے کو تو دونوں بہترین تربیت گاہیں ہیں لیکن درحقیقت وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ گھر میں بچہ کچھ کرتا ہے یا نہیں۔ اسے یہ ترغیب دینا ضرور دینی چاہیے۔ کہ گھر سے باہر جو کام بھی کرنا پڑے۔ خوشی سے انجام دے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ آپ کا بچہ عملی زندگی میں قدم رکھے گا تو ہزاروں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر آپ اس کو بچپن ہی سے حالات کا مقابلہ کرنا سکھا دیں گے۔ تو عملی زندگی میں وہ بہتر طور پر اپنا کام سرانجام دے سکے گا۔ گھر گھر اور اسکول اسکول ہوتا ہے۔ اسکول کا ماحول گھر میں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ نہ گھر کا ماحول اسکول میں۔ بے شک آپ اپنے بچے کو گھر میں مرزا پھویاں بنا کر رکھیں۔ لیکن تربیت اس کو یہ دیں کہ باہر جو کام بھی کرنا پڑے اسے خوشی اور دلچسپی کے ساتھ کرے۔

مجھے خود اپنا ایک واقعہ یاد آگیا ہے۔ ان دنوں میں میٹرک کی طالبہ تھی۔ روزانہ صبح چپراسی کی یہ ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ تمام ڈیسک صاف کرتا۔ لیکن پورے اسکول کے ڈیسک صاف کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک روز ہماری کلاس ٹیچر نے ہم لوگوں سے کہا کہ کوئی بھی لڑکی ایک جھاڑن اپنے گھر سے لے آئے اور کلاس کی تمام لڑکیاں ایک ایک دن پوری کلاس کے ڈیسک صاف کیا کریں، اس طرح ڈیسک بھی صاف ہو جائیں گے اور کسی کو شکایت بھی نہیں ہوگی۔ انھوں نے لڑکیوں کی فہرست بھی تیار کردی۔ چنانچہ ہر لڑکی اپنی

ری پر پوری کلاس کے ڈیسک صاف کرنے لگی۔ لیکن ایک لڑکی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کلاس ٹیچر نے سبب پوچھا تو کہنے لگی۔ ہمارے والدین ہم سے گھر میں کچھ کام نہیں لیتے۔ لہٰذا ہم اسکول میں کیوں کریں؟ ٹیچر نے اسے خوب ڈانٹا اور کہا، دوسری لڑکیاں تمہاری غلام ہیں کہ روز تمہیں ڈیسک صاف کرکے دیتی ہیں۔ کل تمہیں پوری کلاس کے ڈیسک صاف کرنے ہوں گے۔ نہیں تو اپنی والدہ کو لے کر آؤ۔ میں ان سے بات کروں گی۔ اگلے روز لڑکی کی ماں آئیں۔ انھوں نے بھی وہی بیٹی کی بات کی دہرادی۔ معاملہ پرنسپل تک پہنچا۔ پرنسپل نے کہا۔ جب آپ کی لڑکی اس اسکول میں پڑھتی ہے۔ تو اس کو یہاں کے قوانین کی پابندی کرنا پڑے گی ورنہ نام کٹوائیے اور اسے گھر بٹھالیجیے۔ وہاں ہم آپ کی لڑکی سے یہ نہیں کہنے آئیں گے کہ ڈیسک صاف کرو۔ وہ خاتون بڑی شرمندہ ہوئیں۔ اگلے دن اس لڑکی نے سارے ڈیسک صاف کئے۔ گھر سے باہر کے کاموں میں شرکت سے ایک تو بچوں میں اشتراکِ عمل کا جذبہ پیدا ہوگا اور دوسرے وہ بڑے ہوکر عملی زندگی میں اپنے آپ کو آسانی سے ADJUST کر سکیں گے۔

---




فارم ۴ تحت ضابطہ ۸

نقشہ بابت ملکیت و دیگر تفصیلات بابت ماہنامہ حجاب رامپور یوپی

مقام اشاعت: محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی۔

پرنٹر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور

پبلشر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور

ایڈیٹر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور

نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور

مالکان اخبار: مالک بلا شرکت غیرے محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔

میں محمد اسحٰق مائل خیرآبادی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

محمد اسحٰق مائل خیرآبادی یکم مارچ ۱۹۸۳ء

مسلم معاشرہ میں آج "نکاح" ایسا مقدس دستور عمل تجارت بنتا جا رہا ہے اور مسلم قوم بری ہی اقتصادی الجھنوں میں الجھتی جا رہی ہے۔ زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس غیر اسلامی غیر معقول اور نقصان دہ رواج کو ترک کر کے مسلم معاشرہ کو صحت مند بنایا جائے۔ مصنف نے بڑی خوش اسلوبی سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ لڑکی والے کس طرح لڑکے کی دولت پر نظر رکھتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ گو کہ مصنف نے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی کے وقت دولت پر نظر رکھنے والے قسم کے لوگ جب اپنے لڑکے کی شادی کرنے کی سوچتے ہیں تو ان کی نظر اس پر رہتی ہے کہ لڑکی کتنا جہیز لائے گی۔ جہیز کی رسم مسلم معاشرہ کو گھن کی طرح کھوکھلی کر رہی ہے۔ اگر مسلم قوم ترقی چاہتی ہے تو ان رسموں کو ختم کرنا ہوگا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے امراء شادی کی تقریبات میں سادگی اپنا کر قوم کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں تاکہ متوسط طبقہ اور غرباء (جو امراء کی نقل کرتے ہیں) اس کو اپنانے میں سبکی نہ محسوس کریں۔

(مدیر)

جب کسی قوم کے برے دن آتے ہیں تو اس کی مسرتیں اور خوشیاں بھی اس کے لئے عذاب بن جایا کرتی ہیں، لمحاتِ شادمانی بھی اس کے لئے باعثِ رنج والم ہو جاتے ہیں، روحانی اطمینان کا وقت بھی مصیبت کا وقت بن جاتا ہے، یہی حال آج مسلمان قوم کا ہے کہ انھوں نے اپنی مسرتوں کو اپنے لئے عذاب بنا لیا

شادی بیاہ جیسے خوبصورت اور پُرمسرت فرض کو بیجا رسومات فضول خرچیوں، دکھاوا اور نمائش کے سبب ایک مصیبت بنالیا گیا ہے۔ بیجا شان و شوکت، خواہ مخواہ کی اکڑ اور تفاخر آج ہمارے یہاں کی شادیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ آج جب طرفین میں شادی کی بات چیت شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلا سوال زبان پر یہ آتا ہے کہ لڑکے کی آمدنی کیا ہے؟ کیا کماتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیسے کماتا ہے روزی حلال بھی ہے یا نہیں؟ یہ بہت ہی کم پوچھا جاتا ہے۔ گویا کہ دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ لڑکے کی آمدنی معقول ہے (عام اس سے کہ حلال ہے یا حرام) تو بات آگے بڑھنے لگتی ہے، جہیز اور بری کی باتیں طے ہونے لگتی ہیں۔ طرفین اپنی اپنی شرائط میں مہر، سامان اور نقد کی شکل میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں لین دین پر بحثیں ہوتی ہیں اور اس طرح ایک مقدس فریضہ اور زندگی کا ایک اہم مرحلہ تجارت کی نذر ہوجاتا ہے، منڈی بنا دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا لڑکی تمام زندگی ایک دوسرے کو خریدی اور بیچی ہوئی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح ازدواجی زندگی کے تمام مسائل [illegible] والا اس مرض میں مبتلا نظر آتا ہے کہ لڑکا امیر ہو اور اس پر طرہ یہ کہ لڑکیوں کے کنوارے بیٹھے رہنے کے شکوے بھی کیے جاتے ہیں۔ کیا شادی بیاہ کے مقدس فریضہ کے سلسلہ میں سوچنے کا اسلامی طریقہ یہی ہے؟ اگر نہیں تو پھر بیجا رسومات یہ شادی کو تجارت بنادینا، یہ امیر سے امیر تلاش کیوں ہے۔

اسلام شادی بیاہ کے موقع پر کس قدر حقیقت پسندانہ رویہ اور سادہ و آسان طریقہ پسند کرتا ہے۔ اس کا اندازہ مشہور موقر تابعی حضرت سعید بن مسیب رحؒ کے رویہ سے لگائیے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کی ایک نہایت حسین و جمیل صاحبزادی تھیں، جنھیں خالق کائنات نے بڑی فراخدلی کے ساتھ حسن سیرت و حسن صورت سے بہرہ ور فرمایا تھا، وہ قرآن کریم کی حافظ، سنت رسول اللہ کی پابند اور شوہر کے حقوق سے مکمل طور پر آگاہ تھیں۔

خلیفہ عبدالملک نے ان کے صوری و معنوی کمالات سن کر انھیں حاصل کرنا چاہا اور آپ کے پاس اپنے بیٹے ولید کے لئے رشتہ بھیجا۔ یقیناً ایک طالب دنیا کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ بادشاہ [illegible] سے قرابت پیدا کرنے کا خواہش مند ہو

آپ بھی اگر چاہتے تو بادشاہ کی درخواست قبول فرما کر
اپنے دنیاوی عز وجاہ میں اضافہ کر سکتے تھے مگر جتنی خلیفہ
کو اس سلسلہ میں رغبت تھی اتنی ہی کمال بے اعتنائی
سے آپ نے اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور اپنی صاحبزادی
کا نکاح ایک غریب طالب علم سے اس سادہ اور بے تکلف
طریقہ سے کیا کہ جو مثالی تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات
خود داماد کی زبانی سنئے:

کثیر ابن وداعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت سعید
بن مسیبؓ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا مگر بیوی
کی وفات کی وجہ سے چند دن غیر حاضر رہا پھر جب کچھ دن
بعد حاضر ہوا تو پوچھنے لگے کہ اتنے روز کہاں رہے؟ میں
نے عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے
مجبوراً اتنے عرصہ ناغہ کرنا پڑا۔ فرمانے لگے اگر ہمیں اطلاع
ہوتی تو ہم بھی اس کے جنازہ میں شریک ہوتے، پھر
جب میں جانے لگا تو پوچھا کہ دوسری شادی کا بندوبست
ہوا کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ اب میرے جیسے قلاش
اور مفلس کو کون رشتہ دے گا۔ فرمانے لگے اگر میں رشتہ
دے دوں تو تمہیں پسند ہے؟ میں نے کہا اس سے
بڑھ کر میری خوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے
اسی مجلس میں میرا خطبہ مسنونہ پڑھا اور دو درہم (آٹھ آنہ)
مہر کے عوض اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیا۔
جب میں فارغ ہو کر باہر نکلا تو میری خوشی کی کوئی انتہا
نہ تھی۔ میں سوچتا تھا کہ ازدواجی مصارف کے لئے
کس سے قرض لوں؟ اسی اُدھیڑ بن میں دن بیت گیا
اور میرا روزہ تھا۔ مغرب کے بعد کھانا کھانے بیٹھا ہی
تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے کہا
کون صاحب ہیں؟ جواب ملا سعید۔ میں حضرت
سعید بن مسیبؓ کے علاوہ ہر اس شخص کے متعلق سوچنے
لگا کہ جس کا نام سعید ہو۔ یہ کون سعید ہے؟ حضرت
کی جانب میرا خیال اس لئے نہیں گیا کہ چالیس سال
سے انھیں کسی نے گھر اور مسجد کے سوا کہیں جاتے نہیں
دیکھا تھا۔ میں باہر نکلا دیکھا تو حضرت کھڑے ہیں۔
میں نے عرض کیا کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ مجھے
پیغام بھیج دیا ہوتا میں حاضر خدمت ہو جاتا۔ فرمانے
لگے نہیں یہ میرا ہی حق تھا۔ میں نے سوچا کہ تم نے
شادی کی ہے۔ تمہارا رات میں اکیلا رہنا صحیح نہیں
ہے۔ اس لئے تمہاری اہلیہ کو تمہارے پاس چھوڑنے
آیا ہوں۔ وہ آپ کے پیچھے کھڑی تھیں انھیں دروازہ
میں چھوڑ کر آپ واپس تشریف لے گئے۔ میں نے قریب
کے سب لوگوں کو جمع کیا، اور انھیں اس واقعہ سے

طلع کیا۔ سب پڑوسیوں نے فرمن کی اس خاموش اور سادہ طور پر ادائیگی پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ شادی کے بعد ایک ماہ تک نہ وہ میرے گھر تشریف لائے اور نہ میں جا سکا۔ ایک ماہ بعد حاضر خدمت ہوا تو درس دے رہے تھے، درس ختم ہوا تو مجھے قریب بلایا اور دریافت فرمانے لگے کہ اس شخص کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا کہ سب ٹھیک ہے۔ دوستوں کے لئے خوشی اور دشمنوں کے لئے باعث حسد ہے۔ فرمانے لگے کہ اگر کج روی دیکھو تو ڈنڈے سے خبر لینا۔

رشتہ ازدواج کے سلسلے میں اسلامی طریقہ کی سادگی اور حقیقت پسندی کا یہ صرف ایک واقعہ ہے جو مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس واقعہ کے بیان کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ دولت مندوں میں شادی نہ کی جائے۔ دولت مند ہونا کوئی جرم نہیں۔ بشرطیکہ یہ حلال طریقہ سے ہو، لیکن صرف امارت و دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لینا یقیناً جرم ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقتصادیات ایک بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اس کا حل ظاہر ہے کہ دولت مندوں سے شادی کرنا نہیں ہے۔ رشتوں کے سلسلہ میں سب کچھ دولت کو سمجھ لینا کسی طور پر بھی درست نہیں کہا جا سکتا۔ خوب سے خوب تر کی تلاش اس معنی میں تحسن ہے کہ جستجو کا طریقہ اسلامی ہو، سوچ کا انداز مشرقی ہو لیکن جستجو اور سوچ کا طریقہ یہ ہو کہ صرف مادی مفادات کو مدِنظر رکھا جائے یہ کسی طور پر بھی اسلامی طریقہ نہیں ہے۔

پھر بھی ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد خوشگوار اور بہتر سے بہتر زندگی گذارے۔ لیکن تلاش صرف دولتمندوں کی کیوں؟ کیا امارت کی زندگی کی تمام خوبیوں اور خوبصورتیوں کی ضامن ہے؟ کیا دولت ہی سب کچھ ہے؟ کیا خوشگوار زندگی بغیر زر کثیر کے گذاری ہی نہیں جا سکتی؟ ظاہر ہے کہ نہیں، تو پھر مسلمان کو اپنے اعمال کی جانب توجہ کرنی چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ جب مقصود بالذات خوبصورت ازدواجی زندگی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے تو پھر دین کے طریق مستقیم کو ترک کر کے دنیاوی انداز پر جستجو کیوں؟ اور ایک مقدس فریضہ کو زندگی کے ایک اہم مرحلہ کو تجارت کی نذر کر دینا کیا معنی؟ . . . . . .

---

بہترین شادی وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو۔ (حدیث)

# کیا عورت واقعی مظلوم ہے؟

تحریر:- ناہیدہ غفار

وہ کہ جس کے وجود سے تصویر کائنات میں رنگ ہے۔ جس کے بغیر زندگی بے رونق ہے۔ جسے دنیا نے عورت کا نام دیا۔ شاعر نے غزل تصور کیا اور قدرت نے تخلیق انسانی کی بنیاد بنایا۔ نیز وال نے اسے اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازتے ہوئے اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ مگر وہ خود اپنے وجود کی اہمیت اس کے مسائل اور حل سے ناآشنا ہے۔ عورت جہالت کی تاریکیوں سے تو نکل آئی لیکن ذہن کی تاریکیوں میں گم ہوگئی۔ وہ احساسِ مظلومیت محرومی سے نجات حاصل نہ کر سکی۔

عورت کی عمر مرد سے زیادہ ہے۔ یہ مزاح نہیں ہے بلکہ مائیکل ریس ہاسپٹل میڈیکل ریسرچ سٹی ٹیوٹ نے سائنسی تحقیق کے بعد انکشاف کیا ہے کہ عورت کی اوسط عمر مرد سے زیادہ ہے ں سے ظاہر ہوا کہ مرد کا ذہن انتشار اور اُلجھنوں کا زیادہ شکار ہے۔ جب کہ عورت کا ذہن پرسکون متوازن ہے۔ عورت ذہانت میں مرد سے کم نہیں، جن شعبوں میں اسے موقع ملا ہے ں نے اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے بلاشبہ عورت مرد سے زیادہ جذباتی اور بسا اوقات، وہ جذبات سے مرعوب ہو کر اپنی قوت ارادی اور ذہانت دونوں سے بے نیاز ہو جاتی ہے جب کہ مرد اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

عورت بے شمار خصوصیات کی حامل ہوتی ہے بشرطیکہ وہ انھیں پہچانتے ہوئے بہتر طور پر بروئے کار لائے۔ عورت انفرادیت پسند ہے، ہر فیصلے سے پہلے سوچتی ہے اس کا میری ذات پر کیا اثر پڑے گا اسے خود غرضی نہیں کہیں گے کیونکہ اس کے برعکس وہ جذبۂ ایثار و قربانی سے سرشار ہوتی ہے۔ عورت ستائش چاہتی ہے اور اس معاملہ میں وہ اپنی ہم جنس کی رقیب ہوتی ہے۔ عورت تصرف پسند ہوتی ہے۔ وہ محبت کی مستحق ہوتی ہے اور اگر اسے محبت نہ ملے تو پانی نہ ملنے والے پودے کی طرح مرجھا جاتی ہے۔ عورت کو معاشی تحفظ کی ضرورت ہے۔ عورت سماجی قبولیت کی آرزومند ہوتی ہے اس میں خود کو حالات اور ماحول کے مطابق ڈھال لینے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے

وہی تو ہے کہ بچپن سے جوانی تک ماں باپ کے گھر رہتی ہے اور وہاں کے ماحول میں زندگی کو ڈھال لیتی ہے۔

شادی کے بعد نہ صرف گھر اور ماحول بدل جاتا ہے بلکہ اس کی شخصیت تک بدل جاتی ہے لیکن وہ بڑی ہمت سے خود کو نئے ماحول اور حالات کے سپرد کر دیتی ہے یہ عورت کا ہی کارنامہ ہے۔

یہی بات مردوں کے حقوق و فرائض کی تو وہ اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کر دیے ہیں اگر عورت ان فرائض کے درمیان فرق کو اپنی مظلومیت سمجھتی ہے تو سراسر غلطی پر ہے کیوں کہ واضح اسلامی احکامات کی موجودگی میں

**عورت کا احساسِ محرومی، مظلومی محض اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔**

کسی بھی مومن عورت کے لئے روا نہیں کہ وہ دین کے مقرر کردہ احکامات سے فرار

حاصل کرے۔ دین اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس سے گریز فطرت گریز ہے اور آج کی عورت ایسی بیماری کا شکار ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آ کہ اس کے دکھوں کا مداوا تہذیب و تمدن، معاشرے یا مرد کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اسلا کے لافانی نظام میں ہے۔ درحقیقت عورت نے چار دیواری سے نکل کر صنعتی دور میں قدم رکھ تو لیا لیکن اپنے ا ل اوصاف، عفت عصمت، اخلاق، خدا ترسی، نیکی و تقویٰ، شرم و حیا اور حقوق و فرائض سے محروم ہو گئی۔ اس کی گھریلو دلچسپیاں خاک میں مل گئیں اور وہ سکون و اطمینان کو ترستی رہ گئی اور پھر مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر مظلوم ہونے کا واویلا کر رہی اور الزام مرد و معاشرے کو دے رہی ہے جب کہ اس کی ذمہ دار خود عورت ہے۔

آج کے اس مہنگے اور مشینی دور میں زندگی گذارنے کے لئے مرد جس طرح حالات کی چکی میں پس رہا ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ مظلوم ہونے کا واویلا نہیں کرتا کیونکہ عدل و انصاف کے فطری تقاضوں کے مطابق کیا جواز ہے، اگر مرد ہرجائی ہے تو کیا عورت بے وفائی نہیں کرتی ہے اگر وہ دوسری شادی کرتا ہے تو کیا اس میں عورت کی بربادی کی ذمہ دار اس کی ہم جنس نہیں ہوتی اگر مرد قاتل ہے تو کیا جذبہ نفرت وانتقام سے سرشار عورت کیا کچھ نہیں کر گذرتی اگر اس کا تقدس پامال ہوا ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے اس نے خود کو معاشرتی تحفّظ سے محروم کیوں کیا۔ اگر عورت خود کو صرف اس لئے مظلوم کہتی ہے کہ مرد اس کی برتر صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کرتا ہے تو کیا اس معاملہ میں وہ اپنی جیسی عورت کی رقیب نہیں۔

کیا عورت نے مرد کے برابر چلنے کی خاطر چار دیواری سے فرار اختیار کر کے مشرقی تہذیب و تمدن بلکہ دین حق کے اصولوں اور احکامات حق کی نافرمانی نہیں کی ہے۔ کچھ معاملات میں نبت حوّا نے مرد ـــ گے سر تسلیم خم کیا ہے تو بہت سے معاملات میں

سے نے مرد کا سر جھکا دیا ہے اور وہ بات منوالی ہے جس میں اس کی اپنی منشا اور خوشی ساسے ہے۔

میرے نزدیک مرد و زن دونوں نے احکام الٰہی سے روگردانی کی ہے مگر اس ازیادہ خطاکار عورت ہی ہے مگر پھر بھی وہ خود کو مظلوم کہتی ہے تو اپنے دعوے اسچی نہیں۔

# بھولی بھالی باتیں

①

میری بھتیجی حمیرہ کی عمر چار سال ہے۔ ایک دن وہ بھائی جان کے ساتھ بازار جانے اضد کرنے لگی۔ بھائی جان نے کہا۔ "اگر تم نے مجھے کہا کہ میں تھک گئی ہوں تو میں ھیں بالکل نہیں اٹھاؤں گا۔"

وہ مان گئی۔ راستے میں جب وہ تھک گئی تو بولی۔ "ابو میں تو نہیں تھکی اگر آپ تھک جائیں تو مجھے بتائیے گا۔ میں آپ کو اٹھالوں گی۔"

حمیرہ کی یہ بات سن کر بھائی جان ہنسے اور اس کو گود میں اٹھا لیا۔

②

میرا خالہ زاد بھائی جہاں زیب بہت شریر اور حاضر جواب ہے۔ اس کی عمر تقریباً چھ سال ہے۔ اسے چھوہارے بہت پسند ہیں۔ ایک دن اپنے ابو سے کہنے لگا۔ "ابو مجھے چھوہارے لاکر دیں۔" اس کے ابو نے کہا۔ "بیٹے چھوہارے گرم ہوتے ہیں اور اگر گرمیوں میں کھائیں تو نقصان ہوتا ہے۔"

جہاں زیب معصومیت سے کہنے لگا۔ "لیکن ابو میں فریج میں ٹھنڈا کر کے کھالوں گا۔" (سعیدہ مشتاق)

حاصل کرے۔ دین اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس سے گریز فطرت سے گریز ہے اور آج کی عورت ایسی بیماری کا شکار ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ اس کے دکھوں کا مداوا تہذیب و تمدن، معاشرے یا مرد کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اسلام کے لافانی نظام میں ہے۔ درحقیقت عورت نے چار دیواری سے نکل کر صنعتی دور میں قدم رکھ تو لیا لیکن اپنے ا ل اوصاف، عفت عصمت، اخلاق، خدا ترسی، نیکی و تقویٰ، شرم و حیا اور حقوق و فرائض سے محروم ہو گئی۔ اس کی گھریلو دلچسپیاں خاک میں مل گئیں اور وہ سکون و اطمینان کو ترستی رہ گئی اور پھر مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر مظلوم ہونے کا واویلا کر کے مرد و معاشرے کو دے رہی ہے جب کہ اس کی ذمہ دار خود عورت ہے۔

آج کے اس مہنگے اور مشینی دور میں زندگی گذارنے۔

کی چکی میں پس رہا ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ لیکن پھر نہیں کرتا کیونکہ عدل و انصاف کے فطری تقاضوں کے مطابق کیا ہے تو کیا عورت بے وفائی نہیں کرتی ہے اگر وہ دوسری شادی کر، عورت کی بربادی کی ذمہ دار اس کی ہم جنس نہیں ہوتی اگر مرد قاتل ہے تو کیا جذبے سے سرشار عورت کیا کچھ نہیں کر گذرتی اگر اس کا تقدس پامال ہوا ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے اس نے خود کو معاشرتی تحفظ سے محروم کیوں کیا۔ اگر عورت خود کو صرف مظلوم کہتی ہے کہ مرد اس کی برتر صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کرتا ہے تو کیا اس معاملہ میں وہ اپنی جیسی عورت کی رقیب نہیں۔

کیا عورت نے مرد کے برابر چلنے کی خاطر چار دیواری سے فرار اختیار کر کے مشرقی تہذیب و تمدن بلکہ دین حق کے اصولوں اور احکامات حق کی نافرمانی نہیں کی ہے۔ کچھ معاملات میں نبت حوا نے مرد کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے تو بہت سے معاملات میں

سطوت ریحانہ جامعۃ الصالحات، رامپور

# سچّائی کی اہمیت

اسلامی تعلیم اور اسلامی شریعت میں سچائی کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔ انکی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے۔ کہ وہ لوگ سچ بولتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے ہمارے سامنے جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ سچائی کی اہمیت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ سچائی اور راستی موجب اطمینان ہوتی ہے۔ اور جھوٹ اور غلط بیانی دل میں تردد پیدا کرتی ہے۔ قول ماثور ہے۔ الصدق ینجی والکذب یھلک۔

یعنی سچائی اور راست بازی انسان کو نجات دلاتی ہے۔ اور جھوٹ انسان کو ہلاک کرتا ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی راست بازی اور صداقت کا یہ حال تھا۔ کہ لوگ آپ کو نبوّت سے پہلے الصادق الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ہمارے سامنے بزرگوں کے بہت سے واقعات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ سچائی اختیار کرنا ایک طرف اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے تو دوسری طرف وہ دنیا میں بھی عزت اور نجات کا باعث ہے مثال کے طور پر یہاں صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اس شوق و جذبے کے تحت انھوں نے اپنی ماں سے سفر کرنے کی اجازت مانگی

ں نے خوشی خوشی اجازت دے دی اور وقت ضرورت کیلئے ان کی آستین میں
ں دینار سل دیئے چلتے وقت ان کو تاکید کی کہ دیکھو ہمیشہ سچ بولنا جھوٹ کبھی نہ بولنا
رت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ قافلے کے ساتھ جا رہے تھے کہ [illegible] میں ڈاکوؤں
نے گھیر لیا اور قافلے کا تمام ساز و سامان لوٹ لیا ان میں سے ایک نے ان سے پوچھا
اے لڑکے تمہارے پاس کیا ہے تو انھوں نے سچ سچ بتلا دیا کہ میری ماں نے میری
آستین میں دینار سل دیئے ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار کو ان کی اس راست بازی پر
بہت تعجب ہوا اس نے کہا اے لڑکے تم جھوٹ بھی بول سکتے تھے۔ لیکن تم نے سچ سچ
کیوں بتلا دیا انھوں نے فرمایا کہ میری ماں نے سچ بولنے کی تاکید کی تھی۔ اور جھوٹ بولنے
سے منع کیا تھا۔ ڈاکو بہت متاثر ہوئے اور پورے قافلے کا ساز و سامان لوٹا دیا۔
کہتے ہیں کہ تمام ڈاکو قافلے کے ساتھ ہو لیئے اور انھوں نے بھی علم حاصل کیا۔

---

سطوت ریحانہ جامعۃ الصالحات۔ رامپور

# سچائی کی اہمیت

اسلامی تعلیم اور اسلامی شریعت میں سچائی کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔ انکی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے۔ کہ وہ لوگ سچ بولتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے ہمارے سامنے جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ سچائی کی اہمیت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ سچائی اور راستی موجب اطمینان ہوتی ہے۔ اور جھوٹ اور غلط بیانی دل میں تردد پیدا کرتی ہے۔ قول ماثور ہے۔ الصدق ینجی والکذب یهلك۔ یعنی سچائی اور راست بازی انسان کو نجات دلاتی ہے۔ اور جھوٹ انسان کو ہلاک کرتا ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی راست بازی اور صداقت کا یہ حال تھا۔ کہ لوگ آپ کو نبوت سے پہلے الصادق الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ہمارے سامنے بزرگوں کے بہت سے واقعات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ سچائی اختیار کرنا ایک طرف اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے تو دوسری طرف وہ دنیا میں بھی عزت اور نجات کا باعث ہے مثال کے طور پر یہاں صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اس شوق و جذبے کے تحت انھوں نے اپنی ماں سے سفر کرنے کی اجازت مانگی

ں نے خوشی خوشی اجازت دے دی اور وقت ضرورت کیلئے ان کی آستین میں
ند دینار سِل دیئے چلتے وقت ان کو تاکید کی کہ دیکھو ہمیشہ سچ بولنا جھوٹ کبھی نہ بولنا
حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ کہ راستے میں ڈاکوؤں
نے گھیر لیا اور قافلے کا تمام ساز و سامان لوٹ لیا اُن میں سے ایک نے ان سے پوچھا
کہ اے لڑکے تمہارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے سچ سچ بتلا دیا کہ میری ماں نے میری
آستین میں دینار سِل دیئے ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار کو ان کی اس راست بازی پر
بہت تعجب ہوا اس نے کہا اے لڑکے تم جھوٹ بھی بول سکتے تھے۔ لیکن تم نے سچ سچ
کیوں بتلا دیا انھوں نے فرمایا کہ میری ماں نے سچ بولنے کی تاکید کی تھی۔ اور جھوٹ بولنے
سے منع کیا تھا۔ ڈاکو بہت متاثر ہوئے اور پورے قافلے کا ساز و سامان لوٹا دیا۔
کہتے ہیں کہ تمام ڈاکو قافلے کے ساتھ ہو لئے اور انھوں نے بھی علم حاصل کیا۔

---

جہاں آرا بیگم. خضر ٹولہ. رانچی۔

# پُراَسرار فقیر

۱

عید کا دن ہے نعیم اور اس کی بیوی حسینہ قیمتی لباس پہنے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں ملازم شکور کمرے میں آتا ہے اور کہتا ہے۔

شکور :۔ " حضور کھانا تیار ہے تشریف لے چلیئے "

نعیم :۔ " چلو بیگم کھانے سے فارغ ہو لیں "

حسینہ :۔ " چلیئے۔ نعیم معہ حسینہ کے کھانے پر بیٹھے ہی تھے کہ باہر کے دروازے سے آواز آئی۔ بابا کئی دن سے بھوکا ہوں عید کا دن ہے۔ خدارا کچھ کھانے کو دو۔ خدا بھلا کرے گا۔ فقیر کی یہ صدا سن کر سیٹھ نعیم جو دولت کے نشہ میں چور اور بڑا مغرور تھا۔ بولا بھگا دو فقیر کو دھکے دیکر باہر نکال دیا گیا۔

۲

نعیم پریشان گھر میں داخل ہوا حسینہ نے پوچھا۔

حسینہ :۔ " حالات کچھ سدھرے یا نہیں "

نعیم :۔ " حسینہ ! کیا بتاؤں معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں تدبیر کرتا ہوں لیکن نقصان پر نقصان ہو رہا ہے میری ہر چیز میرے قبضہ سے نکل چکی ہے۔ جو کچھ رہ گیا ہے۔ وہ بھی جا رہا ہے۔ اگر حالات کا یہی رنگ ڈھنگ رہا ہے تو حسینہ مستقبل بڑا تاریک نظر آ رہا ہے قرض خواں ہر وقت تنگ کرنے لگے ہیں حتیٰ کے باہر نکلنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔

۳

عید کے دن سے چھ ماہ بعد وہی نعیم جو سیٹھ کہلاتا تھا۔ انقلاب زمانہ کا شکار ہو گیا۔

اور اُس کا گھر رہن ہو گیا۔ پھر نعیم کے عروج و اقبال کا سورج دیوالیہ پن کے سیہ دلوں میں چھپ کر رہ گیا۔ اور نعیم پیسہ پیسہ کا محتاج ہو گیا فاقہ کشی تک کی نوبت آ گئی۔
رزتی ہوئی آواز سے نعیم نے حسینہ کو مخاطب کیا
نعیم :۔ "میری آخری بات سن لو۔ میں جانتا ہوں کہ تم کو بے حد رنج پہنچے گا۔ اور عمر بھر کے رشتہ کو یوں آناً فاناً ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر تمہارا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔ مگر حسینہ (روتے ہوئے) کیا کروں تمہارا نعیم مفلس و محتاج ہو گیا صرف اس خیال سے کہ تم اپنا مستقبل بہتر بنا سکو، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں (دونوں رو پڑے)

۴

پورا سال گذر گیا۔ اور پھر عید کا دن آ گیا حسینہ اپنے دوسرے خاوند سیٹھ شاکر کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی ہی تھی کہ باہر کے دروازہ سے ایک فقیر کی آواز آئی۔
"بابا کئی دن سے بھوکا ہوں۔ عید کا دن ہے کچھ کھانے کو دو خدا بھلا کریگا۔
سیٹھ شاکر (جو بڑا نیک دل اور فیاض تھا) حسینہ سے کہا پہلے اس فقیر کو کھانا بھجواؤ پھر ہم کھائینگے۔ حسینہ فقیر کو کھانا بھجوانے اٹھی کمرہ سے نکلی تو اچانک باہر کے دروازے پر کھڑے ہوئے فقیر پر نظر پڑ گئی۔ فقیر کو دیکھا تو ایک دم چیخ مار کر دھڑام سے گر پڑی۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ شاکر دوڑا۔ اور اسے ہوش میں لانے کا جتن کرنے لگا۔ ہوش جو آیا تو شاکر نے پوچھا۔
شاکر :۔ "کیا بات ہے۔ یہ کیا ہوا تمہیں ؟"
حسینہ (روتے ہوئے) معاف کرنا یہ دل قابو میں نہ رہا۔ بڑا ہی عبرت ناک اور درد انگیز نظارہ ہے۔
شاکر :۔ "ہاں تو بتاؤ وہ کیا ہے۔

حسینہ :۔ ”یہ جو فقیر باہر دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا یہ سیٹھ نعیم ہے“
شاکر :۔ ”سیٹھ نعیم! اور تم اُسے جانتی ہو اور پھر اب اس حال میں!“
حسینہ :۔ ”ہاں ہاں! میں اسے جانتی ہوں گزشتہ سال یہ میرا خاوند تھا۔ آج سے پورا ایک سال پہلے اسی عید کے دن ہم کھانا کھانے بیٹھے تو اسی طرح اس روز بھی ایک فقیر نے ہمارے دروازے پر آکر بھیک مانگی تھی مگر آہ! نعیم نے اسے دھکے دیکر نکلوا دیا۔ اور آج اس کی سزا میں خود بھیک مانگتا نظر آرہا ہے۔
شاکر :۔ ”لو اب اس سے بھی زیادہ عبرتناک حقیقت سنو۔ تم نے نعیم کو تو پہچان لیا مگر اب مجھے بھی پہچان لو۔
حسینہ :۔ ”آپ کو بھی پہچان لوں۔ کیا مطلب؟
شاکر :۔ ”مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارا خاوند سیٹھ شاکر وہی پچھلے سال والا فقیر ہے۔ جو سیٹھ نعیم کے دروازہ سے دھکے دے کر نکلوایا گیا تھا“۔
حسینہ یہ سنکر پھر بے ہوش ہو گئی۔

---

# اچھی باتیں

(۱) اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکانا (۲) ماں باپ اور اُستاد ہمارے بہتر رہنما ہیں (۳) اللہ پر بھروسہ اور یقین رکھو۔ (۴) مجبوروں اور بے کسوں کی امداد کرنا انسانی فریضہ ہے (۵) جہالت آدمی کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ (۶) وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ (۷) اپنے دماغ میں ہمیشہ نیک خیالات رکھئے۔

---

جاوید اقبال ندیم

# ناخلف

● انتظار کے بعد ایک بس آئی جس کے دروازوں اور کھڑکیوں سے نوجوان یوں لٹکے ہوئے تھے جیسے صحت مند درخت کی شاخوں پر آم ظاہر ہے اس بس پر تو میں سوار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ لوگ ابھی اُتر ہی رہے تھے کہ بس چل دی۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کار میرے قریب آکر رکی۔ میرے ایک کالج فیلو فقیر ممتاز نے آواز دیکر بلایا۔ میں آگے بڑھا، انھوں "ہا چلئے ہم آپ کو چھوڑ آتے ہیں۔"

دروازہ کھلا اور میں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یہاں پہلے ہی میرے کالج فیلو کے علاوہ ایک صاحب براجمان تھے۔ فقیر ممتاز نے ان سے تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ ہماری طرح قیوم اے۔ بی زبھی ڈگری کا والا میں پڑھتے رہے ہیں۔" میں نے پوچھا "آج کل کیا کر رہے ہیں؟" "متحان دے کر اب مجسٹریٹ بن گیا ہوں۔ آپ کیا کرتے ہیں؟"

گورنمنٹ کالج میں ۔ ۔ ۔ ے فلسفہ کر رہا ہوں۔" رہتے کہاں ہیں؟" "نیو ہوسٹل کمرہ نمبر ۱۵۵ میں۔ آپ کبھی تشریف لائیں۔"

"بورے والا میں آپ کس کلاس ۔ ۔ ۔ ھتے تھے؟"

"وہاں میں صرف ایف۔ اے میں پڑھتا ہوں۔"

وہ مجھے انارکلی کے قریب اُتار گئے اور میں وہاں سے نیو ہوسٹل چلا آیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے خاصا وقت ریڈنگ روم میں رسائل و اخبارات پڑھنے میں گزار دیا۔ واپس اپنے کمرے میں آیا تو برابر والے کمرے سے معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔ وہاں گیا تو وہی مجسٹریٹ قیوم اعجاز تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے "میری گاڑی خراب ہو گئی تھی جسے راوی روڈ پر ایک مکینک کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ سوچا چلو آپ ہی سے مل لیا جائے۔" "ضرور، ضرور، یہ تو اچھا ہوا آپ ادھر ہی چلے آئے۔" یہ کہہ کر میں انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔ میں نے کہا۔ "آپ نے کھانا بھی کھایا یا نہیں؟" وہ خاموش رہے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ انہیں بھوک لگی ہے۔ میں انہیں انارکلی ہوٹل میں لے گیا۔

ہوٹل سے کھانا کھانے کے بعد کمرے میں پہنچے تو رات کے گیارہ بجنے کو تھے، لیکن قیوم اعجاز کالج اور اس کے بعد کے کئی ایک واقعات سناتے رہے۔ بازار سے شاپنگ کرنے کی بات چل نکلی تو میں نے انہیں اپنے نئے سوٹ اور دیگر کپڑے دکھائے جو چند روز قبل ہی درزی سے حاصل کیے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے ان سے کہا:

"آپ لاہور آئے ہوئے ہیں کیا اسلامیہ گرلز کالج میں کوئی واقفیت نہیں ہے؟"

"کام کس نوعیت کا ہے؟"

"میری ایک کلاس فیلو کو رہائش کی مشکل آن پڑی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ گورنمنٹ کالج کا اپنا کوئی ہوسٹل نہیں، اس لیے اُسے اسلامیہ گرلز کالج کے ہوسٹل میں داخلہ دلوانا ہے۔ صدر شعبہ نے یہ کام میرے ذمہ لگا رکھا ہے۔ خاصی محنتی طالبہ ہے۔ اس کا تعلق سیالکوٹ سے ہے۔ میں نے داخلہ دلوانے کی حامی بھر دی، لیکن بہت کوشش کے باوجود کسی ہوسٹل میں داخلہ نہیں مل رہا، بے چاری بڑی پریشان ہے۔ اُس کی اگر مدد کر دی جائے تو سکون سے پڑھ سکے گی اور اس طرح تعلیم کا ہرج نہ ہوگا۔"

"آپ اسلامیہ گرلز کالج کوپر روڈ کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں"
"اس کی پرنسپل تو میری واقف ہے۔ صبح ہو لینے دیں ہوسٹل میں داخلہ ضرور مل جائے گا۔"

اگلے روز تیار ہو کر ہم دونوں نے میس میں ناشتہ کیا۔ اس کے بعد اپنے کالج چلے گئے۔ مجھے بریٹ فلو سوفیکل سوسائٹی کا صدر ہونے کے ناطے ایک مذاکرے کا اہتمام کرنا تھا اس لئے جلدی میں تھا۔ میں نے اپنے مہمان سے کہا۔ "آپ ہی پرنسپل سے ملیں کیونکہ مجھے تو وہ دو دفعہ "نہ" کہہ چکی ہے، اس لیے میرا اُس سے ملنا مناسب نہیں۔"

قیوم اعجاز نے چپڑاسی سے کاغذ لے کر اپنے نام کیساتھ مجسٹریٹ وہاڑی لکھا اور جٹ پرنسپل کو دینے کے لیے چپڑاسی کو تھما دی۔

چند لمحوں کے بعد چپڑاسی نے آکر خبر دی کہ پرنسپل صاحبہ مجسٹریٹ صاحب کو بلا رہی ہیں ـــــ میں باہر انتظار کرنے لگا۔

پانچ دس منٹ بعد وہ باہر آئے اور بڑی اعتماد سے بولے بس کام ہو گیا پرنسپل نے کہا ہے "کل گیارہ بارہ بجے فارم جمع کرا دیں، کمرہ مل جائے گا۔"

تیز تیز قدم اٹھاتے ہم واپس کالج آئے۔ شعبے میں میرا شدت سے انتظار ہو رہا تھا میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے طلبہ سے مہمان کا تعارف کرایا۔ "یہ مسٹر قیوم اعجاز ہیں میرے پرانے کالج فیلو۔ آج کل مجسٹریٹ ہیں۔" طلبہ اور اساتذہ نے خوش دلی سے اُن کا خیر مقدم کیا۔

قیوم اعجاز چائے سے فارغ ہو کر میرے پاس آئے اور آہستگی سے بولے کہ آج صبح جلدی میں شیو نہ بنا سکا۔ سوچتا ہوں جانے سے پہلے حجامت بنا لوں۔ ذرا کمرے کی چابی عطا کر دیجئے۔ تامل کیے بغیر چابی اُن کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ چابی لے کر ہوسٹل کی طرف چل دیئے

ابھی اجلاس شروع ہونے میں تقریباً پون گھنٹہ باقی تھا۔ شیو بنا کر قیوم اعجاز واپس آئے اور چابی مجھے دیتے ہوئے کہنے لگے آپ فارغ ہو لیں۔ میں بھی اِدھر اُدھر سے گھوم آتا ہوں پھر ملاقات ہو گی۔ اجلاس تو ڈیڑھ گھنٹے تک ہوتا رہا میں اکیلا اپنے ہوسٹل کی طرف چل دیا کمرے میں داخل ہوا تو دن کے اُجالے میں بھی مجھے اپنا نیا بیگ اور بعض اشیاء نظر نہ آئیں۔

میں نے اپنی الماری کا جائزہ لیا، تو تمام کپڑے غائب تھے۔ مہمان جو رحمت ہوتا ہے زحمت بن کر نازل ہوا تھا۔ سوٹ جو میں نے رات اُسے دکھائے تھے، ہوائی چپل، ٹوتھ پیسٹ شیونگ کا سامان، اٹیچی کیس میں پڑی ہوئی چار پانچ سو روپے کی نقدی اور اَن دُھلی شلواریں میرے ہی بیگ میں ڈال کر لے گیا۔

میں غصے اور نفرت کے ملے جُلے جذبات میں ڈوبا تھکے ماندے مزدور کی طرح چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ ذہن کی دنیا میں تمام دوست اور واقف کار دشمن، ڈاکو اور چور بن گئے۔ سوچنے لگا کس پر اعتماد کیا جائے اور کس پر نہ کیا جائے۔ میں نے جسے اپنا ساتھی ہمدرد اور دوست سمجھا تھا وہ ہزاروں روپے کی اشیاء سے محروم کر گیا۔

چند روز بعد ڈگری کالج بورے والا پہنچا۔ پرنسپل کو سارا قصہ تفصیل سے بتایا تو وہ قیوم اعجاز کا نام سنتے ہی بولے، "آپ کس کے چکر میں آ گئے وہ تو ہمارے ایک پروفیسر کو بھی لُوٹ کر لے گیا تھا۔ اس نے باقاعدہ یہ کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ مجسٹریٹ ہونا تو درکنار وہ تو ایف اے بھی پاس نہ کر سکا۔ پروفیسر موصوف حافظ آباد میں پرنسپل ہیں۔ اُن سے قیوم اعجاز ملا اور کہنے لگا کہ میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر ہوں۔ کوئی کام ہو تو تشریف لائیں۔ انہوں نے چائے وغیرہ سے نوازا۔ باتوں ہی باتوں میں پوچھا، "کوئی سُنار واقف ہے آپ کا؟ ـــــ میں زیورات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں پرنسپل صاحب نے اپنا چپڑاسی اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ سُنار نے چپڑاسی کے ہوتے ہوئے سمجھا پرنسپل کے

مہمان ہیں اور اسی تاثر کے تحت اس نے اجنبی کی خواہش کے مطابق دو انگوٹھیاں اس کے حوالے کر دیں۔ بل پرنسپل کے کھاتے میں ڈال دیا۔"

میں نے کالج سے قیوم کے والد کا پتہ لیا۔ وہ بہاولپور سے آگے ایک چھوٹے اسٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر متعین تھے۔ اُن سے ملنے گیا اور ساری بپتا سنائی۔ رنجیدہ باپ نے پُرانے اخبار کا ایک ورق میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"میں نے اُسے عاق کر دیا ہے۔ چوری اُس کا معمول بن چکا ہے۔ میرے پاس متعدد لوگ شکایات لے کر آتے ہیں، لیکن میں بے بس ہوں، سر ندامت سے جُھک جاتا ہے، اپنے آپ کو کہاں لے جائیں؟ یہاں ایک غیر معروف چھوٹے اسٹیشن پر تبدیل ہو کر اس لیے آیا تھا کہ کوئی واقف اب طعنہ دینے یہاں نہ آسکے گا لیکن میری بدقسمتی کہ بدکردار بیٹے کی شکائتیں یہاں بھی پیچھا کراتی ہیں۔" ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس کی والدہ بھی آگئی۔ وہ اپنے بیٹے کی دُوری کی وجہ سے نڈھال تھی۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو نکل کر جب زمین پر گرے تو میں کانپ اُٹھا اور سوچنے لگا کہ وہ تہذیب جس نے خالدؓ بن ولید کو جنم دیا تھا اب اُس کی کوکھ سے نفرتوں اور کدورتوں کا جال بچھانے والے کیوں جنم لیتے ہیں؟ ●

## سمجھداری یہ ہے

● ہوشیاری اس کا نام ہے کہ انسان اپنے مشاہدہ اور تجربات محفوظ رکھے اور اسی کے مطابق عمل کرے۔ ● سوائے گناہ کے اور کوئی شے کسی نوجوان کی ترقی میں اتنی سنگِ راہ نہیں ہوتی جتنا قرض ● اپنی ضروریات کا اندازہ اپنی ذرائع آمدنی سے لگاؤ۔ ● خوش کلامی بہترین نعمت خداداد ہے۔ ● اتنا کھاؤ جتنا ہضم کرسکو۔ اتنا پڑھو جتنا جذب کرسکو۔ یاد رکھو۔ زبان کے ذریعہ تم دوست بنا سکتے ہو اور اس سے دشمن بھی۔

(عفت موہانی)

روز کی جھک جھک سے تنگ آ کے ماں نے طے کر لیا کہ بس اب دونوں کا آخری فیصلہ کر ہی دیا جائے۔ پہلے بھی وہی بیچ میں پڑی تھیں۔ اب بھی وہی نجات دہندہ بننے والی ہیں۔ مگر سب بے حد افسوس تھا۔ آخر کمال اور شہلا پر خدا کی کیا مار آئی تھی کہ شادی کے سال بھر بعد بھی دماغ درست نہ ہو سکے، چھ ماہ بڑے مگن گزرے۔ پھر دونوں ایک دوسرے میں کیڑے نکالنے لگے اسکے بعد تو یہ ہوا کہ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا جب کمال چیختا نہ ہو اور شہلا دہاڑ دہاڑ روتی نہ ہو۔

کمال کے ماں باپ نہیں تھے۔ وہ بھی چچی ماں کے پاس آ کر دکھڑا روتا تھا۔ ادھر شہلا بھی انہیں سے لپٹتی تھی۔ اس بیچاری کی بھی ماں نہیں تھی۔ والد اس قدر سخت گیر تھے کہ ہرگز داماد کی برائی بیٹی کی زبان سے نہ سنتے یہی کہتے کہ اس نے کچھ کیا ہوگا تو وہ بھی آپے سے باہر ہو گیا۔ بہر حال جب پانی سر سے اونچا ہوا اور چچی ماں دونوں کی رام کہانی سنتے سنتے بور ہو گئیں تو کمال سے بولیں۔

"آخر تم اب کرنا کیا چاہتے ہو؟ کب تک تم یوں سر پٹا کرو گے؟"

"جان چھڑا دیجئے اس سے، عمر بھر احسان مانوں گا۔"

"آخر کیوں کیا کرتی ہے وہ بے چاری؟"

"چچی ماں!" کمال بسورا۔ "یہ پوچھئے کہ کیا نہیں کرتی آپ نے کیسی عجیب لڑکی سر ماری ہے میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اب زندگی جنت بن گئی ہے یہ تو بعد کو پتہ چلا کہ میں دوزخ کی طرف ہانک دیا گیا ہوں۔"

چچی ماں وہ سچ مچ ہری مرچ ہے اس قدر لڑاکا بدزبان اور بدتمیز ہے کہ وہ سڑک چھاپ لڑنے والی عورتوں کو مات کر گئی ہے۔ برابر سے مجھے جواب دیتی ہے...... میں تو اس سے بات کرتے ڈرنے لگا ہوں۔"

"مارتی پیٹتی تو نہیں نا؟"

"جی" کمال نے آنکھیں نکالیں۔

"میاں اس کی ماں نہیں ہے۔ باپ اس قدر غصّہ ور ہیں۔ انھوں نے بس اسے غصّہ کرنا سکھادیا ہے۔ ڈھنگ سے تربیت نہیں کی۔ برداشت کرلیا کرو۔"

"کیا کیا برداشت کیا کروں! دن چڑھے نوابزادیوں کی طرح سوکر اٹھتی ہے۔ اور مجھ سے پوچھتی ہے کہ چائے بھی نہیں بنائی، گھر پر وحشت طاری ہے۔ ذرا جھاڑو دیدیتے تو کیا غضب ہوتا؟"

"اچھا"؟

"جی ہاں"۔ کمال اب زیادہ بسورنے لگا۔ "مجھے تو چائے بنانا آتی ہے نہ میں جھاڑو دے سکتا ہوں۔ کیا میں یہ بھی برداشت کروں۔ پرسوں اس نے مجھ سے آملیٹ پکوایا اور پھر کھانے بیٹھی تو بُرے بُرے مُنہ بنائے۔ ذرا بھنڈے میں آملیٹ جل گیا تھا..... چچی ماں میں کیا باورچی ہوں؟ یہ بتائیے نا؟"

یہ سخت نالائق ہوگئی ہے۔ میں اس کے کان امیٹھوں گی۔ فکر نہ کرو۔"

"میں آفس سے تھکا ہارا آتا ہوں"۔ کمال چچی ماں کو اپنی تائید میں دیکھ کر بولا۔ "کیا دیکھتا ہوں کہ گھر میں نہ تو بیگم صاحبہ ہیں نہ چائے وائے، لڑکا آکر اطلاع دیتا ہے کہ میم صاحب پڑوس میں گئی ہیں۔ چائے مجھے بنانا پڑتی ہے۔ اسے بلاتا ہوں تو دور ہی سے چلاتی ہوئی آتی ہے کہ گھر میں قید نہیں رہ سکتی۔ قسم خدا کی جی چاہتا ہے کہ بس اٹھاؤں ڈنڈا اور دھنک کر رکھ دوں گا۔"

"توبہ کرو بیٹا۔ بن ماں کی بچی ہے۔"

"بہت سر چڑھ گئی ہے چچی ماں۔" کمال نتھنے پھلا کر بولا۔ "بیگم صاحبہ کو گھر میں پکی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، دال تو خیر چکھیں گی بھی نہیں۔ میں ہی کھا کھا کر ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔ جھک مار کے کہتا ہوں کہ اچھا بھائی تم قورمہ یا پسندے پکا تو مجھ سے کہتی ہے کہ آپ مصالحہ پیس کر دیجیے۔ لاحول ولاقوۃ اس نے مجھے گھر کا لونڈا مقرر کر رکھا ہے۔ چچی ماں۔ ایک بار میں بڑے ہوٹل سے بریانی لایا تھا کہ بے چاری ترس رہی ہے۔"

"اچھا تو پھر تم بریانی لائے۔"

"جی ہاں۔" کمال نے کہا۔ "وہ پورا ناشتے دان اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گئی اور مزے میں بوٹیاں کھانے لگی۔ مجھے پوچھا تک نہیں۔ حالانکہ بھوک کے مارے دم بھی نکل رہا تھا۔"

"ارے میں کہتی ہوں یہ چھوکری اس قدر کیوں شیطان ہو گئی ہے!" چچی ماں نے سر پیٹ لیا

"چچی ماں اس نے حلق تک بریانی ٹھونس لی۔ اور پھر یہ غضب کیا کہ فوراً ہی ساری اگل بھی دی اور پلنگ پر جا لیٹی میرے پورے پچیس روپے برباد کر دیئے۔"

"توبہ"

"اور سنیئے۔ یہ تو خیر اعمال نامہ ہے ہی۔ پھوہڑ اتنی ہے کہ رومال کے کنارے تک نہیں سی سکتی۔ قمیض میں ایک کھونچ بھی لگتا ہے تو درزی کے پاس بھاگتا ہوں...... اس دن مشین کی سوئی توڑ دی پلنگ کی نواڑ میں جوڑ لگایا تھا۔ دوسری سوئی بھی نہیں لگائی۔ میں نے سوچا کہ ایسی کی تیسی۔ میں سوئی لایا بھی نہیں۔ مشین یوں ہی جھک مار رہی ہے پتہ نہیں باوا جان نے صاحبزادی کے سر مشین کیوں دے ماری ہے جب سینا پرونا ہی نہیں سکھایا۔"

"سیکھ لے گی بیٹا۔ آہستہ آہستہ۔ ابھی نگوڑی کی عمر ہی کیا ہے۔" چچی ماں نے چمکارا شاید کمال کا غصہ اسی طرح ٹھنڈا ہو جائے۔ مگر وہ تو بھڑک اٹھا۔

"سترہ اٹھارہ برس کی دنیا بھر کی ہوشیار چالاک عورت ہے آپ کہتی ہیں عمر کیا ہے۔ اچھا

اور سنئے صاحبزادی آپ کی ماشاء اللہ چونچی ہیں :

" اے مٹھو :

" جھوٹ نہیں بولتا ۔ ہمیشہ جیب سے دس پانچ غائب ملتے ہیں ۔ کبھی کبھی رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہوں آسفروٹ یاد ہی بڑے کھاتے ہوئے ۔ وہ دولن کا لڑکا ہے نا ۔ انڈرو ۔ وہی سب کچھ لالا کے دیتا ہے "

" اچھا اب میں سب تصفیہ کر دوں گی ۔ تمہارا منشاء کیا ہے ؟ "

علیحدگی چچی ماں ۔ شرافت سے علیحدگی :

" شرافت سے نہ ہوگی ۔ کمینے پن سے طلاق دوں گا ۔ اوہ اُدھر خوش میں ادھر ۔ آپ دیکھ ہی دیکھ لیں گی "

" حسن میاں کیا کہیں گے تمہاری نسبت تو وہ تمام میں کہتے پھرتے ہیں کہ مجھے بیہ ادا داماد ملا ہے "

" حسن ماموں تو یہی کہیں گے ۔ ان کی بڑی بدزبان بے لگام صاحبزادی کو مجھ جیسے داماد کے سوا اور کوئی عقل کا پورا ملتا بھی کہاں سے "

" اچھی بات ہے ۔ میں کچھ سوچ کے کہوں گی تم جلدی میں کام خراب نہ کرنا ۔ شہلا کو اس کے گھر کیوں بھجوا دیا ہے ؟ "

" میں کیوں بھجواتا ۔ میں تو روک رہا تھا ۔ ان کی بچپن کی سہیلی گڑیا کا بیاہ کر رہی ہیں شہلا صاحبہ کی شرکت ضروری تھی ۔ خدا غارت کرے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ جب میں نے سُنا کہ یہ بڈھی روحیں اس عمر میں گڑیا کا کھیل کھیلتی ہیں ۔ ...... عقل ماری گئی ہے چھوکری کی میں سمجھاؤں گی "

" کچھ بھی نہیں ۔ بس آپ مجھے نجات دلا دیجئے ۔ "

" شہلا کو گھر کب لا رہے ہو ؟ "

ہرگز نہیں لاؤں گا جیسی گئی ہے ویسی آئے ورنہ"
اور اسی طرح خوب بک جھک کے کمال سدھارا۔ تو چچی ماں سوچ میں پڑ گئیں بڑی نامناسب بات ہے کہ محض ان معمولی جھگڑوں کی بنیاد پر میاں بیوی میں علیحدگی کرادی جائے۔ انھوں نے ملازمہ کو بھیج کر شہلا کو بلایا۔ پندرہ منٹ بعد وہ آگئی۔ خوشنما پرنٹ کی ساڑی پہنے گلے میں سبک نازک سا ہار۔ گوری گوری دُبلی پتلی، صورت سے شریر لگ رہی تھی۔ آئی اور چچی ماں کو سلام کئے بغیر ان کے گلے میں جھول گئی۔
"چچی ماں۔ پپا نے آج یہ ہار خرید دیا۔ اچھا ہے نا؟" آواز بچپن کی سی تھی۔ نرم۔ نازک، معصوم "دیکھوں؟"
"پورے دو ہزار کا ہے۔ پپا اب بہت محبت کرنے لگے ہیں۔ سچّی چچی ماں" وہ بولی اور سیدھی ہو بیٹھی۔
"کیوں گئی تھیں اپنے گھر؟"
"وہ جو زبیدہ ہے نا چچی ماں۔ اس نے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا میں اُس کی پرانی سہیلی ہوں۔ مجھے وہ کیسے نہ بلاتی میں ہی نے گڈّوڑی کا سارا جہیز جوڑا۔ مالوم؟"
"ہاں معلوم ہے۔ مگر تم کو تمہارا میاں روک رہا تھا اس کی مرضی کے خلاف چلی گئیں"۔
"آپ سے کس نے کہا"
"تم میری بات کا جواب دو"
"چچی ماں۔ وہ تو بس میرے حق میں ہٹلر ہیں۔ ہائے اللہ گھر میں جیل خانہ قایم کر دیا ہے میرے لئے۔ یہاں نہ کھڑی ہو۔ کھڑکی سے مت جھانکو۔ کوٹھے پر مت جاؤ۔ حد ہے کہ کوئی بیڑیاں ڈال دیں میرے پاؤں میں اور کھمبے سے باندھ دیں مجھے، کہیں نہ جاؤں گی۔ مالوم"
"خوب تڑ پڑ زبان چلنے لگی ہے۔ میاں سے یوں ہی بولتی ہو کیا؟"

میاں میاں وہ کہاں کے ایسے دادا ابا ہیں۔" اس نے تنک کر کہا۔" میاں اگر بڈھا ہو جائے تو اس کا کہنا مانا جاتا ہے یہ اتنے چھوٹے سے میاں کا کہا کیا ماننا۔ میں بھی میٹرک پڑھی ہوں کیا مجھے مذہبی باتیں نہیں معلوم۔ واہ چچی ماں"۔

میں حسن میاں سے کہہ دوں گی۔ صاحبزادی کے خبر لیں خوب جوہر نکالے ہیں۔"

پپا سے کیا کہئے گا۔ کیا آپ کو اچھا لگتا ہے کہ وہ مجھے زندہ دفن کر دیں۔ ابھی خوب بگڑے تھے کہ کب تک گڑیا کھیلو گی۔!"

"اچھا کیا خفا ہوئے......"

"مجھ سے تو سب خفا ہوتے ہیں چچی ماں۔ ادھر پپا ادھر کمال۔"

"اری منہ پھٹ کتنی صفائی سے میاں کا نام لیتی ہے کچھ تو شرم کر۔"

"کیا شرم کروں۔ مجھے وہ بالشت بھر کے آدمی ہی نہیں لگتے! نام کیوں نہ لوں؟"

"کیا بک رہی ہے۔"

"اور پھر کیا۔"

"کیا اسی لئے برابر سے زبان چلاتی ہے؟"

زبان کیوں چلاؤں۔ ان کی جو عادتیں پسند نہیں ہیں ان پر ٹوکتی رہتی ہوں۔"

"اچھا"

"میری تو مٹی ہی غارت ہوئی چچی ماں۔ نہ جانے آپ کو اور پپا کو ان میں کیا ہیرے جڑے نظر آئے۔ ایسے واہیات آدمی ہیں۔ پرلے سرے کے ڈھیٹ اور"

"چپ رہ بیہودہ کہیں کی۔ وہ تجھ سے چھ سات سال بڑا ہے۔"

"تو کیا میں بھی سترہ سال کی ہوں۔" میں نے بھی میٹرک پاس کیا ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے"

"سن کان کھول کر بقراط کی نانی۔ وہ تجھ سے بیزار ہو گیا ہے۔"

"میں خود ان سے بیزار ہو گئی ہوں" شہلا کہاں ہار ماننے والی تھی۔ میں تو سوچے بیٹھی تھی کہ شادی ہو گی تو میں مزے کروں گی۔ اچھے اچھے کپڑے پہنوں گی۔ اچھے اچھے کھانے کھاؤں گی۔ یہاں وہاں تفریحیں کرتی پھروں گی۔ مگر وہ تو میرے حق میں ایسے شقی ہیں کہ گھومنے کیا دیتے۔ چھت پر جانے کو بھی منع کرتے ہیں۔ بس اچاری میں بند کر کے رکھنے کی کسر ہے۔"

"لڑکیوں کی شادی اس لئے نہیں ہوتی کہ گھومیں پھریں۔ پہلے گھر کا سلیقہ کرتی ہیں۔"

"چچی ماں وہ عجیب آدمی ہیں۔ اُٹھتے ہی حکم ہے۔ صفائی والوں کی طرح جھاڑو دو۔ پھر کنگھا چوٹی کی دھن لگتی ہے۔ بس پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ کہ پہلے جھاڑو دو پھر کنگھی چوٹی کر کے باورچی خانے میں جاؤ۔ آپ ہی بتایئے۔ میں اگر سولہ سنگھار کر کے باورچی خانے میں گھسوں گی تو سارا سنگھار پٹار پسینے اور راکھ دھول میں ستیاناس ہو کر رہ جائے گا۔ کچھ بولوں تو کھانے کو دوڑتے ہیں۔ کہ تم پھوہڑ ہو۔ بدسلیقہ ہو۔ باپ نے تمیز نہیں سکھائی!"

بیٹی! صبح جلدی اُٹھا کرو۔"

"یہ کہیئے کہ بیٹی ر۔ ے سے سویا ہی نہ کرو۔" وہ تنک اٹھی۔ "رات کو تو چچی ماں ریڈیو سنتے سنتے ہی ساڑھے دس گیارہ بج جاتے ہیں۔ نیند آتے آتے بارہ بج جاتے ہیں۔ بتایئے آپ ہی بتایئے صبح کو جلدی کیسے اٹھوں؟"

"نہ سنا کرو موا ریڈیو۔"

"کہاں سنتی ہوں۔ وہ سننے بھی تو دیں۔"

"بس کرو میاں کی غیبت۔"

ایک دن میں گانے لگی تھی کہ "کھائی کے پان بنارس والا" اچھا بھلا گانا ہے۔ ساری خلقت ہی گاتی ہے۔ مگر وہ تو مجھے قتل کرنے کے لئے دوڑے کہ اگر پھر کبھی میں نے یہ مکروہ گیت گایا تو دانت حلق میں اُتار دوں گا۔" بھئی کوئی شریف آدمی بیوی سے ایسے لہجے میں بات

ا ہے۔"

"سچ مچ یہ گیت ہے تو نہایت مکروہ" عجیب کرخت آواز ہے۔ جیسے لوہے کی سلاخیں کانوں میں دی چلی جارہی ہیں۔ بیٹی شریف بچیاں ایسے واہیات گانے نہیں گاتیں۔ تم اس کا کہا کیوں نہیں کرتیں۔"

"مجھے معلوم ہے چچی ماں" انھوں نے میری خوب شکایتیں آپ سے کی ہیں۔ اپنی کرنی بھول گئے ہیں۔"

"اس نے بریانی لا کے کھلائی تھی۔ تم نے اکیلے اکیلے کھالی اسے نہیں دی۔"

"وہ تو روز ہی کھاتے ہیں۔ ایک دفعہ لا کے کھلا دی تو اخباروں میں چھپ گیا۔ ہونھ ایسے لگے پیٹ کے آدمی ہیں۔ چچی ماں میں ان کے ساتھ نہیں رہنے کی۔ میں پپا کے پاس جاؤں گی مجھے اتنی پابندیاں پسند نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب تو ہو ہی جائے گا فیصلہ۔ میں تمہارے باپ سے بات کروں گی۔"

"کیجیے۔"

"کیا تم سے کمال محبت نہیں کرتا؟"

"خاک کرتے ہیں محبت۔ اٹھتے بیٹھتے تو آنکھیں نکالتے ہیں۔ بات بات پہ باپ کا طعنہ دیتے ہیں۔"

"مٹھائی نہیں کھلاتا۔ کپڑے نہیں خرید دیتا۔ کیوں۔"

"ارے تو نہ لائیں مٹھائی اور کپڑے۔ کیا میں نے کبھی مٹھائی نہیں کھائی۔ کپڑے نہیں پہنے اب مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ اگر وہ مجھ سے بیزار ہیں۔ تو بس اُن سے بیزار ہوں۔ میں ہرگز اُن کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ آج رات میں آپ کے پاس سوؤں گی۔ اور صبح کو پپا کے پاس چلی جاؤں گی۔"

"ساری زندگی کیسے گزرے گی؟"

"گزرنے کو کیا ہوا؟ چچی ماں۔ مزے میں گزرے گی۔"

چچی ماں نے خوب بھیجہ خالی کیا۔ مگر وہ شہلا ہی کیا ہوئی۔ جو کچھ سمجھ کے دیتی۔ وہ تو بات بسور بسور کے روئی۔ کاجل لگی۔ پیاری آنکھیں لال کرلیں۔ اور ایسی ہچکیاں لیں کہ چچی ماں کو اس پر ترس آگیا۔ بڑبڑاتی ہوئی بولیں "نگوڑی انگل بھر جان کے پیچھے حسن میاں نے کیا بکھیڑا لگادیا۔ کم سے کم نگوڑی کو بیس سال کی تو ہونے دیتے۔ میاں کی اہمیت معلوم ہوتی۔"

دوسرے روز سہ پہر کو انھوں نے حسن صاحب کو بلوایا۔ اور سارا مقدمہ اُن کے سامنے رکھا۔ وہ بڑے غصہ ور تھے۔ سب کچھ سُن کر غرّائے۔

"بلوائیے دونوں کو۔ چار چار چھپڑدں میں دونوں کو سیدھا کر دوں گا۔ بدمعاش، گھر بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"کمال کو سمجھاؤ۔ مگر بچی پر سختی نہ کرو۔" چچی ماں نے سفارش کی۔

"کمال کی کھال کھینچ کے رکھ دوں گا۔ اور شہلا کی بچی کو بھی مزہ چکھاؤں گا۔ لاحول ولا قوۃ۔ اتنی لمبی زبان۔ آپ بلوائیے نا بھابی دونوں بدبختوں کو۔ کہاں ہیں؟"

جیسے چور جج صاحب کے سامنے آتے ہیں۔ اس طرح دونوں بڑوں کی عدالت میں پیش ہوئے۔ کمال کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ پتہ نہیں اس شیطان کی خالہ نے حسن ماموں سے کیا کہا ہے۔ اب وہ ڈنڈے کی زبان میں بات کریں گے۔ تب کیا وقعت رہ جائے گی۔ اس کی سانسیں رُک رہی تھیں۔ سر جھکا کے بیٹھ گئے۔ شہلا کا چہرہ بھی دھواں دھواں تھا۔ باپ کی آنکھوں میں قہر بھری چمک دیکھ لی تھی۔ اور اس کے ہوش گم تھے کمال نے اس طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔ اور خود شہلا تو چوہیا بنی ماں کی پیٹھ کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی۔

"اب کہو میرے سامنے۔" حسن صاحب گرجے: "تم دونوں کو ایک دوسرے سے کیا شکایتیں ہیں۔ ابھی دور کر دوں گا۔" کمال؟؟؟ وہ گرجے۔

"جج جی۔ ماموں جان!" وہ بے چارہ ہکلایا۔

"شہلا ؟" وہ دہاڑ کر اس کی طرف مڑے۔
"کوئی شکایت نہیں ہے پاپا" جھٹ سے وہ بولی۔ "میں نے کوئی شکایت نہیں کی۔ جی
ما" اس نے چور نظروں سے کمال کی طرف دیکھا۔ اور پھر مسکرائی۔ "پاپا میں اب گھر جا رہی ہوں"
دُں ؟"

"چلیے جی۔ اُٹھیے !" اس نے کمال سے کہا۔ اور کمرے سے نکل کر چلی گئی۔
"جاؤ تم بھی جاؤ" حسن صاحب نے کہا اور کمال بھی بھاگا۔
"یہ کیا قصہ ہے بھابی" حسن صاحب ہنسنے لگے۔
"بالکل بچے ہیں۔ اتنی سی بھی سمجھ نہیں" چچی ماں بھی کھلے دل سے ہنس دیں۔ "یہ شکایتیں
ی محبت کا انداز ہے"۔

## یاد رکھیں

- مچھلی کے ساتھ بعد میں دودھ اور شکر کھانے سے برص۔ جذام اور قولنج کا خوف ہے۔
- گوشت طیور (پرندوں) کے ساتھ دہی کھانے سے درد معدہ لاحق ہوتا ہے۔
- چاول اور سرکہ ہمراہ کھانے سے درد معدہ اور سدّہ کا اندیشہ ہے۔
- دودھ کے ساتھ یا بعد میں شراب پینے سے نقرس ہوتا ہے۔
- کیلا یا کھیرا ککڑی کے بعد پانی پینے سے ہیضہ کا اندیشہ ہے۔
- گرم غذا کے ساتھ دہی یا برف پینے سے ضعف معدہ و جگر ہوتا ہے۔
- شہد اور گھی ملا کر کھانے سے ادھرنگ کا خوف ہے۔
- باسی غذا گرم کر کے کھانے سے احتراق خون۔ درد معدہ اور بخار کا اندیشہ ہے۔
- نمکین غذا یا میوہ ترش کے بعد پانی پینے سے نزلہ زکام کا اندیشہ ہے۔

(حکیم خواجہ محمد عبدالغفور جعفری منصوری)

# قیامت کب آئے گی؟

(صوبیدار نسیم خاں)

میں آپ کو ایک ہوش ربا واقعہ سناتا ہوں۔ میرے دوست نے سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھے شوخ نظروں سے دیکھا۔ ایک عورت سات یا آٹھ سال کی سزا بھگت رہی تھی۔ اس پر اپنے خاوند کو زہر دینے کا الزام تھا لیکن وہ اپنے جرم سے انکاری تھی اور کہتی تھی کہ اسے جھوٹے مقدمے میں پھنسایا گیا ہے۔ وہ خاصی پڑھی لکھی تھی۔ اور خاصی حسین بھی۔ نام تو اس کا آسیہ تھا لیکن تمام قیدی عورتوں میں اپنی خوبصورتی کی بنا پر شہزادی دکھتی تھی۔ شاید اسی لیے اسے سارے لوگ آسیہ کے بجائے شہزادی کہہ کر پکارتے تھے۔ شہزادی کو جیل کے عملے نے کال گرل بنا دیا تھا۔ اسے وقتاً فوقتاً شہر کے اعلیٰ ہوٹلوں میں اعلیٰ لوگوں کی خدمت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ایک دن وہ حسب معمول تن تنہا ایک ہوٹل میں کسی بڑے آدمی کا دل بہلانے کے لیے گئی تو واپس نہ آئی۔ جیل کے عملے میں کھلبلی مچ گئی۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کی نوکری خطرے میں پڑ گئی۔ اس نے گھبرا کر ہوٹل کے منیجر سے رابطہ قائم کیا۔ ہوٹل کے منیجر نے کمرہ نمبر ۱۰۳ کے مکین سے بات کی جو ایک بااثر آدمی تھا۔

"حضور! ہماری چیز تو واپس کر دیں"۔ منیجر نے شائستگی سے کہا۔

وہ بااثر آدمی شہزادی کو ہوٹل سے نکال کر کسی خفیہ مقام پر پہنچا چکا تھا۔ وہ منیجر کی بات سن کر ہنسا اور بولا: "وہ میرے دل کو بھا گئی ہے۔ واپسی ممکن نہیں۔ میں اس کے بدلے منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔ سودا کر لیں"

"اس کا سودا ممکن نہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ شہزادی دراصل ایک قیدی ....."

"مجھے علم ہے جناب۔ جمیلہ اپنی پوری آپ بیتی مجھے سنا چکی ہے۔ میں اس مظلوم عورت سے کل نکاح کر رہا ہوں۔ اب بتائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں"

منیجر نے یہ سن کر پوری صورت حال سپرنٹنڈنٹ جیل کے گوش گزار کی۔ صورت حال بڑی نازک تھی۔ لیکن اس کا بھی حل نکال لیا گیا۔ سڑک سے کسی نیم پاگل عورت کو پکڑ کر جیل کے قیدیوں کی گنتی پوری کر دی گئی۔

سید حسن کمال
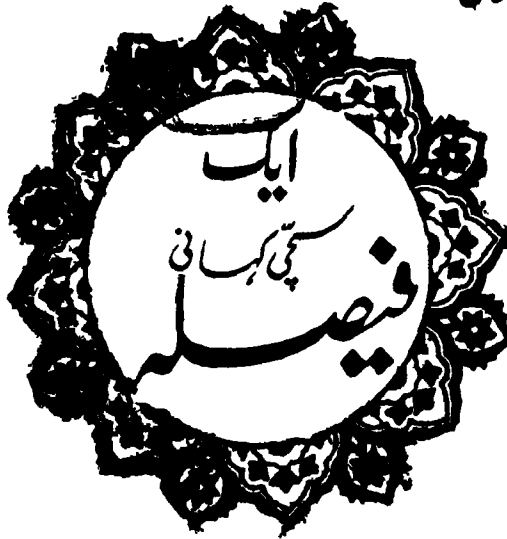
پُل کافی لمبا تھا۔ شاہ راہِ حیات کی طرح۔ مگر سواری والوں کے لئے یہی پُل کتنا مختصر ہو جاتا ہے۔ "زن" کی آواز ہوئی اور پلک جھپکتے ہی کاریں اس پار سے اس پار پہونچ جاتی ہیں۔ اسکوٹر والے "شوں" "شوں" کی آواز کرتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ مگر میرے پاس تو سکنڈ ہینڈ سائیکل بھی نہیں۔

میں تیز تیز قدم اُٹھا رہا ہوں۔ بدن کی پوری قوّت صرف کر رہا ہوں لیکن لگتا ایسا ہے کہ میں بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کھسکا جا رہا ہوں۔ بھلا سائیکل، رکشا تانگہ، موٹر، جیپ اور کاروں کے مقابلے میں پیدل چلنے والوں کی کیا حیثیت ہے۔

زندگی کی دوڑ میں بھی تو میں ہمیشہ اسی طرح پیچھے رہ جاتا ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرے ملنے جلنے والے لاکھوں کے مالک بن گئے۔ اور میں سدا کی طرح آج

بھی کوڑی کا محتاج ہوں۔
ہمارے آس پڑوس میں عالیشان بلڈنگیں تعمیر ہوگئیں۔ مگر میرے جھونپڑے
کی خستہ حالی جوں کی توں ہے۔
میرے ہم سن ساتھیوں میں سے۔ کوئی پولس آفیسر، کوئی بی۔ڈی۔او، اور کوئی
سپلائی انسپکٹر، کوئی پروفیسر، کوئی جج اور کوئی منیجر بن گیا۔ اور میں رہا پھٹیچر کا پھٹیچر۔
تعلیم تو میں نے بھی حاصل کی تھی۔ صلاحیت تو میرے اندر بھی تھی مگر وہ جو نوجوانی
میں ایک سانپ نے ڈس لیا تو اس کا زہر روح تک سرایت کر گیا۔ اس موذی
سانپ نے تو میرے ساتھ بہت سے دوستوں کو ڈسا تھا۔ مگر ان کا زہر عارضی ثابت
ہوا۔ کچھ لوگوں کا زہر نہیں اتر رہا تھا تو بزرگوں نے علاج معالجہ کرایا۔ دُعا تعویذ کا سہارا
لیا اور انہیں اُس زہر سے نجات مل گئی مگر میرے معاملے میں یہ زہر کافی ضدی
ثابت ہوا ہے۔

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے
عُقدہ کھُلا نہ دل کا دُعائے فقیر سے

ظاہر ہے کہ میرا مسموم ذہن اب صحت مند لوگوں کی طرح نہیں سوچ سکتا ہے۔ جو چیز انہیں
روشن اور منور معلوم ہوتی ہے۔ وہ مجھے سیاہ اور تاریک نظر آتی ہے۔ جس کو وہ اونچائی
کا نام دیتے ہیں اس کو میں پستی سمجھتا ہوں۔ جس کو وہ کامیاب کہتے ہیں اس کو
میں ناکام قرار دیتا ہوں۔
غرض کہ اس زہر نے میری شخصیت بدل کر رکھ دی ہے۔ یا تو آنکھ والوں کے
درمیان میں ایک اندھا ہوں۔ یا پھر اندھوں میں میں ایک کانا ہوں۔
کاش کہ میرے پاس بھی ایک ٹوٹی پھوٹی سائیکل ہوتی۔ میں جلد گھر پہونچ

سکتا اور پانچ بچیوں کے بعد ہونے والی اس کریہہ اولاد کا چہرہ دیکھ سکتا. جس کا آج
ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا خدا کو پیارا ہو چکا ہے۔

---

میں اپنی دوکان پر تھا. اسلامی کتابوں کی چھوٹی سی دوکان. جو میرا مسکن بھی ہے.
اور ذریعہ معاش بھی.
ایک پڑوسی نے خبر دی کہ :- "ایک تیز رفتار جیپ سے میرا نونہال ٹکرا گیا
ہے" جیپ تو نو دو گیارہ ہو گئی. لڑکا خون میں لت پت سڑک پر پڑا تھا۔
ہو سکتا ہے کسی شناسا نے گھر خبر دی ہو. ماں کی ممتا روتی چیختی وہاں
پہونچی ہو. اور پھر ..............................
آگے میں سوچ نہیں سکتا............... اولاد کی محبت ماں کی ممتا
معصوم سی جان . اور بھاگتی ہوئی جیپ سے ٹکرانا............ خدا تو رحم فرما....!
تو تو ہمہ وقت اپنے بندوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے. آزمائشیں تیری ہی طرف سے
آتی ہیں تو ہی ان کو برداشت کرنے کا بندوں کو حوصلہ دیتا ہے. اور تو ہی پھر مصائب
سے انسانوں کو نجات بھی دیتا ہے. ہم سب تیری امانت ہیں.
"توکلتُ عَلَیْکَ یا اللہ ۔ اُفَوِّضُ اَمری اِلَیْکَ یا اللہ"
میں نے سواری کیوں نہیں کرلی ؟ دو تین روپے خرچ ہوتے اور منٹوں میں ٹیکسی
سے پہنچ جاتا.
مگر سواری کس طرح کرتا. میری جیب میں تو صرف دس روپے ہیں آج ہی
تو میں نے ۵۰۰ روپے کی کتابوں کی بلٹی چھڑائی ہے. کاش کہ میں یہ بلٹی کل چھڑاتا
مگر تقدیر کا لکھا تو اٹل ہے. اس سے نجات کہاں -؟

دس روپے ہیں شائد فوری طور پر بابو کو کسی انجکشن کی ضرورت ہو جس سے میرا لال بچ جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ میں کیوں مایوسی کا شکار ہو رہا ہوں۔ نہیں! باری تعالیٰ میں ہر حال میں صابر و شاکر ہوں۔
تو نے تو ان سے بھی بد تر حالات میں مجھے حوصلہ عطا کیا ہے۔ ہمت دی ہے ناشکری سے بچایا ہے۔

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔ جب ہمارے پاس تین ننھی ننھی بچیاں تھیں اور اچانک بیٹھے بٹھائے ان کی والدہ کو "ٹیٹنس" جیسا موذی مرض ہو گیا تھا بستی میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ عورتیں ان معصوم بچیوں کا منہ دیکھتی تھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیتی تھیں۔ اس جان لیوا مرض کا علاج نکل چکا تھا۔ لیکن کامیابی بمشکل ۵ پانچ فیصد ہی ہوا کرتی تھی۔ اعزا، و اقربا، پڑوسی، احباب سب کے سب موت کی طرف بڑھتی ہوئی اس زندگی کو دیکھ رہے تھے۔ جو چند دنوں کی مہمان تھی۔

میں اپنے دل کی کیفیت کیا بیان کروں۔ شائد میں اپنا احساس کھو بیٹھا تھا اور مسجد میں اپنے خدا سے برسر جنگ تھا۔ خدایا کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں کہ تو نے میری معصوم بچیوں کی فریاد سن لی اور معمولی علاج کا بہانا عطا کر کے زندگی بخش دی جب کہ لوگ ضلع کے بڑے ہاسپیٹل جا کر ہزاروں روپیہ خرچ کر کے بھی "لاش" کے ساتھ ہی واپس آئے ہیں۔

---

اور میں ان ایام کو کس طرح فراموش کر سکتا ہوں۔ جب میں کچی عمر کا ایک نوجوان تھا۔ والد صاحب صاحب فراش تھے۔ ان کی خاطر تعلیم چھوڑ کر میں نے

درس گاہ میں نوکری شروع کی تھی۔ کہ ہمارا دل و جان سے عزیز بھائی کلکتہ سے بیمار ہوکر آگیا۔ ٹی بی جیسا خطرناک مرض۔ جس کو لوگ امیروں کا مرض کہتے ہیں۔ عمدہ غذائیں، قیمتی دوائیں اور مسلسل آرام اور خدمت۔ اس مرض سے چھٹکارا پانے کے لئے یہ تینوں چیزیں لازمی ہیں۔

والد صاحب قبل ہی سے بیمار تھے۔ ان کا علاج مکمل نہیں ہونے پایا تھا کہ ہمارا ماں جائی اکلوتا بھائی بھی بستر پر گر گیا۔ مجھے اپنی دنیا تاریک نظر آنے لگی بچپن میں ہماری والدہ انتقال کر گئیں تھیں۔ اور ہمیں اس چھوٹے بھائی سے انتہائی محبت تھی بچپنے پن میں ایک بار وہ گم بھی ہوگیا تھا۔ اور جب ملا تھا تو مجھے ایسا لگا جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ ایسے پیارے بھائی کو موت کے منہ میں دیکھ کر ہوش و حواس کا اڑنا فطری بات تھی۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک وہ سانپ مجھے ڈس چکا تھا۔ اور اس کا سریع التاثیر زہر رگ ریشے میں سرایت کر چکا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ دعا اور دوا کا سلسلہ چلتا رہا۔ چھ ماہ کے بعد خدا نے ایسی اچھی صحت عطا کی مانو کبھی اسے وہ مرض ہوا ہی نہ ہو اور آج بھی اس کی قابلِ رشک صحت ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتی رہتی ہے

---

خدا کی ان کھلی کھلی نشانیوں اور معجزوں کو دیکھ کر میں ناشکری کا راستہ کس طرح اختیار کر سکتا ہوں۔ "وہ خدا جو کرے گا وہ ہمارے لئے بہتر ہوگا" بریل ہے یا شیطان کی آنت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ کیا آج ہی اسکی لمبائی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ نہیں بلکہ آج میری جلدی میں اضافہ ہوگیا ہے۔......

---

...... وہ سامنے سے ایک اسکوٹر آرہا ہے۔ ارے یہ تو جانا پہچانا چہرہ ہے
ہاں! یہ شرما جی ہیں (C.B.I) کے انسپکٹر ان سے تو ہماری اچھی ملاقات ہے۔ ان کے اسکوٹر پر میں جلد گھر پہونچ سکوں گا۔

اسکوٹر ایک زبردست چڑچڑاہٹ کے ساتھ رُک گیا۔ شائد شرما جی نے فل بریک لگائے تھے۔

ہلو! جاوید صاحب! میں آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں مجھے آپ کے بچّے کے اکسیڈنٹ کا سنکر دلی صدمہ ہوا۔ بھگوان اس کی رکشا کرے آئیے بیٹھئے میں جلد آپ کو گھر پہونچا دوں.............

ارے یار منہ کیا تک رہے ہو! جلدی کرو! بیٹھو نا....! کیا سوچنے لگے!
........... نہیں! شرما جی! آپ جائیں میں پیدل ہی گھر پہونچ جاؤں گا۔

— آپ کا بھی جواب نہیں! کیا تمہارے ہردے میں اپنے مالک کیلئے دیا نہیں ہے؟

— ہے شرما جی! مگر اُسی ہردے میں ایشور کا بھئے بھی ہے۔

— تو کیا خدا کا خوف آپ کو اسکوٹر پر چڑھنے سے منع کر رہا ہے؟

— ہاں! شرما جی! یہی بات ہے۔

— میرے پلّے تو کچھ بھی نہیں پڑا۔ بھلا ایشور کے بھئے اور اسکوٹر سے کیا تعلق ہے

— اسکوٹر کسی دوسرے کا ہوتا تو میں پس وپیش نہیں کرتا۔ مگر؟ آپ.....؟ آپ کا میں ممنون احسان نہیں ہونا چاہتا۔ ہوسکتا ہے

اسی مروّت میں آکر مجھ سے کچھ خیانت ہو جائے۔

— یار! میں نے بڑے بڑے بااصول۔ آدرش بھگتی۔ اور سدّھانت وادی دیکھے ہیں۔ جو وقت پڑنے پر سارے نیَم توڑ ڈالتے ہیں۔ اور میں آپ سے کوئی سودا بازی بھی نہیں کرر ہا ہوں۔ کیا آپ نے مجھے نرا انسپکٹر ہی سمجھ رکھا ہے۔ کیا میں انسان نہیں ہوں۔ کیا میرا کوئی اپنے عہدہ سے علیٰحدہ وجود نہیں ہے۔ کیا میرے اندر ماکوتا نہیں ہے۔ یار بیٹھو میری گاڑی پر اور رکھو یہ پانچ سو روپے۔ دوست وہی ہے جو وقت پر کام آئے۔ پتہ نہیں تمہارے بچے کا کیا حال ہے! تمہارا حال تو میرے سامنے ہے جیب میں چند سکّے ہوں گے بس ؟ آج وقت پڑا ہے۔ آج تو مجھے خدمت کا موقع دو۔

— کیا ؟ یہ روپے میں رکھ لوں۔ ؟ آخر آپ کو اس کی جرأت کیسے ہوئی؟ بار ہا آپ مجھے آزما چکے ہیں۔ کیا مصیبت کے وقت آپ میرا ایمان خریدنا چاہتے ہیں۔

— وہی بے سر پیر کی باتیں۔ ان روپوں کے بدلے مجھے آپ سے کوئی اطلاع نہیں چاہیئے۔ میں تو یہ انسانی برادری اور دوستی کے ناطے دے رہا ہوں۔ آپ ابھی سخت ضرورت مند ہیں۔ اگر آپ کو میرا یہ تحفہ قبول نہیں تو چلئے بطور قرض رکھ لیجئے جب سہولت ہو گی آپ مجھے واپس کر دیں گے۔

— انسپکٹر صاحب! جس طرح میری حیثیت دو نہیں ہو سکتی۔ میں ہر لمحہ اور ہر جگہ خدا ہی کا بندہ رہوں گا۔ اس کی بندگی سے ایک سیکنڈ کیلئے بھی آزاد نہیں سکتا۔ اس طرح آپ ایک مخصوص ڈیپارٹمنٹ کے ذمہ دار افسر ہیں۔ جس طرح میں نے خدا سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے محکمہ کیلئے کھا

سن ۸۳ء

وفاداری اُٹھایا ہے۔ نہ میں اپنی وفاداری مجروح کرنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی وفاداری کو داغدار دیکھنا چاہتا ہوں۔

— ارے مورکھ یہ تقریریں کبھی اور کر لینا۔ ابھی تمہارے بچّے کی جان جا رہی ہے جلدی کرو یہ روپے پکڑو۔ اور بیٹھو میرے اسکوٹر پر

— نہیں! چاہے میرے بچے کی جان چلی جائے۔ مگر میں آپ کے روپے قبول نہیں کر سکتا آخر اس سے پہلے بھی بارہا آپ نے میری مدد فرمانے کی کوشش کی ہے۔ صرف یہ جاننے کیلئے کہ ہمارے اجتماعات میں کیا ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمارے اجتماعات کی کارروائیاں اخبارات میں شائع کر دی جاتی ہیں۔ آپ چاہیں تو خود شریک ہو کر اسکو دیکھ سُن سکتے ہیں لیکن پھر بھی آپ حضرات برابر ان اجتماعات کے بارے میں مشوّش رہتے ہیں۔

— جب اسمیں کوئی سیکرٹ (Secret) بات ہوتی ہی نہیں تو پھر بتا دینے میں کیا حرج ہے۔

— حرج کیوں نہیں ہے۔ اس طرح میں خیانت اور غدّاری کا مرتکب ہوں گا۔

— چلو یہ باتیں پھر ہوں گی۔ یہ روپے تو رکھو۔ دو چار دن میں واپس کر دینا۔

— میں نے کہہ دیا نا۔ نہیں چاہیے مجھے یہ روپے۔

— نہیں۔ آپ کو لینا ہوگا۔ اتنے ضدّی نہ بنو۔ بچّے کی زندگی سے نہ کھیلو۔

— میں نے کہہ دیا نہیں۔ اچھّا آپ نہیں مانتے! تو لیجئے " مالِ حرام بود بجائے حرام رفت " میں نے وہ روپے دریا میں ڈال دئے۔ انسپکٹر بھنّا کر اسکوٹر پر سوار ہوا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میرے چہرے پہ اطمینان کی پُر مسرت لہر تھی۔ گھر پہونچا تو معلوم ہوا سب لوگ ہاسپٹل گئے ہوئے ہیں۔ بھاگم بھاگ اسپتال گیا۔ بچّے کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی پلاسٹر کر دیا گیا تھا۔ سر پر معمولی خراش تھی جماعت کے سارے رفقاء وہاں موجود تھے میری آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلملانے لگے۔ میں نے جھک کر بچّے کے بھولے بھالے چہرے کا بوسہ لیا۔ اور خدا کا ڈھیر اشکر ادا کیا۔ ایک تو بچّے کی زندگی بچ گئی اور دوسرے رفقاء کی اس اسلامی اسپرٹ پر۔ رہ گیا وہ فیصلہ جو میں نے پل پر کیا تھا وہ میری عقل نہیں میرا عشق تھا۔

# میں کبھی نہ بھولوں گی !

—(۱)—

آج بھی یہ واقعہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ سنئے :۔

ہم لوگ اپنے کزن کی شادی پر خیرپور سے کراچی جا رہے تھے۔ کراچی اسٹیشن پر گاڑی رُکی۔ رسب لوگ اُترنے لگے۔ اور تب ہی وہ واقعہ رونما ہوا کہ آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے یں۔ حالانکہ ان دنوں میری عمر صرف گیارہ بارہ سال تھی۔

ہوا یوں کہ میری خالہ کا سب سے چھوٹا بیٹا سہیل جس کی عمر ڈھائی تین برس کے قریب تھی رے پاس ہی تھا۔ لیکن اترتے وقت میری گود میں میری چھوٹی بہن کو دے دیا تھا۔ ترتے وقت سہیل نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے ساتھ ہی اترنے لگا۔ لیکن میں دو دو بچوں سنبھال سکی۔ اور اترتے وقت ننھا سہیل پلیٹ فارم پر پیر نہ جما سکا اور درمیان میں تھوڑی سی خالی جگہ سے گر کر ریل کے پہیوں کے قریب گیا۔

میری خالہ جو اتفاق سے دوسری طرف سے اُتر رہی تھیں انھوں نے سہیل کو گرتے دیکھ لیا۔ وہ بُری طرح چیختی چلاتی آگے بڑھیں۔ یہاں پر مرد وغیرہ نہیں تھے۔ وہ سامان کے ساتھ ذرا دور جا چکے تھے۔ سوائے میری امی اور خالہ کے کوئی اور نہ تھا۔ شور ہنگامے میں کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔

گارڈ نے وسل دیا اور تب ہی ایک آدمی تیزی سے لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سہیل کو

ایک ہاتھ ڈال کر اوپر اٹھا لیا۔ اسی لمحے ٹرین رینگنے لگی۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔ اتنے میں اور لوگ بھی قریب آ چکے تھے۔ لیکن میری نظریں اس عظیم آدمی پر تھیں جو اگر تیزی نہ دکھاتا تو آج...... سے زیادہ میں نہیں سوچ سکتی۔ اس آدمی نے ابھی تک سہمے ہوئے سہیل کو گلے لگا رکھا تھا امی خالہ بھی اس کو دلاسے دے رہی تھیں۔ اور میں حواس باختہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی اگر آج سہیل نہ ہوتا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتی۔ کیونکہ میں نے ہی اسے سنبھالا ہوا تھا۔ کاش وہ عظیم آدمی سدا خوش رہے۔ سدا خوش رہے جس نے ایک ماں کی گود کو اجڑنے سے بچا لیا۔

بیلا شبنم۔ خیر پور میرس۔

(۲)

لاہور جانے کے لیے اسٹیشن پر ہم لوگ آدھ گھنٹہ پہلے پہنچ گئے۔ گاڑی آنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ ہم لوگ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں ایک عورت کو میں نے دیکھا جس کا بہت برا حال تھا۔ میں احساس کرنے کے لیے امی کی طرف مڑی تو وہ بھی افسردہ سی اسی عورت کو دیکھ رہی تھیں۔ مجھے متجسس دیکھ کر امی نے مجھے جو کچھ بتایا اس کو شاید میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔

امی نے بتایا کہ یہ عورت اتنی اچھی اور پاکیزہ تھی کہ ہر شخص اس کی عزت کرتا تھا سگھڑاپا اس خاتون کو ورثے میں ملا تھا۔ باعزت گھرانے کی تھی۔ مگر بدنصیب۔ شادی ہوئی تو ہر دن شوہر کی بے رخی اور لڑائی جھگڑوں کی نذر ہو گیا۔ دو بچیاں ہوئیں اور بڑی منتوں مرادوں کے بعد خدا نے بیٹا دیا مگر شوہر کی محبت اسے نہ مل سکی۔

امی نے بتایا وہی عورت جو دوڑی دوڑی سب کام کاج کرتی تھی، صرف چارپائی کی ہو کر رہ گئی۔ شوہر نے جلد ہی دوسری شادی کر لی۔ وہی لڑکا جو بہت منتوں سے ہوا تھا سوتیلی ماں کے عتاب کا نشانہ بننے لگا۔

پھر ایک دن وہ خاتون کپڑے پھاڑ کر باہر کی طرف بھاگی اور پھر اس کے بعد در در کے دھکے کھا رہی ہے۔ اس کی بچیاں سوتیلی ماں کے ظلم سہتی ہیں۔ اور بیٹا گھر سے نہ جانے کہاں جا چکا ہے۔

میں نے پُریاسیت نظروں سے اس عورت کی طرف دیکھا جو مظلومیت کی تصویر تھی وہ ہر ایک کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے زمانے کے ہر فرد سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا حساب مانگ رہی ہو اور آج بھی اس عورت کی یاد کے ساتھ اسکی مظلومیت ساری کی ساری میرے سامنے تھی۔ اس کی نگاہیں مجھے تڑپا جاتی ہیں۔ اور بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں۔　　(شہزادی تنویر ایم)

(۳)

میں جب بھی شازیہ کے گھر جاتی تو میری نظر اکثر اس کے پڑوس میں کھڑکی میں کھڑی ہوئی لڑکی پر پڑتی جس کو نہ معلوم کیا دکھ تھا جو اس کی آنکھوں سے ہر وقت اُداسی ٹپک رہی ہوتی تھی۔ میں نے کئی بار شازیہ سے پوچھا بھی۔ لیکن وہ ٹال گئی لیکن آج مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ اور میں ضد کرنے لگی کہ تمہیں بتانا پڑے گا کہ اس لڑکی کو کیا دکھ ہے۔ اور یہ کھڑکی میں کیوں کھڑی رہتی ہے؟ مجبور ہو کر شازیہ نے کہنا شروع کیا کہ

آج سے تین سال پہلے شبنم کی شادی ہوئی۔ چونکہ اکلوتی اولاد تھی اس لیے ماں باپ نے دل کھول کر ارمان نکالے اس قدر جہیز دیا کہ آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ ان لوگوں نے اپنا سب کچھ بیٹی کو دے دیا کہ اب ہمارا ہے ہی کون ؟ شادی ہوئی۔ دو تین مہینے شیراز اور شبنم ہنسی خوشی رہے۔ اس کے بعد سے شیراز نے رنگ بدلنا شروع کیا۔ راتوں کو دیر سے آنا جب شبنم نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ شیراز نہ صرف جوا کھیلتا ہے بلکہ آنجناب شراب سے بھی شوق فرماتے ہیں۔ پہلے تو وہ اسے آہستہ آہستہ سمجھاتی رہی لیکن جب نوبت گھر کے سامان اور زیور تک پہنچ

تو دونوں کا جھگڑا ہوگیا۔ شیراز نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنے شوق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تم جب چاہو جا سکتی ہو۔

شبنم بھی غصے میں تھی۔ وہ بھی اسی وقت اُٹھی اور دو چار جوڑی کپڑے لے کر اپنی ماں کے گھر آگئی۔ دوسرے روز شیراز نے کہلا بھیجا کہ میں مکان خالی کر کے جا رہا ہوں اور تم میری طرف سے آزاد ہو۔ اور وہ جہیز کا سارا سامان لے کر رفو چکر ہوگیا۔ لوگوں سے معلوم کروایا لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ماں اس غم میں رو رو کر اندھی ہوگئی اور بیٹی کی حالت تو قابل دید ہے۔ نہ ہنستی ہے نہ ہنستی ہے نہ روتی ہے نہ کسی کو پہچانتی ہے بس جسے دیکھتی ہے اس سے یہی پوچھتی ہے کہ "شیراز" اب تک نہیں آیا۔ جاؤ اسے لے کر آؤ"۔ یا پھر کھڑکی میں کھڑی ہو کر انتظار کرتی ہے کہ میرا شیراز آنے والا ہے۔ باپ کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔

ایک سال بعد پتہ چلا کہ شیراز نے کہیں اور جا کر شادی کر لی ہے۔ اب دیکھیں، اس کے ساتھ کتنے دن گزارتے ہیں۔ اب نہ معلوم کتنے شیراز کتنی شبنموں کو برباد کرتے ہیں اور کتنی مائیں بیٹیوں کے غم میں اندھی ہونگی۔ (شائستہ غیاث جامشورو)

---

جناب چچا میاں مائل خیر آبادی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آج میں نے حجاب میں پڑھا کہ افتخار احمد صاحب بلگرامی بارہ بنکی نے جو کچھ آزمودہ نسخے دیے ہیں۔ اس میں ایک نسخہ جو کتے کے کاٹے کا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کتے کاٹے کی دوائیں دیتی ہوں۔ انھوں نے کبھی نہیں دی۔ کچلے کی ۲ ٹکیوں کے بجائے بڑی خوراک ایک ٹکیا کے چالیس خوراک اور چھوٹی خوراک آدھی ٹکیہ کے چالیس خوراک دینا چاہیے۔ اور مریض کے کھانے پینے کے برتن الگ رکھنا چاہیے۔ آپ براہ کرم فروری کے حجاب میں صحیح خوراکیں لکھوا کر دیجئے گا۔ دو گنی زہریلی دوا سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔ والسلام
بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی

(اس مضمون پر نام نہیں لکھا تھا۔ (م))

## ٹماٹر کی چٹنی

نہایت عمدہ سرخ رنگ کے پکے ہوئے ٹماٹر لے کر ان کو صاف پانی سے اچھی طرح دھولیں۔ اور ان کا سڑا ہوا، گندا اور کچا حصہ چاقو سے نکال کر پھینک دیں۔ تب ان ٹماٹروں کو لے کر ایک تام چینی کی چمچی میں ڈال کر رہی کی مدد سے گھوٹیں۔ گھوٹتے وقت ہاتھ سے مت ملیں تب اس کو ۵ منٹ تک کے لیے ابالیں۔ پھر ایک چھلنی لے کر اس میں ململ کا کپڑا پھیلائیں اور یہ قوام اس میں چھان کر اور چھلکا علیحدہ کر کے پھینک دیں اگر یہ قوام ۲ سیر کے قریب ہو تو اس میں مندرجہ ذیل مصالحہ جات شامل کریں

| | | | |
|---|---|---|---|
| پیاز کتر کے ...... | ۴ چھٹانک | لہسن کی پوتھی ...... | ۲ عدد |
| لونگ ثابت ...... | ½ تولہ | گرم مصالحہ ...... | ۱ تولہ |
| جوتری ...... | ¼ تولہ | اعلیٰ سرکہ ...... | ۲ چھٹانک |
| کھانڈ ...... | ½ سیر | نمک ...... | حسب ضرورت |

لال مرچ ...... ½ تولہ

ترکیب :۔ ٹماٹروں کے رس میں گرم مصالحہ، پیاز، لہسن کی کپڑے کی پوٹلی باندھ کر ڈال دیں۔ ایک چھٹانک کھانڈ بھی ملا دیں۔ باقی کھانڈ آدھا وقت گزرنے پر ملا دیں۔ اور مصالحہ کی

پوٹلی نکال لیں۔ جب یہ مرکب ½ حصّہ رہ جائے اور شہد کی طرح گاڑھا ہو جائے تب نیچے اُتار کر نمک کو اچھی طرح ملا لیں۔ ٹماٹروں کی چٹنی تیار ہے۔ اب اس کو سٹرلائیز کیے ہوئے جاروں میں بھر لیں۔ اس سے یہ چٹنی جتنی مدت رکھنا چاہیں خراب نہیں ہوگی۔ جاروں کو پانی کی کڑاھی میں ڈبو کر آگ پر رکھیں۔ پانی اُبلنے پر بتدریج ٹھنڈا کر لیں۔ اس کو سٹرلائیزڈ جار کہتے ہیں۔

## کھیرے کا رائتہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| کھیرا | ...... آدھا سیر | دہی | ....... ایک پاؤ |
| پیاز | ........ دو گنٹھی | سبز مرچ | .... حسب ضرورت |
| پودینہ | .... حسب ضرورت | سفید زیرہ | .... ایک چمچ |
| نمک | ..... حسب ضرورت | سرخ مرچ | .... حسب پسند |

ترکیب: کھیرے کو چھیل کر کدوکش کر لیں۔ اس میں سے پانی نچوڑ لیں۔ پھینٹی ہوئی دہی میں اُسے ملا دیں۔ ساتھ ہی کتری ہوئی سبز مرچ، سرخ مرچ، نمک زیرہ پودینہ کتر کر ملا دیں۔ سارے آمیزے کو اچھی طرح ملا دیں۔ گرمیوں میں کھانا بہت مفید ہوتا ہے۔

---

## ابتدائی طبی امداد اور نسخے

جلنا: اگر کھولتے ہوئے پانی یا کسی مشروب سے کوئی حصّہ جسم جل جائے۔ تو وہ حصہ برف سے پانی میں ڈبویا جائے یا اس پر برف کا پانی ڈالا جائے۔ ایسا کرنے سے سوزش جلد دور ہو جاتی ہے۔ درد میں افاقہ ہوتا ہے اور زخم مندمل ہونے میں مدد ملتی ہے۔ جلے ہوئے حصہ پر برف کے چورے کی پوٹلی رکھنا بھی مفید ہوتا ہے۔ جلی ہوئی جگہ کو خوب ٹھنڈے پانی سے بھگویا جائے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ خشک کرنا چاہیے۔ زخم کھلی ہوا میں جلد مندمل ہوتا ہے (مرسلہ ایم ے خانی کھمریا پوری)

# مُسلم کی ذمہ داری فرائض اور اُسکی ضروریات

بقلم شبنم ابرار بنت محمد سعید صدیقی طالبہ جامعۃ الصالحات شہر مالیگاؤں مہاراشٹر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جاندار، ذی عقل بنایا۔ ہوا، پانی غذا، زوج مکان تعلیم سماج اسکی ضروریات ہیں، بالکل اسی طرح ایک تابع فرمان مُسلم کا کلمہ، نماز، روزہ زکوٰۃ حج تسبیحات، مستحب و نفل عبادات اُسکی آخرت کی کامیابی کیلئے ضروریات ہیں۔ مُسلم کی ذمہ داریاں گناتے ہوئے قرآن پاک کہتا ہے کہ اُمتِ وَسَط کے ہر فرد پر پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اسی زمین پہ انسانوں کے بگاڑ کو حکمت عملی اور تدابیر سے حتی الامکان مٹائے دور کرے، برائیوں کو دفعہ کرے بھلائیوں کو وجود میں لائے۔

انسانوں میں بگاڑ کی کیا شکلیں ہوا کرتی ہیں؟ یہ خرابیاں کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ اور انھیں کس طرح دور کریں۔ یہ اور اس طرح کے سوالات اور انکے حل خود اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم کے تحقیقی مطالعہ تدبُّر اور مسلسل تلاش سے ہمیں ہاتھ آجاتے ہیں۔ زمین میں بسنے والا کوئی ذی عقل یوں نہیں کہہ سکتا کہ ضروریات پوری کر لینے سے فرائض اور ذمہ داریاں بھی آپ سے آپ ادا ہوتی چلی جاتی ہیں بلکہ وہ تو یوں کہئے کہ انسان کی ضرورت اور چیز ہے اسکی ذمہ داری علیحدہ چیز ہے گویا دو علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔

اس حقیقت کو مثال سے یوں سمجھئے جیسے ایک شخص مکان سے دفتر جانے کے پہلے تیاری کرتا ہے۔ غسل کرتا ہے، خدا کی یاد عادتاً کرتا ہے، سامان لاتا ہے ناشتہ کرنے کے بعد کپڑے زیب تن کرتا ہے سائیکل یا سواری سے دفتر یا کارخانے میں ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتا ہے۔ دوپہر کے وقفہ میں کچھ آرام اور توشہ دان سے فارغ ہوتا ہے، شام میں گھر لوٹتا ہے اور بیوی بچوں دوستوں میں طبیعت بہلاتا ہے گھر سے دفتر پہنچنے تک جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اسکی ضروریات ہیں ڈیوٹی نہیں ہے۔ کارخانے میں

پہنچنے کے بعد جو کام اُسنے اپنے عہدہ یا منصب پر رہ کر انجام دیا وہ اُسکی ذمّہ داری، ڈیوٹی کہلاتی ہے اسی طرح ایک ایمان والے مُسلم کی نماز روزہ تلاوت ذکرو تسبیح، حج زکوٰۃ اُسکی ایسی لازمی ضروریات ہیں جنھیں ہر حال میں مرتے دم تک ایک مُسلم کو کرتے رہنا ہے پابندی سے کرنا ہے اِن سے فرار یا چھوٹ نہیں ہے مُسلم کی ڈیوٹی (ذمّہ داری) یہ ہے کہ وہ فساد اور برائی کی ہر شکل کو زمین سے مٹانے یا مٹانے کی پیہم جدّوجہد کرے اور مرتے دم تک کرتا رہے۔

اب اگر کوئی ملازم یا ہنر مند پیشہ ور کاریگر رات دن اپنی ضروریات اور تیاری ہی پوری کرتا رہے اور ڈیوٹی پر نہ جائے یا آفس میں اپنا کام نہ کرے تو اسے اُسکی ڈیوٹی سے غیر حاضر مانا جاتا ہے بالکل اسی مثال سے یہ بات بھی آپ کے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کوئی ایمان والا بندۂ خدا وِردِ کلمہ، شکلِ نماز، انفرادی طور پر زکوٰۃ وحج کی ادائگی، قرآن کی فقط تلاوت برائے ثواب بخشش، وعظ و تاکید بزبان بغیر عمل تک محدود رہ جائے، اپنے زمانۂ حاضر میں عملی زندگی سے شہادتِ حق۔ دینِ حق کی عمل سے گواہی ادا نہ کرے تو اللہ کے نزدیک حقیقت حال میں ایسا ایمان والا اپنی ذمّہ داری سے فرار اختیار کئے ہوئے ہے بالفاظ دیگر وہ اپنی ذمّہ داری پوری نہیں کر رہا ہے۔ گویا اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہے!

ایسی بے بسی میں زندگی کے اوقات امتحان کی مدّت گزارنے والے غافل انسان کو کس نے سمجھا دیا کہ نبیوں، شہیدوں اور شہادت حق کے مجاہدوں کو ملنے والی یہ ارزاں جنّت اسی گنہ گار بے عمل کو ذمّہ داری ادا کئے بغیر اللہ تعالیٰ منصف اعلیٰ والحاکم الحاکمین جبّار و قہّار مالک یوم الدین دینے والے ہیں

اے مخاطبِ انسان! تیری گمراہی کی علامت یہ ہے کہ تو اللہ کے رسُولؐ کو رہبر زبان سے کہتا ہے۔ اور عقیدت مندی اللہ کے رسولؐ سے نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں سے ہے جنھیں تو، اور تیرا دل پسند کرتا ہے۔ تو پیروی اُن کی کرتا ہے جن سے تجھے عقیدت ہے۔ تلاوت بلاشبہ اللہ کی کتاب کی کرتا ہے لیکن عمل اللہ کی کتاب پر نہیں کرتا بلکہ اپنے بنائے ہوئے مُرشد کی مرضی کے مطابق کرتا ہے اور اللہ ورسول کے خلاف ورزی کرتا ہے احکام خداوندی بجالانے کی بجائے اللہ نافرمان بندوں کی اطاعت کرتا ہے۔ کیا یہی ہے ایمان باللہ والآخرت کا تقاضہ؟

# اُمّت مسلمہ کی ذمّہ داریاں

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم محمدؐ و آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد

محترم خواتین اور اسلامی بہنو! اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہم سب خواتین کو اسلام اور دین حق کی خدمت سے سرفراز فرمایا اور پھر اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرما کر اپنے دین کا خادم بنایا۔ اس کے بعد ہزاروں درود و سلام نازل ہوں سیدنا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جن کے ذریعہ سے ہدایت کی سیدھی راہ نصیب ہوئی اور آخرت کی نجات کا راستہ ملا۔

محترم خواتین! میرے اندر اتنی صلاحیت او ہیں ہے۔ کہ آپ حضرات کے سامنے کسی اہم عنوان پر تقریر کر سکوں لیکن چونکہ دینی کتابوں کے مطالعہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ جذبہ اپنے اندر محسوس کر رہی ہوں کہ کہیں موقع ملے تو مسلم خواتین کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ان کے سامنے ۰ اسنح کرنے کی کوشش کروں تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور دین حق کی خدمت انجام پا سکے۔

محترم بہنو! میرا مطالعہ یہ ہے کہ ہر دور میں سماج کے اندر عورت کو عنوان بنا کر اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہمیشہ افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے عورت کی صحیح پوزیشن کبھی اس پر واضح نہیں ہو۔ چنانچہ کبھی تو عورت کو سماج میں انتہائی ذلیل سمجھا گیا اور بہت ہی پست اور کم عزت کا مقام دیا گیا۔ اور کبھی اتنا

اُونچا اُٹھایا گیا کہ عورت کو دیوی بنا کر اس کی پرستش کی جانے لگی کبھی تو مردوں نے عورت
کو اپنی ہوس اور خواہشات کا شکار بنانے کے لئے اس کی مظلومیت سے فائدہ اٹھایا اور
اسے غلط طریقہ سے استعمال کیا اور کبھی آزادئ نسواں کی روح ان کے اندر پھونک کر اور
تحریک چلا کر ان کے دائرے کار سے نکال کر بے حجاب کر دیا گیا۔ اور مردوں کے دوش
بدوش ہر میدان میں لاکھڑا کیا گیا۔ غرضیکہ عورت ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار ہوتی رہی اور
ظلم و ستم کا نشانہ بنی رہی، اور آج بھی اسی طرح کا ماحول پایا جارہا ہے ۔ اس میں کوئی
شبہ نہیں ہے کہ سماج اور معاشرہ میں عورت کو ہمیشہ ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔
دنیا میں جب کبھی بھی کوئی انقلاب آیا ہے۔ اور انسانیت پر اس کے دو اثرات پڑے
ہیں تو اس میں عورتیں برابر کی شریک کار رہی ہیں۔ بغیر عورتوں کی معاونت اور شرکت
کے انقلاب نہ کبھی پائدار ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ دنیوی گاڑیوں کی طرح
انسانی سماج کی گاڑی بھی دو پہیوں کے بیلنس پر چلتی۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ انہیں
دونوں پہیوں سے انسانی سماج اور معاشرہ کی گاڑی اپنی منزل طے کرتی ہے۔ مرد اور
عورت سے مل کر خاندان بنتا ہے۔ اور چند خاندانوں سے مل کر سماج اور معاشرہ
وجود میں آتا ہے۔ اور سماجوں اور معاشروں سے بڑے بڑے ملک بنتے ہیں اور ملکوں
سے مل کر اتنی بڑی دنیا آباد ہوئی ہے۔ اور دن بدن اس کی آبادی میں ترقی ہوتی
جارہی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کی شرکت کے بغیر کوئی انقلاب بالخصوص صالح
اور پاکیزہ انقلاب وجود میں آجائے۔ اس لئے سماج اور معاشرہ میں مردوں کی طرح
عورتوں کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ مگر افسوس کہ تعلیم اور بالخصوص صحیح تعلیم نہ ہونے
کی وجہ سے عورتوں کو اپنے مقام کی صحیح حیثیت معلوم نہیں ہے۔ اور ہمیشہ غلط طریقے سے
شیطان کے بہکاوے میں آکر استعمال ہوتی رہی ہیں جس پر جتنا بھی صدمہ کا اظہار کیا

جائے، کم ہے۔

محترم خواتین! جب یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو ایسے اوصاف سے نوازا ہے کہ جن کے ذریعہ آپ معاشرہ اور سوسائٹی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہیں تو پھر آپ کو اپنے اندر سے احساسِ کہتری کا جذبہ نکالکر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام بھیج کر آپ حضرات کو اپنے فضلِ خاص اور مہربانیوں سے نوازا ہے مثلاً آپ حضرات خود سوچیں کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ اور کیا تاریخ اس پر گواہ نہیں ہے کہ عرب میں حضورؐ کی بعثت سے قبل بچیوں کو زندہ زمین میں دفن کرنے کی جاہلانہ بُری رسم پائی جاتی تھی لیکن اسلام نے اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ وراثت میں عورتیں محروم رہتی تھیں۔ اور کوئی بھی مذہب اس رواداری کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر اسلام نے عورتوں کا وراثت میں حصّہ مقرر فرمایا۔ ایک عورت ماں بن کر بیٹے سے، بیوی بن کر شوہر سے، لڑکی بن کر باپ سے، اور بہن بن کر بھائی سے وراثت میں حصّہ لے سکتی ہے۔ اسلام ہی نے عورت کو یہ مقام دیا ہے کہ عدالت میں گواہی دے سکتی ہے اور اس کی گواہی معتبر قرار پائے گی۔ عدالت میں فصلِ مقدمات تک کا فریضہ انجام دے سکتی ہیں۔ پردہ کے حدود میں لوگوں کو قرآن و حدیث کا درس دے سکتی ہے۔ اور دین کے اہم مسائل پر اظہار خیال بھی کر سکتی ہے۔ اسلام ہی نے دائمی بیوگی اور ستی کی بُری رسم کو ختم کیا اور تعلیم دی کہ عورت کو مدت العمر بیوہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دوسری شادی کر سکتی ہے۔ مرد کو اگر اسلام نے طلاق کا حق دیا ہے تو عورت کو خلع فسخ اور خیار بلوغ کا حق عطا فرمایا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کی مرضی کو اسکی شادی کے لئے ضروری قرار

دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے بے شمار حقوق ہیں کہ جن سے اسلام میں عورتوں کو نوازا گیا ہے اور ان کو معاشرہ اور سماج میں عزّت کا مقام عطا کیا گیا ہے۔

محترم بہنو! عرب میں مکّہ کے اندر جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو سب سے پہلے ایک خاتون ہی نے بڑھ کر اسلام کو قبول کیا تھا۔ جن کا نام حضرت خدیجہؓ تھا۔ مکّہ میں جب مسلمان مردوں اور عورتوں پر ظلم وستم ڈھایا جانے لگا تو سب سے پہلے ایک خاتون ہی نے اپنا خون پیش کیا تھا۔ اور اللہ کی راہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ جن کا نام حضرت سمیہؓ ہے۔ عرب میں اسلام کے غلبہ وترقی میں عورتیں اگر آگے نہیں تھیں تو پیچھے بھی نہیں تھیں۔ بلکہ دین کی دعوت اور اس کے قیام کی کوشش میں برابر کی شریک رہیں اس لئے آج کے دور میں بھی عورتوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی شکر گذاری میں لگ جائیں اور احساس کہتری میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے مقام وحیثیت کو پہچانیں اور اپنی دینی واسلامی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کریں ——— اسلام اور دین حق صرف مردوں کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ عورتوں کے لئے بھی آیا ہے۔ قرآن پاک کے مخاطب جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہیں۔ آخرت میں مردوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی عدالت میں عورتوں کی حاضری ہوگی اور جواب دہی کرنی ہوگی۔ کوئی عورت قیامت کے دن یہ کہکر فرصت نہیں پائے گی کہ اس کے گھر کے لوگ دین دار تھے۔ حاجی اور نماز کے پابند تھے، عالم اور دین کا کام کر رہے تھے بلکہ تمام عورتوں کو اپنی اپنی ذمّہ داریوں اور اعمال کے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی ذمّہ داریوں کو محسوس کر اور اپنی صلاحیتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں اسلام اور دین حق کے لئے صرف کرنے کی کوشش کریں۔

محترم خواتین اور اسلامی بہنو! اس موقع پر میں آپ حضرات کے سامنے چند مشورے پیش کرنا چاہتی ہوں مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات ان مشوروں پر توجہ دیں گی اور غور فرمائیں گی۔ میرا پہلا مشورہ یہ ہے کہ آپ حضرات اپنے علم میں اضافہ کریں، دین اور اسلام سیکھنے کا اہتمام کریں جیساکہ اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علم دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض اور ضروری ہے۔ مطالعہ کے ذریعہ آپ حضرات دین اسلام کا صحیح فہم وشعور حاصل کرسکتی ہیں۔ اور دین کا صحیح تصور مل سکتا ہے۔ دین کا صحیح علم حاصل کئے بغیر آپ نہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکتی ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات وخوشنودی حاصل کرسکتی ہیں۔ اور نہ دین کی صحیح خدمت ہی انجام دے سکتی ہیں۔ مطالعہ میں سب سے پہلے قرآن پاک کا مطالعہ مقدم ہے۔ تفسیر اور ترجموں کے ذریعہ قرآن اور حدیث کا سمجھنا اب کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں نے رات دن محنت کرکے مختلف زبانوں میں ترجمہ تفسیر اور تشریح کرکے سمجھنا آسان کردیا ہے۔ اسی طرح بزرگان دین اور اللہ کے مخلص اور نیک بندوں اور خواتین کی سیرتوں کا مطالعہ بھی کرنا چاہئے اور صالح اسلامی لٹریچر اور دینی کتابوں کا تو بے حد ضروری ہے۔ غرضیکہ مطالعہ کے ذریعہ دینی معلومات میں اضافہ اور اسلام کا صحیح فہم وشعور حاصل کرنا آپ حضرات کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ میرا مطالعہ تو یہ ہے کہ اسلام سیکھنے کے ساتھ ہی ساتھ باطل نظریات لادینی افکار اور غیر اسلامی خیالات کے بارے میں بھی اچھی طرح واقفیت اور معلومات حاصل کرنی چاہیئے تاکہ باطل خیالات کو آپ رد کرسکیں اسلام پر جو غلط قسم کے اعتراضات کئے جارہے ہیں۔ اس کا دفاع کرسکیں اور ان کے بالمقابل اسلام کو صحیح انداز سے پیش کرسکیں۔

اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر دین کے بارے میں صحیح معلومات آپ کو نہ ہوں گی تو دین کا کام آپ کیسے کر سکیں گی اپنی ذمہ داریوں اور دینی تقاضوں کو کیسے پورا کر سکیں گی اگر کسی جاہل آدمی سے مہلک بیماری کا علاج کرایا جائے تو انجام ظاہر ہے کہ موت کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر اناڑی شخص بس کی ڈرائیوری کرنے لگے تو یقیناً بس کسی گھڈ میں گرے گی اور مسافروں کا ہاتھ پیر ٹوٹے گا۔ اگر آپ تیراکی کا فن نہیں جانتی ہیں۔ اور تالاب یا نہر یا دریا میں آپ تیرنے لگیں تو چند ہی لمحے بعد ڈوب جائیں گی۔ یہ بات بالکل واضح اور غیر مبہم ہے کہ آدمی بغیر مہارت کے فن کا مظاہرہ نہیں کر سکتا پھر یہ بات کیسے ممکن ہے کہ علم دین سیکھے بغیر آپ دین کا صحیح کام کر سکتی ہیں اس لئے میرا پہلا مشورہ ہے کہ آپ حضرات مطالعہ کے ذریعہ دین کی معلومات حاصل کریں اور اپنے علم میں اضافہ کی کوشش کریں

محترم خواتین! میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ دین کا علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ہونا چاہیئے۔ صرف منزل کی صحیح راہ کا علم ہرگز منزل تک نہیں پہنچا سکتا جب تک کی اس راہ پر سفر نہ کیا جائے۔ آج کے دور میں اہلِ علم خواتین کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین بھی آپ کو اچھی خاصی تعداد میں ملیں گی۔ لیکن ان میں بہت کم خواتین ایسی ہیں جو اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو مزین رکھتی ہوں۔ اور دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کرتی ہوں۔ آج اُمّت مسلمہ کے ذریعہ اسلام کو جو عظیم نقصان پہنچ رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمان مردوں اور خواتین کی زندگیاں اسلام کے خلاف پائی جارہی ہیں۔ اور دین حق کا صحیح نمونہ دنیا کے سامنے ہماری زندگیوں سے نہیں آرہا ہے۔ اور اسلام کی غلط نمائندگی کی جارہی ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اس پر توجہ دلائی گئی ہے۔

کہ اے ایمان والو! تمہاری زندگی میں قول اور عمل کا تضاد نہیں پایا جانا چاہیئے۔
دورنگی زندگی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ قول وعمل کا تضاد اللہ برتر کے غضب کو
بھڑکانے کا موجب ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس طرز عمل سے بچنا چاہیئے۔ صرف علم
حاصل کر لینا اور معلومات میں اضافہ کر لینا ہی کافی نہیں ہے۔ آج کے دور میں بھی تعلیم
یافتہ حضرات اور خواتین کی کمی نہیں ہے۔ لیکن کتنے اللہ کے بندے دین کے لئے مضطرب
اور بے چین نظر آرہے ہیں۔ اور ان کی زندگیاں اسلام کا نمونہ ہیں عقائد کے سلسلہ میں
اگر دیکھا جائے تو شرک بدعت جاہلی رسوم قبر پرستی اور تعزیہ داری، ٹونا ٹوٹکا اور تعویز
گنڈوں کی کثرت اُمّت مسلمہ کی زندگیوں میں پائی جارہی ہے۔ دراصل یہ سبب ہے
اس بات کا علم رکھنے کے باوجود دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کا مخلصانہ جذبہ نہیں پایا
جارہا ہے۔ دور اوّل کے مسلمانوں کی زندگی میں یہی رسوم اور نمونہ ملتا ہے کہ اللہ کے
رسول سے جس قدر دین کا علم انہیں حاصل ہوتا تھا تو ساتھ ہی اس کی محبت لگن اور دلی
تعلق بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ اور فوراً اپنے آپ کو عمل صالح کے لئے آمادہ کر لیتے تھے۔ اور
یہ صفت صرف صحابہ کرامؓ ہی کے اندر نہیں پائی جاتی تھی بلکہ حضرات صحابیات کی
زندگیوں سے بھی ہمیں یہی نمونہ ملتا ہے۔

اسلامی بہنو! میرا تیسرا مشورہ یہ ہے کہ دین اسلام کا جس قدر شعور اور علم حاصل
ہو تو صرف ان پر عمل کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ دوسری خواتین کے اندر اس کی دعوت
بھی پیش کرنی چاہیئے۔ حق اور خیر کی طرف دعوت دینا اور اس کے ساتھ ہی معروف اور
نیکیوں کو پھیلانا، منکر اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا، ماحول و معاشرہ کی اصلاح میں
رات دن لگے رہنا، برائیوں سے سماج کو پاک کرنا اور دوسروں کی امداد کے لئے ہر وقت
کوشش کرتے رہنا اسی مقصد کے لئے ملاقاتیں کرنا لوگوں سے دعوتی ربط و تعلقات

یدا کرنا دینی اجتماعات کرنا خطابات کا اہتمام کرنا چھوٹے بڑے مسلسل اجتماعات کرتے
ہنا قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی بہت بڑی اور
ظیم ذمہ داری ہے۔ یہی طریقہ اور اُسوہ دورِ اوّل کے صحابہ کرام اور اسلامی خواتین میں
یں ملتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی مشن تھا، مگر افسوس کہ آج ہماری بہنیں
ں احساس سے خالی ہیں۔ اور اپنی ذمہ داریاں محسوس نہیں کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت
ہے کہ خاندان اور معاشرہ کی اصلاح میں ہماری خواتین بہت بڑا اہم کردار ادا کرسکتی
یں۔ ایک عورت اپنے شوہر کو، ایک لڑکی اپنے باپ کو، ایک بہن اپنے بھائی کو حق
ی طرف موڑ سکتی ہے۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عمرؓ کو حق
ی دعوت نہیں دی تھی اور اپنی بے مثال استقامت وحکمت سے بھائی کو اسلام قبول
رنے کی طرف مائل کر دیا تھا۔ کیا حضرت اُم المؤمنین اُم حبیبہؓ نے اپنے باپ حضرت
بو سفیانؓ کو حق کی طرف نہیں موڑا تھا۔ اور پوری جرأت کے ساتھ دین کی دعوت پیش
ی تھی۔ کیا حضرت اُم حکیمؓ نے اپنے شوہر عکرمہ ابن ابو جہل کو کئی دن تک تلاش کرتی رہیں
ور جب تک آنحضور کی خدمت میں اور اسلام کی گود میں لا کر نہیں ڈال دیا تھا ان کو
کون وچین نصیب نہیں ہوا۔ کیا ہماری خواتین گھر کے تمام مردوں کو اس بات پر آمادہ
ہیں کرسکتی ہیں کہ انہیں عسرت اور تنگی کی زندگی پسند ہے لیکن رشوت کا مال گھر
ں نہیں آنا چاہیئے۔ اکلِ حلال اور پاکیزہ روزی خواہ مختصر ہو لیکن اس حرام مال سے
زار درجہ بہتر ہے۔ جو دوسروں کا غصب کرکے حاصل کیا گیا یا حرام طریقہ سے حاصل
یا گیا ہو اور بینک بیلنس بنایا گیا ہو اسی طرح خواتین پھوپھیوں اور نندوں کی وراثت
ی طرف بھی خوبصورتی کے ساتھ موڑ سکتی ہیں۔ اور ان شاء اللہ اس کا اثر مرتب ہوگا۔ امام
غزالیؒ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے کہ بچوں وبچیوں کی اصلاح کی زیادہ تر ذمہ داری

پر ہوتی ہے۔ بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ ماں صرف دودھ ہی نہیں پلاتی ہے
اخلاق کردار اور اپنے تمام اوصاف دودھ ہی کے ساتھ بچے کو پلاتی رہتی ہے۔ اور بچہ
کی گود ہی سے بہت کچھ تربیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت
کی تمام ذمہ داری والدین پر ہوتی ہے مگر آج کتنی خواتین ہیں۔ جو اپنی اس ذمہ داری
کو محسوس کرتی ہیں۔ آج مغربی تہذیب بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے۔ اور دور
دور تک اس کے اثرات پہنچ رہے ہیں آزادئ نسواں کی تحریک شہر کے کلب گھروں
سینماؤں پارکوں اور تفریح گاہوں سے نکل کر دیہات تک زور پکڑتی جا رہی ہے۔ اور
اس کے باعث صنفی آوارگی، فحاشی، بے پردگی، بے حیائی، عریانیت کی وبا عام ہو
گئی ہے۔ اسی طرح تقریبات اور شادی بیاہ وغیرہ میں غیر اسلامی جاہلانہ مشرکانہ رسوم
عام پائی جا رہی ہے۔ ان برائیوں کے انسداد کی ذمہ داری کیا ہماری اسلامی بہنوں پر
عائد نہیں ہوتی ہے۔ اگر خواتین ان خرافات، بدعات، غیر اسلامی اعمال کی اصلاح کے
لئے اجتماعی جد و جہد کے لئے منظم ہو جائیں اور زوردار تحریک شروع کر دیں تو میں
یقین دلاتی ہوں کہ انشاء اللہ جس طرح سے دور اوّل میں پاکیزہ معاشرہ وجود میں
آیا تھا۔ آج بھی اسی طرح کا صالح انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اتنے اعلیٰ مقصد
کے لئے اجتماعی جد و جہد شروع کر دی جائے۔

محترم خواتین! میرا چوتھا اور آخری مشورہ یہ ہے کہ جب یہ کام اجتماعی طور پر
آپ شروع کریں گی تو نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ انبیائی مشن
ہے۔ اور ہر انقلابی کام میں دشواریوں کا مرحلہ لازماً آتا ہے۔ قدم قدم پر کشمکش تصادم
اور مخالفتیں شروع ہو جائیں گی بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مرحلہ قید و بند اور
ظلم و ستم کی منزل بھی سامنے آ سکتی ہے۔ اس لئے اس کام کے ساتھ ہمیں صبر و تحمل

[illegible] صفت پیدا کرنا چاہیے۔ یوں تو ہر مومن مرد اور ہر
مومن عورت کو آزمائش کے مرحلے سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ مگر جب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان کی جانچ اور اعمالِ صالحہ کے امتحان کے لئے آزمائش آ ہی جائے
تو پھر استقامت کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ دورِ اوّل کی اسلامی خواتین سے ہمیں اسی
طرح کا نمونہ ملتا ہے، ہجرت کے موقعہ پر، جہاد کے موقعہ پر، ظلم وستم کے موقعہ پر، غربت و
افلاس کے موقعہ پر، غرضیکہ ہر آزمائش میں وہ کامیاب رہیں اور کبھی صبر و توکل اور استقامت
کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور انہیں جنت
اور رضائے الٰہی کی بشارت دنیا ہی میں سنا دی گئی۔ آج باطل تحریکات اور غلط کاموں
کے لئے کتنے حضرات ہیں جو ہر طرح قربانیاں دینے سے قطعاً نہیں گھبراتے تو کیا اللہ کے
دین اور اسلام کے غلبہ کے کام کے سلسلہ میں قربانیاں نہیں دی جا سکتی ہیں، یقیناً دی جا
سکتی ہیں۔ اور اس قربانی میں ہماری بہنیں پیچھے نہیں رہ سکتی ہیں بشرطیکہ ایمان میں پختگی
ہو دین سے محبت، اسلام سے مخلصانہ لگاؤ ہو اور اعمالِ صالحہ کا جذبہ پایا جائے۔

بس یہ چند مشورے ہیں جو میں نے اپنی علمی کمی کے باوجود آپ کے سامنے پیش کئے ہیں
اگر آپ کے لئے ان باتوں میں کوئی کشش ہو یا میری بات آپ حضرات کے دل اور دماغ کو اپیل
کر رہی ہو تو میں بہت ادب کے ساتھ گذارش کروں گی کہ ٹھنڈے دل سے میری معروضات
پر غور فرمائیں انشاء اللہ آپ ان گذارشات کو اپنے اور دین کے حق میں مفید پائیں
گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب خواتین کو اپنے دین کا صحیح علم و شعور عطا فرمائے۔
اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشے اور اجتماعی طور پر اپنے دین کے غلبہ کے لئے کوشش کی بھی توفیق
عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ عزت جہاں رکن جماعت اسلامی محمد پور

ڈاکٹر تنویر

# ان سے ملئے

بہت زیادہ شراب چڑھ جانے یا اس کے مضر اثرات کو ختم کرنے کیلئے آجکل امریکہ میں بند گوبھی کے عرق کا استعمال بڑے زوروں پر ہے۔ اس سے شراب کی بیماریوں کا سدِ باب بھی کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ صدیوں پہلے ایک رومن سینیٹر نے قانون بنایا تھا کہ کسی بھی دعوت میں جو لوگ شراب نوشی کی خواہش رکھتے ہوں وہ پہلے سرکہ میں بھیگی ہوئی بند گوبھی کھائیں۔

امریکہ اور روس میں نئی ایجادات سے پتہ چلا ہے کہ بند گوبھی کے عرق سے پیٹ کے زخم (Peptic Ulcer) کسی بھی دوا کے مقابلہ بہت جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بند گوبھی کو غریبوں کا ڈاکٹر کہا جاتا تھا۔ پہلے اسکے پتے زخم پر بھی باندھے جاتے تھے۔ کسی بھی طرح کی چوٹ، پھوڑے اور گھاؤ کے لئے مفید سمجھی جاتی تھی کیڑوں کے کاٹنے یا ڈنک مارنے پر بھی اسے باندھا جاتا تھا۔ چہرے کی پھنسیاں دور کرنے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

دیہات میں اب بھی اسکا استعمال دوا کے طور پر کافی کیا جاتا ہے۔ جسم کے کسی بھی حصہ میں درد کی شکایت رفع کرنے کیلئے اسکے پتہ کو گرم کر کے رکھنا چاہیئے۔ آئرلینڈ میں گلا خراب ہونے پر بند گوبھی گرم کر کے گلے کے چاروں طرف لپیٹ دی جاتی ہیں۔ اور عرق پینے کیلئے دیا جاتا ہے فرانس میں اب بھی خواتین کے پیٹ اور پیر کے درد میں گرم کر کے سینکنے کا رواج ہے۔ پیٹ کے زخم کیلئے اس کا عرق ہمیشہ تازہ دیا جاتا ہے۔ پیٹ میں تیزاب کی شدت Hyperacidity او کھانا مشکل سے ہضم ہونے Indigetion میں بھی اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے بند گوبھی اگر کچی کھائی جائے تو بھی سبھی اجزاء آسانی سے مل جاتے ہیں اسے دوسری سبزیوں، پھلوں کے ساتھ ملا کر سلاد کی شکل میں بھی کھایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر سویر

# آلو

پرانے زمانے میں آلو کا استعمال بڑے عجیب و غریب انداز میں کیا جاتا تھا۔ انگریز گٹھیا کے مرض میں کچے آلو ساتھ لیکر چلتے تھے۔ ایک وقت میں آلو کی اہمیت اس قدر تھی کہ خواتین اپنی خوبصورت پوشاکوں میں آلو رکھنے کے لئے خاص جیبیں بنواتی تھیں۔ آئرلینڈ میں گلا بیٹھ جانے پر اُبلا آلو گرم کپڑے میں لپیٹ کر گردن کے چاروں طرف باندھ لیا کرتے تھے۔ فرانس میں بھی جوڑوں اور کمر کے درد میں کچا آلو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اور سوکھ جانے پر پھر نیا آلو رکھ لیتے تھے۔ سمندر کے سفر میں سر درد، چکر متلی وغیرہ کی تکالیف میں لیموں کے استعمال سے قبل کچا آلو کھانے کا رواج تھا۔

آج بھی آلو کی اہمیت کم نہیں، دل کی بیماری جس کی وبا آج سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے، آلو اس کا بہترین علاج ہے۔ آلو میں پوٹیشیم (Potassium) کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دل کی بیماریوں سے متعلق امریکہ میں ہو رہی کوشش سے پتہ چلتا ہے کہ خون میں پوٹیشیم (POTASIUM) کی کمی سے دل کی بیماریوں کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

پرانی کہاوت ہے کہ آلو کے چھلکے کی پتلی پرت کے نیچے سارے عناصر موجود ہوتے ہیں، کہاوت غلط نہیں ہے اس میں پروٹین، فولاد، کیلشیم، وٹامن سی اور بی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر دوسرے کاربوہائیڈریٹس غذا میں نہیں پائے جاتے۔ وٹامن سی کا انحصار موسم پر ہوتا ہے۔ نئے آلو میں یہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور سردیوں کے آخر میں اس کی مقدار سب سے کم رہ جاتی ہے۔

موٹا چھلکا اتارنے، بہت زائد ابالنے، بار بار گرم کئے جانے سے آلو کے وٹامن ختم ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ آلو کو کاٹنے کے بعد پانی ہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے تو آلو کا کوئی عنصر باقی ہی نہیں رہتا۔ ایک سائنسدان نے کہا کہ آلو پانی میں چھوڑ دینے کے بعد آلو کھانے سے بہتر ہے اس کا پانی پی لیا جائے۔ اور آلو کو پھینک دیا جائے۔

دراصل آلو کھانے والے بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ دھتورے اور تمباکو وغیرہ کی برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ پرانے زمانے میں اس طرح کی سبزیوں سے کچھ درد کم کرنے اور کچھ بے ہوش کرنے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔ آلو کی شاخیں اور پتیاں بھی دھتورے کی طرح زہریلی ہوتی ہیں۔ مگر خدا نے آلو کو اس زہریلی مادہ سے بچانے کا بہت اچھا انتظام کیا ہے کہ آلو شاخوں اور پتیوں سے بہت دور زمین کے اندر پرورش پاتا ہے۔

البتہ کوئی آلو اگر ہرا نکل آئے تو اُسے ہرگز نہیں کھانا چاہیئے۔ گلا، سڑا آلو بھی کافی نقصان دہ ہوتا ہے۔ ۱۹۷۲ء کی ایجادات سے پتا چلتا ہے کہ حمل کے ابتدائی زمانے میں پالا مارا آلو کھا لینے سے ریڑھ کی بیماریاں ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جلی ہوئی کھال پر آلو کا رس بہت مفید ہے۔ چھاجن میں بھی اس کے استعمال سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

# کم قیمت مالاشن

## کچے آم کی لذیذ چٹنی

آم چھیل کر گٹھلیاں نکال لیں۔ اب پودینہ، ٹماٹر، پیاز اور کیریاں پیس لیں۔ تھوڑی سی سبز مرچ بھی ملالیں۔ اب اس مرکب کو دہی میں پھینٹ کر حسب پسند نمک مرچ ملا کر کھائیں بہت لذیذ ہوتی ہے۔

## آم کا اچار

اچار کے لیے مضبوط تخمی آم لیں۔ اچھی طرح دھو کر چار برابر ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ گٹھلی جدا کر دیں۔ اور درج ذیل مسالہ ملالیں۔

آم کے ٹکڑے ا سیر۔ پسا نمک پاؤ بھر۔ میتھی کلونجی ایک پاؤ۔ ہلدی پسی ہوئی ۳ تولہ
آم کے ٹکڑوں میں اچھی طرح۔ ہلدی پسی ہوئی ۳ تولہ۔ پسی ہوئی ۳ تولہ پسی ہوئی
کالی مرچ ½ چھٹانک۔ لہسن ایک گٹھی۔ سرخ مرچ اگر پسند ہو تو ۳ تولہ۔

آم کے ٹکڑوں میں اچھی طرح ایک پاؤ تیل اور دیگر تمام مسالے ملادیں۔ اور شیشے یا مٹی کے روغنی مرتبان میں ڈالکر دھوپ میں رکھ دیں۔ تین دن تک دھوپ میں رہنے دیں۔ اور صبح شام اچار اُلٹ پلٹ کرتی رہیں۔ چوتھے روز باقی تین پاؤ خالص سرسوں کا تیل ڈال دیں۔ ہفتہ کے بعد اچار استعمال کے قابل ہو جائیگا۔ تیل کی سطح ایک انچ بلند ہو کر

# آم کا مربہ

آم بڑے اور اچھے ۱½ سیر۔ چینی دو سیر۔ بادام ایک چھٹانک۔ آم ایسے جنیں جو ترش اور ریشے دار ہوں۔ چھیل کر گٹھلیاں نکال لیں۔ اور قاشیں کاٹ دیں۔ اب ان پھانکوں کو رات کے وقت ٹھنڈے پانی میں بھگو دیں۔ اور اُبلتے پانی میں پھانکیں ڈال دیں۔ یہ پانی تقریباً تین سیر پانی کا جوش کیا ہوا ہو۔ خیال رکھیں کہ زیادہ نہ گل جائے۔ لہٰذا فوراً نکال لیں۔ ان قاشوں کو سفید کپڑے پر پھیلا دیں۔ اب ایک پاؤ پانی میں دو سیر چینی کا شیرہ قوام بنالیں۔ جب تار بننے لگے تو اُتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اور قاشیں اس میں ڈال کر اُبلی ہوئی بادام کی گریاں چھیل کر شامل کردیں۔ کسی شیشے یا مرتبان میں ڈال کر اسکا منہ بند کردیں۔ الائچی وغیرہ بھی شامل کی جاسکتی ہے۔

# آم کی لذیذ چٹنی

اچاری آم منتخب کریں۔ آم کو دھو کر چھیل لیں۔ اور تھوڑے نمکین پانی میں ڈبو دیں۔ تاکہ رنگت سیاہ نہ ہو جائے۔ اب کدوکش کرلیں۔ اور گٹھلیاں نکال دیں۔ خیال رکھیں کہ دو سیر آموں میں سے ایک سیر آم کم وبیش رہ جاتا ہے۔ کیونکہ گٹھلی زیادہ وزنی ہوتی ہے۔ کدوکش کئے ہوئے آم میں چینی اور نمک ملا کر آدھا گھنٹہ پڑا رہنے دیں۔ تمام مسالہ جات کو ڈھیلی پوٹلی میں باندھ کر اس مرکب میں رکھ دیں۔ اور آگ پر پکائیں۔ چمچہ ہلاتی رہیں حتّٰی کہ گاڑھا ہو جائے۔ اب سرکہ ملا کر دوبارہ پکائیں۔ مسالہ والی پوٹلی نکال کر باہر رکھ دیں۔ اور چٹنی کو گرم گرم ہی بوتل میں بھر کر رکھ دیں۔ اور منہ مضبوطی سے بند کردیں۔ اشیاء کا تناسب یہ رکھیں۔

کدوکش کیا ہوا آم ایک سیر۔ گرم مسالہ وغیرہ آدھی چھٹانک۔ چینی ایک سیر۔ نمک ایک چھٹانک۔ سرخ مرچ نصف چھٹانک۔ لہسن کترا ہوا ¼ پاؤ۔ پیاز کترا ہوا ½ پاؤ سرکہ ایک پاؤ۔

(فرحت رافع۔ مظفر گڑھ)

جمادی ثانی رجب
جلد نمبر ۱۴
شمارہ نمبر
مُدیر: مائل خیرآبادی
قیمت چار روپے
حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

قیمت ——— عام شمارہ ——— چار روپیہ

سالانہ چندہ -/۴۵، تحفے کی کتابوں کے لئے پوسٹیج -/۵، کُل پچاس روپیہ

## تحفے کی کتابیں

ہم حجاب کے ہر سالانہ خریدار کو مطبوعات حجاب میں سے ۲۵ روپیہ کی کتابیں بطور تحفہ دیتے ہیں۔ کتابیں یہ ہیں چندہ ارسال فرماتے وقت ان کتابوں میں سے اپنی پسند کی کتابیں ضرور لکھئے۔

○ قرآن میں عورت کی حیثیت -/۵ ○ نقلی شہزادہ ۲/۵۰
○ اسلامی سماج میں عورت کا استحصال (ہندی) -/۶ ○ شہزادہ توحید ۱/۵۰
○ تفہیم القرآن جلد پنجم سورۂ حدید تا طلاق -/۵ ○ نماز کیسے پڑھیں؟ ہندی ۲/۵۰
○ اسٹیٹس آف وومین اِن اسلامک سوسائٹی۔ انگریزی ۷ روپیہ

منیجر مکتبہ حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

اس دائرے میں
سرخ نشان
اس بات کی علامت
ہے کہ
اس شمارے کے
ساتھ آپ کے
سالانہ چندے کی
میعاد ختم ہو گئی۔
آئندہ کے لئے
زرِ تعاون
ارسال فرمائیں!!
'منیجر'

# در پردۂ حجاب

ساجدہ فرزانہ صادق

# پیامِ رسولؐ انام امّت کے نام

ذیل کا پیام حضرت محمّد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ایک موقع پر ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا' یہ پیام حضرت ابوذرؓ ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ساری اُمّت اس کی مخاطب ہے. اس پیام میں اُمّت کے لئے ایسی صفات حسنہ کا بیان ہے' زندگی کے وہ زرّیں اصول ہیں. جن پر کاربند ہو کر ہی انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے. اور حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان ان ارشادات کو اپنی روح میں پیوست کر کے اپنی زندگی کے لئے ان کی روشنی میں لائحہ عمل بنائے اور اس پر کاربند ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کی زندگی سہولتوں امن اطمینان اور سعادتوں کا گہوارہ بن جائے گی. بلکہ باہمی تنازعات کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا

نبی کریم سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:— میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیّت کرتا ہوں. یہی خوف انسان کے تمام کاموں کی اصل ہے قرآن حکیم کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنے لئے لازمی قرار دے لو، اسی سے تمھارا تذکرہ آسمانوں میں ہو گا. اور اسی کے باعث زمین پر تم اپنے لئے نور پاؤگے سنو! ہرگز اپنی زبان پر سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہ لاؤ. اس سے شیطان دور ہو گا اور شیطانی وسوسے تمہارے دل میں راہ نہ پا سکیں گے اور اسی سے تم اپنے دینی کاموں میں امداد پاؤ گے. بہت زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ اس سے دِل مردہ ہو جاتا ہے. اور چہرے کا نور جاتا رہتا ہے. تم ہمیشہ جدّ و جہد میں مصروف رہو.

اداریہ

فروری ۱۹۸۳ء کے حجاب میں "اسلامی اجتماعیت" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا تھا اُسے پڑھ کر حلقہ حجاب کے تمام بھائیوں اور بہنوں نے لکھا "محسوس ہوا کہ کسی اجتماع میں پڑھنے کے لئے یہ مضمون لکھا گیا اور پھر اُسے اُسی طرح حجاب میں دے دیا۔ زیادہ اچھا یہ ہوتا کہ حجاب میں دیتے وقت مضمون کے چند وہ فقرے نکال دئے جاتے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کسی اجتماع کے سامنے خطاب فرما رہے ہیں۔"

جی ہاں۔ بے شک یہ مضمون حلقہ جماعتِ اسلامی یوپی کے بریلی ڈویژن کے سہ روزہ اجتماع منعقدہ ۲۳۔۲۴۔۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء کے لئے امیر حلقہ کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ حلقے کی طرف سے اس کے ذیلی عنوانات بھی دے دئے گئے تھے۔ مجھے اِنہی عنوانات کے تحت لکھنا تھا۔ مضمون ایسی عجلت میں لکھا گیا کہ مجھے نظر ثانی کا موقع بھی نہیں مِل سکا۔ میں دہلی گیا ہوا تھا۔ کئی دن دہلی میں گزارنے کے بعد ۲۰ جنوری کو گھر آیا تو حلقے کا سرکلر یاد آیا۔ ۲۳۔۲۴ اور ۲۵ جنوری کو اجتماع تھا۔ اِدھر فروری کا شمارہ طبع ہو کر آگیا تھا جسے ۲۶، ۲۷ تاریخوں میں پوسٹ کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر پہلے مضمون نہ لکھا گیا تو پھر رہ ہی جائے گا اور میں امیر حلقہ کے سامنے عذر بھی پیش نہ کر سکوں گا۔

مجھے ۲۲ جنوری کو صبح سے پہلے ایک گھنٹہ کا موقع مل گیا۔ اُسی وقت مضمون لکھا جیب میں رکھا۔ اجتماع میں پڑھا۔ اس کے بعد کاتب کو لکھنے کے لئے دیدیا۔ بیشک، وہ چند فقرے اس مضمون سے نکل جاتے جن کی طرف بھائیوں اور بہنوں نے اِشارہ کیا تو مضمون خالص ہو جاتا۔

... مضمون سے جو ذیلی عنوانات دیے گئے

ہیں اُن پر کچھ اور ذیلی عنوانات کا اضافہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اجتماع میں مضمون کیلئے ۲۵ منٹ مقرر تھے اور میرا مضمون ٹھیک ۲۵ منٹ کا ہوگیا تھا۔ اِس لئے میں نے قلم روک لیا۔ ہاں، اجتماع میں کہا کہ اِس مضمون میں چند ذیلی عنوانات کا اضافہ ہو تو مضمون سیر حاصل ہو جائیگا اور وہ عنوانات یہ ہیں ع۱ امیر اجتماعیت ع۲ فرد اور اجتماعیت ع۳ مامور اور امیر کے فرائض اور حقوق ع۴ اجتماعیت کی سالمیت یعنی اجتماعیت کی بقا کے لئے کیا کیا ضروری ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اَبْ وہ مضمون پورا کر سکوں گا یا نہیں۔ ہاں، اس کے بدلے دوسرا مضمون "معرکۂ کفر و اسلام" پڑھئے جس کا عنوان حلقے کی طرف سے یہ شعر تھا:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن    پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

میرا مشورہ ہے کہ اجتماعیت سے متعلق سیر حاصل اور عالمانہ بحث مطالعہ کرنا چاہیں تو مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب کی کتاب ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا نے قرآن اور حدیث کی مدد اور حوالوں سے اِس عنوان کا پورا حق ادا کیا ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ کتاب ایسی جامع ہے کہ مجھے دو جید عالموں نے اِس کے مطالعہ کا مشورہ دیا ع۱ مولانا سیّد احمد صاحب عروج قادری ایڈیٹر "زندگی" نے اور ع۲ مولانا محمد عُزیر صاحب صائب المظاہری امیر مقامی جماعتِ اسلامی رامپور نے۔

**دعا فرمائیں** ۲۶ جنوری کو سرکاری چھٹی تھی۔ ڈاکخانہ بھی بند تھا۔ ۲۷ جنوری کو فروری کا شمارہ پوسٹ ہوا تھا۔ ۲۷ جنوری سے ہی ریل کے اس شعبے کے لوگوں نے ہڑتال کر دی تھی جو رجسٹرڈ اور وی پی بنڈل چھانٹتے ہیں۔ محکمہ ڈاک کے اِس نظم کی داد دیجئے کہ یہ حکم رامپور کے برانچ پوسٹ آفس اِسلام گنج میں ۲ فروری کو آیا۔ بتایا گیا کہ ۲۷ جنوری اور اس کے بعد جو بنڈل پوسٹ ہوئے ہیں وہ سب کہیں ڈھیر ہوں گے۔ اِس سے حجاب کو ایک سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ حجاب کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ (مدیر)

# غزل

مسعود جاوید ہاشمی

اگر حاصل متاعِ غم نہیں ہے
تو پھر دل کا کوئی عالم نہیں ہے

جو تو میرا شریکِ غم نہیں ہے
نہیں ہے تو مرا ہمدم نہیں ہے

اگر یادوں کا وہ عالم نہیں ہے
بناءِ عشق مستحکم نہیں ہے

نہیں تم روبرو تو غم نہیں ہے
تمہاری یاد بھی کچھ کم نہیں ہے

اگر تشویش ہے بے جا ہماری
تو کیا نظمِ جہاں برہم نہیں ہے

خوشی ہو غم ہو جامے سے نہ نکلو
کہاں شادی کہاں ماتم نہیں ہے

بٹی انسانیت رنگ و نسب میں
بنی آدم، بنی آدم نہیں ہے

نہیں دل، دل بھی کہلانے کے قابل
اگر اس میں تمہارا غم نہیں ہے

میسر ہو اگر چشمِ بصیرت
چراغِ رہگذر مدھم نہیں ہے

قرینہ ہے یہی صبر و سکوں کا
وفورِ غم وفورِ غم نہیں ہے

سنو، اے فکرِ نو کے پاسبانو!
مرے زخموں کا یہ مرہم نہیں ہے

کسی کے عہد سے تجھ کو غرض کیا
ترا وعدہ اگر محکم نہیں ہے

نہیں وہ سر اٹھانے کے بھی قابل
جو تیرے آستاں پر خم نہیں ہے

نہیں ہیں یہ مری راہیں نہیں ہیں
اگر ان میں وہ پیچ و خم نہیں ہے

سکوں طوفاں سے پہلے کا ہے جاوید
سمندر میں جو زیر و بم نہیں ہے

# دعوت نامہ

## بنام مائلِ خیرآبادی برائے شرکت اجتماعِ عام پاکستان

احسان اور شکر خدائے کریم کا، جس کی مدد سے سہل یہ جانکاہ غم ہوا
اے مائلِ بخیر و کرم! کچھ خبر ہوئی؟ کیسی ہمارے سر پہ قیامت گذر گئی
دو جنوری کو غم تھا فقیر حسین کا اور چار کو ہمیں مرے نورِ عین کا
دونوں بڑے خلیق سراپا شفیق تھے دینِ خدائے پاک کے مخلص رفیق تھے
حق سے دعا کرو کہ خدا مغفرت کرے اپنے کرم سے دونوں رفیقوں کو بخش دے
ہر صبح و شام خود بھی دعا کر رہا ہوں میں حق مغفرت کرے یہ ندا کر رہا ہوں میں
اور دوسری یہ عرض ہے اے میرے مہرباں اک اجتماعِ عام ہے اپریل میں یہاں
اچھا جناب آپ بھی تشریف لائیے بہرِ مشاعرہ بھی کوئی چیز لائیے
آخر میں پھر یہ خدمتِ مائل میں عرض ہے الحمد سے شریک ہوں جیسے کہ فرض ہے
اب ختم ہے سلام پہ اے مائلِ کریم
رحمت ہو اور برکتِ رب تم پہ ہو ندیم

نور احمد ۔ ۲۷ جنوری ۱۹۸۳ء

# دعوت نامہ کا جواب

## مائل خیرآبادی کی طرف سے بخدمت جناب صوفی نور محمد صاحب

صوفی باصفا! میرے صوفی باصفا! — اللہ کا ہو فضل و کرم آپ پر سدا
دو جنوری کو صدمہ جو پہنچا تھا آپ کو — پھر چار کو پلیس نے بھی چھوڑا آپ کو
اللہ تعالیٰ دونوں پہ فضل و کرم کرے — اپنے ہی فضلِ خاص سے دونوں کو بخش دے

اللہ تعالیٰ آپ کو صبرِ جمیل دے
تبلیغِ دین کا آپ سے ہر وقت کام لے.

اس غم کے بعد ایک حسین اطلاع ہے — اپریل کے مہینے میں عام اجتماع ہے
ویزا اگر ملا تو ضرور آؤں گا جناب — پھر مشاعرہ میں غزل اؤں گا جناب
جب آؤنگا تو خادمِ دیں بن کے آؤنگا — اس آسمان پر میں زمیں بن کے آؤنگا

مائل نواز لیجئے! مائل کا اب سلام
رحمت ہو اور برکتِ رب آپ پر مدام

آپ کا
مائل خیرآبادی

# ایک فرانسیسی خاندان کا قبول اسلام

دشمنان اسلام ہمیشہ سے دین اسلام پر بہتان تراشیوں میں سرگرم رہے ہیں۔ اس کی مخالفت میں انھوں نے اپنے تمام تر وسائل کو استعمال کیا ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگادیا ہے کہ اسلام کو ایک جھوٹا مذہب ثابت کیا جائے۔ مگر خدائے ذوالجلال کا وعدہ ہے کہ اسلام پھیل کر رہے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"منکرین اسلام چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے اس اسلام کے نور کو مکمل کرکے رہے گا۔ چاہے کافروں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار ہو۔"

منجملہ الزامات کے ایک الزام اسلام پر یہ ہے کہ وہ تلوار کی نوک سے پھیلا ہے مگر پندرھویں صدی جس سے آج ہم گزر رہے ہیں۔ میں بھی لوگوں کا اسلام میں فوج در فوج داخل ہونا بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اسلام اس الزام سے بری ہے اور ان مختلف اقسام کے لوگوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جو مشرق و مغرب میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ بھی ایک فرانسیسی خاندان کی داستان ہے۔ جس نے اسلام قبول کیا۔ اس خاندان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مخالفین اسلام کے خلاف واضح شہادت ہے کہ اسلام بزور

شیر نہیں پھیلا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے ذریعہ پھیلا ہے جنھیں خداتعالیٰ نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اب ہم ڈاکٹر جارج بالو کی زبان سے ان کے اپنے خاندان کے اسلام لانے کا واقعہ ابتدا سے لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر جارج کہتے ہیں۔

میرا باپ فرانسیسی اور ماں جاپان کی باشندہ تھی۔ ہم نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پیرس میں گزارا۔ ہمارا خاندان، والدین، دو بھائی اور ایک بہن پر مشتمل تھا۔ ہمارا باپ دن بھر کام کرتا رہتا تھا۔ تاکہ ہماری زندگی عیش و عشرت میں گزرے اور ہماری ماں کی بھی یہی کوشش رہتی کہ ہمارے خاندان کی سعادت مندیوں میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔

ایک دن میں نے اپنے باپ کو سنا کہ وہ ہماری ماں سے بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا۔ ان کا باتیں کرنے کا یہ انداز اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میری والدہ کی پیشانی پر غضب آلود شکنیں تھیں۔ والدہ کی یہ حالت دیکھ کر میں بہت غمگین ہوا حالانکہ میں اس وقت ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

میں نے ماں سے باپ کی ناراضگی کا سبب پوچھا تو وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے خاموش رہی۔ میں نے بار بار اس کی غمگین خاموشی کے متعلق پوچھا۔ جبکہ روزانہ ماں پر میرے باپ کی طرف سے قہر و غضب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ میرے اصرار پر ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جیسے جھڑی لگ گئی ہو۔ مگر پرسکون انداز میں اس نے بتایا کہ تیرا باپ چاہتا ہے کہ میں یہ کتاب نہ پڑھوں۔ کتاب کا نام تھا۔ "الشرق کما یراہ الغرب" (مشرق جیسا کہ مغرب اسے دیکھتا ہے) میں نے اپنی ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

یہ کتاب دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مغرب کے سطحی اندازِ فکر

کے بارے میں اظہار خیال کرتی ہے اور تیرے باپ کا خیال ہے کہ میں مشرق، دین ا
اور پیغمبر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل نہ کروں"۔

ڈاکٹر جارج کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے بارے میں میری ماں
محبت نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جب میں نے بات کرنا چاہی تو ماں نے کہا۔ وہ ا
ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے جن کا نام
ہے اور لفظ "اللہ" نے میرے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ اور بہت سارے سوال
ذہن میں گردش کرنے لگے۔ جن کے میری والدہ نے تسلی بخش جواب دیے۔ اور میری سمجھ
آگیا کہ اللہ ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اللہ
تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہے اور زمین کو پھیلا
ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمام انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا اور آخر میں حضرت محمد رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو بگڑی ہوئی انسانیت کے لیے ہادی و رہبر بنا کر بھیجا جن کی اللہ تعا
نے بڑے احسن انداز پر تربیت کر کے ان کو مہبط وحی بنا کر ان پر قرآن کریم جیسی مقدس
کتاب نازل کی جس کی اتباع انسانیت کے لیے خیر و فلاح اور دنیا کی حقیقی مسرتوں کا ذ
ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بہت ساری اخلاقی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے مجھے
آپ سے آپ کے لائے ہوئے دین سے اور آپ کی جامع تعلیمات اور آپ کے
خلق عظیم سے محبت پیدا ہوگئی۔

میں نے اپنی ماں کو اس کتاب کے پڑھنے سے روکنا چاہا تاکہ میرے باپ او
ان کے درمیان بار بار بھڑکنے والی غیظ و غضب کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے لیکن میری ما
کے اندر ایک ایسا جذبہ محسوس کیا جو میرے تجسس کو ان اسلامی کتابیں پڑھنے پر مج
کرتا تھا جنھیں وہ میرے باپ سے چھپا کر پڑھتی تھی۔

ایک دن میری ماں اس جگہ گئی جہاں اس نے پڑھنے والی کتابیں رکھی تھی تو وہاں پر کتابیں نہ پاکر بھڑک اٹھی اور اسے معلوم ہوگیا کہ یہ سب میرے باپ کی شرارت ہے اور اس نے کتابوں کو ضائع کیا ہے۔ بلند آواز سے اللہ واحد کی قسم کھاکر کہا کہ وہ دوبارہ کتابیں خریدے گی. خواہ کسی طریقے سے حاصل کرنا پڑیں. میرے باپ نے تبایا کہ کتابیں اس نے جلادی ہیں۔ یہ سنکر میرے اندر غصہ کی لہر دوڑ گئی ۔ اور میں نے محسوس کیا کہ اس نے میری ماں کی پسندیدہ کتابیں نہیں جلائیں بلکہ میری ماں کو جلا دیا ہے جس نے مجھے بڑی محبت سے ان کتابوں کی تعلیمات سے آگاہ کیا تھا۔ میں نے اپنے باپ کو اس بُری حرکت پر ملامت کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پرسکون طریقے سے تبانے لگا جو کچھ میری ماں نے مجھے بتایا تھا۔ یہ سنکر میرا باپ غصہ میں آگیا اور کہا کہ اس گھر میں اسلامی تعلیمات کے متعلق جو کتاب ہوگی میں اس کو جلا دوں گا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام میرے باپ کی سمجھ میں آنا مشکل ہے ۔ اس لیے میں نے اپنی بہن اور بھائی کو اسلام کے متعلق تبلانا شروع کیا جس کو وہ بھی جاننا چاہتے ہیں تو میں جس کے متعلق میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا تھا. میں نے محسوس کیا تھا کہ میری بہن اور بھائی اسلام کے متعلق مزید معلومات چاہتے ہیں تو میں نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ مزید جو کچھ اسلام کے بارے میں جانتی ہیں ہمیں تبلائیں۔ یہ سنکر وہ اطمینان بخش خوشی و مسرت سے مسکرا دیں۔

اکثر ہم اپنی ماں کے ساتھ مل کر بیٹھتے وہ ہمیں اسلام کے متعلق معلومات دیتی اسلام کی محبت اور اسلام سے حاصل ہونے والی سعادت مندیوں کے سوا کوئی بات نہ تھی جن سے ہماری ماں کا دل معمور تھا۔

ایک دن ہمارا باپ گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہماری ماں ہم سے اسلام

کے متعلق گفتگو کررہی ہے. یہ دیکھ کر وہ غصہ سے آگ بھبوکا ہوگیا اور قریب تھا کہ ہمارے سامنے ہی ہماری ماں کو قتل کردیتا. پھر وہ اسلام کے متعلق نئی کتابوں کو تلاش کرنے لگا جن کو وہ ہمارے باپ سے چھپا کر خرید کے لائی تھی. اور کہا تھا کہ وہ دوبارہ کتابیں خریدے گی خواہ کسی طریقے سے اسے حاصل کرنا پڑیں.

میں نے باپ سے کہا کہ ماں کو اجازت دے دو کہ جو وہ پڑھنا چاہے پڑھے لیکن میرا باپ اس پر بضد تھا کہ میری ماں جو کچھ کرتی ہے اس سے ضیاع وقت ہوتا ہے۔ دو کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر شدید غصہ میں ان کو پھاڑنے لگا. ہم نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ بھی ہماری ماں سے اسلامی تعلیمات، پیغمبر اسلام اور ان کے اخلاق کریم کے بارے میں کچھ سنے. لیکن وہ زیادہ غصہ میں آگیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے گا. اور دوبارہ کبھی اس گھر میں نہیں آئے گا. کیونکہ ہم اکثر اپنی ماں سے اسلام کے متعلق سنتے رہتے ہیں. اور اسلام کی باتوں سے متاثر ہوگئے ہیں.

ڈاکٹر جارج کہتے ہیں کہ آخر ایک دن ہمارا باپ گھر سے نکل گیا. ہم نے اس کی واپسی کا بہت انتظار کیا لیکن وہ واپس نہ آیا. اب ہماری ماں مزدوری کرنے پر مجبور ہوگئی اور میں نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کام کرنا شروع کردیا. دن اور سال گزرتے گئے اور ان کے ساتھ ساتھ ہماری ثقافت اسلامی بھی گہری ہوتی گئی. اور ہم نے تہیہ کرلیا کہ پیرس میں مسلمانوں کے حالات کے متعلق واقفیت ضرور حاصل کریں گے تو ہم پیرس میں پھیلی ہوئی اسلامی تنظیموں میں سے ایک تنظیم کے پاس گئے. اور کافی حد تک اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں. اس طرح کئی بار ہم اسلامی تنظیم کے پاس گئے. جس کے عملے نے اس فرانسیسی خاندان کو خوش آمدید کہا تھا. کہ جس کا سربراہ روٹھ کر چلا گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا.

میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ یہاں تک کہ میں یونیورسٹی کے آخری سال میں پہنچ گیا اور ہم اسلام سے خوب سیر ہو چکے تھے۔ میں نے اپنی ماں سے عہد کیا کہ میں اپنے اسلام کو اعلان کروں گا۔ میں اپنے خاندان کو لے کر شیخ کے پاس گیا۔ اور سارے خاندان نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ میرا اسلامی نام محمد عبداللہ میری ماں کا نام فاطمہ، میرے بھائی کا نام احمد اور بہن کا نام خدیجہ رکھا گیا۔ اب ہم اپنے دین حنیف کے شعائر کو کسی خوف وخطر کے بغیر بجا لانے لگے۔ پھر میں نے اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کر دی اور ابھی تک میں یونیورسٹی میں طالب علم تھا۔ میرے ارد گرد میرے بہت سے دوست جمع ہو گئے جنھیں میں اسلام کے متعلق بتاتا۔ اور اسی کے ساتھ اپنے باپ کے بارے میں بھی بیان کرتا۔ جو ہمیں بچپن میں زندگی کے رحم وکرم کے حوالے کر گیا تھا۔ یہی سرگرمیاں میری ماں۔ بہن اور بھائی کی تھیں۔ اور ہماری ماں ہمیں کہتی تھی۔ کہ ہمارا باپ ضرور واپس آئے گا اور انشاءاللہ مسلمان ہو گا۔ خواہ کتنے سال گزر جائیں اور کتنا عرصہ وہ غائب رہے

ہم اکثر اپنی نمازوں میں باپ کی واپسی کے لئے دعا کرتے جو ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ تاکہ واپس آکر وہ اس خاندان کو دیکھے جس کو وہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب میں ڈاکٹر بن چکا تھا۔ میری بہن اور بھائی بھی یونیورسٹی سے فارغ ہو چکے تھے اور ہم نے قرآن کی زبان کو اختیار کر لیا تھا۔ جس کو ہم نے اپنی تعلیم کے دوران پیرس کے اسلامی مرکز میں سیکھا تھا۔ اور ہماری ماں اس خاندان کی سربراہ تھی جس کو یہ شرف حاصل ہوا۔

دن گزرتے گئے۔ ایک دن اچانک ہمارا باپ گھر میں داخل ہوا۔ جس کا ہم کافی عرصہ سے انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے انتہائی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اس کے بالوں، بڑھاپے کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو چکے تھے۔

... سے بھر ایں اس

نے ہماری ماں کا ہاتھ پکڑ کر معذرت کی۔ اور ہم سے بھی معذرت کی۔ اب ہمارا باپ ہمارے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہم جی بھر کر دیکھ رہے تھے۔ جو عرصہ دراز تک ہم سے غائب رہا تھا۔ ہماری ماں نے عربی زبان میں کہا کہ اب ہم تمہارے باپ کی واپسی پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر نماز پڑھیں گے۔

ہم نے فرط محبت سے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو وہ پُر سکون انداز میں مسکرایا اور اس نے ہمیں اس وقت ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جب اس نے کہا کہ وہ عربی زبان جانتا ہے اور وہ بھی ہمارے ساتھ نماز شکر ادا کرے گا۔ کہ اس نے ہم سب کو اسلام کی حالت میں دیکھا ہے۔ اب سے وہ بھی مسلمان ہے اور اس کا نام عبداللہ ہے۔

# انکل ریاض

حاتم پہاڑی سڑک پر بڑی احتیاط کے ساتھ کار چلا رہا تھا۔ مینا اُونی شال میں لپٹی چپ چاپ بیٹھی تھی
اتم نے عقب نما آئینے میں نیچے ایک موڑ پر بہادر سنگھ کو دیکھ لیا۔ وہ موٹر سائیکل پر تھا، پیچھے ایرنا بیٹھی تھی
ہ ذرا خم ہو کر کار کو دیکھے جا رہی تھی۔ بہادر سنگھ لنگی باندھے، شلوکہ پہنے، بڑے سے گول دار صافہ میں سر کے
الوں کو ٹھونسے ہوئے تھا۔ کمر میں کرپان لگائے اور ہاتھ میں کڑا پہنے تھا۔ لگ رہا تھا کہ وہ ایک سکھ کسان ہے
رنا شلوار اور جمپر پہنے تھی۔ اُس نے کالی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی۔ اوڑھنی کو اس نے گاتی کی طرح سر سے باندھ
رکھا تھا۔

اُترائی سے چڑھائی شروع ہوئی تو مینا نے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "وہ ہے ہماری منزل!"
اتم نے اُدھر دیکھا ٹیکری کی چوٹی پر فلیٹ نما مکانوں کا سلسلہ تھا۔ ڈوبتے سورج کی پیلی پیلی دھوپ
ہے کی چادروں پر چمک رہی تھی۔ حاتم نے موڑ کاٹ کر کسی قدر ہموار جگہ کار روک لی۔

"بہنوں کے لئے بھائیوں کو کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا!"

"بھائی صاحب!" مینا نے جواب میں کہا "یہ وقت جذبات کے تبادلے کا نہیں ہے۔"

"نہیں، لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ہمارا یہاں رک جانا ہمیں مشتبہ بھی کر سکتا ہے۔"

"مینا! یہ روپ جو میں نے دھارن کیا ہے، مجھے بے حد گران ہے۔ یہ تو پوری مکاری ہے۔ معلوم نہیں میں
یہ پارٹ ادا کر سکوں۔"

"میں نہیں سمجھی! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

حاتم نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے سر کھجایا تو سنا "خبردار! ٹھہرنے کا موقع نہیں۔ اب یہاں سے
ہ مینا چلائے گی اور یہ صاحب پیچھے تشریف فرما ہوں گے"

"اُو کے!"

"کیا ہوا؟ حاتم صاحب!"

"پرچی کو کسی نے کار چلاتے دیکھ لیا تو کیا سمجھے گا؟"

"ٹھیک ہے!" مینا حاتم کی خالی کی ہوئی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ حاتم بلی چادر اوڑھے پیچھے سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایک بڑی سی تسبیح اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ وہ اس لباس میں بھی بہت اسمارٹ لگ رہا تھا

"پرچی! وظیفہ شروع کر دیجئے" مینا نے عقب نما آئینے میں دیکھ کر کہا "ایک موٹر سائیکل ہمارا پیچھا کر رہی ہے"

"وہ تو کوئی کسان ہے۔"

"جاسوس بھی ہو سکتا ہے؟"

"جاسوسوں کے ساتھ اُن کی بیوی نہیں ہوتی ہے۔ شاید یہاں کہیں اُس کا فارم ہوگا۔"

"لیکن ہمیں چوکنا رہنا چاہیئے۔"

"اچھا تو لیجئے۔ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو ..." حاتم نے زور سے کہا۔ اُس وقت مینا نے کار کو موڑا۔ معاً ایک گرانڈیل پٹھان کار کے سامنے آگیا:۔

"او ... خو ... خدائی خوار۔ روکو گاڑی!"

"خان! میں ہوں۔" مینا نے سائیڈ شیشہ سرکا کر کہا "تمہارے لئے نسوار لائی ہوں۔ یہ لو نسوار کی پڑیا!"

خان بہت خوش ہوا "او مائی لوگ تم بہت اچھا۔ او مینا خو تم اِدر آنا۔ اُور پھٹ پھٹ اُدر کون گیئی؟"

"خان! وہ کوئی کسان ہے۔ اپنے فارم پر گیا ہے۔"

"ہاں۔ اگر اِدر آتا تو میں اُسے گولی مار دیتا اور اُس کا بی بی چھین لیتا۔ اس کا بی بی بہت اچھا ہے۔"

مینا ہنس دی۔ خان نے نسوار کی ایک چٹکی لی۔ مینا نے کار بڑھا دی اور گیٹ میں داخل ہوئی۔

"او شکر ہے۔ چلو یہ اچھا ہوا" کار سے پہلے وہ اُتری۔ پھر پرچی کو اُتارا۔ ٹیکری اُوپر سے ہموار اور کشادہ تھی۔ سامنے یو (U) کی شکل میں ہٹ نما فلیٹ تھے۔

"تشریف لائیں!" مینا نے اندرونی گیٹ کھولتے ہوئے پیرجی سے کہا۔ سامنے برآمدے میں آرام کرسی پر مردٹانگیں پسارے دراز تھا۔

"وہ انکل ریاض ہیں" مینا نے کہا اور جھٹ انکل کے پاس پہنچ گئی۔ قدموں کی چاپ سن کر انکل ریاض نکے۔ اپنی ٹانگیں سکیڑیں اور پیرجی کی طرف دیکھا۔

"آداب انکل! اب میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔"

"جیتی رہو!" مینا کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ پیرجی کو دیکھے جا رہے تھے۔ پیرجی کے ہونٹ کچھ بڈبڈا رہے تھے اور وہ انگلیوں کی پوروں پر انگوٹھا رکھتے جا رہے تھے۔ شاید وہ کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

"یہ شاہ صاحب کون ہیں؟"

"پیرجی۔ انکل! بے ادبی معاف۔ آپ آداب بجا لائیں۔ یہ بہت نازک مزاج ہیں۔ میں بڑی مشکل سے راضی کر کے لائی ہوں۔ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ انگریزی، اردو، عربی انھیں سب آتا ہے۔ پانی پر دم کر کے دیتے ہیں اور انسان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے۔ یہ روپیے کو ہاتھ نہیں لگاتے اور نذرانہ بھی قبول نہیں کرتے"

"ہوں!" انکل ریاض اٹھے۔ آداب عرض کر کے کرسی پیش کی۔ خوش آمدید کہا۔ بایاں ہاتھ مصافحہ کیلئے بڑھایا

"مجھے داہنا ہاتھ چاہیئے۔ یہی سنّتِ رسولؐ ہے۔" پیرجی غرّائے اور انکل ریاض کھسیا گئے۔ داہنے ہاتھ کو انھوں نے ایک چادر سے چھپا رکھا تھا جو ان کے کندھے پر پڑی تھی۔

"معذوری ہے شاہ صاحب!" انکل نے کہا اور پیرجی پھر اکھڑے انداز میں بولے:

"یہاں کوئی منحوس چیز نہیں ہونا چاہیئے۔"

"کیا مطلب پیرجی!" مینا گھبرا کر پوچھ بیٹھی۔

"چوہا ایک منحوس جانور ہے۔ میں اس کی چوں چوں نہیں سن سکتا۔"

"حضور! یہ آواز انکل کے جوتوں کی تھی۔" مینا نے بات بنادی اور پیرجی راضی ہو گئے۔ دوسری طرف انکل ریاض جو ذرا جھینپ سے گئے تھے ان کی جھینپ دور ہو گئی۔

"تم کو کئی دن لگ گئے مینا!" انکل بولے۔ اور اُن کی آواز سے پرچی کے چہرے پر پھر پریشانی سی آگئی۔
"پلیز انکل! آپ انھیں راضی رکھیں۔ پرچی پانی دم کر کے پلا دیں گے۔ انیلہ کی قلب ماہیت ہو جائے گی۔"
"او لڑکی! تمہارے انکل کی عادت بچوں کی سی ہے۔ اُن کی جیب میں ربڑ کا چوہا ہے۔"
"اوں!" انکل پھر جھینپ گئے "مینا! شاہ صاحب قبلہ کو اُدھر اُس کمرے میں آرام دو۔"
"تشریف لائیں حضرت جی!" مینا پرچی کو لے کر چلی۔ ذرا دور ہوئی تو بولی: "حاتم صاحب! یہ کیسی الٹی سیدھی باتیں آپ نے شروع کر دی تھیں؟"
"وہ میں نہیں بول رہا تھا مینا! وہ میرا موکل تھا تم کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ میرا موکل ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ میرے موکل کی بیوی بھی ہے۔ وہ بھی ساتھ رہے۔"
مینا ہنس دی۔ "آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ تو خیر ہوئی۔ انکل نے جلد ہی بات کاٹ دی۔"
"نہیں مینا! وہ مجبور تھے کہ جلد مجھ سے الگ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میرا موکل کتا بن کر چوہے پر جھپٹ پڑتا۔"
"حاتم صاحب! آپ مجھ سے مذاق نہ کریں۔" پھر چپکے سے کہا "آپ میرے بھائی بھی تو ہیں!"
"لیکن بڑا بھائی! بڑا بھائی کبھی کبھی چھوٹی بہن کو پیٹ بھی دیتا ہے۔"
مینا حیران تھی کہ حاتم جیسا سنجیدہ نوجوان یہاں کس طرح کا کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ خوش تھی کہ بہرحال انکل مرعوب ہو گئے۔

## اپنی اپنی چال

حاتم کا کمرہ آخری طرف سے دوسرے نمبر پر تھا۔ پچھلی کھڑکی جنگل کی طرف تھی۔ کشادہ اور سجی ہوئی۔ ایک بہت کا پلنگ، دو کرسیاں، ایک تپائی۔ حاتم کا سفری لانگ سائز بیگ مینا خود ہی اُٹھا لائی حالانکہ باہر چوکیدار بھی موجود تھا۔ انکل نے خان کو بلا لیا تھا۔ خان کو دیکھ کر مینا نے چپکے سے کہا "میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں!"

حاتم نے مینا سے پوچھا "تمہاری گھڑی میں کیا ٹائم ہے؟" پھر اپنی گھڑی دیکھی۔ سُرخ نقطہ روشن تھا۔
حاتم نے گھڑی کان سے لگائی یعنی یہ دیکھنے کے لئے کہ گھڑی چل رہی ہے یا نہیں۔

"ہمیں کم سے کم خان سے کوئی خطرہ نہیں۔" حاتم کہنے لگا "اُسے تو بس نسوار چاہئے یا پھر بیوی۔ ہمارا موکل کہتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اُسے مل جائیں گی۔ رہے انکل تو اُن کی کھوپڑی میں بھیجا نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے [illegible] کھوکھلے ہیں۔ پھر بھی وہ جب تک ہم سے مطمئن نہ ہوں گے ہم اس گمنام قاتل تک نہیں پہنچ سکتے تم ذرا خان کو بلاؤ!"

مینا نے خان کو بلایا تو حاتم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اچانک چھوڑ دیا "منحوس!" خان مرعوب ہو کر گھبرا گیا۔ "تم ابھی تک کنوارے ہو؟"

"او خو حضرت جی۔ ہمارا اخوند مر گیا۔ او خو سرکار انکل کہی خان! اَم تمہارا شادی کرے گا۔"

"لیکن تمہاری منگنی تو ہو گئی خان! ہم سے چھپاتا کیوں ہے۔ ہمارا موکل جھوٹا نہیں۔"

خان پیر جی کے قدموں میں گر گیا "حضرت جی! آپ عالم الغیب ہے۔ خدا کی قسم آپ عالم الغیب ہے۔ لڑکی کی اخوند پانچ ہزار مانگتا۔ امارے پاس نئیں۔ اَم مجبور ہے او خو حضرت جی!"

اچانک انکل کمرے میں آ گئے۔ "خان! ہم پانچ ہزار کا انتظام کر دیں گے۔ تم جاؤ۔" اس کے بعد مینا سے کہا "پانی دم کرا کے اینلہ کے پاس لے جاؤ۔"

"جی بہت اچھا۔ وہ سو رہی ہے۔ میں اُسے جگا آتی ہوں۔"

"نہیں۔ وہ جاگ گئی ہے۔ میں جاتا ہوں۔"

انکل نہایت پھرتی سے نکل گئے۔ دو منٹ کے بعد آواز آئی:

"آپی...!" اور کمرے میں نقرئی کھنک گونج گئی۔

"اندر آ جاؤ نیل!" مینا نے اندر سے جواب دیا اور وہ کواڑ کھول کر اندر آ گئی۔

"آداب!" اُس نے خالص مغلیہ درباری انداز میں جھک کر سلام کیا۔ پھر بغلوں میں ہاتھ دے کر

چوڑی دار پاجامہ اور نیچ رنگ کا جمپر پہن رکھا تھا۔ حاتم، باوجود اس کے وہ بہت ہی متقی اور دیندار نوجوان تھا، اُسے یوں لگا جیسے مشرق کے افق سے پورا چاند نکل آیا۔ اینلہ کا چہرہ چاند کی طرح سفیدی اور زردی ملا جلا تھا۔ بڑی بڑی بھوری آنکھیں جن میں نیند کا سرخی مائل خمار اور خوف کے سائے رینگ رہے تھے جیسے شفق کے رنگ میں صبح کا روشن ستارہ پھیکا پڑ جاتا ہے۔

"نیل!" مینا بولی "تمہارے علاج کے لئے پرچی کو لائی ہوں" اور یہ کہہ کر مینا کمرے سے نکل گئی۔ باہر انکل سبک قدموں سے ٹہلتے ہوئے آرہے تھے۔ مینا کو دیکھ کر یوں اباؤٹ ٹرن ہوئے گویا وہ یہ جتانا چاہتے تھے کہ ٹہل رہے ہیں۔

"تشریف رکھئے مس اینلہ! یقیناً آپ اینلہ ہی ہیں۔"

"یہ کمرہ" وہ لجائی سی آواز میں جمپر کے کونے کو مروڑتی ہوئی بولی "بہت گندہ ہے۔ میں اپنے ساتھ والا کمرہ کھلواتی ہوں!"

"میرا موکل ساری گندگی دور کر دے گا۔ میں جو حکم دوں گا آپ کو کرنا ہوگا۔"

اُس نے بڑی بڑی آنکھیں جھپکیں۔ حاتم کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر نکل گئی۔ یہ ایک جوان اور اجنبی لڑکی کا ردِعمل تھا۔ حاتم اُس کے حرکات و سکنات دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا؟" مینا نے اندر آتے ہی پوچھا "وہ اتنی جلدی واپس چلی گئی۔ آپ نے کوئی.....؟"

"ہاں، میں نے" حاتم نے دروازے کے سامنے سایہ سا گزرتا دیکھ کر کہا "اُس سے کہا تھا کہ تم کو بہر حال اپنے والدِ محترم کا کہنا ماننا چاہیے۔"

"لیکن ایک بات اور ہے......" حاتم نے مینا کو اِس طرح گھورا کہ وہ سہم کر رہ گئی۔ اسی وقت انکل کا پیغام آیا کہ پرچی کو ڈائننگ روم میں لے آئیں۔

"دیوار گوش دارد! مینا! دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"تھینک یو۔ اِس وقت کھانے کی میز پر اس ڈرامے کے چار کردار ہوں گے۔ میں، آپ، انیلہ اور
ل۔ نیل بہت پریشان ہے۔"
"اور انکل؟" حاتم نے پوچھا۔
"اُن کو انکل نے خوابگاہ میں بند کر رکھا ہے۔ نیل کو بھی اُن سے ملنے کی اجازت نہیں" مینا نے دبی زبان سے کہا
"اِس وقت انکل ڈائننگ روم میں ہیں نا!"
"جی۔ نیل کا خیال ہے کہ انکل آنٹی پر تشدّد کرتے ہیں۔ آنٹی اُن کی قانونی بیوی ہیں۔ مشرقی شوہر کو بیوی پر
سے اختیارات ہیں۔"
"آج کل کے نام کے مسلمانوں کا یہی ذہن ہے۔"
"حاتم صاحب! آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ وہ تو بیوی کے عاشق تھے۔"
"اچھا، میں اپنے موکّل سے کہوں گا۔" اسی وقت ڈائننگ روم میں گھنٹی بجی۔
"نیل آگئی۔" مینا حاتم کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب آگے آگے حضرت جی اور پیچھے نہایت ادب کے
ساتھ مینا تھی۔ راستے میں نیل مل گئی۔
"آپی! ڈیڈی پیر جی کا انتظار کر رہے ہیں۔"
"مس صاحبہ! میں جو کہوں، آپ وہ کریں گی۔" حاتم نے چپکے سے کہا اور سب کھانے کی میز پر
پہنچ گئے۔ انکل ریاض تعظیم بجا لائے۔ حاتم بیٹھا ہی تھا کہ اچانک اُس پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ غرّایا
"میرا موکّل کہتا ہے کہ اِس وقت انیلہ اور میں چائے پیوں۔" مینا اور انکل فوراً ڈائننگ روم سے نکل گئے۔
برآمدے میں میز اور کرسی ڈلوا دی اور وہیں دونوں چائے پینے لگے۔ لیکن انکل کے کان ڈائننگ روم کی طرف تھے
"مس انیلہ! دیکھئے، یہ رتّی بھر سفوف ہے۔ اِس پر چالیس راتیں میں نے 'یا مولف القلوب' کا
ورد کیا ہے۔ آپ اِسے چائے میں ڈال کر پی لیں اور اپنے والدِ بزرگوار کا کہنا مان لیں۔"
"حضرت جی!" انیلہ نے حاتم کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا "میں ہرگز ڈیڈی کا کہا نہ کروں گی۔"

"تو میرا موکل آج ہی تمہارا گلا گھونٹ دے گا۔" حاتم چیخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"نہیں نہیں!" اچانک انکل ریاض اور مینا دوڑ کر کمرے میں آگئے "نہیں حضرت جی! اینلہ میری دختر ہے۔ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے۔ اسے زندہ رہنا ہے۔ میں اس کی طرف سے معافی چاہتا ہوں!"
انکل ریاض نے مینا سے کہا "حضرت جی کو نیل کے کمرے میں لے جاؤ، شاید نیل بات سمجھ سکے۔"

## نیل کا اعتماد

حاتم یہی چاہتا تھا۔ اس کے موکل نے اسے یہی پیغام بھیجا تھا۔ خاموش کمرے میں حاتم نے اینلہ سے کہا "جب تک ہمارا تعارف نہیں ہو جائے گا اعتماد قائم نہیں ہو سکتا۔ نیل! میں تیرا بھائی ہوں۔ میں تجھے، انکل کو اور آنٹی کو لینے آیا ہوں۔"
نیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ صاحب کو گھورنے لگی۔
"بھروسہ کرو نیل! نواب سید ریاض حسن خاں کا چھوٹا بھائی سید صادق حسین زندہ ہے۔ وہ تو خدا نے فضل فرمایا۔ مینا جانے کیسے ہمارے پاس پہنچ گئی۔"
اینلہ دنگ رہ گئی۔ "بھائی صاحب! میں آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔"
"تو پھر" حاتم نے کہا "تم اس سرکس میں ہمارے رنگ ماسٹر کے اشارے پر کام کرو گی۔"
"بالکل! رنگ ماسٹر کہاں ہے؟" اینلہ مضبوط لہجے میں بولی۔
"اس سرکس کا رنگ ماسٹر میرا موکل ہے۔ موکل سامنے نہیں آسکتا۔ سمجھیں! کل انکل کے سامنے مفلوف چادر کے ساتھ ہو گی اور پیتے ہی کہو گی کہ امی حضور کے سامنے چیک پر دستخط کر دوں گی۔"
"میں نے" نیل کو جھٹکا سا لگا "ڈیڈی پر کبھی یقین نہیں کیا۔ مجھے ان کی محبت میں وہ پدرانہ شفقت نہیں ملتی جو کبھی تھی۔ وہ مجھے پاس نہیں آنے دیتے۔ وہ مجھے پیار نہیں کرتے۔ دور سے باتیں کرتے ہیں۔ ذرا آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ مجھے اور آپ کو امی حضور سے ملنے کیوں نہیں دیتے۔ خدا جانے ڈیڈی کو کیا

ہے۔ وہ جیسے میرے ڈیڈی ہی نہیں رہے۔"

"میرا یقین تجھ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا، عزیز بہن!"

"تو پھر میرے اطمینان کی بدیہی صورت کیا ہے؟"

"دستخط کرنے کے لئے امی حضور کی موجودگی کی شرط۔"

"ڈیڈی ہرگز منظور نہ کریں گے۔"

"میں انکل سے نبٹ لوں گا۔ میرے پاس دوسرے سفوف بھی ہیں۔" حاتم مسکرایا اور نیل بھڑک سی گئی۔

"سن پیاری بہن! میں نے گرم لوہے پر بھاری چوٹ لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تیری زندگی کا تمام تر مدار تیری قوت ارادی پر ہے۔ اسی لئے تو زندہ ہے یا زندہ رکھی جا رہی ہے۔ تیرے کسی دشمن کو تیرے دستخط کی ضرورت ہے۔ جس لمحے تیرے قلم کی سیاہی چیک پر چپک گئی تیری زندگی..." قدموں کی چاپ سن کر حاتم نے بات بدل کر کہا "تو آپ دستخط کریں گی؟ کہو، ہاں۔ شاباش!"

"ضرور کروں گی۔"

"شاباش! اچھے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں!"

نیم وا دروازہ کھلا۔ انکل مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔ پیچھے پیچھے مینا تھی۔ مینا نے اشارے سے نیل کو بلایا اور باہر چلی گئی۔

"نیل آپ کا خون ہے" حاتم نے انکل ریاض سے کہنا شروع کیا "لیکن وہ آپ سے اس قدر بدظن ہو رہی ہے۔ میں نے اُسے بے حد سمجھایا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"لیکن" انکل ریاض بولے "میرے کانوں نے سنا کہ وہ دستخط کر دے گی۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن یہ میرے سفوف کا اثر ہے۔ اگر آپ اس پر شفقتِ پدرانہ انڈیل دیں تو وہ بڑی اطاعت گذار بیٹی ثابت ہو گی۔ وہ اپنی ماں سے ملنے کو بے چین ہے۔ اُسے ملنے دیجئے۔ اور سنئے، اگر آپ نے تمام تدبیریں کرنے کے بعد مجھے بلایا ہے تو مجھے حق ہے کہ میں آپ کی بنیادی الجھن کا سبب جانوں یا پھر ہم سے مو کر

وہ ہمارے لاڑ اختیار کرے گا۔ آپ میرے ہونٹوں کو نیچ نہ کریں۔"
حاتم نے دیکھا کہ انکل ریاض کو جھرجھری سی آئی۔ انھوں نے لرزیدہ لہجے میں کہا کہ میں پھر آپ سے
مشورہ کروں گا۔
"مگر سنئے! ایک منٹ! نیل کی شرط یہ ہے کہ وہ امّی حضور کے سامنے دستخط کرے گی۔"
"بہتر ہے۔ یہ دو گھونٹ پانی ہے۔ اس پر دَم کر دیجئے۔" پھر انکل ریاض کمرے سے نکل گئے۔
حاتم نے کہا "مینا اور نیل کو بھیجدیجئے۔ میں اس شرط کے ہٹانے کی بھی کوشش کروں گا۔"
مینا اور رانیلہ نے اندر آکر بتایا کہ انکل بڑی تیزی سے کار پر باہر گئے ہیں۔ خان کہہ رہا تھا کہ وہ شام تک
ضرور آجائیں گے۔
"اب کھل کر باتیں ہوں" حاتم نے کہا اور اُس نے وہ جملہ پورا کیا جو انکل کے اچانک آجانے سے اُدھورا
چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے کہا "جس لمحے تیرے قلم کی سیاہی چیک پر چپک جائے گی تیری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی"
"تو کیا ڈیڈی مجھ پر یہ ظلم کریں گے؟"
"ڈیڈی نہیں، وہ گمنام قاتل جس نے عیاد اور عماد کے سر اُتارے ہیں۔ وہ گمنام قاتل انکل ریاض کو
کنگال کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔"
"لیکن اِس سے میری زندگی کو خطرہ کیوں ہے؟"
"اندیشہ ہے کہ تو دستخط کرنے کے بعد بینک پہنچ جائے اور کیش پے نہ ہونے دے۔"
"تو پھر کیا کروں؟"
"میرے موکل نے" حاتم ہنسا اور مینا اور رانیلہ دونوں نے برا سا منہ بنایا "میرے موکل نے یہیں تک
بتایا ہے۔ باقی کہانی کل۔"
"بھائی صاحب! موکل سے ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی؟"
"ہوگی، لیکن کہانی کے ڈراپ سین کے بعد۔ اچھا اب ایک بات بتاؤ۔ اَرنلی کس کمرے میں ہے؟

یا پھر میں اپنے موکل سے پوچھوں؟"

# ایک دردناک منظر

پھر نہ جانے کیوں انکل ریاض روزانہ کار پر باہر جاتے رہے، شام کو آتے رہے۔ وہ حاتم اور انیلہ پر بہت مہربان تھے۔ ان کی زبان پر بار بار یہ آتا "اب ہم تمہاری امی کا علاج برطانیہ میں کرا سکیں گے۔" حاتم اس جملے پر گھبرا گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اپنے کمرے میں جا کر پڑ گیا۔ بینا پیچھے پیچھے پہنچی۔ انیلہ بھی گئی۔ حاتم نے دونوں سے معذرت کی "دیکھو کبھی کبھی مجھے تنہا بھی چھوڑ دو۔" انیلہ اور بینا اپنے اپنے کمرے میں گئیں تو حاتم نے دروازے کی سٹکنی لگا دی۔ گھڑی کی کوک پر ہاتھ رکھا۔ سرخ نقطہ ظاہر ہوا:

"ہیلو ڈیر حاتم! میں بہادر بول رہا ہوں۔ کچھ دانہ پانی ملا؟"

"کچھ نہیں۔ خاندانی جھگڑا لگتا ہے۔ ایرنا ہے؟"

"نہیں۔ وہ بینک گئی ہے۔ اس نے نوکری کر لی ہے۔"

"کس بینک میں؟"

"جس بینک میں نواب سید ریاض حسن خاں کا حساب کھلا ہے۔"

"یعنی آپ کا مقصد یہ ہے کہ اگر انیلہ دستخط بھی کر دے تو بھی چیک کیش نہ ہو۔"

"یہ تو ایرنا نہیں کر سکتی مگر وہ چوہے سے چیک کترواسکتی ہے۔"

"چوہا؟"

"یس مائی ڈیر حاتم۔ اس چوہے کا سراغ میں نے لگا لیا ہے۔"

"کس چوہے کا؟"

"جس کی آواز انکل ریاض کی جیب سے آتی ہے۔"

"مجھے بھی دکھاؤ۔"

"میں ایک مجبور کو بچانے کے لئے جان کو جوکھم میں ڈال دوں گا۔ یہاں اتنے دن ہو گئے، کچھ نہ ملا۔"

"ایک المیہ سین وہیں ہے۔ آپ کے کمرے کے پیچھے ایک کمرہ ہے جس کے روشندانوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ آج رات اُس کے اندر کا سین دیکھو، پھر کل رات دوسری جگہ کچھ دکھاؤں گا۔"

گھڑی کا سُرخ نقطہ اچانک غائب ہو گیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ اب ضروری باتیں مکمل طور پر ہو چکیں۔ اب وہ رات کا انتظار کرنے لگا۔

حاتم کو بارہ بجے رات تک نیند نہیں آئی۔ بہادر سنگھ کی ہدایت کے بموجب وہ ٹھیک بارہ بجے پلنگ سے اُٹھا، کھڑکی کھولی اور باہر اندھیرے میں کود گیا۔ پنجوں کے بل کھڑکیوں کے روشن شیشوں سے بچتا ہوا دبیز پردوں والے کمرے کی طرف بڑھا۔ خواب گاہ روشن تھی اور کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ حاتم شیشے ٹٹولنے لگا۔ شاید کوئی شیشہ ٹوٹا ہوا ہو۔ اُس کی خوش قسمتی سے ایک جگہ شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اُس کی جگہ گتّہ لگا ہوا تھا۔ اُس نے ذرا سا دباؤ ڈال کر گتّہ ٹیڑھا کر دیا۔ آنکھ کے برابر اندر کے ریشمی پردے کو ایک طرف کیا تو سانس روک کر رہ گیا۔ اندر کا منظر کتنا بھیانک تھا! ایک نہایت خوبصورت عورت اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ سفید رسّی سے بندھے ہوئے تھے اور رسّی کا سرا روشندان کے سریا میں اٹکا ہوا تھا۔ اِس خوبصورت عورت کے منہ پر کالے رنگ کا ٹیپ چپکا ہُوا تھا۔ قریب ہی ایک ارسٹین کتا بیٹھا تھا اور دونوں کے بیچ ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ بند دروازے پر کھٹکا ہوا۔ انکل ریاض اندر آئے۔ اُنھوں نے کمبل سے ہاتھ نکالا اور ایک چپاتی عورت کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ عورت نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں دیکھوں گا" انکل نے چپاتی برتن میں پھینک دی "تم کب تک اپنی قوتِ ارادی کا مظاہرہ کرو گی۔ اچھا لو، یہ پانی ہے، کچھ حلق تر کر لو۔" عورت نے پھر نفی میں سر ہلایا تو انھوں نے شیشے کا گلاس اس کے منہ پر پھینک مارا۔ پھر دیوار کے سہارے رکھا ہوا بید اُٹھایا اور پوری قوت سے عورت کے

سینے پر چوٹ ماری۔ عورت نے زور سے سر کو جھٹکا اور پھر تن کر کھڑی ہو گئی۔ سینے پر نیلا سانپ اُبھر آیا تھا۔
"کل رات سے دوسرا سین شروع ہو جائے گا عشرت بیگم!" انکل نے بید رکھ دیا "وہ سین تمہاری
بی کو دکھایا جائے گا۔ تم کتنے کی ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو گی اور انیلہ کی آنکھیں ہوں گی۔ یہ میرے تشدد کی ابتدا
دگی عاشی!" انکل نے قہقہہ لگایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حاتم نے سانس لیا اور وہ اپنے کمرے کی
رف دوڑا۔ حاتم نے جو منظر دیکھا تھا اور جو باتیں اُس نے سُنی تھیں وہ سب کچھ آیا۔ مانہ تھا کہ کمرے میں
سکون سے سو جاتا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو گھڑی کا سُرخ نقطہ اُبھا
بہادر سنگھ سے باتیں کرنے لگا:

"ہیلو مسٹر حاتم! میں بہادر بول رہا ہوں۔ دیکھ لیا سب کچھ!"

"ہاں! دیکھا نہ جا رہا تھا مگر دیکھتا رہا۔"

"تو کیا سمجھے؟" بہادر سنگھ نے پوچھا۔

"میرے خیال میں بیچ کی کڑی غائب ہے۔ میں انکل ریاض کو وہ گمنام قاتل نہیں کہہ سکتا۔ مجھے
ین ہو گیا ہے کہ انکل ریاض کو گمنام قاتل نے مجبور کر دیا ہے اور وہ چیک پر انیلہ سے دستخط کرانے
ے لئے تشدد پر اُتر آئے ہیں۔"

"مینا کا پارٹ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ رِنگ ماسٹر کی ہدایت پر عمل کر رہی ہے۔ میں نے انیلہ پر اپنے کو ظاہر کر دیا۔"

"تو ڈرامے کا لُطف کھو دیا آپ نے۔ خیر!"

"مجھے اِس حال میں یہاں کتنے دن اور رہنا ہے؟"

"اگر آپ جلد چھٹکارا چاہتے ہیں تو انیلہ کو قربان کر دیجئے اور اُس کے دستخط کرا دیجئے۔"

"قربان! میں تو اُسے بچانے آیا ہوں۔"

"مجھے اطمینان دلائیے۔"

"وہ تو ایرنا آپ کو مطمئن کرے گی۔"

"کیسے؟"

"وہ کہتی ہے کہ اس نے گمنام قاتل کو پالیا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"وہ نہیں بتاتی۔ کہتی ہے کہ بینک کے اندر دکھاؤں گی۔"

"بینک کے اندر۔۔۔۔۔!"

اچانک سرخ نقطہ غائب ہوگیا اور حاتم اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔ وہ پلنگ پر جا لیٹا اور سو گیا۔

دوسرے دن جیسے ہی انکل ریاض کی کار گیٹ کے باہر ہوئی حاتم انیلہ کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا انیلہ شاید کھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھی ورنہ وہ ضرور گھبرا جاتی۔

"اچھا ہوا آپ آگئے" وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی "میں آپ ہی کی طرف آرہی تھی۔ میں اس زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ ابھی ابھی ڈیڈی آئے تھے۔ میں نے غیر مشروط طور پر رضامندی دے دی ہے"

"میں بھی اس وقت یہی کہنے آیا تھا۔ اپنے ڈیڈی سے پورا پورا تعاون کیجئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چیک کیش کرانے میں شاید کوئی الجھن پڑ جائے۔ اتنی بڑی رقم۔۔۔۔۔"

"اوہ! کوئی بات نہیں" وہ بول اٹھی "ڈیڈی اُن کے پرانے اور معزز اکاؤنٹ ہولڈر ہیں۔ بینک اتنی رقم اُن کو او۔ ڈی۔ بھی دے سکتا ہے۔"

"اچھا سنئے! اب میری ضرورت تو رہی نہیں لیکن اب میں دو تین دن اپنی ضرورت سے ٹھہروں گا۔ عید یہیں کروں گا۔"

لفظ 'عید' سن کر انیلہ کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے تھرتھرائے لیکن وہ نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"پھر ہم عید ایک ساتھ منائیں گے۔ اور بھائی سے عیدی لیں گے۔" وہ سسک کر رونے لگی۔

"کاش آپ اپنے کو ظاہر کرتے ہوئے یہاں آئے ہوتے اور بہن بھائی کھل کر مل سکتے! انسان کتنا بے بس و احساس ہے!"

"یہی احساس" حاتم نے جواب دیا "انسان کو فرشتوں سے ممتاز اور افضل بناتا ہے۔ نیل! اس وقت میں شاہ جی بن کر نہیں، تیرا بھائی بن کر بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ بھائی صاحب!" انیلہ بکھرنے لگی "یہ عارضی لمحات پانی کے بلبلے ہوتے ہیں۔"

"لیکن ہم بلبلے نہیں نیل! ہم انسان ہیں، چٹانوں کی طرح ٹھوس بھی اور پھولوں کی طرح نرم بھی۔ ہمارے رسولؐ نے ہمیں حوصلہ مند رہنے کی تعلیم دی ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللہ فرماتا ہے۔"

"مگر عورت تو مرد کا ضمیمہ ہے بھائی صاحب! قرآن نے ساری فضیلت آدم کو دے دی حوا کو دم چھلا بنا دیا۔"

"نہیں نیل! لتسکنوا الیہا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے تسکین کا باعث ہیں۔"

"خوب! جیسے ڈیڈی اور امی حضور!"

حاتم کے سینے میں گھونسہ سا لگا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ حاتم نے اپنی مجبوری محسوس کی۔ آہ! وہ بہن کے لئے کچھ نہ کر سکا "نیل! جاؤ اپنے کمرے میں۔ میں بھی اپنے کمرے میں جاتا ہوں۔"

## ڈراپ سین

دن بیت گیا۔ اب انکل ریاض کو شاہ صاحب کی زیادہ پرواہ نہ رہی تھی۔ حاتم رات کو لیٹا لیٹا سوچ رہا تھا کہ بہادر سنگھ نے سراغ لگالیا ہے۔ اس نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ کیا ایسا تو نہیں کہ گمنام قاتل انکل ریاض کے ساتھ سائے کی طرح ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ حاتم کو نیند نہیں آرہی تھی۔ مینا کئی بار بلا اجازت کمرے میں آئی لیکن حاتم کو متفکر پاکر کچھ نہ بولی۔

"مینا! پرچی کا ہوکل باغی ہو گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں بتاتا۔ اب کیا کروں!" حاتم نے کہا۔ مینا نے جواب دیا "میں کیا عرض کر سکتی ہوں معاملہ اسی مقام پر پہنچ گیا ہے۔" "اور تمہاری برکت والی بات جھوٹی ہو گئی۔ سچ ہے جھوٹے سہارے آدمی کو لے ڈوبتے ہیں یہ سہلا

صرف اللہ رب العزت کا سہارا ہے حاتم نے کہا۔ مینا بولی "حاتم صاحب! میری ارادت میں فرق نہیں آیا۔ آپ کیا مایوس ہو گئے؟"

"نہیں مینا! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب مایوسی کی آخری حد پر پہنچ جاتا ہے تو اُس کا خدا اس کا مسئلہ حل کر دیتا ہے۔ آج میں نے گڑگڑا کر دعا کی ہے۔ تم کو نیند نہیں آتی۔ جاؤ سو جاؤ جا کر۔"

مینا چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد ٹھیک بارہ بجے سناٹوں کو چیرتی ہوئی شیر کی دہاڑ حاتم کے کانوں سے ٹکرائی۔ س نے اچھل کر کمبل پھینکا، گھڑی دیکھی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹارچ اور کمبل لیا۔ کھڑکی کو احتیاط سے کھولا۔ باہر جھانک کر یکھا اور پھر آہستہ آہستہ باہر نکل گیا۔ شیر کہیں قریب ہی دہاڑ رہا تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے آواز کی سمت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا۔ حاتم نے گھڑی دیکھی اور آہستہ سے کہا "پلیز! کہاں ہو؟" اسی وقت شیر پھر دہاڑا۔ حاتم آواز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ایک جھاڑی کے پاس پہنچا۔

"رات کا سلام!"

اور بہادر سنگھ سرسراتا ہوا جھاڑی سے نکل آیا۔ حاتم نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ پھر اندھیرے میں چل کر دونوں ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ "راوی کیا کہتا ہے؟" حاتم نے بہادر سنگھ سے پوچھا۔

"راوی کہتا ہے" بہادر سنگھ ہنسا "بالکل نئی بات۔ جسے میرے سوا کسی نے دیکھا نہیں۔ جسے میرے سوا کسی نے سنا نہیں۔ سنو! کہنے والے کو ثواب نہیں۔ سننے والے کو عذاب نہیں۔ میں کہانی کے ڈراپ سین کے لئے اوقات کو مقرر کرنا چاہتا تھا۔ سگار کی تلاش میں اُدھر ریسٹ ہاؤس کی طرف چلا گیا۔ وہاں کسی بوڑھے انگریز کی روح تی ہے۔ حاتم صاحب! میں نے اُسے کراہتے سنا۔ وہ بوڑھا انگریز یقیناً سگار پیتا ہے۔ میں نے کھڑکی سے سُن گن لی چاہی۔ مجھے سگار کی بو آئی۔"

"میری بھی اِس روح سے ملاقات کراؤ۔ کبھی کبھی روحیں بڑے کام آتی ہیں۔ مگر وہ تو زندہ انگریز کا کچھ جانچا؟"

"نہیں۔ چلو کچھ سُن گُن لیں۔"

اور دونوں ریسٹ ہاؤس کی طرف چل دیے۔

(باقی آئندہ)

# قیامت کے دن میرا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اندھیری رات میں حضرت عمرؓ کے گھر کی طرف چلا جب میں آدھے راستے پر پہنچا تو ایک اعرابی نے میرا دامن پکڑ کر کھینچا اور بولا ابن عباس میرے ساتھ آؤ۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ ہیں۔ وہ بھیس بدلے ہوئے تھے۔ میں ان کی طرف بڑھا۔ سلام کیا اور کہا۔ یا امیرالمؤمنین! کہاں کا قصد ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا" آج رات میں عرب قبیلوں کے حالات دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ کس حال میں ہیں؟ چنانچہ حضرت عمرؓ آگے آگے چلے اور میں ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ آپ ایک ایک گھر اور ایک ایک خیمے کا چکر کاٹنے لگے۔ جب جائزہ تقریباً ختم ہو گیا۔ تو ہم نے واپسی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں ہم نے ایک خیمے میں ایک بوڑھی عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کے چاروں طرف کچھ بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے

چولہے پر ایک ہانڈی چڑھی تھی۔

وہ بوڑھی عورت بچوں سے کہہ رہی تھی۔ بس ابھی کھانا پکا جاتا ہے، پھر کھانا۔ ہم وہاں بڑی دیر تک کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ کبھی بوڑھی عورت کو دیکھتے، کبھی بچوں کو میں نے حضرت عمر سے کہا۔

میں نے ایسے محسوس
کیا جیسے پہاڑ لرز
رہے ہوں اور
میری پیٹھ پر
کود رہے ہوں

یا امیر المؤمنین آپ یہاں رک گئے۔ اب تشریف لے چلئے۔
حضرت عمرؓ نے کہا، خدا کی قسم، میں یہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹوں گا۔ جب تک یہ بچے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھالیں گے۔ ہم ٹھہر گئے۔ بڑی دیر ہوئی مگر کھانا تیار نہ ہوا۔ ادھر بچے زور زور سے رو رہے تھے۔ بڑھیا انہیں تسلیاں دیتی جا رہی تھی۔ بس بیٹا ذرا دیر اور صبر کر لو۔ ابھی کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا۔ آؤ اس بڑھیا کے پاس چلیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ خیمے کے اندر چلے گئے۔ میں

بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا گیا. حضرت عمرؓ نے بڑھیا کو سلام کیا. بڑھیا نے سلامؓ کا جواب دیا. پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ "یہ بچے کیوں رو رہے ہیں ؟ بڑھ بولی بھوک سے پریشان ہیں. اس پر حضرت عمرؓ نے کہا. تو پھر ہانڈی میں جو کچھ ہے. وہ کھلا کیوں نہیں دیتیں" بڑھیا بولی" ہانڈی میں ہے کیا. ؟ چند کنکریاں ہیں. کیا وہ کھلا دوں. ؟

حضرت عمرؓ آگے بڑھے انھوں نے ہانڈی کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا. تو دیکھتے ہیں کہ. پانی ابل رہا ہے. اور کنکریاں پک رہی ہیں. وہ بولے" آ اس کا کیا مطلب ہے. ؟ بڑھیا بولی" کیا کروں. بچوں کو بہلا رہی ہوں حضرت عمرؓ نے دریافت کیا" تمہاری یہ حالت کیوں ہے" ؟ وہ بولی کیو نہ ہو. نہ باپ نہ بھائی، نہ شوہر، اور نہ کوئی عزیز، پھر مجھے کون پوچھے. ؟" عمرؓ بولے" تم نے امیر المؤمنین عمر ابن خطّاب کو اپنے حالات کیوں بتلائے وہ تمہارے لیے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیتے" یہ سن کر بڑھ نے کہا" خدا عمر کو غارت کرے. خدا کی قسم اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ یہ سن کر ہی حضرت عمرؓ کانپنے لگے. مگر بڑھیا نے بڑی نرمی سے کہا. عمرؓ تم پر کیا ظلم کیا ہے ؟ بڑھیا بولی والی (حاکم) کا فرض ہے کہ وہ رعایا حال سے باخبر رہے. نہ جانے اور کون میری طرح تنگ دست بچوں اور بے یار و مددگار ہے. خلیفہ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی خبر گیری ک اور بیت المال سے ان کے لئے حسب ضرورت رقم مقرر کرے" اسو حضرت عمرؓ بولے اچھا میں ابھی آتا ہوں" عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ باہر نکل آئے. میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا. اب رات کا آ

حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ہم چلے آ رہے تھے اور راستے کے کتے ہم پر بھونکتے جا رہے تھے۔ آخرکار ہم بیت المال تک پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ نے خود دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ اندر گیا بیت المال کے اندر پہنچ کر حضرت عمرؓ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ پھر انھوں نے ایک بہت بڑی آٹے کی بوری اٹھا لی اور مجھ سے کہا "عباس اسے میرے کندھے پر رکھ دیں" میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ پھر فرمایا: "تم یہ گھی کا برتن اٹھا لو" میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے دروازہ بند کیا اور ہم چل کھڑے ہوئے۔ آٹے کے ذرّے حضرت عمرؓ کی داڑھی پر آنکھوں پر اور پیشانی پر گرتے جا رہے تھے۔ مگر آپ برابر چلتے جا رہے تھے۔ فاصلہ کافی تھا۔ لہٰذا آپ تھک گئے تھے۔ چنانچہ میں نے اس بوجھ کے اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا "یاامیرالمئنین! میرے ماں باپ آپ پر قربان! لائیے میں اسے اٹھا لے چلوں"

اس پر حضرت عمرؓ بولے خدا کی قسم قیامت کے دن تم میرے جرم اور ظلم کا بوجھ نہیں اٹھا سکوگے۔ اے عباس! جان لو کہ لوہے کے پہاڑ کا بوجھ اٹھا لینا آسان ہے۔ لیکن ظلم کا بوجھ اٹھانا بہت مشکل ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور خاص طور پر اس بڑھیا کا جو کنکریاں ابال کر اپنے بچوں کو بہلا رہی ہے۔ اللہ کے نزدیک کیا اس سے بڑا کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔ اے عباس جلدی چلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ روتے روتے بچے ہلکان ہو جائیں" اب حضرت عمرؓ اور زیادہ تیز چلنے لگے۔ آپ تھک کر چور چور

ہو چکے تھے۔ کہ ہم بڑھیا کے خیمے تک پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کندھے سے آٹے کی بوری اتاری میں نے گھی کا برتن سامنے رکھ دیا۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھے ہانڈی کے اندر جو کچھ تھا اسے پھینک دیا۔ اور ہانڈی کو دھو کر اس میں گھی ڈالا۔ پھر آٹا گوندھنے لگے۔ چولہے پر نظر پڑی تو دیکھا کہ آگ بجھی جا رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بڑھیا سے پوچھا۔ کہ کیا تمہارے پاس لکڑیاں ہیں؟ وہ بولی ہاں بیٹے ہیں۔ وہ رہیں۔ حضرت عمرؓ اُٹھے اور لکڑیاں لے آئے۔ لکڑیاں گیلی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہانڈی چولہے پر رکھ کر منہ نیچا کیا اور پھونکنے لگے۔ تاکہ لکڑیاں آگ پکڑ لیں۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ چولہے سے نکلتا ہوا دھواں حضرت عمرؓ کی داڑھی کے اندر سے گزر کر نکلنے لگا۔ آخر کار بڑی دیر کے بعد آگ سلگ گئی۔ گھی پگھلنے لگا۔ اور کڑکڑانے لگا۔ حضرت عمرؓ ایک لکڑی لے کر اس میں چلانے لگے۔ بچے برابر چیختے جا رہے تھے اور رو رہے تھے۔

آخر کار کھانا تیار ہو گیا۔ اور بچوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بعد بچے کھیلتے کھیلتے سو گئے۔ اب حضرت بڑھیا کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے، میں امیر المنین کا قرابت دار ہوں۔ ان سے تمہارا حال بیان کروں گا۔ لہٰذا تم صبح سویرے ان کے پاس پہنچ جانا۔ میں بھی وہاں ملوں گا۔ شاید خدا تمہارے لیے کوئی بہتری کی صورت پیدا کر دے" یہ کہہ کر حضرت عمرؓ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا" اے عباس! جب میں نے دیکھا کہ یہ بڑھیا کنکریاں ابال کر بچوں کو بہلا رہی ہے۔ تو میں نے ایسے محسوس کیا کہ

جیسے پہاڑ لرز رہے ہوں۔ اور میری پیٹھ پر گر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ میں اناج لایا اور ان کے لئے کھانا پکایا۔ پھر وہ بچے پیٹ بھر کر کھانا کھا کر خوشی سے کھیلتے کھیلتے سو گئے۔ اب میں محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے وہ پہاڑ میری پیٹھ سے اتر گئے ہیں۔ پھر ہم دونوں حضرت عمرؓ کے گھر پہنچے۔ میں نے بھی رات کا بقیہ حصہ وہیں گزارا۔ جب صبح ہوئی تو وہ بڑھیا آئی حضرت عمرؓ کو پہچان کر ڈر گئی آپؓ نے اسے تسلی دی اور بیت المال سے اس کا اور اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جو پابندی سے ماہانہ ملنے لگا۔

(ریاض)

## ایک خط

پیارے ایڈیٹر تسلیم۔ میں نے ۲۰ نومبر کو اپنی بیوی کو گھر سے نکالنے کا عزم کر لیا تھا۔ قریب تھا اور کچھ کر بیٹھتا میں چند بچوں کا باپ ہوں۔ میں کس بھنور میں ڈوب رہا تھا میں ہی جانتا ہوں۔ ادھر بیوی لڑتی تھی اپنی غلطی پر نادم نہ تھی۔ میں گھر سے دور بھابھی کے کوارٹر پہونچا۔ خاموش چارپائی پر لیٹ کر سوچ رہا تھا کہ ظرف کو میرا کوئی بھی احسان یاد نہ رہا۔ میری تند مزاجی کو در گذر نہ کر سکی۔ میری بھابھی۔ چائے پوچھ رہی تھیں۔

چارپائی پر آپ کا نمبر ۱۰ الجھنوں کے گرفتار پڑا تھا۔ جو نظر پڑی اس کتاب پر پہلا میری نگاہ "بیوی کو بیوی بنانا" کالم پر پڑی۔ پڑھا۔ حدیث بیوی کو ستّر بار معاف کرنے کی عادت ڈالیں۔ بیوی کو کسی بات پر چیلنج نہ کریں۔ وغیرہ۔ ۔ ۔ جو ہم نے پڑھا ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے گھر کو چلا۔ اور کچھ ادھر بیوی کا۔ ۔ ۔ جانے کی ضد ہمیشہ کے لئے۔ ٹھنڈی بھی پڑی دیکھی۔ خدا جانے۔ کیسے؟

گویا اس نمبر نے میری زندگی کو اور میرے بچے بچیوں کی زندگیوں کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

اللہ آپکو اسکا ثواب عطا فرمائے (آمین)

# ایک نومسلم انگریز خاتون کا انٹرویو

(بیگم سید اصغر حسین)

زیر نظر مضمون ۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کو محمد اکرام ندوی کا "تعمیر حیات" میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون نے مجھے حد درجہ متاثر کیا ہے۔ لہٰذا رضوانی خواتین کی معلومات کے لئے اس مضمون کو پیش کر رہی ہوں۔ وہ دیکھیں کہ غیر مسلموں کے دلوں میں جب وحدانیت کی شمع روشن ہوتی ہے تو وہ دل و جان سے اس کی جستجو میں کس طرح لگ جاتے ہیں اور پھر حق تلاش کر کے ہی دم لیتے ہیں۔

ایک ہم پشتینی مسلمانوں نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے اسلامی روایات اب مسلمانوں کے گھروں سے رفتہ رفتہ رخصت ہو رہی ہیں ہماری اگلی پشت اگر مسلمان رہ جائے تو یہ ایک معجزہ ہوگا کیونکہ آج کے والدین کو اپنے بچوں کی صرف دنیاوی تعلیم مد نظر ہے! اعلیٰ تعلیم ہوگی عمدہ ملازمتیں ملیں گی، معیار زندگی بلند ہوگا دینی تعلیم و تربیت کی قطعی پرواہ نہیں ہے کہ بچے کس طرف جا رہے ہیں اس کا بھیانک انجام ہمارے سامنے ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین

عائشہ عبداللہ نے تقریباً دو سال ہوئے اسلام قبول کیا۔ وہ اس وقت لندن کی کسی کمپنی میں سکریٹری تھیں۔ عائشہ عبداللہ کی نشو ونما ایک انگریز خاندان میں ہوئی، جس خاندان کی مذہبی اور اجتماعی زندگی برطانیہ کے عام خاندانوں کی طرح تھی۔ اور انھوں نے اپنے ایام طفولیت کلیسا کے کالج میں بسر کئے اور وہاں کے نصاب کے مطابق تعلیم وتربیت پائی! ۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے اپنے بچپن میں کبھی اللہ کے ناموں کا تذکرہ سنا ہو میں مسیحیت کے بعض اہم اور بنیادی عقیدوں پر مطمئن نہیں تھی۔ خصوصاً عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفارہ، جس کی رو سے حضرت مسیح نے تمام اہل زمین کی طرف سے اپنے آپ کو فدیہ پیش کر دیا اور سب کے گناہوں کے کفارہ کے لئے تختہ دار پر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اگرچہ میں نے ان عقائد کی مختلف تشریحات اور ان کے رد میں طول طویل مباحثے سنے ہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ میرے اندر ہمیشہ یہی خواہش موجزن رہی کہ کسی طرح حق کو مکمل طور پر پالوں اور سمجھ لوں۔ میرا تعلق میرے شوہر سے قائم ہوا لیکن ان کو میری اس خواہش کا علم نہ ہو سکا۔ انھوں نے مجھ سے کہا میں مسلمان ہوں اور تم مسیحی ہو میں تمہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ تمہیں مکمل اختیار حاصل ہے۔

مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی۔ ہم نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز اس طرح کیا کہ وہ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور اپنے دوستوں کو دعوت دیتے جو ہمارے گھر میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے اور اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں گفتگو کرتے اور میں خاموش ان کی خدمت کرتی۔ خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بلا تکلف قرآن کی تلاوت کریں، نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں اور میں ان کاغذات کو جمع کر لیتی جن پر قرآن کی آیتیں لکھی ہوتیں تاکہ ان کو طبع کرا کے اپنے پاس رکھ لوں

اور ان پر غور کروں۔

سوال: کس کتاب نے آپ کو اسلام کی طرف متوجہ کیا؟

جواب: قرآن کریم نے، جب کہ میرے پاس اس کا ایک مکمل نسخہ بھی نہیں تھا بلکہ چند اوراق تھے جن کو میں نے طبع کرالیا تھا۔ اور ان کو سمجھ کر پڑھتی تھی۔ اور ان پر غور کرتی۔ یہ تھی میری ابتدا۔ بات جاری رکھتے ہوئے ہم نے سوال کیا کہ آپ نے اسلام ظاہر کیا۔

جواب: میرے شوہر کے مسلمان دوست اور ان کی بیویاں ہمارے گھر آتے تھے ان میں ایک صالح خاتون سے میرا تعلق ہو گیا۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے پوچھا کہ تم نے کتنا پڑھ لیا ہے۔ اور اب تم کب مطمئن ہو گی؟ تو میں نے ان سے وعدہ لیا کہ میرے شوہر سے وہ کچھ نہ بتائیں، ان کو میں نے مرشد و رہنما بنالیا اور وہ میرے سوالات کا جواب دیتیں، انھوں نے مجھے نماز پڑھنے، وضو کرنے کا طریقہ سکھایا، اس کے بعد میں نے چھوٹی سورتیں یاد کریں، اور ماہ رمضان کا روزہ رکھا۔ اسلام لانے سے پہلے ہی میں نے فرائض اسلام پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ہی دین برحق ہے ——

جیسا کہ قاعدہ ہے میں نے عیسائی مذہب کے دینی اور اجتماعی نظام سے واقفیت کے بعد اسلام کے دینی اور اجتماعی نظام کو دیکھا اور میرے سامنے اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنی ایک مسلمان بہن کے ساتھ کلمہ پڑھنے کے لئے امام کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جب ہم پہونچے تو انھوں نے ہم سے اسلام لانے کی وجہ پوچھی، میں نے عرض کیا کہ یہ میرا احساس اور میری خواہش ہے —— اور انھوں نے میری ہشت سالہ لڑکی اسمار کے متعلق پوچھا

کہ وہ بھی مسلمان ہے۔ میں نے کہا۔ الحمد اللہ وہ بھی مسلمان ہے۔ انھوں نے کہا ماشاء اللہ جلد ہی پورا خاندان مسلمان ہو جائے گا۔ انھوں نے مجھ سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھوائی اور ہمیں شہادتیں کی تلقین کی۔ ہمارے لئے توفیق کی دعا کی۔ اس کے بعد ہم واپس آ گئے۔ آج کے روز مجھے ایسی خوشی ہوئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی اور نہ اس کے بعد کبھی اتنی خوشی ہوگی اور میں اس خوشی کو کبھی فراموش نہ کروں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین میں داخل ہونے کی توفیق دی۔

سوال: آپ کے شوہر کو آپ کے اسلام لانے کا کب علم ہوا؟

جواب: میری مسلمان بہن نے مجھ سے کہا تھا کہ اللہ نے تمھیں ہدایت دی ہے اس کے شکریہ میں گھر جاتے ہی دو رکعت نماز پڑھ لینا۔ گھر پہونچ کر اپنی بیٹی کو لیکر نماز پڑھنے لگی کہ اتنے میں میرے شوہر آ گئے۔ اور انھوں نے اچانک ہمیں پہلی دفعہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس موقع پر ان کو اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔

سوال: معاشرہ اور سرکاری حلقوں میں آپ نے اپنا نیا نام عائشہ کس طرح ظاہر کیا؟

جواب: اس کے لئے مجھے کچھ کارروائیاں کرنی پڑیں، میں نے ایک وکیل کے پاس گئی اور اس کے سامنے اسلام کا اظہار کیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ سرکاری کاغذات میں میرا نام درج کر دیا جائے۔ عدالت میں کچھ سوالات و جوابات کے بعد میرا اپنا نام سرکاری کاغذات میں درج کر دیا گیا۔

سوال: کیا آپ ملازم ہیں؟

جواب: ہاں! میں سکریٹری ہوں۔

ل: کہاں؟
ب: لندن کے ادارۂ مواصلاتی بورڈ میں۔
ل: اسلام لانے سے آپ کی ملازمت اور آپ کے ساتھ کام کرنے والوں پر کیا اثر پڑا؟
ب: جس وقت میں نے ملازمت شروع کی تھی اس وقت مستقل مزاج اور پابند نہیں تھی۔ لیکن جب ماہ رمضان آیا تو میں نے کہا کہ آج سے میں کھانا کھانے کے لئے نہیں جاؤں گی کیونکہ میں نے مکمل ایک ماہ کے روزے کا ارادہ کر لیا ہے، لوگوں نے مجھ پر اعتراضات کرنا شروع کر دیئے۔ اور کہا کہ ایک ماہ کا روزہ رکھنا کس طرح ممکن ہے؟ حالانکہ اس ادارے میں میرے علاوہ بھی ایک مسلمان تھے۔ لیکن لوگوں کا خیال ان کے بارے میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ میرے بارے میں تھا۔ وہ مجھے معزز مسلمان خاتون کہتے ہیں۔ کیونکہ میں پردہ سے رہتی ہوں اور الحمد اللہ میں محسوس کرتی ہوں کہ روز بروز میری عزت واحترام میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ شروع میں میرا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن الحمد اللہ اب یہ بات ختم ہو گئی۔ اب وہ مجھے ان تمام پروگراموں میں شرکت پر مجبور نہیں کرتے جن میں "الکوحل" پیتے ہیں۔ انھوں نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا ہے، وہ میرا احترام کرتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ درحقیقت میرے مذہب کا احترام ہے۔
سوال: آپ اپنی سہیلیوں سے اسلام کے متعلق گفتگو کرتی ہیں؟
جواب: میرے مذہب اسلام کے مطابق معیار زندگی کو بلند کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کی وجہ سے ان کے اندر بہت سے سوالات

ہیں۔ اگر ملک کے انگریز خاندان کے تمام افراد اسلام قبول کر لیں تو
سی مشکلات ختم ہو جائیں اور معاشرہ کی جانب سے اعتراضات کم ہو جا
لیکن اگر کسی کارخانے یا دفتر یا ادارہ میں صرف ایک شخص اسلام لاتا
تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ اس پر مجبور ہوتا ہے کہ انگر
معاشرہ اور عام ماحول اس کے حق میں نہیں ہے۔ ہم ایک جاہلی معاشرہ
زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ثابت قدمی
ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ میں اپنی سہیلیوں سے اسلام کے متعلق گفتگو
کرتی رہتی ہوں۔ لیکن یہ گفتگو کس قسم کی ہوتی ہے۔ یہ گفتگو مذاق
ہوتی ہے۔ ان کے اندر اسلام سے نفرت ہے، ان کو اس کے اندر
خرابیاں اور کمزوریاں نظر آتی ہیں۔ ہمارے پاس دلیل کہاں ہے جو
کے سامنے پیش کریں۔ صرف اپنی اسلامی زندگی پیش کر سکتے ہیں
اسلام لانے کی وجہ سے وہاں میرے اوپر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو
بلکہ اس کے برعکس ہم لوگوں کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ ہمارے معا
میں ہر شخص کو مذہب کے سلسلے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔ میں
کے لئے ہدایت کی دعا کرتی ہوں اور اپنے لئے طاقت اور راستہ
کیونکہ مجھے اپنے شہر میں ایک انگریز خاتون کی طرح رہنا پڑتا ہے۔
میں گھر پر ہوتی ہوں، میرا خیال تھا کہ گھریلو مالکہ کی حیثیت سے
گزاروں یعنی گھر میں رہ کر اپنے شوہر اور بال بچوں کی خدمت
لیکن معیار زندگی کی حفاظت کے لئے میں ملازمت کرنے
ہوں۔ ہم برطانوی مسلمان مختلف حیثیتوں سے مدد دی

ضرورت مند ہیں۔
ل: اب آپ کے سلسلہ میں آپ کے والدین اور بہنوں کا کیا احساس ہے؟
ب: میرے اسلام لانے سے میرے والدین کو صدمہ ہوا، پہلا صدمہ ان کو اس وقت پہونچا جب میں نے ایک مسلمان شوہر سے شادی کی، انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارا شوہر تم کو اسلام کے بندھن میں باندھ دے گا، تو میں نے عرض کیا کہ میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے ان کو بتایا کہ میرے اسلام لانے میں میرے شوہر کا ہاتھ نہیں ہے۔ ان کو میرے مسلمان ہونے کا علم کلمہ پڑھ لینے کے بعد ہوا۔ میری والدہ کو مجھ سے بے حد لگاؤ ہے۔ جب ہمارے پاس آتی ہیں تو اپنے جوتے دروازے ہی پر نکال کر رکھ دیتی ہیں۔ ہمارے پاس حرام کھانے سے اجتناب کرتی ہیں۔ اور حلال کھانا تناول فرماتی ہیں۔ اور جب میں ان کے پاس جاتی ہوں تو نماز کے وقت میرے لئے کمرہ خالی کر دیتی ہیں۔ تصویروں کو نکال کر میں اپنے ایک مخصوص فرش پر نماز پڑھتی ہوں، وہ میرے مذہب، میری نماز اور میری تلاوت کا بہت احترام کرتی ہیں۔
ل: آئندہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
ب: میرے چار لڑکے ہیں۔ سب سے بڑی ایک لڑکی ہے جس کی عمر دس سال ہے۔ اور سب سے چھوٹے بچے کی عمر چھ ماہ ہے۔ میری تمنا ہے کہ اس غیر اسلامی ملک میں یہ لوگ پاکیزہ اور ... کے اسلامی نسل کی نمائندگی کریں۔ میں نے سوچا ہے کہ اپنی اور ان

لوگ حضرت ابوبکرؓ کو مارے ڈالتے ہیں، تو وہ
بھاگتے ہوئے مسجدالحرام پہنچے اور حضرت ابوبکر
صدیقؓ کو مشرکین کے پنجۂ بیداد سے چھڑایا۔ اس
وقت صدیق اکبرؓ بے ہوش تھے اور اتنے شدید
زخمی کہ ان کا جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا۔ بنوتیم
اُن کی حالت دیکھ کر غضب ناک ہو گئے اور للکار کر
کہا کہ اگر ابوبکرؓ فوت ہو گئے تو خدا کی قسم! ہم
اس کا انتقام لیں گے۔ اس کے بعد وہ حضرت
ابوبکر صدیقؓ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اُن
کے گھر لے گئے۔ اب صدیق اکبرؓ کے والد ابوقحافہؓ
اور بنوتیم نے اُن کو مسلسل پکارنا شروع کیا، لیکن
وہ کوئی جواب نہ دے سکے، عصر کے بعد کہیں
ہوش میں آئے اور بات کرنے کے قابل ہوئے
تو سب سے پہلے جو الفاظ زبان سے نکلے، وہ
یہ تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"
یہ سنکر بنوتیم کے لوگ جو ابھی ایمان نہیں
لائے تھے، برافروختہ ہو کر طعنے دینے لگے کہ تم
اس حالت میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا
خیال نہیں چھوڑتے۔ پھر وہ حضرت صدیق اکبر

کی والدہ امّ الخیر سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی
ان کی خبرگیری اور تیمارداری کرو، اگر یہ کچھ کھانا
پینا چاہیں تو کھلا پلا دینا۔

جب یہ لوگ چلے گئے تو امّ الخیر نے بڑا
اصرار کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کچھ کھائیں پئیں لیکن
انھوں نے کچھ کھایا نہ پیا اور برابر یہی پوچھتے
رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں
ہیں۔ امّ الخیرؓ (جو اس وقت تک مشرف باسلام
نہیں ہوئی تھیں) ہر بار یہی جواب دیتی تھیں
کہ خدا کی قسم! مجھے تمھارے ساتھی کی کچھ خبر نہیں۔
بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا کہ
آپ امّ جمیل کے پاس جائیے اور ان سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیجئے۔ امّ الخیر
اسی وقت امّ جمیل کے پاس پہنچیں اور کہا کہ
ابوبکرؓ سخت مجروح و نزار ہے اور اس نے
تم سے محمد بن عبداللہ کا حال دریافت کیا ہے
امّ جمیل نے انھیں کچھ نہ بتایا اور کہا کہ اگر تم پسند
کرو تو میں تمہارے ساتھ ابوبکرؓ کے پاس چلوں
امّ الخیر نے کہا: "ہاں چلو" امّ جمیلؓ صدیق اکبرؓ
کے گھر پہنچیں، تو ان کی حالت دیکھ کر بے قرار

ہوگئیں اور بے اختیار اُن کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے
، خدا کی قسم! جن لوگوں نے آپ سے یہ سلوک کیا ہے
وہ بے شک کافر اور فاسق ہیں، مجھے امید ہے کہ
اللہ تعالیٰ ضرور اُن سے آپ کا بدلہ لے گا!" پھر
انھوں نے بھی حضرت ابوبکر رضہ سے کچھ کھانے پینے
کی التجا کی، لیکن صدیق اکبر رضہ نے یہی جواب دیا کہ
پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ؟
اُمّ جمیل نے کہا: "یہ آپ کی ماں سُن لے گی"
صدیق اکبر رضہ نے فرمایا: "تم ان سے کوئی
خطرہ محسوس نہ کرو"
اُمّ جمیل نے کہا: "بحمد اللہ، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم صحیح سالم ہیں، آپ کچھ فکر نہ کریں"
حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے پوچھا: "اس
وقت آپ کہاں ہیں؟"
"اُمّ جمیل رضہ نے جواب دیا: "دارِ ارقم میں"
حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے فرمایا: "خدا
کی قسم! جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو دیکھ نہ لوں گا، نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا"
اُس وقت لوگ حضرت ابوبکر رضہ کی خبر گیری
کے لیے آ جا رہے تھے۔ جب اُن کی آمد و رفت

ختم ہوئی تو اُمّ جمیل اور اُمّ الخیر حضرت ابوبکر صدیق رضہ
کو سہارا دیتی ہوئی لے کر نکلیں اور دارِ ارقم میں سرورِ
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے
گئیں۔ حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو دیکھا
تو آب دیدہ ہوگئے اور جھک کر پیشانی چوم
لی۔ یہ دیکھ کر دوسرے مسلمانوں پر بھی رقت
طاری ہوگئی۔ دونوں خواتین جو حضرت ابوبکر
صدیق رضہ کو سہارا دے کر حضور کی خدمت میں
لائی تھیں اُن میں حضرت اُمّ جمیل تو پہلے ہی
حضور کے جاں نثاروں میں شامل تھیں، البتہ
اُمّ الخیر ابھی تک سعادت اندوزِ اسلام نہیں
ہوئی تھیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق نے
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس
کی کہ اے اللہ کے رسول میری مادرِ محسنہ کی ہدایت
کے لیے بھی دعا فرمائیے۔ حضور نے اسی وقت
ان کے لئے دعا کی اور وہ بھی نعمتِ ایمان سے
بہرہ ور ہوگئیں۔ یہ اُمّ جمیل رضہ کنیت کی خاتون،
جن کو بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں
قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا اور جن پر
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ

کو بے حد اعتماد تھا۔ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کی بہن
فاطمہؓ بنت خطاب تھیں۔

*

حضرت ام جمیل، فاطمہ بنت خطاب کا شمار
نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے لیکن تعجب
ہے کہ کتبِ سیر میں اُن کے بہت ہی کم حالاتِ
زندگی ملتے ہیں۔ حسب ونسب کے بارے میں اتنا
کہنا کافی ہے کہ وہ قریش کے خاندان بنو عدی سے
تھیں اور سیدنا فاروق اعظمؓ کی بہن۔ سلسلۂ
نسب یہ ہے: فاطمہ بنت خطاب بن نُفیل بن عبدالعزیٰ
بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی
بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

کعب بن لوی پر اُن کا سلسلۂ نسب حضورؐ
کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت سعیدؓ بن
زید (بن عمرو بن نُفیل) سے ہوئی جو اصحاب عشرہ
مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ دونوں میاں بیوی
کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا۔ سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد جونہی
دعوتِ حق کا آغاز فرمایا: حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ
بلا تامل آگے بڑھے اور دین حق کے حلقہ بگوش
بن گئے۔ ان سے پہلے صرف گنتی کے چند
سعید الفطرت اصحاب شرفِ اسلام سے بہرہ ور
ہوئے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ
بنت خطاب سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان
لائے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ستائیسویں مسلمان تھیں
اور حضرت سعیدؓ اٹھائیسویں۔ اس طرح دونوں
میاں بیوی کو السابقون الاولون میں بھی امتیازی
حیثیت حاصل ہے۔

جس زمانے میں حضرت فاطمہؓ سعادت
اندوزِ اسلام ہوئیں، اُن کے نامور بھائی عمرؓ
بن الخطاب دینِ حق کی مخالفت میں پیش
پیش تھے۔ یہ حضرت فاطمہؓ کا استقلال اور اخلاص
فی الدین ہی تھا جس نے ایک دن بھائی کو
عمر بن الخطاب سے فاروق اعظمؓ بنا دیا۔
حضرت فاطمہؓ کی کتابِ زندگی کا یہ سب سے
تابناک باب ہے اور بہت سے اربابِ سیر
نے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے
تاہم کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں حضرت
عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو ایک

دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اُس میں حضرت فاطمہؓ کا ذکر نہیں آتا، لیکن مشہور روایت وہی ہے جسے ابن اسحاقؒ، ابوالعلیؒ، بزازؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ دارقطنیؒ اور کئی دوسرے اہلِ سیر نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اگرچہ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے، لیکن واقعہ کی صورت قریب قریب یکساں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ھ بعدِ بعثت میں ایک دن حضرت عمرؓ علی الصباح شمشیر بدست گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج شمعِ رسالت کو بجھا کر دم لیں گے۔ اُن کے اس ارادے کی محرک کیا چیز تھی؟ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پانچ سال تک اہلِ حق پر ہر قسم کی سختیاں کرنے کے باوجود جب اُن میں سے کسی ایک کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو انھوں نے مجبور ہو کر اُس شمع ہی کو بجھانے کا ارادہ کر لیا جس کے اہلِ حق پروانے تھے۔ بعض نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ اسلام کو روز بروز ترقی کرتے دیکھ کر حضرت عمرؓ سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب انھوں نے اپنے کچھ رشتہ داروں کو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تو ان کی ذہنی کش مکش میں اور اضافہ ہو گیا اور انھوں نے اسلام کے داعیٔ اعظم کو شہید کرنے کا عزم کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجاع چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے تو مشرکین قریش کے پندار پر سخت ضرب لگی۔ انھوں نے مشتعل ہو کر ایک اجتماع عام کیا۔ جس میں ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے گا، میں اُسے سو سرخ اونٹ (جو بہت گراں بہا ہوتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطور انعام دوں گا۔

حضرت عمرؓ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انھیں انعام کا لالچ تو نہ تھا لیکن اپنی زور آوری اور طاقت پر بڑا ناز تھا۔ ابوجہل کی اشتعال انگیز تقریر سنکر جوش میں آ گئے اور باآوازِ بلند کہا: "اے اباالحکم لات و عزیٰ کی قسم جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر لوں، زمین پر نہ بیٹھوں گا۔"

حضرت حمزہ رضہ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ علامہ ابن سعدؒ کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ سنہ بعد بعثت میں ایک دن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے قریب (مسجد الحرام کے اندر لوگوں کو دعوتِ توحید دے رہے تھے کہ ابوجہل وہاں آگیا۔ اس نے آتے ہی حضورؐ کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ حضورؐ خاموشی سے سنتے رہے۔ مگر اُس نے حضورؐ کے رُخ اقدس پر طمانچہ مارا۔ (ایک روایت کے مطابق اس نے حضورؐ پر گوبر پھینکا اور پتھر بھی مارے) حضورؐ خاموشی سے گھر چلے آئے۔ اس زمانے میں حضرت حمزہؓ اپنے آبائی دین پر قائم تھے اور دعوتِ حق کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنا بیشتر وقت سیر و شکار میں گزارتے تھے۔ اُس دن حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے کہ بنی تیم کے رئیس عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ ایک لونڈی نے اُن کا راستہ روک لیا اور چلا کر بولی۔ ابوعمارہ (حضرت حمزہ رضہ کی کنیت) کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں ہوتے تو اپنے یتیم بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے کہ بنو مخزوم کے شریر عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے!" پھر اس نے واقعہ کی تفصیل سنائی تو حضرت حمزہؓ کا جذبۂ حمیّت جوش میں آگیا۔ غضب ناک ہوکر خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے جہاں ابوجہل مشرکین کے مجمع میں بیٹھا شیخیاں بگھار رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضہ نے اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ لہولہان ہوگیا۔ انھوں نے للکار کر کہا: "تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ حالانکہ جو وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں۔ ہمت ہے تو مجھے بھی وہی گالیاں دے کر دیکھ!"

اس پر بنو مخزوم کے کچھ لوگ دوڑ کر ابوجہل کی مدد کے لئے پہنچ گئے، لیکن ابوجہل نے انھیں یہ کہہ کر پیچھے ہٹا دیا کہ ابو عمارہ کو چھوڑ دو، میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی تھیں۔ اس کے بعد حضرت حمزہؓ حضورؐ کے پاس گئے اور کہا! "بھتیجے میں نے تمہارا بدلہ عمرو بن ہشام سے لے لیا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "چچا، مجھے تو اس وقت خوشی ہوگی جب آپ دین حق قبول کرلیں گے۔"

حضرت حمزہ رض یہ سنکر خاموشی سے اپنے گھر آ گئے اور ساری رات اسی کشمکش و دبیغ میں گزاری کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ علی الصباح حضور ص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی۔ حضور ص نے ان کو نہایت بلیغ پیرایے میں اسلام کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن کا دغدغہ دور کر دیا اور وہ اُسی وقت مشرف بہ ایمان ہو گئے)

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت حمزہ رض کے قبولِ اسلام کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دو ستونوں عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر رض بن الخطاب میں سے کسی ایک کو دولت اسلام سے بہرہ یاب کر دے، چنانچہ آپ نے دعا مانگی

اَللّٰھُمَّ اعزّ الاسلام باحد الرجلین امّا ابن ھشام واما عمر بن الخطاب۔

(الٰہی اسلام کو ابن ہشام یا عمر رض بن الخطاب سے عزت دے)

یہ دعا در اجابت پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رض بن خطاب کو اسلام کا دست و بازو بنانے کے لئے چُن لیا۔ اس واقعے (یعنی حضور ص کے دعا مانگنے) کے دوسرے ہی دن حضرت عمر رض حضور ص کو شہید کرنے کا عزم کر کے گھر سے نکلے راستے میں اتفاق سے اُن کے قبیلے بنو عدی کے ایک صاحب حضرت نعیم رض بن عبداللہ النحام مل گئے۔ وہ خفیہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔

حضرت نعیم رض: عمر! یہ آج شمشیر بکف کدھر چلے ہو؟"

حضرت عمر رض: آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اس شخص کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے، ہم سب کو احمق قرار دیا ہے، ہمارے معبودوں کی مذمت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالے ہیں۔

حضرت نعیم رض: عمر، یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ خدا کی قسم! تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو اگر تم محمد ص کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لیے زندہ چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمر رض: مجھے کسی کا خوف نہیں

معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی آبائی مذہب ترک کرکے محمدؐ کا دین اختیار کرلیا ہے کیوں نہ پہلے تمہیں اس کا مزہ چکھا دوں!

حضرت نعیمؓ :۔ مجھ کو تو بعد میں مزہ چکھانا، پہلے اپنے گھر والوں کی خبر تو لو!

حضرت عمرؓ :۔ میرے کون سے گھر والے؟

حضرت نعیمؓ :۔ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، میری نسبت تم پر اُن کا زیادہ حق ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سُنکر جوش غضب سے بے قرار ہوگئے، پلٹ کر حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے۔ وہاں اُس وقت سادس الاسلام حضرت خبابؓ بن الارت بھی موجود تھے۔ اُن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کرکے حضرت فاطمہؓ اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی آواز سُن لی اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ یہ عمرؓ ہیں، انھوں نے حضرت خبابؓ کو گھر کے پچھلے حصّے میں دھکیل دیا اور قرآن پاک کے اجزا کو جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھول دیا۔

❀

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"یہ کیسی آواز تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟"

حضرت فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ نے کہا:

"تم نے کچھ نہیں سُنا" حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہوکر بولے:

"نہیں میں نے سُنا ہے، خدا کی قسم میں سُن چکا ہوں کہ تم دونوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کرلیا ہے"

یہ کہہ کر وہ اپنے بہنوئی (حضرت سعیدؓ بن زید) سے لپٹ گئے۔ اُن کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کردیا حضرت فاطمہؓ شوہر کو بچانے کے لیے اٹھیں تو انھیں بھی مارا۔ پھر حضرت سعیدؓ پر ایک لکڑی سے وار کیا چاہتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ آگے آگئیں، وار اُن کے سر پر پڑا اور اُس سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں شوہر کے ساتھ ہم زبان ہوکر بولیں:

"ہاں! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے" اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ تم جو کر سکتے ہو کر لو، دینِ حق کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے"

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔

"بھائی! بہن کو بیوہ کیوں کرتے ہو بیشک پہلے مجھے ہلاک کر ڈالو، لیکن اب دینِ حق دل سے نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا، ہمارا خاتمہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ہو گا"

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے اور ان کا غصہ ندامت میں تبدیل ہو گیا۔ عرب کے اس نامور فرزند کو جس کو آگے چل کر فاروقِ اعظمؓ بننا تھا فاطمہ بنت خطاب نے اپنا خون بہا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھے رہے، پھر بولے:

"اچھا، تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، مجھے بھی دکھاؤ"

حضرت فاطمہؓ نے کہا: "ہمیں ڈر ہے تم اس کو ضائع کر دو گے"

حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا "کوئی اندیشہ نہ کرو، میں اُسے پڑھ کر واپس کر دوں گا"

حضرت فاطمہؓ کے دل میں خیال آیا شاید بھائی کے دل پر کلامِ الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا: "ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، یہ صحیفہ جس میں کلامِ الٰہی درج ہے، اس کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو، اس صحیفے کو نہیں چھو سکتے" حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ انھوں نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ ہی پڑھا تھا کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دل سے کفر و شرک کا زنگ دور ہونے لگا۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے، قرآن کریم کی شوکتِ الفاظ ندرتِ بیان اور فصاحتِ زبان انھیں مسحور کرتی جاتی۔ جب اس آیت پر پہنچے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

یعنی اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اُس کے۔ اس کے لیے بڑے خوب

ہیں۔

تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھے: "مَا اَحْسَنَ الْکَلَامِ" کتنا پیارا کلام ہے یہ!

جونہی حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، حضرت خبابؓ مکان کے پچھلے حصے سے نکل کر باہر آ گئے اور جوش مسرت میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا: "اے عمرؓ مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضورؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام اور عمرؓ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی پڑھ کر سناؤ۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے جسم سے خون صاف کیا، وضو کر کے کلام اللہ کے اوراق نکالے اور پھر بڑے جوش سے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کر دی:

طٰہٰ۔ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔

(طٰہٰ۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان کائنات کی فرمانروائی کے تخت پر متمکن ہوا۔)

جوں جوں پڑھتی جاتی تھیں حضرت عمرؓ کا دل پانی ہوتا جاتا تھا۔ جب انھوں نے پڑھا:

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی۔

(اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے)

تو حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بولے: "اے فاطمہؓ! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے، کیا وہ سب تمہارے خدا کا ہے؟"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: "بیشک بھائی جان اللہ بڑی شان اور قدرت والا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا: "ذرا یہ اوراق مجھے بھی دو۔"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: "بھائی ہمارے اللہ کا حکم ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۔

(جب تک کوئی پاک وصاف نہ ہو، کلامِ الٰہی کو ہاتھ نہ لگائے)

آپ پہلے غسل کریں۔ اس کے بعد شوق سے ان اوراق مقدس کو دیکھیں۔"

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور پھر نہایت ذوق وشوق سے کلامِ الٰہی کو دیکھنا شروع کیا۔ اس کی تاثیر نے انھیں مغلوب کرلیا۔ لیکن جب اس آیت پر پہنچے، اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۔

یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو) تو بالکل بے اختیار ہوگئے اور زار زار رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی کے بال تر ہوگئے۔ پھر اپنے بہنوئی اور بہن سے مخاطب ہوکر فرمایا: "خدا کے لیے میری زیادتی معاف کردو اور گواہ رہو کہ میں سچے دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔"

اس کے بعد انھوں نے حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو تاکہ میں اُن کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کروں۔ حضرت خبابؓ نے انھیں بتایا کہ حضورؐ اس وقت دارِ ارقم میں اپنے چند اصحابؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے باندھے ہوئے دارِ ارقم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہؓ کرام کو دروازہ کھولنے میں تامل ہوا۔ اس موقع پر حضرت حمزہؓ کو جوش آگیا۔ انھوں نے کڑک کر کہا: "دروازہ کھول دو، اگر عمرؓ نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔"

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی چادر کو اپنی مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا: "ابن خطاب! کس نیت سے یہاں آئے ہو؟" حضرت عمرؓ کو جلالِ نبوت نے لرزا دیا۔ سر جھکا کر نہایت ادب سے عرض کی: "یا رسول اللہ، میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے حاضر ہوا ہوں۔" اتنی

حضورؐ نے زور سے "اللہ اکبر" فرمایا، تمام صحابہؓ سمجھ گئے کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔ انھوں نے جوشِ مسرت میں اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ بن خطاب کا قبول اسلام تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ وہ اپنی جرأت، دلاوری، بے خوفی، غیرت دینی، فراست اور تدبر کی بدولت اسلام کا ایک عظیم ستون ثابت ہوئے فاروق اعظمؓ کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ اُن کی استقامت اور اخلاص فی الدین ہی کا نتیجہ تھا کہ قریش کے مردِ آہن کا دل بھی پگھل گیا اور وہ آناً فاناً اعدائے حق کی صف سے نکل کر علمبردارانِ حق کی صف میں آ گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں جو مشہور روایت ہم نے اوپر بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو پہلی مرتبہ حضرت نعیمؓ کی زبانی حضرت فاطمہؓ اور سعیدؓ بن زید کے مسلمان ہونے کا علم ہوا لیکن [illegible] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کے اسلام سے پہلے ہی واقف تھے اور اسلام لانے کے جرم میں اُن کو باندھ دیا کرتے تھے۔ کتاب المناقب صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو حضرت سعیدؓ بن زید کو سخت صدمہ پہنچا۔ اُس زمانے میں اُن کا قیام کوفہ میں تھا۔ انھوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"لوگو! خدا کی قسم! میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں، اگر ان کی وجہ سے کوہ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا۔"

اس روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے قبولِ اسلام سے پہلے بہن اور بہنوئی پر اسلام لانے کے جرم میں کبھی کبھی سختی کیا کرتے تھے لیکن یہ سختی ان کے باندھنے تک محدود تھی۔

انھوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ سخت حد سے تجاوز کر گئی۔ اور بہن اُن کے ہاتھ سے سخت زخمی ہو گئیں شاید قضا و قدرت کو یہی منظور تھا کہ بہن کے سر سے خون بہتا دیکھ کر ان کا سخت دل نرم ہو جائے۔

سنہ ۱۳ بعد بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید بھی مہاجرین اوّلین کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ درِ منثور کی روایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ لیکن اکثر اہلِ سیر نے اُن کے زمانۂ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے چار بیٹے تھے۔ عبدالرحمٰن، عبداللہ، زید اور اسود۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب علم و فضل کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبے پر فائز تھیں۔ وہ نہایت عقل مند تھیں، نیک کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ شر سے کراہت کرتی تھیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔

---

( بقیہ : ۔ نبوت کی کرنیں )

جو غریبوں کو نہیں دیا بلکہ اپنے پاس رکھا، وہ تمہارا نہیں ہے (یعنی وہ تو ورثہ ہے) جو دوسرے لوگ بانٹ کھائیں گے) اس دوست کا نام مال ہے۔

تیسرا دوست تم سے کہتا ہے : میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس جگہ بھی جہاں تم (دنیا چھوڑ کر) داخل ہو گے (یعنی قبر میں) اور اس مقام پر بھی جہاں (قبر سے نکل کر) آخر کار پہنچو گے۔ اس دوست کا نام عمل ہے۔

آدمی حیران ہو کر عمل سے کہے گا کہ بخدا میں تو تمہیں ان تینوں دوستوں میں بہت ہی حقیر اور معمولی دوست سمجھتا تھا

**فکرِ آخرت** حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے میری اور دنیا کی مثال کچھ اس طرح کی ہے جیسے کوئی مسافر گرمی کے زمانے میں کسی درخت کے سایے میں تھوڑی دیر کے لیے دوپہر کے وقت سو رہتا ہے اور پھر اٹھتا ہے اور اپنی منزل کی راہ لیتا ہے۔ (مسندِ احمد)

مطلب یہ ہے کہ مومن کا اصل مقام استراحت آخرت ہے، یہ دنیا تو صرف راستے کی ایک منزل ہے اُسے اس عارضی قیام گاہ میں دل لگانے کے بجائے آخرت کے پائدار مقام کو پالینے کی فکر کرنی چاہیے۔

**دنیا سے بے نیازی** ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہؓ، اگر تم میرے ساتھ جنت میں رہنا چاہتی ہو تو اتنی دنیا تمہارے لئے کافی ہے، جتنا سامان کسی مسافر کے پاس ہوتا ہے اور خبردار دنیا کے طلب گاروں کے پاس مت بیٹھنا اور کپڑا پرانا ہو جائے تو اسے اُتار کر پھینک نہ دو بلکہ پیوند لگا کر پہنو۔ (ترمذی)

**وفادار ساتھی** حضرت انس رضہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوست تین قسم کے ہیں: ایک دوست وہ ہے جو کہتا ہے: "میں تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ تم قبر میں پہنچ جاؤ۔ (یعنی جس کی دوستی صرف زندگی تک ہے۔ آدمی قبر میں پہنچ جاتا ہے تو یہ دوست چھوڑ دیتا ہے) یہ انسانی دوست کا حال ہے۔

دوسرا دوست وہ ہے جو کہتا ہے: "تمہارا حصّہ بس وہی ہے جو تم نے غریبوں کو دے دیا اور

(یاسمین فاطمہ)

کچھ دنوں کی بات ہے۔ ہمارے مکان میں ایک کرایہ دار آکر ٹھہرے۔ میں ان کے ہاں ملنے گئی۔ ہماری یہ نئی پڑوسن باتیں کررہی تھیں کہ ان کی ایک بچی کھیلتی ہوئی آئی اور گود میں بیٹھ گئی۔ بچی کی یہ ادا انھیں بالکل پسند نہ آئی۔ اور تڑ سے ایک زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر جڑ دیا۔ بچی بلک کر رونے لگی۔ میں نے منع کیا کہ بچی کو نہیں مارنا چاہیے تھا۔ بلکہ پیار کے ساتھ گود سے اُتار دیتیں۔ محترمہ فرمانے لگیں:

”بہن تم کیا جانو، ان بچوں نے تو میری زندگی عذاب بنادی ہے۔ ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ان لڑائی جھگڑوں میں تو تنگ آکر میں نے اس کے بھائی کو اصلاحی جیل بھجوادیا ہے۔“

ماں کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا۔ کس شان سے فرمارہی تھیں۔ میں نے لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر لڑکے کو جیل بھجوادیا ہے۔ پوچھا۔ ایسا بھی بچے کا کیا قصور تھا کہ آپ اس کی اصلاح نہ کرسکیں۔ اور جیل بھیج دیا۔ کہنے لگیں:

”روز لڑتا جھگڑتا تھا۔ قرآن شریف پڑھنے کے لیے بھیجتی تو وہاں سے بھاگ جاتا۔ باپ نے اس حرکت پر بہت مارا۔ کئی بار تنبیہہ کی۔ مگر باز نہ آیا۔“

مجھے اس بچے سے ہمدردی ہوگئی۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے وہ یتیموں اور بے کسوں کی سی زندگی بسر کررہا تھا۔ پوچھا کبھی بچہ آپ سے ملنے بھی آتا ہے؟ کہنے لگیں۔

"ہاں ایک آدھ بار بلوالیتی ہوں۔"

"اچھا، اب کے بچے کو بلائیں، تو مجھے ضرور بلائیے گا، میں اس سے ملوں گی۔"

کہنے لگیں: اے بہن، وہ بہت شریر ہے، تمہیں بھی ستائے گا۔ مگر میں نے کہا کوئی بات نہیں۔ میں اس کی ہر شرارت برداشت کرلوں گی۔ چنانچہ وہ راضی ہوگئیں۔ اگلے ہفتے بچہ گھر پر آیا۔ اور میں اس سے جاکر ملی۔ بچے کے ناخن اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ کپڑے نہایت گندے اور غلیظ تھے۔ شکل صورت سے کئی سال کا مریض لگتا تھا۔ چہرے پر شگفتگی نام کو نہ تھی۔ ماں سے ڈرا ڈرا سہما سہما نظر آتا تھا۔ میرے دل میں اس معصوم بچے سے بے پناہ محبت کا جذبہ اُمڈ آیا۔ اس کی ماں سے پوچھا۔ اب یہ جیل کب جائے گا؟ کہنے لگیں۔ میں تو اسے جلد ہی واپس بھیج دینا چاہتی ہوں۔ ذرا اندازہ کیجئے، اس بچے کی کیا کیفیت ہوگی۔ جس کی ماں خود اس کے سامنے کہے، میں تو اسے جلدی بھیج دوں گی۔

میں اسکول ٹیچر ہوں۔ دن بھر میں مجھے سینکڑوں بچوں کو پڑھانے اور ان کی نفسیات سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بچہ موم کی مانند نرم ہوتا ہے۔ آپ اس سے پیار اور محبت سے ہر وہ کام کروا سکتے ہیں جو آپ چاہیں، مگر ڈنڈے کے زور سے نہیں۔

میں نے بچے کے والد سے کہا۔ جب تک آپ ہمارے یہاں کرائے پر رہتے ہیں اس بچے کو جیل نہ بھیجیں۔ بلکہ میری تحویل میں دے دیں۔ کہنے لگیں: بہن آپ اس بچے کی گستاخیوں کو برداشت نہ کرسکیں گی۔ یہ تو وہیں ٹھیک رہتا ہے۔

میرے اصرار پر وہ مان گئے۔ میں نے اس بچے کے ساتھ بڑے پیار سے باتیں کیں اس کے ناخن کاٹے۔ کپڑے بدلوائے۔ حجامت بنوائی اور اپنے پاس بالائی منزل پر لے آئی۔ جلد ہی مجھے پتہ چل گیا کہ اس کے دل میں ماں کی محبت اور باپ کا ڈر کیوں نہیں ہے۔ دراصل ماں باپ کا طریقِ اصلاح غیر مناسب اور جارحانہ تھا۔ جس سے بچہ سنورنے

اُلٹا بگڑ گیا تھا۔ان کا فارمولا تھا۔ بچے کو اتنا مارو کہ کبھی بُری بات کے قریب تک نہ پھٹکے۔ وہ بھول گئے کہ بچے پر مار کا اثر تو وقتی ہوتا ہے۔ البتہ مارنے والے کے خلاف اس کے دل میں نفرت کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ دیر تک نہیں مٹتا۔

میں نے اس بچے کو اپنے اسکول میں داخلہ دلوایا اور نہایت شفقت کے ساتھ پڑھانے لگی۔ میں ہمیشہ اس کے ساتھ ایک مخلص دوست اور بڑی بہن کی طرح پیش آتی۔ وہ اکثر اپنے والدین کے بارے میں نہایت نامناسب باتیں کہتا، لیکن میں اسے محبت سے سمجھاتی کہ والدین کے حقوق اولاد پر بہت زیادہ ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنی اولاد کو بیچ بھی سکتے ہیں۔ دس سال کا یہ بچہ جس سے ماں باپ ناراض تھے۔ میری ہر بات سنتا، کہا مانتا، وہ مجھ سے کہا کرتا۔

"باجی، آپ مجھے اپنے ہی پاس رکھئے گا۔ اب میں جیل ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

اس لڑکے میں میں نے بہت سی خوبیاں دیکھیں۔ اصل قصوروار اس کے ماں باپ تھے۔ انھوں نے اپنے بچے کی فطرت کو نہ سمجھا، وہ خود تو اس کی صحیح تربیت نہ کر سکے اور متوقع تھے کہ جیل والے کر سکیں گے۔ یہ بچہ تقریباً سال بھر میرے پاس رہا۔ میرے کہنے پر وہ ماں باپ کے پاس بھی جاتا۔ وہ بھی بچے کی اس تبدیلی سے بہت خوش تھے۔ شاید اس کی قسمت ہی بُری تھی۔ کیونکہ ہمارے کرایہ دار مکان چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ بچہ اپنے والدین کے ساتھ جانے سے بہت گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ بچے کو میرے پاس چھوڑ جائیں لیکن ان کا کہنا تھا۔ "اب یہ سنبھل گیا ہے اور ہم اسے اسکول میں داخل کروا دیں گے۔" چنانچہ وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ کچھ عرصہ تو وہ اپنے والدین کے پاس خوش رہا، پھر ایک دن اس کی ماں ملنے آئیں تو میں نے پوچھا:

"عرفان اب کیسا ہے؟ اسکول جاتا ہے یا نہیں؟"

کہنے لگیں: "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، جب تک تمہارے پاس تھا ہم سے بھی سیدھے منہ بات کرلیتا تھا، بس وہاں جاتے ہی بگڑ گیا۔ میں نے پھر سے جیل بھجوا دیا ہے۔ اس کے مقدر میں تو جیل ہی لکھی ہے"۔

میں کھول سی گئی۔ اسے راہ راست پر لانے کے لیے میں نے جو محنت کی تھی۔ اس پر پانی پھیر چکا تھا۔ دل ہی دل میں کہا۔ خدا ایسے ناقدروں کو اولاد دیتا ہی کیوں ہے۔ مگر خدا کی خدائی میں بندے کا کیا عمل دخل۔ وہ کسی کو اولاد نہ دے کر آزماتا ہے۔ اور کسی کو دیکر یہ ماں باپ ہی ہیں جو ان کے مستقبل کو تباہ بھی کر سکتے ہیں اور روشن اور شاندار بھی بنا سکتے ہیں۔ ڈنڈے کے زور سے بچے کو سنوارنے کے بجائے اگر والدین حسب ذیل باتوں پر عمل کریں۔ تو یقیناً اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

# احساس کمتری سے بچایئے

بچوں میں احساس کمتری والدین کے سلوک سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات والدین کی نظرِ عنایت کسی ایک بچے پر زیادہ ہوتی ہے، وہ چیز لاتے ہیں پہلے اس کو دیتے ہیں۔ اگر کہیں گھومنے پھرنے جائیں تو اس کو اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ اس سے دوسرے بچوں میں جذبہ حسد پیدا ہوتا ہے۔ شروع شروع میں تو اس حسد کی کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن بڑے ہونے کے بعد یہ اپنا رنگ لاتا ہے اور اکثر گھرانوں میں سگے بھائی ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ والدین کو اپنی تمام اولاد کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ اگر آپ کو اپنا کوئی بچہ زیادہ پیارا ہے تو اس پیار کا اظہار اتنا زیادہ نہ کریں کہ دوسرے بچے اس فرق کو نمایاں طور پر محسوس کریں اور اس بچے سے جلنے لگیں۔ اس طرح اول تو دوسرے بچوں میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے، دوسرے ان کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور عملی زندگی میں وہ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں چھوٹا سمجھنے لگتے ہیں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

## شعر کا مطلب

نورِ خدا سے مُراد "اِسلام" ہے۔ اسلام کفر کی ہر حرکت پر ہنستا ہے۔ حرکت کے معنے شریر کوشش اور ہنستا ہے کے معنی ہیں ہنسی اُڑاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر ہمیشہ شرارت سے بھری کوشش کرتا رہتا ہے لیکن وہ اسلام کا کچھ بھی بگاڑ نہیں پاتا۔ اسلام کو اپنی مضبوطی پر پورا یقین ہے اِس لئے وہ کفر کی ہر شریر حرکت پر یہ سوچ کر ہنستا ہے کہ کفر کے بنائے کچھ نہ بنے گا۔ آخر جیت میری (اسلام کی) ہوگی۔ اِس "ہنستا ہے" کو ایک شعر کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کیجئے:ـ

پارسائی کا یقیں غیروں سے دِلواتے ہیں وہ
کہیں ایسا نہ ہو آجائے تبسّم مجھ کو!

اِس شعر میں "تبسّم" کے معنی یہی ہیں کہ جو صاحب دوسروں سے اپنی پارسائی کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اُن کو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کیسے "وفات شریف" ہیں۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ہنس دوں اور لوگ سمجھ [illegible] جائیں کہ اُن "حضرت" کے بارے میں اُلٹی بات کہی جارہی ہے
مطلب یہ ہے کہ [illegible] جھوٹے پروپیگنڈے اور دھونس دھاندلی کا اثر چند دنوں سے [illegible] زیادہ نہیں رہتا حقیقت جلد سامنے آجاتی ہے۔ [illegible] کفر، باطل جھوٹ کی مثال جھاگ سے زیادہ نہیں ہے۔ [illegible] برسات کے دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جب سیلاب آتا ہے [illegible] تو جھاگ پانی کو ڈھنک لیتا ہے۔ لیکن بہت جلد جھاگ اُڑ جاتا ہے اور پانی رہ [illegible] جاتا ہے۔۔۔ باطل پروپیگنڈوں اور دھونس دھاندلی سے اسلام کو دبانا چاہتا ہے لیکن بہت جلد اُس کا پول کھل جاتا ہے اور اسلام ہی غالب آجاتا ہے۔ اِسی مفہوم کو شاعر نے شعر میں سمویا ہے اور کہا ہے کہ کفر اپنی پھونکوں سے اسلام کے چراغ کو نہیں بجھا سکتا۔

## اچھے شعر کی خصوصیت

اِس شعر میں اچھے شعر کی تمام خوبیاں اور خصوصیات پائی جاتی ہیں۔
اچھے شعر کی پہلی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ آسان اور تیر و نشتر ہو یعنی سُننے والا جیسے ہی سُنے اس کا مطلب سمجھ جائے اور شعر سُنتے ہی اُس سے متاثر ہو جائے۔ اِس شعر میں یہ خوبی بدرجہ اتم (پوری کی پوری) پائی جاتی ہے۔

اچھے شعر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ تعمیری ہو یعنی اِنسانیت کو سنوارنے والا، نیکی پر اُبھارنے والا ہو اور معروف کی تلقین کرتا ہو۔ اِس شعر میں یہ خصوصیت ہے۔ یہ شعر حق و باطل کی جنگ میں حق کی حمایت پوری طرح کر رہا ہے۔

اچھے شعر میں تیسری خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں نہایت خوبصورت اور حسین اشارہ کنایہ اور رہ پایا جاتا ہو۔ دراصل اشارہ اور کنایہ ہی شعر کی جان ہوتا ہے۔ "پھونکوں" کا اشارہ کفر کی ناکام ور کوشش کی طرف ہے اور "چراغ" کا کنایہ اسلام کی حقانیت اور استحکام کی طرف ہے۔

اچھے شعر کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تحریکی ہو یعنی شاعر نے جس غرض کے لئے شعر کہا ہے، والا سننے تو دل میں عزم و ارادہ، دعوت و تبلیغ اور جرأت و جسارت پیدا ہو اور وہ شخص تعمیری کے لئے حرکت میں آجائے۔

یہ شعر تحریکی بھی ہے۔ جب ہم یہ شعر سنتے ہیں تو حالات کیسے ہی ناساز گار ہوں ہم مایوس ہوتے۔ دین پھیلانے میں پُرامید رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آخر میں کامیاب ہم ہی ہوں گے کفر بہر حال دب کر رہے گا۔ اس جگہ ایک عوامی کہاوت خوب ہی چسپاں ہو رہی ہے۔ آپ کہاوت سنی ہوگی کہ "پہلی جیت منگائے بھیک"۔ اس کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ کفر شروع بڑی ڈینگ مارتا ہے لیکن پھر اس کی ساری ڈینگ ختم ہو جاتی ہے اور اسلام غالب آجاتا ہے۔ مضمون کو ایک شاعر نے دوسرے لفظوں میں یوں کہا ہے: ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباویں گے

## شاعر کا استفادہ

استفادہ کے معنی ہیں کہیں سے فائدہ چاہنا۔ شاعر نے یہ شعر کہنے کے لئے قرآن مجید سے استفادہ کیا ہے۔ بالکل یہی مضمون قرآن کریم میں تین جگہ بڑے حسین پیرائے میں آیا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۳۲ میں، سورہ فتح کی آیت ۲۸ میں اور سورہ صف کی آیت ۸ میں۔ صرف سورہ صف کی آیت ۸ ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا:۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ

یہ لوگ (کافر) اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور (اسلام) کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

## پس منظر

پس منظر کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جس جگہ یہ کہا گیا ہے وہ کس بات کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ یہ آیت جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جو زک پہنچی تھی اُس سے سارا عرب یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ اسلام اور مسلمان سمٹ کر ایک چھوٹی سی بستی مدینے میں آ گئے تھے۔ ایک چھوٹی بستی میں سیکڑوں مہاجرین کا آجانا بستی کے رہنے والوں کے لئے آزمائش بن گیا تھا۔ پھر یہ کہ کفّار کے مقابلے میں کم تعداد ہوتے ہوئے اسلحہ تیر و تلوار اور سواری سے بھی گویا محروم ہی تھے۔ کفّارِ مکّہ اُحد کی جنگ کی ظاہری فتح سے شیر ہو گئے تھے۔ اُن کا سپہ سالار پکار کر کہہ بھی گیا تھا کہ آج اِتنا ہی کافی ہے۔ اب کی بار مٹا کر چھوڑیں گے۔

پھر مکّے کے کافروں نے سارے عرب کی حمایت حاصل کر کے بارہ تیرہ ہزار لشکر جرار اکٹھا کیا اور سب کو لے کر مدینے پر چڑھ آئے۔ ظاہر ہے کہ اُحد کی شکست سے مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ پھر گھر کے نالائق بھیدیوں (منافقوں) کی بے وفائی اور بھی دل توڑنے والی تھی۔ اِس موقع پر قرآن نے پیشین گوئی کی کہ کافر کیسی ہی دھوم سے آئیں وہ اپنی پھونکوں سے نورِ اسلام کو نہیں بجھا سکتے۔

ایسا ہی ہوا۔ ایک ماہ تک مدینے کا محاصرہ کرنے کے بعد اللہ کی طرف سے ایسی بھیانک آندھی اور بارش ہوئی کہ کفار کے خیمے اُکھڑ گئے۔ اُن کا سامان درہم برہم ہو گیا۔ سردی نے اُن کے دم خم کو ختم کر کے رکھ دیا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں نے زبانِ نبوتؐ سے یہ سُنا کہ:

اب کافر ہم پر چڑھ کر نہیں آسکتے۔ اب ہم اُن پر چڑھائی کریں۔
اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ہزار مسلمانوں کی مدد اور اللہ کے فضل و کرم سے تھوڑے ہی دنوں میں سارے عرب کو فتح کرلیا۔ اتنا ہی نہیں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ گروہ کے گروہ حضورؐ کی خدمت میں آتے اور مسلمان ہوجاتے قرآن کی پیشین گوئی حرف بہ حرف ٹھیک اتری اور شاعر نے اِس پیشین گوئی کو اردو شعر میں ڈھال لیا

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

## اِس کے بعد

اِس کے بعد تاریخ بتاتی ہے کہ بہت بار ایسا ہوا کہ کفر جھاگ کی طرح اِسلام کے پانی پر چھا گیا اور کفر کو پورا یقین ہوگیا کہ اب اِسلام ختم ہی ہے۔ لیکن غیب سے اِسلام کی ایسی تائید ہوئی کہ تاریخ لِکھنے والے دنگ رہ گئے کہ ایسا کیسے ہوگیا۔ لیکن وہ لوگ دنگ نہیں جن کا ایمان اس آیت پر ہے جو اُوپر پیش کی گئی کہ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اللہ اکبر! کیسی کیسی آندھیاں آئیں، کیسے کیسے طوفان اُٹھے، کیسے کیسے سَیلاب اُمنڈے اور اِن آندھیوں، اِن طوفانوں اور اِن سَیلابوں نے لاکھ باور کرانے کی کوشش کی کہ اب اِسلام میں دم نہیں کہ اُبھرے لیکن وہ جو بات کہی گئی ہے کہ اِسلام کی فِطرت میں قدرت نے لچک دی ہے۔ اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دینگے چنانچہ قرآن کی پیشین گوئی ہر ایسے موقع پر صحیح ثابت ہوئی۔ اِس سے متعلق میں چند تاریخی واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ واقعات پڑھ کر آپ اِس آیت کی تصدیق کر کے اپنا ایمان مضبوط کریں گے

## فِتنۂ تاتار

تاریخ نے ایک عظیم الشان واقعہ محفوظ کیا ہے۔ تاریخ نے اُسے فِتنۂ تاتار کے نام سے لِکھا ہے۔ ترکستان میں چنگیز خاں ایک جیالا اور جری شخص پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترکستان سے آندھی کی

طرح اُٹھتا ہے اور دیکھتے دیکھتے وسط ایشیا پر چھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اُس کی اولاد بڑی جرأت اور حوصلے کے ساتھ میدان میں آتی ہے اور اسلامی ممالک کو زیر و زبر کرتی ہوئی ایسی ہیبت بٹھا جاتی ہے کہ مسلمان حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اُن میں اِتنا دَم نہیں رہتا کہ کسی تاتاری عورت سے بھی مقابلہ کر سکیں۔ حالات ایسے مایوس کن ہو جاتے ہیں کہ ایک تاتاری عورت مسلمانوں کی بستی میں آجاتی ہے اور جس مسلمان کو چاہتی ہے پکڑ لے جاتی ہے۔ پھر اس سے کہتی ہے کہ اس چٹان پر سر رکھ میں تجھے قتل کروں گی۔ مسلمان چٹان پر سر رکھ دیتا ہے۔ عورت اپنی تلوار کی دھار دیکھتی ہے، کہتی ہے کہ اسی طرح پڑے رہنا۔ میں دوسری تلوار لے آؤں تو تجھے قتل کروں گی۔ ہیبت زدہ مسلمان اسی طرح پڑا رہتا ہے۔ عورت جاتی ہے۔ دوسری تلوار لاتی ہے اور اُس کا سر تن سے الگ کر دیتی ہے۔

دیکھا آپ نے! مسلمان اِس حالت میں پہنچ چکا تھا۔ پوری دنیا کو یقین ہو چکا تھا کہ اب اسلام کی خیر نہیں۔ لیکن نورِ اسلام اپنی جگہ مسکرا رہا تھا کہ اے فتنۂ تاتار! تیری شرارت آمیز کوشش بے زور ہے۔ تیری پھونکوں سے اسلام کا چراغ نہ بجھے گا۔ اُلٹے تو خود اسلام کے نورانی سایہ میں آجائیگا۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ ہوا یوں کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں جنگل پڑا۔ قافلہ جنگل سے گزر رہا تھا کہ اچانک تاتاری سپاہیوں نے آدبوچا۔ سب کو گرفتار کر کے تاتاری شہزادے تغلق خاں کے حضور لے گئے۔ شہزادہ شکار کھیلنے آیا ہوا تھا۔ اُسے خبر کی گئی کہ جنگل سے مسلمانوں کا قافلہ جا رہا ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ پکڑ لاؤ۔ اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس وقت مسلمان تغلق شاہ کے سامنے پہنچے اُس وقت وہ اپنے کتے کو سور کا گوشت کھلا رہا تھا۔ کتا اُسکے برابر تخت پر بیٹھا تھا۔ سامنے شہزادے کے لشکر کے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔

شہزادے نے جیسے ہی مسلمانوں کو دیکھا تو ذلیل کرنے کے لئے ایک سوال پوچھا "یہ بتاؤ کہ تم اچھے ہو یا میرا یہ کتا؟" مسلمانوں کی طرف سے اُن کے شیخ نے جواب دیا کہ اے شہزادے! اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں اِس کتے سے اچھا ہوؤں گا لیکن اگر میں ایمان اور اسلام کی دولت

سے محروم ہو کر مرا تو یہ کتا مجھ سے بہتر ہوگا۔

یہ جواب سن کر شہزادے نے پوچھا کہ یہ ایمان کیا ہوتا ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ ایمان یہ کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہمیں ہماری ضرورت کا سامان دیا ہے ہم اُس اللہ کو پہچانیں اور اسلام یہ کہ اُسی حاکم و آقا اور مالک و مولا کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ شہزادے کی زبان سے برجستہ نکلا "زہ یعنی چہ" خوب مگر کیسے؟ اب شیخ صاحب کو موقع مل گیا۔ انھوں نے تفصیل سے اللہ کی ربوبیت اور مالکیت پر تقریر کی اور بتایا کہ اللہ کے فرمان قرآن سے مل سکتے ہیں اور اُن پر عمل اس طرح ہونا چاہئیے جیسے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا، سکھایا اور نمونہ دے کر سمجھایا ہے۔

یہ بات شہزادہ تغلق کے دل میں بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنے سرداروں کی طرف دیکھا۔ وہ سب تقریر سے متاثر تھے۔ شہزادے نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا اور شیخ صاحب سے چپکے سے کہا کہ جب میں بادشاہ بنوں تو ضرور آنا۔

اس کے بعد کہانی بہت لمبی ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ صاحب کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ جب وہ مرنے لگے تو بیٹے کو پاس بلایا۔ سارا حال کہا اور وصیت کی کہ جب شہزادہ بادشاہ بنے تو جا کر میرا حال بتانا۔

شیخ صاحب کے وہ صاحبزادے بھی عالم تھے، وہ منتظر رہے۔ پھر جب شہنشاہِ تاتار کا انتقال ہوا اور شہزادہ بادشاہ بنا تو اُس سے جا کر ملے۔ اُس سے کہا کہ میرے والد کا انتقال ایمان کے ساتھ ہوا۔ اس لئے وہ تیرے کتے سے بہتر رہے۔ یہ سن کر تغلق شاہ مسلمان ہو گیا اور اُس کے ساتھ اُس کے وہ تمام سردار بھی مسلمان ہو گئے جنھوں نے جنگل میں شیخ صاحب کی تقریر سنی تھی۔

تغلق شاہ کے مسلمان ہونے سے تاتاریوں کی بستیاں کی بستیاں مسلمان ہو گئیں۔ پھر تاتاری اسلام کی تعلیم حاصل کر کے بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ اور پھر انھوں نے جو اسلامی خدمات انجام دیں وہ سورج کی طرح روشن ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے تاتاریوں کے اسلام پر نظام اور پھر

اُن کے اسلام لانے کے بعد اُن کی اسلامی خدمات کو اس طرح اپنے شعر میں سمویا ہے : ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا اور ہم وہی دو شعر دہراتے ہیں کہ : ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اور

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

## صلیبی جنگیں

اس کے بعد جب مسلمانوں میں پھر سیاسی زوال آیا تو یورپ کے تمام عیسائی حکمران اتحاد کر کے مسلمانوں پر چڑھ دوڑے۔ یہ اتحادی لشکر اس شان سے حملہ آور ہوا اور فتحیاب ہوتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ مسلمان حکمران بغیر لڑے مطیع ہو جاتے یا بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اتحادیوں کی فتوحات اور اُن کے تعصب نے مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک ایک بستی میں چالیس چالیس اور اسّی اسّی ہزار مسلمانوں کو بے دریغ شہید کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اگر یہ صلیبی فتنہ اسی طرح آگے بڑھتا رہتا تو ایشیائے کوچک سے لے کر بلخ و بخارا تک مسلمانوں کا نام نہ رہ جاتا۔

اس صلیبی فتنے کو سلطان صلاح الدینؒ نے اپنے اسلامی اخلاق، اسلامی تدبّر اور اسلامی تہوّر سے دبایا۔ اسلامی تہوّر یہ کہ رچرڈ اعظم جو صلیبی افواج کا سپہ سالارِ اعظم تھا، گھمسان کی لڑائی میں سلطان ٹھیک اُس کے رُخ پر حملہ آور ہوتا تھا اور صلیبی لشکر کائی کی طرح پھٹ جاتا تھا۔

اسلامی تدبّر یہ کہ اس جنگ میں اُس نے جو تدبیر کی وہ خدا اور رسولؐ کے حکموں کے مطابق کی مثلاً

حکم تھا کہ بچّوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ لکھا ہے کہ جب اُسے فتح حاصل ہو گئی تو ایک
عیسائی عورت فریادی ہو کر حاضرِ خدمت ہوئی۔ اُس کے ساتھ اُس کا بچہ بھی تھا۔ اُس نے عرض
کیا کہ اُس کا شوہر اِس لڑائی میں مارا جا چکا ہے۔ اب مجھے اور میرے بچے کو بھی قتل کر دیجئے کیونکہ
ہم اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ تو سلطان بے حد متاثر ہوا۔ اور اُس عورت اور بچّے کا سرپرست
بن گیا۔ اُس کا وظیفہ مقرر کر کے اُس کے وطن واپس کر دیا۔

اِسلامی تدبّر میں فدیہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ سلطان صلاح الدین کے سپاہیوں
نے ہزاروں عیسائیوں کو قید کیا تھا۔ اِن میں بہت سے ایسے تھے جن کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی
تو سلطان نے اپنی جیب سے فدیہ کی رقم دے کر ہزاروں کو آزاد کیا۔ پھر اپنے چھوٹے بھائی کو ترغیب
دی۔ اُس نے ہزاروں کو چھڑایا۔ یہ دیکھ کر سرداروں نے بھی سلطان کی تقلید کی اور گرفتار عیسائی
آزاد ہو ہو کر دعائیں دیتے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

سلطان کا اِسلامی اَخلاق بھی دیکھ لیجئے۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ بُرے آدمی سے نہیں، بُرائی
سے نفرت کرو اور بُرے آدمی کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرو۔ اِس طرح کہ اپنی تلقین سے اُسے
نصیحت کرو، اپنے اَخلاق سے متاثر کرو اور کسی نہ کسی طرح اُسے اللہ کے حضور جھکا کر اُسے جہنم سے بچا لو
سلطان نے صلیبی جنگ کے موقع پر اپنے اَخلاق کا ایسا زبردست مظاہرہ کیا کہ اُس وقت
کے علماء نے اُسے ٹوکا۔ اُس کے اَخلاق کو غلو اور تدبیرِ جنگ کے خلاف کہا۔ قصہ یہ پیش آیا کہ مسلمانو
اور اتحادی لشکر میں جنگ جاری تھی کہ رچرڈ اعظم بیمار ہو گیا۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ اُسے کس قس
مرض ہے۔ اُس نے اپنے حکیموں سے دوا لی اور خود حکیم بن کر علاج کرنے پہنچ گیا۔ رچرڈ بڑا ذہین آ
فریس آدمی تھا۔ اُس نے حکیم کی باتوں سے سمجھ لیا کہ یہ شخص کچھ اور ہے۔ پھر اُس نے پہچان لیا۔ لیک
وہ سلطان کے اَخلاق اور اس کی باتوں سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ خاموش رہا۔ سلطان علا
کر کے جس طرح گیا تھا اُسی طرح بخیریت واپس آگیا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ رچرڈ انگلستان

طرف چلا گیا اور اتحادی لشکر بھی منتشر ہو رہا ہے۔ سوچئے اس موقع پر یہ شعر کیسا فٹ ہو رہا ہے:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

# اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ

دشمنانِ اسلام نے مسلسل جنگوں سے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ اسلام کو لڑ کر دبایا نہیں جا سکتا تو انھوں نے درپردہ تدبیروں، سازشوں (جوڑ توڑ) اور طرح طرح کے پروپیگنڈوں سے کام لینا شروع کیا۔ شیطان نے قرآن کی تعلیمات کو غیر موثر بنانے کے لئے ایک طرف عربی زبان کے فاضل علمائے یورپ (مستشرقین) سے کام لیا تو دوسری طرف اسلامی اقتصادیات کے اصولوں کے رد میں کیمونزم کو جنم دیا۔ کیمونزم کے دماغ سے لادینیت اور فحش و منکر کو خوب غذا ملی ............ تیسری طرف عالمی پنچایت بنا کر مسلم ملکوں قطع و برید شروع کر دی۔

**مستشرقین** نے اسلام کے خلاف کذب اور جھوٹ اور اتہام سے بھرپور لٹریچر پیش کیا۔ اس لٹریچر میں سب سے پہلے بڑے طمطراق کے ساتھ یہ بات کہی گئی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ان جہاں غیر مسلموں نے یہ بات سنی اس پر ایمان لے آئے اور اپنے اپنے یہاں ایسے من گھڑت ملفے اور قصے تراش لئے جن سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ فلاں فلاں جگہ مسلم حکمرانوں نے لوگوں کو زبردستی مسلمان کیا، مندر گرائے اور مسجدیں بنوائیں۔ یہ لٹریچر دنیا نے بڑی پسندیدگی اور دلچسپی سے اپنایا۔

دشمنانِ اسلام نے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جب تک سیاست کا تعلق دین سے رہے گا اس وقت تک اسلامی اثرات کم نہ ہوں گے۔ اس لئے اس بات کا پروپیگنڈہ شروع کیا کہ مذہب کو سیاست سے کیا تعلق ہے۔ مذہب کو سیاست سے الگ ہی رکھا جائے۔ دنیا نے اس بات کو ناپسند کیا۔

شیطان کی ذہانت مشہور ہے۔ شیطان نے دشمنانِ اسلام کے کان میں پھونکا کہ تم سیاست کو

اسلام سے الگ نہیں کر سکتے جب تک کہ مسلمانوں میں قومیت کا جذبہ اور شعور پیدا کر کے ملت اسلامیہ
بی نہ کر دو۔ اگر تم مسلمانوں میں قومیت کے جراثیم پھیلا دو گے تو وہ آپس میں لڑ بھڑ کر ختم ہو جائیں گے
نے اس پر بھی نعرۂ تحسین بلند کیا۔

پھر شیطان نے یہ بھی سکھایا کہ مسلمانوں میں قومیت کو فروغ دینے کے لئے جب تک جذبۂ جہاد
نہ ہوگا قومیت اپنا کام نہ کر سکے گی۔ اور جہاد کی اسپرٹ اُس وقت تک کم نہ ہوگی جب تک اسلامی
جماعیت کو پراگندہ نہ کر دیا جائے۔ یہ بات بھی دنیا کی سمجھ میں آ گئی۔

اس کے بعد اسلام کی ایک ایک رگ تحقیق پہ لے دے شروع ہو گئی۔ اسلام کے خلاف دلچسپ ترین
اور جھوٹ سے بھری ریسرچ ہونے لگی۔ یہ بھی ثابت کر دیا گیا کہ بت پرستی اسلام میں بھی ہے اور
ان کے گڑھ مکہ میں "حجر اسود" کو مہادیو سمجھ کر پوجا جا رہا ہے۔

عالمی پنچایت کی اسلام دشمن کارروائیوں سے مسلم ممالک کا زور توڑ دیا گیا۔ اُن کی ریاستیں
بندر بانٹ کا شکار ہوئیں۔ سیاسی طاقت کم ہونے سے ان کا ملی دماغ بھی کمزور ہونے لگا اور وہ
اور اُن کے علماء اس قابل نہ رہے کہ اس طرح کے لٹریچر کا جھوٹ ثابت کرتے، مستشرقین کے
پھیلائے ہوئے لٹریچر کا مقابلہ کرتے۔ مقابلہ تو درکنار، اُن میں قوت مدافعت بھی نہ رہی۔ قوت
مدافعت تو الگ رہی، اُن میں معذرت خواہانہ جذبہ پیدا ہو گیا اور اب مسلمان علماء فرمانے کے
بجائے عرض و معروضات کی روش پر آ گئے۔ بہت سے مسلم علماء نے سر تسلیم خم کر دیا یعنی سارے
اعتراضات کو صحیح تسلیم کر لیا اور خود بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

## پروپیگنڈے کا اثر

علمائے اسلام کے شکست کھانے سے جو نتائج سامنے آئے وہ یہ ہیں:-

(۱) سب سے پہلے کمال اتاترک اس پروپیگنڈہ کا شکار ہوا۔ اُس نے قومیت کا جامہ خود اوڑھا
اور ترکی قوم کو بھی اوڑھایا۔ اس کے بعد اس شیطان کے چیلے نے بڑھ کر خلافت کو ختم کیا سیاست

کو دین سے الگ کیا۔ عربی زبان ختم کی۔ دنیا نے اُس کی خوب خوب تعریف کی۔ اُسے ترکی کا ہیرو قرار دیا۔ اُسے غازی مصطفٰے کمال پاشا کا خطاب دیا اور پھر اتاترک (ترکوں کا باپ) تسلیم کر لیا۔ ترک لادینیت کے دھارے میں بہنے لگے۔

(۲) اس کے بعد مصر نے مصری قومیت تسلیم کر لی۔ مصر والوں نے قدیم مصر کی روایات تلاش کر کے اب فرعونوں کی اولاد ہونے پر فخر کرنا شروع کر دیا۔ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھول گئے۔ جمال عبدالناصر کے سر اس فتحیابی کا سہرا بندھا۔

(۳) مصر کی دیکھا دیکھی یا اپنے مہربانوں کی رضا کے لئے رضا شاہ پہلوی نے بھی ایرانیوں کو قومیت پر اُبھارا۔ رضا شاہ نے "آریہ مہر" ہونے پر فخر کیا۔ علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بھول کر کمیونزم کے بہاؤ میں بہہ گیا۔

(۴) ترکی، مصر اور ایران میں یہ سب کھلّم کھلّا اقتدار کے دباؤ میں ہوا۔ ہندوستان میں بڑی چالاکی سے ملّتِ اسلامیہ میں انتشار پیدا کیا گیا۔ یہاں وہابی تحریک کو شکست دینے کے لئے علماءُ کے دو گروہوں کے درمیان انگریز نے جھگڑے کی جھونپڑی کھڑی کر دی تھی۔ یہ دونوں گروہ آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر کہتا تھا اور دوسرا گروہ اپنے اس مدّمقابل کو بدعتی۔ بدعتی گروہ کو نذر و نیاز، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عالم الغیبی اور بحیاتِ ہونے، وسیلہ اور مزارات کے بزرگوں کو واسطہ بنانے پر اصرار تھا۔ اس سلسلے میں اِس گروہ نے اتنا غلو کیا کہ ابن تیمیہؒ جیسے مجتہد اور مجاہد کو کافر قرار دیا۔ اس کے بعد اُن تمام مکاتیبِ فکر کے اکابرین کو بھی کافر بنا ڈالا جنھوں نے شرک و بدعت کے اندھیروں کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔ جیسے اکابرین دیوبند مولانا محمد قاسمؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔ ان کے ساتھ سیّد احمد شہیدؒ، مولانا محمد اسمٰعیل شاہؒ، ڈاکٹر اقبالؒ، مولانا شبلیؒ، مولانا اشرف علیؒ اور جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا مودودیؒ وغیرہ۔ اس سلسلے میں اس گروہ کی یہ منطق بھی دلچسپ ہے کہ جو ان لوگوں کو کافر

نہ کہے وہ بھی کافر۔ اور پھر سلسلہ وار کافر بنانے کا سہرا اِس گروہ کے سر رہا۔

اِس کا مدمقابل گروہ جس میں دیوبند کے علماء خصوصاً مولانا اشرف علیؒ پیش پیش رہے، اِن بزرگوں نے اُمت کو بدعات سے بچانے کے لئے بیڑا اُٹھایا۔ پھر جس سے جو کچھ ہو سکا، اُس نے خدمتِ اسلام انجام دی۔

ہندوستان سے باہر اور ہندوستان کے اندر جو کچھ ہوا اُس سے مِلّت کا یہ نقصان ہوا کہ اِس میں جذبۂ جہاد و اجتہاد ختم ہو گیا۔ پچھلی کئی صدیوں کے علماء ان پتھر کے بتوں کی تردید کرتے چلے آرہے تھے جن کو اُن کے ماننے والوں نے خود رد کر دیا تھا۔ یوں کہئے کہ تضیع اوقات اور تضیع قرطاس کے علاوہ اُن کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

## تحریکِ آزادی

اِسی دَوران ہندوستان میں تحریکِ آزادی کا شور بلند ہوا۔ اِس تحریک میں علمائے دیوبند نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ جمیعتہ العلماء نے (جس میں زیادہ تر علمائے دیوبند ہی تھے) اِس تحریک کا پوری قوت سے ساتھ دیا اور موہوم اُمیدوں پر کانگریس کی بڑے خلوص کے ساتھ حمایت کی۔ آزادی مِل تو گئی لیکن اِس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور دوسرا نفسیاتی نقصان یہ ہوا کہ رات کو آزادی مِلی اور صبح کو بھارت کے مسلمانوں نے آپ سے آپ محسوس کیا کہ وہ عاجز اور بے دست و پا ہو گئے۔ لیکن مسلمان کے متعلق وہ جو بات مشہور ہے کہ وہ اِسلام سے لاکھ بے شعور ہو جائے، رہتا مسلمان ہی ہے معلوم نہیں کب اس میں مِلّت کا شعور بیدار ہو جائے۔ اِسی خطرے کی وجہ سے ضروری سمجھا گیا کہ جمیعتہ العلماء کے سیاسی نظریات کو یک لخت ختم کیا جائے۔ اِس کام پر حضرت مولانا آزادؒ کو مامور کیا گیا۔ اُنھوں نے لکھنؤ کانفرنس میں جمیعتہ العلماء کی سیاس[illegible] زندہ درگور کر دیا۔ جمیعتہ العلماء سے سیاسی نظریہ ختم ہوا تو اُس کی مِلّی نمائندگی آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ اُس کی حیثیت کانگریس کی زلّہ بانی کے سوا کچھ نہ رہ گئی۔ اب اُس میں شیخ الاسلام اور شیخ الہند جیسے

جری سپاہی کوئی نہ رہا بلکہ اب اِس قالب سے ......... جیسے پُتلے ڈھلنے لگے جن کا کام صرف یہ ہے کہ وہ وہ کہیں جو کانگریس کہلوائے، وہ وہ کریں جو کانگریس کرائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## تحریکِ اسلامی

ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی یہ حالت تھی اور ہندوستان کے باہر ملکوں میں وہ جو میں نے اُوپر بیان کی۔ اگر یہی حالت رہتی تو لفظِ مسلمان تو باقی رہتا لیکن اسلام کافور ہو جاتا۔ لیکن خدا کو یہ کبھی منظور نہیں رہا۔ جب جب اِسلام مجروح اور کمزور ہوا، اللہ نے ایسے مجددین اور مجتہدین کو پیدا فرمایا جنھوں نے جذبۂ جہاد اور قوتِ اجتہاد سے کام لیا۔ انھوں نے ایک طرف سرِ میدان کفر سے ٹکر لی اور دوسری طرف صحافت میں قوتِ اجتہاد کو بھی بروئے کار لائے۔ انھوں نے :۔

(۱) سب سے پہلا کام یہ کیا کہ زبان و قلم کے ذریعہ مسلمانوں کی انفرادی تربیت کا کام شروع کر دیا۔

(۲) ایسے تربیت یافتہ افراد سے اجتماعیت بنائی۔

(۳) اِس اجتماعیت کا مقصد اعلیٰ رضائے الٰہی قرار دیا اور اسی کو محرک بنا کر دنیا میں اقامتِ دین کا کام شروع کیا

(۴) چونکہ رضائے الٰہی ہر فرد کا نصب العین تھا، پھر جب یہ افراد مجتمع ہو گئے تو آپ سے آپ اقامتِ دین نے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

(۵) اِس تحریک کے اندر قوتِ اجتہاد سے جذبۂ جہاد بھر اگیا۔

(۶) ایسا لٹریچر تیار ہوا جس میں جذبۂ جہاد بھی نمایاں اور قوتِ اجتہاد بھی عیاں۔

(۷) اِس لٹریچر نے مستشرقین اور مخالف اسلام اہل قلم کے ان اعتراضات کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں جن میں کہا گیا تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا سیاست کو دین سے کوئی تعلق نہیں یا یہ دنیا آپ سے آپ بنی ہے، اِس کا نہ کوئی بنانے والا ہے اور نہ خدا یا امنِ عالم اس لئے قائم نہیں ہوتا کیونکہ انسان کے پیٹ کا مسئلہ حل نہیں ہوا یا پیٹ کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ

انسان کی انفرادی ملکیت کو ختم کیا جائے اور ریاست کی ملکیت کو تسلیم کر کے ہر فرد کی ضروریات کو ریاست کے سربراہوں کے رحم و کرم کے ذریعہ پورا کیا جائے۔

اسی طرح کے دوسرے اعتراضات جو اسلام میں بیک وقت چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت پر ہوئے، جزیہ پر ہوئے، پردے پر ہوئے، اور اسی کے تحت مرد و زن کو ہر حالت میں مساوی قرار دے دیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

## اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی

اللہ تعالیٰ نے لادینیت اور جدید تحریکات کے علمبرداروں کا زور توڑنے کے لئے ہر اُس جگہ اپنے ایسے بندے پیدا فرمائے جہاں جہاں مسلمان بستے تھے۔ انڈونیشا، ترکی، مصر، ایران، اور ہندوستان وغیرہ میں تقریباً ایک ساتھ تحریک اسلامی کا غلغلہ بلند ہوا۔ ان میں سب سے زیادہ دو جماعتیں مقبول ہوئیں ۱۔ اخوان المسلمون ۲۔ جماعت اسلامی۔

یہ عجیب و غریب حسنِ اتفاق ہے کہ حسن البناءؒ نے مصر میں اخوان المسلمون اور مولانا مودودیؒ نے ہندوستان میں جماعتِ اسلامی تقریباً بیک وقت قائم کی۔ اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہی ہے کہ اخوان المسلمون اور جماعتِ اسلامی دونوں کا بنیادی اور امدادی لٹریچر اٹھا کر دیکھ ڈالئے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دھارے اپنے اپنے صاف و شفاف پانی کو لئے ہوئے متوازی بہتے چلے جا رہے ہیں اور افرادِ جماعت کو بروقت مشکلات [illegible] حل پیش کرتے ہیں۔ یعنی دونوں جماعتوں کا لٹریچر اور دونوں جماعتوں کی تنظیم متوازی چلتے نظر آتے ہیں۔ جس وقت تنظیم کو جس قسم کے لٹریچر کی ضرورت پیش آئی جماعتوں کے دانشوروں اور صاحبانِ قلم نے بہترین لٹریچر کے ذریعہ راستہ دکھایا۔[1]

---

[1] اس میں شک نہیں کہ علامہ اقبالؒ نے بھی بروقت اپنے کلام بلاغت نظام سے ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے میں بہترین کام کیا ہے لیکن یہ اُن کی انفرادی کوشش تھی۔ اس لئے مورخ جب جماعت اسلامی کی تاریخ مرتب کرے گا تو علامہ اقبالؒ کی انفرادی کوشش کو بھی فراموش نہ کرے گا۔ (مدیر)

## ردِ عمل

اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے قلم نے یورپ، امریکہ اور روس کے دانشوروں کو بوکھلا دیا۔ ان کے بوکھلانے سے ان تمام تحریکوں کی مقبولیت خطرے میں پڑ گئی جو اسلام کے خلاف کام کر رہی تھیں۔ لہٰذا اب اُن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ زور واستبداد سے کام لیں۔ چنانچہ طرح طرح کے غلط الزامات لگا کر ایسے مجاہدوں اور مجتہدوں کو شہید کرنا اور جیلوں میں بھرنا شروع کر دیا جو ایک طرف میدانِ جہاد کے غازی تھے تو دوسری طرف میدانِ صحافت میں اِسلام کے علمبردار . . . .

بازاروں میں ایک کہاوت سُنی جاتی ہے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے"۔ دشمنانِ اسلام کا یہی حال ہوا۔ انھوں نے مجاہدوں کا خون زمین پر گرایا تو خونِ شہیداں کے قطرے قطرے سے مجاہد اُبھر اُبھر کر سامنے آ گئے۔ اچانک دیکھا گیا کہ نوجوانانِ اسلام تحریکِ اسلامی کے افق پر چھا گئے اور یہ لہر ایسی آئی کہ ہندوستان، پاکستان، ایران ہوتی ہوئی ترکی اور پھر ترکی سے یورپ میں جا گھسی۔ اِدھر ان نوجوانوں نے دشمنانِ اسلام میں تہلکہ مچا دیا تھا کہ آپ سے آپ جی ہاں، بالکل آپ سے آپ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک لہر آ گئی۔ مغربی ممالک کے دانشوروں، افریقہ کے حبشیوں اور ہندوستان کے اچھوتوں نے جوق در جوق اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اِسلام کی اِس آپ سے آپ مقبولیت نے اسلام دشمن تحریکوں [illegible] بدحواس کر دیا اور اب اُن کے پاس دھونس اور دھاندلی کے سوا کچھ نہ رہ گیا یا پھر وہ صاحبانِ اقتدار کے سامنے بھیک مانگیں کہ سہارا دو ورنہ :-

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن  پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اے مسلمان بھائیو اور بہنو! یہ بات آپ نے سمجھ لی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر کے رہا ہے اور اب بھی غالب کر کے رہے گا لیکن یہ سب دیکھ اور محسوس کر کے ہمیں یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ اسلام کے غلبہ میں ہمارا کیا کردار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں ہم سے پوچھے گا کہ اقامتِ دین میں تم نے کیا حصہ لیا۔ اِسکا جواب آپکو اور ہم کو مرنے سے پہلے سوچ رکھنا چاہیئے۔ وما توفیقی الا باللہ

(کوثر معین)

# بہشت سے برزخ تک

برات کی روانگی میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ آمنہ بیگم کام کرتے کرتے تھک کر چور ہو چکی تھیں۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی کمی انھیں نظر آ ہی جاتی تھی۔ وہ بری کے جوڑوں کو سلیقے سے لگوا رہی تھیں۔ اور اب میوے کے خوان باقی رہ گئے تھے۔ ان پر خوان پوش ڈھکوا کر انھوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اتنے میں ان کی بیٹی نے صدا لگائی۔

"امی آپ تو ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ برات روانہ ہونے والی ہے۔"

تب انھوں نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ قطار در قطار کاروں کی لائن تھی سب سے آگے ان کے بیٹے کی سجی ہوئی کار کھڑی تھی۔ گو کہ وہ تو کرلئے کی تھی۔ مگر آنے والے مستقبل کے خوش کن تصور سے وہ تھکن بھول کر مسکرا پڑیں۔

آمنہ بیگم ان عورتوں میں سے تھیں۔ کہ بس بیٹا کسی قابل ہوا ذرا نوکری لگی اور انھوں نے کوئی دولت مند بہو ڈھونڈنا شروع کر دی تو یہی حال ان کا تھا۔ جیسے تیسے کر کے ان کو بھی ایک لڑکی پسند آ ہی گئی۔ اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ تھے اور پھر عائشہ تھی بھی اچھی شکل وصورت کی لڑکی۔ انھوں نے سوچا جہیز بھی اچھا خاصا ملے گا۔ اور چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ مگر جب وہ بہو رخصت کروا کے لائیں تو گھر کی صورت بہت عجیب تھی۔

جس گھر میں دلہن اتر کے آئی وہاں تو خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ مگر یہاں تو جیسے

اموشی کا راج تھا۔ ایک آمنہ بیگم کی آواز تھی جو در و دیوار کو ہلا رہی تھی۔ آخر کو ان کے ارمانوں
پانی جو پھر گیا تھا۔
ہائے ہائے ایسے فتنے نکلے۔ بھلا باپ بھائی کمانے والے پھر بھی بیٹی کو اٹھا کر ایسے
ہی حوالے کر دیا۔
بے چاری عائشہ خون کے آنسو رو رہی تھی۔ وہ تو ظالم سماج کی سولی پر چڑھی ایسی
مجرمہ تھی۔ جو اپنی صفائی میں کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی۔ صرف اندر ہی اندر سلگ سکتی تھی۔
عورت کے ساتھ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ماں باپ ایک ننھے سے پودے کو سینچتے ہیں۔ اتنے
بڑے لاڈ پیار سے پرورش کرتے ہیں اور جب وہ کسی قابل ہو جاتی ہے تو صرف دو بول
اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوسروں کا بنا دیتے ہیں۔
اب یہ ان ظالموں کی مرضی ہے کہ اپنی اس باندی کو جس طرح نوازیں۔ طعنوں سے
گالیوں سے، یا چاہیں تو ٹھوکر بھی ماردیں۔ آنسو برابر بہے جا رہے تھے۔ اور کئی قطرے
اس کے حنائی ہاتھوں پر گر گئے۔ اس ماحول میں بیٹھنا اس کے لیے اتنا دشوار تھا۔ لگتا تھا
اب بے ہوش ہو جائے گی مگر شاید خود ہی کو ترس آ گیا کہ اسی وقت اس کی نند کو خیال آ گیا
وہ اٹھا کر اسے اپنے ساتھ اس کمرے میں لے گئی جو اس کے لیے تیار کیا گیا تھا۔
اس کے ذہن میں اپنی ساس کی باتیں گونج رہی تھیں۔
"ایسے نقشے نکلے نہ جہیز میں کار نہ کوئی کوٹھی نہ فرج"
اس نے ذہن کو جھٹک دیا۔ آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔ جو ہوا سو
ہوا اسے تو راحیل سے مطلب ہے۔ تبھی کسی کے قدموں کی آہٹ اس کے قریب آتی
محسوس ہوئی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ راحیل قریب
آئے۔ اور اس کا گھونگھٹ اٹھا دیا۔ اس حسن نے انھیں تھوڑی دیر کو مبہوت کر دیا۔ دل

تو چاہتا تھا۔ بس ان زلفوں میں پناہ لے لیں۔ خود کو گم کر دیں۔ مگر کہیں کان میں سرگوشی ابھری۔
" دیکھو سب سے پہلے مہر معاف کروا لینا۔ جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کون مار لاکھوں کا جہیز لے کر آئی ہیں۔"

اور انھوں نے جلدی سے اس کا ہاتھ کھینچ کر انگوٹھی پہنائی۔ کہ یہ بھی رسم ہے زمانے کی۔ اور پھر جلد ہی حرف مدعا زبان پر لے آئے۔ اس کے دل میں جیسے کچھ ٹوٹ گیا۔

" کیا یہی ہوتی ہے سہاگ رات۔ بہت اکھڑا اکھڑا سا رویہ تھا۔ پھولوں کی سیج اس کے لیے کانٹوں کی بن گئی۔ یہ کیسی سہاگ رات تھی۔ جس کے لیے کسی نے کہا ہے۔

" یہ وہ رات ہے جب نگاہیں ٹکرا ٹکرا کر تارے جھڑتے ہیں۔ اور یہ افشاں زندگیوں کے ماتھے پر چنی جاتی ہے۔ یہ وہ رات ہے جب آدم کی پسلیاں چیر کر حوا نکالی گئی تھی۔ یہ وہ رات ہے کہ جس کی درازیٔ عمر کے لیے شاعر انعام مانگتے مانگتے نہیں تھکتا۔ جس کے حصول کے لیے جوانی کی جائے نماز بچھا کر زندگی اکثر سجدہ ریز رہی ہے۔

مگر تم نے تو کچھ نہیں کہا۔ راحیل بڑے کاروباری انداز ہے تمہارا۔ کروٹیں بدلتے بدلتے نہ جانے کب وہ نیند کی وادی میں تسلی پہنچ گئی۔

دن آہستہ آہستہ گزرتے گئے۔ ان کی شادی کو تقریباً ڈیڑھ سال ہو گیا۔ اور اب وہ ایک پیارے سے بچے کی ماں تھی۔ آمنہ بیگم کا ابھی تک وہی حال تھا۔ عائشہ خود ہی بہت صلح پسند تھی۔ پھر پڑھی لکھی تھی۔ جبان کے ساتھ گزارا ہو رہا تھا۔ راحیل اکثر اس کو تسلی دیتا رہتا۔

" دیکھو عائشہ تم امی کی باتوں کا برا نہیں ماننا کہ وہ غصے کی تیز ہیں۔ مگر دل کی اچھی ہیں۔"
وہ آہستہ سے کہتی " آپ سے کس نے کہا۔ بھئی میں تو برا نہیں مانی۔ پھر اگر میرے ساتھ ہوں تو وہ کیا سارا زمانہ مجھے لہولہان کر دے تو کوئی غم نہیں۔

" ا ، ۱ ، ۱ ، ۔ آ ۔ لے گڑوالفت عائشہ"

"شکریہ جناب زیادہ بنائیں نہیں" اور دونوں زیادہ اونچی آواز میں ہنسنے لگے۔
لیکن آمنہ بیگم کی زبان دن بدن بڑھتی گئی۔ راحیل تھکا ہارا گھر میں داخل ہوتا تو آمنہ کو کام میں مصروف پاتا۔ آواز دی۔
"بھئی کہاں ہو عائشی۔"
آمنہ بیگم کے جیسے آگ لگ جاتی۔ تلملا کر بولیں۔
"ارے کیسا جادو کیا ہے میرے بچے پر۔ اسی دن کے لیے پال پوس کر جوان کیا تھا آتے ہی قبضہ کر لے۔ ارے کبھی ماں کو بھی تو پوچھا کر۔ وہ تو بیٹھی کتابیں پڑھ رہی ہوگی۔
"حالانکہ انھیں پتہ تھا کہ عائشی باورچی خانے میں روٹی پکا رہی ہے۔ راحیل ان کے قریب آگیا۔
"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"
"تمہیں کیا فکر۔ میں بہت جی لی۔ اب آخری وقت ہے۔ گھر کی فکروں نے بلڈ پریشر کا مریض بنا دیا ہے۔ تمہیں تو اپنی بیوی کے چونچلے اٹھانے سے فرصت ہو تو میری خبر لو۔"
وہ بولا
"ایسی کیا فکر ہے۔ آپ کو جہاں تک تیمارداری کا تعلق ہے۔ رابعہ، راضیہ اور پھر عائشہ ہر وقت گھر میں موجود ہوتی ہیں۔ میں تو دن بھر دفتر میں ہوتا ہوں۔"
وہ بولیں۔
"میں کہتی ہوں تمہیں کچھ ہوش ہے کہ گھر میں جوان بہنیں بیٹھی ہیں۔ ان کے لیے کچھ سوچا ہے تم نے؟"
"آج رابعہ کو دیکھنے کچھ خواتین آرہی ہیں۔ ذرا اس گھر کی حالت تو دیکھو کسی کو بلانے کو دل نہیں چاہتا۔ ارے رشید صاحب کے لڑکے کو دیکھو۔ تمہارے ساتھ ہی نوکر ہوا تھا۔

گھر بھر دیا ہے۔ اس نے ایک بہن کی شادی بھی کر دی۔ لاکھوں کا جہیز دیا ہے۔"
راحیل نے کہا۔

"میں کیا کروں۔ امی جتنی تنخواہ ہے۔ سب آپ کے ہاتھ میں لا کر دیتا ہوں۔"

آمنہ بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا: "ارے آج کل خالی تنخواہ میں کیا ہوتا ہے۔ تمہارے گھر میں اب بچہ ہے۔ اس کا خرچ اور دوسرے اخراجات جب تک اوپر کی آمدنی نہ ہو بھلا گزارا ہو سکتا ہے۔ تم کوئی بچہ تو ہو نہیں جسے یہ ساری باتیں سمجھانی پڑ رہی ہیں۔"

اتنے میں عائشہ آ گئی اور پوچھنے لگی: "آپ نے مجھے کیوں آواز دی تھی؟"

راحیل نے کہا۔ "ہاں بھئی۔ صبح میں دفتر کی فائل یہیں بھول گیا تھا۔ تم نے اٹھائی؟"

عائشہ جاتے ہوئے کہنے لگی: "جی میں ابھی لا کر دیتی ہوں۔"

آمنہ بیگم نے پھر اپنی بات شروع کی۔

"تو سن لے نا بیٹے میری باتیں۔ آج کل سوکھے سوکھے کسی کی نہیں گزرتی۔"

وہ بولا: "آپ فکر نہیں کریں۔ مجھے خود بھی احساس ہے۔ آج ایک صاحب سے بات ہوئی تھی۔ ان کا کام اٹکا ہوا ہے۔ شاید کام بن جائے۔"

عائشہ جو پہلے ہی ان کی باتیں سن کر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ چپ نہ رہ سکی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ راحیل آپ رشوت لیں گے۔ کسی مجبور پر ظلم کر کے اپنے گھر کے لیے خوشیاں خریدیں گے۔ کتنے دن کے لیے۔ کچھ خبر ہے کہ یہ نہ صرف قانونی جرم ہے بلکہ ہمارا مذہب بھی اس حرام کمائی کی اجازت نہیں دیتا۔ میں آپ کو یہ کام کبھی نہیں کرنے دوں گی۔ کسی کو غرض ہے تو ہم جیسے بھی ہیں۔ آپ کی بہن جس حال میں بھی ہے اگر ان کو قبول ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو جہاں نصیب میں ہوگا ہو جائے گی شادی۔ یہ ضروری نہیں کہ فضول رسومات کی خاطر آپ اپنا ایمان بیچ دیں۔"

آمنہ بیگم تلملا گئیں۔

"سن لیا اپنی بیوی کا وعظ۔ اے بی بتو۔ وہ تو ہم ہی کاٹھ کے اُلو تھے جو انہیں قبول کر لیا آج کل کوئی ننگے بھوکوں کو نہیں پوچھتا۔ سب بینک بیلنس، کوٹھی کار کی باتیں کرتے ہیں میرا بیٹا تمہارے بھائیوں کی طرح بے غیرت نہیں ہیں۔"

عائشہ کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ وہ پہلی بار تیز آواز میں بولی۔

"آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔ میرے بھائی نے کوئی بے غیرتی کا کام نہیں کیا ہے۔ ہم بہن بھائیوں کی پرورش حلال کی روزی سے ہوئی ہے۔ سب سے بڑی عزت وہ ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ دنیا والوں کی ہمیں پروا نہیں۔ سب سے بے غیرت رشوت خور ہوتا ہے۔"

راحیل غصے میں کھڑا ہو گیا۔

"خاموش ہو جاؤ عائشہ۔ تم ہمارے معاملے میں مت بولو۔ یہ میری ماں ہے۔ اس کی اطاعت کرنا میرا فرض ہے۔ یہ میری جنت ہے۔ تم سے میرا رشتہ ہی کیا ہے؟"

خیر تو ہے تم خاصے پریشان لگ رہے ہو؟"

"ہاں امی میں بہت پریشان ہوں۔ نیا افسر آیا ہے دفتر میں۔ اور اس نے پرانا ریکارڈ چیک کر لیا ہے۔ بڑی چھان بین ہو رہی ہے۔ نوکری تو جائے گی اوپر سے بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"وہ بولیں۔ ارے تو تم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟"

راحیل بولا: "یہ کہیں کیا نہیں بگاڑا۔ آپ کی بیٹیوں کی شادی۔ یہ شان و شوکت۔ یہ جھوٹی شہرت۔ یہ سب کیا ہے۔ کاش آپ نے چادر دیکھ کر پیر پھیلائے ہوتے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔ مگر آپ نے مجھے یہ کونسی بہشت دکھائی ہے۔ جس کا راستہ مجھے برزخ

تک لے جا رہا ہے۔ آپ جیسی ناعاقبت اندیش ماؤں اور بیویوں کے مجبور کرنے پر ہم یہ بھیانک جرم کرتے ہیں۔ بتلایئے مجرم کون ہے؟" اب تھوڑی دیر میں پولیس پہنچنے والی ہے۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں مجھے چھپاؤ گی ماں؟" اور دنیا سے چھپ بھی گیا تو وہ سب سے بڑا دیکھنے والا تو مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میرے گناہ کا کفارہ یہی ہے کہ میں خود کو قانون کے حوالے کرنے جا رہا ہوں۔ ہو سکے تو عائشہ کو کہلوا دینا کہ میں تم سے بھی شرمندہ ہوں۔ اس کی اور اس کے ماں باپ کی تعلیم ہی میرے بچے کے لیے ضروری ہے۔"

---

# اللہ کا دین کیا چاہتا ہے

اوّل تو وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان بالکلیہ ( Absolutely ) بندۂ حق بن کر رہے۔ اسکی گردن میں سوائے اللہ کے کسی اور کی بندگی کا حلقہ نہ ہو۔

دوئم وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ ہی کا قانون (شریعت محمدی) انسانوں کی زندگی کا قانون بن کر رہے

سوئم اس کا مطالبہ یہ ہے کہ زمین سے فساد مٹے۔ منکرات کا خاتمہ ہو اور ان خیرات وحسنات کو فروغ دیا جائے جو اللہ کو محبوب ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! اور بہنو! اگر آپ نے اسلام کے ان مطالبات کو دل سے مان لیا ہے اور اس بات کا عزم کر لیا ہے ع میری زندگی کا مقصد اسی دین کی سرفرازی — میں اسی لیے مسلماں میں اسی لئے نمازی تو پھر عمل کیجیے، عمل، عنقریب ہمیں اس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جہاں وہ ہم کو ہماری تمام کارگزاریوں سے آگاہ کر دے گا۔ بہترین عمل وہ ہے جو اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت کے مطابق ہو۔

(نوٹ: براہ کرم مضمون پر اپنا نام ضرور لکھا کیجیے)

قیوم راہی

سرِ شام تھکے تھکے قدموں سے جب احسان گھر میں داخل ہوا تو سلگتی ہوئی ویران خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ تمام کمروں میں بتیاں روشن تھیں لیکن زندگی کے آثار نہ تھے۔

یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ گھر کی فضا عموماً گھٹی گھٹی رہتی۔ سوائے ننھے ریحان کے گھر کا ہر فرد ایک دوسرے سے کھنچا کھنچا، الگ تھلگ رہتا۔ احسان آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا نہ زبیدہ نہ ریحان۔ قرائن بتا رہے تھے زبیدہ گھر سے باہر گئی ہوئی ہے۔ بہن کی لمبی کار اسے لینے آگئی ہوگی یا پڑوس میں اپنی اکلوتی سہیلی ماجدہ سے کپڑوں کے نئے ڈیزائنوں اور پکچروں پر تبادلہ خیالات ہو رہا ہوگا۔ انفنسٹن اسٹریٹ پر شاپنگ ہو رہی ہوگی یا پھر کسی سینما ہال میں پکچر سے لطف اندوز ہو رہی ہوگی۔ احسان کا موڈ مزید خراب ہونے لگا۔ ساتھ ہی سر کے درد میں بھی اضافہ ہو چلا۔ وہ مسہری پر نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں موند کر اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے اٹھ کر اپنی ماں کے کمرے کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت وہ اس کمرے میں جانے سے ہچکچا رہا تھا۔ اس کمرے میں ادھیڑ عمر کی سعیدہ بانو اور ان کے شوہر مظفر حسین رہتے تھے سعیدہ بانو اپنے شوہر سے یوں ناراض تھیں کہ ان کے اکلوتے بیٹے احسان کی بے جوڑ شادی کے وہی ذمہ دار تھے۔ انہوں نے

ماں بیٹے کی مرضی کے خلاف اپنے چچازاد بھائی
کی بیٹی زبیدہ کو اپنی بہو بنانے کی سعادت بخشی
تھی۔ زبیدہ عمر میں احسان سے کئی برس بڑی تھی
اور اس نے اس گھر کو جہنم بنا ڈالا تھا۔ لیکن مظفر
صاحب کا شاید اس میں کچھ زیادہ قصور
نہ تھا۔ انھوں نے اس بات میں بھی خاندان
کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ چچازاد بھائی کے ان
پر بڑے احسانات تھے۔ ویسے بھی زبیدہ ایم اے
تھی۔ سلیقہ شعار تھی۔ قبول صورت تھی۔ وہ کبھی
سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ شادی کے بعد یہ رنگ
دکھائے گی۔ حتیٰ کہ سب کا جینا تک حرام کر دے
گی۔ اب وہ بھی اکثر اپنے کیے پر ندامت کی
اذیت میں مبتلا رہتے۔ بار بار یہ احساس بھی تڑپا کر
رکھ دیتا کہ اب زبیدہ انھیں کسی زاویے سے
بھی احسان کی بیوی معلوم نہ ہوتی تھی۔ کہاں
نوجوان احسان اور کہاں ڈھلتی عمر کی زبیدہ۔

احسان نے شرافت اور سعادت مندی
کی ایک غیر معمولی مثال قائم کر دی تھی۔ مجال
ہے جو کبھی حرفِ شکایت زبان پر لایا ہو۔
وہ تو ہمیشہ اس کوشش میں رہتا تھا کہ
حالات قابو سے باہر نہ ہو جائیں۔ خاندانی
عزت اسے بے حد عزیز تھی اور وہ نہیں
چاہتا تھا کہ نوبت دیوانگی تک پہنچ جائے
جب انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اس
عزت کے دامن کی دھجیاں اُڑا دیتا ہے

احسان نے یونہی حسرت سے بائیں
جانب دیکھا۔ یہ اس کی چھوٹی بہن نجمہ کا
کمرہ تھا۔ بتی روشن تھی لیکن کمرہ خالی۔
سعیدہ بانو کو اندھیرے سے وحشت ہوتی
تھی۔ اس لیے وہ گھر کی تمام بتیاں دیر
تک روشن رکھتیں۔ چنانچہ نجمہ کے ہوسٹل
منتقل ہو جانے کے باوجود اس کا کمرہ
روشن تھا۔ مظفر صاحب نے روز روز
کی دانتا کل کل سے تنگ آکر اپنی بی اے
کی طالب علم بیٹی کو ہوسٹل میں داخل کرا دیا تھا
تاکہ وہاں یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکے
یوں تو احسان کے منھ کو چپ سی لگ گئی
تھی۔ لیکن بیشتر اوقات وہ ایک کرب انگیز
کیفیت سے دوچار رہتا۔ گھر کے تمام حالات
سے وہ بخوبی آگاہ تھا۔

اس کو اس بات کا بھی علم تھا کہ زبیدہ ہر وہ کام کرنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتی ہے جو اس کی ساس اور سسر کے لیے ناگواری کا باعث بنتا ہے۔

احسان ایک سرد آہ بھر کر اٹھا۔ پہلے اس نے لباس تبدیل کیا۔ پھر پانی کے ساتھ اسپرین کی گولی حلق سے اُتاری اور مسہری پر آن لیٹا۔ کچھ دیر بعد جب درد کا زور کم ہوگیا۔ اس نے اپنے سامنے ماں کو کھڑا پایا۔

"اے تم کب آئے احسان؟" سعیدہ بانو نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے امی!"

"اتنی جلدی!"

"ہاں۔ طبیعت گری گری سی تھی۔ سر میں درد تھا۔ اب ٹھیک ہوں!"

پھر سعیدہ بانو کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور نگاہیں فرش کے ایک ہی حصے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے بھی زبیدہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس موضوع کو چھیڑ کر اپنی ماں کے مزاج میں مزید تلخی نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا۔

"نواب زادی صاحبہ تو بڑی دیر ہوئی اپنی آپا کے گھر تشریف لے گئی ہیں۔ کار آئی تھی لینے!" سعیدہ بانو نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

احسان یوں چپ رہا جیسے اس بات کا کوئی جواب ہی نہ ہو اس کے پاس یا اس نے یہ بات سنی ہی نہ ہو۔ لیکن سعیدہ بانو بری طرح بھری بیٹھی تھیں۔ اس قدر بے چین اور مضطرب تھیں کہ سوائے دل کا غبار نکالنے کے ان کے لیے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"بہنوئی کی کوٹھی بڑی کشادہ اور خوبصورت ہے۔ چھ گز لمبی کار شہزادی صاحبہ کو لینے آتی ہے!" سعیدہ بانو کی آنکھوں میں شرارے لپک رہے تھے۔ "اس گھر میں بھلا اس کا دل کیا لگے گا؟"

احسان کا سر جھکا ہوا تھا اور لب خاموش تھے۔ جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

"تمہاری عزت وہ کیوں کرے؟" سعیدہ بانو کی آواز قدرے کرخت ہوگئی۔ "تمہاری

حیثیت ہی کیا ہے، تم ہو کیا۔ میٹرک پاس، جنرل مرچنٹ پر گزر اوقات کرنے والے۔ کار تمہارے پاس نہیں ہے۔ رہنے کا سلیقہ تمہیں نہیں آتا۔ ارے تمہارا تو کوئی بھائی بھی نہیں جو اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا۔ اور۔ اور اس کا بھائی، جانتے ہو کنیڈا میں کتنی تنخواہ لیتا ہے۔ پانچ ہزار۔ کس کس بات میں تم مقابلہ کرو گے اس سے ؟"

احسان نے سعیدہ بانو کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ ایک دو بار کنکھیوں سے اس طرف ضرور دیکھتا رہا تاکہ ماں کے موجودہ موڈ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

"چائے پیو گے ؟" تھوڑے وقفے کے بعد سعیدہ بانو ہی کو پہل کرنی پڑی۔

"نہیں۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ دور ختم ہو گیا ہے۔" احسان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "اور ہاں آج دکان پر نیاز بھائی آئے تھے۔ بتا رہے تھے کہ جلال بھائی فیملی سمیت کھٹمنڈو میں خیریت سے ہیں اور عنقریب کراچی پہنچنے والے ہیں۔"

"اچھا"

"ہاں۔ نیاز بھائی نے آج سارا دن سب عزیزوں کو یہی خوش خبری سنانے میں گزار دیا ہے۔"

"بات ہی کچھ ایسی ہے وہ جو کہتے ہیں جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ کتنے مایوس ہو گئے تھے سب لوگ جلال کی طرف سے۔"

سعیدہ بانو نے کچھ سوچا، اٹھیں اور جاتے ہوئے بولیں۔ "چائے بنا ہی لی جائے۔ میں بھی پی لوں گی۔"

سعیدہ بانو چھوٹی سی ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں لے کر آ گئیں۔ اس نے فوراً بڑھ کر چائے کی ٹرے خود تھام لی۔

ماں بیٹا چائے سے فارغ ہوئے تو زبیدہ نے ریحان کی انگلی تھامے کمرے میں قدم رکھا۔ ریحان خوش خوش باپ کی طرف دوڑا اور زبیدہ ایک اچٹتی سی نظر سعیدہ بانو پر ڈالتی اور شان استغنا کے ساتھ چلتی ہوئی دوسری مسہری پر جا بیٹھی۔ اور پھر اس نے اون کی سلائیاں نکال کر تنگ

اور سعید بانو اندر ہی اندر کھولتی ہوئی، لرزتی ہوئی، انگاروں پر چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ریحان بھی دوڑا

"آپ آج اتنی جلد آگئے؟" زبیدہ نے خاصے تکلف سے پوچھا۔

"ہاں طبیعت ٹھیک نہ تھی۔" احسان رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولا۔

جب سے زبیدہ نے اپنی آپا سے جلال کی آمد کے بارے میں سنا تھا، اس کے اندر ایک شور سا برپا تھا اور آج اس شور میں احسان کی آواز اور دب کر رہ گئی تھی۔

"بخار ہے؟" زبیدہ کے انداز تخاطب میں بے نیازی کی واضح جھلک تھی۔

"نہیں، سر میں درد تھا۔ اب ٹھیک ہوں۔" احسان زبیدہ کی دورنگی کیفیت سے پوری طرح باخبر تھا۔ وہ جانتا تھا زبیدہ کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور۔ وہ اکثر اس کا کام کرتے ہوئے ناگواری کے احساس دوچار رہتی ہے جیسے وہ یہ سب کچھ اپنی مرضی کے خلاف بڑے جبر کے ساتھ کر رہی ہو۔

"آپا بتا رہی تھیں جلال بھائی جلد لندن سے آنے والے ہیں۔"

"اچھا۔" احسان نے اس کی بات میں کوئی دلچسپی نہ لی۔

(اور تم کتنے جاہل LAZY-UNSOCIAL اور بے حیثیت ہو)

زبیدہ کی انگلیاں تیزی سے نٹنگ میں مصروف ہوگئیں۔ اس کے سامنے بار بار جلال کا چہرہ دلکش زاویوں کے ساتھ اُبھر رہا تھا۔ مسکراتا ہوا، دمکتا ہوا چہرہ جس کی تصویر اس کے البم میں سجی ہوئی تھی۔ وہ البم کھولتی تو بس اسی کی تصویر تکتی رہتی۔

اتوار کا دن تھا

اس روز احسان کا اپنے ایک دوست کے گھر دوپہر کے کھانے کا پروگرام تھا۔ پھر کوئی پکچر دیکھنے کا بھی ارادہ تھا۔ وہ گھر کے مزدوری کاموں سے فارغ ہو کر اُدھر چلا گیا تھا۔ اور زبیدہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی کھانا آپا کے گھر چلی جائے گی۔ انہی خیالات میں مگن تھی کہ اس نے اپنی ساس کے کمرے

یں ساتھ والے ملازم کی آواز سنی جو فون آنے کی اطلاع دینے آیا تھا۔ کہیں آیا کا فون تو نہیں؟ اس نے سوچا۔ پھر اس نے مظفر صاحب کو جاتے ہوئے دیکھا اور تب وہ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔

مظفر صاحب آئے تو انھوں نے اپنے مخصوص دبے دبے لہجے میں بیوی کو بتایا:
"نیاز کا فون تھا کہ جلال مع بیوی بچے کے سہ پہر کو چار بجے یہاں پہنچ رہا ہے۔"

خبر سنتے ہی زبیدہ کے سامنے قوس قزح کے رنگ بکھر گئے۔ پھر پرانی یادوں کی دلفریب گھنٹیاں بجنے لگیں اور ان کی مدھر آوازیں اس کے کانوں میں رس گھولنے لگیں دبی دبی سوئی سوئی انجان سی خواہشات نے انگڑائیاں لے کر اس کے ارد گرد رقص کرنا شروع کر دیا اور اس کے حواس پر عجب خمار سا چھانے لگا۔

چار بجنے میں ابھی خاصی دیر تھی، لیکن زبیدہ ہر کام سے نمٹ چکی تھی۔ چائے کے کچھ لوازمات تو گھر ہی پر موجود تھے۔ باقی وہ خود بازار سے لے آئی تھی۔ آج وہ اپنے اندر ایک تنوع سا محسوس کر رہی تھی۔ اپنی پسندیدہ نیلے رنگ کی ساڑی میں ملبوس، میک اپ سے مزین صوفے پر بیٹھی وہ نیٹنگ کرتے ہوئے بڑی بے چینی اور اشتیاق کے ساتھ چار بجنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جلال ہمیشہ وقت کا سختی سے پابند رہا ہے۔ وہ چند منٹ پہلے تو آ سکتا تھا۔ لیکن تاخیر ہو جائے، یہ ہرگز ممکن نہ تھا۔ شغل کے لیے تو ریحان کا سویٹر بن رہی تھی لیکن وقت تھا کہ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدلتی اور گھڑی کی سوئیوں کی سست رفتاری پر اسے جھنجھلاہٹ سی ہو رہی تھی۔

ٹھیک چار بجے کال بیل کی نہایت سُریلی مترنم آواز نکل کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔ زبیدہ تیز سانسوں اور تیز قدموں کے ساتھ دروازے کی جانب لپکی۔

جلال تھری سوٹ میں بے حد اسمارٹ اور خوبرو نظر آ رہا تھا اس کے پہلو میں اس کی جواں سال حسین و جمیل بیوی شرمائی شرمائی

لجائی لجائی سی کھڑی تھی۔ جلال کے وجیہہ چہرے پر ذرا سی دیر کے لیے مسکراہٹ آئی۔ اس نے زبیدہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اس کی نظروں کا زاویہ تبدیل ہو گیا۔

"آئیے" سلام علیک کے بعد زبیدہ نے باہر جھانکتے ہوئے پوچھا: "نیاز بھائی نہیں آئے؟"

"انھیں ایک ضروری کام تھا۔ ہمیں یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔" جلال نے اندر داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔

کمرے میں بیٹھتے ہی سب کا رسمی سا تعارف ہوا۔ پھر اچانک خاموشی کا تسلط ہو گیا۔ اس دوران ہر فرد ایک دوسرے کو صرف دیکھتا رہا یا کچھ سوچتا رہا۔

"اپنے بیٹے کو کیوں ساتھ نہیں لائے؟" زبیدہ نے بات کا آغاز کیا۔

"دوپہر کے وقت اسے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا اور ہمارے آنے کے وقت وہ سو گیا تھا۔ پھر لے آؤں گا۔" جلال نے سوئے ہوئے ریحان کی طرف دیکھا: "یہ ۔۔۔"

"یہ میرا بیٹا ریحان ہے" ۔۔۔ نے وضاحت کر دی۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟" جلال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے مظفر چچا اور چچی تو اپنے کمرے میں ہیں۔ آ جائیں گے ابھی۔ نجمہ کو ہوسٹل میں داخل کرا دیا گیا ہے اور احسان اپنے کسی دوست کے گھر گئے ہیں، دعوت پر۔"

پھر پھیکے پھیکے لہجوں میں باتوں کا کچھ اور سلسلہ چلا۔ ڈھاکے کی یادوں، عزیزوں کی خیر و عافیت اور اِدھر اُدھر کی باتوں کا سلسلہ۔ یہ ڈور بھی جلد ٹوٹ گئی اور کسی نے بھی اسے جوڑنے کی جلدی نہیں کی۔

اسی دوران زبیدہ کو وجدان کے ایک سنگین لمحے نے اپنی آغوش میں بھینچ لیا اس کے روبرو ایک انتہائی خوش و خرم جوڑا تھا۔ شاداب اور زندگی سے بھرپور فرزانہ اور آسودگی کی چمک دمک سے مالا مال جلال جس نے اس کو نظر بھر کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا جس کی نگاہوں میں اپنائیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ جیسے اس سے کوئی شناسائی

ہی نہ ہو۔ دیکھتے دیکھتے زبیدہ ایک چکا چوند کی
کیفیت سے گزر گئی۔ اس کے احساسات کے
کھلیان میں آگ لگ گئی۔ اس نے خود کو
سنبھالنا چاہا لیکن حقیقت انگارے بن کر اس
کے راستے میں بکھر گئی۔ اور مایوسیوں کے
تیز و تند تھپیڑوں نے اسے بڑی طرح روند ڈالا۔
پھر اس کو پتہ ہی نہ چلا کہ کب سعیدہ بانو اور
مظفر صاحب آئے۔ کب چائے پی گئی۔ مزید
کیا کیا باتیں ہوئیں اور کب جلال رخصت
ہوا۔ اس نے تو خود کو قد آدم آئینے کے روبرو
پایا تھا۔ مبہوت اور سوگ میں ڈوبا ہوا، اور
ڈھلکے ہوئے رخسار اور بگڑے ہوئے
خد و خال اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ اور تب
ایکا ایکی اس نے محسوس کیا جیسے وہ ٹوٹ چکی ہو
ریزہ ریزہ ہو کر دھرتی پر بکھر گئی ہو۔

شام رات کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔
بس سے اتر کر احسان چھوٹے چھوٹے
قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑا۔ بے
دل اور بے کیف احساسات کے ساتھ سست
سست۔ آج تو وہ اتنا زیادہ چلا بھی نہ تھا پھر
بھی اسے تکان محسوس ہو رہی تھی۔ جوں جوں
وہ گھر کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ اداسیاں اس
کے دل میں اتر کر افسردہ کیے دیتی تھیں۔

گھر۔ کیسا گھر؟ کس کا گھر؟ گھر کہیں ایسے
ہوتے ہیں؟ سونے سونے۔ اجاڑ اجاڑ نفرتوں
کے دھوئیں سے اٹے ہوئے۔ آرام؟ آرام
اپنی قسمت میں کہاں؟

وہ کسل مندی کے ساتھ گھر کے چھوٹے
سے آنگن میں داخل ہوا۔ ایک لمحے کے لیے
رکا۔ سوت کے بھن تیزی سے اس کی طرف
لپکے۔ اس نے ایک طویل سانس لیا اور
کراہن کے کانٹوں پر چلتا ہوا اپنے کمرے
میں پہنچ گیا۔

صوفے پر اس نے خود کو اس طرح گرا
گویا تھکن سے چور ہو۔ زبیدہ مطالعے میں ڈوبی
ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زبیدہ فوری طور
اس کی جانب دھیان نہیں دے گی۔ اس
چور نظروں سے زبیدہ کی طرف دیکھا۔ ا
پیشانی پر کلائی رکھ کر آنکھیں میچ لیں۔

"کیا بات ہے؟" زبیدہ سر جھکا

۔سامنے کھڑی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

زبیدہ نے مزید کچھ کہنا چاہا، لیکن کچھ کہہ
ں۔ پھر وہ دبے پاؤں باہر چلی گئی۔

احسان نے آنکھیں کھولیں۔ خاموشی کے
ایں وہ اکیلا تھا۔ تو وہ یہاں سے چلی گئی آج
جانے کیوں اس کے مزاج کا پارہ چڑھتا
جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہا پھیپھڑوں کی پوری
ت سے زبیدہ کو پکارے اور جب وہ آئے
کو زور سے مسہری پر دھکیل دے، اور
ہوں کے تیر چبھو کر اس سے پوچھے کہ وہ خود
سمجھتی کیا ہے۔ آخر ایک منٹ میں کان سے
ڑ کر یہاں سے باہر نکالی جا سکتی ہے۔ زبیدہ
لو تو۔ آج تمہارا واسطہ ایک دوسرے احسان
سے ہوگا۔ جو تمہاری انا کے خول پر ایسی کاری
ضربیں لگائے گا کہ تم بلبلا اٹھو گی۔ تمہارے
ساس برتری کے زرّیں لباس کو تار تار کر دے
۔ احسان کرب کے انگاروں پر جل رہا تھا
ور وحشیں وار کر کے اس کو پاگل کیے دے
دے رہی تھیں۔

"کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے
آپ کی؟" زبیدہ کی دھیمی آواز نے اُسے
چونکا دیا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔"

اس نے دیکھا، زبیدہ چائے کی پیالی
تھامے کھڑی تھی۔ تھکی تھکی۔ شکستہ پا۔

"لیجیے، چائے پی لیجیے۔" زبیدہ نے چائے
کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

چائے کی پیالی لیتے ہوئے احسان نے
کچھ بولنا چاہا۔ لیکن اس کا منھ کھلا کا کھلا رہ
گیا۔ جھکی جھکی نگاہیں۔ لٹا لٹا چہرہ۔ دبا دبا
لہجہ۔ نہ پیشانی پہ بل، نہ انداز میں بیگانہ پن
نہ پندار۔ نہ ٹھسّا۔

جب حیرانی کا غبار چھٹا تو احسان نے
دیکھا اور محسوس کیا۔ آج زبیدہ کے اندر اور
باہر کا ایک ہی رنگ ہے۔ ●●

(نادرہ خاتون)

یہ مسز عالیہ گلزار تھیں۔ ایک باغ و بہار شخصیت، عمر کے حساب سے تو چالیس کے پیٹے میں ہوں گی۔ مگر رکھ رکھاؤ، بناؤ سنگار کے حساب سے کسی طرح اٹھائیس سے زیادہ کی نظر نہ آتی تھیں بڑی بستی میں ان کی دو ہزار گز کی کوٹھی تھی چار گاڑیاں، چھ نوکر تھے۔ گلزار صاحب کے جہاز تھے جو ملکوں ملکوں جاتے تھے۔ دولت کا کوئی حساب نہ تھا۔ بیگم گلزار دل کی کھلی محبت کرنے والی اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔

جب کبھی بارش ہوئی، وہ لمبی سی کار میں آٹے کے تھیلے، دال، بسکٹوں کے پیکٹ اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء بھر کر جا پہنچیں اور خود اپنے ہی ہاتھوں سے تمام چیزیں غریبوں میں تقسیم کر کے آئیں۔ شہرت کا ان کو بھر شوق نہ تھا لیکن ان کی سکریٹری ان سے پوچھے بغیر اخباری نمائندوں کو فون کر دیتی اور اس طرح اگلے دن اخبارات میں ان کی دریادلی، خیرات اور سماجی کاموں کی کارکردگی کی خبریں تصویروں کے ساتھ چھپتی تھیں تو بیگم گلزار مارے غصے کے سارے اخبارات خرید کر دیکھتیں۔ پرائیویٹ سکریٹری کو ڈانٹ پلاتیں۔ اور غصے میں یہ سارے اخبار اٹھا کر بکس میں بند کر دیتی تھیں۔

## بیگم گلزار کا دورہ

بارش کے فوراً بعد بیگم گلزار نے دورہ کیا اور اپنے ہاتھوں سے آٹے کے سو لو بلانٹے۔ روٹیاں اور بسکٹ تقسیم کئے۔ ان

نے برستی بارش اور کیچڑ کی بھی پروا نہیں کی جالانکہ اس بارش میں ان کی پانچ ہزار کی بنارسی ساڑھی بھیگ گئی اور پانچ لاکھ کا ہیرے کا سیٹ کھوگیا۔
ہیرے کا سیٹ بعد میں مل گیا کیونکہ انھوں نے گاڑی سے اترتے وقت پرائیویٹ سکریٹری کے پاس رکھوا دیا تھا لیکن مصروفیت کی وجہ سے ان کے ذہن سے نکل گیا۔ اخبارات میں خبر چھپ گئی اور وہ خبر پڑھکر سکریٹری نے اپنے پرس سے نکال کر دیا تو بیگم صاحبہ کو یاد آیا لیکن اتنی سی بات کی تردید نہیں چھپوائی۔ کیونکہ انھیں شہرت سے چڑھ تھی۔

بیگم گلزار اپنی حیثیت کی وجہ سے ہر دل عزیز شخصیت تھیں۔ انھوں نے درجنوں غریب عورتوں کے وظیفے باندھے ہوئے تھے۔ ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں وظیفہ لینے والی عورتوں کی لائن بندھی ہوتی۔ غرضیکہ بیگم گلزار کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جس پر کوئی بات کی جاسکتی ہو۔ ہاں تھوڑا سا خودنمائی کا شوق تھا۔ تو خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

میں نے کچھ دنوں بیگم عالیہ گلزار کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور انھیں بھی یہ خوش خبری سنائی کہ میں ان کے بارے میں، ان کے خاندان کے بارے میں، خدمات کے سلسلے میں ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔ اس ایک ہفتے کے دوران ان کے ساتھ رہ کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گی اور اس طرح سے عالیہ گلزار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک زندہ جاوید شخصیت بن جائیں گی۔

میں نے دیکھا کہ عالیہ گلزار کا چہرہ یہ بات سنکر گلنار ہوگیا۔ مگر عجز اور انکساری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا۔

"نادرہ میں کیا میری بساط کیا۔ میں تو ایک ناچیز، ایک ادنیٰ سی خاتون ہوں۔ اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے ضرورتمندوں کو بھی دیتی رہتی ہوں۔ برا ہو ان اخبار والوں کا میری چھوٹی چھوٹی خدمات کو بڑھا چڑھا کر لکھتے ہیں۔ ورنہ یہ کہ من آنم کہ من دانم یعنی کہ جو کچھ میں ہوں، میں بخوبی جانتی ہوں۔

ان کی انکساری سے میں اور متاثر ہوئی میں نے بڑے اصرار سے کہا۔

"بیگم عالیہ مجھے آپ کی یہی بات تو پسند ہے کہ آپ اتنی بڑی خاتون ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایسا سمجھتی ہیں۔ بہرحال میں اسے انکساری سمجھتی ہوں ـــ میری خواہش کا خیال کریں۔ آپ یہ کام کر کے میں خوشی محسوس کروں گی۔"

بیگم عالیہ تھوڑے سے ردّوکد کے بعد تیار ہو گئیں۔

اور اس طرح میرا اور بیگم عالیہ گلنار کا ساتھ ہو گیا۔

پہلے ہی دن میں دس بجے کے قریب ان کی کوٹھی پہ پہنچی تو وہاں عورتوں کی ایک لائن تھی۔ اور بیگم عالیہ بھاری بنارسی ساڑھی پہنے دھوپ میں کھڑی عورتوں کو اپنے ہاتھ سے کپڑے، روپے اور آٹا بانٹ رہی تھیں عورتیں کپڑے روپے اور آٹا لے کر جھک کر سلام کرتیں اور باہر چلی جاتیں۔

مسز عالیہ گلنار پسینے پسینے ہو رہی تھیں بلکہ پسینے کی وجہ سے میک اپ بھی اُترا جا رہا تھا اور انھیں سونے کا بھاری سیٹ بار بار ٹھیک کرنا پڑتا تھا۔ سونے کے کنگن بھی خاصا پریشان کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ کسی اور کے ذمّے یہ کام لگا دیتیں۔ کسی ملازم سے چیزیں بٹوا دیتیں۔

بیگم عالیہ گلنار یہ تمام چیزیں بانٹ کر میرے پاس آئیں۔ وہ پسینے سے شرابور تھیں نہایت محبت سے میرا ہاتھ تھام کر اندر ایر کنڈیشنڈ ڈرائینگ روم لے گئیں۔ گھنٹی دینے پر ملازمہ اندر آئی۔ میرے لیے انواع واقسام کے میوے اور پھلوں کی ٹوکری اور دودھ کا گلاس منگوایا جس میں بے شمار پستے باداموں کی ہوائیاں پڑی ہوئی تھیں۔

ایک ہی گھونٹ میں مزا آگیا۔ میں آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی، اور بیگم عالیہ سامنے بیٹھی سادہ پانی کا گلاس پی رہی تھیں۔ اور نہایت محبت کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھیں۔ انھوں نے میری تحریروں

کی تعریف کی۔ وہ اپنی خاندانی روایات، مصروفیات کا ذکر کرتی جاتی تھیں اور اصرار کر کے مجھے دکھاتی جاتی تھیں۔

میں نے کہا

میں نے جو کچھ آپ کے بارے میں سُنا تھا، پڑھا تھا۔ آپ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہر حال میں آپ کی زندگی کا ہر پہلو اُجاگر کرنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کی زندگی کا صحیح رُخ لوگوں لوگوں کو دکھانا چاہتی ہوں۔"

بیگم گلنار نے سیب کی پھانک دیتے ہوئے کہا۔

"نادرہ! یہ تو آپ کی محبت ہے اور آپ ایک دیانتدار ادیبہ ہیں۔ جن کا کام معاشرے کو تصویر کا صحیح رُخ دکھانا ہے۔ اور مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ نے مجھ ناچیز کا انتخاب کیا۔"

پھر انھوں نے ملازمہ کو بلا پہلے سے پیک کیا ہوا ایک پیکٹ مجھے دیا۔

میں نے پوچھا

"یہ کیا ہے؟"

وہ بولیں

"کچھ نہیں، بس میری طرف سے آپ کے لیے اور آپ کے بچوں کے لیے چھوٹی موٹی چیزیں ہیں۔"

میں نے کہا

"نہیں بیگم گلنار! میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ یہ آپ میری طرف سے مستحق لوگوں کو دے دیں۔"

انھوں نے کہا۔

"میں اپنے منھ سے کیا کہوں کہ کسے کیا دیتی ہوں اور پھر یہ تو آپ کو تحفہ دے رہی ہوں۔ تحفے تو دوستوں عزیزوں کو بھی دیے جاتے ہیں۔ آپ بھی تو ہمارے دوست ہیں۔"

اور میرے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ پیکٹ ملازمہ نے اس گاڑی میں رکھ دیا جو مجھے چھوڑنے جا رہی تھی۔

گھر پہنچ کر پیکٹ کھولا۔ ایک نہایت قیمتی ساڑھی تھی۔ سونے کے ٹاپس تھے اور بچوں کے لیے بڑھیا کھلونے اور ٹافیوں کے ڈبے

مجھے یہ سب کچھ اچھا تو نہ لگا۔ لیکن انہوں نے مجھے دوست کہا تھا اور یہ تحفہ دوستی کا تحفہ تھا۔

مجھے ان کی دوستی پاکر خوشی ہوئی۔ وہ فتی اتنی عظیم تھیں۔ اتنی سادہ دل تھیں کہ ان سے دوستی کی جاسکتی تھی۔ دوستی رکھی جاسکتی تھی

اگلی صبح میں پھر بیگم عالیہ گلزار کے ہاں پہنچی ب میرا ان کے بارے میں سوچنے کا انداز بدل چکا تھا۔ اب میرا خیال تھا کہ میں کسی بڑی عورت کے ہاں نہیں جارہی ہوں بلکہ ایک ایسی خاتون کے ہاں جارہی ہوں۔

جو نیک ہے، سادہ ہے، رحمدل ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھ جیسی ادیبہ کو اس نے دوست کہا۔۔۔ اور دوست کہتے وقت ان کے لہجے میں کتنا پیار تھا۔

میرے دل کے کونے میں ان کے لئے ایک نرم جگہ پیدا ہوگئی تھی۔

پہلے میں ان کا جائزہ تعمیری اور تنقیدی انداز میں لینا چاہتی تھی لیکن اب میرے خیالات بدل چکے تھے۔

میں پہنچی تو وہ میری منتظر تھیں۔ بلکہ کچھ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں تھیں۔

میں نے پوچھا

" عالیہ بیگم! کیا بات ہے؟ "

بیگم عالیہ نے کہا

" دراصل آج جمعرات ہے "

میں نے پوچھا

" تو کیا مجھے جمعرات کو نہیں آنا چاہیے تھا؟ "

بیگم عالیہ نے کہا

دراصل جمعرات کو مجھے اپنے ملازمین سے ملاقات کرنی ہوتی ہے۔ ان کے دکھ تکلیف، احوال معلوم کرنے ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا آپ آگئیں تو اندر اکیلی بیٹھ کر بور ہوں گی۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ یہ شربت اور پھل رکھے ہیں۔ آپ شربت پئیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔

میں نے کہا

" عالیہ بیگم میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں "

بیگم عالیہ نے کہا

"نہیں، باہر گرمی ہے، آپ اندر تشریف رکھیں۔"

میں نے کہا

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ضرور چلوں گی اور ویسے بھی...."

اور

اس کے بعد وہ مجھے اور اپنی پرائیوٹ سیکریٹری کو لیے ہوئے باہر برآمدے میں آگئیں۔

یہ ان کی ماما تھی۔

بیگم عالیہ نے کہا

"کہو ماما اچھی ہو؟"

ماما نے کہا

"بیگم صاحبہ! آپ کی عمر دراز ہو۔ خیرن کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔"

بیگم عالیہ نے کہا "کیوں کیا ہوا؟"

ماما نے کہا "وہی دمے کا حملہ۔"

بیگم عالیہ نے سکریٹری سے کہا "ماما کو پانچ سو روپے دے دو۔"

سکریٹری نے پانچ سو روپے ماما کو دیے۔ اور ماما کی دعائیں لیتی ہوئی آگے بڑھیں

"کہو مالی بابا اچھے ہو؟"

"ہاں بیگم صاحب!"

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"نہیں بیگم صاحب! اس عینک کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے۔"

"کتنے میں لگے گا؟"

"پچھلی بار تو دس روپے میں لگا تھا اب شاید پندرہ میں لگے گا۔"

عالیہ بیگم نے پچاس روپے کا نوٹ سکریٹری سے لے کر دیا اور کہا۔

"مالی بابا! فریم بھی بدلوا لو کافی پرانا ہو گیا ہے۔"

اگلی ملازمہ صفائی کرنے والی خیرن تھی۔

"کہو خیرن کیا حال ہے؟"

"بیگم صاحبہ بہت اچھا ہے۔"

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہو۔"

"نہیں مالکن کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر بھی کوئی چیز چاہیے تو بولو۔"

خیرن نے کہا "نہیں مالکن۔ آپ کا دیا سب کچھ ہے۔"

اس کے بعد خانساماں کا نمبر تھا۔ پھر بیرے

تھے، ڈرائیور تھے۔ چوکیدار تھے۔

بیگم عالیہ سب سے پوچھتی اور ان کی ضرورتیں پوری کرتی ہوئی مجھے اندر لے گئیں۔

میں نے اندر پہنچ کر کہا۔

"عالیہ بیگم! اب مجھے کچھ دیکھنا باقی نہیں رہا۔ بس چند سوالات کرنے ہیں۔ اس کے لیے میں پرسوں آؤں گی۔"

اور ہفتے کے روز میرا رکشا کوٹھی کے باہر رُکا تو ایک بڑھیا میری طرف لپکی۔ پہلے میں سمجھی کہ مانگنے والی ہے۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے پہچان گئی۔

"میں نے کہا۔ کہو ماما اچھی تو ہو؟"

ماما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بولی

"کیا خاک اچھی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟"

اس نے کہا "سنا ہے آپ کوئی بڑی سفارش والی بیگم ہیں۔ سنا ہے آپ کا لکھا ایک ایک حرف بہت قیمتی ہوتا ہے۔"

میں نے جھنجھلا کر کہا "آخر بات کیا ہے؟"

اُسنے کہا "مجھے کسی کے نام خط لکھکر کہیں ملازم کرادیں!"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"مگر میاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

ماما نے کہا "کوئی ایک ہو تو کہوں۔ یہاں مجھے گدھوں کی طرح کام لیا جاتا ہے اور مہینے بھر کے بعد سو روپے ملتے ہیں اور کبھی ملتے ہیں اور کبھی نہیں ملتے۔"

اب بھی چھ مہینوں کی تنخواہ باقی ہے۔"

"یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟"

"آپ ٹھیک سُن رہی ہو۔"

"مگر پرسوں تو تمہیں پانچ سو روپے میرے سامنے دیئے گئے"

"ہاں دیئے ضرور تھے اور اس کے بعد واپس لے لیے آپ کے آنے سے پہلے سب کو بار بار ریہرسل کروائی تھی اور کہا تھا کہ ایک بہت بڑی ادیبہ آرہی ہیں جن کا لکھا ایک ایک لفظ قیمتی ہوتا ہے۔ ان کے سامنے سب لوگ اس طرح کرنا۔

میں نے کہا "تم جھوٹ بول رہی ہو"

ماما نے کہا "اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں تو اس چوکیدار سے پوچھ لیں اسے بھی سال بھر سے تنخواہ نہیں ملی۔"

اور چوکیدار بھی میرے پاس آگیا۔ وہ رو رہا نہیں گڑ گڑا رہا تھا جیسا ہو رہا تھا۔ اس نے کہا بس میری تو سال بھر کی تنخواہ دلوا دیں۔ بہت احسان ہوگا ‌‌:

( آثم مرزا )

# بدلے موسم کی خوشبو

میں صدیق کی آنکھ سے اپنے ماحول کا جائزہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

صدیق کے لہجے میں طنز تھا۔ یا گزرتے لمحوں کو پرکھنے کا شدید تقاضا کہ میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے اندر ایک ایسا خلا محسوس کیا تھا جس کی وسعت دہشتناک بن گئی تھی۔ اور جس کے کناروں پر گڑی ہوئی خود فریبی کی سولیوں سے قطرہ قطرہ خون ٹپک رہا تھا — آج مہینے کا آخری دن تھا جمعہ کی چھٹی تھی۔ اور میں جو چھٹی کے دن دیر تک سوئے رہنا کا عادی تھا فجر کی اذان کی آواز سن کر یوں جاگ پڑا تھا، جیسے آخری ٹرین میں سوار ہونے کے لیے صرف چند منٹ باقی رہ گئے ہوں۔

فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ اور مشرق [illegible] سپیدہ [illegible] صدیق [illegible] اور میں [illegible] تلے صحن میں لیٹا رہا تھا۔ میں کسی پر ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا کہ میں بیدار ہو چکا ہوں اور صرف دکھاوے کی خاطر لیٹا ہوں۔ اس طرح میں جو کچھ صدیق کی آنکھ سے دیکھنا چاہتا تھا اس میں رخنہ پڑ سکتا تھا اور میرا ارادہ بھی بدل سکتا تھا۔

صدیق ایک ہفتے سے میرے ہاں رہائش پذیر تھا۔ وہ یہاں پر تبدیل ہو کر آیا تھا۔ اور چونکہ وہ رشتے میں میرا پھوپھی زاد بھائی لگتا تھا۔ اس لیے میں نے کوئی معقول ٹھکانہ ملنے تک اسے اپنے ہاں رہنے کی پیشکش کی تھی۔ جسے اس نے قبول کر لیا تھا۔ وہ دفتر کے بعد کا بیشتر وقت عموماً گھر ہی پر گزارتا تھا اور میرے گھر آنے تک سو چکا ہوتا میری مصروفیات ہی کچھ ایسی تھیں کہ کوشش کے باوجود دس بجے رات سے پہلے گھر کا رخ نہ کر [illegible] میری بیوی زبیدہ پہلی دستک پر ہی دروازہ

رہتی تھی۔ میں اس اجنبیت کو محسوس نہ کر سکتا تھا جو
میرے روپے کی بدولت گھر کی چار دیواری میں رچ
بس گئی تھی۔ جس نے رشتوں کی پہچان مٹا رکھی تھی۔
میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ پہلی تاریخ کو آدھی تنخواہ بیوی
کی ہتھیلی پر رکھ دینے سے میری ساری ذمے داریاں
ختم ہو جاتی ہیں۔

میں اس اجنبیت کے مکروہ سائے مٹانے
کے بجائے مطمئن تھا کہ میرا کردار بڑا معقول اور
شریفانہ ہے۔ یہ تو صدیق کے لہجے کی کاٹ تھی۔
جس نے کل میرے وجود کے ہر زاویے میں ٹیس
پیدا کر دی تھی۔ کل شام ایک دوست نے مکانہ
امتحان میں کامیابی پر ایک دعوت کا اہتمام کیا۔
میں نے صدیق کو بھی دفتر سے اپنے ساتھ لے
لیا تھا۔ ہوٹل میں دعوت سے تو آٹھ بجے ہی
فارغ ہو گئے تھے۔ مگر پھر معمول کے مطابق
ایک دوسرے دوست کے گھر چلے گئے اور
گیارہ بجے تک سویپ کھیلتے رہے۔ میں تو اس
ماحول میں صدیق کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا
مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا یہ وقت میرے ساتھ
عذاب میں گزرا تھا۔ گھر کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے

اس نے بھاری لہجے میں کہا تھا۔
"انور! یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم شوہر ہو
نہ باپ۔"

"کیا مطلب ۔۔۔ ؟" میں چونک پڑا تھا۔
کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں کہ گھر کو تمہاری
کتنی ضرورت ہے؟ تمہارے قہقہے تمہاری خوشیاں
جو دوسروں کے لیے وقف ہیں۔ تمہارے اپنے
بیوی بچے ان کے لیے ترستے ہیں۔ ان کی آرزوؤں
کے پودے خوش رنگ پھولوں کے حصول میں
ناکام رہ رہ کر مرجھائے جاتے ہیں۔ انھیں شفقت
کی دھوپ ملتی ہے۔ نہ پیار کا پانی۔ کبھی تم نے ان
کے چہروں پر بھی نظر ڈالی ہے؟"
"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کبھی درشت
لہجہ اختیار نہیں کیا۔ کبھی ان کے کسی کام میں رکاوٹ
نہیں ڈالی تھی۔ ایک شریف انسان کی طرح زندگی
بسر کر رہا ہوں۔"
"یہ شرافت نہیں خود فریبی ہے۔ کیا کبھی یہ
احساس ہوا ہے کہ تمہاری تین بیٹیاں جوان ہو گئی
ہیں۔ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ بیوی دن بھر کی
مشقت کے بعد پیار کے دو بول سننے کے لئے

بے قرار ہو جاتی ہے۔ کیا یہی شرافت ہے۔ کہ مہینے کے مہینے آدھی تنخواہ پر ٹرخا کر تم باقی ذمے داریوں سے بری الذمہ ہو جاؤ؟" میں حیران کُن نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ کہے جا رہا تھا: کیا تم نے جائزہ لیا ہے کہ تنخواہ کی رقم کے علاوہ گھر کا خرچ پورا کرنے کے لیے ان بے چاروں کو کتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کبھی ان کے بے رنگ چہروں کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر دیکھو، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جسے تم زندگی سمجھ رہے ہو۔ وہ زندگی پر تہمت کے سوا اور کچھ نہیں۔"

میں راستہ خاموشی سے طے کر کے جب گھر میں داخل ہوا، تو فریدہ کے بے رونق چہرے نے منہ چڑا کر لگایا — معمول سے میلے لباس میں وہ گھر کی مالکہ نہیں کوئی ستم رسیدہ لونڈی لگ رہی تھی۔ چارپائی پر لیٹ کر گہرے سناٹے میں ڈوبے ہوئے ستاروں پر نظر ڈال کر میں خود کو اکھڑے ہوئے پودے کی مانند محسوس کرنے لگا۔ جیسے میری جڑیں پاتال سے اپنا رشتہ توڑ چکی ہوں۔ صدیق بھی شاید جاگ رہا تھا۔ اس کی چارپائی دائیں طرف دیوار کے ساتھ تھی اور صحن کے بائیں جانب تینوں بیٹیوں کی چارپائیاں بچھی تھیں۔ وہ چادریں اوڑھے الگ الگ سو رہی تھیں۔ مجھے یہ منظر عجیب سا لگا۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ تینوں اپنی ماں کے پاس سویا کرتی تھیں۔ ان میں ہر روز اس بات پر جھگڑا ہوتا کہ سرہانے اور پائنتی کی طرف کون سوئے گی۔

تیز کپکپاہٹ نے مجھے ان کے جوان ہونے کا تلخ احساس دلا دیا۔ اُن پر نظر جمانے کی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ میں نے مخالف سمت کروٹ بدل کر چلتے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کی۔ سوچ میں اور انتشار پیدا ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے صدیق اٹھ کر بیٹھ گیا ہو اور زہرخند کے ساتھ کہہ رہا ہو: "تم اپنا گھر چھوڑ کر اپنے خون سے بیگانہ بن کر جتنے بھی رنگین دائرے بناؤ، اپنی زمین سے دور رہنے کی خاطر جتنی چاہے اڑان لو لیکن آخر ان دائروں کو ایک نقطے میں ضرور سمٹ جانا ہے۔ اپنی زمین سے رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ پھر یوں بے اعتنائی برت کر یہ سمجھ لینا کہ دوسروں کے سب حق تم نے ادا کر دیے ہیں۔ خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں۔"

ہوا بند تھی۔ گھٹن کے شدید احساس نے مجھے بے کل بنا دیا تھا۔ آنکھیں زور سے بھینچ کر میں نے خود کو فریب دینا چاہا تھا۔ کہ میرے ارد گرد درد کی کوئی لہر نہیں ابھری۔ حقیقت کی تلخی نے اپنے چہرہ سے پردہ نہیں سرکایا۔ لیکن بند آنکھوں کے کونوں سے نارنجی دائروں میں لپٹی ہوئی، سہمی سمٹی، بے رونق چہروں والی بیٹیاں یوں ابھرنے لگی تھیں جیسے تاریک جھونپڑی میں کوئی لالٹین لے کر داخل ہوا ہو اور بوسیدہ سامان منہ بسورنے لگا ہو۔ ماضی اور حال میں ایک جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اور مستقبل ادھ کھلے دریچوں سے جھانک کر لرز رہا تھا۔

دیر تک جاگتے رہنے کے باوجود میں فجر کی اذان کے ساتھ ہی بیدار ہو چکا تھا اور آنکھوں کے قریب چادر میں جھری بنا کر صحن کا جائزہ لینے لگا۔ فریدہ بالٹی اٹھائے سرکاری نل سے پانی بھرنے کے لیے باہر نکل گئی تھی۔ تینوں بیٹیاں بھی اٹھ بیٹھیں تھیں۔ بستر تہہ کر کے اندر رکھ دیے اور چارپائیاں دیوار کے ساتھ کھڑی کر دیں۔ فریدہ نے پانی سے بھری ہوئی بالٹی دروازے پر رکھ دی بڑی نادرہ نے بالٹی اٹھائی۔ اور حمام میں پانی انڈیل کر خالی بالٹی پھر فریدہ کو پکڑا دی۔ یہ عمل کوئی آدھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ ناظرہ اور صابرہ وضو کر کے نماز پڑھنے لگی تھیں۔ جب حمام اور مٹکے پانی سے بھر گئے تو فریدہ اور نادرہ بھی مصلے پر آ گئیں۔ باری باری چاروں نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ نادرہ چولہے میں آگ جلانے لگی۔ اور فریدہ ڈول پکڑ کر دودھ لینے کے لیے گوالوں کے ڈیرے کی طرف چلی گئی۔ ناظرہ آٹا گوندھ رہی تھی۔ اور صابرہ جھاڑو پکڑ کر گھر کی صفائی میں لگ گئی تھی۔ صدیق جب مسجد سے واپس آیا۔ تو چائے تیار ہو چکی تھی۔ اور نادرہ آٹے کا پیڑا بنا رہی تھی۔ فریدہ حمام کے قریب بیٹھ کر کپڑے دھونے لگی۔ ایک منٹ کے لیے بھی وہ بیکار نہ بیٹھی تھی۔

طلوع آفتاب نے فضا کو سنہرا بنا دیا تھا۔ جب تک ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں لیٹا رہا تھا۔ فریدہ نے سب سے آخر میں ناشتہ کیا۔ روٹیوں کے جو ٹکڑے بچے تھے وہی اس نے اپنے سامنے رکھ لیے تھے۔ مجھے اس لیے رونا آ رہا تھا کہ چھٹی کے

دلہا میں اتنی جلدی اُٹھنے کا عادی نہ تھا۔ جب شعاعیں چادر کے ننھے ننھے سوراخوں میں گھسنے لگیں تو صدیق نے میرا شانہ زور سے ہلایا: "کچھ خدا کا خوف کرو۔ کب تک سوئے رہو گے؟"

میں نے کروٹ بدل کر جمائی لی اور منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے طنزاً کہا۔ "جناب ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا ہے کیا دوبارہ چولہا جلانا ہو گا؟" میں نے لہجے کو افسردہ بناتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" فریدہ کام چھوڑ کر میرے نزدیک آ گئی تو تشویشناک لہجے میں پوچھا: "کیا ہوا؟ بخار تو نہیں ہو گیا؟" صدیق نے میری نبض پکڑ کر کہا۔ "بھابی جان آپ فکرمند نہ ہوں۔ اسے کچھ نہیں ہوا" میں نے دھیمی آواز میں کہا: "یقین کرو۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ سانس میں اُلجھاؤ ہے۔"

صدیق تیزی سے بولا: "ناشتہ کرنے کے بعد بیماری دور ہو جائے گی۔" اس نے چادر کھینچ لی اور اسے اکٹھی کر کے نادرہ کو پکڑاتے ہوئے کہا "ناشتہ چارپائی ہی پر رکھ دو۔ منہ ہاتھ بعد میں دھو لے گا۔" میں جلدی سے چارپائی سے نیچے اتر آیا۔ "تم مذاق سمجھ رہے ہو؟" میں مریض بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔ لٹکے ہوئے منہ اور اُڑی ہوئی رنگت نے سب کو تشویش میں ڈال دیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں کمرے میں آ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ صدیق نے جھک کر سرگوشی کی: "کیا میں یقین کر لوں۔ کہ واقعی طبیعت ناساز ہے؟" میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا: "کوئی بہانہ نہیں بنے گا؟ چھٹی یونہی ضائع کر دو گے؟" اس کے لہجے میں استہزا تھا۔ پہلو بدل کر میں نے رخ دیوار کی طرف کر لیا۔ "تم مجھ سے کس خطا کا انتقام لے رہے ہو؟"

"مجھ پر یقین کرو۔ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ تمہارے وجود کو بکھرنے سے بچانا چاہتا ہوں: تمہارا رشتہ اپنی روایات سے جوڑنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اس معاملے میں، میں تمہارا ممنون ہوں گا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب مجھے مکان کی تلاش میں زیادہ سرگرمی دکھانی پڑے گی۔" وہ میرا جواب سنے بغیر باہر چلا گیا تھا۔

میں پھر کروٹ لے کر دروازے سے با

جھانکنے لگا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت بان کے لچھے اُٹھائے صحن میں آگئی۔ اور فریدہ سے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا: "یہ دو چارپایوں کے بان ہیں چارپائیاں میرا مٹیا چھوڑ جائے گا۔" ناظرہ اور صابرہ بان کے گولے بنا رہی تھیں۔ اور نادرہ ایک طرف بیٹھی سفید دوپٹے پر گلابی پھول کاڑھ رہی تھی۔ فریدہ بار بار اندر آکر میری خیریت دریافت کر رہی تھی۔ میں اُسے تسلی دے رہا تھا۔ سمجھا رہا تھا۔ کہ زیادہ تکلیف نہیں۔ شاید تھکاوٹ کا اثر ہے، یونہی جی باہر نکلنے کو نہیں چاہ رہا، مگر وہ بدستور فکرمند تھی۔ دھوپ صحن میں پھیل رہی تھی۔ فضا میں حدت سی پیدا ہو رہی تھی۔ فریدہ تھیلا پکڑ کر باہر نکل گئی۔

کوئی آدھ گھنٹہ بعد دوپہر کے کھانے کے لیے گوشت سبزی لے کر واپس آئی تھی۔ اس کی بغل میں ایک بقچی بھی تھی۔ اس نے بقچی نادرہ کو پکڑاتے ہوئے کہا: "ٹھیکیدارنی نے دو سوتی کی چادریں دی ہیں۔ ان میں چوڑا حاشیہ بنانا ہے۔ اور کونوں کے پھول بھی بڑے سائز کے ہونے چاہئیں۔"

میں چادر تانے لیٹا تھا اور جھری بنا کر ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ فریدہ، ناظرہ اور صابرہ کے ہمراہ چارپائی بننے لگی تھی اور نادرہ قریب بیٹھی آلو چھیل رہی تھی۔ میرے سامنے عجیب سا ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ میں بالکل اجنبی کی مانند خود کو پا رہا تھا۔ میں بھی تو اس ڈرامے کا ایک کردار تھا۔ مگر سب سے الگ تھلگ۔ جیسے میں صرف پردہ کھینچنے والا ملازم ہوں۔ ڈرامے کے کسی کردار سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔ تینوں بیٹیاں، جو صرف مڈل تک پڑھ سکی تھیں۔ سنہری خواب دیکھنے کے بجائے حقیقت کی تلخیوں سے نبرد آزما تھیں۔ سانسوں کی ڈوری باندھنے کے لیے جن کی صبح کا آغاز مشقت سے ہوا تھا اور جن کا سارا دن بھی مشقت سے عبارت تھا۔

کوئی اور موقع ہوتا، تو شدید علالت کے باوجود میں یوں لیٹا نہ رہتا، مگر اب تو میں سارے پروگرام یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ اپنی ذات پر کیے گئے آپریشن کا درد ہی شعور کی سطح پر پھیلا ہوا تھا۔ دوپہر کے کھانے پر صدیق بھی آ گیا۔ یوں معلوم ہوا جیسے وہ مجھ سے روٹھ گیا ہو۔ میں نے بھی اس وقت اسے منانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ ڈیوڑھی میں چارپائی بچھا کر لیٹ گیا تھا

میں کہنا چاہتا تھا۔ یار صدیق! اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ کل رات تم نے میرے سامنے جو آئینہ رکھا تھا میں تو ابھی تک اسی کی طرف دیکھے جا رہا ہوں، اپنے خد و خال پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر میں خاموش رہا تھا۔ دوپہر کے بعد دونوں چارپائیاں تیار ہوگئیں تو فریدہ نے گرمجوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔

"نادرہ بیٹی! جو دوپٹے تیار ہوچکے ہیں۔ وہ رومال میں باندھ دو۔ میں اوپچی دوکان والوں کو دے آؤں تو بہتر ہے۔"

میرے اندر جھک سے کوئی چیز اُڑی اور ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئی۔ میں اُن ذرّوں کو ٹٹولنے لگا۔ تو میری انگلیوں کی پوریں جل اٹھیں۔ ٹیس کی ایک لہر سر سے پاؤں تک گزر گئی اور بیٹھ کر میں نے گھٹنے سینے سے لگالیے۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا فریدہ بیوہ ہوچکی ہے کیا بچیوں نے یتیمی کی چادر اوڑھ رکھی ہے؟ میں جو دوستوں میں بیٹھ کر ہر فکر سے آزاد قہقہے لگاتا ہوں اپنی شرافت کے قصیدے سن سن کر جھومنے لگتا ہوں اپنے سائے میں پلنے والی ان کراہوں اور آہوں کا جواب کیسے دے سکوں گا؟"

سورج غروب ہورہا تھا کہ دوائی کا مال آگئی

اُسے میری موجودگی کا علم نہ تھا۔ پیڑھی پر بیٹھ کر تیز لہجہ میں بولی: "آخر کب تک فیصلہ کرے گی؟ غضب خدا کا۔ تینوں جوان ہوگئی ہیں اور ان کے ہاتھ پیلے کرنے کا ذرا بھی خیال نہیں۔ اب جو رشتہ دیکھ ہے اسے پسند کرنا ہی ہوگا۔ ان لوگوں کو جہیز کی بغیر لڑکی کی ضرورت ہے۔" میں نے پوری طاقت سے انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں۔

وقت بڑے کرب سے گزر رہا تھا۔ سارا رات سولی پر لٹکے ہوئے میرے وجود کی لَس لَس سے لہو ٹپکتا رہا تھا۔ صبح سو کر اُٹھا، تو صدیق کے ساتھ ہی قدم خود بخود مسجد کی طرف اُٹھتے چلے گئے۔ دفتر میں بھی گم سم بیٹھا رہا۔ تنخواہ وصول کرکے گھر آیا تو اپنے اندر عجیب سی بشاشت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے دس روپے اپنے لیے رکھے، اور باقی رقم فریدہ کو پکڑا دی۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں نے خود کو پہچان لیا ہے ●●

# بچوں میں

## اسلامی شعور بیدار کرنے والی آسان اور دلچسپ کتابیں

| کتاب | قیمت | کتاب | قیمت | کتاب | قیمت | کتاب | قیمت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اندیشوں کے گرفتار | ۵/۵۰ | بنتِ حوا | ۱/۴۰ | خانہ آبادی | -/۸۰ | مہمان ریچھ | -/۶۰ |
| ام المومنین حضرت عائشہ | ۲/۵۰ | بھولے بھیا | -/۵۰ | خدیجۃ الکبریٰ | -/۵۰ | میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی؟ | -/۴۰ |
| امانت کا بوجھ | ۲/- | بہت خوب | -/۷۰ | دودھ کا پوت | -/۷۰ | | |
| ایک شعر ایک کہانی | ۱/۵۰ | بنت اسلام | ۱/۸۰ | دانا حکیم | ۱/۴۰ | مرحلے | ۱/- |
| اچھی بچی اور مزیدار باتیں | -/۷۵ | بڑوں کی مائیں | ۱/۲۵ | دانا حکیم کی دانا بیٹی | -/۸۰ | مزدور یا فرشتے | - |
| اسلامی تہذیب و آداب | ۱/- | بشریٰ کے خطوط | ۱/- | دو انسان ایک کردار | ۲/- | مرد ناداں | ۵۰ |
| امرود بادشاہ | -/۷۰ | پیشین گوئیاں | ۱/۲۵ | زبان کا زخم | ۱/- | نقلی شہزادہ | ۵۰ |
| ابن بطوطہ کا بیٹا | ۲/۵۰ | پھول کی پتی | ۱/۵۰ | سچے افسانے | ۲/- | ولی کا سایہ | ۵۰ |
| اچھی نظمیں اول دوم | ۱/- | پیارے نبی ایسے تھے | ۱/۷۵ | شہزادہ توحید | ۱/- | ہمارے بزرگ اول | ۵ |
| اب تک یاد ہے | ۲/۲۵ | [illegible] کہانیاں اول تا چہارم سیٹ | ۲/- | طویلے کی بلا | ۱/- | ہمارے بزرگ دوم | ۵ |
| اچھے افسانے | ۲/- | ترکستان سے ترکی تک | ۲/- | فیصلے | ۱/۶۰ | ہیرے کا جگر | |
| ایک سفر دو کردار | ۱/۲۵ | جنتی بچہ | -/۴۰ | وہ قتل کے بعد | ۱/- | ہم ایسے بنیں | |
| [illegible] | ۵/- | جانباز ساتھی | ۲/- | گڈو کے گیت | -/۴۰ | ہندوستانی عورت | |
| [illegible] | -/۷۰ | حضرت عثمان غنیؓ | ۲/۵۰ | گڈو کی گڑیا | -/۴۰ | ہمارا ابن بطوطہ | |
| [illegible] | ۱/۴۰ | خواتین کے دل کی باتیں | ۳/- | گڑیا کا وعظ | ۱/- | اسلامی شریعت۔ ہندی | |

مرکزی مکتبہ اسلامی ہند۔ چتلی قبر ۳۵۲ دہلی ۶

'HIJAB" (URDU MONTHLY) Rampur (U.P) 244901

Regd. No R. N. 20384 70 Regd No MRD 34

APRIL 1983 E

حجاب
خواتین
اور
طالبات
کا
پاکیزہ ماہنامہ
4/-
حجاب رامپور (یوپی)
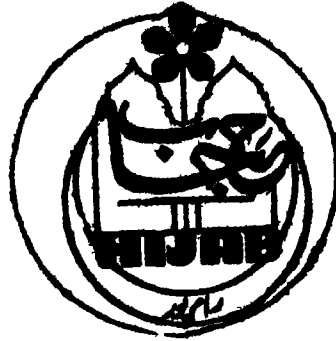
مائل خیرآبادی

مکتبہ حجاب رام پور یوپی ۲۴۴۹۰۱

مئی جون ۱۹۸۳ء مطابق شعبان و رمضان ۱۴۰۳ھ

| زر تعاون | |
|---|---|
| | عام شمارہ ... ... ... ... ... ... ... چار روپیہ |
| | سالانہ ... ... ... ... ... ... پچاس روپیہ |

# فہرست



## ایمانیات



## افسانے، کہانیاں اور آپ بیتیاں

## [illegible] و سیر



## مقالات و مضامین



## صحت و تندرستی



## متفرقات



## منظومات

ناپتے تھے جن سے کل ہم ایک عظیم ...
آج وہ قدریں گئیں، وہ آنکھ بھی ...

...

۱۹۸۳ء کا نیا سال آیا تو امریکہ میں ہر جانب سماجی جائزے لئے جانے لگے ہیں یہ دیکھنے کے لئے کہ ہر شعبے میں کتنی ترقی ہوئی ہے، کتنا سفر طے ہوا ہے اور منزل کتنی دور باقی ہے۔

عورتوں کے تین امریکی جرائد بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ اِن جرائد میں ایک کا نام 'لیڈیز ہوم جرنل' ہے، دوسرے کا نام 'پلے بوائے' ہے اور تیسرا 'فیملی سرکل' یعنی خاندانی دائرہ کہلاتا ہے۔ تینوں پرچوں نے خواتین کے شعبے میں سالانہ ترقی کی پڑتال کی ہے۔ پلے بوائے نے نئے سال کے پہلے شمارے میں لکھا:

جنس اب صرف شادی بیاہ تک محدود نہیں رہ گئی ہے
بلکہ اُس نے ازدواجی سرحدوں کو بھی عبور کر لیا ہے ......

خوب! اِس کا مطلب یہ ہوا کہ شادی بیاہ کے بندھن کو توڑنا ہی کامیابی ہے جو عورت کو ایک مدت کے بعد اب نصیب ہوئی ہے۔

اِن جرائد نے اپنے اپنے نمائندے بھیج کر خواتین سے انٹرویو لئے۔ اِن انٹرویوز میں ...
... کی سرحدوں کو انھوں نے کتنا عبور کر لیا ہے

ایک جائزے کے مطابق شادی شدہ عورتوں کی ۳۶ فیصد نکاح کی قید سے آزاد ہے۔ دوسرے جائزے نے قدرے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ شرح ۴۰ فیصد ہے۔
نکاح کی قید سے آزاد ہونے کا مطلب آپ نے سمجھ لیا؟ انٹرویو نگاروں کا خواتین سے سوال ہوتا تھا "اپنے خاوند کے علاوہ آپ کے کسی اور مرد سے بھی مراسم ہیں؟" خواتین اس کے جواب میں بے حجاب کہتیں "کیوں نہیں!" (یہ بھی کامیابی بتائی گئی ہے)
ایک اور جریدے نے بھی ایسا ہی جائزہ لیا۔ اس جریدے کا نام کاسموپالیٹن ہے۔ اس کے مطابق :۔

۱۹۸۰ء میں جائزہ ازدواج کی پابندیاں توڑنے والی بیویوں کی تعداد ۵۴ فیصد تھی۔

ایک خاتون نے انٹرویو نگار سے بحث کرتے ہوئے کہا "یہ آپ نے کیسے فرض کر لیا کہ جنس صرف نکاح تک محدود ہے؟" ایک اور خاتون نے کہا "تغیر اور تبدل سے زندگی میں چاشنی پیدا ہوتی ہے۔"
معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہوا۔ جائزے میں ایک اور سوال یہ کیا گیا کہ آپ اپنے خاوند سے تنہائی میں بیٹھ کر بات چیت کرنا زیادہ پسند کرتی ہیں یا گھر سے باہر۔ ہم اہلِ مشرق کے لئے اس کا جواب یقیناً چونکا دینے والا ہے۔ رپورٹ نے انکشاف کیا کہ :

۴۰ فیصد امریکی عورتوں نے کہا کہ وہ گھر کی بہ نسبت باہر باغ میں یا ہوٹل میں بیٹھ کر بات چیت کرنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔

[illegible] بھی پائی گئیں جو حیا اور وفا شعاری کی زندگی کو ہی ترجیح دیتی تھیں۔ اُن کی تعداد اگرچہ کم
تھی لیکن اُن کی موجودگی بجائے خود نشان ہے کہ انسانیت کا ضمیر کلیتہً مُردہ نہیں ہوا ہے۔

⁂

اگر داستان طویل نہیں ہو گئی ہے تو ایک جائزے کی اور سیر ہو جائے۔ امریکہ کی
مردم شماری کے جائزے بھی شائع ہوئے ہیں۔ امریکہ کی آبادی ۱۷۹۰ء میں ۳۹ لاکھ تھی
اب بڑھ کر ۲۲ کروڑ ہو گئی ہے۔ امریکی معاشرے کے جائزے میں 'نیوز ویک' نے انکشاف
کیا ہے کہ:۔

جنس کے معاملے میں نوجوان زیادہ ہی بے لگام ہو گئے ہیں
اور نکاح کو ضروری نہ سمجھنے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ
یہ ہے کہ امریکہ میں بے نکاح جوڑوں کی کثرت ہو گئی ہے۔

نیوز ویک کے تحقیقی ادارے نے اعداد و شمار کی جو چھان بین کی ہے اُس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ بے نکاح لوگوں کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

| | جائز بچے | ناجائز بچے | | | جائز بچے | ناجائز بچے |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱۹۷ء | ۳۵۶۵۶۰ | ۱۹۹۹۰۰ | ، | ۱۹۸۰ء | ۳۱۰۵۲۹ | ۲۷۱۸۰۱ |

یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ کی نہ صرف شرح پیدائش کم ہو گئی ہے بلکہ حرامی بچوں کی
تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہو گیا ہے۔

⁂

طلاق کی شرح میں بھی اضافے کا رجحان ہے۔ پہلے فی ہزار پانچ طلاق ہوتی تھیں، اب
ہزار ۹۰ طلاقیں ہوتی [illegible]

یہ وہ معاشرہ [illegible] سالانہ آمدنی ۲۲۳۸ ڈالر ہے۔ ہمارے

روپے کے حساب سے یہ آمدنی تین لاکھ روپے بنتی ہے۔ اس کے پاس جوہری طاقت بھی ہے اور دنیا کی ہر آسائش بھی لیکن اپنی زندگی کو پر سکون بنانے میں اُسے کوئی کامیابی نہ ہو سکی ہے۔
ساری ترقی کے باوجود اُس کی گلیاں ابھی محفوظ گذرگاہیں نہیں بن سکی ہیں۔ ابھی جائزے نے انکشاف کیا ہے کہ جرائم میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔

| | | ۱۹۷۱ء | ۱۹۸۱ء |
|---|---|---|---|
| قتل | (فی لاکھ) | ۸ | ۱۰ |
| زنا بالجبر | ″ | ۲۰ | ۳۵ |
| ڈاکہ | ″ | ۱۸۸ | ۲۵۰ |
| قاتلانہ حملے | ″ | ۱۷۸ | ۲۸۰ |

یہ ہے وہ ترقی جس کے پیمانے سے یہ لوگ ہمیں ناپتے ہیں (بشکریہ 'ایشیا' لاہور)

## معصوم باتیں

کافی عرصہ ہوا۔ ہم لوگ کانپور اپنے بھتیجے کی شادی میں گئے تھے۔ وہیں ایک دوسرے عزیز کے یہاں بھی ایک شادی کی تقریب تھی۔ میرا منجھلا بچہ محمد فیصل جو بہت باتیں کرتا ہے اور ہر ایک سے بے تکلف ہو جاتا ہے تو جب ہم لوگ وہاں پہنچے اور بارات آئی پھر نکاح ہوا تو فیصل میاں بڑے غور سے ساری کارروائی دیکھتے رہے۔ پھر کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ساری خواتین اپنی اپنی ہمجولیوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئیں۔ میں بھی دو تین سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی فیصل میرے ہی پاس تھا اور بیٹھا ہوا ہم لوگوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ اچانک کچھ سوچتے ہوئے ایک دم سے بول پڑا "امی! امی! جب دولہا آیا تو اس کے سر پر جنگل لگا تھا"
پہلے تو میری سہیلیاں کچھ نہیں سمجھ سکیں لیکن جب بات اُن کی سمجھ میں آئی تو خوب ہنسیں فیصل میاں نے دولہا کے سر پر بندھے سہرے کو جنگل سے تشبیہ دی تھی۔ (مرسلہ: گلشن جہاں۔ علی گڑھ)

# مارچ ۸۳ء میں حجاب پر کیا بیتی؟

مارچ اور اپریل ۱۹۸۳ء کے شمارے آپ کو بڑی تاخیر سے ملے۔ اس تاخیر کی کہانی بڑی عبرت ناک ہے۔ مارچ کا شمارہ ایک ہفتہ سے زائد ڈاک خانہ میں پڑا رہا۔ پوسٹ ماسٹر کا کہنا تھا کہ 'حجاب' تو ایک کتاب ہے۔ اس پر کتابوں کے ریٹ سے ٹکٹ لگیں گے۔ اس کے جواب میں ڈکلیریشن نمبر اور خود محکمہ ڈاک سے منظور شدہ M. R. D. N.-34 کا حوالہ دیا گیا اور کہا گیا کہ اسی بنا پر آفس آف دی رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا سے نیوز پیپر ملتا ہے۔

ان ثبوتوں کے ہوتے ہوئے بھی پوسٹ ماسٹر کسی طرح نہ مانا تو کہا گیا کہ رامپور سے 'حجاب' کی طرح اور بھی رسالے پوسٹ ہوتے ہیں پھر اس کی تصدیق کرادی۔ تب جاکر بڑی مشکل سے شمارہ مارچ ۷، اور ۸ مارچ کی تاریخوں میں پوسٹ ہوا۔

یہ وہ دن تھے جن میں شمارہ اپریل دہلی کے پریس میں پہونچ جانا چاہئے تھا لیکن مارچ ۸۳ء کا شمارہ پوسٹ کرنے کے بعد اپریل کے شمارے کی طباعت وغیرہ کے لئے کوشش شروع ہوسکی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اپریل کا شمارہ وقت پر شائع نہ ہوسکا۔

'حجاب' سے حلقہ حجاب کے بھائیوں اور بہنوں کو جو لگاؤ ہے اس کی بنا پر ان دنوں بہت سے خطوط آئے کہ رسالہ ابھی تک نہیں ملا۔ ان ہمدردوں کو خطوط کے ذریعہ وجہ بتائی گئی۔

ادھر یہ ہو رہا تھا، ادھر ان سالانہ خریدار بھائیوں اور بہنوں کے خطوط آنے لگے جن کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا تھا اور انھیں تحفے کی کتابوں کے ساتھ حجاب وی۔ پی سے گیا تھا۔ خطوط میں شکوہ

بچے عالم بچوں میں صرف جاب ملا۔ کتابیں تلاوت بعض بھائیوں اور بہنوں نے ہماری نیت پر حملہ کیا۔ اس حملے کو بڑے تحمل سے برداشت کرنا پڑا۔

محکمۂ ڈاک کے کارکنوں کی غیر ذمہ داریوں کی کئی مثالیں ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جاب کے بنڈلوں سے "جاب" نکال کر ردی سرائیڈیچر رکھ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ڈاک کے ذمہ داروں کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ اس دھاندلی کی کہیں کوئی شنوائی نہیں۔

اس طرح جاب کو بڑے نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑا اور یہ بھی سوچنا پڑا کہ اب جاب کو کس طرح معمول پر لایا جائے۔ طے یہ کیا گیا کہ مئی کے شمارے کو دو ماہ کا قرار دیا جائے۔ یعنی یہ شمارہ مئی جون ۱۹۸۲ء کا مانا جائے۔ اس طرح سالانہ خریداروں کو ایک شمارے کا نقصان ہوگا ذائندہ اشاعتوں میں اس نقصان کی تلافی کر دی جائے۔

ہم نے یہی کیا۔ یعنی یہ شمارہ مئی جون ۱۹۸۲ء کا شمارہ ہے۔ یہ بات نوٹ کر لیجئے۔

**آج کا حاتم**۔ طویل کہانی جو آج کا حاتم کے نام سے قسط وار شائع ہو رہی ہے، اُسے عام اور خاص سب ہی بھائیوں اور بہنوں نے پسند کیا۔ دو تین قسطوں کے شائع ہونے کے بعد ہی اصرار کیا جانے لگا کہ اسے کل کا کل ایک اشاعت میں چھاپا جائے۔

ہم نے اس مطالبے پر غور کیا اور دو از مجبوری جس کی وجہ سے جاب تاخیر کا شکار ہو رہا تھا اور وہ جس کا وعدہ کیا گیا تھا ان سب کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا کہ "آج کا حاتم" مکمل کا مکمل اشاعت میں چھاپ دیا جائے۔ ابھی ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ یہ طویل کہانی کتنے صفحات لے گی۔ اگر یہ کہانی دو اشاعتوں کے برابر ہوئی تو اس میں سالانہ خریداروں کے نقصان کی

تلافی ہو جائے گی۔ رہی اِس کی ضخامت اور قیمت تو یہ اسی وقت طے کی جائے گی جب انجا حاتم کل کا کل ترتیب پا جائے گا۔ انشاء اللہ اخبارات کے ذریعہ اس کی اطلاع حلقۂ حجاب کو دیدی جائے گی اور ایجنٹ صاحبان کو خطوط لکھ دیئے جائیں گے۔

"اور میں جماعتِ اسلامی کا ممبر بن گیا" اِس عنوان کے سلسلے میں کئی ماہ سے وابستگانِ جماعت کے حالات آتے رہے۔ شروع شروع میں سب نے بڑی دلچسپی سے پڑھا لیکن پھر حالات کی تکرار (monotony) سے وہ دلچسپی باقی نہیں رہی۔ اس لئے یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا اور اب ایک اور عنوان دیا جا رہا ہے **دعوتی اور تبلیغی تجربے** یہ بہت مفید اور دلچسپ موضوع ہے۔ اُمید ہے کہ حلقۂ حجاب کے بھائی اور بہنیں اِس عنوان کے تحت اپنے اپنے دعوتی تجربات جلد ارسال فرمانا شروع کر دیں گے۔ شکریہ! جزاک اللہ!

## غزل

خلوصِ عشق نے چھوڑا مجھے کہاں لا کر — عدو کے حق میں دعا گو ہوں ہاتھ پھیلا کر
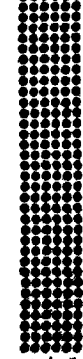
نِکل پڑا تھا زمانے کی عیب جوئی کو — کِسی نے رکھ دیا آئینہ سامنے لا کر

یہی ہے راز زمانے کی ہمنوائی کا — ہر ایک بات خلافِ ضمیر سوچا کر

غمِ حیات کی اینا رسانیاں مت پوچھ — ٹھٹھک گئی ہے اجل زندگی کے پاس آکر

اسیر تجھ کو نہ کر دے جسارتِ پرواز — کھڑے ہیں وقت کے صیاد دام پھیلا کر

ترے جمال کی تابندگی معاذ اللہ! — کہ آفتاب بھی خیرہ ہے سامنے آکر

قدم کی ضرب سے کہسار ٹل نہیں سکتے — بسا طِ ارض پہ ظالم نہ چل تو اِتھلا کر

رموزِ عشق بتا دیں گے تجھ کو دیوانے — جنوں کے بھید نہ اہلِ خرد سے پوچھا کر

نہاں ہے عجز و تواضع میں راز رفعت کا — خدا کے روبرو جھک کر تو خود کو اونچا کر

چلا جہاد کو رندوں کے ساتھ اے حسرت — جنابِ شیخ کو سونے دو پاؤں پھیلا کر

حسرت

# شعبان کی پندرہویں شب

شب برات کو عموماً مسلمانوں کا ایک تہوار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے کچھ مراسم بھی مقرر کر لئے گئے ہیں جن کی شدت سے پابندی کی جاتی ہے۔ دھوم دھام کے لحاظ سے تو گویا محرم کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ خواہ مخواہ کا بناوٹی تہوار ہے۔ نہ قرآن میں اس کی کوئی اصلیت ہے نہ حدیث میں، نہ صحابہ کرامؓ کے دور کی تاریخ ہی میں اس کا کوئی اتا پتہ ملتا ہے اور نہ ہی ابتدائی زمانے کے بزرگانِ دین ہی میں کسی نے اس کو اسلام کا تہوار قرار دیا ہے۔

دراصل اسلام رسموں اور تہواروں کا مذہب نہیں ہے۔ یہ تو ایک سیدھا اور معقول مذہب ہے جو انسان کو رسموں کی جکڑ بندیوں، کھیل تماشے کی بے فائدہ مشغولیتوں اور فضول کاموں میں وقت، محنت اور دولت کی بربادیوں سے بچا کر زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اُن کاموں میں آدمی کو مشغول کرنا چاہتا ہے جو دنیا اور آخرت کی فلاح اور بہبود کا ذریعہ ہوں۔ ایسے مذہب کی فطرت سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ سال میں ایک دن حلوے پکانے اور آتشبازیاں چھوڑنے کے لئے مخصوص کر دے اور آدمی سے کہے کہ تو مستقل طور پر ہر سال اپنی زندگی کے چند قیمتی گھنٹے اور اپنی محنت سے کمائے ہوئے بہت سے روپے ضائع کرتا رہا کر۔ اس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ وہ کسی ایسی رسم کا انسان کو پابند بنائے جو صرف وقت اور روپیہ ہی برباد نہیں کرتی بلکہ بعض اوقات جانوں کو بھی ضائع کر دیتی ہے اور گھر کے گھر پھونک ڈالتی ہے۔ اس قسم کی رسم و تعیشات کا حکم دینا تو درکنار، اگر ایسی کوئی رسم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوتی تو یقیناً اس کو حکماً روک دیا جاتا، اور جو ایسی رسمیں اس زمانے میں موجود تھیں، اُن کو روکا

جواب

حلوے اور آتش بازی کا معاملہ تو خیر اس قدر کھلا ہوا ہے کہ جو شخص کچھ بھی اسلام کے بارے میں جانتا ہے وہ پہلی ہی نظر میں کہہ دے گا کہ ان چیزوں کی پابندی اس مذہب کی روح کے خلاف ہے۔ مگر جب ہم تلاش کرتے ہیں کہ شعبان کے مہینے میں اس خاص دن کے ساتھ کوئی مستقل مذہبی عقیدہ وابستہ ہے یا کوئی لازمی عبادت مقرر ہے تو ہم کو اس کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی چیز اسلامی لٹریچر میں ملتی ہے تو یہ ہے کہ ایک دفعہ شعبان کی پندرہویں شب کو حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا اور وہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بقیع کے قبرستان پہنچیں۔ وہاں آپ کو موجود پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بھیڑوں کے جس قدر بال ہیں اس قدر انسانوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔ لیکن حدیث کے مشہور امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اپنی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند صحیح طور پر حضرت عائشہؓ تک نہیں پہونچی۔ بعض دوسری روایات، جو کم درجہ کی کتب حدیث میں ملتی ہیں، اس رات کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کئے جاتے ہیں، اور پیدائش اور موت کے معاملات طے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ ہر ایک کی سند میں کوئی نہ کوئی کمزوری موجود ہے۔ اس لئے حدیث کی قدیم تر اور زیادہ معتبر کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اگر ان کی کوئی اصلیت تسلیم کر لی جائے تو حد سے حد بس اتنا ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا ایک اچھا فعل ہے جسے انفرادی طور پر لوگ کریں تو ثواب پائیں گے۔ ان روایتوں سے اس سے بڑھ کر کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی جس سے یہ سمجھا جائے کہ چودھویں تاریخ کو پندرہویں شب کو اسلام میں عید قرار دیا گیا ہے، یا کوئی اجتماعی عبادت مقرر کی گئی ہے۔

حدیث کی [illegible] ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر

رمضان کی آمد سے پہلے ہی شعبان کے مہینے میں ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رمضان مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری جیسے عظیم الشان منصب پر مامور کیا گیا اور قرآن جیسی لازوال کتاب کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس وجہ سے نہ صرف رمضان میں آپؐ غیر معمولی طور پر عبادت فرمایا کرتے تھے بلکہ اس سے پہلے ہی آپؐ کی لو خدا سے لگ جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رمضان کے سوا سال کے باقی گیارہ مہینوں میں صرف شعبان ہی ایک ایسا مہینہ تھا جس میں آپؐ سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے، بلکہ تقریباً پورا مہینہ ہی روزے رکھتے گزر جاتا تھا لیکن آپؐ کا یہ طرز عمل اپنی ذات کے لئے خاص تھا اور اس گہرے روحانی تعلق کی بنا پر تھا جو نزول قرآن کے مہینے سے آپؐ کو تھا۔ رہے عام مسلمان، تو ان کو آپؐ نے ہدایت فرما دی تھی کہ ماہ شعبان کے آخری دنوں میں روزے نہ رکھا کریں۔ کیونکہ اس میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر عادۃً لوگ اس مہینے کے آخری دنوں روزہ رکھنے لگے تو رفتہ رفتہ یہ ایک لازمی رسم بن جائے گی اور رمضان کے فرض روزوں پر خواہ مخواہ دس پندرہ مزید روزوں کا اضافہ ہو جائے گا اور اس طرح لوگوں پر وہ بار پڑیگا جو خدا نے ان پر نہیں رکھا ہے۔

اسلام میں خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنے بندوں کے لئے لازم کیا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری چیز بندے خود اپنے اوپر لازم نہ کرلیں۔ کوئی خود ساختہ رسم، کوئی مصنوعی قاعدہ، کوئی اجتماعی عمل ایسا نہ ہو جس کی پابندی لوگوں کے لئے فرض کی طرح بن جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی کن چیزوں کی پابندی میں ہے اور کس چیز کی پابندی میں نہیں ہے۔ اس کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر کے اگر بندے بطور خود کچھ رسمیں مقرر کرلینگے اور فرض کی طرح ان کی پابندی کریں گے تو اپنی زندگی آپ تنگ کرلیں گے۔ پچھلی قوموں نے یہی غلطی کی تھی کہ نئی نئی رسمیں ایجاد کر کے اپنے اوپر فرائض اور واجبات کے ردّے چڑھاتی چلی گئیں، اور رفتہ رفتہ رسمیات کا ایک تانا بانا اپنے گرد بن ڈالا جس کے جال نے آخر کار ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر رکھ دیے

کتاب

قرآن رسموں کو زنجیروں سے تشبیہ دیتا ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن کا ایک کام یہ بتاتا ہے کہ وہ ان زنجیروں کو کاٹ پھینکیں جن میں انسان نے اپنے آپ کو خود جکڑ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت محمدیؐ میں فرائض کا ایک نہایت ہلکا اور سادہ ضابطہ تجویز کر کے باقی تمام رسموں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ عید اور بقر عید کے سوا کوئی تہوار نہ رکھا گیا۔ حج کے سوا کوئی جاترا نہ رکھی گئی۔ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی نذر نیاز یا دان پن کو فرض نہ کیا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے یہ اصول طے کر دیا گیا کہ انسان کو جس طرح خدا کے فرض میں کوئی چیز کم کرنے کا حق نہیں ہے اسی طرح کوئی چیز بڑھانے کا بھی حق نہیں ہے۔

ابتدائی زمانے میں جو لوگ شریعت محمدیؐ کی روح کو سمجھتے تھے وہ سختی کے ساتھ اس اصول کے پابند رہے۔ انھوں نے نئی رسمیں ایجاد کرنے سے انتہائی پرہیز کیا اور جو چیز لازمی رسم بنتی نظر آئی اس کی فوراً جڑ کاٹ دی۔ انھیں معلوم تھا کہ ایک چیز جس کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھ کر ابتدا میں بڑی نیک نیتی کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے، رفتہ رفتہ کس طرح سنّت، پھر واجب، پھر فرض اور آخر کار فرض سے بھی اہم بنتی چلی جاتی ہے اور جہالت کی بنا پر لوگ اس نیکی کے ساتھ کس طرح بہت سی برائیاں ملا جلا کر ایک قبیح رسم بنا ڈالتے ہیں اور اس قسم کی رسمیں جمع ہو کر انسانی زندگی کے لئے ایک وبال اور انسانی ترقی کی راہ میں ایک بھاری روک بن جاتی ہیں۔ اسی لئے ابتدائی دور کے علماء اور امام اس بات کی سخت احتیاط رکھتے تھے کہ شریعت میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہ ہونے پائے۔ ان کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ جو چیز شریعت میں نہیں ہے اُسے شرعی حیثیت دینا، یا جس چیز کی شریعت میں جو حیثیت ہے اُس سے زیادہ اہمیت دے دینا بدعت ہے اور ہر بدعت ایک گمراہی ہے۔

**اصلاح** :- انشاء اللہ جولائی ۱۹۸۲ء کے شمارے میں "آج کا حاتم" پورے کا پورا دیدیا جائے گا ہم کوشش کریں گے کہ اب میں اچھا کاغذ لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوشش کامیاب کرے۔ "مدیر"

# دُنیا

مرسلہ۔ ناہید عرفانہ۔ اوکاڑہ

- عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے میرے دونوں شانے پکڑ کے فرمایا دنیا میں اس طرح رہ گویا تو راستے میں چلا جا رہا ہے جس کا بالکل ہی قیام نہیں اور ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب شام کا وقت ہو تو شام کا انتظار نہ کرو اور صبح کا وقت ہو تو شام کا انتظار نہ کرو (حدیث)
- دنیا کا فائدہ نہایت قلیل ہے اور پرہیزگار کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر آخرت ہے۔
(قرآن کریم)
- دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر یا راہ گیر ہو (حضرت محمد صلعم)
- جو کچھ دنیا میں ہے اور تمہارے پاس ہے وہ ایک روز ختم ہو جائے گا خواہ زوال سے ہو یا موت سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہے گا (قرآن مجید)
- تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔
(قرآن حکیم)
- دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (حضرت محمد صلعم)
- دنیا سڑے گلے گوشت کا لوتھڑا ہے اور اس کو چاہنے والے اور طلب کرنے والے کتے ہیں
(حضرت محمد صلعم)
- اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا
(حضرت محمد صلعم)
- دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی [illegible] عقل نہ ہو (حضرت محمد صلعم)

(حضرت محمد صلعم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**رمضان** کا مہینہ اسلامی مہینوں میں سب مہینوں سے زیادہ بڑائی والا مہینہ مانا جاتا ہے۔ ہے بھی، کیونکہ اس مہینے کی بڑائی کے بارے میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَّ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ۔ (مشکوٰۃ)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! ایک بہت ہی بڑائی والا، ایک بہت ہی برکت والا مہینہ آگیا۔ وہ مہینہ ایسا ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے اِس ماہ کے روزے فرض فرما دیئے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں تراویح پڑھنا نفل کر دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک نیک کام اپنے دل کی خوشی سے بطور خود کرے تو وہ کام ایسا ہوگا جیسے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں فرض ادا کیا ہو اور جو اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے گا وہ فرض ایسا ہوگا جیسے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں سّتر فرض ادا کئے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ سوسائٹی کے غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔

اس حدیث میں رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چار باتیں فرمائیں۔ پہلی بات وہی جو ہم نے اوپر لکھی ہے کہ رمضان کا مہینہ سارے مہینوں سے بڑائی والا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ مہینہ بڑائی والا کیوں ہے۔ تیسری بات اس مہینے کی برکتوں کے بارے میں ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ مومن کو اس مہینے میں کیا کرنا چاہیئے۔

حضورؐ نے اس مہینے کی بڑائی کی وجہ بتاتے ہوئے رمضان المبارک کی ایک رات کی طرف اشارہ فرمایا یعنی لیلۃ القدر، وہ قدر و منزلت والی رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر پہلے پہل قرآن نازل ہوا۔ قرآن اللہ کے بندوں کو اللہ کا سچا بندہ بنانیوالی کتاب ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی مرضی بتاتی ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ کس بات سے اور کس کام کے کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کس بات اور کس کام سے ناخوش ہوتا ہے، اپنے کیسے بندے کو جنّت میں جگہ دے گا اور کسے جہنم میں ڈالے گا۔ قرآن مجید اللہ کے بندوں کو بھلائی اور بُرائی کا فرق بتانے والا اور اعلیٰ درجے کا اِنسان بنانے والا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس رات میں پہلے پہل ایسا قرآن نازل ہوا وہ رات بڑائی والی ہونی ہی چاہیئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رات کا درجہ بیان فرماتے ہوئے اس کی برکتیں بتائیں یہ کہ یہ ایسی رات ہے جس میں عبادت کرنا دوسرے ہزار مہینوں میں عبادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ
الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ
الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ
شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ
فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ
أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ
حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

کرنے کے ثواب سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپؐ نے رمضان کے مہینے کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینے میں ایک فرض ادا کرنے کا ثواب ستّر فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔ ایک نیکی (نفل) کا ثواب فرض کے ثواب کے برابر فرمایا۔

اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ رمضان المبارک کا تربیتی پروگرام دیا۔ یہ کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بابرکت مہینہ عطا فرمایا ہے تو اللہ کا شکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ عبادت بھی خوب کرو اور اللہ کے بندوں کا بھی حق ادا کرو۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینے کے روزے فرض فرما دیئے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرة : ۱۸۳)

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاءؑ کے ماننے والے) لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم سچ مچ متقی بن جاؤ۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کا مقصد یہ بتایا کہ تاکہ تم میں سچے تقویٰ کی خوبیاں پیدا ہوں۔ تمہارے اندر جذبات پیدا ہو جائے کہ تم اپنے اصلی محسن اور خالق اور مالک اللہ کی ناراضی کے خوف سے بُرے کام کرنے سے بچو۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نزولِ قرآن کا شکریہ ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اِس پورے ماہ میں روزے رکھو۔ ملاحظہ ہو قرآن:

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس وبينٰت من الهدىٰ والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه — البقرة

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور اس میں ایسی تعلیمات ہیں جو سیدھی راہ دکھانے والی اور حق و ناحق کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ اِسلئے (اِس اِحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ) اب جو اس مہینے کو پائے اُسے چاہیئے کہ اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں قرآن مجید کی آیتیں ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کے ذریعہ مومن خدا کی راہ میں اپنے ایمان پر جما اور قائم رہتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشوں پر قابو پانے کی تربیت پاتا ہے۔ مومن ایک مقررہ وقت سے لے کر دوسرے مقررہ وقت (مغرب) تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کچھ جائز باتوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ وہ دن بھر نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اُن باتوں کے پاس جاتا ہے جو روزہ نہ رکھتے وقت اُس کے لئے جائز ہیں۔ اِس سے مومن کے اندر اللہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بھوک پیاس اور خواہشات پر قابو پانے کی تربیت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس طرح صبر کیا جائے تو یقیناً جنت ملے گی۔

صبر کی تلقین کے بعد حضور نے فرمایا کہ یہ ہمدردی اور مواسات کا مہینہ ہے۔ مواسات کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی کے جو غریب اور مسکین لوگ ہیں یا حاجتمند ہیں اُن کے ساتھ زبان سے بھی ہمدردی کی جائے اور مال سے بھی۔

اب پوری بات یوں بنی کہ رمضان شریف کے مہینے کی برکتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اُن برکتوں کے شکرانے میں روزے رکھ کر اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ سچی ہمدردی برتو۔

# روزے کی اہمیت

## روزے کا ایک بڑی چیز ہونا

روزے کا ایک بڑی بات اور بڑی ضرورت کی چیز ہونا اسی بات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے انبیاءؑ کے ماننے والوں پر بھی اسے فرض قرار دیا تھا۔ تمام انبیاءؑ اور اُن کے ماننے والے روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آج ہم تمام قوموں کے یہاں دیکھتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں روزہ رکھتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے نبیوں کی تعلیمات بھلا کر ان قوموں نے روزے رکھنے کے طریقوں میں [illegible] پیدا کر لیا لیکن روزہ رکھنے پر اُن کا ایمان ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس تو الہامی کتاب ہے

جیسی بھی رہا ہے۔ وہ اپنے نبیوں کے نام نہیں بھولے جب کہ اُن کی تعلیم کا ایک بڑا حصّہ بھول گئے۔ ہمارے ملک میں برادرانِ وطن بھی اپنی کچھ کتابوں کو الہامی کہتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ نبیوں کے نام نہیں بتا سکتے۔

ظاہر ہے کہ جب اپنے نبیوں کے نام نہیں جانتے تو اُن کی پوری تعلیم اصل شکل میں کیسے ہوگی لیکن کسی نہ کسی طرح کچھ باتیں چلی آرہی ہیں اور ان میں اُنھوں نے اپنی مرضی کو بھی شامل کرلیا ہے، بالکل اُسی طرح جسطرح ترکِ دُنیا کے تحت عیسائیوں نے رہبانیت کو اختیار کرلیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک ٹانگ کا روزہ (کچھ دنوں تک ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا)، چُپ کا روزہ (یعنی طے شُدہ عرصے تک زبان سے نہ بولنا)، اِندریوں کا روزہ (یعنے ایک خاص مدت تک اپنی بیویوں کے پاس بھی نہ جانا)، اس کے علاوہ صِرف اناج کا روزہ، دن کے کِسی خاص حِصّے کا روزہ، دن رات کئی کئی دنوں تک مسلسل روزہ رکھنا، ایسا روزہ رکھنا جس میں صِرف پانی یا دودھ پی لیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

میرا مطلب یہ ہے کہ روزے کی اہمیت حضرت آدمؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ اگر مسلمان دوسری قوموں کے روزوں پر اُنگلی اٹھائیں تو اٹھا سکتے ہیں کہ ان قوموں کے روزے سچے اور صحیح روزے نہیں ہیں لیکن اُن کی طرف اُنگلی اُٹھاتے وقت اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیں کہ وہ خود بھی سچا اور صحیح روزہ رکھتے ہیں یا نہیں؟

## سچا روزہ

سچے روزے کی پہچان کے لئے ہمارے پاس نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے بخاری شریف میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے (روزہ رکھتے ہوئے) جھوٹ ۔ کہنا

اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہا۔
اِس کا مطلب یہی تو ہوا کہ جو شخص روزہ رکھ کر برائیاں بھی کرتا رہا اُس کا روزہ نہیں ہوا۔ وہ خواہ مخواہ بھوکا پیاسا رہا۔ ایک حدیث اور ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَکَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کتنے ہی (بدقسمت) روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں حاصل ہوتا اور (کتنے ہی روزہ کی رات میں) تراویح پڑھنے والے ہیں جن کو اپنی تراویح سے جاگنے کے سوا اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔

یہ حدیث بھی سچے روزے کی پہچان بتاتی ہے۔ جو اس طرح روزہ رکھے اُسی کا روزہ سچّا روزہ ہے۔

# روزے میں غلو

غلو کا مطلب ہے حد سے آگے بڑھ کر کام کر بیٹھنا جو نہ اللہ کو پسند ہو نہ انسان کی اپنی ذات کے لئے مفید۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اِس سلسلے میں آپؐ کی حدیثیں ذرا طویل ہیں اس لئے ہم صرف ترجمہ لکھ رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا "کیا یہ بات جو مجھے بتائی گئی ہے صحیح ہے کہ تم پابندی سے دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نفل نماز پڑھتے ہو۔ انھوں نے کہا "ہاں حضورؐ! یہ بات صحیح ہے۔" آپؐ نے فرمایا "تم ایسا نہ کیا کرو۔ کبھی روزہ رکھو اور کبھی کھایا پیا کرو۔ اسی طرح سوؤ بھی اور تہجد بھی پڑھو۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں اور مہمانوں کا تم پر حق ہے

اور تم ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو۔ اتنا تمہارے لئے بہت ہے۔
حضرت عبداللہ بن العاص بڑے عظیم صحابی ہوئے ہیں۔ بڑھاپے میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی اور صحت خراب ہوگئی تھی۔ بڑھاپے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہائے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے پر عمل نہیں کیا ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنئے:

○ حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ آنے کے بعد) ابوالدرداء اور سلمان فارسی (یہ دونوں عظیم صحابی تھے) کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا تو (ایک دن کی بات ہے) سلمان فارسی اپنے بھائی ابوالدرداء کے گھر گئے تو ام الدرداء (ان کی بیوی) کو (کسی بناؤ سنگار کے بغیر) معمولی لباس میں دیکھا تو سلمان نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے (کیوں بیوہ عورتوں کی سی حالت بنا رکھی ہے) تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں رہا (پھر میں سنگار کس کے لئے کروں؟) اس کے بعد ابوالدرداء آئے اور مہمان بھائی کے لئے کھانا تیار کرایا اور کہا کہ تم کھاؤ۔ میں تو روزے سے ہوں۔ سلمان نے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہیں کھا سکتا۔ تو انھوں نے روزہ توڑا (بھائی کے ساتھ) کھانا کھایا۔ پھر جب رات آئی تو نفل نمازوں کے ارادے سے اٹھے سلمان نے کہا کہ سوؤ تو وہ (گھر میں) جاکر سوئے۔ پھر نفل نماز کے لئے اٹھے تو سلمان نے کہا کہ جاکر سوؤ۔ پھر رات کے آخری حصے میں سلمان نے آواز دی "اٹھو"۔ چنانچہ دونوں نے ایک ساتھ تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر سلمان نے ان سے کہا، دیکھو، تم پر تمہارے رب کا حق ہے، تمہارے نفس کا حق ہے، تمہاری بیوی کا حق ہے۔ تو سب کا حق ادا کرو پھر حضور کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا سلمان نے حق بات کہی۔

ایک حدیث اور سن لیجئے۔ ترجمہ پیش کر رہا ہوں،

○ حضرت مجیبہ نے (جو قبیلہ باہلہ کی ایک خاتون تھیں) اپنے باپ یا چچا کے بارے میں بتایا کہ وہ

حضورؐ کی خدمت میں گئے۔ پھر واپس گھر آئے۔ ایک سال کے بعد پھر حضورؐ کے پاس گئے۔ اس وقت اُن کی حالت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تم اپنا تعارف کراؤ۔ کون ہو؟ اُنہوں نے کہا، حضورؐ، میں قبیلہ باہلہ کا آدمی ہوں۔ پچھلے سال حاضر ہوا تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہوا۔ پچھلے سال جب تم آئے تو بہت خوبصورت تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جب سے آپؐ کے پاس سے گیا ہوں تب سے اب تک مسلسل روزے رکھ رہا ہوں۔ صرف رات میں کھانا کھاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اپنے کو عذاب میں ڈالا ہے (یعنے مسلسل روزے رکھ کر جسم کو گھُلا ڈالا)۔ پھر آپؐ نے ان کو ہدایت کی کہ رمضان کے روزوں کے سوا ہر مہینے ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ اُنھوں نے کہا حضورؐ! اس پر اضافہ فرمائیں۔ میرے اندر طاقت ہے۔ اس پر آپؐ نے کہا اچھا ہر مہینے میں دو روزے رکھ لیا کرو۔ اُنھوں نے کہا کچھ اور اضافہ کیجئے۔ آپؐ نے کہا اچھا ہر مہینے میں تین دن۔ اُنھوں نے کہا کچھ اور بڑھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا ہر سال محترم مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو۔ ایسا ہی ہر سال کرو۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی تین انگلیوں کو ملایا پھر چھوڑ دیا۔

# روزے کا ثواب

قَالَ حُذَیْفَۃُ اَنَا سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ فِتْنَۃُ الرَّجُلِ فِیْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَجَارِہٖ یُکَفِّرُھَا الصَّلٰوۃُ وَالصِّیَامُ وَالصَّدَقَۃُ

[illegible]

قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

جس شخص نے ایمانی کیفیت کے ساتھ اور اجر آخرت کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا جو پہلے ہو چکے ہیں۔ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی تو جو گناہ وہ پہلے کر چکا ہے اللہ تعالیٰ وہ گناہ معاف کر دے گا۔ (بخاری)

اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُؤٌ صَائِمٌ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے اور اگر کوئی اُس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی کرنے پر آمادہ ہو تو اُس روزہ دار کو سوچنا اور یاد کرنا چاہئے کہ میں تو روزہ دار ہوں ، بھلا میں کس طرح گالی دے سکتا اور لڑ سکتا ہوں۔ (بخاری ، مسلم)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ، یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ، وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں مومن کیلئے سفارش کرینگے۔ روزہ کہیگا اے میرے رب میں نے اِس شخص کو دن میں کھانے اور دوسری لذتوں سے روکا تو یہ رُکا رہا، تو اے میرے رب اس شخص کے بارے میں میری سفارش قبول کر اور قرآن کہے گا کہ میں نے رات میں سونے سے روکا (اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر رات میں قرآن پڑھتا رہا)۔ تو اے خدا اس شخص کے بارے میں میری سفارش ... تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ (عبداللہ بن عمرو)۔

# حضورؐ نے فرمایا

## رویتِ ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپؐ نے ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زاد المعاد)

اور آپؐ بادل کے دن کا روزہ نہ رکھتے تھے نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔ (زاد المعاد)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔ (بخاری و مسلم۔ معارف الحدیث)

## سحری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہیں تو اسوقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحری میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے اُن کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ (مسند احمد، معارف الحدیث)

## افطار

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزے کے افطار میں جلدی کرے (یعنے غروبِ آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔ (معارف الحدیث، جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی کو اللہ نے

نے طہور بنایا ہے۔ (مسند احمد، ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتی تھیں تو چند گھونٹ پانی پی لیا کرتے تھے

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء الله (سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

معاذ بن زہیرہ تابعی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ، معارف الحدیث)

## تراویح

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے ائمہ اربعہ میں یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ، اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان سب حضرات کی کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعت سنت موکدہ ہیں۔

## قرآن مجید کا سننا

رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ اگر کسی عذر سے اس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کر سکیں گے تو پھر الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں۔ ہر رکعت میں ایک سورت ہو۔ پھر دس رکعت پوری ہونے پر ان ہی سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے۔ (بہشتی گوہر)۔

# روزے کا ٹوٹنا اور نہ ٹوٹنا

سوال ۱ اگر بھولے سے ایک شخص کھا پی لے یا بھولے سے کوئی اور ایسی بات کر بیٹھے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا

## خبردار

ایک روزہ دار اگر بھولے سے کچھ کھا پی رہا ہے تو دیکھنے والے پر واجب ہے کہ اُسے یاد دلا دے۔ لیکن اگر وہ روزہ دار کمزور اور نحیف ہے تو یاد نہ دلائے، کھانے دے۔

سوال ۲ سُرمہ اور تیل لگانے سے، خوشبو سونگھنے سے، تھوک نگلنے سے، حلق کے اندر مکھی یا دھواں داخل ہو جانے سے، سُرمے کا رنگ چاہے رینٹھ میں ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا نہ مکروہ ہوتا ہے۔

سوال ۳ اگر جان بوجھ کر دھواں سونگھے، لوبان یا اسی طرح کی دھونی سُلگائے اور اس دھواں سونگھے یا حقہ پی لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ عطر گلاب، کیوڑہ وغیرہ جن میں دھواں نہیں ہوتا اُن کو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال ۴ دانتوں میں گوشت کا ریشہ یا چھالی کا دانہ اٹکا رہ گیا۔ اُس کو خلال سے نکالا لیکن وہ منھ کے اندر رہا اور روزہ دار نے نگل لیا تو اگر وہ چنے کے برابر ہے تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر چنے سے کم ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر منھ کے باہر نکال کر پھر نگل لیا تو چاہے چنے سے کم ہو روزہ ٹوٹ گیا۔

سوال ۵ ناپاکی میں روزہ ہو تو جاتا ہے لیکن روزہ دار ناپاکی کا گناہگار ہوگا۔

سوال ۶ کسی روزے دار نے رات کے وقت پان منھ میں رکھا اور سو گیا۔ اس طرح صبح ہو گئی اور پان منھ میں موجود رہا تو روزہ نہیں ہوا۔ قضا کرے۔ کفارہ کرے۔

سوال ۷ کلی کرتے وقت روزہ دار کے حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ قضا رکھنا ہوگا کفارہ واجب نہیں ہوا۔

سوال ۸ آپ ہی آپ قے ہو گئی۔ قے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ روزہ نہیں ٹوٹا لیکن اگر قصد کر کے قے کی اور

قے منہ بھر کر ہوگئی تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر تھوڑی ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۹ - تھوڑی سی قے آئی، پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر جان کر نگل لی تو روزہ ٹوٹ گیا۔

۱۰ - ایسی چیز جو کھائی نہیں جاتی جیسے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا کوئلہ یا منجن اور نہ اس کو کوئی بطور دوا کے کھاتا ہے، اس کو روزہ دار نے کھالیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ کفارہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کھائی جانے والی یا پی جانے والی یا دوا کے طور پر استعمال کی جانے والی چیز کھا پی لی تو روزہ جاتا رہا۔ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

۱۱ - یاد رکھئے کفارہ رمضان کا روزہ توڑنے پر ہے، نفل روزے پر نہیں۔ اور قضا روزہ توڑنے پر بھی کفارہ نہیں ہے۔

۱۲ - نسوار سڑکنے اور کانوں میں تیل ڈالنے اور جلاب میں عمل لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس پر صرف قضا واجب ہوئی کفارہ نہیں۔

# نفل روزے

۱ - چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا اور کفارے کے روزے تو فرض ہیں ہی لیکن اگر کوئی روزے کی نذر مانے اور نذر پوری ہو جائے تو نذر ماننے والے پر روزے فرض ہو جائیں گے۔ اگر نذر کے روزے نہیں رکھے گا تو گناہگار ہوگا۔

۲ - نفل روزہ نیت کر لینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اگر توڑ دیا یا کسی وجہ سے نفل روزہ ٹوٹ گیا تو اس کی قضا واجب ہوگئی۔ اس کا کفارہ نہیں۔

نوٹ (۱) - قضا اور کفارے کے روزے میں صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر دن نکل آیا اور قضا روزے کی نیت کی تو ادا نہ ہوگا بلکہ نفل روزہ ہوگا۔ قضا کا روزہ پھر سے رکھے۔

نوٹ (۲) - رمضان کے مہینے میں ایک شخص ... [illegible]

بیہوش رہا تو پہلے دن کا روزہ ہوگیا۔ اس دن کے روزے کی قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر اس دن کسی نے اس کے منھ میں دوا ڈالی اور دوا حلق سے اتر گئی تو روزہ ٹوٹ گیا۔ اب قضا واجب ہوگئی۔ اس کے بعد جتنے دن بیہوشی رہی اتنے دن کی قضا واجب ہے۔ یاد رکھئے بے ہوش ہو جانے والا شخص عاقل ہی مانا جائے گا یعنے فرض روزے معاف نہیں ہوں گے۔

نوٹ (۳) :۔ کسی شخص نے کسی دن کوئی تاریخ مقرر کر کے نذر کے روزے کی نیت کی تو اس دن تاریخ کو چاہے صبح صادق سے پہلے نیت کر لی یا دوپہر سے پہلے پہلے تو نذر کا روزہ ہو جائیگا لیکن اگر دن اور تاریخ کا تعین نہیں کیا بلکہ یوں نذر مانی کہ اگر نذر پوری ہوگئی تو ایک یا دو یا اتنے روزے رکھوں گا تو ایسے روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے ہونا چاہیئے ورنہ دن نکل آنے کے بعد نیت کی تو نفل روزہ ہوگا۔ نذر کا یہ روزہ پھر رکھنا ہوگا۔

## روزہ میں نیت کی ضرورت

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں لیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت آدھے دن پہلے تک کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو اور کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزہ کو توڑنے والا ہو۔ آدھے دن کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔

نیت : " بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ "

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

## روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جائے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے (۷۷ ۱/۴ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی کہلاتا ہے یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ ۱/۴ کلومیٹر پہونچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر بوزن انگریزی یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آجائے تو قضا ضروری ہو گی۔ عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہو جائے تو روزہ رکھنا چاہیئے۔ اور رمضان شریف کے ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے۔ جن دنوں یہ عذر رہا ہے جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

## روزہ توڑنا اور اس کی قضا :

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ کوئی شخص سخت بیمار ہو گیا اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ ہے یا بیماری بڑھ جانے کا ڈر ہے یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔

## صدقۃ الفطر :

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ (تقریباً ۶۱۲ گرام) چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور یا مال و جائداد تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ (تقریباً ۸۷½ گرام) سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہوں یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گزر گیا ہو اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو۔ وہ اپنی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنے بال بچوں کی طرف سے بھی۔

## زکوٰۃ :

مال کی جس مقدار پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اسی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ مال کی مقدار کا چالیسواں حصہ (۲½ فی فیصدی) ادا کیا جائے مگر اس پر سال گزر جانا ضروری ہے۔ سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ طالبانِ علم دین زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں اس میں دوہرا ثواب ہے۔ فرض کی ادائیگی کا اور اشاعتِ علم دین کا۔

---

اُمِّ حبیبہؓ نے امتِ مسلمہ اور اس کے رسولؐ کو دوسروں پر فوقیت دی اور انھیں کفر میں دوبارہ واپس جانا اس طرح ناگوارِ خاطر تھا جس طرح یہ بات ناپسند ہے کہ وہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ (مورخین)

حضرت ابوسفیان بن حربؓ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قریش کے کسی فرد کو اُنکے حکم سے سرتابی کی مجال ہوگی یا کسی اہم معاملے میں اُن کی مخالفت کرسکے گا کیونکہ آپ مکہ معظمہ کے مانے ہوئے سردار اور وہاں کے لیڈر تھے جن کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرا جاتا تھا لیکن آپکی صاحبزادی ام حبیبہ رملہؓ نے اپنے باپ کے دین کا انکار کرکے اور اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ

ایمان قبول کرکے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرکے اس گمان کے پرخچے اڑا دیئے۔

حضرت ابوسفیاں نے اپنی بھرپور طاقت کے بل پر اپنی لڑکی اور اس کے شوہر کو اپنے اور اپنے آبا و اجداد کے دین کی طرف لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے کیونکہ وہ ایمان جو حضرت رملہؓ کے دل میں سما چکا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ حضرت ابوسفیاں کی آندھیاں اس کا کچھ بگاڑ سکتیں۔ وہ اتنا راسخ ہو چکا تھا اور جڑ پکڑ چکا تھا کہ ان کا غصہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکا۔

حضرت رملہ (ام حبیبہؓ) کے قبول اسلام کی وجہ سے حضرت ابوسفیاں کو فکر دامن گیر ہو گیا، اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس منھ سے قریش سے ملیں جبکہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی مرضی کے تابع نہ رکھ سکے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے نہ روک سکے۔

قریش نے جب ابوسفیاں کو حضرت رملہؓ اور اُن کے شوہر پر ناراض پایا تو اُن دونوں کیخلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کرنے لگے اور عظیم مشکلات سے دوچار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اُن دونوں کے لئے مکہ معظمہ میں زندگی گذارنا مشکل ہو گیا۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رملہؓ بنت ابوسفیاں اور آپ کی چھوٹی بچی حبیبہ اور شوہر عبیداللہ بن جحش مہاجرین کے اس پہلے دستے میں شامل ہو گئے جو اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنے ایمان کو لے کر نجاشی کے دربار میں پہونچے تھے۔

لیکن ابوسفیاں اور آپ کے ساتھ دوسرے لیڈران قریش کو یہ بات بڑی گراں گذری کہ مسلمانوں کا یہ گروہ اُن کی دسترس سے باہر ہو جائے اور ملک حبش میں آرام و سکون کی زندگی گزارے۔ اس لئے انھوں نے نجاشی کے پاس اپنے فرستادے اس غرض سے بھیجے کہ وہ اسے مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں اور اس سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو اُن کے حوالے کر دے، اور اس سے اس بات کا تذکرہ بھی کر دیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کے بارے میں کیا خیالات

رکھتے ہیں، تاکہ نجاشی کو ایذا پہونچے۔

نجاشی نے مہاجرین کے سرداروں کو بلوایا اور اُن سے اُن کے دین کی حقیقت اور حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کے بارے میں اُن کے خیالات دریافت کئے اور اُن سے کہا کہ اپنے نبی پر نازل ہوئے قرآن کا کچھ حصہ سنائیں۔

جب اِن حضرات نے اُسے اِسلام کی حقیقت سے روشناس کیا اور قرآن پاک سے مختصر آیات کی تلاوت کی تو اُس پر گریہ طاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور فرمایا "بے شک، تمہارے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اُتارا گیا اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰؑ ابن مریم لے کر آئے، ایک ہی منبعٔ نور سے نکلے ہوئے ہیں۔"

پھر انھوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر اپنے ایمان لانے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا اعلان فرمایا۔

انھوں نے تو ان مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کیا جو اُن کے ملک میں ہجرت کر کے آئے تھے اور اُن کے برخلاف اُن کے پادریوں نے اِسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین نصرانیت پر قائم رہے۔

حضرت ام حبیبہؓ نے اِس کے بعد خیال کیا کہ حالات بعد از خرابی بسیار معمول پر آ چکے ہیں اور مصائب و آلام کی لمبی راہوں کا سفر اَمن و اماں کے گلزار پر آ پہنچا ہے۔ لیکن تقدیر نے اپنے دامن میں کیا چھپا رکھا ہے، اِس سے بے خبر تھیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کو منظور تھا کہ وہ حضرت ام حبیبہؓ کو ایسے سخت امتحان سے دوچار کرے کہ جس میں عقلمند مردوں کی عقلیں گم ہو جائیں اور جس کے سامنے داناؤں کی دانائیاں کام نہ دیں۔

اُسے یہ بھی منظور تھا کہ انھیں اِس سخت آزمائش سے ایسا کامیاب نکال دے کہ وہ کامیابی کی چوٹی پر بیٹھی نظر آئیں۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ ام حبیبہؓ اپنے بستر پر آرام کرنے آئیں تو انھوں نے خواب دیکھا کہ ان کا شوہر عبیداللہ بن جحش ایسے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں غوطہ کھا رہا ہے جس کو تہ بہ تہ ظلمتوں اور تاریکیوں نے گھیر رکھا ہے اور بڑے بُرے حال میں پھنسا ہوا ہے۔

اِس منظر سے آپ نیند میں گھبرائیں اور پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھیں۔

اپنے اِس خواب کا تذکرہ شوہر سے یا کسی اور سے کرنے کو جی نہ چاہا لیکن اُن کے خواب نے جلد ہی حقیقت کا جامہ پہن لیا۔ ابھی اِس منحوس رات کا دن پورا بھی نہ ہوا تھا کہ عبیداللہ بن جحش اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور نصرانیت قبول کر لی۔

پھر وہ شراب خانوں میں شراب سے شغل کرنے لگا اور شراب نوشی سے کبھی سیر نہ ہوتا۔ اور آپ کو دو باتوں میں اختیار دے دیا جس کا شیریں جام بھی تلخ ہی تھا:

یا تو طلاق دے دی جائے ...

یا نصرانیت قبول کر لیں ...

حضرت ام حبیبہؓ نے اچانک اپنے آپ کو تین چیزوں کے درمیان پایا:۔

یا تو اپنے شوہر کی بات مان لیں جو انھیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور اس طرح اپنے دین سے مرتد ہو جائیں (معاذاللہ)۔ اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب مول لیں۔ اور یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ وہ اُسے نہیں کریں گی خواہ لوہے کی کنگھیوں سے اُن کی ہڈی سے گوشت نوچ لیا جائے۔

یا مکہ معظمہ اپنے باپ کے گھر چلی جائیں جو ابھی تک شرک کا قلعہ اور اس کی پناہ گاہ ہے۔ اور وہاں بے یار و مددگار اپنے دین پر مغلوب زندگی بسر کریں۔

یا ملک حبشہ میں تنہا دھتکاری ہوئی، وطن سے دور، بے یار و مددگار پڑی رہیں۔

آپ نے تیسرے راستے کو ترجیح دی اور حبشہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں تک کہ خدا اپنی جانب سے کوئی کشادگی اور فراخی کا راستہ پیدا کر دے۔

حضرت ام حبیبہ رضؓ کو بہت زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ابھی آپ کے اُس شوہر (جو نصرانیت قبول کرنے کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہا) کی عدّت کا زمانہ ختم نہ ہوا تھا کہ فراخی کا دَور آگیا۔ سعادت اَور خوش بختی کا سایہ آپ کے گھر پر دامن پسارے آیا۔

ایک روشن اَور چمکتی صبح آپ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو بادشاہ نجاشی کی خادمۂ خاص 'ابرہہ' کو سامنے کھڑا پایا۔

آپ نے نہایت ادب اَور بشاشت سے اُسے سلام کیا۔ اُس نے آپ سے داخلے کی اجازت چاہی اَور کہا:

بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں اَور آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے شادی کا پیغام دیا ہے اَور آپؐ نے بادشاہ سلامت کے نام ایک دستاویز بھیجی ہے اَور اس میں انھیں (بادشاہ نجاشی کو) اِس کا وکیل بنایا ہے کہ وہ اُن سے آپ کا نکاح کردیں۔ اِس لئے آپ جسے چاہیں اپنا وکیل بنالیں۔

حضرت ام حبیبہ رضؓ خوشی سے پھولی نہ سمائیں اَور بلند آواز سے کہا "خدا آپ کو بھلائی کی بشارت دے اَور خوشخبری سے نوازے!"

اَور آپ اپنے جسم کے زیورات اتارنے لگیں۔ پہلے اپنے دونوں کنگن نکال کر ابرہہ کو دے پھر ان کنگنوں کے ساتھ اپنی پازیب بھی شامل کردی۔ پھر اس کے ساتھ اپنی دونوں بالیاں اَور انگوٹھیاں اتار کر شامل کردیں۔

صرف یہی نہیں، اگر ساری دنیا کے خزانے بھی اُن کے پاس ہوتے تو اس وقت اُنھیں سب دے دیتیں۔ پھر فرمایا:۔

میں نے اپنے بارے میں خالد بن سعید کو وکیل بنادیا ہے کیونکہ لوگوں میں وہ مجھ سے زیادہ

بادشاہ نجاشی کے اس محل میں جو درختوں سے مالا مال ٹیلے پر تھا اور حبشہ کے خوشنما اور دیدہ زیب باغات میں سے ایک باغ کے حسن و جمال سے اس کی نگاہیں لطف اندوز ہو رہی تھیں، اور اس محل کے ایک وسیع و عریض ہال میں جو دلفریب نقش و نگار سے آراستہ اور چمکدار نقاشی قندیلوں (پیتل کے بنے ہوئے خوبصورت چراغ) سے سجا ہوا اور بیش بہا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا، صحابہ کرامؓ کی جماعت موجود تھی۔ اور اُن کے سردار حضرت جعفر بن ابو طالب، خالد بن سعید بن العاص اور عبداللہ بن حذافہ سہمی اور اُن کے علاوہ اور بہت سے حضرات موجود تھے تاکہ حضرت ام حبیبہؓ کے عقد کا منظر دیکھ سکیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہونے جا رہا تھا۔

جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو بادشاہ نجاشی نے مجلس کی صدارت کی اور کہا:

"میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جو پاک ہے، پناہ دینے والا اور بامروت ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ذاتِ مقدس ہیں جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے بشارت دی تھی۔

اما بعد!

بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس بات کی خواہش فرمائی ہے کہ میں آپ کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ بنتِ ابوسفیان سے کر دوں۔ تو میں نے آپ کی اس خواہش کو قبول کیا اور آپ کی طرف سے میں نے اُن کا مہر چار سو دینار مقرر کیا ہے، اُمتِ مسلمہ کے طریقے پر۔"

پھر اُنھوں نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کے سامنے دیناروں کا ڈھیر لگا دیا۔ حضرت خالدؓ اُس وقت کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ میں اُس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اُس سے مدد طلب کرتا

ہوں اَور اُس سے مغفرت کا طالب ہوں اَور اُس سے توبہ کرتا ہوں اَور میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اَور اُس کے رسول ہیں جنھیں اللہ نے دینِ ہدایت اَور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام اَدیان پر غلبہ اَور طاقت بخشے، اگرچہ کفّار ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

امابعد!

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طلب اَور آپ کی خواہش کے مطابق اپنی موکلہ ام حبیبہ رضؓ بنت ابوسفیان کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ خدا تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زوجہ کے بارے میں برکت دے اَور حضرت ام حبیبہؓ کو وہ بھلائی مبارک ہو جس کو خدا نے اُن کی قسمت میں لکھ دیا!"

پھر آپ نے مال اُٹھایا اَور چاہا کہ اِس مال کو حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں پہونچائیں تو آپ کے ساتھی آپ کے اُٹھنے کی وجہ سے اُٹھ گئے اَور واپس ہونا چاہا۔ تو حضرت نجاشی نے فرمایا:۔

"آپ لوگ بیٹھ جائیں کیونکہ انبیاءؑ کی سُنّت رہی ہے کہ جب شادی کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔"
اس نے اُن کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا اَور رخصت ہو گئے۔

حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں:۔

"جب مال میرے پاس پہونچا تو میں نے ابرہہ کے پاس پچاس مثقال سونا بھیجا اَور میں نے کہا کہ جس وقت آپ نے مجھے خوشخبری سُنائی تھی تو میں نے جو آپ کو دینا تھا دیا۔ اَور میرے پاس اُس روز مال نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئیں اَور خوشبو کا ایک بکس نکالا جس میں وہ زیورات تھے جو میں نے انھیں دئے تھے۔ اُنھوں نے زیورات بھی میرے حوالے کئے اَور کہا کہ بادشاہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ آپ سے کچھ بھی نہ لوں۔ اَور انھوں نے اپنی عورتوں کو اِس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود عطریات میں سے کچھ آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسرے روز وہ میرے پاس ورس (ورس ایک طرح کا سبز پودا ہوتا ہے جس سے زعفران کا کام لیا جاتا ہے) اور عنبر لے کر آئیں۔ پھر مجھ سے کہا:۔

"مجھے آپ سے ایک کام ہے۔"

میں نے کہا "کیا کام ہے؟"

انھوں نے کہا "میں مسلمان ہو چکی ہوں اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر چکی ہوں۔ اس لئے آپ میری جانب سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہہ دیں اور آپؐ کو اس کی اطلاع بھی کر دیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں۔ آپ بھول نہ جائیے گا۔"

پھر انھوں نے میرا زادِ سفر تیار کیا۔ اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا دیا گیا۔

جب آپؐ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ کو نکاح کے سلسلے میں پیش آمدہ واقعات بتائے اور ابرہہ کے ساتھ میں نے جو معاملہ کیا تھا اس کے بارے میں بھی بتلایا اور اُن کی جانب سے آپؐ کو سلام کہہ دیا۔

آپؐ اُن کی خبر سے مسرور ہوئے اور فرمایا "اُس پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں!" (رضوان لکھنؤ)

## گناہِ کبیرہ کی تعداد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ سے کسی نے پوچھا "یا رسول اللہؐ! گناہِ کبیرہ کون کون سے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ۱۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک کرنا ۲۔ مسلمان کو ناحق قتل کر دینا ۳۔ میدانِ جہاد سے بھاگ جانا ۴۔ کسی پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا ۵۔ جادو کرنا ۶۔ یتیم کا مال کھانا ۷۔ سود کھانا ۸۔ مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا ۹۔ بیت اللہ کی حرمت کو حلال کر لینا یعنی جو باتیں وہاں حرام اور حرمتِ حرم کے منافی ہیں اُن کا ارتکاب کرنا (طبرانی، بیہقی) مرسلہ کوثر فاطمہ

نشریحاتِ مودودیؒ مرسلہ: ساجدہ فرزانہ صادق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# خدا پرست اِنسان کا معاملہ

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ان سے کہو ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ (سورہ توبہ آیت ۵۱)

یہاں دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ دنیا پرست جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور اس کے نفس کی خوشی بعض دنیوی مقاصد کے حصول پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ مقاصد اُسے حاصل ہو جائیں تو وہ پھول جاتا ہے اور حاصل نہ ہوں تو اُس پر مردنی چھا جاتی ہے۔ پھر اُس کا سہارا تمام تر مادّی اسباب پر ہوتا ہے۔ یہ اگر سازگار ہوں تو اُس کا دل بڑھنے لگتا ہے اور ناسازگار ہوتے نظر آئیں تو اُس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے خدا پرست انسان جو کچھ کرتا ہے اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے اور اس کام میں اس کا بھروسہ مادّی اسباب یا اپنی قوت پر نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ راہِ حق میں کام کرتے ہوئے اس پر مصائب نازل ہوں یا کامرانیوں کی بارش ہو دونوں صورتوں میں وہ یہی سمجھتا ہے کہ جو کچھ اللہ کی مرضی ہے وہ پوری ہو رہی ہے مصائب اس کا دل نہیں توڑ سکتے اور کامیابیاں اس کو اتراہٹ میں مبتلا نہیں کر سکتیں کیونکہ اوّل تو دونوں کو وہ اپنے حق میں خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اور اُسے ہر حال میں یہ فکر ہوتی ہے کہ خدا کی ڈالی ہوئی اس آزمائش سے بخیریت گذر جائے، دوسرے اُس کے پیشِ نظر دنیوی مقاصد نہیں ہوتے کہ ان کے لحاظ سے وہ اپنی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ کرے۔ اُس کے سامنے تو رضائے الٰہی کا مقصدِ وحید ہوتا ہے اور اس کے قریب یا دُور ہونے کا پیمانہ کسی دنیوی کامیابی کا حصول یا عدمِ حصول نہیں ہے بلکہ صرف یہ امر ہے کہ راہِ خدا میں جان و مال کی بازی لگانے کا جو فرض اس پر عائد ہوتا تھا اُسے اس نے کہاں تک انجام دیا۔ اگر یہ فرض اس نے ادا کر دیا ہو تو خواہ دنیا میں اس کی بازی بالکل ہی ہر گئی ہو لیکن اُسے پورا بھروسہ رہتا ہے کہ جس خدا کے لئے

اس نے مال کھپایا اور جان دی ہے وہ اس کے اجر کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ پھر دنیوی اسباب سے وہ آس ہی نہیں لگاتا کہ ان کی سازگاری یا ناسازگاری اسے خوش یا رنجیدہ کرے۔ اس کا سارا اعتماد خدا پر ہوتا ہے جو عالم اسباب کا حاکم ہے اور اس کے اعتماد پر وہ ناسازگار حالت میں بھی اسی عزم و ہمت کے ساتھ کام کیے جاتا ہے جس کا اظہار اہل دنیا سے صرف سازگار حالت ہی میں ہوا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان دنیا پرست منافقین سے کہہ دو کہ ہمارا معاملہ تمہارے معاملے سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ تمہارے خوشی اور رنج کے قوانین کچھ اور ہیں اور ہمارے کچھ اور۔ تم اطمینان اور بے اطمینانی کسی اور ماخذ سے لیتے ہو اور ہم کسی اور ماخذ سے۔ (ماخوذ: تفہیم القرآن جلد سوم)

# اللہ کی رسّی

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (سورہ آل عمران آیات ۱۰۲، ۱۰۳)

اللہ کی رسّی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسّی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات اور فروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاءؑ کی امتوں کو ان کے اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

ایس۔ اے۔ خوشنود، خوشاب

**ماخوذ:** روزنامہ انقلاب، بمبئی، ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء

**بچہ** اس گھر کی مکمل تصویر ہوتا ہے جس میں وہ آنکھیں کھولتا اور ہوش سنبھالتا ہے۔ اس کی ذہنی اور جسمانی ساخت میں اس جگہ کا پورا عکس ہوتا ہے جہاں اس نے زندگی کا پہلا سانس لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی جسمانی نشوونما اور تربیت میں ماحول کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بچپن کی معصومیت سے بڑھاپے کی سنجیدگی تک بچے ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں۔ ان پر آس پاس کی چیزوں کا پرتو ہر وقت پڑتا رہتا ہے۔ وہ ماں باپ اور بہن بھائیوں کو میلا کچیلا دیکھتے ہیں تو صفائی اور پاکیزگی کے فوائد کا اندازہ نہیں کر سکتے اور اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں جو ان کے چاروں طرف بکھرا ہوا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسمانی ڈھانچہ کمزور ہو جاتا ہے، ذہنی اور دماغی قوتیں بھی ٹھٹھر جاتی ہیں۔

**مائیں** بچوں کی تربیت اور نشوونما میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ جن بچوں کی پرورش مائیں کرتی ہیں ان میں شرح اموات بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر مشرقی گھرانوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اس امتیازی سلوک سے لڑکوں میں غلط قسم کا احساس برتری پیدا

ہو جاتا ہے جو انھیں مکمل انسان نہیں بنا سکتا۔

یہ بات ابتدا ہی سے بچوں کو بتا دینی چاہیئے کہ اُن کے لئے کون سی چیز بُری ہے یا کس چیز سے انھیں فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بچوں کی فطرت ہے کہ وہ سُنی سُنائی باتوں کے مقابلے اپنے تجربات سے اچھا سبق سیکھ لیتے ہیں۔ جو بچے آگ سے جل جاتے ہیں وہ دوبارہ آگ کے پاس جانے کے لئے کبھی ضد نہیں کرتے ہیں۔

بچوں کی امنگوں اور اُن کے جذبات کو دبانا ٹھیک نہیں۔ یاد رکھئے، کسی چیز کو جتنی طاقت سے دبایا جاتا ہے وہ اُتنی ہی شدّت سے اُبھرتی ہے۔ کچلے اور روندے ہوئے بچّے بڑے ہو کر اپنی ہر خواہش کو پورا کرنے کی دھن میں اصل اور سیدھا راستہ بھول جاتے ہیں۔ ابتدائی عمر میں بچے بہت حسّاس ہوتے ہیں۔ اِس دَور میں اُنھیں بہادری اور دلیری کی کہانیاں سُنانا چاہیئے۔ جن بچّوں کو مائیں ڈرا دھمکا کر سُلا دیتی ہیں وہ ڈرپوک ہو جاتے ہیں۔ وہ بچوں کو صاف ستھرا رکھیں۔ گندا کپڑا نہ پہنائیں۔ روزانہ نہانے کا عادی بنائیں۔ گھر میں گندگی جمع نہ ہونے دیں۔ خراب ماحول میں بچے ہمیشہ کمزور اور بزدل رہتے ہیں۔ اور اکثر بیمار بھی رہتے ہیں۔ اُن کی یہ کمزوری پوری قوم کی کمزوری ہے۔

آپ کے گھر کی چار دیواری میں کھیلنے والا بچّہ جلد ہی دنیا کا مشہور و ممتاز فرد بن جائے گا۔ بچوں کو مختلف چیزوں سے ڈرانا بہتر نہیں۔ اُن سے بار بار نہ کہو کہ بیٹا، دوڑو نہیں، گر پڑو گے۔ ایسی باتیں کرنے سے بچوں کی قوت ارادی کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ آئندہ کی زندگی میں تیز گام نہیں رہ سکتے اور خطرات کا مقابلہ بھی نہیں کر پاتے۔ بچوں کو صحت مند رکھنے میں قوتِ ارادی سے بہت مدد ملتی ہے۔ ماحول بہترین اسکول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس میں بچوں کو کبھی بھی نہ بھولنے والے سبق ملتے ہیں۔ بچوں کو حفظِ صحت کی تربیت گھر پر بھی ملنی چاہیئے۔ انھیں شروع ہی سے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ بدن کے ہر حصے کو صاف رکھنا ضروری ہے۔ دانتوں کی صفائی و ناخون کاٹنے

کے کیا فائدے ہیں۔ بچوں کو خوبصورت، تندرست اور تنومند بنانے کی بنیاد گھروں ہی میں رکھی جاتی ہے۔ انھیں مناسب غذا اور ورزش کی اہمیت سے بچپن ہی میں آگاہ کردینا چاہیئے، اور یہ بھی بتادینا چاہیئے کہ دماغ پورے جسم پر حکومت کرتا ہے۔ اس کی قوت اور نشوونما کا دارومدار دماغی سرگرمی پر ہے۔ اس کی قوت سے پورا بدن طاقت حاصل کرتا ہے۔ دماغی مستعدی کو صحتمند جسم بنانے اور اسے بیماریوں سے بچانے میں بڑا دخل ہے۔

شاید بہت سی بہنیں یہ سن کر حیران ہوجائیں کہ شریر بچوں کی مائیں بڑی قسمت والی مائیں ہیں جو کہ انھیں محض خوش بختی سے شریر بچے ملے۔ شرارت وہی بچے کرتے ہیں جن میں کچھ سمجھ بوجھ ہوتی ہے اور جن کا ذہن تیز ہوتا ہے۔ ذہین بچے کبھی نچلے نہیں بیٹھتے۔ ان کے ذہن کی تیزی انھیں کچھ نہ کچھ کرتے رہنے پر اکساتی رہتی ہے۔

بات یہ ہے کہ عام آدمی چاہے بچہ ہو یا بڑا جس دنیا میں رہتا ہے اس کی ہر چیز کا اتہ پتہ، اس کی بناوٹ اس کی خاصیتیں، اس کے فائدے اور نقصان معلوم کرکے اپنا علم بڑھانا چاہتا ہے۔ سائنس کے تمام شعبے، ایجادات کے کرشمے، فلسفے کے تمام مسئلے، تاریخ کے پورے دفتر، سب انسان کے اسی جذبے کے رہین منت ہیں بڑا آدمی حرکت کرتا ہے تو یہ چیز سائنس کی زبان میں ریسرچ یا تحقیق کہلاتی ہے لیکن بچہ یہی حرکت کرتا ہے تو اس کی شرارت بن جاتی ہے۔ ذہین بچہ جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس کا ذہن بڑی تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے کل ہوجاتا ہے کہ یہ چیز کیا ہے، کیسے بنی ہے، اس کے اندر کیا ہے، اس سے کیا کام کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب باتیں جاننے کیلئے وہ اس چیز کو الٹتا پلٹتا اور توڑتا پھوڑتا ہے۔ شریر بچے واقعی ایک نعمت ہیں لیکن انکی تربیت اور ان کے اچھے ذہن کو اچھے کاموں کی طرف لگا کر انھیں کام کا بنانا بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے بڑے صبر اور سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کی شرارت پر الجھ کر آپ نے بچے کو دبانے کی کوشش کی تو اس کی عقل کی تیزی ہمیشہ کے لئے دب کر ختم ہوجائے گی۔

مرسلہ: سحر ہندی

# دو نو مسلم خواتین

رفعت ۔ لاہور

ربیع الاول کے شروع ہوتے ہی سفید رنگ کا ایک کارڈ ملا تھا جس پر سبز رنگ میں "عید میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم مبارک باشد" چھپا ہوا تھا۔ یہ کارڈ دہرا تھا۔ اندر کی طرف رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ عالیہ چھپے ہوئے تھے جو آدابِ محفل اور آدابِ زندگی کے بارے میں تھے۔ پھر فضائلِ ماہِ ربیع الاوّل تحریر تھے اور اس ماہ پڑھے جانے والے نوافل کا طریقہ بھی تھا۔ کچھ ارشاداتِ باری تعالیٰ بھی تھے۔ کارڈ کی افادیت اپنی جگہ، مجھے یہ تحفہ بہت پسند آیا۔ کارڈ مجھے دار القرآن نبات، دل محمد روڈ لاہور کی طرف سے آیا تھا۔ پھر ایک دن وہاں محفل میلاد کا بلاوا بھی آیا اور میں وہاں اس ادارے کی کارکردگی دیکھنے چلی گئی۔

محفل میلاد کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جرمن نژاد خاتون بیگم فوزیہ احمد نے اُردو میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ صرف بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا بھی ہونا چاہیئے۔ میں غیر مسلم تھی مگر میں نے اسلام قبول کیا۔ مگر وہ چیز جس کے لئے میں نے اسلام قبول کیا کچھ تشنہ تھی۔ میں اسلام کے بارے میں عملی ثبوت بھی چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ادارے میں آکر بائیبل اور قرآن، اسلام اور عیسائیت کے موازنہ نے میرے ایمان کو پختہ کیا اور میں قائل ہو گئی کہ واقعی سچا دین اسلام ہی ہے اور میں نے اسے قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے ہی ہم ہر دکھ سے نجات پا سکتے ہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ کی زندگی پا سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اس

ادارے میں باترجمہ قرآن مجید پڑھا اور اب تفسیر پڑھ رہی ہوں۔ میری بیٹیاں تہمینہ کوثر اور روبینہ کوثر بھی یہاں پڑھ رہی ہیں اور ایک بیٹی ماشاء اللہ قرآن حفظ کر رہی ہے۔

انھوں نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ سارے پاکستان میں ایک ادارہ بھی ایسا نہیں ملتا جہاں نومسلم اور پڑھی لکھی مسلم خواتین کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں پڑھایا جاتا ہو۔

باجی جبیں اختر بانیہ دارالقرآن بنات نے اب ایک اور خاتون کا تعارف کرایا۔ یہ نومسلم خاتون مریم جمیلہ تھیں۔ انھوں نے بتایا کہ زیادہ برس نہیں گزرے اس خاتون کے قبولِ اسلام کا بڑا چرچا ہوا تھا اور یہ مولانا محمد یوسف صاحب کے عقد میں آئی تھیں۔ اس محفل میں وہ اپنی بیٹی کے ساتھ آئی ہیں۔ انھوں نے سبز ساٹن کی شلوار، پرنٹ قمیض، سبز سوئٹر اور کالی شال اوڑھ رکھی تھی اور درود شریف بڑی عقیدت سے پڑھ رہی تھیں۔ باجی کہہ رہی تھیں کہ مریم اپنے گھر میں بڑی سادہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند ہیں۔ مریم نے انگریزی میں سیرت طیبہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے خواتین سے کہا کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں اور اپنے اخلاق بہتر بنائیں۔ انھوں نے دارالقرآن کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ایک جرمن نژاد نومسلم خاتون کو مسلم عالم خاتون بنانا اس ادارے کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ مریم جمیلہ کی بیٹی نے بتایا کہ ایک بار نانی اماں اور نانا ابا ملنے آئے تھے۔ خطوط آتے رہتے ہیں۔ امی انھیں بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتی رہتی ہیں۔ گھر میں ہر عزیز سے اُن کا برتاؤ بہت اچھا ہے۔ وہ ہر ایک سے کہتی ہیں کہ وہ اپنے قول و فعل میں اسلامی رنگ لائیں۔ مریم جمیلہ امریکن تھیں مگر وہ اپنے نام کی طرح اپنے فعل میں بھی اسلامی رنگ لانا چاہتی ہیں۔ مجھے اُن کی یہ بات پسند آئی کہ اپنے آپ سے نمونہ پیش کرو۔ واقعی مریم 'مریم' بننے میں کوشاں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے جب پاکستانی خواتین اپنے حقوق کا ذکر کرتی ہیں اور اس سلسلے میں مغرب کا حوالہ دیتی ہیں حالانکہ ہماری بڑائی صرف اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے میں ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہ مسلم خواتین ہونے کے باوجود مغرب کے نظریات کی پیروی کرتی ہیں اور بجائے اسکے کہ وہ ملک میں اسلامی انقلاب کے لئے کوشش کریں وہ مغربی نظریات کو فروغ دینے پر اپنی ساری قوت صرف کر دیتی ہیں۔

# مسلم طلبہ کی ذمہ داریاں

- دین کا صحیح فہم اور اُس کی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر کرنا۔
- دین کے مطابق اپنے افکار اور ذہن و فکر اور عقیدہ و خیال کو تعمیر کرنا۔
- اپنی سیرت و اخلاق اور کردار کو دین کے مطابق ڈھالنا۔
- صرف اپنی ہی تربیت نہیں بلکہ دوسرے طلبہ اور نوجوانوں کے فکر و نظر، اخلاق و کردار کی تربیت کی فکر کرنا۔
- انفرادی کوششوں کے علاوہ طلبہ اور نوجوانوں کی اجتماعی تربیت کے لئے تنظیم کی فکر کرنا۔
- طلبہ اور نوجوانوں میں یہ احساس پیدا کرنا کہ دنیا سے برائیوں کو مٹانا تمہاری ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔
- انفرادی تربیت، سماجی اصلاح اور اسلامی تعلیم کے مطابق انجام دینے کی کوشش کرنا۔
- اسلام کے گہرے مطالعہ کے علاوہ دنیوی علوم میں بھی مہارت پیدا کرنا۔
- تقریر و تحریر میں مہارت حاصل کرنا تاکہ اِس سے اقامتِ دین کے کام میں مدد دی جا سکے۔
- انبیاءؑ کے لائے ہوئے دین کو قائم کرنے کی تن من دھن سے کوشش کرنا۔

مرسلہ: معین العابدین، ازڈہری اونسون۔ بہار

## اور میں

# جماعت اسلامی کا ممبر ہوگیا

میرا نام محمد احمد ہے۔ میں کاتب ہوں۔ کئی برس ہوئے روزنامہ "صبح صادق" میں کتابت کرتا تھا صبح صادق کے ہیڈ کاتب استاد وجاہت علی نفیس رقم تھے۔ وہ بڑے نفیس آدمی تھے۔ کھانے پینے کے بھی نفیس بات چیت کے بھی نفیس، رہن سہن کے بھی نفیس۔ ان ساری نفاستوں کے ساتھ وہ جسم کے بھی نفیس تھے۔ چہرے سے وجاہت ٹپکتی تھی۔ وہ اسم با مسمی وجاہت اور لقب با ملقب نفیس تھے۔

کھانے پینے کی نفاست کا تذکرہ سنئے۔ دسترخوان پر روٹیوں کے گیارہ ٹکڑے رکھواتے تھے ہر ٹکڑا گیارہ بار چبا کر نگلتے۔ گیارہ گھونٹ پانی پیتے۔ چھوٹی سی چھوٹی پیالی میں چار دیجئے، وہ چاہے قطرہ قطرہ پیتے مگر گیارہ سانسوں میں پیتے۔

گفتگو کی نفاست ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہ عرض کردوں کہ انھیں عشق رسولؐ تھا۔ میرا نام لے کر اپنے انگوٹھے چومتے ہوئے پکارتے کہ محمد احمد صلی اللہ علیہ وسلم ذرا یہاں آنا۔

کتابت میں نفاست یہ تھی کہ "اس کو" "اس نے" وغیرہ کو "اسکو" "اسنے" لکھنے نہ دیتے تاکید تھی کہ دو لفظ ملا کر نہ لکھے جائیں۔ اس میں کسی دلیل کی ضرورت تو نہ تھی لیکن وہ بڑی مضبوط دلیل پیش کرتے تھے فرماتے کہ دو لفظوں کو ملا کر لکھنے سے فتنہ بھی برپا ہوسکتا ہے۔ مثال میں فرماتے۔ ان مودودیوں مودودیوں کو خدا غارت کرے۔ انھوں نے قرآن کی کتابت میں تحریف کردی۔ مودودیوں مودودیوں سے پہلے قرآن میں اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لکھا ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ آقائے نامدار سرور

کائنات، تاجدار مدینہ سرکار دو عالم سیدنا ونبینا ومولانا روحی وفداہٗ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے و "اِنَّ تحقیق کی حد تک "ما" نہیں "اَنَا" میں "بشرٌ مثلکم" تمہاری مثل بشر یعنی تحقیق کی حد تک میں مثل بشر نہیں ہوں۔ اب دیکھو ان مردودیوں مودودیوں نے "اِنَّ ما" کو ملا کر "اِنَّما" لکھ دیا۔ چار د کی چاندنی کا موقع ہاتھ آ گیا۔ پاکستان میں جماعت اسلامی نے الیکشن لڑا۔ پروفیسر عبدالغفور عبداللہ جیتا اور وزیر ہو گیا۔ اس نے اچھے بھلے دو لفظ "اِنَّ + ما" کو ملا کر اِنَّما کر دیا اور ترجمہ یہ کیا کہ سوا اس کے میں کچھ نہیں کہ تمہاری طرح بشر ہوں۔

سرور کائنات تاجدار مدینہ محبوب دو عالم سیدنا ومولانا ونبینا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ کو ہم جیسا بشر بنا دیا۔ سنتے ہو محمد احمد تم! —— یقین نہ ہو تو مودودی کی تفہیم القرآن اٹھا کر دیکھ لو۔ اِنَّ ما کو اِنَّما لکھا ہوا پاؤ گے اور جماعت اسلامی کی طرف سے چھپے ہوئے قرآنوں کو اسی طرح پاؤ گے۔

استاد نفیس رقم سے یہ سنا تو گو انھوں نے بات جماعت اسلامی پاکستان سے متعلق کر کے کہی تھی لیکن مجھے جماعت اسلامی ہند سے نفرت ہو گئی۔ پھر بھی میں نے سوچا، تحقیق کر لی جائے۔ میں نے جماعت اسلامی ہند کے ایک مولوی سے پوچھا۔ کیا تفہیم القرآن میں ان ما انا بشرٌ مثلکم میں انما ملا کر لکھا گیا ہے۔ اس نے کہا "ہاں" وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ میری زبان سے لاحول ولاقوۃ نکلا اور ذرا تھوک کر اس مولوی مردودی سے منہ پھیر لیا۔ استاد سے جا کر کہا کہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ میں نے تصدیق بھی کر لی۔ جماعت اسلامی والے تسلیم بھی کرتے ہیں کہ تفہیم القرآن میں انَّ ما کو ملا کر انّما لکھا ہے۔

استاد مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے محمد احمد تو کیا تم سمجھتے تھے میں جھوٹ کہتا ہوں۔ اور سنو محمد احمد —— ! یہ مردودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بڑی گستاخیاں کرتے ہیں۔"

آج میں نے استاد کا نام لے کر کہا۔ اے میرے پیارے استاد وجاہت علی رضی اللہ ع

ضرور یہ لوگ گستاخیاں کرتے ہونگے۔ پھر میں نے استاد کی کورانہ تقلید شروع کردی۔ استاد نے مجھے ایک نعتیہ غزل دی اور کہا ذرا ڈھنگ سے لکھ دینا۔ میں ذرا کام کو جارہا ہوں۔ غزل کا مطلع یہ تھا۔

محمدؐ! آپؐ کے پیارے صحابہؓ کو خدا سمجھے
اگر سمجھے تو سمجھے آپؐ کوئی اور کیا سمجھے

میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کے اس طرح مطلع لکھنا شروع کیا۔ میں نے لفظ محمدؐ لکھ کر قلم رکھ دیا۔ انگوٹھے چومے۔ پھر قلم اٹھایا اور پھر آداب واحترام کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح شعر مکمل کرکے کتابت کیا:۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خدا سمجھے
اگر سمجھے تو سمجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی اور کیا سمجھے

میں نے اس طرح انگوٹھے چوم چوم کر جہاں جہاں آپ، اُن، وہ جیسے لفظوں سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سب کے آگے صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا۔ اتفاق کی بات کہ استاد ایک بجے رات کو آئے کالم بغیر دیکھے جلد جلد جوڑ کر کاپی پریس مین کو دے دی۔ اس نے جلدی سے پلیٹ بنوائی اور دو گھنٹے کے اندر اخبار چھاپ کر ڈھیر کردیا۔ صبح کو ایک کاپی مالک اخبار جناب شبیر حسن رضی اللہ عنہٗ کو اور دوسری مدیر محترم عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کو پہنچائی گئی۔

کاتب کتابت کرکے ایک بجے جاچکے تھے۔ دو بجے استاد چلے گئے تھے۔ ہاکر اخبار چھپتے ہی لے اڑے تھے۔ اخبار ہوٹلوں، دوکانوں اور گھروں میں پہنچا۔ تو نعتیہ غزل کی دھوم مچ گئی۔ اور یہ شمارہ بہت بکا۔ میں پریس سے گھر گیا۔ کھاپی کر سویا تو ظہر بعد آنکھ کھلی۔ نہا دھو کر کھانا کھایا۔ اخبار کے دفتر گیا تو سارے کاتب مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے۔ بولے "استاد کو، ایڈیٹر صاحب کو اور مالک کو آنے دو، معلوم ہو جائے گا۔"

بات تو واضح ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے [illegible]

نے کہا، محمد احمد صلی اللہ علیہ وسلم سُنتے ہو۔ اب ان مردودیوں کے کافر ہونے میں شک ہی کیا رہ گیا!" میں نے پوچھا اب کیا حرکت کی۔ بولے "تفہیم القرآن میں مولوی مردودی نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ گمراہ تھے" لاحول ولاقوۃ استاد نے اور میں نے ایک ساتھ پڑھی۔ میں نے پوچھا "تفہیم القرآن کے کس صفحہ میں؟ بتایا تفہیم القرآن جلد ششم ص۳۶۲ پر صاف لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ تھے۔

میں نے بات سُن لی۔ استاد کے سامنے "توبہ توبہ" اور "لاحول" بھی کہی لیکن دل میں سوچا۔ اب سوچ سمجھ کر، جانچ پرکھ کر بات منہ سے نکالنا چاہیے۔ ورنہ کوئی 'مودودی' سر ہو جائے گا تو لوگ سمجھیں گے محمد احمد کاتب نے پھر کوئی حرکت کی ہے۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ اتوار کو جماعت اسلامی کا دارالمطالعہ کھلتا ہے۔ میں دارالمطالعہ گیا۔ ناظم دارالمطالعہ سے ملا۔ پوچھا، کیا تفہیم القرآن جلد ششم میں آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، سرکار کائنات سرور عالم سیدنا ذبیناو مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ لکھا گیا ہے؟ انھوں نے پوچھا۔ حوالہ دیجیے تو تلاش کروں۔ میں نے کہا جلد ششم میں ہے۔ صفحہ مجھے یاد نہیں لیکن ناظم دارالمطالعہ بڑا ذہین آدمی نکلا۔ اس نے کہا غالباً "والضحیٰ" میں لفظ "ضالاً" کا ترجمہ ممکن ہے یہی کیا ہو اچھا دیکھتا ہوں۔

انھوں نے تفہیم القرآن جلد ششم نکالی۔ سورہ کا صفحہ کھولا تبایا ص۳۶۲ میں نے کہا "جی ہاں جی ہاں" انھوں نے وہ صفحہ کھلا کا کھلا میری طرف بڑھایا۔ میں نے کہا "معاف کیجئے گا۔ میں آپ لوگوں کی کتابیں چھونا گناہ سمجھتا ہوں۔ آپ خود پڑھ کر سنا دیجیے۔ انھوں نے پڑھا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اور ترجمہ سنایا ــــ اور تمہیں ناواقف پایا اور پھر ہدایت بخشی۔

ترجمہ سنکر میری زبان سے برجستہ نکلا "خوب بچایا اپنے کو ترجمہ کرنے والے نے" یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ گھر آکر سوچا کہ شاید تفسیر کرتے وقت تشریحی نوٹس میں گمراہ لکھا ہو۔ میں دوسرے دن گیا۔ میں نے تفہیم پھر نکلوائی اور اپنے ہاتھ میں لی۔ ناظم دارالمطالعہ نے پوچھا۔ شاید آپ نے غلطی کی تفہیم چھوڑ لی" میں نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے آپ نے کچھ کا کچھ پڑھ دیا ہو لہٰذا نقل کفر کفر نباشد۔

اب میں نے دو صفحے پیچھے الٹ کر پہلے سورہ الضحیٰ کا زمانہ نزول موضوع اور مضمون پڑھا. پھر ترجمہ اس کے بعد تشریحی نوٹ۔ مثلاً یہ تشریحی نوٹ ۶ پڑھا تو غیر شعوری طور پر میری زبان سے خوب اور پھر واہ واہ" نکل گئی۔ پھر خیال آیا کہ کوئی سنتا ہوگا۔ ناظم دارالمطالعہ واقعی میری طرف دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے۔ انھوں نے چشم پوشی برتی۔ میں تشریحی نوٹ پڑھ کر واپس آیا۔ پھر جب پریس گیا تو استاد سے کہا کہ آپ کی بات غلط نکلی۔ مولانا مودودی نے گمراہ نہیں لکھا ہے۔ اور پھر پوری روداد بتائی۔

"تو تم وہاں ہو آئے اور تم نے مودودی کی تحریر بھی پڑھی اب تم گمراہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اچھا خیر، توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کرو اور یہ تین پمفلٹ ہیں۔ پڑھو۔ دیکھو علمائے کرام مودودی مودودی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں" میں نے پمفلٹ لے لیے ان کے نام یہ تھے۔

(۱) آئینۂ مودودیت (۲) کھونسہ محمودی بر کلہ مودودی (۳) مودودی اور دعویٰ مہدویت "

یہ پمفلٹ میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھے۔ ایک بار پڑھ کر میں دارالمطالعہ گیا اور جن جن کتابوں کے حوالے پمفلٹس میں تھے وہ کتابیں نکلوائیں۔ اپنے نام اشو کرائیں اور لے کر چلا آیا۔ اب ایک ایک اعتراض پڑھنا شروع کیا۔ حوالہ دی گئی کتاب میں سے عبارت پڑھی تو پڑھتا چلا گیا۔ اس کے بعد وہ ساری ہی کتابیں پڑھ ڈالیں اور پھر مجھے ایسی رغبت بڑھی کہ میں دارالمطالعہ جانے لگا۔ استاد کو پمفلٹس واپس کرتے وقت میں نے لکھ دیا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے "لا تقربوا الصلوٰۃ" نماز کے پاس ہرگز نہ جاؤ۔" استاد نے کہا۔ مگر آگے ان کنتم سکاریٰ بھی تو ہے یعنی جبکہ تم نشے میں ہو۔ میں نے کہا۔ ان پمفلٹس میں اسی طرح کی عبارت آگے پیچھے سے کاٹ کر لی گئی ہے اور اعتراضات کا گھروندا بنا دیا گیا۔

یہ سن کر ظاہر ہے کہ استاد مجھے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے نکال دیا۔ مجھے ذرا بھی رنج نہیں ہوا۔ میں نے استاد نفیس رقم کی ساری "نفاستوں" سے توبہ کر لی۔ پابندی کے ساتھ دارالمطالعہ جانے لگا۔ جماعت کا لٹریچر مطالعہ کرنے لگا۔ میں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن پھر ایک زبردست جھٹکا لگا۔

پاکستان میں مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ہندوستان کے اخباروں میں مودودی صاحب
داس کا مرتکب ٹھہرا کر وہ غلاظت اچھالی کہ الاماں والحفیظ۔ میرا خیال ہے کہ جس قدر جھوٹ اس
بقت بکا گیا شاید اتنا ایک صدی میں نہ بکا گیا ہوگا۔ میں پاکستانی اخبارات میں مقدمے کی
ماری کارروائی پڑھتا رہتا تھا۔ پھر جماعت اسلامی ہند کے ارکان پر جو بیت گئی وہ سب کو معلوم ہے
ان مخالفین نے ایسے سیدھے سادھے، بھولے بھالے اور شریف النفس حضرات کی طرف منسوب
کے ایسے غلط بیانات شائع کئے کہ اگر وہ بزرگ زندہ ہوتے تو ان غلط بیانات کے شائع کرنے
لوں پر لعنت بھیجتے۔ الجمعیۃ اخبار نے تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ
نسبت سے ایک بیان شائع کیا کہ انھوں نے ۱۹۲۳ء ہی میں فرمایا تھا کہ اس بچہ مار سیاہ (مولانا مودودی)
ہر اگر ابھی نہ کچل دیا گیا تو آگے چل کر اژدہا ثابت ہوگا۔ واضح رہے کہ ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد یوسف صاحب
تہ اللہ کی عمر شریف، ۹ یا ۱۰ برس کی ہوگی انھوں نے ہرگز کبھی اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔
ایک اور بزرگ نے یہ انکشاف کیا کہ وہ مراقبہ کر کے اعلائے علیین پہنچے اور وہاں سنا کہ جماعت
لامی ضال مضل جماعت ہے۔
یہ سب پڑھ کر میری مستقل رائے بن گئی کہ جماعت اسلامی ہند کے مخالف اول نمبر کے جھوٹے
مکار ہیں۔ پھر میں نے ان سب پر لاحول پڑھی۔ جماعت اسلامی ہند کی رکنیت کا فارم بھر دیا اور
،میں یکسو ہو کر تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے میں رفقائے جماعت کے پیچھے ہو لیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

---

• کبھی ماں سے ایسا لفظ نہ کہو جس سے اس کو رنج پہنچے۔ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو اور ان
سے احترام سے باتیں کرو۔ (قرآن مجید)

• جو نیک لڑکا اپنی ماں کی طرف محبت سے دیکھے۔ اس کو ایک مقبول حج کے برابر ثواب ملتا ہے

• خدا کی خوشنودی ماں کی خوشی سے اور اس کا غضب ماں کے غضب سے ہے۔ (حضرت علیؓ) (احادیث)

ما / احترام

(سلمیٰ اعوان)

# دل کا رشتہ

گھنٹی کی یہ چیختی چنگھاڑتی آواز اس بات کا واضح اعلان تھی کہ اس کا شوہر آ چکا ہے اور بس کوئی دم میں اندر آیا چاہتا ہے۔ منی پلانٹ کی بیلوں در بام کے پودوں سے سجے چھوٹے سے آنگن میں اس کے تینوں بچے جو سائیکل سے کھیلتے ہوئے لڑ رہے تھے۔ لڑنا دھڑنا بھول بند دروازے کے دروں سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی کلکاریاں رلی ملی ہنسی باپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بے تابی کی مظہر تھی۔ اس نے چولہے کو دیا سلائی لگادی۔ ایک پر ہنڈیا اور دوسرے پر توا چڑھایا اور خود برآمدے میں باپ بچوں کے ملاپ کا نظارہ دیکھنے کے لیے آکھڑی ہوئی۔ ہر روز ایسا ہی ہوتا۔ بچے شور مچاتے۔ باپ کی ٹانگوں سے ... اس منظر میں اتنی آسودگی اور طمانیت ... بار بار دہرائے جانے پر بھی اس کی چاشنی کم نہ ہوتی۔

حسبِ معمول دروازہ کھلا اور بلند قامت باپ کی ٹانگوں سے لپٹے اور بازوؤں کے ہالے میں سمٹے بچے اندر آ گئے۔ باپ نے انھیں خود سے الگ کیا، بہلا پھسلا کر دوبارہ کھیل کی طرف راغب کیا اور خود لباس تبدیل کرنے کے لئے کمرے میں چلا گیا۔

اور پھر کھانے کی میز پر عجیب سی بات ہوگئی اس نے پلکیں جھپکا کر دو تین بار غور سے شوہر کو دیکھا اور بولی۔ "آپ کو ایسی باتوں پر توجہ دینے کا خیال کیسے آگیا؟"

بیوی کے لہجے میں جھلکتے طنز نے اُسے خفیف سا کر دیا۔ وہ چپ چاپ اپنی پلیٹ پر جھک گیا

واقعہ یہ تھا کہ جس وقت وہ کھانے کی میز

پر بیٹھے۔ اس نے بیوی کو بغور دیکھا اور بائیں ہاتھ
سے اس کے روکھے اور چمک سے عاری بالوں کی
چند لٹوں کو چھوا اور بولا: "ثمینہ! تم انہیں شیمپو نہیں
کرتیں؟ یہ کیسے عجیب ہو رہے ہیں!" اس دن سونے
کے وقت تک اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں ہوتی
رہیں لیکن اس کے ذہن میں یہ بات برابر کھٹکتی رہی
کہ آج ان کے دل میں یہ خیال کیونکر آگیا! اندرونی
سوچ سے اس کی بھنویں سکڑتی اور پھیلتی رہیں، پھر جب
وہ بستر پر لیٹی، تو اس نے سر جھٹک دیا۔

"کچھ نہیں یونہی کہہ دیا ہوگا۔ میں بھی تو آپ سے
بہت لاپروا ہوتی جا رہی ہوں۔"

❊

کینیا کی آغا خانی زرتاج بیگم اُسے جونک کی
طرح چمٹ گئی تھی۔ بن غازی کا سکندر رضا بھی اس
کے ساتھ تھا۔ وہ ہال میں اس کی عیادت کے لیے
آئے تھے اور اب اٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے
محبت سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے ملتجی لہجے
میں کہا:

"ڈارلنگ! مجھے اجازت دو، پاکستانی
اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی آج میٹنگ ہے اور
مجھے اس میں ضرور شامل ہونا چاہیے، سکندر تمہارا
دل بہلائے گا۔"

وہ ہال سے نکل کر بگنشٹ ٹی ایس. سی. سنٹر
کی طرف بھاگی! اجلاس شروع تھا۔ وہ پچھلی نشستوں
میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ سانس ذرا درست ہوئی
تو نگاہیں اٹھا کر تفصیلی جائزہ لیا۔ ایک نئی شکل
نظر پڑی۔ دل کش خدوخال، گندمی رنگ اور
اونچا لمبا قد۔ ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ نے اس
کا تعارف کرایا تو پتہ چلا کہ وہ محسن ممتاز ہے
گوجرانوالہ کا رہنے والا اور کیمیکل ٹیکنالوجی میں آنرز
کے بعد اب امریکن یونیورسٹی بیروت میں آیا
ہے۔ اُسے وہ کچھ مغرور اور بددماغ سا لگا۔
پردیس میں آنے والے اپنے ہم وطن بھائی بندوں
سے جس اُلفت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں وہ
یہاں مفقود تھا۔

اسکیٹنگ کے لیے جاتے ہوئے اس کا گزر
اس کے ہال کے سامنے ہوتا تو کبھی کبھی ٹکراؤ بھی
ہو جاتا اور علیک سلیک بھی ہوتی، بلکہ کسی دن
ہلکی پھلکی بات بھی ہو جاتی۔ اس وقت اسے محسوس
ہوتا کہ وہ بددماغ اور مغرور نہیں،

مخلص سا نوجوان ہے۔ پورے کیمپس میں وہ واحد انسان تھا جس کے بال ذرا سا بڑھنے پر باربر کے پاس پہنچنے کے لیے بے تاب ہو جاتے۔ کپڑے بھی بالعموم ایک ہی رنگ کے پہنتا۔ ایک دو بار اُس نے سوچا بھی کہیں یہ کلر بلائنڈ تو نہیں! مگر پھر یہ شک بھی دور ہو گیا

وہ بیروت ریڈیو اسٹیشن سے یونیورسٹی پروگرام کر کے نکلی۔ کسی سواری کی تلاش میں اس کی نظریں سڑک پر گھوم رہی تھیں کہ محسن ممتاز نے اس کے پاس آکر متانت سے کہا: "میں پاکستان جانے والے ایک واقف کار کے ہاتھ اپنی ماں اور چھوٹے بھائیوں کے لیے کچھ کپڑے بھیجنا چاہتا ہوں۔ مہربانی ہوگی۔ اگر آپ میرے ساتھ بازار چل کر کپڑوں کی خریداری میں مدد کریں!"

وہ بغیر کسی پس و پیش کے ساتھ چل پڑی۔ درخواست کرنے والے کے سادہ لب و لہجے نے اُسے متاثر کیا تھا اور پھر بازار میں شاپنگ کرتے ہوئے اُسے احساس ہوا کہ اُس کا انتخاب بہت اچھا ہے اور وہ ہرگز کلر بلائنڈ نہیں۔

ہو گیا تھا۔ جسے اور فروغ دینے کو دونوں نے اپنی ہتک سمجھا۔

اس کی آخری ٹرم ختم ہوئی۔ کمپری ہنسو ٹیسٹ سے بھی وہ فارغ ہو گئی اور جس دن وہ بیروت ایئرپورٹ پر وطن واپسی کے لئے پی آئی اے کا ٹکٹ حاصل کرنے گئی تو اسے فیروز جان وہاں ٹہلتا ہوا ملا جس نے [illegible] طرف تیرسا سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ کیا وہ نہیں جانتی محسن ممتاز کو اپنڈکس کا درد اٹھا ہے اور اُسے ابھی گھنٹہ بھر پہلے اسپتال پہنچایا گیا ہے اور اب شاید اس کا آپریشن ہو رہا ہو۔

اس نے واپسی ملتوی کی اور نی العفور اسپتال پہنچی۔ پردیس میں عزیزوں، رشتہ داروں سے دور بیماری کی حالت میں مضبوط سے مضبوط اعصاب والا آدمی بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ ایک ہفتہ اسپتال میں اور ایک ہفتہ ہال واپس آکر اس نے اچھی طرح اس کی دیکھ بھال کی۔ آخری دن، جب وہ تنہا بحیرۂ روم کے ساحل پر گھنٹہ بھر گزار کر ہال واپس آئی اور فرنٹ کوریڈور میں چپ چاپ

ٹال رہی تھی۔ اس نے محسن ممتاز کو دیکھا، وہ ری
سپشن روم کے سامنے کھڑا تھا۔ اُسے محسوس ہوا
کہ وہ اُداس اُداس سا تھا۔ دیر تک گومگو میں
ڈدبا رہا اور پھر بولا:
سمجھ میں نہیں آتا کہ میں بات کیسے کہوں
لڑکیوں سے گفتگو میں مجھے ہمیشہ کچھ ہچکچاہٹ سی
رہی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آنکھ
کھول کر اپنے گھر میں صرف ماں کو ہی دیکھا ہے
میری کوئی بہن نہیں۔ دراصل میں کہنا چاہتا
ہوں کہ اگر آپ کی کہیں کوئی وابستگی نہ ہو تو وطن
واپس جا کر میرا انتظار کریں۔"
اس واقعے کے ایک سال بعد اُس کے
گھر محسن ممتاز کی بجائے اس کی ماں اور باپ آئے
اور یوں وہ اس کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں
منسلک ہو گئی۔
زندگی میں داخل ہو کر اُسے احساس ہوا کہ
وہ سنجیدہ اور بُردبار ہونے کے ساتھ کافی آرام
طلب بھی ہے۔ دفتر جانے سے پہلے اُس کی ہر
چیز تیار ہونی چاہیے۔ گھر کی کسی ذمہ داری سے
سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ملازمت عمدہ اور تنخواہ
معقول تھی۔ وہ مناسب حصہ اپنے والدین کو بھیج کر
باقی ساری رقم اُسے تھما دیتا۔ وہ بچائے یا ساری
خرچ کر ڈالے، اس نے اس کے بارے میں
کبھی نہیں پوچھا تھا۔
ایک دن دبے دبے لفظوں میں اُس
نے کہا کہ آخر اتنے سارے پیسے والدین کو بھیجنے
کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ خاصے متمول ہیں؟
اس نے ملائمت سے کہا: "اس مسئلے پر دوبارہ
گفتگو ہمارے درمیان تلخی کا باعث بن سکتی ہے۔
جان لو کہ یہ میرا فرض ہے!"
اس نے ملازمت جاری رکھنے کی خواہش
کی تو وہ بولا: "مینہ! میں اچھے کھانوں کا بہت
دلدادہ ہوں۔ قدرے سست بھی ہوں۔ دن
بھر دفتر میں مغز کھپائی کے بعد گھریلو کاموں
میں تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکوں گا۔ پھر تمہیں
اعتراض ہو گا کہ میں خود غرض اور لاپروا ہوں۔
لہٰذا اس سلسلے کو ختم ہی کر دو!"
وہ فطرتاً سادگی پسند تھی۔ شوہر بھی اسی
مزاج کا ملا۔ فوراً ہی ماں بن گئی۔ طبیعت ایسی
درہم برہم ہوئی کہ اچھا پہننے اوڑھنے کا شوق

ہی جاتا رہا۔ وہ دو دو دن کپڑے نہ بدلتی۔ بال تک ڈھنگ سے نہ سنوارتی، پاس پڑوس والیاں کہہ اٹھتیں" ارے اللہ کی بندی! کچھ اپنا خیال رکھا کرو، خود سے اتنی لاپروائی اچھی نہیں۔"

وہ ہنس دیتی، پھر اطمینان سے کہتی: "تم لوگ میرے مرد کو نہیں جانتیں۔ اُسے تام جھام سے چڑ ہے۔"

وہ کہتیں: "مردوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ باہر رنگ برنگی تتلیاں دیکھتے ہیں۔ گھر آتے ہیں، تو بیویاں سر جھاڑ، منہ پھاڑ ملتی ہیں۔ دھیرے دھیرے بیزار ہو جاتے ہیں۔"

وہ رات کو ہنس ہنس کر محسن کو بتاتی اور وہ کہتا: "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ پیار ان سہاروں کا محتاج نہیں ہوتا۔"

*

اُوپر تلے تین بچے ہو گئے۔ وہ گھر داری میں پوری طرح اُلجھ گئی۔ بچوں سے فارغ ہوتی تو پکوان پکانے میں جُتی رہتی، لیکن کبھی کبھی وہ بہت جز بز ہوتی۔ گھر میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ محسن پر بھی بگڑ بیٹھتی۔ "تمہیں صرف اپنے آرام سے مطلب ہے۔ تم نے کبھی پوچھا کہ میرے پاس اچھے کپڑے نہیں ہیں۔ ڈھنگ کا جوتا نہیں۔"

وہ ہنس پڑتا اور کہتا: "نیک بخت! مجھے بتاؤ میرے لئے کپڑے تم خریدتی ہو! درزی کو سلائی کے لیے تم دے کر آتی ہو، میرے لئے تو جوتا بھی تم ہی لاتی ہو۔ بولو تم اپنے لیے نہیں لا سکتی ہو؟ کسی نے تمہیں روکا تمہارا ہاتھ پکڑا؟"

وہ روٹھی ہو جاتی: "کہتی تم نہیں سمجھو گے محسن!"

"اچھا تو چلو میں تمہارے لئے خریداری کرتا ہوں۔ لیکن پھر نہ کہنا کہ فلاں چیز مہنگی آگئی ہے۔ یہ رنگ موزوں نہیں۔ جو لاؤں گا رکھنا پڑے گا۔ نہیں تو میرے ساتھ چلو۔"

وہ چُپ ہو جاتی۔ اس کی طبیعت کو جانتی تھی۔ خرچ کرنے پر آتا تو اگلا پچھلا حساب برابر کر دیتا تھا۔

ایک روز باتوں کے دوران میں اُس نے بتایا: "دفتر نے کچھ لڑکیاں بھرتی کی ہیں۔ ڈوسٹ بھی آئی ہیں۔"

"چلو تمہاری کچھ جھجک تو دور ہوگی!" وہ

خوش دلی سے ہنسی۔ انہی دنوں فرم کی طرف سے اُسے ایک ماہ کے لیے آسٹریلیا بھیجا جارہا تھا۔ ثمینہ نے اُسے کچھ متفکر پایا، تو بولی: "کیا بات ہے؟ جانے کو جی نہیں چاہتا؟"

"اصل میں مس رضیہ درانی بھی ساتھ جارہی ہے۔ تمہیں میری عادت کا تو پتہ ہے۔ عورتوں کے معاملات میں نرا گنوار ہوں۔ ایٹی کیٹس کا خیال نہیں رہتا۔"

"چلو ہٹو۔ ناحق پریشان ہورہے ہو۔ تمہیں کیا وہ کھا جائے گی؟" اس نے ہنستے مسکراتے اُسے رخصت کیا اور ایک ماہ بعد وہ آگیا۔ زندگی پھر روٹین پر شروع ہوگئی۔

اور پھر ایک خوب صورت سی شام کو جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھا تو اس نے ثمینہ کے بالوں کی لٹ کو چھو کر کہا: "تم انھیں شیمپو نہیں کرتی ہو۔ یہ کیسے عجیب سے ہورہے ہیں!" اور ثمینہ کا دل دیر تک اتھل پتھل ہوتا رہا۔

-٭-

ایک دن وہ اُسے اصرار سے بازار لے گیا۔ کپڑے کی بڑی بڑی دکانوں کا چکر لگاتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی خاص قسم کے کپڑے کا متلاشی ہو۔ وہ ثمینہ کو گھسیٹ کر ایک دکان کے اندر لے گیا جہاں سیلز مین کے ہاتھ میں اس نے مطلوبہ کپڑے کا تھان دیکھا تھا۔ اس نے ایک سوٹ کا پیس دینے کو کہا۔

بغیر کچھ کہے سنے ہی وہ بہت کچھ سمجھی۔ دل پر آرا سا چلا۔ گہری اور معنی خیز نظروں سے اُس نے شوہر کو دیکھا اور کاؤنٹر پر بکھرے کپڑے پر اپنا ہاتھ پھیلا کر بولی: "پھاڑ نامت مجھے یہ پسند نہیں!"

یہ کہہ کر وہ محسن کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی۔ چپ چاپ چلتے وہ گھر آئے۔ معمول کے مطابق اس نے صبح ناشتہ بنایا۔ اُسی دھیان اور توجہ سے شوہر کو دیا۔ کپڑے نکال کر رکھے۔ چیزیں سنبھالنے میں اس کی مدد کی اور اُسے ہر روز کی طرح رخصت کیا۔ یہ سب کام اس نے سرانجام دیے۔ مگر سنجیدگی اور نسبتاً خاموشی سے۔

شام کو وہ دفتر سے واپس آیا اور گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا برآمدے میں کھڑی ثمینہ سرتاپا بدلی ہوئی ہے۔ اس نے بالوں کو اسی

انداز میں سجایا تھا۔ جیسے وہ بیروت میں کبھی بنایا کرتی تھی۔ چہرے پر نفاست سے کیے گئے ہلکے میک اپ کی چمک تھی۔ لباس خوبصورت اور جدید وضع کا تھا۔ وہ اتنی دل کش نظر آرہی تھی کہ بچوں کا شوروغوغا بھی اس کی توجہ نہ ہٹا سکا۔ "ایزی چیئر" پر وہ بیٹھ گیا۔ بچوں کے رخساروں پر پیار بھرے بوسے ثبت کرکے اس نے انھیں کھیلنے کو کہا۔ اور پھر بیوی کی طرف دیکھا۔ شوہر کی آنکھوں میں پسندیدگی اور محبت کی جوت محسوس کرکے ثمینہ کی آنکھیں چھلک گئیں۔

وہ بولا: "تمھیں مجھ پر کچھ شک ہوا ہے ثمینہ؟"

"نہیں" اس نے مختصراً کہا۔

"تو پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ کل جو کپڑا تم میرے لیے خریدنا چاہ رہے تھے۔ وہ ضرور تمہاری اس مس رافعہ درّانی نے پہنا ہوگا۔ بھینی بھینی خوشبو بکھیرتی خوب صورت کپڑوں میں ملبوس جو لڑکی دن کے دس بارہ گھنٹے تمہارے ساتھ گزارتی ہے۔ تم بقیہ اوقات میں بھی اسی روپ کو دیکھنا چاہتے ہو محسن! میری اپنی ایک شخصیت ہے اپنی ایک انفرادیت ہے۔ میں تمھیں اچھے کھانے کھلا کھلاتے یہ بھول گئی تھی کہ تم ایک مرد بھی ہو اور تمہاری نظر کی تسکین کے لئے مجھے جاذبِ نظر بھی رہنا چاہیے۔ میری موجودگی گھر میں اتنی منفرد بھرپور اور قوی ہونی چاہیے کہ تمہارے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی تشنگی کا احساس پیدا نہ ہو۔ کیوں ٹھیک ہے؟"

اس نے دیکھا، محسن کی نگاہوں میں ندامت تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ آج اسے اپنا گھر پہلے جیسا خوب صورت لگ رہا تھا ●●

---

## آپ

تفہیم القرآن روزانہ پڑھتے ہیں لیکن جب سفر میں ہوتے ہیں تو تفہیم القرآن کی بھاری جلد آپ کو گراں معلوم ہوتی ہے اس وقت آپ کا دل کہتا ہے کہ یہی تفسیر چھوٹے سائز میں ہوتی اور ہلکی پھلکی۔ لیجیے، ہم تفہیم القرآن جلد پنجم کا نصف حصہ سورہ حدید تا طلاق آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اتنے ہدیے میں کہ اتنے ہدیہ میں تیار نہیں ہو سکتی۔ آپ صرف ۔/5 روپیہ منی آرڈر سے بھیج دیں۔ ہم آپ کو اپنے خرچ سے ذریعہ ڈاک بھیج دیں گے۔ (منیجر حجاب رامپور۔ یوپی)

(انور عنایت)

آج بھی اُسے وہ منظر صاف نظر آیا۔ درخت کی خشک ٹہنی پر اُس نے اپنے ننھے سے پاؤں جمانے... کی جیسے ہی کوشش کی، ٹہنی ٹوٹ گئی اور وہ دھم سے نیچے آن گرا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چیخ کے ساتھ مونا کی آنکھ کھل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اس سناٹے میں اس کی درد میں ڈوبی آواز سُن کر شاہد کو یوں لگا جیسے کسی ویران قبرستان میں کوئی بے چین روح بَین کر رہی ہو۔

بیٹے سے جُدا ہوئے دوسرا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ایسی کوئی رات نہیں گزری تھی۔ جب یہی ڈرامہ ان کی خوابگاہ میں نہ کھیلا جاتا۔ اوّل تو مونا کو نیند مشکل سے آتی اور جب آتی تو گھنٹے دو گھنٹے بعد وہ ایسا ہی خواب دیکھتی۔ صبح پُرسکون اور موسم بے حد خوشگوار ہے۔ بچے باغ میں کھیل رہے ہیں پانچ سالہ طاہر کے ساتھ ساجد ہے۔ یتیم بچہ جو طاہر کا ہم عمر اور اس کا جگری دوست ہے۔ اور اپنی بیمار نانی کے ساتھ اُن کے پڑوس میں رہتا ہے۔ یکایک باغ کی طرف سے ایک چیخ سنائی دیتی ہے۔ وہ باورچی خانے کی کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے۔ جامن کے درخت کی ایک خشک ٹہنی سے اس کا طاہر چپکا ہوا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ سہارے کے لیے پھیلا ہوا ہے۔ اُسی ٹہنی پر ساجد چڑھ رہا ہے۔ وہ تیزی سے باہر نکلتی ہے اور درخت کی طرف دوڑتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے دل کے ٹکڑے کا ہاتھ تھام

لے۔ خشک ٹہنی چٹخ کر ٹوٹتی ہے اور پلک جھپکتے ہی طاہر زمین پر آن گرتا ہے۔

ایسے بھیانک خواب کے بعد کون سو سکتا ہے۔ اس کی نیند اُڑ جاتی۔ رات جگے کا اثر اب اس کی صحت پر پڑ رہا تھا۔ اور وہ چہرے سے برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ آج رات بھی وہی ڈراما کھیلا گیا۔ تو شاہد نے اُسے دلاسا دیتے ہوئے پیار سے کہا: "خدا کے لیے اپنے جذبات کو قابو میں رکھو۔ مونا! اس دیوانگی سے کیا حاصل؟ اب طاہر ہمیں کبھی واپس نہیں مل سکتا۔"

"جانتی ہوں!" اس نے جواب دیا۔ سارا قصور اس ذلیل ساجد کا ہے جس کے بہلاوے میں آکر میرا بیٹا درخت پر چڑھا۔ اُسی کمینے نے میرے بچے کو مار ڈالا۔"

"یہ غلط ہے مونا۔" شاہد نے سمجھایا۔ "اس کی قضا آگئی، اس لیے وہ مر گیا۔ ساجد نے کچھ نہیں کیا۔"

یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب سے وہ پڑوس میں آیا، ہمارے معصوم بچے نے اوٹ پٹانگ کھیل شروع کر دیے۔ وہی اُسے لے کر درخت پر چڑھا تھا وہ اس ٹہنی پر چڑھتا تو نہ ٹہنی ٹوٹتی اور نہ میرا بچہ گرتا۔ ا... نے روتے ہوئے شکایت کی۔

"ٹہنی خشک تھی مونا۔" شاہد بولا۔

"میرا بچہ کونسا وزنی تھا۔ ٹہنی دو بچو... کا بوجھ نہ سہار سکی۔ میرا بس چلے تو میں اُس... کا گلا گھونٹ دوں۔ میرے بچے کا قاتل ہے..."

شاہد اُسے سمجھاتا: "نہیں مونا۔ ساجد ... قاتل ہو سکتا ہے؟" وہ تو خود ظالم وقت ... ہاتھوں ستایا ہوا ہے۔ جو بچہ چار سال کی عمر ... ماں اور باپ دونوں کی شفقت سے محروم ہ... وہ ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ درست ہے ... کسی قدر شریر ہے۔ نانی کے لاڈ و پیار نے اُ... کسی حد تک ضدی بنا دیا ہے۔ لیکن نہ وہ بدت... ہے اور نہ اتنا بُرا کہ اپنے عزیز دوست کی مو... کا باعث بنتا۔ اُسے تو طاہر سے، ہمارے گھ... سے، مجھ سے، تم سے، ہر ایک سے عشق ت... مجھے بھی وہ اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا طاہر ... ہم بھی اس سے اسی لیے خوش تھے کہ طاہر کا... تنہائی ختم ہو گئی تھی اور اُسے کھیلنے کو دو...

کے لیے ایک ہم عمر ساتھی مل گیا تھا۔"
ساجد بھی طاہر کی طرح مونا کو امی کہا کرتا تھا۔ ماں کی محبت سے محرومی کا یہ واضح اظہار تھا۔ شاہد کو یاد آیا کہ ایک دن طاہر نے اس سے کہا تھا: ابی! ساجد اگر آپ کو ابی کہے تو آپ خفا تو نہیں ہوں گے؟"
"نہیں بیٹے!" شاہد نے جواب دیا تھا۔
"وہ امی کو تو امی کہنے لگا ہے۔ کل کہہ رہا تھا تمہارے ابی کو ابی کہنے کو جی چاہتا ہے۔"
ایسے ہی بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات اُسے یاد آنے لگے۔ تو اس کی نیند بھی اُچاٹ ہوگئی۔
ساجد نے حادثہ کے بعد صرف ایک بار طاہر کے گھر آنے کی جرأت کی تھی۔ جس کا اُسے خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔ اسی لیے اس نے اب اِدھر کا رُخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا وقت اب بہت دوری میں گزرتا تھا۔ نانی کے پاس آنے کے بعد زندگی میں پہلی بار ایک دوست بنایا تھا اور وہ تھا طاہر۔
ایک شام شاہد دفتر سے آنے کے بعد کسی کام سے طاہر کے کمرے میں گیا تو میز پر کُسے نئی کتابوں کا وہ سیٹ نظر آیا جو حال ہی میں خریدا گیا تھا۔ طاہر کو گرامر اسکول میں داخلہ ملنے کی اُمید تھی اور یہ کتابیں اسی سلسلے میں خریدی گئی تھیں۔ مونا گرامر اسکول کے پرنسپل کو اُس زمانے سے جانتی تھی، جب وہ لندن میں زیرِ تعلیم تھی۔ اس لیے اُسے یقین تھا کہ طاہر اور ساجد دونوں کو ضرور ضرور داخلہ مل جائے گا۔ لیکن موجودہ حالات میں ناممکن تھا کہ ساجد کو وہاں داخلہ ملتا۔ اس خیال سے شاہد کو دکھ ہوا۔ اور وہ سوچنے لگا کیا کرے گا یہ بچہ! اس کی نانی صاحبِ فراش تھیں۔ گھر بوڑھے ملازم کے رحم و کرم پر چلتا تھا اور ملازم صرف قریب کے اسکول ہی میں داخلہ دلوا سکتا تھا۔

-٭-

دن تیزی سے گزرتے گئے۔ مونا کے چہرے سے اب یوں لگنے لگا تھا کہ اُسے صبر آ گیا ہے۔ ساجد خدا جانے کہاں غائب تھا۔ مونا نے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر رونا کم دیا تھا۔ کئی راتوں سے

چین سے سورہی تھی۔

شاہد ناشتے کے بعد دفتر چلا گیا۔ تو مونا کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہ خاصی دیر اخبار پڑھتی رہی۔ پھر اٹھ کر الماری سے ایک رسالہ نکالا اور ڈرائنگ روم میں کھڑکی کے قریب آ بیٹھی یہ کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ اس نے دیکھا کئی ننھے منے بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے ہاتھوں میں کھانے کے ڈبے لیے، کاندھوں سے پانی کی بوتلیں لٹکائے، خاندان کی کسی نہ کسی خاتون یا مرد کے ساتھ اسکول کی طرف جارہے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی ایک بار پھر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دل کو بے دردی سے کچل دیا ہو۔ بڑی عجیب تڑاپ تھی یہ۔ اُسے خیال آیا۔ کاش وہ منحوس دن اُن کی زندگی میں نہ آتا کاش! اُس دن وہ ذلیل ساجد اُن کے یہاں نہ آتا۔ کاش! وہ معصوم طاہر کو درخت پر چڑھنے کے لیے نہ ورغلاتا۔ کاش طاہر کے درخت پر چڑھنے سے پہلے میں وہ سوکھی ٹہنی کٹوا دیتی ... کاش! کاش! کاش... اس نے وہ ٹہنی آخر کیوں نہ کٹوائی؟ ساجد نے تو کئی دن پہلے اُسے بتایا تھا کہ ٹہنی سوکھ گئی ہے۔ اس طرح کیا طاہر کی موت کی وہ بھی ذمہ دار تھی، اس خیال سے وہ تڑپ گئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے، جیسے اُسے ڈر ہو کہ دل دھڑکتے دھڑکتے سینے سے باہر نہ نکل جائے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی طبیعت اس قدر بگڑی کہ وہاں بیٹھنا دوبھر ہوگیا۔ وہ اٹھ کر برآمدے میں آگئی۔ اور سڑک کی طرف دیکھا تو یکایک اُسے ساجد نظر آگیا وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ کھویا کھویا سا لگ رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ہوش نہ ہو کہ اُسے کہاں جانا ہے۔ اس نے کپڑے تو صاف ستھرے پہن رکھے تھے۔ لیکن سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کئی لٹیں پیشانی پر آگئی تھیں۔ مونا نے اُسے غور سے دیکھا، تو نہ جانے کیوں اُسے یوں لگا جیسے وہ بھی تنہا ہو۔ جس قدر وہ خود تنہا تھی۔ وہ گھر سے باہر آگئی اور اس کے قدم آپ ہی آپ ساجد کی طرف بڑھنے لگے۔

ساجد نے اُسے اپنی طرف آتے دیکھا، تو وہ رک گیا۔ اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اُسے

دیکھنے لگا۔ مونا کو اُس پر بڑا رحم آیا، قریب جاکر
آہستہ سے پوچھا: "اتنے دن سے تم کہاں تھے
ساجد؟"

"آداب! جی بس یہیں تھا" اُس نے
جواب دیا، لیکن امی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ داخلے کے
لئے اسکول نہیں گئے؟" مونا نے پوچھا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ ساجد نگاہیں جھکائے
اپنے داہنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ غالباً وہ سوچ
رہا تھا کہ طاہر کی امی کے لہجے میں جو نرمی پیدا
ہوئی ہے، اس کے کیا معنی ہو سکتے ہو؟

"جواب کیوں نہیں دیتے؟" مونا نے پوچھا
پہلے تو بہت بولا کرتے تھے۔"

اسکول والے اکیلے بچوں کو داخل نہیں کرتے
اور نانی جان کی طبیعت آج بہت خراب ہے۔"
اس نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بڑا اداس تھا جس
کی وجہ سے مونا کے دل اور دماغ اور تنہائی کا
احساس اور زیادہ ہوگیا۔ اس نے فوراً ساجد
[illegible]

نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بولی: "چلو میرے
مونا اُسے اندر لے گئی۔ منہ ہاتھ دُھلا
اُسے سنگھار میز کے سامنے اسٹول پر بٹھا کر لوا
کرنے لگی جیسے وہ طاہر ہو۔ یکایک اُسے کچھ
آیا، تو اس نے پوچھا۔

"تم نے ناشتہ کیا؟"

"نہیں" ساجد نے ہچکچاتے ہو۔
جواب دیا۔

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟ فاقے کرو گے ا
لکھ پڑھ سکو گے اور نہ کھیل کود میں نام پیدا کر
فوج میں داخلے کے لئے بھی خوب توانا ہونا
ہے۔ چلو میں ناشتہ کراتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بڑے پیار کے انا
میں اُسے۔ ڈرائنگ روم میں لے گئی اور
کرسی پر بٹھا دیا جو طاہر کے لیے مخصوص
اس کے بعد وہ خود باورچی خانے میں چلی
حالانکہ وہاں ملازمہ موجود تھی [illegible]
[illegible]

تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹرے میں ناشتہ لگا کر
لے آئی۔ ساجد کے گلے میں نیپکن اُسی طرح باندھا جس
طرح وہ اپنے بیٹے طاہر کے باندھا کرتی تھی۔ پھر
توس پر مکھن اور جام لگا کر اُسے دیا۔ ساجد کو بہت
بھوک لگ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے کھانے لگا
چند لمحے خاموشی رہی، پھر مونا کو یکایک ساجد
کی قمیص کی جیب پر جامن کے نیلے نیلے دھبے
نظر آئے تو اس نے کہا:

"جامن کے داغ مشکل سے صاف ہوتے
ہیں۔ ستیاناس کر دیا قمیص کا تم نے۔ تمہیں
بھی جامن پسند ہیں سجو؟"

"جی ہاں۔ جی بہت!" ساجد نے جواب
دیا۔ اتنے دنوں کے بعد طاہر کی امی کے منہ سے
"سجو" سن کر اُسے بہت اچھا لگا۔

"اُسے بھی جامنیں بہت پسند تھیں۔
میرے طاہر کو۔" مونا نے آہستہ سے کہا۔

"جانتا ہوں!" وہ جامن توڑنے ہی
تو چڑھا تھا درخت پر یہ

"لیکن سوکھی ٹہنی پر کیوں چڑھ گیا تھا وہ"
چینی سے پوچھا۔

"وہ وہاں نہیں چڑھا تھا۔ سوکھی ٹہنی پر
تو میں چڑھا تھا" ساجد نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" حیرت سے مونا
نے پوچھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں — اس کا پیر
تو سبز ٹہنی پر سے پھسلا تھا۔ وہ کمزور تھی۔ میں
اُسے گرتے دیکھ کر روکنے کے لئے آگے بڑھا۔
لیکن میرے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ
نیچے گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی سوکھی ٹہنی بھی
ٹوٹ گئی اور میں بھی گر گیا۔ یہ ٹہنی زیادہ
اونچی نہیں تھی۔ اس لیے مجھے معمولی چوٹ لگی۔

ساجد نے اپنی قمیص کی آستین اوپر
چڑھائی۔ اس کی بائیں کہنی بُری طرح سے
چھل گئی تھی۔ زخم ابھی پوری طرح خشک
نہیں ہوا تھا۔ اس روز طاہر کو زمین پر پڑے
دیکھ کر اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ ساجد
کو بھی چوٹیں لگی ہیں یا نہیں۔

ساجد نے مونا کو خاموش دیکھا، تو سمجھا
اُسے پھر غصہ آگیا ہے اور وہ ضرور اس کی پٹائی
کرے گی۔ وہ بُری طرح سہم گیا۔

"میرا یقین کیجیے امی" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "میں تو اس کی مدد کرنے چڑھا تھا درخت پر۔ خدا کی قسم سوکھی ٹہنی پر صرف میں تھا۔ خدا کی قسم میں بے گناہ ہوں امی۔ وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔"

مونا پر تو سکتہ طاری تھا۔ صحیح واقعات جان کر اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے سینے پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اس نے اب تک خواہ مخواہ اس معصوم کو غلط سمجھا تھا شاہد ٹھیک کہتے تھے۔ طاہر کی موت تو ایک حادثہ تھا۔ یکایک اُسے کہیں دور سے ساجد کی آواز سنائی دی:۔ "میں نے کچھ نہیں کیا! امی! خدا کی قسم کچھ نہیں کیا۔ مجھے مت ڈانٹئے امی! مجھے آپ سے بہت ڈر لگتا ہے۔

ساجد کے منہ سے بار بار امی کا لفظ سن کر مونا سے رہا نہ گیا اس نے ساجد کو سینے سے لگا لیا اور ... پوچھنے لگا۔

... پوچھ لو۔ پہلے میں تمہارے لیے ناشتہ تیار ... ہوں۔ بوتل میں ٹھنڈا پانی بھرتی ہوں گرما گرم اسکول لے چلوں گی۔ تمہیں داخلہ ... مت رو میرے بچے۔ مت رو۔"

ادھر ساجد کی آنکھوں سے آنسوؤں جھڑی لگ گئی تھی اور سسکیاں تھیں بہت سی محبت پا کر رُکنے کا نام ہی نہیں رہی تھیں!۔ مونا سوچ رہی تھی: "پاگل لڑکا ہے۔ اس کا پھیلا ہوا ہاتھ اتنی مضبوطی سے تھام لیا ہے، پھر بھی روئے جا رہا ہے۔"

## نماز کیسے پڑھیں (ہندی)

آسان ہندی زبان میں سکھایا گیا ہے کہ نماز ... اس کتاب میں سب سے پہلے پاک ... تیسری ...

یہ صاحب چاندنی چوک کی پٹری پر بیٹھے اخبار اور رسالے بیچتے ہیں اب تو انکی "دکان" اچھا خاصہ اسٹال بن چکی ہے۔ صبح نو بجے سے رات کے ۹ بجے آپ انھیں اپنے اسٹال پر ہنستے ہمکتے مصروف کار دیکھیں گے۔

، کلائیوں تک ان کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اخبار اٹھا اٹھا کر پکڑاتے ہیں اور اپنے گاہکوں سے گن گنا کر پیسے لیتے ہیں۔

لین دین سے دم بھر فراغت ہوتی تو اخباروں کے ایک انبار کے نیچے بیڑی کا بنڈل نکال کر بیڑی پینا پیتے ہیں۔ انگلیوں کے بغیر بیڑی سلگانا اور پینا اوروں کے لئے بھلے ہی تعجب خیز ہو لیکن ان میاں کے لئے یہ روز کا معمول ہے۔

جس وقت ہمارے کیمرہ مین نے ان کا فوٹو لینا چاہا اس وقت وہ بیڑی پی رہے تھے کیمرہ مین کو دیکھ کر کچھ گھبرائے۔ ہم نے کہا: گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آپ کی تصویر اخبار میں چھپے گی۔ پچپن سالہ گنگارام اس پر مسکرا اٹھا۔

شرمیان جی! آپ کے دونوں ہاتھ کیسے کٹ گئے؟ اس نے لمبی ٹھنڈی سانس لی۔ بیڑی کا بھرپور کش لگایا اور فضا میں دھواں چھوڑتے ہوئے بولا: "صاحب کیا عرض کردں یہ ایک دکھ

بھری کہانی ہے۔ آپ سُن کر کیا کریں گے؟
"نہیں صاحب! ہم آپ کی کہانی
سننے کے لئے تو آپ کے پاس آئے
ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر انسان چلتی پھرتی
کتاب ہے جس میں انواع و اقسام کے
چھپے افسانے ہزاروں انسانوں کے
لئے عبرت و آگاہی کے لئے جیتے جاگتے
اُپدیش بن سکتے ہیں۔ !
وہ فوراً اُکھانس کر بولا:
"۱۹۵۲ء میں میں بمبئی میں تھا۔ میرا
کام یہ تھا کہ میں صاحب لوگوں کے لنچ انکے
دفتروں میں پہنچایا کرتا تھا۔ میں لوکل ٹرین
میں سفر کیا کرتا تھا۔ ایک دن بھیڑ کچھ زیادہ
تھی۔ لنچ کے ڈبے ایک طرف رکھ کر میں
گاڑی کے دروازے میں کھڑا تھا۔ ایک
ریلوے کراسنگ پر ٹرین کا ڈبہ جو ذرا
اچھلا تو میرے ہاتھ ہینڈلوں سے چھوٹ
گئے اور میں دھڑام سے نیچے جا گرا
جب میں ہوش میں آیا تو میں نے اپنے
آپ کو ہسپتال میں پایا۔ میرے دونوں
ہاتھ غائب تھے۔" کہانی کے اس مرحلہ
پر گنگارام کا جسم لرز اُٹھا۔
"تو صاحب! میں پورا ایک
سال ہسپتال میں رہا۔ ہسپتال سے باہر
نکلا تو دنیا میرے لئے اندھیر تھی۔ مجھے
کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ اب میں کس طرح
اپنی پالنا کر سکوں گا۔ اس وقت میرا لڑکا دو
سال کا تھا۔ گھر میں کھانے کے لئے پھوٹی
کوڑی نہ تھی۔ میرا مستقبل کسی اندھے کنویں
کی طرح تاریک تھا۔ میری اس مستقل
بپتا کا بیوی کی صحت پر بہت برا اثر پڑا
ادھر میں معذور، اُدھر معصوم بچے کی
بدحالی، اِدھر بیوی کی بیماری۔ دوائی
نہ سہی اسے پیٹ بھر کھانا بھی ملتا رہتا
تو شاید وہ اتنی جلدی دم نہ توڑتی لیکن وہ
دن ہی کچھ ایسے تھے۔ آخر میرا وہ رہا
سہا سہارا بھی ختم ہو گیا۔
بیوی کی موت کے بعد میری کمر
چور چور ہو گئی لیکن میرے اندر کا انسان
اس انتہائی مصیبت میں بھی مرا نہیں

تھا۔ وہ برابر مجھے اکساتا رہا۔ کسی سے مانگو نہیں۔ بھکاری مت بنو۔ کیا ہوا تیرے ہاتھ نہیں رہے، پیر تو ہیں۔ اپنے پیروں پر اٹھنے کی کوشش کرو۔ تم ضرور اٹھ جاؤ گے"۔

میں اپنے دو سال کے بچے کو لیکر اپنے ایک رشتہ دار کے پاس دہلی چلا آیا وہ بھی کوئی اتنا خوشحال نہیں تھا، لیکن اس نے اپنی ہمت سے بڑھ کر میری امداد کی۔ میں صورتحال کو خوب سمجھتا تھا۔ میری مصیبت کچھ دنوں کی بات نہ تھی۔ یہ عمر بھر کا سوال تھا۔" مجھے اپنے پیروں پر اٹھنا چاہیئے"۔ اندر کے انسان کا بار بار یہی نعرہ تھا۔ جس پر میں پوری توجہ سے دھیان دے رہا تھا۔

شروع شروع میں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے لوگوں کا چھوٹا موٹا سودا سلف ڈھونا اختیار کیا۔ آہستہ آہستہ میرے بازوؤں میں طاقت آگئی۔ قدرت مصیبت دیتی ہے تو اسے برداشت کرنے کی طاقت بھی دے دیتی ہے۔ میں اپنے سر پر بھاری بھرکم بوجھ اٹھانے لگا۔ اور سبزی منڈی میں "پانڈی" کا کام کرتا رہا۔ مجھے خوشی ہونے لگی کہ اب میں اتنا کما لیتا تھا جس سے اپنا اور بچے کا پیٹ بھر سکتا تھا۔ آیندہ کے لئے امید رستہ دکھانے لگی۔ میں نے اپنے بچے کو پڑھائی کے لئے اسکول بھیج دیا۔ میرے روزگار میں برکت آنے لگی۔

جب چار پیسے ہاتھ میں آئے تو ایک رشتہ دار نے مجھ سے مل کر اخبار کا اسٹال کھولنے کی تجویز رکھی۔ یہ کام میری جسمانی حالت کے عین مطابق تھا۔ قدرت نے ساتھ دیا، اس کام میں بھرپیٹ روٹی ملنے لگی"۔

"اور وہ آپ کا بچہ؟"

"بابوجی! آپ جیسے پیروں کے طفیل وہ بی اے کر گیا۔ آج کل مرادآباد کے ایک بینک میں ملازم ہے۔

(بقلم جہاں آرا بیگم)

جہیز! نہ دینے کی چیز ہے اور نہ لینے کی چیز ہے، وہ کیسے؟ آپ جاننا چاہیں گے سنئے! ابوطالب کے انتقال کے بعد حضرت علی رض کے سرپرست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت علی رض کا علیحدہ گھر بسانے اور ضرورت کی خاطر چند سامانِ زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت سرپرست ہونے کے حضرت علی رض کو دیے تھے۔ نہ کہ شادی کا جہیز۔ اس وجہ سے بیٹی کی شادی میں جہیز کی موجودہ رسم کو رسولِ خدا سے منسوب کرنا، حقیقت سے آنکھ بند کرلینا ہے۔ لوگ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ انھیں جہیز والی بات منوانے کے لئے کوئی بہانہ چاہیئے۔ اس طرح کی بات پیغمبر اسلام سے ثابت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

آج کی شدید ضرورت اس ناقابل برداشت بوجھ۔ جہیز سے بچنے کی راہ عمل اختیار کرنا ہے۔ ہر ایمان والے مرد اور مومن عورت کو اس لعنت سے کس طرح نجات مل سکتی ہے۔ ایسے راستے پر تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ عوام الناس میں زیادہ تر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جہیز دینا یا لینا امیروں اور دولت مندوں کا کام ہے۔ اس کے کرنے میں کسی کا کیا نقصان ہے؟ لینے والا جانے اور دینے والا؟ لیکن اس طرح کا تصور غلط ہے۔ امیر ہو یا غریب یا متوسط طبقہ، فضول خرچی

بے جا، بے محل اصراف سب کے لئے گناہ کا کام ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سود کا لینا پیسے والے کے لئے حرام ہے اور سود کا دینا ضرورت مند کے لیے حرام ہے۔ منکرات سے بچنا سب کے لیے یکساں ضروری ہے۔

ہندوستانی معاشرے کو جہیز کے بوجھ سے نجات دلانے کی خاطر ذیل میں چند مشورے پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً کسی رشتہ طے کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ

(۱) بچے یا بچی کے والدین سرپرست لالچی تو نہیں ہیں۔ لالچ کی جھلک محسوس ہو تو رشتہ وہاں نہ کرنا بہتر ہے۔

(۲) اُن میں (فریقین) میں جذبہ انسانیت اور اعتدال پسندی کتنی ہے۔

(۳) خدا پرستی معاملات میں بھی لازمی طور پر اُن کی زندگی میں پائی جاتی ہے یا نہیں، یہ پرکھنے کی چیز ہے۔

(۴) دکھاوہ شہرت، نام ونمود سے پرہیز کیجئے کیونکہ دکھاوا اور ریا شرک کے ہم وزن ہیں اور شرک ایسا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف نہ ہونے والا گناہ بتایا ہے۔

(۵) رواج اور رسمیں جس جگہ یا جس تقریب یا شادی میں حرام کی حدود میں ظاہر ہو رہی ہوں، اُن تقاریب وشادی میں شرکت کرنے سے گریز کرنا اشد ایمان کا تقاضہ ہے چاہے رشتہ دار عزیز و دوست اور بھائی کے یہاں شادی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسی صورت میں احسان کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ غلط واحترام کاموں کے خلاف مقابلے میں صف آرا ہو اور غلط کو صحیح سے بدلنے کی عملاً کوشش کرے۔

جہاں تک بیٹی و داماد کی مدد کرنا اور سامان دنیا مقصود ہو تو اس کے لئے رشتہ داری قائم ہو جانے کے بعد کی ساری عمر کافی ہے۔ لہذا کوئی ضروری نہیں کہ

نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت اس طرح کی چھپی شرط کا اظہار کرے۔ نقد لین دین بھاری قیمت کی چیزوں کا دینا اور لینا۔ زمین، پلاٹ، کھیت، جہیز کا دینا (بصورت شرط اور رسم ورواج) خدا کی ناراضگی مول لینے کے سوا کیا ہے؟ رسولؐ خدا کا طریقہ توڑنے کے سوا کیا ہے۔ سوچو! کیا اللہ کے رسولؐ نے کبھی یوں کہا تھا کہ جہیز والی رسموں والی شادی میرا طریقہ ہے۔ نہیں کہا۔ بلکہ حدیث کے الفاظ بتاتے ہو کہ نکاح کرنا میرا طریقہ ہے۔

کارخانے کے مالک، دولت مند، با اثر لیڈر۔ آفیسر، ڈاکٹر، انجینیر کی دولت و کسب پر تکیہ کرنا اور بڑی آمدنی و ذرائع کو مدنظر رکھتے ہوئے شادی کا رشتہ جوڑنا دراصل دولت پر ایمان لانا ہے اور اللہ خیر الرازقین سے ایمان ہٹانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں آج زمانے کی شادیوں کا عمل اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ انسان کے قلوب میں اللہ کی وقعت کم تر ہے اور دولت کی وقعت بالاتر ہے چاہے ایسے انسان کلمہ، نماز، حج، زکوٰۃ والے ہی کیوں نہ ہوں۔

یاد رکھئے۔ اللہ شدید العقاب، جبّار و قہار کی نافرمانی، حکم عدولی کرنے والوں کو حشر کے دن سزا اِل کر رہے گی۔ آج دنیا میں لوگوں سے چھُپ سکتے ہیں لیکن اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ اسی وجہ سے یوں کہا جاتا ہے کہ علمِ قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ اللہ کا ڈر (التقویٰ) اور حشر کے روز اپنا حساب دینے کا احساس ہونا بہت زیادہ لازمی ہے۔ اللہ کا ڈر (التقویٰ) ہی وہ بنیاد ہے جو ایک ذی علم کو ذی عمل بناتا ہے۔ ریا اور کبر سے ہٹا کر اللہ اور رسول کی اطاعت پر ڈالتا ہے۔

---

برادرانِ کرام خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری یا ایجنسی نمبر ضرور لکھئے۔ (منیجر حجاب رامپور)

# سانپ کا زہر

مکرمی و محترمی جناب مائل صاحب! ادامت برکاتہٗ السّلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

سانپ کے زہر کو دور کرنے کے کئی نسخے رسالوں میں پڑھے۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو محنت، مشقت اور زر طلب نہ ہو۔ میں بالکل آسان نسخہ ارسالِ خدمت کر رہا ہوں مناسب سمجھیں تو ماہنامہ حجاب میں شائع فرما دیں۔ کم از کم قارئین حجاب کو تو علم ہو جائے گا اور وہ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اُن کے ذریعہ اُن کے دوست احباب بھی مستفید ہو سکیں گے۔

یہ نسخہ کس طرح حاصل ہوا، اِس کی تفصیل ذیل میں آپ کی معلومات کے لئے لکھ رہا ہوں۔ اِس کی اشاعت آپ اپنے طور پر چاہیں تو کر دیں ورنہ اِس کی ضرورت نہیں صرف نسخہ عوام الناس کی معلومات کے لئے شائع ہو جائے۔

اِس نسخے کی بھی ایک تاریخ ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں ہند میں انگریزوں کی حکومت تھی جو ہمارے صوبے میں گھانس کو پریس کر کے گانٹھیں بنوا کر میدانِ جنگ میں بھجوایا کرتے تھے۔ اِس کے لئے جہاں گھانس بآسانی اکٹھا کیا جا سکتا تھا، متعدد مقامات پر گھانس کی گنجیاں لگائی اور تودے جمع کئے جاتے تھے۔ ہمارے موضع خواصہ تحصیل و ضلع سیونی میں بھی گھانس کے ڈھیر جمع کئے ہوئے تھے۔ ڈپٹی کمشنر کے حکم پر ایک بابو ملازم گانٹھیں بنوا کر بھجوایا کرتے تھے۔ اِن گھانس کی گنجیوں میں سانپ بھی رہنے لگتے تھے۔ جب معلوم ہوتا کہ گھانس کے ڈھیر میں سانپ ہے تو ایک گونڈ کا لڑکا جو اسی کام پر مامور تھا، جا کر سانپ کو پکڑ لیا کرتا تھا۔ اگر سانپ کاٹتا تو وہ اپنا نسخہ استعمال کر لیا کرتا تھا۔ زہر زائل ہو جاتا تھا۔ سرکاری ملازم بابو صاحب

کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے اس سے نسخہ دریافت کیا۔ گونڈ کے لڑکے نے کہا کہ بابو صاحب! میں نسخہ بتائے دیتا ہوں لیکن پڑھے لکھے لوگ یقین نہیں کرتے۔ سُنی کو اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں یہ ناگ سانپ ہے جس کو میں نے پکڑا ہے۔ اس نے مجھے کاٹا ہے۔ میں نے اپنا نسخہ کر لیا ہے اب میں زہر سے نہیں مروں گا۔ یہ نسخہ اس طرح حاصل ہوا کہ جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا تو ایک روز نیولہ اور سانپ کی لڑائی دیکھی۔ سانپ جب نیولے کو مارتا تو نیولہ سانپ کو چھوڑ کر اپنے پیر سے زمین کھودتا تھا اور اپنی ناک لگا کر مٹی سونگھ لیا کرتا تھا۔ اس عرصہ میں سانپ بھاگتا۔ نیولہ مٹی سونگھ کر لپکتا اور سانپ سے پھر لڑنے لگتا۔ نیولہ اور سانپ میں ایسی دشمنی ہے کہ نیولہ جب تک سانپ کو مار نہ ڈالے اُسے چھوڑتا ہی نہیں۔ یہ دیکھ کر میں سمجھا کہ سانپ کے زہر کا یہ بہت آسان نسخہ ہے۔ میں یہی کر لیا کرتا ہوں۔ سانپ کاٹتا ہے تو بالشت بھر زمین کھود کر ناک لگا کر زمین سونگھ لیتا ہوں۔ زہر اُتر جاتا ہے۔

اِدھر ہم لوگ مار گزیدہ کو یہی نسخہ کرواتے ہیں۔ گویا نسخہ یہ ہوا کہ مار گزیدہ چار چھ انگل یا ایک بالشت زمین کھود کر ناک لگا کر سونگھ لے، زہر زائل ہو جائے گا۔ انشا و اللہ تعالیٰ۔

اِدھر ایک جڑی بھی کھائی جاتی ہے جس کے کھانے کے بعد زہر اتر جاتا ہے۔ ادھر یہ عمل بھی کیا جاتا ہے کہ جہاں سانپ کاٹتا ہے فوراً اُس جگہ کو چاقو سے چیر کر خون بہا دیا جاتا ہے۔ اس سے زہر چڑھنے نہیں پاتا، خون کے ساتھ بہہ جاتا ہے۔ والسلام۔ محمد کشف الدجیٰ خاں سیوفی۔

## معصوم باتیں

گلشن جہاں، علی گڑھ

ایک بار بارش ہو رہی تھی۔ اتفاق سے پانی ترچھا برس رہا تھا اور اس کی بوچھاریں دالان تک آ رہی تھیں۔ میرا منجھلا بچہ محمد فیصل جو بہت باتیں کرتا ہے، دونوں ہاتھ ٹھڈی پر جمائے بڑے مفکرانہ انداز میں اس کا مشاہدہ کر رہا تھا یکایک بولا "امی! یہ اللہ میاں ٹیڑھی ٹیڑھی بارش کر رہے ہیں، سیدھی کیوں نہیں کرتے"۔ اس پر ہم سب مسکرانے لگے۔

# وہ آزادی کا نامہ ہے جسے

## مسلمانوں نے بھلا دیا ہے

(مولانا اخلاق حسین قاسمی)

اسلام میں حسب ونسب کا امتیاز ایک بے معنی چیز ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ اس تفریق سے پرہیز کیا ہے خود ہم نے بھی ہندوستان کے پسماندہ عوام کو اسلام میں داخل کر کے ان کو پس ماندگی سے نجات دلائی ہے۔ لیکن آج ہم خود مسلمانوں کو اونچ نیچ اور شریف ورذیل میں تقسیم کرکے دوسری قوموں کی طرح چھوت چھات کا مذموم طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے سماجی انصاف کے اصول پر خود بھی عمل فرمایا ہے اور مسلمانوں کو بھی اسی اصول پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عرب میں غلاموں کا طبقہ سب سے زیادہ ذلیل اور پست شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقہ کا نہ صرف احترام کیا ہے بلکہ اسے بڑے پیمانے پر بڑا اعزاز بخشا ہے۔

اس سماجی اصلاح کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے گھرانے سے ابتداء فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ جو حسن وجمال اور دیگر محاسن میں یکتا تھیں۔ ان کی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے شادی کر دی تھی۔

اتفاق سے حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان نباہ نہ ہو سکا اور یہ رشتہ ختم ہو گیا۔ سرورِ عالمؐ نے حضرت عقبہ ابن معیطؓ قریشی کی صاحب زادی کے ساتھ حضرت زیدؓ کا نکاح کر دیا۔

اُم کلثوم یعنی حضرت زید رضؓ کی بیوی کے بھائی ناراض ہوئے کہ ہماری بہن نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہونے کی خواہش کی تھی۔ مگر حضور صلعم نے اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو انھیں سمجھا کر مطمئن کر دیا۔

دوسرا واقعہ فاطمہ بنت قیس کی شادی کا ہے۔ یہ قریشی خاتون تھیں اور انھیں انکے شوہر نے علیحدہ کیا تھا۔ حضورؐ نے ان کا نکاح حضرت اسامہؓ سے کر دیا۔ اسامہ رضؓ حضرت زیدؓ کے لڑکے تھے۔

حضرت فاطمہ رضؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دو بڑے صحابیوں نے بھی بھیج رکھا تھا ایک حضرت ابو جہم رضؓ نے اور ایک حضرت معاویہ رضؓ نے۔ حضورؐ نے ان دونوں پیغاموں کو نامنظور کرنے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا۔ ابو جہم اپنے کندھے پر لکڑی رکھے ہوئے ہوتے ہیں یعنی عورتوں کو بہت مارتے ہیں۔ اور معاویہ بہت نادار ہیں۔

حضرت فاطمہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے جاہلی اثر کی وجہ سے اسامہ رضؓ کے ساتھ رشتہ کو ناپسند کیا مگر حضورؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم اسامہ رضؓ کے ساتھ نکاح کر لو۔ اس پر میں رضامند ہو گئی اور جاہلیت کے غرور کو چھوڑا۔ فاطمہ کہتی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس رشتہ میں بڑی برکت دی۔ یہاں تک کہ لوگوں کو رشک ہونے لگا۔

اس واقعہ نے نسب اور نسل میں اونچ نیچ کے تصور پر کاری ضرب لگائی اور یہ بات ثابت کی کہ نسب اور نسل کے لحاظ سے تمام مسلمان برابر ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا کفو یعنی برابر ہے۔ حضورؐ کے ان اصلاحی اقدامات کے ساتھ صحابہ کرام رضؓ نے بھی سماجی مساوات کے اصول پر عملی اقدامات شروع کیے۔ حضرت ابو حذیفہؓ قریشی نے

اپنی بھتیجی ہندہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالم کے ساتھ کیا۔

امام بخاریؒ نے بھی ان واقعات کو باب الکفاء فی الدین میں نقل کیا ہے یعنی امام صاحب نے ان واقعات سے ثابت کیا ہے کہ کفو (برابری) کا لحاظ دینداری میں کیا جاتا ہے۔ نسب اور پیشہ میں کفو کا لحاظ نہیں ہوتا ہے نسب اور پیشہ میں ہر مسلمان صاحب عزت ہے کوئی مسلمان خاندان یا مسلمان برادری حقیر شمار نہیں کی جا سکتی اور نہ کسی پیشہ کو گھٹیا اور ذلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی مساوات کا ایک انقلابی واقعہ یہ ہے کہ حضرت بلال حبشی رضؓ کے نکاح میں حضرت ہالہ بنت عوفؓ آئیں۔ یہ معزز قریشی خاتون حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بہن تھیں۔

کہاں بلال رضؓ ایک حبشی غلام اور کہاں ایک معزز قریشی خاتون لیکن اسلام نے نسب و خاندان کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کو برابر قرار دے دیا تھا۔ اسی لئے ایک آزاد کردہ غلام اور ایک قریشی خاتون ایک سطح پر آگئی تھیں۔

حضرات انبیاء کرام میں حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کا واقعہ ہے جسے ان کے والد حضرت شعیبؑ نے ایک پردیسی جفاکش (حضرت موسیٰؑ) کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت موسیٰؑ ایک نووارد تھے۔ شعیبؑ نے ان کی دینداری اور جفاکشی کو دیکھ کر انھیں اپنی بیٹی دے دی۔

ہمارے پیغمبرؐ کے حرم میں جہاں حضرت عائشہ رضؓ، حفصہ رضؓ، ام سلمہ رضؓ جیسی قریشی بیویاں تھیں۔ وہیں حضرت صفیہ رضؓ بھی تھیں جو ایک یہودی سردار کی لڑکی تھیں۔ اور جنگی قیدیوں میں لائی گئی تھیں۔ ایک بیوی ماریہ قبطیہ تھیں جو فرعون مصر کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور باندی کے طور پر لائی گئی تھیں۔ حضورؐ نے انھیں آزاد کر کے اپنے حرم میں شامل کر لیا انھیں

کے بطن سے حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ تھے جو سترہ اٹھارہ مہینے زندہ رہ کر خدا کو پیارے ہو گئے۔

حضرت امام حسین رضؓ کی قابل احترام بیوی حضرت شہر بانو ہیں جو ایران کے بادشاہ (یزدجرد) کی لڑکی تھیں۔ اور جنگی قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ حضرت زین العابدین ان ان ہی کے بطن سے تھے۔

امام موسیٰ کاظم رحؒ کی والدہ (حمیدہ) بھی ام ولد (باندی) تھیں۔ امام علی رضا ابن موسیٰ کاظم کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔ امام محمد ابن محمد بن علی کی والدہ (خیزران) بھی ام ولد تھیں۔

ابن قتیبہ رحؒ نے معارف میں لکھا ہے کہ حادثۂ کربلا کے بعد امام زین العابدین نے اپنی محترم ماں شہر بانو کا نکاح اپنے ایک آزاد شدہ غلام کے ساتھ کر دیا۔ اور اپنی ایک باندی کو آزاد کر کے اس سے خود نکاح کیا۔

بنی امیہ کے اندر عصبیت کا زیادہ احساس تھا۔ چنانچہ اس وقت کے اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ان رشتوں کو ناپسند کیا۔ حضرت امام زین العابدین نے خلیفہ کو جواب دیا کہ تمہارے لئے رسول اکرم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ آپ نے ایک یہودی لڑکی صفیہ کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود نکاح کیا۔ اور زید ابن حارثہ کو آزاد کر کے اس کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح کیا۔ یہ جواب سن کر عبد الملک خاموش ہو گیا۔

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ اسلام میں آزاد اور غلام کے درمیان درجے اور مرتبے کا کوئی فرق نہیں اسلام سب کو ایک درجہ عطا کرتا ہے اور اسلام میں ہر خاندان ہر برادری اور ہر نسل و مذہب کے لوگ برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے رسول پاک صلعم نے اور صحابہ و اہل بیت کرام نے اپنے خاندان سے باہر دوسرے خاندان کی لڑکیوں سے

# تین عورتیں

# تین کہانیاں

(۱) پری وش۔ کیا اب بھی نوجوان لڑکیوں کے لئے مردوں اور عورتوں کی ملی جلی تعلیم اور آزادانہ ملاپ میں کوئی سبق نہیں ہے؟

(۲) وینا کہاں کھو گئی۔ بے پردگی کے نتائج بالآخر عورت کو تباہ و برباد ہی کر دیتے ہیں۔

(۳) می نا کشی۔ یہ می نا کشی کی فطرت کی جرأت تھی کہ اس نے ایک شرابی کو گھر میں نہ آنے دیا مگر کیوں؟

## پری وش

ترجمہ:۔ محمد نیاز

(۱) میرے لئے زندگی کے بہت سے راستے کھلے ہوئے تھے لیکن میں نے خود ہی راستہ ایسا اختیار کیا جو سخت ناہموار تھا۔ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ آپ مجھے ذلیل چھوکری کہیں گے۔ مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ آپ مجھے "اسیرِ مسیحا و عشق" پکاریں گے۔ مجھے آپ خواہ کچھ ہی کیوں نہ قرار دیں۔ خدا کے لئے میرے دلِ شکستہ کی فریاد ضرور سُن لیں کوئی لڑکی مجھ سے زیادہ تنہا اور مجھ سے زیادہ بے یار و مددگار اس شہر میں نہیں ہو گی۔ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا میری کوئی نہیں سُنتا۔

جی ہاں! زندگی نے میرے لئے راستے بہت سے پیش کئے تھے لیکن میں نے جو راستہ منتخب کیا وہ انتہائی دشوار گذار تھا۔ میں نے بارہا سُنا ہے لوگ کہتے ہیں لڑکیاں ۱۵ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد کچھ ہوش کے

نہیں دوڑتیں اور اس درجہ غافل ہوجاتی ہیں کہ اپنے دل کی تمناؤں کو آپ ہی پامال کرسکیں۔ لیکن میں ان لڑکیوں میں شامل نہیں تھی۔ میں پھر کہوں گی مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ آپ میری داستانِ الم سُن کر میرے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ آپ یہ داستانِ الم سُن لیں۔ شاید یہ سُنا سُنایا قصہ ہو۔ پھر بھی میرے لئے نہ سہی، شاید میری ہی طرح کے دوسرے لوگوں کے لئے کارآمد ہو۔ اگرچہ میرا واقعہ شاید بالکل منفرد نوعیت کا ہے۔ کوئی اور لڑکی ان حالات سے کیوں گزرنے لگی؟ مجھے اعتراف ہے کہ میں ۲۵ سال کی عمر میں ایک ایسی لڑکی تھی جو نئی نئی جوان ہوئی ہو اس عمر کو پہنچ کر میرے سینے میں آگ سی لگی۔

آپ حیرت نہ کریں کہ لوگ جس عمر کو عنفوانِ شباب کہتے ہیں پھر جو جوانی کی عمر ہوتی ہے میں اُس عمر میں جذباتی طور پر بالکل سرد اور نابالغ تھی۔ میرا دل پُرسکون تھا۔ اس میں چنگاری کا کوئی ذرہ نہ تھا۔ میری سہیلیاں جب بیس بیس سال کی عمر کو پہنچ کر ایسی ویسی باتیں کرنے لگتیں تو مجھے سخت حیرت ہوتی۔ حد یہ ہے کہ میں جب ۲۴ سال کی ہوئی تو بھی مجھے لفظ شوہر سے شدید نفرت ہوتی تھی۔ پہلے تو میری دنیا درسی کتابوں کی دنیا ہوتی تھی۔ اور جب میں نے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرلی۔ تو بھی میرے موضوعاتِ بحث وہی درس و مدرسہ تھے۔ میں بیشتر اپنے شاگردوں کے بارے میں سوچتی رہتی جیسے ان کے سوا اور کسی سے میرا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

لیکن عمر کی پچیسویں منزل میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دل میں برف کا جو پہاڑ کھڑا تھا وہ یکسر پگھل کر صاف ہوگیا ہے۔ صورتِ حال کی یہ تبدیلی کس طرح رونما ہوئی؟ وہ کون سے عوامل تھے جن کے زیرِ اثر میں اچانک اس طرح بدل گئی۔

اس سلسلے میں، اگر میں جانتی ہوں تو بس یہ جانتی ہوں کہ میری توجہ اپنے پچھلے مسائل سے رفتہ رفتہ ہٹتی گئی میں مردانہ مسکراہٹ کے معنی اور مفہوم کچھ کچھ سمجھنے لگی۔ اب سے پہلے ہر مرد کا چہرہ میری نظر میں ایک جن ایک دیو کا چہرہ ہوتا تھا۔ میں اس چہرے سے خوف کھاتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مرد کا سخت و درشت ہاتھ، عورت کی نرم و نازک گردن مروڑنے کے لئے ہے لیکن میرا یہ خیال آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا اور میں جیسے خود ہی اپنے آپ کو مرد و شکار کے لئے لے چلی۔ شاید آپ مجھے پاگل تصور کریں۔ لیکن مجھے کم و کاست بتانا چاہیئے کہ ایک ایسے جہاں گرد کی طرح جو مرآن

ایک نئے منظر کی تلاش و جستجو میں مارا مارا پھرتا ہو۔ عمر عزیز کی بے شمار گھڑیاں خیابانوں میں گزار دیں۔ ہائے میں اپنی پسند کا ایک مرد تلاش کرتی پھرتی تھی۔ بس ایک ہی مرد! اپنی پسند کا! یہ کام میرا ایک مستقل مشغلہ بن گیا تھا۔ میں اپنے اس کام میں بے حد سرگرم تھی لیکن خیاباں خیاباں ماری پھری اور میرے حصے میں کچھ بھی نہیں آیا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ وہ تو ایک نائٹ اسکول میں میرا منتظر تھا۔

وہاں لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم پاتی تھیں۔ لیکن سارے معلم مرد ہی نہیں تھے۔ وہ چار عورتیں بھی پڑھاتی تھیں۔ مجھے ان معلم عورتوں میں سے ایک اس اسکول میں لے گئی۔ یہ عورت اسکول کے زمانے میں میری کلاس فیلو تھی۔ میں اس نائٹ اسکول کے احاطے میں پہنچ کر اول کچھ وحشت سی محسوس کرنے لگی۔ لیکن آہستہ آہستہ وہاں کے ماحول سے مانوس ہوتی گئی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے یہ اسکول میرا دوسرا گھر ہو۔ میں اس اسکول کے ماحول میں آرام و راحت اور سکون محسوس کرنے لگی۔

تاہم مجھ میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پرپوش وہی پرپوش تھی۔ اپنی انہی نوخاستہ تمناؤں کے ساتھ، اپنی انہی تازہ آرزؤں کے ہمراہ جو ۲۵ سال کی عمر کو پہنچ کر میرے سینے میں پرورش پانے لگی تھیں۔

میں خیاباں خیاباں پھرنے سے باز آ گئی تھی۔ اس کی وجہ کسی حد تک اسکول کے مشاغل کا انہماک تھا مجھے اس اسکول میں پہنچ کر نہ جانے کیوں یہ محسوس ہوا تھا کہ اب خیابانوں کا چکر لگانا فضول ہے۔ ایک بات ضروری تھی۔ اسکول میں پڑھنے والے لڑکوں پر میری نظر محض ایک استانی کی نظر نہیں ہوتی تھی۔ مجھے ان لڑکوں میں بڑی دلکشی محسوس ہونے لگی۔ مجھے اور بھی اعتراف کرنا ہے۔ میں انہی لڑکوں کی طرف شدید طور پر کھنچنے لگی۔ ان لڑکوں کی نگاہیں صاعقہ بن بن کر میرے دل پر گرنے لگیں۔ اور آخر کار انہی جلتی نگاہوں والوں میں سے ایک کی نگاہوں کو میں نے اپنے خرمنِ دل کے لئے چن لیا۔

ان خوبصورت نگاہوں کا مالک اگرچہ ابھی بیس سال کی عمر سے بھی آگے نہ بڑھا تھا لیکن بے حد خوبصورت پُرکشش اور ایک جوان بالغ کی طرح تھا۔ مجھے اس کی نگاہوں میں بجلیاں سی کوندتی نظر آئیں۔ اس کی ہر حرکت پر میں نے اپنے دل میں فریفتگی سی محسوس کی۔ اس کی ہر بات جیسے مجھے دیوانہ بنانے کے لئے ہوتی تھی۔

ریاضیات کوئی ایسا شعبۂ علم نہیں جس کا معلم اس ایک بات کو بہ آسانی نہ جان لے کہ اس کے کسی شاگرد نے کس فارمولے کو سمجھ لیا اور کس نے نہیں سمجھا۔ اور میں سبق کے دوران خوبصورت لگا ہوں کے اس مالک کو جب دیکھتی تو یہ دیکھتی کہ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ سبق کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے جس بات نے مجھے اور بھی دیوانہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ میرا سبق وہ بآسانی سمجھ لیتا ہے مجھے اس خیال کے ساتھ ایک خوشی، ایک لذت سی محسوس ہوتی تھی۔

---

میں ایک پندرہ سال کی لڑکی کی طرح اس پر عاشق ہوئی۔ کسی روز مسکرا کر اسے متوجہ کر لیتی، کسی روز تحسین آمیز نگاہوں سے اسے ملتفت کر لیتی اور ہر روز تازہ آرائشوں کے ساتھ اس کے روبرو ہوتی۔ میرا انداز بالکل لڑکپن کا انداز ہو رہا تھا اگرچہ میں ایک معلمہ تھی۔

مجھے یہ سوچنے کی فرصت نہ تھی کہ میں آگ سے کھیل رہی ہوں اور سچ تو ہے کہ آگ سے کھیلنا اس وقت کچھ مشکل بھی نہ تھا واقعی جل جانا، میں جس خواب و خیال کی دنیا میں سرگرم سیر و سفر تھی، وہاں منطق کا کوئی گزر نہ تھا۔ عقل کے تار ٹوٹ چکے تھے اور انسانی سماج نے جو قیود و بند اپنے افراد پر عائد کئے ہیں مجھے ان کی کوئی پروا نہیں رہ گئی تھی۔ رسموں اور رواجوں کی حیثیت مکڑی کے جالے کی سی ہوتی جاتی تھی۔

آہ وہ زمانہ! سوز اور فراغت کا زمانہ تھا۔ دشواریاں بھی تھیں اور آسانیاں بھی تھیں، سکون بھی تھا اضطراب بھی تھا۔ ہر مشکل سخت مشکل تھی لیکن ہر گرہ بآسانی کھل جاتی تھی۔ ایک عجیب کیفیت تھی جو شب و روز مجھ پر طاری تھی اور اس کیفیت میں بھی ایک دلچسپ خلش، ایک دلچسپ لذت!

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں اس سے کس طرح ملی؟ کس طرح اس سے ہم کلام ہوئی؟ کہاں سے وہ جرأت مجھ میں پیدا ہوئی تھی؟ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے وہ ایک روز اسکول کے دفتر پہنچا۔ وہاں اُسے اہل دفتر سے کچھ کام تھا۔ اہل دفتر اس سے لیت و لعل کی پالیسی اختیار کئے ہوئے تھے میں بیچ میں واسطہ بن گئی۔ میں نے اسی روز محسوس کر لیا کہ وہ بھی میری طرف کشش رکھتا ہے۔

---

میں نے اسکول چھوڑ دیا تھا۔ اب میرے لئے ممکن نہیں رہ گیا تھا کہ میں اس کلاس میں جا سکوں جہاں ایک طالب علم میرا دل اپنی مٹھی میں دبائے بیٹھا تھا۔ میں نے اسکول اسی روز چھوڑا جس روز ہم دونوں طرف اعتراف عشق ہوا۔ بھلا میں اس اسکول میں کس طرح جاتی؟ میں اس اسکول میں جا کر اس کی نگاہوں کی تاب کیوں کر لا سکتی تھی؟

دن پاکیزہ چشمے کی سی روانی کے ساتھ گزرتے جاتے تھے اور ہم دونوں وقت کے دوش گزراں پر سوارِ شوق کی لامحدود تخیلی فضاؤں میں سیر کر رہے تھے۔

پڑھنے پڑھانے کا دور ہو گزرا۔ غم تنہائی کے دن جا چکے تھے۔ زندگی خوشی کا روپ دھار کر سامنے آ گئی۔ ہم نے قسمیں کھائیں۔ پیمانِ وفا باندھا۔ ایک دوسرے کو مدت العمر رفاقت کا یقین دلایا۔

وہ مجھ سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ اس نے ابھی کوئی شغل اختیار نہیں کیا تھا اسے مکتبِ زندگی میں ابھی کوئی درس کا تجربہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ شاید یونیورسٹی تک پہنچ سکے۔ وہ ایک بار کسی امتحان میں ناکام رہا تھا۔ اس ناکامی نے اس پر تازیانے کا کام کیا۔ وہ اپنے اسکول میں بڑا محنتی تھا۔ تاہم اس قدر کمسن طالب علم کے ساتھ جسے نہ کوئی تجربہ حاصل ہوا اور نہ جس کا مستقبل واضح ہو۔ زندگی گزارنے کا حوصلہ کرنا ایک خطرناک اقدام ضرور تھا۔ لیکن ان دنوں میرے ذہن میں اس طرح کے سوالات ہی نہیں تھے میں اس کے باوجود اس کی ہستی میں ڈوب گئی تھی۔ مجھے اس تصور سے لذت حاصل ہو رہی تھی۔ کہ ہم دونوں ایک جھونپڑی ہی میں سہی۔ ساتھ رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ بظاہر کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ہماری عمروں میں کوئی تفاوت ہے میں ۲۵ سال کی عمر میں بھی بالکل تر و تازہ گلاب کی پنکھڑی کی طرح تھی اور وہ ۲۰ سال کی عمر میں بھی مکمل مرد دکھائی دیتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان یہ مسئلہ کبھی زیر بحث نہیں آیا۔ البتہ یہ مسئلہ اس وقت زیر بحث آیا جب کچھ دوسرے لوگ ہمارے درمیان آ گئے۔

تب تک ہم دونوں کافی دن تک ایک دوسرے کے ساتھ گزار چکے تھے میں صاف صاف کیوں نہ بتا دوں۔ ہم دونوں ـــــ دور ـــــ بہت دور تک ـــــ وہاں تک جہاں تک جانے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ جا چکے تھے۔ یہی بات یہ ہے کہ ہم دو قالب یک جان بن چکے تھے۔

لیکن جیسے ہی دوسروں کا دخل درمعقولات ہوا ہماری خوش خیالیوں اور خوش فہمیوں کا ساغر چکنا چور ہو کر رہ گیا حقیقت کا گہرا اور کثیف رنگ ظاہر ہوا۔ میں اس سے شادی کرنے کی خواہش میں جل رہی تھی اور وہ دل و جان سے میری پرستش میں لگا ہوا تھا۔ ہم نے شادی کا پختہ ارادہ کر لیا۔

اس نے کہا: "میرا خیال ہے کہ ہم دوسروں سے دور ہی دور رہ کر شادی کر لیں ـــــ آخر دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل دیں ؟"

یہ اس کی مردانہ خود اعتمادی تھی بے شک وہ اس آسانی کے ساتھ کام کر سکتا تھا لیکن میں ایک عورت تھی۔ وہ خود اعتمادی کہاں سے لاتی ؟ میں یہ کام اس آسانی کے ساتھ کیسے کر لیتی ؟ میں سماج کے قید و بند کا لحاظ کرنے پر مجبور تھی۔ لہذا میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھ سے رشتے کے لئے باضابطہ آئے اور شادی کے بعد ہم سب سے الگ تھلگ اور دور رہ کر زندگی بسر کریں۔ ہم نے کتنے ہی دن اس مسئلے پر بحث و مباحثہ میں گزار دیے۔ آخر کار میری دلیلیں مان لی گئیں۔ اور اس نے طے کیا کہ وہ اپنے والدین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر کے انھیں میرے گھر بھیجے گا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چھوٹی سی جدائی، ایک بہت ہی طویل اور غم انگیز جدائی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

وہ دوسرے ہی دن میرے پاس آکر بولا :

"میرے والدین نے اس رشتے کی شدید مخالفت کی ہے۔"

یہ سن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"مجید ! تم کیا کہہ رہے ہو ؟ "

"ـــ ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے والدین کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے لئے ایک اور ہی لڑکی چن رکھی ہے۔"

وہ جس وقت اپنی صاف اور سچی آواز میں یہ واقعہ بیان کر رہا تھا۔ تقریبًا رو رہا تھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔ "کوئی بات نہیں مجید! تم مرد ہو، ہمت نہ ہارو۔ اس راہ میں موانع اور مشکلات

تو آتی ہیں۔ اچانک نا اُمید نہ ہو جاؤ اور نئے سرے سے کوشش کرو۔

مجید کی کوششیں ۳ ماہ تک جاری رہیں۔

دو تین ماہ تک لگاتار اس کوشش میں لگا رہا کہ اپنے والدین کے خیالات تبدیل کر سکے لیکن افسوس کہ کامیاب نہ ہو سکا اس نے ایک دن میرے پاس آکر کہا۔

"میں نے طے کر لیا ہے کہ میں تم سے ہی شادی کروں گا۔ پریوش! یہ بات اپنے والدین سے کہو۔ کیونکہ اگر میں اپنے والدین کو نظر انداز بھی کر دوں تو تمہارے والدین کی مرضی شرط ہے تم ان سے کہنا کہ یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔"

میں ایک ماہ بعد اس کے گھر میں تھی۔ اس شوہر کے گھر میں جس کے منہ سے ابھی دودھ کی بو آرہی تھی جس کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ جس نے کوئی کاروبار اختیار نہ کیا تھا جس کی کوئی آمدنی نہ تھی۔ لیکن ہر بن مو سے اسے محبوب رکھتی تھی۔ وہ ان دنوں پیسے بہت خرچ کر رہا تھا اور مجھے اس سلسلے میں سخت حیرت تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے یہ پیسے جمع کئے تھے۔ اور اب انہیں خرچ کر رہا تھا۔ لیکن جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ مجبوری کے عالم میں۔ اس نے اپنے باپ کے چیک پر جعلی دستخط کر کے بینک سے بتدریج ۱۲ ہزار نکال لئے ہیں۔

ایک دن اس کے باپ نے اس کی خودسری کا انتقام لے لیا۔

ہمارے گھر پولیس آدھمکی۔

اس کے باپ نے اپنے بیٹے کی گرفتاری کے لئے ہمارے گھر پولیس کو بھیج دیا۔ میں نہیں جانتی کہ اس کے باپ نے یا پولیس نے ہمارا گھر کس طرح دیکھ لیا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ پولیس جس وقت مجید کو لے جا رہی تھی میں اس وقت شدتِ غم و گریہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

تین دن کے بعد وہ قید سے رہا ہو کر میرے گھر آیا۔ اس کا رویہ بدلا ہوا تھا

وہ کچھ بہانے بھی کرتا جا رہا تھا۔ اور اس کی داد و فریاد بھی جاری تھی۔ مجھے جلد ہی معلوم ہوا کہ اس نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کیا ہے۔ اس نے چند روز بعد خود بھی اقرار کیا کہ وہ اپنے باپ ہی کی ضمانت پر جیل سے چھوٹ کر گھر لوٹا ہے۔ اس کے باپ نے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ جلد سے جلد مجھے چھوڑ دے گا ورنہ اسے دوبارہ گرفتار کرا دیا جائیگا۔

میں نے بہت سر مارا کہ ۲ ہزار کہیں سے بھی حاصل کر لوں اور اسے جیل اور باپ دونوں سے بچا لوں میں اس مقصد کے لئے پورے خاندان کی جیبیں جھانکتی پھری لیکن یہ رقم حاصل نہ کر سکی۔

---

آخر کار وہ دن کہ جب وہ اپنے باپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے پر مجبور ہوا۔ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا اور ایک طویل جدائی کا آغاز ہو گیا..... ہائے کس قدر غم انگیز تھا وہ وقت جب وہ مجھ سے جدا ہو رہا تھا۔

جدائی کا یہ زمانہ آج بھی قائم ہے۔

میں نے اپنے خاندان کے کسی فرد کو نہیں بتایا کہ وہ چلا گیا ہے — بس اپنے ویران گھر میں ایک سہاگن بن کر تنہا زندگی گزار رہی ہوں۔

تنہا — اور بے پناہ — !

اس کا — میری آخری امید ہے لیکن کس قدر بدنصیب ہے یہ لڑکا جس کی ماں تنہا اور غمگین ہے۔ اور جس کے سر پر باپ کا سایہ نہیں...... زندہ باپ کا یتیم بیٹا ہے۔!

میرے پاؤں میں جو بیڑی پڑی ہے یہ میں نے خود تیار کی اور خود پہنی ہے۔ ایک کمسن لڑکے سے عشق کرنا پھر اس کے ساتھ شادی کر لینا — یہ کام ایسا ہی تھا جس کا یہی کچھ ہونا تھا۔

میرے اس تجربے نے جو کچھ مجھے دیا وہ یہ ہے جو میں نوجوان لڑکیوں سے کہتی ہوں اول یہ کہ مردوں اور عورتوں کی ملی جلی تعلیم گو مردوں اور عورتوں دونوں پر اپنے اثرات چھوڑتی ہے لیکن تباہی بالآخر عورت کے حصے میں آتی ہے۔

دوسری نصیحت یہ کرتی ہوں کہ بالغ ہونے کے بعد اپنے گھر والوں کے مشورے سے جلد از جلد نکاح کے بندھن میں بندھ جائیں۔ وعدوں پر کسی نوجوان سے محبت کے پینگ بڑھانے میں تباہی بالآخر عورت ہی کے حصے میں آتی ہے۔ ★★★

## ۲

اس روز جب میں وینا سے ملنے گئی تو میری ملاقات اس گدھے سے ہو گئی۔ ہم سب سہیلیاں اس کو گدھا ہی کہا کرتی تھیں۔ میں اس کو وینا کے گھر کے دروازے سے نکلتے ہوئے دیکھ حیران رہ گئی مگر اس سے زیادہ اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس نے مجھے پہچان لیا تھا اور یہ کہہ کر وہ تیزی سے گھر سے نکل گیا۔ اب اس بے غیرت گدھے کے گھر سے کیا لینے آئی ہو؟

میں حیرت اور رنج کی ملی جلی کیفیت میں ڈوبی آگے بڑھی۔ سامنے ہی برآمدے میں وینا نظر آ گئی میں اس کے گلے سے جا لگی اور وہ میرے گلے سے لگتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی جیسے مدتوں بعد کوئی غمگسار نظر آ گیا ہو، وینا میری کالج سے سہیلی تھی اور شرارتوں میں سب سے تیز۔ کالج میں تو ہمارے گروپ کی شرارتوں کا جواب ہی نہ تھا۔ ہم سب نہلے پہ دہلا تھیں۔ کالج لائف کو ہم سب ویسے بھی صرف لائف انجوائے اور طوفان بدتمیزی ہی سمجھتے تھے۔ حالانکہ ہماری شرارتوں کا مقصد کسی کو ضرر پہنچانا نہ تھا مگر ہمیں علم نہ تھا کہ ہماری شرارتیں یوں عمر بھر ہمیں تڑپائیں گی۔ اگرچہ ہم سب سہیلیاں بہت خوش شکل اور خوش لباس تھیں مگر وینا جو فائنل ایئر کی طالبہ تھی ہم سب میں خوش شکل تھی وہ سب سے زیادہ تیز طرار تھی۔ اس لئے ہم اکثر اس کی پیروی کرتے تھے۔

یہ اس روز کا ذکر ہے جب ہم لوگ دسمبر ٹیسٹ کا آخری پرچہ دے کر چھٹیوں کی خوشی میں مست لاہور کالج سے نکلے اور آہستہ آہستہ ایل، او، ایس کی جانب چل پڑے کیونکہ یہاں پہنچ کر سب لڑکیاں اپنے اپنے روٹ کی بس لیا کرتی تھیں۔ روزمرہ کی طرح ہم فٹ پاتھ پر چلے جا رہے تھے یکایک ہمیں احساس ہوا کہ ایک نوجوان

بڑی ڈیسنگ نہ صرف ہمارے قدم بہ قدم چل رہا ہے بلکہ ہماری باتوں پر زیرلب مسکرا بھی رہا ہے اس پہ ہم سب جل بھن گئیں کہ خواہ مخواہ ہی لفٹ لئے چلا جا رہا ہے پہلے ہم نے بڑے مہذب انداز میں اس کو ڈانٹا مگر وہ بھی کسی ڈھیٹ ہڈی کا بنا ہوا تھا مسلسل ساتھ چلتا رہا اور بے وقوفوں کی طرح ہنستا رہا۔ اب ہم نے اس کے منہ لگنے کی بجائے فلڈ وارننگ سینٹر کی جانب کھڑا ہونا پسند کر لیا۔ کیونکہ یہاں ہر کام کرنے والا عملہ موجود رہتا ہے خیال تھا کم بخت اب پیچھا چھوڑ دے گا۔ مگر وہ بھی اللہ کا بندہ ایل۔ ایم۔ سی کے اسٹاپ پر رک کر ہمارے چلنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہم نے آہستہ آہستہ بغیر اس کی طرف توجہ کئے چلنا شروع کر دیا مگر وہ تب بھی دو قدم ساتھ کبھی آگے کبھی پیچھے چلتا رہا۔ یہاں تک تو ہم نے کہیں بھی بے صبری کا مظاہرہ نہ کیا مگر اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ ابھی ہم کچھ کرنے کے موڈ میں ہی تھے کہ اچانک سڑک کی دوسری جانب سے ایک گدھا سڑک پر بے تحاشا دوڑنے لگا اچانک وینا کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "دیکھو شاہینہ ایک گدھا تو بھاگ گیا اور ایک گدھا رہ گیا۔" ہم نے یہ سنتے ہی فلک شگاف قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ اچانک وہ تلملا کر پیچھے پلٹا اور خونخوار نگاہوں سے وینا کو گھورتے ہوئے بولا: محترمہ آپ کو میں نے پسند کر لیا ہے اب تو بیوی بنا کر ہی دم لوں گا" اگر وہ ہمیں گالیاں بھی دے لیتا تو ہمیں حیرت نہ ہوتی جتنی اس کی یہ بات سن کر ہوئی وینا تو ایک دم زرد ہو گئی مگر میں نے ایک دم تیز ہوتے ہوئے کہا: بے غیرت ہیں آپ جو سڑکوں پر لڑکیاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ یہاں سے وہ لڑکا نجانے کس سمت کو چلا گیا۔

ہم نے جلدی جلدی بس پکڑی اور گھر کی راہ لی۔ خوف کے مارے کسی سے ذکر بھی نہ کیا پھر روزمرہ کے کاموں میں ذہن سے یہ نوجوان بھی نکل گیا۔ ہم لوگ انٹر کے امتحان میں لگے رہے اور وینا نے بی اے بھی کر لیا۔ انٹر کے رزلٹ کے بعد مجھے وینا کا خیال آیا تو میں اس کے گھر آئی پتہ چلا کہ اس کی تو شادی ہو گئی ہے میں نے اس کی امی سے اس کا پتہ لیا اور اس کے گھر جا پہنچی۔

اس کو دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ گلے لگی تو رو پڑی۔ یہ پہلے والی وینا کہاں کھو گئی تھی جب کریدا تو اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اس نے مجھے بتایا۔ شاہینہ میں تو جلد ہی اس نوجوان کو بھول گئی تھی جس کو

ہم نے گدھا کہا تھا مگر وہ ہمیں نہ بھلا سکا۔ جب کوئی رشتہ آتا امی ٹال جاتی تھیں مگر ایک دن ہماری پہلی بوا امی سے چپکے چپکے کھسر پھسر کرنے لگیں چند دن کے اندر اندر عورتیں بھی آ گئیں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کم از کم لڑکے کی تصویر ہی مجھے دکھا دی جائے مگر امی نے کچھ نہ سنا بس مجھے ڈانٹ دیا کہ ماں باپ اچھا ہی کرتے ہیں۔ دیکھ بھال لیا ہے۔ آٹھ روز کے اندر اندر رشتہ طے ہوا اور بڑے ارمانوں سے شادی بھی ہو گئی۔

گھونگھٹ اٹھاتے ہی صاحب بولے: "تم مردہ گدھا تو بھاگ گیا مگر یہ گدھا تو اب ساری عمر پیچھا نہ چھوڑے گا۔" میں نے بوکھلا کر نگاہیں اوپر اٹھا دیں وہی وحشتناک آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اب میں قید ہو چکی تھی۔ تمام راستے مسدود تھے میں اس کی قانونی اور شرعی بیوی تھی۔ اب صرف وہ ہے اس کے ظلم و ستم، شراب اور طوائف ۔ طلاق بھی نہیں لے سکتی کہ ماں کے اور بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔ اب آخری ستم یہ کیا ہے کہ دوسری شادی بھی کر لی ہے۔ مجھے کہتا ہے کہ آج میری شادی ہوئی ہے تم سے تو صرف بدلہ لینا تھا۔ اگر اس گدھے کی مالکہ کی نوکری منظور ہے تو رہو ورنہ طلاق لے لو۔ ظلم کی انتہا ہو گئی مگر طلاق لینے کا اب تک حوصلہ نہیں ہے تم ہی بتاؤ اب کیا کروں۔ کیا طلاق لے لوں یا یونہی زندگی گزارے جاؤں وینا رو رہی تھی۔ اور میں خاموش تھی سوچ رہی تھی کیا کہوں اس کو کیا جواب دوں۔ بہت سوچا پھر بھی اس کو یہ مشورہ نہ دے سکی کہ ہاں لے لو طلاق ۔ میں نے کہا بھی تو بس اتنا، وینا مت روؤ، وینا صبر کرو۔ یہ الفاظ کتنے فرسودہ اور گھسے پٹے ہیں۔ جن کو ہزاروں بار عورتیں سن چکی ہیں۔ پھر بھی سننے پر مجبور ہیں۔" (ش۔م)

۳

میناکشی نے نیٹو کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا سارا جسم جھنجھنا اُٹھا، جیسے اس نے انجانے میں بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو۔ اس کا لختِ جگر نیٹو، بخار سے بُری طرح تپ رہا تھا جب بخار کی شدت بڑھتی تو وہ بستر سے اُچھل اُچھل جاتا جیسے کسی بھیانک خواب سے ڈر گیا ہو اور جب ایسی سہمی سہمی سی کیفیت میں اپنی ننھی معصوم آنکھیں کھول دیتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی نامراد دن کے اُجالوں میں اپنے فردوسی خوابوں کی تعبیریں ڈھونڈ رہا ہو۔

" سو جا میرے چاند سو جا، ابھی تیرے پاپا نہیں آئے۔" میناکشی نے اپنی ساڑی کے آنچل سے اپنی بھیگی بھیگی پلکوں کو پونچھتے ہوئے اپنے چاند سے بیٹے کا ماتھا چوم لیا۔ نیٹو، کو اسی طرح زندگی اور موت کی سنگلاخ وادیوں میں بھٹکتے ہوئے ایک ہفتہ بیت گیا تھا۔ جب جب اسے ہوش آتا وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے گرد و پیش دیکھتا اور حسرت بھری آواز میں اپنے پاپا کو پکارتا۔ میناکشی ہر آہٹ پر چونک چونک جاتی۔ بھاگ دوڑ کر دروازہ کھولتی لیکن گھر میں بادل بھارتی کے بدلے مایوسیاں داخل ہو جاتیں۔ اور رات گئے نراشاؤں کی سیاہ چادر تان کر وہ ابھاگے سو جاتے۔

بادل بھارتی کو گھر سے گئے پورا ایک ہفتہ بیت گیا تھا۔ پٹنہ اور رانچی [illegible] کے بعد [illegible] ہونے کے لئے چلا گیا تھا کئی مہینوں سے وہ [illegible] کے بعد [illegible] سنہرے خوابوں کا [illegible] تھا [illegible]

سبب تھی رینا۔ جس نے میناکشی کی زندگی کا سارا عیش و آرام چھین لیا تھا۔ اس نے یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے گھر بے تکلفی سے آنے والی ریسرچ اسکالر رینا اس کی زندگی کا سارا سکون درہم برہم کر دے گی اور جب اس نے یہ سنا تھا کہ بادل بھارتی رینا میں غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یکایک زلزلہ آ گیا ہو۔ اس کا سارا جسم دہل گیا انگ انگ ٹوٹ گیا اور روم روم کانپ اٹھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ دو جوان لڑکیوں اور ایک ننھے منے بچے کا باپ عمر کی اس منزل میں جہاں سنجیدگی متانت اور وقار شخصیت کے لازمی جزو ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کرے گا کہ اس کی زندگی جیٹھ کی کڑی دھوپ بن کر رہ جائے گی۔

ڈاکٹر بادل بھارتی نیشنل کالج میں شعبۂ اردو کا صدر اور ملک کا ایک مشہور شاعر تھا اور اس نے بہت ہی قلیل عرصے میں رینا کو بھی بحیثیت شاعرہ شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیا تھا لیکن میناکشی ان ساری باتوں سے بے حد افسردہ تھی۔ اور افسردہ ہونے کی بات بھی تھی۔ اس کا شوہر اپنا زیادہ وقت رینا ہی کے ساتھ گزارتا تھا اور جب ایک دن اسے یہ معلوم ہوا کہ بادل نے رینا سے شادی بھی کر لی ہے تو میناکشی کے پیروں تلے کی زمین کھسک گئی۔ اور وہ سر پکڑ کر اپنے گھر کے آنگن میں اس طرح بیٹھ گئی جیسے کسی نے محنت کش کسان کے بھرے پُرے کھلیان میں آگ لگا دی ہو۔ کئی دن تک اس نے بادل سے کوئی بات نہیں کی بس چپ چپ سی رہی اور اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہی۔ لیکن ایک دن جب ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تو اس نے اپنے شوہر سے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ ۔ یہ پوچھتے ہی میناکشی کی آواز میں زمانہ بھر کا درد سمٹ آیا تھا۔

"میناکشی! میں تم سے بہت شرمندہ ہوں"۔ بادل بھارتی کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

"میں سمجھ رہی تھی کہ آپ اپنی لڑکیوں کے لئے رشتے کی تلاش میں ہوں گے لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی لڑکیوں سے زیادہ خود اپنی فکر تھی!۔ کیا یہی آپ کی صلاحیت و شرافت کا تقاضہ تھا؟" اس کی آواز میں بے حد درد تھا۔ کرب تھا۔ بس۔۔۔بس۔۔۔ میناکشی مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو" بھارتی

یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اور بچوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔" بادل کے لہجے میں معذرت بھی تھی، اور یقین کی مٹھاس بھی!

"لیکن آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ رینا آپ کی اسٹوڈینٹ رہ چکی ہے" مینا کشی مشرقی تہذیب کی دلدادہ تھی

"مینا کشی! میں کچھ مجبور سا ہو گیا تھا" اس سے شادی کئے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا" بادل کی آواز میں گندے برساتی نالوں کا شور تھا۔

"تمہیں اپنی طالبہ سے جذباتی تعلق قائم کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ تم کالج کے ایک ذمہ دار فرد ہو اور تین بچوں کے باپ ہو؟ کیا اب کسی لڑکی کا باپ کسی ٹیچر پر یقین کر سکے گا۔" مینا کشی کے دل میں جذبات کا جوالا مکھی پھٹ پڑا تھا۔ آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی تھی!

"مینا کشی! میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ بس اب کچھ اور نہ کہو" بادل سراپا معذرت کی تصویر بن گیا تھا۔ لیکن یہ معذرت اور شرمندگی کے احساسات سب وقتی تھے۔ عارضی تھے۔ وقت آگے بڑھا اور بادل کی گھر سے بے پروائی بھی روز بروز آگے بڑھتی گئی۔ مینا کشی اپنی زندگی کے تپتے سلگتے ریگ زاروں میں ننگے پاؤں چلتی رہی۔ قدم قدم پر سورج کی جھلسا دینے والی تپش تھی۔ گرم ریت تھی۔ بے سایہ شجر تھے ٹھوکریں تھیں۔ مسائل کی کڑی دھوپ تھی۔ اور گوناگوں مصائب کی بھیانک آندھیاں تھیں۔ لیکن وہ اکیلی اپنے بچوں کی انگلیاں تھامے کشاں کشاں ان دیکھی منزل کی طرف بڑھتی رہی۔ اسے یقین تھا کہ ایک دن اماوس کے گہرے اندھیرے چھٹیں گے۔ اور رجاؤں کی دودھیا چاندنی اسے نئی زندگی عطا کرے گی۔

سورج کی ہر سنہلی کرن مینا کشی کے دل میں آشاؤں کے دیپ روشن کر دیتی ۔۔۔ وہ اپنے بچوں کو یقین دلاتی کہ آج تمہارے پاپا ضرور آئیں گے! کبھی وہ کہتی "نیتو" تمہارے پاپا تمہارے لئے اچھے اچھے کھلونے لائیں گے۔ مزے دار لطیفوں اور نظموں کی کتابیں لائیں گے اور ساری ٹافیاں تم ہی کو دیں گے۔ کہنے کو وہ یہ سب کچھ کہہ دیتی۔ لیکن نہ جانے کیوں مینا کشی کی پلکیں بھیگ جاتی تھیں؟ دکھ بھرے حالات نے مینا کشی کو اتنی بے رحمی کے ساتھ کچھ اندر سے توڑ دیا تھا کہ کبھی کبھی اسے شک ہوتا کہ اگر کوئی اسے ہلکے سے

کچھ بھی دے گا تو وہ مرجھائے ہوئے پھول کی پتیوں کی طرح بکھر جائے گی۔ ان حالات میں نیٹو ہی میناکشی کے مستقبل کا ایک سہارا تھا۔ زندگی کے صحرا میں ٹمٹماتا ہوا ایک چراغ تھا۔ وہ اپنے شوہر کی طرف سے ناامید ہو چکی تھی۔ وہ اکثر اپنے اسی چاند کی آنکھوں میں جھانک کر اپنے خوابوں کی تعبیریں دیکھا کرتی تھی لیکن اولتے بدلتے حالات کی دھول نے میناکشی کے چہرے کو اتنا مسخ کر دیا تھا کہ جب کبھی وہ خود کو آئینے میں دیکھتی تو سہم جاتی۔ وہ بیوی کہ جو کبھی اپنے شوہر کے سواگت کے لئے سرِ شام انتظار کی شمعیں جلائے راہ دیکھا کرتی تھی۔ اب اس کے آنے پر وہ محسوس کرتی، جیسے اس کی جوان گرم رگوں میں برف گھل گئی ہو۔ میناکشی سب کچھ سہہ سکتی تھی۔ لیکن اسے یہ ہرگز برداشت نہ تھا کہ بچے بیمار ہوں اور دوا سے محروم رہیں۔ لیکن میناکشی کر بھی کیا سکتی تھی ؟ وہ تو اس مسافر کی طرح تھی جو دوراہے پر اکیلا کھڑا ہو، جس کا نہ کوئی رفیقِ سفر ہو اور نہ رہبر۔ !

میناکشی نے ایک بار پھر نیٹو کے ماتھے کو چھوا، وہ بخار سے بُری طرح تپ رہا تھا اور رہ رہ کر اپنے پاپا کو پکارتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس سپاہی کی طرح نور جگمگا رہا تھا جو محاذِ جنگ پر موت کی للکار پر کھڑے ہو کر بھی جیت کے سپنے دیکھا کرتا ہے میناکشی کو یقین تھا کہ ایک دن اس کی بھی جیت ہو گی اور صبح کا بھولا شام کو ضرور گھر لوٹے گا۔ جب اس کا شوہر بادل بھارتی شام کے دلنواز سرمئی دھندلکوں میں گھر واپس آئے گا تو نیٹو کو نئی زندگی مل جائے گی۔ اس کے گھر میں بہار ناچ اٹھے گی۔

ایک دن غیر متوقع طور پر رات کو گیارہ بجے بازو والی بہن چندر لتا نے آ کر میناکشی کو بتایا کہ بادل اسی بلڈنگ کی چوتھی منزل پر اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھا شعر و شاعری میں مصروف ہے تو میناکشی اس خبر سے مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی۔ وہ جلدی سے اُٹھی اور اس نے بھرپور ممتا کے ساتھ اپنے جگر کے ٹکڑے نیٹو کا ماتھا چوم لیا۔ اس کی نس نس میں ایک خوشگوار سی شیتل لہر دوڑ گئی وہ نیٹو کے کمزور کندھوں کو ہلا کر بولی: "نیٹو...... ! میرے چاند ! اُٹھو تمہارے پاپا آ گئے ! اب تم اچھے ہو جاؤ گے۔"

نیٹو نے اپنی پلکوں کی جھالر اُٹھائی۔ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر مسکان کی انگنت لکیریں

ابھر آئیں۔ اس نے اپنے پاپا کے استقبال کے لئے اپنی ریشمی پلکوں کی چادر بچھا دی اور جلدی سے مینا کشی چوتھی منزل پر پہنچ گئی۔ لیکن وہ وہاں جاکر دم بخود سی رہ گئی۔ بادل بھارتی اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شراب و کباب کی محفل گرم تھی۔ مینا کشی خلاف اُمید یہ دل خراش منظر دیکھ کر پاگل سی ہوگئی۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ ایک دن اس کا شوہر اتنا گر جائے گا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی۔ اس کا سارا جسم غصے سے کانپنے لگا۔ یکایک بادل کی نشیلی آنکھیں مینا کشی کی پاکیزہ نگاہوں سے ٹکرائیں اور یکبارگی اس کی زبان سے سہمی ہوئی آواز نکلی "می ــ نا ــ کشی!" لیکن مینا کشی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اور غصے میں پیچ و تاب کھاتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آگئی جہاں نیتو پلکیں بچھائے اپنے پاپا کی راہ تک رہا تھا۔ مینا کشی نے ایک سسکی لیتے ہوئے کہا "میرے چاند سو جا ــــ تیرے پاپا ابھی نہیں آتے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے چاند کا نورانی ماتھا چوم لیا۔ اس کا ماتھا کبھی کا ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا ـــــ!!

مینا کشی نے دیوانگی کے عالم میں اس کے جسم کو جھنجھوڑ ڈالا۔ لیکن اس کا سر ایک طرف لڑھک گیا یکایک مینا کشی نے اپنا سینہ پیٹ لیا، بال نوچ لئے اور چیخ مار کر فرش پر گر پڑی کہ اس کی آشاؤں کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا تھا ـــ"

کچھ دیر بعد اس کے دروازے پر دستک ہوئی، اس نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا جہاں بادل بھارتی حسب عادت شرم اور معذرت کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے شراب کی تیز بدبو آرہی تھی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔ لیکن مینا کشی نے یہ کہتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔

"ایک شرابی کے لئے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔"

(سید عبدالغفار۔ بیجاپور)

# اوراب

# مجھے گانے سے نفرت ہے

مکرمی و معزز مائل خیرآبادی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ زندگی کے آخری مہینے تک "حجاب" شمارہ پر آپ کا نام دیکھوں اور آپ کی قلمی تحریریں پڑھتا رہوں۔

خدا نے آپ کی دعا سن لی اور آپ کا قیاس غلط ہو گیا۔ بشیر الزماں صاحب۔ یہ وہی شخص ہیں جنھوں نے جماعت سے جڑنے میں میری مدد کی ورنہ میں بیجاپور شہر کا ایک گویا (سنگیت کار) تھا۔ کرناٹک کے بہت سے شہروں میں پروگرام کر چکا اور مہاراشٹر کے تھیٹروں میں بھی۔ ہر جگہ تعاریف ہوتی۔ ہندو لوگوں سے زیادہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ وہ لوگ میری بہت عزت کرتے تھے۔ مجھے گاتے سنتے تو روپیوں کی برسات شروع کرتے اور سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہو جاتے۔ شراب، سگریٹ، بدمعاشی میرے ساتھیوں میں عام تھی لیکن میں اپنی آواز خراب ہوگی یہ سمجھ کر کبھی اسے پھٹک کر بھی نہ دیکھا اور میرے ساتھی میری آواز کی بہت قدر کرتے تھے وہ بھی کبھی مجھے مجبور نہ کرتے تھے۔

میرے والدین اردو پرائمری اسکول کے ٹیچر ہیں۔ ہمارا تبادلہ بیجاپور کو ہوا۔ یہاں ہماری ذاتی جگہ تھی۔ اب یہاں ہمارا گھر ہے۔ یہی کوئی ۲½ سال ہوئے۔ محلے میں میں نیا تھا۔ B.S.C. III کا طالب علم تھا۔ یہاں بھی بہت سے پروگرام دیے۔ کالج سنگر کا ایوارڈ بھی ملا۔ لڑکیاں میری آواز کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ لیکن مجھے اپنی

آواز کی حفاظت کا خیال آتا۔ کالج کی فیس مجھے معاف کردی گئی تھی۔ B.S.C کے بعد میں بنگلور کے ایک ہوٹل میں گاتا رہا۔ منہ سے خون گرنے کی وجہ سے بیجاپور واپس لوٹ آیا۔ مجھے پہلے سے ہی اسلام سے نفرت تھی۔ نماز کبھی پڑھتا نہ تھا۔ میری والدہ نماز کی پابند۔ بار بار کہتی تھیں کہ سنگیت حرام چیز ہے۔ میں بے قرار تھا۔ بات بات پر جھگڑتا بھاگ جانے کی دھمکی دیتا تھا۔ میرے کچھ ساتھی تبلیغی جماعت کے ساتھ جاکر آئے۔ ارے گانا بجانا حرام ہے۔ ہم نے چھوڑ دیا۔ کہتے پھر میرے ساتھ گانے آتے۔ اُن کے اصلی لوگ جو داڑھی اور جُبّے میں تھے۔ مجھ سے دوستی کی اور مجھے نکلنے کے لئے کہنے لگے میں نے صاف انکار کیا۔ کسی نے کہا کہ دیکھو میں دکان چھوڑ کر ہم روز کے لئے ساتھ دوں گا۔ کسی نے کہا کہ میں تمہارے اخراجات سنبھالوں گا۔ گھر آیا تو کچھ کانا پھوسی سنی۔ ابا کہہ رہے تھے کہ میں نے غفار کے سدھارنے کے سارے بندوبست کر رکھے ہیں۔ میں نے مولانا صاحب کو پیسے بھی دیے۔ میرے دماغ میں آگ سی لگ گئی۔ کچھ روز گزرنے کے بعد بشیر الزماں سے ایک دوست نے مجھے ملوایا اور میں نے اپنا تعارف کرایا۔ یہ سب جانتے تھے البتہ انھوں نے مجھے کچھ کتابیں دیں اور پڑھنے کو کہا۔ میں نے پوچھا کس کے متعلق ہیں۔ انھوں نے کہا کہ "انسانیت" میں نے کتاب کھولی۔ دیکھا۔ جماعت اسلامی" مجھے چکر آنے لگا۔ کتابیں گھر لے کر آیا۔ نئی دوستی تھی اس لئے اُن کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا اور کتابیں پھینک دیں۔ گالیاں بکیں کہ یہ حضورؐ کے دشمن مودودی کو ماننے والا۔ میں نے دوسروں سے سنا تھا۔ کتابیں جمع کرتی ہوئی میری ماں نے کہا کہ کیا تو نے کبھی ان کتابوں کو پڑھا بھی ہے۔ کیا غلطی ہے مجھے بھی تو پڑھ کر سناؤ۔ بیٹا۔ میں ماں کو کتابیں جمع کرتے ہوئے اور پیار سے کہتے سنکر لرز گیا اور ہم دونوں میں ان بن رہتی تھی۔ کبھی کھانے کے برتن سے اٹھنا پڑتا تھا کبھی

تھالی پھینک کر نکل جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ اچھا ابھی غلطی پڑھ کر سناتا ہوں۔ پڑھنا شروع کیا۔ خطبات" حصہ اول" لیکن میں خود ڈوب گیا اور اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کسی مولوی کی یا پنڈت کی پگڑی اُچھالتے مجھے مزا آتا تھا۔ کیوں کہ میں سوائے اسلام کے تمام مذہبی کتابوں کو پڑھا ہوں۔ جس میں سنگیت سیکھنے والے کو خدا اوتار کہا گیا ہے۔" جب کوئی مولوی راماین مہا بھارت کے مطابق کچھ غلط ہے کہتا تو میں کہتا کہ کیا آپ نے پڑھی ہے۔ میں کتاب سامنے رکھتا اور کہتا کہ صفحہ نمبر ۵ پر کیا ہے۔ ۱۲ پر کیا ہے صفحہ ۱۱۵ پر کیا ہے۔ تو وہ لاجواب ہو جاتا۔ میرے دوست ہنستے اور ایک مذاق کا پہلو بن جاتا۔ میری ماں نے کہا کہ کیا تو نے ان کتابوں کو پڑھا ہے تو میں لاجواب رہ گیا اور سوچتا تھا کہ کاش کوئی اور مجھ سے پوچھتا تو میری بھی مولوی کی طرح عزت نیلام ہو جاتی۔ میں کتابیں خریدتا گیا۔ پڑھتا گیا۔ اور آج میرے مکتبہ میں زیادہ تعداد میں جماعت کی کتابیں ہیں۔ جماعت کا امیدوار رکن ہوں۔ تنظیم طلبہ اسلامی کا صدر ہو۔ میری عمر یہی کوئی ۲۴ سال ہے۔ بشیر الزماں صاحب میرے بہت اچھے رفیق دوست ہیں۔ ہماری دوستی بیجاپور والوں کے لیے مثالی ہے۔ ہمیں کچھ لوگ کرانتی کاری بھی ..... ہماری دوستی خدا کی نسبت پر ہے اور ایسی دوستی ہی حقیقی ہوتی ہے۔ حجاب میری امی کے اسکول کے لیے ہے جہاں پر آپا جان رہتی ہیں۔ اگلی مرتبہ حجاب کی دس کاپیاں بھیج دیں۔ میرے مکتبہ کے لیے دوسری کتابوں کی فہرست بھیج دیں۔ میں فروخت بھی کرتا ہوں۔ محمود قاضی صاحب جو حجاب کے خریدار تھے۔ وہ ایجنسی لینے کے لئے کہہ رہے تھے لیکن میں نے بشیر الزماں کو دینے کے لئے کہا۔ اُن کی کتابیں بشیر الزماں لے رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اپنے نام دس کاپیاں منگواتے ہیں۔ مائل صاحب آپ وقت نکال کر ایک مرتبہ بیجاپور تشریف لائیں۔ آپ کی راہوں میں آنکھیں بچھاؤں گا۔ والسلام۔

شمس الدین احمد بلند شہر

ایمان لانے کے بعد مسلمان پر سب سے پہلا فرض نماز ہے۔ خدا کا فرمان ہے۔
اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ "نماز کو قائم کرو" قرآن اور احادیث میں جہاں بھی نماز کا ذکر آیا ہے
وہاں پر اقیموا الصلٰوۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ قرآن میں اَقِیْمُوا
الصَّلٰوۃَ کی جگہ اِقْرَءُ الصَّلٰوۃَ (نماز پڑھو) بھی وحی کر سکتا تھا مگر ایسا نہیں ہے تو اب
ہم دیکھیں کہ نماز قائم کرنے اور پڑھنے میں کیا فرق ہے۔

نماز قائم کرنے کا مطلب ہے کہ ہم نماز کی تعلیمات کو نماز میں اور مسجد سے باہر
کی زندگی میں بھی عملاً نافذ کریں۔ اسی طرح جس طرح اللہ کے رسولؐ نے ہم کو حکم دیا
ہے۔ صاف ستھرے، سنجیدہ مہذب اور سلیقے کے کپڑے پہن کر نماز ادا کریں۔ قرآن
مجید میں ہے: یٰبَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ!
اے آدم کے بیٹو۔ ہر نماز کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ ہو جانا

نماز باقاعدہ مسجد میں بجماعت ادا ہو۔ مقررہ وقت پر منظم طریقے سے اور خشوع
خضوع سے ادا ہونے والی نماز ہی کو دراصل نماز قائم کرنا کہتے ہیں۔ وقت کی پابندی
کے متعلق حکم ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا o

(ترجمہ) "مومنوں پر وقت کی پابندی سے نماز فرض کی گئی ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ! خدا کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپؐ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ اور نبیؐ نے یہ بھی فرمایا "خدا نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس شخص نے ان نمازوں کو ان کے مقررہ وقت پر اچھی طرح وضو کر کے خشوع و خضوع سے ادا کیا تو خدا پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کا یہ حق دے اور اس کو بخش دے۔ اور جس نے ان نمازوں میں کوتاہی کی تو خدا پر اس کی مغفرت و نجات کی کوئی ذمہ داری نہیں چاہے بخش دے چاہے عذاب دے۔" (مالک)

نماز کے باہر بھی نماز کا حق ادا کیجئے اور پوری زندگی کو نماز کا آئینہ بنا لیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انتہائی اثر انگیز تمثیل میں فرمایا۔ آپؐ نے ایک سوکھی ٹہنی کو زور زور سے ہلایا۔ ٹہنی میں لگے پتے ہلانے سے جھڑ گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والوں کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس سوکھی ٹہنی کے پتے جھڑ گئے۔

غافلوں اور لاپرواہوں کی طرح جلدی جلدی نماز پڑھ کر سر سے بوجھ نہ اتاریئے بلکہ حضور قلب سے خدا کو یاد کیجئے اور دل و دماغ احساسات، جذبات اور افکار و خیالات ہر چیز سے پوری طرح خدا کی طرف رجوع ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھیئے نماز وہی نماز ہے جس میں خدا کی یاد ہو۔ منافقوں کی نماز خدا کی یاد سے خالی ہوتی ہے۔ ع　میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لیے نمازی

(اقبال)
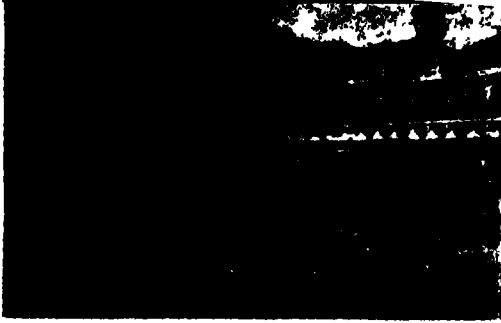
# سویڈن میں شادی کی رسمیں

بُلوغ بہت بزرگی اور وجاہت کا لفظ ہے۔ سویڈن کے نوجوان جب چودہ یا پندرہ برس کے ہو جاتے ہیں تو اپنے آپ کو بالغ سمجھنے لگتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے ہونے والے شریکِ حیات کے ساتھ کچھ عرصہ نہیں گزار لیتے شادی کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاتے۔ سویڈن میں عشق اور شادی دو جُدا اگانہ چیزیں ہیں۔

سویڈن میں لوگ شادی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس لئے وہ اس بات کو صرف مردوں ہی پر نہیں چھوڑ دیتے۔ لڑکیاں جب پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر تک پہونچتی ہیں تو نوجوانوں سے ملنا جُلنا شروع کر دیتی ہیں۔ جب کوئی نوجوان ان کے علاقے میں وارد ہوتا ہے تو بڑے فخر اور رعونت سے اس سے پوچھتی ہیں۔

"کیا تم آزاد ہو؟" وہ بے جھجک شادی کا لفظ زبان پر لے آتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "کیا ہم اسکولوں اور کالجوں میں ان کے ساتھ نہیں پڑھتی رہی ہیں؟" اور ان کے ساتھ جوان نہیں ہوئی ہیں؟" — نہ صرف یہ بلکہ ہمارے اساتذہ بھی کلاس میں بتایا کرتے تھے کہ عورت اور مرد کے حقوق برابر ہیں۔ جب قانون اور دیگر نظریات میں ان حقوق کی برابری کا خیال رکھا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ شادی جیسے اہم مسئلے میں ان کو فراموش کر دیا جائے۔"

لڑکیاں ہمیشہ اس بات کی منتظر رہتی ہیں کہ لڑکے ان کے ساتھ شادی کی بات چیت میں پہل کریں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ہم گیارہ سال یا اس سے کچھ زیادہ عمر میں شادی اور عشق کے مسائل سے

واقف ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہم ہر دوسرے شخص کی نسبت اپنی شادی اور ہونے والے شریک حیات کے متعلق اچھی طرح اظہار کر سکتی ہیں۔

ایک سویڈی لڑکی کا یہ نظریہ ہے کہ شادی کے کام میں پہل کرنا آنے والی نسلوں کو تباہی سے بچانا ہی نہیں ہے بلکہ اس بات کی بھی علامت ہے کہ سویڈی لڑکیوں کو اپنے آپ پر فخر ہے کہ وہ عقل و شعور میں خود کو لڑکوں سے کم نہیں سمجھتیں۔ اس لحاظ سے سویڈی لڑکی امریکی لڑکی کی طرح نہیں ہے وہ شادی کے بعد بھی مادی زندگی میں اپنے خاوند کے ساتھ برابری کا احساس رکھتی ہے اس لئے وہ اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ اقتصادی معاملات میں وہ اپنے شوہر کی محتاج نہ ہو۔

اٹھارہ سال کی عمر کے بعد ایک سویڈی لڑکی ان لڑکوں میں سے ایک کو چُن لیتی ہے جن کے ساتھ اس نے کچھ عرصہ گزارا ہوتا ہے (اوسطاً ہر سویڈی لڑکی شادی سے قبل آٹھ جوانوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا عرصہ گذارتی ہے اور پھر ان میں سے ایک کو منتخب کر لیتی ہے) سویڈی لڑکی کو جہیز کے لحاظ سے دنیا کی دولت مند ترین لڑکی شمار کیا جاتا ہے۔

سویڈی لڑکی کا نظریہ ہے کہ وہ زمانے گذر گئے جب مرد اپنے آپ کو لڑکیوں کا حاکم سمجھتے تھے اور ان کے اخراجات کے ذمہ دار تھے۔ اب لڑکیاں خود کو جوانوں کے مساوی سمجھتی ہیں اور اس لئے یہ بات بھی فطری ہے کہ شادی کے بعد وہ اپنے خاوند سے اس بات کی توقع ضرور رکھتی ہے کہ وہ بھی اس کی طرح روزانہ دو تین گھنٹے گھریلو کام کرے مثلاً برتن وغیرہ دھوئے۔ سویڈن میں یہ رسم ہے کہ باپ نوزائیدہ بچے کو نہلاتا ہے۔ اس کو بہلاتا ہے۔ بچے کی پیدائش پر ایک دعوت دی جاتی ہے جس میں ایک مہندس، ڈاکٹر، سیاست داں، اور ایک وکیل شامل ہوتے ہیں۔ تاکہ خاوند اپنی بیوی کے سامنے اقرار کرے کہ وہ بچے کی نگہداشت کرے گا۔ اور اس کے برتن وغیرہ بھی دھوئے گا۔

سویڈن میں شادی زندگی کے پوشیدہ مراحل کا آغاز بھی جاتی ہے۔ وہاں کے قوانین میں اگر ایک عورت باقاعدہ شادی شدہ نہ ہو، اور اس کے کوئی بچہ بھی پیدا ہو جائے تو عیب نہیں سمجھا جاتا۔ اور لوگ اس کو عادی امر سمجھتے ہیں۔ اور وہ بچہ قانون کی تمام مراعات کا مستحق ہوتا ہے۔

سویڈن کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شادی مادی مقصد کے لئے نہیں ہے بلکہ معنوی زندگی کی تکمیل کے لئے ہے۔ اور زن و شوہر کی زندگی اور اولاد کی پرورش کا مضبوط پیوند ہے۔ اس لئے جب تک مرد اور عورت ایک دوسرے سے واقف نہیں ہو جاتے شادی نہیں کرتے۔

ایک سویڈی لڑکی کا کہنا ہے کہ جب میں نے پادری کے سامنے اپنے حسب منشاء مرد کے ساتھ شادی کی ہے تو یہ شادی ہمیشہ کے لئے پائیدار ہونی چاہئے، اور مجھے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت نہیں کرنی چاہئے۔ ایسی شادیاں بہت کم ہیں جو زن و شوہر کی عدم وفاداری کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہوں یا مقدمات تک نوبت پہونچی ہو۔ سویڈی لڑکیوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم شادی سے پہلے اپنے ہونے والے شریک حیات کے ساتھ کافی عرصہ گزارتی ہیں تو یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو پوری طرح سمجھ لیں طرفین کی خوبیوں اور خامیوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اور زندگی کا صحیح ساتھی تلاش کریں۔ اس لئے ہم ہرگز اس بات کے لئے تیار نہیں ہوتیں کہ جو شخص ہمیں پسند نہیں ہے یا جو شخص ہمارے علاقے کا ہی رہنے والا نہیں ہے اس کے ساتھ مجبوراً شادی کریں، اور اس شادی کا رشتہ جلد ٹوٹ جائے ان حالات کے پیش نظر چاہئے کہ سب آزمائشیں شادی سے پہلے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ سویڈی لڑکیاں کافی دیر میں شادی کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض خوبصورت، دولتمند، تعلیم یافتہ لڑکیاں اٹھائیس سال کی عمر تک بھی شادی نہیں کرتیں۔

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سال پچاس ہزار شادیوں میں سے نو ہزار طلاق کے ذریعہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ ان سے تقریباً تین چوتھائی طلاقیں محض اس لئے ہوتی ہیں کہ لڑکے اور لڑکی نے شادی سے پہلے بہت کم عرصہ اکٹھے گزارا ہوتا ہے اور ان کی شادی بیس برس کی عمر سے پہلے ہوئی ہے

انہیں اعداد و شمار سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سویڈن کے لوگ زوج کے ساتھ وفاداری سے رہتے ہیں۔ عشق اور زندگی میں ان کی وفاداری کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اعداد اس بات کا ثبوت ہیں کہ نو میں سے ایک طلاق عدم وفاداری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (باقی صفحہ ۱۱۰ پر)

لکھنؤ کے ایڈیشنل ضلع وسیشن جج مسٹر کے، ایم پانڈے نے گذشتہ دنوں تین افراد کو ایک لڑکی میرا سریواستو کے قتل کا مجرم قرار دیکر عمر قید کی سزا کا حکم سُنایا۔ مجرموں میں تو ایک شخص میرا کا خاوند اشوک کمار ہے دوسرا شخص اشوک کمار کا باپ راجن لال ہے اور تیسری مجرم اشوک کمار کی بیوہ بہن سدھا ہے۔ قتل کا یہ قصہ جہیز کے مطالبات سے تعلق رکھتا تھا اور فاضل جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ انسانوں کے آنسو، جو جہیز کی لعنت کو ختم کرنے میں ناکام ہو گئے اب اس جہیز نے انسانی خون کی بھینٹ لینا شروع کر دیا ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلے میں مزید کہا ہے کہ اب اس لعنت نے تین پڑھے لکھے افراد کی آزادی بھی چھین لی ہے۔

میرا مسٹر جے پی سری واستو کی بیٹی تھی۔ اور ۱۳ مئی ۷۴ء کو اشوک کمار کے ساتھ اس کی شادی ہوئی، جو ایک اسسٹنٹ انجینئر ہے بتایا جاتا ہے کہ جب میرا کی بڑی بہن کی شادی ہوئی تو اُسے جہیز میں چھ ہزار روپیہ نقد اور چار ہزار روپے کے زیورات اور کپڑے ملے۔ اشوک کمار کے والد اپنے بیٹے کی شادی میں بھی اتنی ہی رقم کے طالب تھے۔ مگر جب تلک ہوا تو مسٹر سری واستو صرف چار ہی ہزار روپے دے سکے۔ استغاثہ کے بیان کے مطابق حالانکہ مسٹر شری واستو نے لڑکے والوں کے اور کئی مطالبات پورے کئے۔ لیکن تلک میں نقدی کی کمی کی وجہ سے تلخی قائم رہی

اور مسٹر راجندر لال مزید رقم کا مطالبہ کرتے رہے
شادی کے چند روز بعد میرا اپنے والدین کے پاس
آئی لیکن اس کے بعد اس کو میکے جانے سے روک دیا
گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سسرال میں پرانے جہیز کے مسئلہ پر
جب اس نے اپنے والدین کی طرف سے کچھ کہا تو اُسے
مار اپیٹا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اشوک کمار کا تبادلہ
وارانسی سے لکھنؤ میں ہو گیا۔ مگر میرا کو اپنے خاوند کے
ساتھ لکھنؤ آنے نہیں دیا گیا پھر میرا اپنے بھائی کے
ساتھ لکھنؤ آگئی اور اس کے بعد اشوک کمار کے والد
اور اس کی بہن بھی وہاں پہونچ گئی۔ ۲۰ اور ۲۱ جولائی
کی درمیانی رات کو اشوک کمار کے مالک مکان نے
بہت شور اور ہنگامہ سنا اور وہ بھاگ کر گیا تو اس
نے دیکھا کہ میرا کو لاتوں اور گھونسوں سے مارا جا رہا ہے
اس کے بعد پھر اس طرح کا شور سنا گیا مکان مالک
پھر بھاگ کر گیا اور اس نے دیکھا کہ میرا دو کمروں کے
درمیان پڑی تھی اور آگ میں جل رہی تھی۔ مالک مکان نے
فائر بریگیڈ کو اطلاع دی مگر ہسپتال پہنچنے پر ڈاکٹروں نے
کہہ دیا کہ میرا مر چکی ہے۔ ملزم راجندر لال نے رپورٹ
لکھوائی کہ آگ لگ جانے سے میرا کی موت ہوئی ہے لیکن میرا
کے والد لکھنؤ آئے تو انہوں نے رپورٹ کی تردید کی۔

## سویڈن میں شادی کی رسمیں کا بقیہ

سویڈن میں شادی کی رسمیں بہت سادہ ہیں
یہاں کی لڑکیاں دنیا کی دوسری لڑکیوں کی طرح
لباس عروسی کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں لیکن عروسی
جوڑے کا خرچ خود ان کے ذمہ ہوتا ہے اور خاوند
کو سوائے اپنے لباس کے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔
لڑکا اور لڑکی کے والدین جو ان کی باہمی معاشرت
سے پہلے سے واقف ہوتے ہیں۔ ایک ضیافت میں
اکٹھے ہوتے ہیں جو عموماً ایک کلب میں ہوتی ہے
اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد سو سے زیادہ
ہوتی ہے۔ شادی کے جشن سے پہلے پادری کلیسا میں
اس کا رسمی اعلان کرتا ہے اور ان رسوم میں دونوں
طرف کے گھرانے شرکت کرتے ہیں۔

خاوند کو محض ایک پھولوں کا بڑا سا گلدستہ
خریدنا پڑتا ہے۔ جو وہ کلیسا سے نکلتے وقت دُلہن کو
دیتا ہے۔

عام طور پر شادی کی دعوت دو روز بعد
ہوتی ہے اور اس میں طرفین کے گھرانے ایک دوسرے
سے واقف ہو جاتے ہیں اور شادی کی رسمیں دو تین
روز بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ ▲▲▲▲

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں امریکہ کی آٹھ ریاستوں میں بہت سے لوگ غدودوں کے ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ کسی نے اسے پلیگ کا نام دیا، کسی نے ہرن مکھی کا بخار تو کسی نے غدودمیں چھچھڑی کا بخار جاپان والوں نے اس کا نام اوہارا بیماری رکھا اور واشنگٹن والوں نے اسے تپ خرگوش سے موسوم کیا۔ اس نئی بیماری کی آمد کے ساتھ ہی امریکی ماہرین طب کی ایک بڑی تعداد اس متنازعہ مرض کے بارے میں تحقیقات پر کمر بستہ ہو گئی اور تقریباً پانچ سال کی کوششوں کے بعد ۱۹۲۰ء میں فرانکس نے سترہ خرگوشوں اور سات انسان مریضوں کے لہو سے اس بیماری کے جراثیم دریافت کر لئے اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ یہ پُراسرار امریکی بیماری دراصل خرگوشوں کا ایک مرض ہے جو انسانوں کو بھی اپنا شکار بناتا ہے۔ فرانکس نے تپ خرگوش کا نام اس مقام کی مناسبت سے جہاں یہ مرض سب سے پہلے دریافت ہوا تھا لاریمیا تجویز کیا۔

مندرجہ بالا تحقیقات کے بعد آنے والے بیس برسوں میں تپ خرگوش امریکہ کی پچاس میں سے انچاس ریاستوں کے علاوہ آسٹریا، کنیڈا، چیکوسلاواکیہ، جرمنی، اٹلی، ناروے، سویڈن، جاپان، روس اور ترکی کے علاوہ دوسرے ایشیائی ممالک کو بھی نشانہ بنا چکا تھا۔

خوش قسمتی سے تپ خرگوش پالتو خرگوشوں

میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ صرف جنگلی خرگوشوں کی تقریباً ایک فیصد آبادی اس سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ بیماری دوسرے جانوروں اور انسانوں میں جوؤں، چچڑیوں اور خون چوسنے والی مکھیوں کے ذریعہ پھیلتی ہے۔ بیمار خرگوش کے غدود پھول جاتے ہیں اور ان کی رنگت سرخ یا زردی مائل ہو جاتی ہے۔ جگر پر ننھے ننھے زرد داغ پڑ جاتے ہیں۔ اور متاثرہ حصہ، جگر بے جان ہو جاتا ہے۔ تلی حجم میں بڑھ جاتی ہے اور اس پر بے شمار دانے سے ابھرے چلے آتے ہیں۔ مرض کی شدت میں جگر اور تلی کے وظائف اس بری طرح مجروح ہوتے ہیں کہ اکثر اوقات مریض کا رشتۂ حیات منقطع ہو جاتا ہے۔

فرانکس کی تحقیقات کے مطابق انسان میں اس بیماری کی ذمہ داری ننانوے فیصد خرگوش اور ایک فیصد باقی حیوانات مثلاً چوہوں، گلہریوں، بھیڑوں، پرندوں، مرغیوں، ہرنوں، لومڑیوں، سانپوں، بلیوں، سوروں، کتوں، اور بندروں وغیرہ پر عائد ہوتی ہے، جو لوگ خرگوشوں کے شکار کے شوقین ہیں یا اس جانور کی تجارت اس کے ذبیحہ یا پھر اس کی کھالوں کے کاروبار سے متعلق ہیں۔ وہی زیادہ تر تپ خرگوش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ خانہ دار عورتیں اس کا گوشت کاٹتے بناتے یا پھر پکاتے ہوئے اس کا شکار ہو سکتی ہیں۔ امریکہ میں بہت سے لوگ نامکمل طور پر پکا ہوا گوشت کھانے سے بیمار ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ تو پانچ خاندانوں کے بیس مریضوں میں سے بارہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ایک جوہڑ کا پانی پینے سے چوالیس کسان تپ خرگوش میں مبتلا ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ جوہڑ میں تپ خرگوش سے مرنے والے چند چوہے گر پڑے تھے۔ امریکہ کی بعض ندیوں سے بھی اس مرض کے جراثیم ملے ہیں۔ خرگوش کی کھالوں اور گوشت کا کام کرنے والے بہت سے لوگوں کو آنکھوں میں سرخی اور سوجن کی تکلیف ہو گئی۔ دراصل ان لوگوں

کے ہاتھ جراثیم آلودہ ہوگئے تھے اور پھر آنکھوں کو کھجاتے ہوئے انھوں نے نادانستہ طور پر ان کو اپنے آلات بصارت میں منتقل کر دیا تھا۔

حضرت انسان میں اس بیماری کا خفیہ دفعہ ایک سے نو دن تک ہے یہ بظاہر ایک اچھے بھلے کام کرتے ہوئے آدمی پر حملہ آور ہوتی ہے۔ مریض شدید سر درد محسوس کرتا ہے۔ بدن میں مرچیں سی لگنے لگتی ہیں۔ تے آتی ہے اور پھر بخار ڈیرہ جمالیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی چبھن اور درد بدن میں جگہ جگہ پھیل جاتے ہیں۔ جراثیم پھیل جاتے ہیں۔ جراثیم کے جسم میں داخلے کی جگہ سوج جاتی ہے اور دبانے پر درد کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملحقہ غدود بھی اسی انداز اور شدت سے متاثر ہوتے ہیں۔ تپ خرگوش عام طور پر تین ہفتے تک رہتا ہے۔ اس دوران میں بار بار پسینہ آتا ہے اور وزن تیزی سے کم ہو جاتا ہے۔ اگر بیماری دو تین ماہ تک طول کھینچ جائے تو پھر یہ دل یا پھیپھڑوں یا دونوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ مریض کے تھوک میں تپ خرگوش کے جراثیم بکثرت موجود ہوتے ہیں لہٰذا ایسے مریضوں کو جا بجا تھوکنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

تپ خرگوش سے محفوظ رہنے کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل بہت ضروری ہے۔ خرگوش کے شکاری اس کے شکار کے وقت ربڑ کے دستانے استعمال کریں۔ خرگوش کے گوشت اور کھال کی تجارت سے منسلک لوگوں کے لئے بھی باریک دستانوں کا استعمال اشد ضروری ہے۔ خرگوش کا گوشت پکاتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ گوشت نیم پخت نہ رہ جائے۔ تپ خرگوش کے جراثیم ۵۸ سینٹی میٹر گریڈ پر حرارت پر آسانی سے ہلاک ہو جاتے ہیں اس کے بعد اس کا گوشت انسانی غذائی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کی ضرررسانی ختم ہو جاتی ہے۔ کسی بھی خرگوش یا اس کی کھال کو چھونے کے بعد کسی اچھے صابن یا ایک فیصد فارملین کے محلول سے صاف کریں۔

تپ خرگوش سے حضرت انسان کو محفوظ رکھنے کے لئے کچھ ملکوں میں باقاعدہ آرڈی نینس نافذ کئے گئے ہیں جن کی رو سے جنگلی خرگوش کا شکار اور اس کا کھانا قانوناً ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہاں کے لوگ پالتو خرگوش کا گوشت بالکل پسند نہیں کرتے۔ بلکہ صرف جنگلی خرگوش کو لذت کام و دہن کے لئے مناسب سمجھتے ہیں۔ باقاعدہ اصرار و فرمائش اور بھاگ دوڑ کے بعد اسکا گوشت حاصل کرتے ہیں اور بڑے اہتمام سے کھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے تپ خرگوش ایک مستقل خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا انھیں خرگوشوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

## پڑوسی

" بھئی مولوی صاحب! آج کے خطبہ کا عنوان تو آپ نے " حقوق العباد " رکھا تھا لیکن پوری تقریر صرف پڑوسیوں کے حقوق تک ہی محدود رہی، کیا حقوق العباد میں صرف پڑوسیوں ہی کے حقوق آتے ہیں۔ "

" نہیں میاں بات دراصل یہ ہے کہ یہ خطبہ ابھی مسلسل کئی ہفتوں چلے گا۔ آج تو صرف پڑوسیوں کے حقوق پر بات ہوئی ہے اس کے بعد ماں باپ، رشتہ دار، خادم وغیرہ پر بات آگے بڑھے گی۔ "

" اچھا۔! "

مولوی صاحب کو کہیں باہر جانا تھا بارش شروع ہو گئی۔ چھتری کہیں نظر نہ آئی۔ بیٹے کو آواز دی بڑے رعب دارانہ آواز میں، غصہ سے پوچھا:۔ " چھتری کہاں ہے۔ ؟ " بیٹے نے سہم کر کہا: ابا جان پڑوس کے کریم بھائی بے چارے بھیگتے ہوئے جا رہے تھے۔ میں نے کہا آپ کو نمونیہ ہو جائے گا یہ چھتری لے جائیے مولوی صاحب کا پارہ چڑھ گیا۔ ڈانٹتے ہوئے کہا۔ " نالائق کہیں کے تو اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اپنے یہاں چھتری ایک ہی ہے۔ اب مجھے باہر جانا ہے۔ کیا بھیگتے ہوئے جاؤں۔ ۔ ۔ کمبخت کہیں کے.... ابھی تک عقل نہیں آئی.... " مولوی صاحب دیر تک بڑبڑاتے رہے۔ محمد ابراہیم خان کوٹ

# اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

**• مولانا صدرالدین اصلاحی**

نکاح کے اسلامی قوانین ۳/۰۰
اسلام ایک نظر میں ۵/۵۰
اساس دین کی تعمیر ۱۲/۰۰
دین کا قرآنی تصور ۸/۰۰
اسلام اور اجتماعیت ۵/۰۰
حقیقت نفاق ۴/۲۵
اعتدال کی راہ ۲/۵۰
اسلامی نظامِ معیشت ۰/۷۵
تحریک اسلامی ہند ۴/۵۰
فریضۂ اقامتِ دین ۸/۰۰
قرآن مجید کا تعارف ۳/۰۰
دین کا مطالعہ ۰/۷۵
راہ حق کے مہلک خطرے ۱/۲۵
مسلم پرسنل لاء دینی و ملی نقطۂ نگاہ سے ۲/-
یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۰/۵۰

**• ماہرالقادری**

ذُرِّ یتیم ۹/۵۰
کاروانِ حجاز ۶/۶۵

**• مولانا امین احسن اصلاحی**

حقیقتِ توحید ۳/۰۰
حقیقتِ شرک ۴/۵۰
حقیقتِ تقویٰ ۱/۵۰
دعوتِ دین ۵/۰۰

**• مولانا سید جلال الدین انصر عمری**

اسلام کی دعوت ۸/۰۰
معروف و منکر ۶/۵۰
عورت اسلامی معاشرہ میں ۱۳/-
عورت اور اسلام ۳/۵۰
خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں ۵/۰۰
انسان اور اس کے مسائل ۳/۵۰
بچے اور اسلام ۰/۵۰
دولت میں خدا کا حق ۰/۷۰
اسلام اور وحدتِ بنی آدم ۰/۷۵

**• وحید الدین خاں**

اسلام ایک عظیم جدوجہد ۱/۶۰
انسان اپنے آپ کو پہچان ۰/۵۰
اسلام کا تعارف ۱/۰۰
حقیقت کی تلاش ۱/۰۰
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے ۳/-
منزل کی طرف ۱/-
ہندوستان آزادی کے بعد ۲/۲۵
مومن کی تصویر ۲/۲۵
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۲/۵۰

**• مائل خیرآبادی**

• اسلامی شریعت (ہندی)
• اسلامی سماج میں عورت کا استحصال (ہندی) 6/-
• اسٹیٹس آف ویمن ان اسلامک سوسائٹی (انگریزی) 7/-
• قرآن میں عورت کی حیثیت 5/-
• اسلامی نظام میں عورت کا مقام 5/-
• نقلی شہزادہ 3/50
• شہزادہ توحید /50
• خاتون جنت 3/-

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی۔

**HIJAB"** (URDU MONTHLY) Rampur (U.P) 244901

Regd No R. N 20384 70 Regd No MRD 34

MAY JUNE 1983
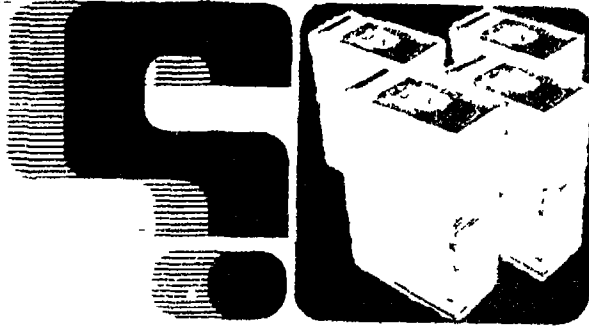
خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

جولائی اگست ۱۹۸۳ء

# حجاب
## رامپور

شمارہ ۱۵۷، ۱۵۸

جلد ۱۴

شوال و ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ

مدیر
مائل خیرآبادی

| زر تعاون | |
|---|---|
| | عام شمارہ ... ... ... چار روپیہ |
| | سالانہ ... ... پچاس روپیہ |
| | اس شمارے کی قیمت ... آٹھ روپیہ |

ڈیزائنر پرنٹر پبلشر محمد اسحاق مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں
[illegible]

اداریہ ............................................ مائل خیرآبادی

# آج کا حاتم

حجاب کے پچھلے شمارے میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ اگلا شمارہ "آج کا حاتم نمبر" ہوگا۔ الحمدللہ آج ہم 'آج کا حاتم' پیش کر رہے ہیں۔ حجاب کے نئے خریداروں کا اصرار رہا ہے کہ اس نمبر میں وہ پچھلی قسطیں بھی دیدی جائیں جن سے وہ محروم رہ گئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی کہ حاتم کی وہ ساری سرگرمیاں اور کوششیں سامنے آجائیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حاتم کو دھیرے دھیرے مقبولِ عام بنایا۔ اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے حجاب کی پچھلی اور اگلی قسطیں جو اب تک مرتب ہو چکی ہیں اس خاص اشاعت میں دے رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے حلقہ حجاب فائدہ اٹھائے گا۔

آج کا حاتم پڑھ کر دعوت و تبلیغ کی بہت سی راہیں ملیں گی۔ تحریکِ اسلامی کو فروغ دینے کے لئے حوصلہ بڑھے گا۔ غیر مسلموں میں، خصوصاً اچھوتوں میں اسلام کس طرح نفوذ کر سکتا ہے، اس کا بہترین عملی نمونہ سامنے آئے گا۔ آج کا حاتم پڑھ کر اللہ کی مدد پر پورا پورا بھروسہ ہو جائیگا۔ مشکل سے مشکل اوقات میں ذرا بھی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ آجکا حاتم پڑھنے والا ہر شخص یہ بات اپنی نظروں سے دیکھ لیگا کہ اللہ کا جو بندہ اللہ کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے اللہ اس کی طرف دس قدم بڑھ کر آتا ہے۔

آج کا حاتم پڑھ کر آپ بہت محظوظ ہوں گے لیکن کیا اس کا یہی مصرف ہے کہ آپ مزے

لے لے کر پڑھ لیں اور خوش ہو لیں۔ نہیں، بلکہ آپ اسی طرح اللہ کا دین پھیلانے کے لئے آگے بڑھیں۔ حاتم کی طرح ایثار و قربانی سے کام لیں۔ صبر و شکر کا رویہ اختیار کریں۔ پھر دیکھیں کہ اللہ کس طرح غیب سے اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ آپ کو ایسی راہوں سے کامیابیاں ہوں گی جو آپکے منصوبے میں نہ ہوں گی اور تخریب میں تعمیر کا پہلو اچانک سامنے آجائے گا۔

'آج کا حاتم' کے سلسلے میں ہم یہ بات ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ گو اس کا پلاٹ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذہن میں ڈالا لیکن اس کی قسطیں مرتب کرنے میں ہم نے کئی اور لمبی کہانیوں سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر وہ حصہ جو حاتم اور مینا کی سرگرمیوں سے متعلق ہے اور وہ جو حاتم اور گاشا کے سلسلے میں ہے۔ ہم اپنی اس جسارت پر دونوں کہانیوں کے مصنفوں سے معذرت خواہ ہیں۔ ہم نے ان دونوں کہانیوں کی جھیلوں کا صاف پانی لے لیا اور گندلا پانی چھوڑ دیا۔

❁

محکمہ ڈاک کے غیر ذمہ دار لوگ 'حجاب' پر جو مہربانیاں کرتے رہے ہیں اُن کا سلسلہ بند نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ان مہربانیوں نے اپریل میں بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ اِس ماہ کے بہت سے وی۔پی بنڈل ہمارے پاس اِس طرح کے واپس آئے جو مکتوب الیہ تک پہنچائے ہی نہیں گئے۔ پھر یہ کہ جب واپس آئے تو اُن میں حجاب کے پرچے نہ تھے۔ یہ بالکل اسی طرح کا فعل تھا جیسے کبھی حجاب کے بنڈلوں میں ہنومان جی سے متعلق لٹریچر رکھا ہوا پایا گیا یا کسی اور بھاشا کا۔ افسوس یہ ہے کہ اِس محکمے کے ذمہ دار صاحبان بھی پروا نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ہمیں جو مشورہ دیا جا رہا ہے وہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہم یہ تو کر سکتے ہیں کہ اپنا مقبولِ عام جریدہ "حجاب" بند کر دیں لیکن وہ مشورہ منظور نہ کریں گے جو دیا جا رہا ہے۔ اللہ ہمارا مالک و مولا اور حاکم و آقا ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے اور زبردست بھی۔ اس وقت جن آزمائشوں کا سامنا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ آئندہ کسی تعمیر کا پیش خیمہ ہوں گی۔ ان شاء اللہ

(کوثر اعظمی)

اک نوجواں کہ تھا جو عبادت میں نیکنام
جز یادِ حق نہ تھا جسے دنیا میں اور کام

رکھتا تھا اس طرح وہ عبادت کا التزام
ہر دن مہِ صیام تو ہر شب شبِ قیام

رہتا تھا معتکف سرِ مسجد وہ رات دن
گھر سے لگاؤ تھا اُسے گر کچھ برائے نام

تسبیح اور درود و وظیفہ کا مشغلہ
محبوب مشغلہ تھا ہمہ وقت صبح و شام

شہرہ تھا جس کے زہد و ریاضت کا دور دور
رطب اللسان تھے جس کے تورع پہ خاص و عام

ایک بار کا ہے ذکر ادھر حضرت مسیحؑ
گذرے جہاں تھا محوِ عبادت وہ نیکنام

پوچھا یہ نوجوان عبادت گذار سے
اے تو کہ تیرا شغل عبادت ہے گر مدام

نگراں ہے کون پھر ترے اہل و عیال کا
کرتا ہے کون تیری ضرورت کا انصرام

بولا وہ نوجوان عبادت گذار تب
"بھائی مرا بڑا کہ تجارت ہے جس کا کام

ہنس کر کہا مسیحؑ نے اُس نوجوان سے
بھائی ترا ہے تب تو سزاوارِ احترام

تجھ سے کہیں سوا ہے عبادت میں اسکی بات

نیکی نہ تجھ سے بڑھ کے ہے اس کا ہے یہ مقام

(مائل خیرآبادی)

**مقصد اور ضرورت :** سمجھ بوجھ رکھنے والے تمام لوگ اس بات میں ایک رائے ہیں کہ ایک عورت کی اصلاح پورے گھر کی اصلاح ہے۔ کیونکہ عورت چوبیس گھنٹے گھر میں رہتی ہے۔ اس کا سارا وقت گھر اور گھر والوں کے رکھ رکھاؤ اور بناؤ سنوار میں گزرتا ہے۔ بچے اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ اس کی زبان سیکھتے ہیں۔ اس کی عادتیں اپناتے ہیں۔ اس لیے اگر اس ایک کی اصلاح ہو جائے۔ تو اس کے اثر سے پورے گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ایک لمبی حدیث میں ہے:۔

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ

اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے

جب یہ بات ہے تو عورتوں کے اجتماعات کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ان اجتماعات کے ذریعہ عورتوں کی اصلاح و تربیت کی جائے تاکہ وہ گھر کی بہترین نگراں بن سکیں۔ ایسی عورت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دنیا کی نعمتوں میں سب سے بہتر نعمت ہے۔

آپ نے بہترین گھر اس گھر کو فرمایا جس کے اندر ایک صالح عورت موجود ہے ایک بار آپؐ نے اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان میں سے عطر اور عورت

کی پسندیدگی کا ذکر ایک ساتھ فرمایا۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ حضورؐ نے عطر اور عورت کا ذکر ایک ساتھ کیوں فرمایا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس جگہ بہترین عطر رکھا ہوتا ہے اس کے آس پاس کی فضا خوشبو سے مہکنے لگتی ہے۔ اسی طرح جس جگہ نیک اور صالح عورت رہتی بستی ہے اس جگہ نیکیوں کی کھیتی لہلہانے لگتی ہے۔[1]

## اجتماعات کا حاصل

بے شک عورتیں اجتماعات میں شریک ہو کر اچھی تقریریں اور کتابوں سے پڑھی جانے والی عبارتیں سنتی ہیں تو کانوں کے ذریعہ اچھی بات ان کے دلوں میں اترتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتماع میں دین کی لگن رکھنے والی عورتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان سے باتیں ہوتی ہیں تو ان کا اثر قبول کرتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک پاکیزہ جگہ میں گھنٹہ دو گھنٹہ رہ کر ان کی روح میں بالیدگی آتی ہے۔ اس مقدس فضا سے نکل کر جب گھر آتی ہیں تو بہت دنوں تک ان باتوں کو دوسری عورتوں کے سامنے دہراتی ہیں۔ اجتماع میں شریک ہونے والی نیک بیبیوں کے حالات سناتی ہیں تو دوسری عورتوں کے دلوں میں اجتماع کی اہمیت بیٹھتی ہے۔ سننے والی کا جی چاہنے لگتا ہے کہ وہ بھی اجتماع میں جایا کرے۔

## عورتوں کا اجتماع میں جانا:

ایک مرد جب کسی اجتماع میں جانا چاہتا ہے تو اسے زیادہ اہتمام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کسی دور جگہ کسی بڑے اجتماع میں جاتا ہے تو بھی اُسے زیادہ سوچنا نہیں پڑتا۔ وہ دو تین دن کا خرچ اور زادِ راہ لے کر چل کھڑا ہوتا ہے لیکن عورت اس طرح کھڑی سواری نہیں جا[illegible] عورت کو دور کے نہیں، مقامی اجتماعات میں جانا ہوتا ہے تو وہ پہلے سے [illegible] بناتی ہے۔ اس چھوٹے بچے کو ساتھ لے جانا ہے۔ اس بچے کو گھر [illegible]

---

[1] اور میری پسندیدہ چیز نماز کے بارے میں فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

خالہ جان کو بلانا ہے۔ وہ ذرا کی ذرا گھر کی دیکھ بھال کر لیں گی۔ اس کے بعد اس منے کے بارے میں انتظام کرنی ہے جسے ساتھ لے جانا ہوتا ہے۔ اس کے پینے کے لئے دودھ کا ڈبا، اس کے بچھونے کے لیئے روئی کا گتا، اور فلاں اور فلاں سامان ہے جانا ہے۔ یوں کہیئے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے۔ تو اس کے ساتھ ایک گھر چلتا ہے ابھی روانگی مکمل نہیں ہوئی۔ یہ کوئی ایرا غیرا عورت نہیں، اجتماع میں شرکت فرمانے والی خاتون جارہی ہے اس لئے محرم ساتھ ہونا چاہئے۔ وہ شوہر سے کہتی ہے کہ ذرا زحمت کرے اور سواری لادے اور اجتماع تک پہنچا دے۔ اور اگر کہیں یہی اجتماع کی شیدائی عورت دور کسی عظیم اجتماع میں دو تین دن کے لیے جاتی ہے۔ تو پھر ایک عورت کے خرچ کے بدلے اس کے محرم کا اور اس کے بچوں کا خرچ بھی۔ بجٹ کی کاغذی تجوری سے نکلتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اجتماع میں جانے والی محترم خاتون کے شوہر کے لئے جسے اوسط درجے کی آمدنی والا مان لیا جائے، یہ خرچ قابل برداشت بھی ہے؟

اس کے جواب میں میری معلومات میں یہ ہے کہ شروع شروع میں تو شوہر بڑی خوشی سے اجتماع میں شرکت کی اجازت دے دیتا ہے۔ سواری کا انتظام کرکے پہنچا بھی آتا ہے۔ اجتماع کے اوقات میں یہ قربانی بھی دیتا ہے کہ اتنی دیر گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی نگرانی بھی کر لیتا ہے اور اگر ابتدائی جوش میں کہیں دور کوئی اجتماع عظیم منعقد ہونے کی خبر آگئی تو وہاں بھی لے کر جا پہنچتا ہے اور یہ سب اس امید پر کہ بیوی ان اجتماعات میں شریک ہو کر بی بی فاطمہؓ اور عائشہ صدیقہ رضؓ بن جائے گی۔

یہ کچھ دنوں کے بعد جب آئے دن محترمہ سواری میں لد لد کر اجتماعات میں

جانے لگتی ہیں تو شوہر اپنی جیب دیکھنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کا اجتماع میں جانا بند ہو جاتا ہے اس سلسلے میں اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو اجتماع میں شریک ہونے والی خواتین کے بارے میں آنکھوں دیکھا حال بتانے لگتی ہے کہ فلاں ایسا جمپر پہنے تھی۔ اس کے جمپر کا گلا ایسا اور ایسا تھا۔ فلاں اس طرح کی ساڑی پہنے ہوئے تھی اور فلاں صاحبہ یہ اور یہ زیور پہنے ہوئے تھیں تو شوہر ایک بڑے خطرے کو بھانپ کر عرض کرتے کرتے فرمانے لگتا ہے کہ اب اجتماعات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے بہت کچھ حاصل فرمایا آپ نے اجتماع سے۔

تو پھر کیا ہو؟

عورت کے اجتماع میں شریک ہونے سے یہ پریشانیاں ہوں، اور یہ نتیجہ نکلے تو کیا یہ سمجھنا چاہیے کہ عورتوں کے یہ اجتماعات بیکار ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ دراصل ایک غلطی عام طور سے ہونے لگتی ہے اور پھر وہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ غلطی ہے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی ہدایتوں کے نہ جاننے کی۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے اصلاح و تربیت کے لئے کیا نقشہ کار دیا ہے اور کس کو کس جگہ کتنا ذمہ دار بنایا ہے۔ اگر یہ بات ذہن میں نہ رہے گی تو اجتماعات سے یہی نتیجہ نکلے گا جو اوپر عرض کیا گیا۔ میں بار بار ان ہدایتوں کی جانکاری کے لئے عرض کرتا رہتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج سوچنے والے اصحاب کے درمیان ان ہدایتوں اور ان کی ترتیب کو بیان کرنے کا موقع مل گیا۔

میرا مطالعہ یہ ہے کہ عورت کی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ ذمہ داری ہی نہیں۔ مرد پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کو بھی دین سکھائے۔ دین پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔ اور خود ایک اچھے مسلمان ہونے کا نمونہ پیش کرے۔

یہ اچھا مسلمان بنا، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی ہدایات پر عمل کرنا دراصل ایک بڑا مشکل کام ہے۔ مرد چاہتا ہے کہ اُسے خود کچھ نہ کرنا پڑے لیکن کسی طرح بیوی مومناتؓ صالحاتؓ، قانتات بن جائے۔ ہم تو یہ دیکھتے چلے آئے ہیں کہ بیوی اب تک یہ سمجھتی رہی ہے کہ اس کا شوہر دیندار ہے۔ بس یہ کافی ہے لیکن جو لوگ دین سے دلچسپی رکھنے والے ہیں۔ اب وہ سوچتے ہیں کہ بیوی کا کریڈٹ حاصل کر کے جنت حاصل کر لیں گے۔

مرد کا اس طرح سوچنا اسی طرح غلط ہے جس طرح اب سے پہلے عورت کا سوچنا غلط تھا۔ اللہ کی طرف سے مرد پر جو فرض عائد ہوتا ہے یا تو وہ اس فرض کو نہیں جانتا یا پھر اس فرض سے منہ موڑتا ہے۔ قرآن مجید کا کھلا حکم ہے۔ اور اس میں ذرا بھی ابہام نہیں۔ قرآن کا ایسا حکم جس کا ہر لفظ واضح ہو، وہ فرض ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فرمایا۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۝

اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ یعنی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اس آیت کے اس کھلے حکم کی وجہ سے مرد پر فرض ہو گیا کہ وہ اپنے کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچائے۔ اگر اس فرض کو سمجھ کر عورت کی اصلاح و تربیت کی طرف دھیان دیا جائے تو خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ جس ترتیب سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تربیت کرنے کو بتایا ہے۔ اس ترتیب کو سامنے رکھا جائے۔

**اصلاح کی تربیت** مرد کو جتنا جتنا علم ہوتا جائے وہ اپنی اہلیہ کو بھی بتاتا جائے اس علم کے سانچے میں خود بھی ڈھلے اور بیوی کو بھی ڈھالنے

کی کوشش کرے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے پکار پکار کر کہا کہ سب سے پہلے میں مسلمان ہوں۔ اس لئے مرد کو چاہیئے کہ پہلے وہ دین کے سانچے میں ڈھلے۔ ورنہ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت کی پھبتی سننی پڑے گی۔

• دین کا علم حاصل ہونے کے بعد اپنی اہلیہ اور گھر کے دوسرے لوگوں کو دین سکھائے۔ اس کے بعد خاندان والوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں پھر اہل محلہ اور بستی والوں کو دین کا علم پہنچائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ترتیب سے دین پھیلانے کا حکم دیا گیا تھا۔ سورہ مدثر اور قرآن کی دوسری آیتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا۔

کہ اے محمدؐ اُٹھو اور لوگوں کو ڈرا دو۔۔۔۔۔۔ الخ

یہ حکم پا کر حضورؐ نے پہلے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس کے بعد کوہ صفا پر پہنچ کر اہل مکہ کو آواز دی۔ وہ آئے تو ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر تبلیغ کا کام زوروں پر شروع ہو گیا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے حضورؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضؓ مسلمان ہو چکی تھیں۔ اور آپ کے گھر کے لوگوں میں حضرت علی رضؓ، حضرت زید رضؓ اور دوستوں میں حضرت ابو بکر رضؓ، حضرت بلال رضؓ اور ایسے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

• دین کا علم ہونے کے بعد بہت سی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور عورت کے لئے تو تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شادی غمی کی رسموں کو لیجیئے۔ ان کا تعلق زیادہ تر عورتوں ہی سے ہوتا ہے۔ ان رسموں میں شرکت نہ کرنے اور انھیں نہ برتنے میں عورت کی غیرت مجروح ہوتی ہے "فلاں رسم میں فلاں صاحبہ نے یہ دیا۔ اگر میں نہ دوں تو لوگ کیا کہیں گے۔ یہ کیا کہیں گے"

ایسا سخت مرحلہ ہے۔ جہاں عورت غیرت کی وجہ سے فیل ہوجاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ شوہر اُسے سہارا دے اُسے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی طرف مائل رکھے اور ان بُری رسموں کے بڑے نتائج سے واقف کرتا رہے اور مشاہدہ کراتا رہے کہ اس شخص کو دیکھو اس نے لوگوں کے انگلی اٹھانے کے خوف سے یا اپنی ناک اونچی کرنے کے لئے بچے کی بسم اللہ میں، ختنے میں، شادی میں کُن دھوم دھام کی تھی۔ آج وہ نہ ادا نہ کر سکنے والے قرض کے بوجھ سے دبا ہوا ہے۔ اور ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اس طرح سمجھانے سے امید ہے کہ عورت اپنے موقف میں پختہ ہو جائے گی۔

• یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ عورت کی بدولت خاندان بنتا ہے۔ رشتہ داریاں ہوتی ہیں۔ پڑوسیوں اور اہل محلہ سے تعلقات بڑھتے ہیں۔ عورت ہی کو دھوبن۔ بھنگن وغیرہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ سوچا جائے تو عورت کے لئے اس کا مکان دعوت و تبلیغ کے لئے بڑا میدان ہے۔ ان لوگوں کو اللہ اور رسولؐ کی طرف متوجہ کیا جائے۔ ایک واقعہ سنئے:۔

• میرے ایک دوست نے کرایہ کا مکان لے رکھا تھا۔ ان کے پڑوسی بڑے ان گڑھ لوگ تھے۔ دن رات گالیاں بکتے۔ شور کرتے۔ اپنی بیویوں کو پیٹتے۔ میرے دوست مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں جانا چاہتے تھے۔ مجھ سے تذکرہ کیا۔ میں نے کہا۔" وہ کون سی جگہ ہے، جہاں شیطان نے پنجے نہیں گاڑ رکھے ہیں۔ پھر میں نے ان سے تو نہیں کہا۔ اپنی اہلیہ کے ذریعہ ان کی اہلیہ کو کہلا بھیجا کہ پڑوس کی بچیوں کو پڑھانے لگیں۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ اور اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرے دوست کی اہلیہ اس محلے کی باوقار خاتون بن گئی ہیں۔ شادی غمی میں ان کا مشورہ مانا جاتا ہے اور اب میرے دوست بڑے اطمینان سے پاؤں پھیلا کر اسی مکان میں سوتے ہیں۔

یہ ہے وہ فطری طریقہ عورت کے لئے تبلیغ واصلاح کا۔ کبھی آپ بھی یہ تجربہ کریں۔ آپ پڑوس کے جس بچے کو کلمہ اور نماز سکھادیں گے نبیوں کے حالات اور بزرگوں کے قصے سنادیں گے۔ اس کے والدین آپ کے بے داموں غلام بن جائیں گے۔

**گھریلو اجتماع** ہمارے ملک میں دو فعال جماعتوں کی طرف سے خواتین کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ میں ان دونوں جماعتوں کے دانشوروں سے عرض کرتا ہوں کہ وہ گھریلو اجتماعات کی بنیاد ڈالیں۔ پہلے گھر والوں کو ہفتہ میں ایک دن گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے لئے بٹھائے۔ اپنی قدر دانی اور سب سے پروگرام میں حصہ لینے کو کہیے۔ پھر دیکھیے ان گھریلو اجتماعات کی دلچسپیاں اوران کے اثرات توتلی گڈی یا کلمہ سنائے گی تو آپ کے دل کی کلیاں کھل جائیں گی۔ اس کی چھوٹی آپی ترجمہ بیان کرے گی تو آپ کی روح جھوم اٹھے گی۔ اس طرح سب حصہ لیں تو یہ بڑا اچھا منظر ہوگا یہ نہ سمجھئے کہ یہ سب ہوا ہو جائے گا۔ نہیں۔ یہ سب دل ودماغ میں نقش ہوگا۔ یہی گھریلو اجتماع ان عظیم اجتماعات کے لئے مضبوطی کا سبب اسی طرح بنتا ہے جس طرح تربیت یافتہ ایک ایک مرد سے ایک مضبوط جماعت وجود میں آتی ہے۔

• کوشش کی جائے، کہ اس طرح کے گھریلو اجتماعات مسلمان گھرانوں میں زیادہ سے زیادہ ہوں۔ پھر انہی میں سے وہ نمائندہ خواتین آپ سے آپ مل جائیں گی جن کو خود ضرورت ہوگی۔ گھر اجتماع کرنے کا اچھے سے اچھا طریقہ اپنائیں۔

• ان نمائندہ خواتین کو بڑے اجتماعات میں لے جانا چاہیے۔ یہ وہاں سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اپنی کہیں دوسروں کی سنیں۔ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر واپس آئیں۔ اور اپنے یہاں کام کو آگے بڑھائیں۔

**عظیم اجتماع عام۔** اگر ایسا نہ کیا گیا اور بھیڑوں کی طرح ہانک ہانک کر

کسی بڑے اجتماع میں عورتوں کو لے جایا گیا تو پھر لا خیر فی جماعت النساء والی مثل صادق آئے گی کہ عورتوں کے جمع ہونے میں خیر نہیں ہے۔ اس کا حال مجھ سے سنئے۔ مجھے ایک ایسے ہی عظیم اجتماع میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ حسن اتفاق سے جس جگہ ہمارا یوپی کیمپ تھا۔ اسی کے سامنے روڈ کے دوسری طرف خواتین کے اجتماعات اور قیام کی جگہ تھی میں تین دن رات یہ اعلانات سنتا رہا "انجم جمال صاحب! آپ جہاں ہوں جلد آجائیے۔ آپ کا بچہ جاگ گیا ہے اور بری طرح رو رہا ہے"۔۔۔۔ "بدر الدین بالو صاحب! آپ کو بیٹے نے پر آپ کے بھائی صاحب بلا رہے ہیں" "مدد مستورہ ہوں۔ خواتین کے کیمپ سے ایک چھوٹا بچہ باہر چلا گیا ہے۔ اس کا حلیہ یہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ تلاش کر کے جلد کیمپ میں پہنچئے۔ اس کی ماں بہت بے چین ہے۔ احمد محمد صاحب! آپ کی اہلیہ کو شدید بخار ہے۔ آپ جلد تشریف لا کر اپنی اہلیہ کو اسپتال لے جائیں۔

اس طرح کے اعلانات کے ساتھ ساتھ یہ ہدایات کہ پانی ضائع نہ کیا جائے فرش کو بچوں سے گندہ کرنے سے بچائیے۔ شور نہ کیجئے۔ بچوں کو خاموش رکھئے۔ پانی کے لئے یا بچوں کی خاطر بہنوں کو لڑنا نہیں چاہیے وغیرہ

اس طرح کے اعلانات سن کر میں نہیں کہہ سکتا کہ خواتین کی اس بھیڑ نے اس بڑے اجتماع سے کچھ سیکھا ہوگا۔

**آخری بات** یہ سب عرض کرنے کے بعد اب یہ عرض کرنے کی جرأت بھی کروں گا کہ اگر ہمارے داعیان کرام گھریلو اجتماع کرنے کی تو زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اپنی اہلیہ اور اپنے بال بچوں کی اصلاح کی کوشش نہ کریں۔ لیکن بڑے دن اجتماع میں شریک ہونے کے لئے بے چین رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان داعیان کرام کی نیتوں اور ارادوں کو تو آخرت [illegible]

کہیں گے کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ پھر تربیت کرنے والے لاکھ کہیں کہ بھائی اپنی فکر کرو۔ آخرت کے دن ان کے بارے میں آپ سے نہیں پوچھا جائیگا یہ سو فیصد سچی بات ہے لیکن ایک کم سو فیصد یہ بھی سچی بات ہے کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ اور اگر ایک منہ پھٹ نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ بڑھ بڑھ کر وعظ فرمانے والے اور اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح نہ کرنے والے چوں بخلوت می روند آن کار دیگر می کنند۔ اور اس کار دیگر کا ترجمہ دنیا کے عیش کے لئے منصوبہ بنانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوسروں کے لئے فتنہ بنانے سے محفوظ رکھے۔ والسلام

## ضروری

یاد ہوگا کچھ مجبوریوں کی وجہ سے پچھلا شمارہ مئی جون ۸۳ء کا یعنی دو ماہ کا کردیا گیا تھا جبکہ وہ صرف ایک شمارے کے لائق تھا۔ اس طرح حجاب کے خریداروں کو ایک ماہ کے شمارے کا نقصان ہوا۔ اس کی تلافی ہم نے اس طرح کردی ہے کہ سالانہ تمام خریداروں کا سلسلہ خریداری ایک ماہ آگے بڑھا دیا ہے۔ مثلاً جس خریدار کی مدت خریداری نومبر ۸۳ء تک تھی۔ اُسے دسمبر ۸۳ء تک کردیا گیا ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس۔

منیجر حجاب رامپور

یاد رکھئے: آج کا حاتم نمبر" جولائی اگست ۸۳ء یعنی دو ماہ کا شمارہ ہے۔ اس کے بعد ستمبر کا شمارہ شائع ہوگا۔ (منیجر)

رسول کریم نمبر کی تیاری شروع۔ رسول کریم نمبر انشاءاللہ نومبر یا دسمبر ۸۳ء میں شائع ہوگا۔ (منیجر)

(وصی سیتاپوری)

آؤ صحابیات کا کچھ تذکرہ کریں — ذکرِ حبیبہؓ، عائشہؓ و فاطمہ کریں

اسلام میں سمیہؓ ہی پہلی شہید ہیں — کیوں ان کے نام سے نہ معطر فضا کریں

ملت بھلا نہ پائے گی ام سلیمؓ کو — کرنے کو لوگ کتنا ہی جود و سخا کریں

عزم و ثباتِ حضرتِ اسماءؓ ہے سامنے — حجاج تیرا ظلم فراموش کیا کریں

حفصہؓ تمام عمر رہیں صائم النہار — ان کے عمل کی کاش کہ ہم اقتدا کریں

تقویٰ ہوا ہے حضرت میمونہؓ پر تمام — اس شخصیت کی کیسے نہ ہم اقتدا کریں

بیٹی نبیؐ کی اور وہ چکی کا پیسنا — ہم اپنی جان کیسے نہ ان پر فدا کریں

ام عمارہؓ بیعتِ رضواں میں ہیں شریک — کیوں غزوۂ احد میں نہ عہدِ وفا کریں

خندق کی جنگ حضرتِ صفیہؓ کا ولولہ — دشمن کا خون بہانے کا جب فیصلہ کریں

اسماءؓ و خولہؓ دین کی وہ سرفروش ہیں — یرموک میں جو خود کو نبرد آزما کریں

جنگ احد میں حضرت حمنہؓ کا حوصلہ — بھائی ہوا شہید تو شکر خدا کریں

خود حضرت جویریہؓ ہیں وقفِ بندگی — پھر اور مغفرت کے لئے کیا دعا کریں

عزم و عمل یقین کے یہ روشن چراغ ہیں
فردوس ہے انہی کی یہ سب باغ باغ ہیں

ایمان و اخلاق، ایثار و قربانی، دعوت و تبلیغ
دینی اور اخلاقی قدروں سے بھرپور ایک تعمیری کہانی
مردوں، عورتوں اور طلبہ و طالبات سب کے لئے

پیش کردہ

مائل خیر آبادی

میں اس کا اصلی نام نہیں جانتا۔ شاید کوئی نہیں جانتا۔ سب اُسے "آج کا حاتم" ہی کہتے ہیں۔
وہ آج کا حاتم کیسے مشہور ہوا؟ اس کا جواب مجھے اس کے بچپن سے ملا۔ جب وہ اسکول میں پڑھتا تھا۔ اس سلسلے میں دو واقعے بیان کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ:

ایک دن کلاس ٹیچر نے طلباء سے سوال کیا "تم بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہو؟" اس کے جواب میں لڑکوں نے اپنے دل کی بات بتائی۔ کسی نے کہا کہ میں ڈاکٹر بنوں گا۔ کسی نے بتایا کہ وہ انجینئر بنے گا۔ کسی نے جواب دیا کہ تاجر بنوں گا اور کسی نے لیڈر بننے کی بات کہی لیکن ایک بچے نے جواب دیا کہ

## "میں حاتم بنوں گا"

اس سے پوچھا گیا کہ حاتم کا نام تم نے کس سے سُنا۔ اس نے بتایا کہ ایک کتاب میں حاتم کا قصہ پڑھا تھا۔ حاتم کی نیکیوں کا قصہ پڑھ کر دل میں کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں بھی حاتم کی طرح اللہ کے بندوں کی خدمت کروں گا۔

کلاس ٹیچر نے تمام بچوں کو الگ الگ مشورے دیے۔ اس بچے سے کہا کہ اگر تم حاتم بننا چاہتے ہو تو ابھی سے لوگوں کی بے لوث خدمت کرنے لگو۔ بچے نے "بے لوث" کے معنی پوچھے۔ ٹیچر نے بتایا کہ جس کی خدمت کرو اس سے بدلہ نہ چاہو۔ یہ بھی نہ چاہو کہ لوگ تمہاری تعریف ...

جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے اس کے ساتھ بھی تم نیکی کرو۔ جو تم سے کٹے تم اس سے جُڑو۔ اور دیکھو پیارے بچے! تم یہ سب اس لیے کرو کہ تمہارا اللہ تم سے خوش ہو جائے۔ تم اللہ سے یہی دُعا کرنا شروع کر دو۔ کہ اے اللہ! مجھے آج کا حاتم بنا دے۔ اور دیکھو۔ نیکی کر کے چھپانا کسی سے نہ کہنا کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ یعنی نیکی کر اور دریا میں ڈال والی مثل یاد رکھنا۔

کلاس کی بات آئی گئی ہو گئی۔ دوسرے دن معمول کے مطابق گھنٹے وار مضامین پڑھائے جانے لگے۔ بچے اُس دن کی بات بھول گئے لیکن پھر ایک واقعہ ایسا ہوا کہ یہی بچہ سچ مچ "آج کا حاتم" کہا جانے لگا۔ قصّہ یوں ہے اور یہ قصّہ اس کے گھر سے مشہور ہوا۔

مہینے کی پندرہ تاریخ کو جب وہ اسکول سے باہر آیا تو سیدھا ماں کے پاس گیا اور کہا "امّی! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا دیجیے۔" ماں نے اس سے کہا "بیٹے! کھانا تو میں نے تمہارے ساتھ کر دیا تھا۔ تم نے انٹرول میں کھایا نہیں؟

"نہیں امی جان! میں نے نہیں کھایا؟" بیٹے نے جواب دیا۔

"کیا آج کام زیادہ تھا؟ موقع نہ ملا۔ دیکھوں تمہارا ناشتہ دان!"

ماں نے ناشتہ دان دیکھا۔ اس میں کھانا نہیں تھا۔ ماں نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"اس میں کھانا نہیں ہے۔ کیا کسی لڑکے نے چھین لیا تھا؟"

"نہیں امی! کسی نے چھینا نہیں۔ ہمارے اسکول کے بچے بہت اچھے ہیں۔"

"تو پھر کھانا کیا ہوا؟ فرشتے کھا گئے؟ کھانا سڑ گیا تھا؟ تم نے پھینک دیا؟ آج تم کو فیس بھی دی گئی تھی۔ کچھ پیسے اور دیے گئے تھے۔ پھر تم بھوکے کیوں ہو؟"

ماں نے کئی سوال ایک ساتھ کیے تو بچہ بوکھلا گیا۔ اس نے کہا "امی جان! مجھے پہلے کھانا دیجیے پھر میں بتاؤں گا۔

"کھانا اب پکاؤں گی تب ہو گا؟ اچھا میں آٹا گوندتی ہوں۔ تم بتاؤ کیا ہوا؟"

"امی جان ہوا یہ کہ امی جان! یہ ہوا۔ امی جان؟ آج پندرہ تاریخ ہے نا!"
"اچھا، ہاں، آج پندرہ تاریخ ہے۔ آج لڑکوں کی فیس جمع ہو رہی تھی!"
"جی ہاں، امی جان! آپ تو جانتی ہیں۔ امی جان! آپ آٹا نکالئے میں نل سے پانی لے آؤں؟"
"میں آٹا بھی نکال لاؤں گی اور پانی بھی لے لوں گی۔ تو بتا بھوکا کیوں رہا؟"
"امی جان! آپ کہتی تھیں۔ دیا سلائی نہیں ہے۔ پیسے لائیے۔ میں دوکان سے لے آؤں؟"
"دیا سلائی ہے تو یہ بتا کہ کھانا کیا ہوا؟"
"امی جان! وہ تو میں بتاؤں گا۔ ابا جان آتے ہوں گے۔ امی جان! ابا جان تو روز میرے لئے بازار سے کوئی نہ کوئی چیز لاتے ہیں نا!"
"ہاں، وہ تو لاتے ہیں لیکن تو یہ بتا کہ کھانا کیا ہوا؟ تو آج ضرور کسی سے لڑا ہے۔"
"امی جان! آپ نے بتایا ہے کہ لڑنا اور گالی بکنا بُری بات ہے۔ ہے نا امی! تو پھر میں کیوں لڑوں کسی سے امی جان وہ بات! بتاؤں وہ بات؟"
وہ کیا بات؟ تو آئیں بائیں شائیں کیوں بکتا ہے۔ اصل بات نہیں بتاتا۔"
"امی! آئیں بائیں شائیں نہیں۔ آپ نے بتایا تھا" جھوٹ بولنے والے سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں"
"اُف فوہ! بات میں بات نکال رہا ہے۔ بتاتا کیوں نہیں؟"
ماں آٹا نکالنے جا رہی تھی۔ اس نے تسلہ رکھ دیا اور بچے کی طرف بڑھی۔ بچہ سہم کر پیچھے ہٹا۔ وہ سمجھا کہ آج امی ضرور پیٹیں گی۔ وہ بردہانسا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔" امی مجھے بھوک لگی ہے؟" وہ چیخ پڑا۔
اسی وقت باہری دروازے کے کواڑ کی کنڈی بجی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔" منّے میاں!"
"ابا" بچہ ٹھٹک کر دروازے کی طرف بھاگا۔ اور اس کی امی نے بڑھ کر انگیٹھی سنبھال لی۔ پھر جب منّے میاں باپ کے ساتھ کیلا کھاتے ہوئے اندر آئے تو سلام کے جواب میں بیوی نے میاں سے کہا

کہ آج اس نے کھانا ضائع کر دیا اور پیسے بھی کہیں کھو دیے اور بھوکا گھر آیا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو بتاتا نہیں۔ آئیں بائیں شائیں بکتا ہے"۔ منّے کے ابا جان صحن میں پڑی ہوئی چھوٹی سی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اور بیٹے سے پوچھنے لگے۔

"ہاں بیٹے! تم تو بہت اچھے بچے ہونا! بتاؤ آج بھوکے کیوں رہے؟"

"ابا جان! اب میں بھوکا نہیں ہوں۔ دیکھئے دو کیلے کھائے پیٹ بھر گیا"۔

ماں مسکرائی۔ بولی "یہ کائیاں، اسی طرح دیر سے کترا رہا ہے۔ اصل بات نہیں بتاتا۔ اس سے پوچھیے، اس نے کھانا کیا کیا؟ پیسے کہاں کھوئے۔ شاید آج اس نے فیس بھی نہیں دی۔ مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی سے لڑا ہے"۔

باپ نے بچے کے گال تھپتھپائے۔ پیار کیا اور پوچھا۔

"بیٹے! آج تم اسکول میں بھوکے رہے؟"

"ابا جان!"

"آج تم نے فیس دی کہ نہیں؟"

"ابا جان! ....."

"اچھا اچھا! نہ بتاؤ۔ کوئی بات ہوگی"۔ باپ نے کچھ سمجھ کر ٹال دیا۔ اتنی دیر میں بیوی چائے لے آئی۔ تینوں نے مل کر چائے پی۔ میاں نے بیوی سے کہا۔ کل میں اسکول جاکر دیکھوں گا کہ بات کیا ہے؟"

دوسرے دن باپ بیٹے اسکول گئے۔ بچہ کلاس میں چلا گیا اور باپ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے دیکھتے ہی کہا: "عاصم صاحب! آپ کے بیٹے کی فیس کل جمع نہیں ہوئی ہے!"

باپ نے گیارہ روپیہ پچپن پیسے میز پر رکھ دیے اور کہا کہ بچہ کل بارہ روپیہ لے کر اسکول آیا

تھا۔ اس نے انٹرول میں کھانا بھی نہیں کھایا اور اس کے ناشتہ دان میں بھی کھانا نہیں تھا!

ہیڈ ماسٹر صاحب عاصم صاحب کو لیے ہوئے بچے کے کلاس میں گئے۔ کلاس ٹیچر سے پوچھا کلاس ٹیچر نے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کیا: رمیش! بتاؤ کل کیا ہوا تھا؟"

بارہ برس کا رمیش اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ فیس نہیں لایا تھا اور بھوکا بھی تھا۔ وہ رو رہا تھا اور اسے نام کٹ جانے کا ڈر تھا تو منّے میاں نے اپنی فیس اُسے دیدی اور کھانا بھی کھلا دیا تھا۔ اور وہ خود بھوکے گھر گئے۔

یہ سُنکر ہیڈ ماسٹر صاحب نے منّے میاں کو گلے لگایا اور وہیں کلاس کے سامنے کہا "عاصم صاحب! آپ کا بیٹا حاتم نکلا۔ آج ایسے لوگ کہاں۔ یہ تو آج کا حاتم ہے۔

عاصم صاحب گھر لوٹے۔ بیوی سے سارا حال کہا اور کہا کہ آج صدقہ کرو۔ تمہارا بیٹا بڑا ہو کر حاتم بنے گا ان شاء اللہ۔ بس اسی دن سے وہ "آج کا حاتم" مشہور ہو گیا۔ بچے سے پوچھا گیا کہ تم نے ماں کو بتایا کیوں نہیں؟ تو بچے نے جواب دیا کہ ماسٹر صاحب نے نیکی کر کے چھپانے کو کہا تھا کہا تھا کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

ماں نے بڑھ کر بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور اسی وقت صدقے کا کھانا محلے کے ایک غریب کو بھجوا دیا۔ میاں نے بیوی کو بتایا کہ ہمارے بیٹے نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کیا ہے کہ "داہنے ہاتھ سے دو اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو"

(۲)

آج کا حاتم بڑھتا رہا۔ وہ گھر سے ہر روز جو دس پیسے پاتا تھا اس کی کوئی چیز لیتا تو اپنے کسی نہ کسی دوست کو بھی کھلاتا۔ اس نے ایک کام اور کیا۔ جو بچے کمزور تھے۔ ان کو تعلیمی سہارا دیتا۔ کبھی سوال سمجھا دیتا۔ کبھی اور کوئی جواب حل کرا دیتا۔ اس طرح علم کی وہ مثل اس پر صادق آئی کہ علم بانٹنے سے بڑھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جونیر ہائی اسکول میں اوّل نمبر پاس ہوا اور شہر کے مشہور امانیہ انٹر

کالج میں اس کا داخلہ بغیر مقابلے کے ہو گیا۔ امانت انٹر کالج میں اس وقت مسٹر جگناتھ پرنسپل تھے۔ ان کا بیٹا وشوناتھ نہایت ذہین اور محنتی تھا۔ گھر پر پرنسپل صاحب ہوم ورک میں اس کی مدد کرتے تھے اس لیے کلاس بھر میں وہ نمایاں تھا۔ وشوناتھ کی ٹکر کا اگر کوئی لڑکا تھا تو وہ تھا آج کا حاتم۔ پھر جب سالانہ امتحان (فرسٹ ایر) میں آج کے حاتم نے پہلی پوزیشن حاصل کرلی اور وشوناتھ کی پوزیشن دوم رہی تو اس کو آج کے حاتم سے حسد پیدا ہو گیا۔ یہ بات آج کا حاتم نہ جان سکا۔ وہ وشوناتھ کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتا تھا لیکن جیسے جیسے آج کا حاتم اس سے مل جل کر پیش آتا۔ وہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

ہر طرح کوشش کر کے وشوناتھ کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ آج کے حاتم کے مقابلے میں کسی طرح بھی پوزیشن نہ لا سکے گا۔ اس کے دل میں حسد کی آگ اور بھی بھڑکی۔ اس نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا کہ کسی طرح آج کے حاتم کو سکنڈ ایر کے امتحان ہی میں شامل نہ ہونے دے۔ اس نے اس سے میل بڑھانا شروع کر دیا۔ آج کا حاتم اس کی محبت کا بھوکا تھا ہی۔ وہ بھی کھلے دل سے اس سے محبت کرنے لگا۔ پھر جب امتحان کے دن قریب آئے تو دونوں نے طے کیا کہ سال بھر کے تمام نوٹس مل جل کر دہرائے جائیں۔ اس کے لیے دریا کے کنارے ایک گوشہ چنا گیا۔ دونوں اسی گوشہ میں بیٹھ کر تیاری کرنے لگے۔ تیاری کی آخری تاریخ لکھے لیے بڑی لگن کی تھی۔ وہ رات گئے تک کسی سبق پر بحث کرتے رہے۔ پھر جب اُٹھے اور آج کے حاتم نے کھڑے ہو کر انگڑائی لی تو وشوناتھ نے اُسے دھکا دے کر دریا میں ڈھکیل دیا۔ اور گھر بھاگ آیا۔

دوسرے دن امتحان تھا۔ وشوناتھ بڑے اطمینان کے ساتھ امتحان کے پرچے حل کرنے گیا لیکن وہ بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ دل میں چور تھا۔ وہ پرچے کے سوالات کے جوابات حل کر رہا تھا اور اس کی آتما بار بار اُسے لعنتی قرار دے رہی تھی۔ جب وہ پرچہ حل کر کے گھر کو چلا تو راستے میں خبر سُنی کہ آج کا حاتم اسپتال میں ہے۔ وہ چلتے چلتے رُک گیا اور تھوڑی دیر کسی سوچ میں کھڑا

رہا" وہ کیسے بچ گیا؟" آگے بڑھا تو اس نے سنا کہ آج کا حاتم دریا میں بہتا جا رہا تھا۔ رات کے گشتی سپاہیوں نے اُسے ندی سے نکالا اور داخل اسپتال کر دیا۔

اب وشوناتھ بہت پریشان ہوا۔ پول کھلنے کے ڈر سے وہ گھر بھی نہ گیا۔ وہ اس سوچ اور فکر میں تھا کہ معلوم کرے۔ آج کے حاتم نے کیا رپورٹ دی ہے۔ وہ سیدھا اپنے ایک ساتھی جلال کے پاس گیا۔ جلال سے معلوم ہوا کہ آج کا حاتم پُل سے پھسل گیا اور دریا میں جا رہا۔ یہی اس کا بیان ہے۔ اب وشوناتھ کو اطمینان ہوا لیکن اب یہ اطمینان اُسے اور زیادہ پریشان کئے دے رہا تھا۔ جس میں اس نے ایک خوفناک قدم اٹھا تو دیا تھا مگر آتما کی پھٹکار اس پر پڑ رہی تھی۔ وہ اسی پھٹکار میں امتحان دیتا رہا۔ آج کا حاتم کئی پرچوں میں غیر حاضر رہ کر امتحان دینے جانے لگا۔ وہ وشوناتھ کے قریب ہونے کی اب بھی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وشوناتھ کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس سے آنکھ ملائے۔

امتحان کے دن ختم ہو گئے۔ امتحان کے بعد وشوناتھ اپنے ننہال چلا گیا۔ آج کا حاتم چاہتا تھا کہ وشوناتھ سے کہہ دے کہ جو کچھ ہوا، وہ اللہ کی مشیت سے ہوا۔ اس واقعہ کو زیادہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ وشوناتھ کے گھر گیا۔ پرنسپل جگناتھ جی اور انکی پتنی نے اُسے گھر کے اندر بلا لیا۔ چاچی اس سے بڑے پیار سے پیش آئیں۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ چاچی ہی سے معلوم ہوا کہ وشوناتھ ننہال گیا ہے اور نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ کھویا کھویا سا رہتا ہے؟" چاچی نے اُسے بتایا کہ اب وہ رزلٹ آؤٹ ہونے کے بعد فنکشن کے دن آئے گا۔

خدا خدا کر کے انتظار کے یہ دن کٹے۔ رزلٹ لسٹ میں آج کے حاتم کا نام نہ تھا۔ وہ فیل تھا۔ اس کے فیل ہونے پر کسی کو تعجب بھی نہیں ہوا۔ سب جانتے تھے کہ وہ کئی پرچوں میں غیر حاضر رہا تھا وشوناتھ فرسٹ ڈویژن پاس ہوا اور فرسٹ پوزیشن لایا۔ اس پر بھی کسی کو تعجب نہیں ہوا۔ سب جانتے تھے کہ اس کا حریف اس کے مقابلے میں آیا ہی نہیں۔

وشوناتھ فنکشن کے ایک ہفتہ پہلے گھر آیا لیکن اس حالت میں کہ وہ بخار میں مبتلا تھا۔ آج کا حاتم

اس سے ملنے گیا تو وشوناتھ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ آج کا حاتم کچھ پھل اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ اس نے چاچی کو دیدیے اور مبارکباد کا کارڈ دے کر چلا آیا۔ چاچی حیران تھیں کہ وشوناتھ اپنے دوست سے کیوں نہیں ملا؟

اسکول میں جلسے کی تیاری بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ جلسہ اتوار کے دن تھا۔ شہر کے بڑے آدمی اور سبھی حکام بلائے گئے تھے اور قریب قریب سب ہی آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں وشوناتھ کے لیے تحفوں کے پیکٹ تھے۔ صدر جلسہ سید صادق حسین صاحب ایم۔ ایل اے تھے۔ انہی کے ہاتھوں انعام پانے والے لڑکوں کو انعام تقسیم کیا گیا۔ وشوناتھ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ جلسے میں آنا نہیں چاہتا تھا لیکن بہت کہنے سننے کے بعد آیا۔ وہ بہت اُداس تھا۔ جس وقت وہ آیا۔ سیٹیں بھر چکی تھیں۔ اس نے آخری سیٹ پر آج کے حاتم کو بیٹھے دیکھا۔ وشوناتھ نے اس کی طرف سے نظر ہٹالی۔ اسے اس جگہ بلا لیا گیا جہاں انعام پانے والے لڑکے بیٹھے تھے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ دیر تک روتا رہا ہے۔

پہلے انعام کے لیے اس کا نام پکارا گیا۔ پرنسپل صاحب اس کی شیلڈ اور دیگر انعام صدر صاحب کی طرف بڑھا رہے تھے لیکن وشوناتھ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ اس کا نام پھر پکارا گیا۔ اس کے دوستوں نے اُسے اُٹھایا۔ وہ مرے مرے پیروں، اُداس اُداس اُٹھا۔ صدر صاحب کے پاس گیا۔ جس وقت اس نے انعام لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ شیلڈ اس سے نہ سنبھلی۔ زمین پر گر گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس نے ایک لفافہ صادق حسین صاحب کو دیا اور واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ آزردہ دل آزردہ کند انجمنے۔ جلسے میں اُداسی پھیل گئی۔ صدر صاحب نے چند منٹ کے لیے کارروائی روک دی۔ لفافے سے خط نکال کر پڑھنے لگے۔ خط پڑھ کر لمبی سانس لی۔ لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ دیگر انعامات تقسیم کیے پھر سارے پروگرام کے تمام آئٹم منسوخ کر کے خود تقریر کرنے کھڑے ہو گئے۔ سامعین سمجھ گئے کہ آج کوئی عجوبہ سامنے آنے والا ہے۔

صادق حسین صاحب نے مجمع کو مخاطب کرکے تقریر شروع کر دی۔ انھوں نے لفافہ جیب سے نکال لیا۔ سامعین میں سے پرنسپل صاحب کو خاص طور پر مخاطب کیا اور کسی تمہید کے بغیر فرمایا۔ بڑے باپ کا بیٹا بھی بڑا ہی ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے لفافہ بلند کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ وشوناتھ کا خط ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا نفس مطلب میں بتانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے وشوناتھ سے کہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو جائے۔

وشوناتھ اٹھا۔ وہ صدر صاحب کے پاس سر جھکا کر جا کھڑا ہوا۔ صدر صاحب نے بتایا کہ عظیم باپ کے اس عظیم بیٹے نے اس خط میں لکھا ہے کہ وہ آج کے حاتم کی تعلیمی استعداد سے ہمیشہ مرعوب رہا اور پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے لیے اس نے امتحان کے دنوں میں اپنے حریف کو دریا میں دھکیل دیا تھا تاکہ وہ امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔

اس کے بعد صدر صاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص کو عظیم آدمی سمجھتا ہوں۔ جو اپنی غلطی تسلیم کرلے۔ دراصل تعلیم کا منشا امتحان پاس کر لینا نہیں ہے بلکہ ایسا انسان بنتا ہے جیسا وشوناتھ ہے۔ میں پرنسپل صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے گھر ایسا چراغ ہے جو آگے چل کر روشنی پھیلائے گا۔

صادق حسین صاحب اپنی تقریر میں کہہ رہے تھے کہ:-

"اور وشوناتھ سے عظیم وہ لڑکا ہے، جو اس امتحان میں فیل ہو چکا ہے اور پیچھے بیٹھا ہے۔ آپ صاحبان اُسے آج کے حاتم کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ واقعی آج کا حاتم ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ جناب عاصم حسین صاحب کو غریب آدمی سمجھ کر اس جلسے میں نہیں بلایا گیا۔ میں یہیں سے عاصم صاحب کو یہ مبارکباد دینے جاؤں گا کہ آپ کے بیٹے نے ایک دوسرے طالب علم کے لیے بڑی قربانی پیش کی۔ اس نے دریا میں گرنے کے حادثہ کو راز میں رکھا اور وشوناتھ کا نام تک نہیں لیا۔"

تقریر ختم کرکے انھوں نے آج کے حاتم کو پاس بلایا تو وشوناتھ اس سے لپٹ کر خوب رویا۔ صدر صاحب

اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پرنسپل صاحب سٹی مجسٹریٹ اور کچھ حکام ساتھ چلے۔ عاصم صاحب کے پاس پرنسپل صاحب نے آدمی دوڑا دیا۔ وہ استقبال کو آئے۔ سب کو گھر لے گئے۔ فرش پر سب کو بٹھایا اور اپنی قسمت پر فخر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

وہ آئیں گھر پہ ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

عاصم صاحب نے غریبانہ مؤسب کی خاطر کی۔ پھر جب صادق صاحب اُٹھے تو انھوں نے کہا کہ آج سے "آج کا حاتم" میرا بیٹا ہے۔ آج سے میں اس کا کفیل ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلے گئے۔ شام کو عاصم صاحب کے گھر تحفوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور دروازے پر "آج کا حاتم" "زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ وشوناتھ، پرنسپل صاحب اور ان کی پتنی آج عاصم صاحب کے گھر مہمان تھے۔ "آج کا حاتم" وشوناتھ سے کہہ رہا تھا:—

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے!

(۳)

شہر میں ہر طرف یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ اللہ کی مصلحت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کون جانتا تھا کہ آج کے حاتم نے وشوناتھ کے لیے جو قربانی دی اور پھر وشوناتھ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا۔ اس کا بدلہ اس دنیا میں یہ ملے گا کہ سید صادق حسین جیسا رئیس شہر کسی درخواست کے بغیر آپ سے آپ آج کے حاتم، کا کفیل بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرا بدلہ یہ دیا کہ سارا شہر آج کے حاتم کا گرویدہ ہو گیا۔ وشوناتھ، اس کے پتا پرنسپل صاحب اور پرنسپل صاحب کی پتنی یعنی آج کے حاتم کی چاچی نے ایک کمرہ خاص اس کے لیے کر دیا تھا۔ جس میں وہ وشوناتھ کے ساتھ اسٹڈی کیا کرتا۔ پرنسپل صاحب نے

دل میں طے کرلیا تھا کہ وہ تعلیم کے سلسلے میں ہر اتوار کو ایک گھنٹہ ضرور دیں گے اور اس سال آج کے حاتم کو صوبے میں ٹاپ کرنا ہے۔

باپ عاصم صاحب کی دعا، سید صادق حسین رئیس کی سرپرستی پرنسپل صاحب کی رہنمائی اور آج کے حاتم کی محنت کا پھل سامنے آیا۔ پچ پچ اس نے ٹاپ کیا۔ وہ سارے صوبے میں اوّل نمبر پر آیا۔ یہ دیکھ کر سید صاحب نے اُسے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ دلا دیا۔ وہاں اُسے تین وظیفے ملے۔ تین ہزار سالانہ کا وظیفہ یونیورسٹی کی طرف سے مقرر ہوا۔ چھ سو روپیہ سالانہ کا وظیفہ لیاقت انٹر کالج نے مقرر کیا۔ اور ریاست کے شعبہ ترقی تعلیم نے دو ہزار چار سو روپیہ سالانہ کا اعزازی وظیفہ منظور کیا۔

یہ چھ ہزار کی یافت ہوئی تو عاصم حسین صاحب نے دبے لفظوں میں سید صادق حسین صاحب سے عرض کیا کہ یہ اللہ کا فضل ہوا، اب کسی اور امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سُن کر صادق حسین صاحب نے عاصم صاحب کو ڈانٹ دیا: "ہرگز نہیں، میں اپنا ہاتھ آج کے حاتم کی سرپرستی سے نہیں روکوں گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ آج کا حاتم میرا بیٹا ہے۔ یہ جو وظیفے اُسے ملے ہیں اس کو چاہیئے کہ بنک میں جمع کرتا رہے۔ کون جانے کل صادق حسین زندہ رہے گا یا نہیں؟

اس کے جواب میں عاصم صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے "لیکن خدا تو" انکی زبان سے پورا جملہ ادا بھی نہ ہوسکا کہ ڈاکیہ آگیا۔ عاصم صاحب خاموش ہوگئے۔ سید صاحب ڈاک لے کر دیکھنے لگے۔ ڈاک دیکھتے دیکھتے ایک لفافے پر نظر پڑی۔ جھٹ اسے اٹھالیا۔ کھولا۔ پڑھا۔ پھر عاصم صاحب کی طرف بڑھادیا۔ یہ دیکھئے آج کا حاتم کیا لکھتا ہے؟"

عاصم صاحب خط پڑھنے لگے۔ القاب و آداب کے بعد مضمون یہ تھا کہ یہاں آسٹریلیا کی ایک کرسچین لڑکی ایرنا زیر تعلیم ہے۔ وہ نہایت ذہین اور محنتی ہے۔ اس کے والد کا انتقال آسٹریلیا میں ہوگیا تو بے چاری کے لیے رقم آنا بند ہوگئی۔ وہ تعلیم چھوڑ کر گھر جانے والی تھی لیکن

میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تعلیم پوری کرلے۔ میں جو وظیفہ ہر ماہ پاؤں گا وہ تم کو دیدونگا۔
میں آپ سے اور ابا جان سے توقع رکھتا ہوں کہ گو میں نے آپ دونوں کے مشورے کے بغیر یہ اقدام کیا ہے۔ پھر بھی آپ دونوں بزرگ خوش ہوں گے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس خط کے مضمون کو عام نہیں کریں گے میں نے ایرنا سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ بھی کسی سے نہ کہے۔

" الحمد للہ" دونوں بزرگوں کی زبان سے نکلا۔ سید صاحب نے جواب با صواب لکھا ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ یونیورسٹی کے حالات لکھتا رہے۔ آج کا حاتم ہر ماہ خط بھیجتا۔ اس کے خط میں یہ بات خاص طور پر ہوتی کہ یونیورسٹی اخلاقی حیثیت سے پستی کی طرف جا رہی ہے۔ یہاں تین قسم کے ذہن پائے جاتے ہیں۔ ایک ذہن کمیونسٹوں کا ہے جو کسی اخلاقی قدر کا قائل نہیں ہے اور وہی چھایا ہوا ہے۔ اس کا طریق کار توڑ پھوڑ اور بگاڑ ہے اور پالیسی یہ ہے کہ مزدوروں کو مالداروں سے ٹکرا کر اپنا سیاسی اقتدار حاصل کرلے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی ذہن کے کچھ طلبا اور دو ایک لیکچرر ہیں۔ یہ تعداد میں بھی تھوڑے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والی ملک میں کوئی جماعت بھی نہیں ہے۔ ان کے پاس اپنا کچھ اسلامی لٹریچر ہے۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لٹریچر عام ہو جائے۔ یہ پُرامن لوگ ہیں اصول پسند ہیں۔ بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہیں۔ کمیونسٹوں کے مقابلے میں یہ اسلامی ذہن کی برکتوں کا ذکر کرتے ہیں اور خلافت راشدہ کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یونیورسٹی میں یہ رجعت پرست اور گدھے کہے جاتے ہیں۔

ایک تیسرا گروہ ہے۔ یہ ہر حالت میں سرکاری پالیسی کا حامی ہے۔ یونیورسٹی کے اکثر ذمہ دار صاحبان سرکار کی چشم و ابرو کے اشاروں پر عمل کرتے ہیں۔ ان کی پالیسی عجیب ہے۔ اسلام پسندوں کے مقابلے میں یہ صاحبان کمیونسٹوں سے ساز باز رکھتے ہیں لیکن کمیونسٹوں اور سرکار کی ٹکر ہوتی ہے تو گورنمنٹ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ والسلام۔ آپ کا "آج کا حاتم"

عاصم صاحب نے خط پڑھ کر سید صاحب کو دے دیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں
اسے لکھ دوں کہ وہ وہاں تعلیم حاصل کرنے گیا ہے۔ اُسے اس کے علاوہ کسی اور شے سے دلچسپی نہیں
چاہیئے۔ ٹھیک ہے نا عاصم صاحب! عاصم صاحب نے رائے دی کہ اُسے لکھا جائے، وہ اسلامی
ذہن رکھنے والے گروہ سے تعاون کرے۔ اگر وہاں اسلامی ذہن کے طلبا نہ پیدا ہوئے تو اسکے
مسلم یونیورسٹی ہونے کے معنی کیا اور اگر کمیونسٹ آگئے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو وہاں بھیجیں
اور بہت سے کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ملک خدا تنگ نیست۔

سید صاحب نے ایک لمبی سانس بھری۔ بڑھا کرتا ہوں ....." کہی۔ پھر خط لکھا اور اس میں
اپنی رائے بھی لکھ دی اور عاصم صاحب کی ... کیا اور پوسٹ کر دیا۔

دوسرے سال آج کے حاتم نے پھر ایک ... رنامہ انجام دیا۔ ایرنا کے لیے بالکل اسی
طرح کی قربانی پیش کی جیسی اس نے وشوناتھ کے لیے کی تھی۔ ہاں دونوں کہانیوں میں قدرے
فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ایرنا کی کہانی یوں ہے کہ اُسے ایک سکھ لڑکے سے محبت ہو گئی۔ لڑکا رئیس گھرانے کا تھا۔ لڑکا
بھی ایرنا کی طرف مائل ہو گیا۔ لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ وہ یونیورسٹی میں ٹاپ کرے تو شادی ہو سکتی
ہے۔ ایرنا نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ جان توڑ کوشش کرے گی۔ اور اس سے شادی کر کے
رہے گی۔ اور اس کے لیے اپنا مذہب بھی تبدیل کر کے سکھ دھرم قبول کر لے گی۔ لیکن امتحان سے
دو ماہ قبل اس کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ آج کا حاتم اس کا راستہ روک رہا ہے۔

آج کا حاتم ایرنا کا محسن تھا۔ وہ اسے پانچسو روپے ماہانہ وظیفے کی رقم دے دیتا تھا۔
ایرنا اتنی پست ذہن کی بھی نہ تھی کہ اس کے دل میں حریف کے بارے میں حسد پیدا ہوتا۔ وہ
آسٹرین ہوتے ہوئے اخلاقی قدروں کو پسند کرتی تھی۔ آج کا حاتم اس کے پسندیدہ
لوگوں میں پسندیدہ تر تھا۔ اس نے نہایت ہی سادہ لیکن حسین طریقہ اختیار کیا۔ امتحان کے

پندرہ دن باقی تھے کہ ایک دن وہ اس سے تنہائی میں ملی۔ اس نے لجاجت کے ساتھ اپنی محبت کی کہانی سنائی۔ اس کے بعد سکھ نوجوان کی شرط بھی بتادی۔ پھر یہ اندیشہ بھی صاف صاف بیان کر دیا کہ میں آپ کے مقابلے میں نمبر نہ لاسکوں گا۔ آپ حاتم ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ اس سال امتحان نہ دیں تو مجھے توقع ہے کہ ٹاپ کر لوں گی۔ آپ اگلے سال ٹاپ کر لیجیے۔

آج کا حاتم ایرنا کی کہانی سنتا رہا۔ پھر اُسے ڈھارس بندھائی۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ تعلیم حاصل کرنا تھی وہ کتابی تعلیم تو حاصل کر چکا۔ مجھے سرٹیفکٹ کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب میں مزید اپنے خاص مطالعہ سے تعلیم حاصل کروں گا۔ آپ نے مجھے دیر میں بتایا۔ اگر آپ پہلے سے بتادیتیں تو میں آپ کے لیے فارغ ہو جاتا۔ میرا وقت بچتا۔ اسے میں اپنے ذاتی مطالعہ میں لگاتا۔ خیر، ہر بات کے لیے وقت مقرر ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں امتحان نہیں دونگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے۔

یہ کہہ کر آج کا حاتم اٹھا۔ اس نے اپنی میز پر سے ایک کاپی اٹھائی۔ دراصل یہ اس کے نوٹس تھے۔ جو اس نے امتحان کی کامیابی کے لیے تیار کئے تھے۔ اس نے یہ نوٹس ایرنا کو دے دیے۔ ایرنا یہ ایثار دیکھ کر آنکھوں میں عقیدت کے آنسو بھر لائی۔ اس نے چاہا کہ آج کے حاتم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لے لیکن آج کے حاتم نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔

ایرنا سلام کر کے چلی گئی۔ دوسرے دن ایرنا نے آج کے حاتم کو یونیورسٹی میں دیکھا۔ ضرور۔ دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا۔ لیکن اب اس کا زیادہ وقت یونیورسٹی کی لائبریری میں گزرتا تھا۔ پہلے تو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ پھر ساتھیوں نے پوچھا کہ امتحان کے دس دن باقی ہیں۔ اور تم لائبریری کے کیڑے بنے جا رہے ہو جب کہ یہ دن ہیں جب امتحان

میں پاس ہونے کی دھن میں طلبہ و طالبات سب بھوک پیاس بھی بھول جاتے ہیں۔

آج کا حاتم جواب دیتا۔ میں امتحان کی تیاری سے غافل نہیں ہوں بلکہ میں اس سے بھی بڑے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔"

یہ اس کا وہ جواب تھا جو آدھا چوتھائی کسی کی سمجھ میں آتا اور کسی کی سمجھ میں بالکل نہ آتا یونیورسٹی میں ایرنا اور سکھ نوجوان کی محبت کے چرچے تھے۔ لوگوں کو سکھ نوجوان کی شرط کا بھی علم تھا۔ سب کی زبان پر یہ جملہ تھا "بھئی، دیکھئے، محبت کا انجام کیا ہو۔ آج کا حاتم ایرنا کی راہ میں پہاڑ کی طرح کھڑا ہے اس سے ٹکر لینا ایرنا کے بس کی بات نہیں۔

لوگ یہ بھی محسوس کرتے کہ ایرنا بہت مطمئن اور خوش ہے۔ ایرنا نے سکھ نوجوان کو یقین دلا دیا تھا کہ ضرور ٹاپ کرے گی۔ سکھ نوجوان نے آج کے حاتم کا اندیشہ ظاہر کیا تو ایرنا نے کہہ دیا کہ مجھے اس سے اندیشہ نہیں۔

سکھ نوجوان ایرنا کے حوصلے پر دنگ تھا۔ اس کے دل میں ایرنا کی اولوالعزمی نے جگہ پیدا کی اور اس ناتے اس کے دل میں ایرنا کی محبت بڑھنے لگی۔

اِدھر آج کا حاتم اپنی سوچ اور فکر کی مناسبت سے اسلام پسند طلبہ کی تنظیم سے وابستہ ہوگیا۔ ان کے اجتماعات میں باقاعدگی سے جانے لگا۔ پھر جب امتحان کے دو دن باقی تھے وہ اس تنظیم کے مرکز کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایرنا کو معلوم ہوا تو اس نے سکھ نوجوان سے کہا کہ دیکھا! میں نہ کہتی تھی کہ:

جو کام کیا اس نے وہ رستم سے نہ ہوگا

# اور ٹرین چلتی رہی

ندی کے پل پر ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ مسافروں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ "ڈاکہ" ۔ ۔ ۔ کسی نے زنجیر کھینچ لی ۔ ۔ ۔ ہے بھگوان! ۔ ۔ ۔ اللہ خیر! ۔ ۔ ۔ ملی جلی آوازیں گونجیں۔ لیکن پھر چیکنگ کی آواز سُن کر سب کو اطمینان ہو گیا دو سپاہی ٹکٹ چیک کر رہے تھے۔ مسافروں نے اپنا اپنا ٹکٹ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ کنارے سیٹ پر ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا اُس نے ٹکٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ آر پار نکل گیا۔ بڈھے کی چیخ نکل گئی ۔ ۔ ۔ ہائے رام ۔ ۔ ۔ ! جیب کترے نے رقم کے ساتھ ٹکٹ بھی نکال لیا تھا۔ ٹکٹ چیک کرنے والے سپاہی پاس آ چکے تھے۔ اُنھوں نے ٹکٹ مانگا تو بے چارہ "بابوجی!" کہہ کر رہ گیا۔ سپاہیوں نے اُسے اور نوجوان لڑکی کو ٹرین سے اُتار لیا۔ چیکنگ مجسٹریٹ کے پاس لے گئے۔ نوجوان لڑکی پیچھے پیچھے ساتھ تھی۔ اُسے کچھ اور ہی کھٹکا تھا۔ وہ بہت ہی پریشان اور بے چین تھی۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے دو سو روپیہ جرمانہ کیا۔ بڈھا گڑگڑایا ۔ ۔ "مائی باپ ۔ ۔ ۔ !" چیکنگ مجسٹریٹ گرجا "تین سو" ۔ ۔ ۔ ! بڈھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور لڑکی اس سے چمٹ کر رونے لگی۔ سپاہیوں نے بڈھے کے ہتھکڑی ڈال دی۔ پھر لڑکی کی طرف بڑھے۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی ۔ ۔ ۔ "ہائے بابا!" ۔ ۔ ۔

"ٹھہریئے" اچانک ایک طرف سے آواز آئی۔ ایک نوجوان دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے تین سو روپیہ چیکنگ مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ بڈھا آزاد ہو گیا۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

"آدمی۔"

"آدمی تو ہم بھی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کا اِس بڈھے سے کیا سمبندھ ہے؟"

"یہ بڈھا میرا باپ اور یہ لڑکی میری بہن ہے۔"

چیکنگ مجسٹریٹ نے غور سے نوجوان کو دیکھا۔ پھر انگریزی میں بولا:

"آپ تو شاید مسلمان ہیں؟"

"یس۔ الحمدللہ، میں مسلمان ہوں" انگریزی ہی میں جواب ملا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں کا میں نے ٹکٹ لیا ہے۔"

"آپ نے کہاں کا ٹکٹ لیا ہے؟"

"جہاں میں جا رہا ہوں"

"دیکھوں آپ کا ٹکٹ!"۔۔۔ اس نوجوان نے ٹکٹ دکھایا۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے ٹکٹ دیکھا۔ "اچھا آپ اسٹوڈینٹ ہیں" کہہ کر ٹکٹ واپس کر دیا۔ ٹرین سیٹی دے رہی تھی۔ نوجوان بڈھے اور لڑکی کو لے کر ڈبے کی طرف بڑھا۔ "وچڑیمارا! چیکنگ مجسٹریٹ ابھی غصے میں تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ چبائے۔ ایک طرف سے جواب ملا"۔۔۔ اور چڑیمار سونے کی چڑیا بھی اڑا لے گیا" چیکنگ مجسٹریٹ دانت پیس کر رہ گیا۔ کچھ نوجوان اسے چونچ دکھا رہے تھے۔

نوجوان نے بڈھے اور لڑکی کو ڈبے میں بٹھایا۔ بوڑھا اسے آشیرواد دے رہا تھا" بیٹا! تو دیوتا دُں کی چھاؤں میں رہے۔ بھگوان تجھے بھاگوان کرے۔ آج تو نے جیسے میری مریادا رکھی ایشور سدا تیری مریادا رکھے۔ نوجوان لڑکی پیار بھری نظروں سے اس نوجوان بھائی کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کچھ کہہ رہی تھی۔

مسافر جان گئے تھے کہ بڈھا کیسے بچا۔ ان میں سے کوئی اس نوجوان کو دیوتا کہہ رہا تھا اور کوئی حاتم۔

ٹرین اپنی پوری رفتار سے چلتی رہی۔

## اور حاتم ہنس پڑا

تین چار اسٹیشنوں کے بعد ڈبے میں ٹکٹ چیکر آیا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کا ہاتھ وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ ڈبے میں آکر اس نے ایک نظر مسافروں پر ڈالی۔ حاتم نے ٹکٹ نکالنے کیلئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہنس پڑا۔ اس کی جیب صاف تھی۔ نہ ٹکٹ اور نہ رقم۔ ٹکٹ چیکر پرانا خرانت تھا۔ اس کی نظر حاتم پر بھی پڑی۔ وہ سمجھ گیا کہ جسے تلاش کرنے آیا ہے وہ علیگڑھ یونیورسٹی کا طالبِ علم یہی ہے۔ اس نے کہا "جناب یہ ہے آپ کا ٹکٹ" اس نے

ٹکٹ حاتم کو دے دیا۔

اب اُس نے اس نوجوان سے کہا: "آپ تو فرماتے تھے کہ آپ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ لیکن میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔ دیکھا آپ نے! میں نے علیگ کو پہچان لیا۔ اب چلئے آپ کو دوسرے ڈبے کی ہوا کھلاؤں"۔

جیب کترے کا برا حال تھا۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ ہر شخص اُسے ملامت کرنے لگا۔ اگلے اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر نے اُسے اُتار لیا۔ حاتم سے کہا "ذرا آپ بھی کشٹ کریں"۔ "بہت اچھا" کہہ کر حاتم بھی اتر پڑا۔ اچانک اُس نے سُنا "بابا! نوجوان بھیا بھی یہیں اُترا۔ وہ ہے۔ اُسے گھر لے چلیئے"۔

"ہٹ ری پگلی۔ وہ ہمارے گھر کیوں جانے لگا۔ ہم جو چمار ہیں"۔

لڑکی کو بھی اپنی حقیقت یاد آگئی۔ وہ چپ ہوگئی۔ اُس نے بابا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس طرف لے چلی جدھر ٹکٹ چیکر جیب کترے کو لئے جا رہا تھا۔ حاتم اُس سے انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا لیکن ٹکٹ چیکر 'نو نو' کی رٹ لگائے تھا۔ خدا جانے وہ جیب کترے سے اتنا کیوں بگڑ بیٹھا تھا۔ اُس کا کام تو دس بیس روپیہ میں بن سکتا تھا۔ وہ سیدھا گیٹ بابو کے پاس پہونچا جیب کترے کو اُس کے حوالے کیا اور ٹرین پر چلا گیا۔

یہاں بابو نے پولیس کو بلا لیا تھا لیکن حاتم نے کہا کہ میں اِس پر مقدمہ چلانا نہیں چاہتا۔ بابو اب کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے پنالٹی اور علیگڈھ سے ٹکٹ کی رقم ملا کر پینتالیس ۴۵ روپے طلب کئے۔ جیب کترے نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سو۱۰۰ روپیہ کا نوٹ اور کچھ چھوٹے نوٹ نکال کر حاتم کو دیئے اور کہا "آپ اپنی رقم لیجئے اور میں چلا جیل۔ زندہ رہا تو آپ سے کہیں نہ کہیں ضرور ملوں گا۔

"کہیں نہ کہیں کیوں میرے بھائی۔ آج ہی"۔ یہ کہہ کر حاتم نے پینتالیس ۴۵ روپے بابو کو دیئے، رسید لی، اور چاہا کہ ٹرین کی طرف بڑھے۔ اچانک آواز آئی:

"بھیا! میرے گھر چلئے"۔ حاتم نے مڑ کر دیکھا۔ بابا ڈانٹ رہا تھا:

"کملی! پاگل ہوئی ہے۔ اپنی حقیقت دیکھ!"

"کیا بات ہے بابا؟" حاتم پوچھنے لگا۔

"بھیا بیٹے! ہم لوگ چمار ہیں۔ جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ تم کو گھر لے چلوں۔ تمہارے چرن دھو کر پیوں پر جات پات کا بھید بھاؤ ہے۔ ہمت نہیں پڑتی۔"

"بابا! میں ضرور آپ کے ساتھ آپ کے گھر چلوں گا۔"

"بھیا! میں چمار ہوں۔"

"بابا! مجھے اور آپ کو اور سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔"

"ہاں بیٹا! جانتا ہوں۔ مگر میں تو اچھوت ہوں۔"

"میں یہ چھوت اچھوت نہیں جانتا۔"

"تو کیا تم چھوت چھات نہیں مانتے؟"

"بابا! مسلمان چھوت چھات نہیں مانتے۔ ہم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں سے پیدا ہیں۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔"

"حاتم بھیا!" لڑکی پکار اٹھی اور وہ اُس کے قریب آ گئی۔

"میرا بھیا حاتم!"

"ہاں کملی! میں تیرا بھائی ہوں۔"

"تو چل رہے ہیں نا! میرے گھر؟"

"ہاں چلوں گا۔"

"میں اپنے بھیا کو دودھ بھات کھلاؤں گی۔"

"میں بڑے شوق سے کھاؤں گا۔ اچھا لے! یہ میری اٹیچی لے لے۔ اور یہ ہیں پیسے۔ میں اپنے پاس رکھوں گا تو جیب کترے لے اڑیں گے۔" کملی ہنسنے لگی۔ نوٹ اُس نے انگیا میں رکھ لئے۔ اٹیچی اٹھائی۔ اب حاتم اُس نوجوان کی طرف مڑا۔ نام پوچھا۔ اُس نے اپنا نام "مبارک حسین" بتایا۔

"خوب! تم بھی مسلمان ہو۔" اور حاتم ہنس پڑا۔ کملی سُن رہی تھی۔ بول پڑی:

"بھیا! یہ مسلمان کیسا ہے؟؟"

مُبارک رو پڑا۔ اُس نے بڑی لجاجت کے ساتھ کہا:

"ہاں میری بہن! میں چند منٹ پہلے چور تھا۔ گرہ کٹ۔ لیکن اب تیرے بھیا جیسا مسلمان بننے کی کوشش کرونگا کیا مجھے بھی اپنے بھیا کے ساتھ لے چلو گی!" لہجہ کچھ ایسا درد بھرا تھا کہ کملی اپنے بھیا کو دیکھنے لگی۔ حاتم بولا:

"چلئے، ایک سے دو بھلے۔"

اور یہ چار آدمیوں کا قافلہ "چمر ددھا" کی طرف پیدل جا رہا تھا جس میں دو مسلمان نوجوان تھے، ایک بوڑھا بابا اور ایک جوان لڑکی کملی۔ کملی بہت خوش تھی۔ وہ سب سے آگے آگے چل رہی تھی اور گا رہی تھی ؎

"نبیا کی چھیّاں میں گیہوں سکھاؤں ری سکھی! آج بیرن آئے۔" (آج میں نیم کی چھاؤں میں گیہوں سکھاؤنگی۔ اے سکھی آج میرا بھائی آیا ہے)۔

چمر ددھا گاؤں سامنے تھا۔ چمر ددھا کے کھیتوں کے پاس پہونچے تو کھیت میں کام کرنے والے کھرپا لئے لئے کھڑے ہو گئے۔ ننگ دھڑنگ لنگوٹی باندھے۔ وہ سب حیران حیران دو برابر کے نوجوانوں کو دیکھ رہے تھے۔ نگاہوں نگاہوں میں پوچھ رہے تھے:

"یہ کون؟"

جو ملتا کملی کسی کے پوچھے بغیر بتاتی جا رہی تھی۔ یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ راستے میں جنگیا اُس کی سہیلی ملی۔ وہ سر پر کھانا اور ہاتھ میں لوٹیا لئے ہوئے کھیت پر باپ کے پاس جا رہی تھی۔ کملی نے اُسے روکا اور بڑے ٹھسّے سے کہا:

"اری جنگیا! یہ دیکھ میرے دو بھیا! تیرے بھیّوں سے اچھے۔" جنگیا نے ایک نظر دونوں کو دیکھا۔ اُس نے منھ بنایا۔ انگوٹھا دکھاتی اور یہ کہتی چلی گئی: "یہ منھ اور مسور کی دال!"

اور آگے بڑھی تو کھیت پر سے ہل چھوڑ کر ایک پندرہ سولہ برس کا لڑکا دوڑتا ہوا آیا۔ "دیدی۔ دیدی" کہہ کر کملی سے لپٹ گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا۔

"ہٹ رے ہری! مورکھ، نہ دعا نہ سلام۔ لے تیرے دو بھائی اور لائی ہوں۔ سلام کر۔ روتا ہے نگوڑے!!"

"سلام صاحب!" اور ہری ماتھے پر اپنے ہاتھوں کی چھتری بنا کر دونوں کو دیکھنے لگا۔ حاتم آگے بڑھا۔ چاہا کہ ہری کا

ہاتھ پکڑلے کہ وہ پیچھے ہٹا:

"نہ نہ بابو! مجھے نہ چھونا۔ مجھے اچھے کپڑوں والے نہیں چھوتے۔" حاتم اور آگے بڑھا اور اُس نے ہری کا ہاتھ پکڑلیا۔

"میں تجھے بھی اچھے کپڑے پہناؤں گا۔"

"مجھے! اسیھا چٹ (صاف ستھرے) کپڑے!"

"ہاں! اب تم جلدی گھر جاؤ۔ جلدی سے نہا لو جاکر۔"

ہری بھاگا بھاگا چمرودھا پہونچا۔ اُس نے ایک شور مچادیا۔ "او کلوکاکا اور منگرے چاچا! میرے گھر دیوتا آرہے ہیں!"

بابا کا قافلہ گاؤں میں داخل ہوا۔ اُس وقت تک بچے، بوڑھے، لڑکیاں، عورتیں سب کے سب بابا کے دروازے پر آگئے تھے۔ وہ سب ہری سے پوچھ رہے تھے "یہ کون ہیں رے؟"

"دیوتا ہیں۔ دیکھتے نہیں کیسے اچھے لگ رہے ہیں۔"

کملی بڑے غرور کے ساتھ آگے چل رہی تھی۔ "یہ میرے بھیا ہیں۔ یہ مسلمان ہیں۔ ہاں مسلمان۔ آج میں اِن کو دودھ بھات کھلاؤں گی۔" وہ یہ کہہ رہی تھی کہ تین چار لڑکیاں ڈھولک بجاتی ہوئی آئیں۔ وہ گا رہی تھیں:

آج میرے آنگنا آئے دو بیرنا
دونوں ہیں ویرنا کاہے کی پیرنا
اُٹھو میرے بھاگنا جلدی سے جاگنا
پہنوں گی کانگنا آئے دو بیرنا
دونوں ہیں ویرنا کاہے کی پیرنا

(آج میرے گھر کے آنگن میں میرے بھائی آئے ہیں۔ وہ بڑے بہادر ہیں۔ اب ہم کو کوئی بیڑ نہ کرسکے گا۔ ہماری قسمت کا کیا کہنا۔ اے تقدیر جلدی جاگ جا۔ اب میں کنگن پہنوں گی۔ آج میرے بھائی آئے ہیں۔ وہ بڑے بہادر ہیں۔ دیکھوں تو اب کنگن پہنے دیکھ کر مجھے کون ستائے گا)

کملی گھر جاچکی تھی۔ اُس نے گھڑوں راب کا شربت بناڈالا۔ ہری نہاکر آچکا تھا۔ حاتم نے اُسے پاجامہ کرتا پہنایا تو اُس کا

رنگ نکھر آیا۔ وہ کپڑے دیکھ کر بات بے بات ہنس رہا تھا۔ بابا بڑے ٹھاٹ سے لوگوں کے بیچ بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے اور سفر کا حال بتا رہے تھے۔ سب لوگ بڑے حیران حیران سُن رہے تھے۔ اُن کی زبان سے بار بار یہ جملہ نکل جاتا تھا کہ آج بھی ایسے منش ہیں۔ کملی نے دل کھول کر تربت سے گاؤں والوں کی تواضع کی۔ چھوٹے بچے بار بار چلم بھر کر بوڑھوں کو تھما رہے تھے۔ رات کو تو سب ہکا بکا رہ گئے جب انہوں نے مٹی کی رکابی میں دونوں کو بابا کے ساتھ دودھ بھات کھاتے دیکھا۔ گاؤں کے مکھیا بھی آ گئے تھے اُن کی پتنی اور پتری "گوری"، یہ سب بھی دیکھ رہے تھے۔ اچانک الہڑ گوری کو جانے کیا سوجھی، اُس نے جا کر دونوں کو چھو لیا اور جھٹ پیچھے ہٹ گئی۔ دونوں نے دیکھا مسکرا دیئے۔ دونوں مسکرائے تو گوری کا ڈر کم ہوا۔ اب وہ پھر بڑھی اور وہ گلاس چھو لیا جو حاتم ساتھ لایا تھا۔ حاتم سمجھا کہ وہ پانی پیئے گی۔ اُس نے گلاس میں پانی دیا۔ وہ دیدے مٹکا کر پی گئی۔ ابھی وہ اپنی ماں کے پاس واپس نہیں آئی تھی کہ جے کار کا شور اُٹھا:

مسلمان دیوتاؤں کی ............ جے ہو...

...... اور حاتم ہنس پڑا۔

# وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ........ اور اپنی گندگی دھو ڈالو

رات کو نہ حاتم کو ٹھیک سے نیند آئی اور نہ مبارک کو۔ زمین پر لیٹنے کی عادت نہیں تھی۔ حجرہ دعا میں اُنھیں زمین پر لیٹنا پڑا۔ آس پاس گندا تھا۔ بدبو آ رہی تھی۔ ناک پر اُنگلی رکھے رکھے اور کروٹیں بدلتے رات کٹی۔ دونوں صبح سویرے سو کر اُٹھے۔ لوٹا حاتم کے پاس تھا۔ پہلے حاتم نے وضو کیا پھر مبارک نے۔ اِس کے بعد نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر حاتم نے مبارک سے کچھ کہا۔ پھر ہری سے کھرپا اور جھاڑو مانگا۔

"بھیا! کیا کرو گے کھرپا اور جھاڑو ...؟" بابا نے پوچھا۔ حاتم نے بتایا کہ آس پاس بڑا گندہ ہے۔ گھاس اور کوڑا کرکٹ صاف کروں گا۔ کملی سُن رہی تھی۔ بابا سے پہلے بول اُٹھی:

"بھیا! کیا تم کوڑا کرکٹ اُٹھاؤ گے؟"

"کیوں، کیا حرج ہے؟ اپنا کام کرنے میں شرم کا ہے کی؟"

"یہ تمہاری بھوکلی کس دن کے لیے ہے؟"

اور یہ کہہ کر اُس نے ہری کو آواز دی۔ پہلے اُس نے جھاڑو سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کیا۔ حاتم اور مبارک کو لاکھ روکا گیا، بانے بھی روکا مگر وہ بھی جُٹ گئے۔ پہلے کوڑا کرکٹ بھر بھر کر دور ایک گڈھے میں ڈالا گیا۔ اس کے بعد کملی اور ہری نے ونپڑے کے آس پاس کی گھاس چھیلی۔ اتنی دیر میں حاتم اور مبارک نے جھونپڑے کے اندر سے سارے کپڑے اور بچھونے دھوپ میں ڈال دیئے۔ وہ برتن بھی نکال رہے تھے کہ کملی ہری کو لے کر آگئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اُس کے دونوں بھیّا کیا چاہتے ہ۔ اُس نے ہری کو اشارہ کیا۔ برتن باہر نکال کر جھونپڑے کے اندر بھی صفائی کر دی۔ اس کے بعد کملی نے پنڈول سے لپت بھی ا۔ بابا دوا رسے پیڑ کی جڑ پر بیٹھے گڑگڑی پیتے اور مسکراتے رہے۔ گاؤں کے لوگ آتے، یہ سب دیکھتے اور بابا سے کچھ ماکر کے چلے جاتے۔

صفائی کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ دودھ دوہ کر بھینس کو جھونپڑے کے پیچھے باندھ دیا گیا تھا۔ حاتم مبارک اور کوے کر نہر پر نہانے چلا گیا۔ یہاں کملی ہاتھ منھ دھو کر دال بھات پکانے لگی۔ حاتم اور مبارک نہا دھو کر آئے تو اُنھوں نے کپڑوں کو بھی دھو ڈالا تھا۔ بھیگے کپڑے جھونپڑے پر سوکھنے کے لئے ڈال دیئے، پھر دال بھات کھایا۔ اِس کے بعد پڑے کے اندر لیپی پوتی زمین پر ٹاٹ بچھا کر سو گئے۔ وہ گہری نیند سوئے۔ سو کر اُٹھے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر بابا کے پاس ہی تھے کہ کملی نے آکر کہا:

"آج ہم سب مکھیا کے یہاں کھانا کھائیں گے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ہمارا بھیّا صفائی کو پسند کرتا ہے"۔

کملی نے یہ بھی بتایا کہ مکھیا بھیّا سے کچھ باتیں کریں گے۔ جنے وہ کیا باتیں کریں گے۔ میں نے گوری سے پوچھا۔ اُس نے کچھ نہیں اُلٹا مجھ سے پوچھنے لگی:

"کیا بھیّا کے دھرم میں منش منش کے بیچ چھوت چھات اور اونچ نیچ نہیں؟"

حاتم سمجھ گیا کہ آج مکھیا سے کیا بات کرنی ہو گی۔ وہ دل ہی دل میں تیاری کرنے لگا۔ بابا سے پوچھا کہ مکھیا کچھ لکھے بھی ہیں تو اُنھوں نے بتایا:

"تھوڑی سی ہندی پڑھ لیتے ہیں۔"

# ایک اچھوت ایم۔ ایل۔ اے۔

حاتم بابا سے باتیں کر رہا تھا کہ سامنے ایک شخص کھدر کا پاجامہ کرتا اور جواہر کٹ صدری پہنے آتا دکھائی دیا۔ اُس کے سر پر گاندھی ٹوپی تھی اور وہ چپل پہنے ہوئے تھا۔ اُس کے ساتھ ایک لڑکی اور پیچھے پیچھے دو آدمی اور تھے۔ 'چودھری' بابا کی زبان سے نکلا اور وہ چودھری کے سواگت کو لپکے۔ بابا نے جے ہند کہہ کر سلام کیا۔ چودھری نے بھی جے ہند کہا۔ کملی جھونپڑے میں تھی۔ ہری نے اُسے خبر کی۔ وہ جھونپڑے سے نکلی۔ آنے والوں کی طرف دیکھا۔ پھر دوڑی۔ چودھری کو پرنام کر کے نوجوان لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور بڑی بے تکلفی سے کھینچتی ہوئی لے چلی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی:

"آشی! میرے دو بھیا دیکھے گی! بڑے اچھے ہیں۔"

وہ لڑکی بھی ہنستی ہوئی کملی کے جھونپڑے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سچ مچ دو نوجوان لڑکے جھونپڑے کے پاس کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُنھیں دیکھ کر اُس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر ہنستی ہوئی جھونپڑے میں گھس گئی۔

حاتم اور مبارک دونوں اُس کے اکھڑ پنے پر مسکرا دیئے۔ چودھری پاس آ گئے تھے۔ دونوں اُنھیں آداب بجا لائے۔ بابا نے چودھری اور اُن کے ساتھیوں کو جھونپڑے کے آگے آنگن میں نیم کے نیچے چٹائی پر بٹھایا۔ ہری گڑگڑی صاف کرنے لگا۔ کملی راب نکالنے لگی۔ آشی شربت بنانے میں اُس کی مدد کرنے لگی۔ وہ چھوٹی بالٹی دھونے لگی۔ وہ بار بار حاتم اور مبارک کو دیکھے جا رہی تھی

"یہی ہیں وہ لڑکے؟" چودھری نے بابا سے پوچھا۔

"ہاں چودھری جی۔ یہ اب یہیں رہیں گے۔ بڑے اچھے ہیں دونوں۔ اِن کو صفائی بہت پسند ہے۔ یہ سب آس پاس انھوں نے ہی صاف کر کے چندن بنا دیا۔ آج یہ مکھیا کے یہاں بھوجن کریں گے اور۔۔۔"

بابا کچھ اور کہتے کہ چودھری ہنسنے لگے۔ بولے:

"بابا! میں سمجھ گیا۔ تم آج بہت خوش ہو۔ میں نے ایک بات پوچھی تھی۔ تم کہانی سنانے لگے۔ خوشی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ ان میں حاتم کون ہے۔" پھر خود ہی کہنے لگے "شاید یہ نوجوان ہے۔"

"جی ہاں! میں ہی حاتم ہوں۔ معلوم نہیں کیسے آپ نے پہچان لیا۔ اور یہ میرا بھائی مبارک ہے۔ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ خوشی والی بات کے بارے میں ایک بات عرض کروں اگر آپ آگیا دیں۔۔۔؟"

"بابا! تمہارا بیٹا بڑا پیارا نوجوان ہے۔ ہاں بیٹے! کہو۔ میں تمہاری باتیں ہی سننے آیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جب مجھے جو الجھن ہے آج وہ دور ہو جائے۔"

"چودھری صاحب! قرآن مجید۔ جی ہاں۔ جی ہاں۔ ہم مسلمانوں کے پاس جو قرآن مجید ہے۔ اسے ہم اللہ کی کتاب کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب سارے انسانوں کے لئے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی۔"

"شاباش بیٹے! بڑی اچھی طرح اپنی بات بتا رہے ہو۔ بہت سمجھ دار ہو۔ ہاں، وہ خوشی والی بات کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ میں وہی عرض کر رہا ہوں۔ قرآن میں ایک واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ کو اللہ سے مل کر کیسی خوشی ہوئی ہوگی، آپ اندازہ کریں۔ انھوں نے جواب دیا: اے اللہ! یہ میری لاٹھی ہے۔ چودھری صاحب جواب تو پورا ہو گیا لیکن ہمارے بابا کی طرح حضرت موسیٰ بولتے چلے گئے: اس سے میں اپنی بھیڑوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں۔۔۔ اس کی ٹیک لگا کر سو لیتا ہوں۔۔۔ درندہ جانوروں کو بھگاتا ہوں۔۔۔ اس لاٹھی سے دیکھتا ہوں کہاں کتنا پانی ہے۔"

چودھری صاحب ہنسنے لگے۔ بابا سے بولے:

"تم بہت بھاگوان ہو۔ بڑا اچھا بیٹا ملا ہے۔" پھر حاتم سے پوچھا:

"میرا خیال ہے کہ تم قرآن کی باتیں جانتے ہو؟"

"کچھ کچھ، بنیادی باتیں۔"

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں۔"

اس کے جواب میں حاتم کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اتنے میں سامنے سے مکھیا آتے ہوئے دکھائی دئے۔ ادھر ادھر سے کچھ دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔ پرنام اور رہجے ہند کے بعد وہ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ بابا نے بری کو اشارہ کیا۔ اس نے دو تین ٹاٹ اور لا کر بچھا دیئے۔

حاتم چودھری صاحب کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ باتیں تو ہونے لگی تھیں لیکن اُن کا تعارف نہیں کرایا گیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کس سے پوچھوں اور کیسے پوچھوں۔ پھر اُس نے کہا:

" بالکل اُسی طرح جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سارے جگت کے سب سے بڑے سے ملے تو خوشی میں بہت کچھ کہہ گئے اسی طرح بابا بھی آپ کے ایک سوال پر بھاشن سا دینے لگے۔ اللہ نے آپ کو بھی بڑا آدمی بنایا ہے۔"

"بیٹا حاتم! بھگوان سے یہی تو شکایت ہے۔ اُس نے ہم کو اچھوت، نیچ، کمینہ، ناپاک اور ذلیل بنایا۔ انسانوں پر ہماری پرچھائیں پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائیں۔ دھرم کی کوئی بات ہمارے کانوں میں پڑ جائے تو اونچی ذات والوں کو ادھیکار ہے کہ ہمارے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیں۔ ایشور نے ہمیں عزت والا بنایا ہی نہیں۔ اونچی ذات کے لوگ ہماری عزت و آبرو دے لیں، ہم سے بیگار کرائیں، ہم مجبور ہیں۔ چھوت چھات مٹانے کا قانون بنا تو ایک ہریجن نے برہما پور کے کنویں سے پانی نکال کر پی لیا تو بیٹا! تم ان سب سے پوچھو اُس بے چارے کو وہیں ڈھیر کر دیا گیا۔ پھر ہم پر لاٹھیاں برسیں۔ ہمارے گھروں میں گھس کر عورتوں کو بے عزت کیا گیا۔۔۔"

"چودھری صاحب! بس کیجئے۔ بس کیجئے" حاتم بیچ میں بول اُٹھا "بس کیجئے چودھری صاحب۔ میں نے اخباروں میں یہ سب پڑھا تھا۔ تو کیا یہ واقعہ اسی چمر ودھا کا ہے۔ وہ تو شاید کوئی دوسرا گاؤں ہے۔"

"ہاں۔ یہاں سے گیارہ کلومیٹر کشن پورم ہے۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ کشن پورم کے پورب شہر کو جو سڑک جاتی ہے اُس کے کنارے برہما پور ہے۔ برہما پور کے برہمنوں نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا اور پولیس نے اُن کا ساتھ دیا۔"

مکھیا یہ باتیں سن رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا:

"ہمارے یہاں چل کر پدھاریئے۔ میں بھی یہی باتیں کرنے والا تھا۔ اچھا ہوا آپ آگئے۔ اُن سے پوچھنا ہے کہ انکے قرآن میں کوئی منش اچھوت ہوتا ہے یا نہیں؟"

مکھیا کے یہ کہتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چودھری نے آشی کو پکارا۔ آشی آئی۔ سب کے ساتھ ہولی۔ حاتم کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ آشی نے کملی سے کہا "چھولوں؟ برا تو نہ مانیں گے" کملی نے اشارہ کیا۔ آشی چپکے چپکے گئی۔ کتاب کھینچ لی۔ حاتم نے مڑ کر دیکھا۔ آشی اور کملی دونوں ہنسنے لگیں۔ آشی نے کتاب دے دی۔ اُسے تو یہ دیکھنا

تھا کہ چھونے سے پٹائی تو نہ ہو گی۔

# اسلامی مساوات

مکھیا کا گھر کچا بنا ہوا تھا۔ گھر کے آگے چبوترہ تھا۔ چبوترے پر دو کھٹیاں پڑی تھیں۔ اُن پر دری بچھی تھی۔ باقی چبوترے پر ٹاٹ بچھے تھے۔ کچھ لوگ ٹاٹ پر بیٹھے تھے۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ چودھری صاحب نے انھیں جے ہند کہا۔ اِس کے بعد ایک کھٹیا پر بیٹھ گئے۔ حاتم مبارک کے ساتھ ٹاٹ پر بیٹھ گیا تو چودھری صاحب نے کہا:

"بیٹا حاتم! اِدھر آؤ۔ کھٹیا تو ہے۔ اِس پر بیٹھو۔"

"معاف کیجیے گا چودھری صاحب! آپ خود نیچ اونچ برت رہے ہیں۔ آخر یہ بھی تو آپ کے بھائی بند ہیں جو ٹاٹ پر بیٹھے ہیں۔ پھر آپ کو برہمنوں سے کیوں شکایت ہے؟"

چودھری صاحب کو بجلی کا شاک سا لگا۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کھٹیاں ہٹوا دیں اور ٹاٹ پر بیٹھ گئے۔ دیر تک سب چپ رہے۔ وہ خدا جانے دل میں کیا کیا سوچ رہے تھے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ حاتم اور مبارک ایک طرف کونے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حاتم امام بنا اور مبارک مقتدی۔ حاتم نماز پڑھ کر آیا تو کہنے لگا:

"دیکھیے، یہ ہم نے اپنے اللہ کی عبادت کی۔ میں نے نماز پڑھائی۔ اگر میں بلند جگہ پر کھڑا ہوتا تو یہ غلط ہوتا۔"

"ہاں بیٹا! میں نے دلّی کی مسجد میں دیکھا۔ وہاں سارے مسلمان برابر کھڑے ہوتے ہیں۔ بس امام صاحب ذرا آگے کھڑے ہوتے ہیں۔"

مکھیا کا گھر دوار اندر باہر سے مردوں، عورتوں، بچوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ ابھی آ رہے تھے۔ حاتم کی طرف اِشارہ کر کے کہتے "وہ ہیں کلی کے دونوں مسلمان بھیا"۔ تھوڑی ہی دیر میں کملی دو گلاسوں میں دودھ لائی۔ حاتم کی طرف بڑھایا۔ حاتم نے کہا:

"اری کملی! گھر سے شربت پی کر چلا ہوں۔ پیٹ میں جگہ کہاں ہے۔"

"بھیا! پینا پڑے گا۔ آرتی نے بنایا ہے۔ نہ پیو گے تو اُس کا دل دُکھے گا۔"

حاتم مجبور ہوگیا۔ اُس نے گلاس لے لیا۔ دوسرا گلاس مبارک نے لیا۔ مبارک نے کہا "کملی! یہ دودھ لائی ہے یا ساری کی ساری بالائی بھر لائی!" کملی نے مٹک کر جواب دیا "اور کیا اپنے بھیّوں کو پتلا دودھ پلاتی!" کملی کے یہ کہنے پر سارے ہی لوگ ہنس پڑے۔ بابا جی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ بولے "بڑی شریر ہے کملی"۔ حاتم اور مبارک نے دودھ پی لیا۔ اصل میں کملی یہ دکھانا چاہتی تھی کہ یہ دونوں مسلمان بھائی ذرا بھی چھوت چھات نہیں مانتے۔ جسے دیکھنا ہو دیکھ لے۔

"اچھا ہاں، حاتم بھیّا!" چودھری حاتم کی طرف مڑے اور پوچھا "پہلے یہی بات بتاؤ کہ قرآن مَنش مَنش میں بھید بھاؤ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"سُنیئے! قرآن کہتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اللہ کے نزدیک تم میں اکرم یعنی بڑپّن والا، بزرگ، مہان اور شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اور سُنیئے! قرآن کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب ایک باپ آدم اور ایک ماں حوا سے پیدا کئے گئے ہو۔ انسان انسان ہونے کے ناتے تم سب برابر ہو۔"

حاتم یہ کہہ کر چُپ ہو گیا۔ جو لوگ بیٹھے تھے وہ بھی چپ تھے۔ سب چودھری صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے اور چودھری صاحب کا یہ حال کہ وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہے تھے۔ حاتم کی نظریں بھی چودھری صاحب پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے مبارک کے کان میں کچھ کہا۔ مبارک نے جواب دیا "ضرور کہئے۔ یہی موقع ہے۔" مبارک نے دھیرے سے کہا تھا پھر بھی کئی آدمی چونکے۔ مکھیا نے کہا "بیٹا حاتم! جھجکو نہیں۔ بے دھڑک جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ آج ہم سب ایک بڑا فیصلہ کر کے اٹھیں گے۔" "اچھا سُنیئے! اسلام کہتا ہے کہ ہر انسان کا تھوک اور اُس کا جوٹھا پاک ہے بشرطیکہ اُس کے منھ سے شراب کی بو نہ آرہی ہو۔۔۔"

"بھیّا! بھیّا!" یکدم کملی اور آشی آگئیں۔ آشی نے کہا "مامی کہہ رہی ہیں کہ ہم نے شراب پھنکوا دی ہے۔" "بھاگ پگلی! بیچ میں آکر ٹائیں ٹائیں کرنے لگی۔" مکھیا نے ڈانٹا۔ دونوں لڑکیاں پھر گھر میں چلی گئیں۔ عورتوں کے کان بھی اسی طرف تھے۔

"اور اگر کسی انسان کے منھ میں زخم ہو یا کسی کو دق ہو یا کوئی کوڑھی ہو؟" چودھری صاحب نے پوچھا۔

"چودھری صاحب! اِس کا جواب وہی ہے جو انسان کی فطرت چاہتی ہے۔"

"سمجھ گیا میں۔ حاتم بیٹا! تم بہت سمجھدار ہو۔ میں نے بہت چاہا کہ قرآن کہیں مل جائے مگر وہ اُردو اور عربی میں تھا

اور میں ہندی جانتا ہوں۔ میں قرآن سے اسلام کی بنیادی باتیں جاننا چاہتا تھا۔ کیا تم بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں۔ سنئیے!"

# اور سب مسلمان ہو گئے

"میں ایک ترتیب سے اسلام کی بنیادی باتیں بتاؤں گا۔ سنئیے! قرآن کہتا ہے کہ یہ سنسار اور جو کچھ سنسار میں ہے، چاہے وہ دکھائی دیتا ہو یا نہ دکھائی دے، سب اللہ نے پیدا کیا ہے۔ آپ اُس اللہ کو چاہے ایشور کہیں یا کوئی اور اچھا نام دیں۔"

"یہ تو ہم بھی مانتے ہیں" کئی آدمیوں نے کہا۔

"ہاں تو یہ بات ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جو کوئی جو چیز بناتا ہے وہی اُس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ گھر مکھیا نے بنایا ہے۔ مکھیا اِس گھر کے مالک ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے سب کچھ بنایا ہے اِس لئے وہی سب کا مالک ہے۔ اسی مالک نے ہم انسانوں کو بھی بنایا ہے تو ہمارا بھی مالک وہی اللہ ہے [ "واہ! بڑے سیدھے طریقے سے بتا رہے ہو بھیا" ] اچھا آگے سنئیے۔ جب اللہ ہی ہمارا مالک ہے تو ہم اُس کے داس اور بندے ہوئے [ "ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔۔۔" ] ہم کو چاہئیے کہ ہم اس کے کہے پر چلیں۔ اُس مالک نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا ہے وہ کریں اور جس بات سے روکا ہے اُسے نہ کریں۔ ہم ہر حالت میں اُس مالک کو راضی کریں [ "ٹھیک کہتے ہو بھیا۔ بھلے مانس آدمی کو یہی چاہئیے" ] چودھری صاحب! یہ اسلام کی سب سے بڑی اور بنیادی بات ہے۔ ہر مسلمان کی سب سے بڑی چاہ یہی ہے کہ وہ کوشش کرے کہ اپنے مولا کو خوش کر لے۔ بس۔ اس کے سوا کسی اور کی خوشی، چاہے وہ کوئی بڑے سے بڑا دیوتا ہو یا فرشتہ، ولی ہو یا سادھو، پوپ ہو یا بادشاہ، کوئی بھی بڑے سے بڑا ہو، اللہ کی خوشی کے آگے کسی کی خوشی کی پرواہ نہ کرے۔۔۔"

"دھنیہ ہو، دھنیہ ہو۔ ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئیے۔"

"۔۔۔ ایک بات اور سنئیے! قرآن نے دوسری بنیادی بات یہ بتائی کہ اے لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو اس لئے آپس میں بھائی بھائی ہو۔ تم میں انسان ہونے کے ناتے نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا، چھوت ہے نہ اچھوت، شریف ہے نہ رذیل۔ ہاں وہی بات، جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرے وہ سب سے بڑھ کر ہے اور جو اللہ سے ناتہ توڑلے وہ سب سے بُرا ہے۔۔

"واہ بھیا! واہ! کیا بات بتائی! بجے ہو تمھاری۔"

"... بھائیو! یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ قرآن کی باتیں ہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ قرآن میں جو کچھ پڑھتا ہوں وہی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ لوگ منش منش میں منش ہونے کے ناتے بھید بھاؤ کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ بھید بھاؤ صرف اسمیں ہے کہ کون بھلا مانس اور اللہ کو ماننے والا ہے اور کون برا اور اللہ کی آگیا کا پالن نہ کرنے والا۔"

"ایک بات سمجھنے سے رہ گئی ہے"، چودھری صاحب بولے "یہ کہ ہم کو بھگوان کی آگیائیں معلوم بھی تو ہونی چاہئیں۔ حاتم بیٹا! تم ہم کو یہ بھی تو بتاؤ، وہ ہم کہاں سے جانیں؟"

"مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے یعنی ہم یہ مانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کی ہدایتوں، اللہ کے حکموں اور اُس کی آگیاؤں کی کتاب ہے۔ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسی قرآن کی کچھ باتیں آپ نے سُنیں کیسی لگتی ہیں قرآن کی"

"بیٹا...!" بیچ میں چودھری صاحب بولے "بیٹا! یہ جو نام تم نے لیا ہے محمد جی مہاراج کا تو کیا وہ پڑھے لکھے تھے؟ میں نے سُنا ہے کہ وہ اَن پڑھ تھے۔"

"جی ہاں"، حاتم کہنے لگا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔"

"اَن پڑھ!" لکھیا اور دوسرے لوگوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی "اَن پڑھ اور یہ گیان کی باتیں۔ تو پھر یوں کہو بھیا کہ محمد جی مہاراج کی زبان سے ایشور بول رہا تھا ہے نا!"

"بے شک!"

"تو پھر کلّو کاکا، منگرے چاچا، بھائی لکھیا! آپ سب کیا کہتے ہیں؟ میں جو کچھ کروں، وہ تم کرو گے؟"

"ہم سب میں آپ سب سے زیادہ سمجھدار ہیں۔"

"تو بھتیا حاتم! تم ہمیں مسلمان بنالو۔ مسلمان کس طرح بنتے ہیں؟"

"چودھری صاحب! آپ تو مسلمان بن گئے۔ میں جب قرآن کی باتیں بتا رہا تھا آپ لوگ مانتے جا رہے تھے۔ آپ نے اللہ کو اپنا اللہ مان لیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مان لیا۔ آپ مسلمان ہو گئے۔"

"حاتم بھیا! ہم سب نے بھی یہی مان لیا ہے۔ کیا ہم بھی مسلمان ہو گئے؟"

"ہاں سب آپ سب مسلمان ہو گئے۔ اللہ آپ کا ساتھ دے۔"

"اچھا بیٹا حاتم! میں نے سنا ہے کہ اسلام کا کوئی خاص کلمہ ہے۔۔۔ الا اللہ کی طرح کچھ پڑھتے ہیں۔ وہ بول پڑھا دو۔"

"پڑھئے۔" حاتم ایک ایک لفظ کہنے لگا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ مطلب سنئے! اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو اللہ کی مرضی معلوم ہوئی ہے۔" چودھری نے، مکھیا نے، بابا نے، کلو کاکا نے اور جو لوگ وہاں اکٹھا تھے اور جتنی عورتیں مکھیا کے گھر میں تھیں، سب نے کلمہ طیبہ پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی مکھیا کے گھر میں ڈھولک بجی اور لڑکیاں گانے لگیں:

آج مورے آنگنا آئے دو بیرنا
دونوں ہیں دِیرنا کاہے کی پیرنا

(آج ہمارے یہاں دو بھائی آئے ہیں۔ دونوں بڑے بہادر ہیں۔ اب ہم بے غیرت اور نیچ نہیں۔)

مکھیا نے گانا بند کرا دیا اور کہا "ٹھہرو ابھی ایک کام باقی ہے۔ حاتم بھیا! ہم مسلمان ہو گئے۔ اب کیا کریں؟"

"مکھیا چاچا! مسلمان ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ نہا دھو کر پاک کپڑے پہنیں اور نماز پڑھیں۔ سامنے نہر ہے ہی۔ نماز میں آدھا گھنٹہ ہے۔"

"اور بھیا ہم۔۔۔" عورتوں کے درمیان سے آشی اور کملی نے ایک ساتھ کہا۔

"تم سب بھی!"

حاتم کے یہ کہتے ہی تیوہار جیسی دھوم مچ گئی۔

"جلدی کرو۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ حاتم بھیا نے کہا ہے کہ سورج ڈوبتے ہی نماز پڑھیں گے۔۔۔"

"کیسے پڑھیں گے۔۔۔؟ کیا پڑھیں گے۔۔۔؟"

لوگ اپنے کپڑے پاک کر رہے تھے اور یہی سوچتے جا رہے تھے۔۔۔

# حاتم کا خط

"الحمدللہ"۔ عاصم صاحب نے سید صادق حسین صاحب کو خط واپس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی زبان سے الحمدللہ سن کر میں یہ سمجھوں کہ حاتم کا چمر دھا میں گنواروں کی طرح رہنا آپ کو پسند ہے؟"

"گنوار کا مطلب یہ ہے کہ حاتم جاہلوں کی طرح زندگی گزارے، نہ اللہ کو پہچانے نہ اللہ کے رسول کو اور نہ حلال حرام میں فرق کرے تو میں اُس پر لعنت بھیجوں گا لیکن وہ تو وہاں اسلام پھیلا رہا ہے۔ اُس کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تین گاؤں کے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس پر ہر مسلمان کو خوش ہونا چاہئے۔"

"لیکن یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک پریس میں خبر نہیں آتی۔"

"یعنی یہ خبر پاکر ہندو پریس شورش برپا کر دے گا۔"

"بیشک۔ آجکل کوئی عیسائی ہو جائے، بودھ ہو جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی لیکن قبولِ اسلام سے سینے پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ پھر جو کچھ ہوتا ہے آپ کے سامنے ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان اصلاح و تبلیغ کا کام ترک کر دیں۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ حاتم جو وہاں دھرنا دے کر بیٹھ گیا ہے یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ اب اُسے وہاں سے چلا آنا چاہئے۔"

"پھر وہاں کے نومسلموں کو یہ کون بتائے گا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔"

"یہ کام علمائے کرام کا ہے۔"

"معاف کیجئے گا، علمائے کرام وہاں جاکر اسلام کی تعلیم دیں گے یا دیوبندی و بریلوی اور مختلف مکتبہ فکر کے علماء وہاں جاکر ایک دوسرے کو کافر بنائیں گے۔"

"آپ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جھکے جھکے اونٹ کی چوری چھپ جائے گی۔ مانا کہ حاتم نے مصلحت سے کام لیا قبولِ اسلام کی خبر پریس میں نہیں دی لیکن کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر۔"

"یہ تو ٹھیک ہے آپ کا خیال لیکن میں چاہتا ہوں کہ حاتم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔"

"بھائی عاصم صاحب! میری خواہش تو یہ ہے کہ آخرت سے پہلے یہ دنیا حاتم کے لئے جنت بن جائے مگر دیکھئے گا دنیا والے لوگ، جہنم بنا دیں گے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو فرقہ پرست کہیں گے۔ عرب ممالک کو بدنام کریں گے کہ وہاں سے لاکھوں ریال تبلیغِ اسلام کے لئے آتے ہیں۔"

"لیکن ان کا جھوٹ خود سرکار کھول کر رکھ دیتی ہے۔"

"سوال سرکار کا نہیں، عوام کا ہے، وہ تو بہک جاتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ حاتم تحصیل علم سے فارغ ہو کر امریکہ جاتا۔ پھر عرب جا کر پٹرول کے سمندروں میں نہاتا۔ آپ دیکھتے نہیں حمّاد کو۔ عرب چلا گیا۔ دیکھتے نہیں جواد کو۔ کویت میں ہے۔ اکیس ہزار ریال تنخواہ ہے۔ کیا سمجھے؟ ساڑھے باون ہزار سکۂ رائج الوقت۔ حاتم تو ان سب سے زیادہ ذہین اور فعال ہے۔"

"سید صاحب! آپ جانتے ہیں کہ میں اس طرح نہیں سوچتا۔ میرے خیال میں ذہین اشخاص کا ملک سے باہر چلے جانا ہمارا ملکی نقصان ہے۔ آپ حاتم سے محبت کرتے ہیں اس لئے اُسے دولت و شہرت سے کھیلتے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"بیشک۔ میں نے اسی دن سوچ لیا تھا جب حاتم کو بیٹا کہا تھا۔"

"لیکن آپ اُس نقصان کو کیوں نہیں دیکھتے جو ذہین طبقے کے باہر نکل جانے سے ہماری ملّت کو ہو رہا ہے؟ میں نام لے کر عرض کروں۔ تبلیغی جماعت اور جماعتِ اسلامی کس قدر فعال جماعتیں ہیں۔ ان کے چمکنے والے ستارے آج کل عرب اور کویت وغیرہ میں جگمگا رہے ہیں۔ ان دونوں آسمانوں کے اور بہت سے تارے وہیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ نتیجہ سامنے ہے۔ دونوں جماعتیں اندر اندر کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ بوڑھے چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہے ہیں۔"

"مگر عاصم صاحب! دولت اور شہرت کے بغیر کام بھی تو نہیں بنتا۔"

"لیکن دولت اور شہرت سے آپ دین، ایمان، سکون اور اطمینان نہیں خرید سکتے۔"

"پیٹ اگر خالی ہو تو پھر کیا کام ہوگا دین کا ۔۔ فاقہ کش سے نام بھی بدنام ہوگا دین کا"

"اگر آپ شعر ہی پسند کرتے ہیں تو سنئے۔

دولت کا یہ پانی بہت اچھا مگر اس سے ۔۔ اُتنی ہی بڑھے پیاس کوئی جتنا پئے ہے
یہ آدمی کی ہوس، اس کا منہ خدا کی پناہ ۔۔ سوائے خاکِ لحد کوئی اس کو بھر نہ سکا

اور سید صاحب! ایک شعر اور سنئے۔ پھر میں آپ کے جانے پہچانے نامُراد دولت مندوں کے نام پیش کروں گا۔ دولت اُن کی زندگی دوبھر کر دی ہے۔ شعر یوں ہے: ؎

کسی انسان پر دولت کی جب بھرمار ہوتی ہے ✤ وہ اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے دنیا میں

مثالیں سنئے،

وہ آپ کا گوکل چند سیٹھ ہے۔ اُس کی تجوری جتنی ہی بھرتی جاتی ہے، سیٹھ کا پیٹ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ چلنا دوبھر ہو گیا ہے غریب کو۔ جان سے عاری ہے۔

وہ آپ کا ڈاکٹر ٹنڈن ہے۔ چوبیس گھنٹے دَھن کی دُھن میں پاگل ہو رہا ہے۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پہننے کا۔ ٹھیک ہے آج کل اُس کی چاندی ہی چاندی ہے لیکن 'سونا' اُسے نصیب نہیں۔ حاصل یہ کہ ایک پھلکا اُسے ہضم نہیں ہوتا۔ کم بخت ڈاکٹر ہو کر پھلوں سے ترستا ہے۔ دودھ، دہی، گھی اُس کے لئے حرام۔ چائے بھی پیتا ہے تو شکرین کی۔ انڈا، گوشت، میٹھا کھٹا سب اُس کے لئے ناجائز۔

اپنے رشتہ دار لنگڑے سید کو دیکھئے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ بھئی عاصم! ایک لاکھ لے لو، ایک ٹانگ دیدو۔ میں تو یہ یقین کر چکا ہوں کہ جب اللہ دولت دینا چاہتا ہے تو اُس سے پہلے انسان کی کوئی قیمتی شئے لے لیتا ہے۔

قاضی صاحب کی ایک آنکھ گئی تو اُن پر دُھن برسنا شروع ہوا... اور یہ نیا حادثہ سُنا آپ نے؟"

"کیا؟"

"میرے برادر نسبتی ہاشم صاحب ہیں نا...!"

"ہاں۔ تو کیا ہوا اُن کو؟"

"جب سے اُن کو دولت ملی ہے تو اس شعر کے مصداق ہو رہے ہیں: ؎

زن نو کن اے دوست در نو بہار ✤ کہ تقویم پارینہ نہ آید بکار

عید کے دن میں اُن سے ملنے گیا تو دیکھا کہ صوفے پر پڑے رو رہے ہیں۔"

"ارے بھئی کیا ہوا؟" فرمایا "یہ جو نئی بیوی میں نے کی ہے تو بڑی بیگم آج اپنے بچوں کو لیکر میکے چلی گئیں

اور میرے گھر میں عید کے دن حرم ہیں۔ لڑکے ہیں وہ چاقو لئے اپنی نئی اماں کی تلاش میں ہیں"۔

"پھر بھی ہر شخص کی فطرت دولت چاہتی ہے"۔

"میرے خیال میں قناعت سب سے بڑی دولت ہے۔ حاتم کو چمرودھا میں سکون ملے گا جو دولت سے نہیں خرید جا سکتا۔۔۔ اچھا! خدا حافظ۔ مجھے ایک کام یاد آگیا۔ میں چلا"۔

عاصم صاحب 'السلام علیکم' کہہ کر چلے گئے۔ سید صادق حسین دیر تک یونہی بیٹھے رہے۔ پھر آپ ہی آپ بولے قول مرداں جاں دارد۔ میں نے حاتم کو بیٹا کہا ہے تو اپنے قول کو نبھاؤں گا"۔ اس کے بعد اٹھے۔ لکھنے کی میز پر پہنچے۔ دراز سے چیک بک نکالی۔ دس ہزار کا چیک کاٹ کر حاتم کے پتے پر چمرودھا بھیج دیا۔ چیک کے ساتھ خط انھوں نے نہیں لکھا شاید ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا لکھنا چاہیئے۔

# کہانی

"حاتم بھیا نے آج بڑا اچھا بھاشن دیا"۔

"مول بات تو یہ کہی کہ گیان کے بنا دھیان کیسا؟"

"ٹھیک ہی کہا حاتم بھیا نے۔ جب ہم یہی نہ جانیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے تو ہمارے مسلمان ہونے سے فائدہ؟"

"کل ہی کی بات ہے، ہم نے نماز میں حاتم بھیا کی نقل کر لی پر یہ نہ جانا کہ نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے"۔

"حاتم بھیا نے یہ تو بتایا کہ نماز میں ہم اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ تو ہمیں گیان ملنا چاہیئے کہ یہ باتیں کیا ہونی چاہئیں"۔

اس طرح کی باتیں ہونے لگیں تو آپ سے آپ اسکول بننے کی بات آگئی۔ اسکول کی بات آئی تو مکھیا نے کہا کہ اس وقت چوپال میں کام چل جائیگا۔ دن میں اسکول لگے۔ بچے اور بچیاں پڑھیں۔ رات میں ہم بڑے اکٹھا ہوں اور حاتم بھیا اسلامی باتیں بتائیں"۔

"دھنیہ ہو مکھیا! بس کل سے لگنے لگے اسکول"۔

"کل سے نہیں، آج سے" حاتم بول اٹھا۔

"آج سے! حاتم بھیا! ہمارے پاس اسکول کا ساماں کہاں ہے؟ آج سے اسکول کیسے لگے گا؟"

"میں زبانی پڑھاؤں گا!"

"زبانی کیسے؟"

"آج میں ایک کہانی سناؤں گا۔ کہانی سن کر آپ اسلام کی بنیادی باتیں سمجھ جائیں گے۔"

کہانیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بات رکھی ہے کہ بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد سبھی بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ گاؤں بھر میں مشہور ہو گیا کہ آج حاتم بھیا ایک بڑی مزیدار سچی کہانی سنائیں گے۔ سب مغرب کے بعد ہی سے اکٹھا ہونے لگے۔ کہانی سننے کے لئے بچے سب سے زیادہ بیتاب تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد حاتم نے اس طرح کہانی شروع کی:

"چودہ سو سال پہلے کی بات ہے۔۔۔"

"یوں کہو لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس ہو گئے۔"

"ہاں چودھری صاحب! لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس ہوئے۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔۔۔"

"تو حاتم بھیا! اُس سمے یہ ریل، یہ تار، یہ بجلی، یہ راکٹ، یہ سڑکیں، ہوائی جہاز، پُل، موٹر، اسکول، کالج اور یہ جو ہم کھیتی باڑی کا سامان اور طرح طرح کی چیزیں دیکھتے ہیں یہ کچھ نہ ہوگا!"

"ہاں جو کھے بھیا! اِن میں سے بہت سی چیزیں تو کلّو کاکا، چودھری صاحب اور مکھیا چاچا کے بچپنے کی ہونگی۔"

"بچپنے کی۔۔۔!" مکھیا کہنے لگے "بچپنے کی ایک ہی کہی۔ برہما پور کا اسٹیشن تو جب میں جوان تھا تب بنا۔ چودھری کے ساتھ میں نے سوچا، چلیں دلی ہو آئیں تو برہما پور کے برہمنوں اور ٹھاکروں نے ڈبّے میں بیٹھنے ہی نہیں دیا۔ ٹکٹ ہماری جیب میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔"

"تو مکھیا چاچا! اور پہلے کی سوچئے۔"

"اور پہلے کی۔ کلّو کاکا کے کاکا کہتے تھے کہ کنش پور کے پاس جنگل ہی جنگل تھا۔ اُسے کاٹ کر ہم سب آ بسے اور اب ہم گاؤں میں رہتے ہیں۔ جنگل صاف کر کے کھیت بنا لیے۔"

"تو بھائی! اور پہلے کی سوچئے۔ سُنا بھی ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا۔ جہاں جنگل نہیں تھا لمبے چوڑے میدان تھے۔ دور دور بہت دور دور گاؤں تھے۔ وہ گاؤں بھی کیسے، جن میں کوئی ایک ہی خاندان رہتا تھا"

"بالکل بالکل اسی طرح۔ جیسے وہ گھُروتی ہے نا۔ میرے چچا جی بشواپور سے نکالے گئے تو یہاں ڈیرہ ڈالا۔ ہم سب کمہار ہیں۔ پورے کا نام گھروتی پڑ گیا۔"

"ہاں تو ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی بات ہے جب نہ دنیا میں اخبار تھے، نہ چھاپے خانے، نہ اتنی کتابیں۔ اتنی کیا یوں سمجھو کہ تھیں ہی نہیں۔ چھالوں اور پتوں اور کھالوں پر لوگ ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔"

"ٹھیک کہا بھیا۔ یہ مہوا ہے نا۔ کل اس کا نام تم نے حسین رکھا ہے، ایک دن اتہاس یاد کر رہا تھا اس میں یہی پاٹھ وہ یاد کر رہا تھا۔"

"جی ہاں چودھری صاحب! لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس پہلے جب یہ حال تھا تو ایک کو دوسرے کی خبر کا ہونا بڑا کٹھن تھا۔ لوگ قافلے بنا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے۔ راستے میں ڈاکے پڑتے۔ قافلے جنگلوں میں سے گزرتے۔ کیڑے مکوڑوں اور درندوں کا سامنا ہوتا۔ آگے بڑھتے۔ پہاڑ ان کو روکتے۔ بڑے بڑے دریا پار کرنا پڑتے۔ سمندروں میں ناؤ سے کام لیتے۔ یہ آج کل کی طرح بڑے بڑے سمندری جہاز اُس وقت نہ تھے۔ جس طرح آج اندرا ہماری ہوائی جہاز سے پھر سے اُڑیں اور نہ جانے کہاں کہاں ہو کر آ گئیں۔ نہ گئیں تو ٹیلیفون سے کہہ دیا۔ بے تار کا تار بھی تو چلا ہے۔ وائرلیس۔ اُس سے کام نکال لیا۔ دیس دیس آج جو سمبندھ اور لگاؤ ہے وہ اُس وقت نہیں تھا۔ آج جو گھر بیٹھے ہم ٹیلی ویژن میں جانے کہاں کہاں کے لوگ دیکھتے ہیں، اُن کی باتیں سنتے ہیں، اُس زمانے میں اِس طرح کی باتیں کرنے کے لئے ہزاروں کلومیٹر چلنا ہوتا تھا اور برسوں بعد واپسی ہوتی تھی۔ آپ مجھے بتائیں۔ یہ باتیں میں غلط تو نہیں کہتا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو حاتم بھیّا۔"

اچانک کملی جو کل سے کاملہ بی بنیں، آئیں اور فرمانے لگیں: "بھیّا! یہ کہانی کب ہے۔ یوں کہو: ایک تھا راجہ، کھاتا تھا کھاجا، بجاتا تھا باجا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ۔ ۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ بابا نے ہنس کر ڈانٹا "بیٹھ جا کر۔ کہانی اب کہیں گے۔ ابھی تو بات سمجھائی ہے۔"

کاملہ بی ڈانٹ سُن کر بھاگیں "جنیے بھیّا کہانی کب کہیں گے؟"

"اچھا سنئے۔ دنیا کا یہ حال تھا۔ اُس زمانے میں عرب دیس کا حال سارے سنسار سے بُرا تھا۔ عرب تین طرف

سمندروں سے گھرا ہوا ہے، ایک طرف پہاڑوں سے۔ پھر بیچ عرب میں ریگستان ہی ریگستان ہے۔ کوسوں دور تک ریت ہی ریت۔ وہاں گرمی ایسی کہ صبح دو گھنٹے بعد کوئی باہر نکل نہیں سکتا۔ وہاں کے لوگ دنیا بھر کے لوگوں سے کٹے ہوئے۔ ریگستان میں کہیں کہیں نخلستان تھے جہاں کچھ کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ وہیں خیموں اور ڈیروں میں رہتے تھے۔ نخلستانوں میں پانی ختم ہو جاتا تو دوسری جگہ چلے جاتے۔ عرب کے آس پاس ایران، روم، شام اور ہندوستان میں تو کچھ تہذیب اور سبھیتا تھی، عرب پورے وحشی ہی تھے۔ وہاں کوئی راج بھی نہ تھا کہ راجہ لوگوں کو داب میں رکھتا۔ ہر خاندان کا دادا اپنی جگہ راجہ تھا۔ دوسرے خاندان والوں کی جان لے لینا ایسا جیسے چونٹی ماردی۔ جس کا جس پر بس چلتا اُسے مار ڈالتا اور اُس کے مال کو ہتھیا لیتا۔ وہ لوگ پڑھے لکھے بھی نہ تھے۔ انھیں کوئی یہ بھی بتانے والا نہ تھا کہ وہ دنیا میں کیوں پیدا کئے گئے۔ کیا اچھا ہے کیا بُرا۔ اُن جو جی چاہتا کرتے۔ نہ کسی سے دبتے نہ ڈرتے۔ شراب پیتے۔ جوا کھیلتے۔ لوٹ مار کرتے۔ شرم اور لجا بھی اُن میں نہ تھی۔ ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو جانا اُن کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ عورتوں اور لڑکیوں کو وہ بُری نظر سے دیکھتے۔ اُن کو منحوس سمجھتے۔ بہت سے لوگ تو ایسے تھے کہ اُن کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے مار ڈالتے اور اُس کی ماں کو گھر سے نکال دیتے۔ وہ کسی کے خسر بننا اپنی ذلّت سمجھتے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں سے شادی کر لیتے تھے۔

"چھی چھی! حاتم بھیا! بڑے بُرے لوگ تھے۔"

"جی۔ اور کیا کھیا چاچا! جو خاندان جہاں پر رہتا بستا، راتوں کو جاگتا۔ ڈر تھا کہ کسی دوسرے خاندان والے چھاپہ ماریں اور لوٹ لیں۔ یہ اُن کا پیشہ تھا۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو تجارت کرتے تھے۔ وہ بھی کیسے؟ اپنے یہاں کی کھجوریں لادیں۔ سو پچاس آدمی چلے۔ اونٹوں پر۔ وہاں اونٹ ہی ریگستان کا جہاز تھا۔ سب نے تیر کمان اور تلواریں لیں۔ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا تھا نا!"

"تو بھیا! یہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ ہوتے بہادر ہوں گے۔ تیر کمان اور تلوار چلانا اچھی طرح جانتے ہوں گے۔"

"ہاں یہ بات تھی۔ یہ سب تو وہ بچپن ہی سے سیکھ لیتے تھے۔ جس گھر میں زیادہ لوگ ہوتے وہ بڑے گھمنڈ میں رہتے۔ لوگ بھی اُن سے دبتے تھے۔ اُن کا دبا ؤ رہتا۔"

"اور سُنو تو بھیا ساُن کا دین دھرم کیا تھا؟"

"کلّو کا کا! اُن کا دین دھرم، جہاں کہیں خوبصورت سا پتھر دیکھا مندر میں لا دھرا۔ عرب دیس میں ایک شہر ہے۔ آپ نے اُس کا نام سُنا ہوگا۔ مکہ۔ جہاں مسلمان حج کرنے جاتے ہیں۔ وہاں ایک مندر بنا رکھا تھا۔ اُس کے اندر پتھر رکھ لئے۔ اِن پتھروں کو دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ مورتیاں گھڑ لیتے۔ ان مورتیوں کو خدا مانتے۔ اس مندر میں ۳۶۰ مورتیاں رکھی تھیں۔ وہ سب الگ الگ گھرانوں کی تھیں۔ سب اپنی اپنی مورتیوں کے آگے پوجا پاٹ کرتے تھے۔"

"مگر بھیّا! اسی پرکار کا دین دھرم تو یہاں کے اونچی جاتی والوں کا بھی ہے؟"

"ہاں ہے تو۔ مگر سوچئے تو، یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک مورتی اپنے ہاتھ سے بنائی اور اسی کو پوجنے لگے۔ یہ مورتیاں نہ دیکھ سکتی ہیں، نہ سُن سکتی ہیں۔ وہ خود مجبور ہیں۔ بے بس ہیں۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتیں۔ وہ دوسروں کی وہ کیا سنیں گی؟ یہ سب عرب کے پنڈتوں کا ڈھونگ تھا۔ یہ بات تو سب لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مندر اور مسجد تو خدا کا گھر ہوتا ہے لیکن مکّہ کے خدا کے گھر میں خدا کا نام کوئی نہ لیتا تھا۔ مورتیوں کی جے پکاری جاتی تھی۔ وہاں ایک بت سب سے بڑا تھا۔ اُس کا نام 'ہُبل' تھا۔ آپ سمجھیں مہادیو۔ پجاری اور پروہت اِن بتوں کے نام پر چڑھاوے اور نذرانے سمیٹتے۔

ایک بات اَور بتاؤں۔ مکّے میں چار قسم کے لوگوں کا گٹھ جوڑ تھا۔ ایک تو یہ پنڈت اور پروہت تھے۔ دوسرے وہ لوگ جن کے گھرانوں میں زیادہ لوگ تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو مالدار تھے، سود خور، بیاج لینے والے مہاجن اور چوتھے وہ لوگ جو بڑے لڑاکا تھے۔"

"حاتم بھیّا! ایسے لوگوں کا تو آج بھی گٹھ جوڑ ہے۔ ایسے ہی لوگ آج بھی دھاندلی کرتے ہیں۔ الیکشن ہوتے ہیں تو یہی چاروں پرکار کے لوگ آپس میں مل جاتے ہیں اور دھن، دھونس اور دھاندلی سے الیکشن جیت لیتے ہیں۔"

"چودھری صاحب! تو اس کا نتیجہ ہم سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔ جیسے بیج بوتے ہیں ویسا پھل کھاتے ہیں۔ ہمارے دیش کی جو درگت ہو رہی ہے وہ سب دیکھ ہی رہے ہیں۔ ہر چیز مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ اِنہی چاروں کے گھر میں شکر کے ڈھیر ہیں۔ ہم ترستے ہیں۔ سیمنٹ ان کو ملتی ہے۔ ہر چیز ان کی ہے۔ پرجا محتاج ہے۔ لوگوں کے آچار وِچار سب خراب ہو رہے ہیں۔"

"بھیّا جیسا دیس ویسا بھیس۔"

"ہا ہا! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ اب یہ سوچئے ایسی حالت میں عرب میں جو بچہ پیدا ہوتا ہوگا وہ کیا سیکھتا ہوگا

نہ کیا بنتا ہوگا، کیا بن کر اٹھتا ہوگا؟"

"حاتم بھیا! جہاں ایسے لوگ ہوں، جہاں وِدیا نام کی چیز نہ ہو، جہاں اسکول نہ ہوں وہاں اولاد بھی ویسی ہی اٹھے گی جیسے سب لوگ ہوں گے۔ مورکھ، جاہل کے لٹھ، شرابی، کبابی، لڑاکا، لٹیرے . . ."

"اب سنئے مکھیا چاچا، اور سن رہی ہو عائشہ بی اور کاملہ بی (آرشی اور کملی)! اب کہانی میں مزہ آئے گا۔ ایسے دیس میں، ایسے نگر میں، ایسے لوگوں میں ایک مہان بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ابھی وہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ کی مرتیو ہو جاتی ہے۔"

"ہے ہے بے چارہ!"

"اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو ماں اور دادا بھی پرلوک سدھار جاتے ہیں۔"

"ہے ہے دکھیارہ!"

"اس بچے کی نہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ اچھی بات بتانے والا۔ اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو گنوار لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگتا ہے۔"

"اور کیا کرتا۔ ہائے ہائے۔ پیٹ تو کہیں نہ کہیں سے بھرنا تھا۔"

"اس کا اٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا سب کچھ ان جاہل اور مورکھ عربوں کے ساتھ۔ نہ پڑھا لکھا نہ اسے اچھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا نصیب ہوا۔"

"بھیا! اس بچے کا ذکر نہ کرو۔ کہانی آگے بڑھاؤ۔ بڑا دکھ ہوتا ہے۔ ہم عربوں کو کیا دیکھیں۔ ہمارا بھی تو یہی حال ہے ہماری اولاد بھی اسی لئے بگڑ گئی۔ وہ تو کہیے ایشور کو ہم پر دیا آ گئی۔ اس نے تم کو بھیج دیا تو کچھ چمک دمک ہمارے دلوں میں پیدا ہوئی نہیں تو ہم سب دنیا سے الگ تھلگ ہی ہو گئے تھے۔"

"مگر مکھیا چاچا! آپ کو خوشی ہوگی سن کر۔ اس بچے کی اٹھان، ان لوگوں میں، ان لوگوں جیسی نہ تھی۔"

"یہ کیا کہتے ہو حاتم بھیا۔ ان ہونی بات . . ."

"انہونی بات تو دیکھی ہی لوگوں نے۔ دیکھئے، اس نے کبھی کسی مورتی کے آگے سر نہیں جھکایا۔"

"ارے واہ۔ ایسا؟"

"ہاں۔ بالکل ایسا۔ اور سنو۔ اس نے مورتیوں پر کے چڑھاوے کی ایک چیز بھی نہیں کھائی۔"

"اس بھولے بچے نے!"

"جی ہاں بابا۔"

"آشچریہ کی بات ہے!"

"تعجب کی بات تو ہے ہی۔ اور سنئے۔ عرب لوگ راتوں میں شرابیں پیتے، رنگ رلیاں مناتے، گانا بجانا ہوتا۔
...ں ہوتیں، کوتائیں ہوتیں۔ اس بچے کے ساتھیوں نے دو ایک بار اُس بچے کو اُکسایا بھی 'چلو یار تم بھی کبھی،
...ا مزہ آتا ہے۔' آپ سب جانتے ہیں کہ سو پھونکوں میں گیلا بھی جل جاتا ہے۔ ایک بار اس بچے کے جی میں آیا: اچھا
...ر دیکھیں۔ آٹھ نو برس کا بچہ رات کو ایک طرف جا رہا تھا۔ جی ہاں، کھیل تماشے دیکھنے۔ راستے میں پھوپی کا گھر۔
...ں نے دیکھ لیا۔ بے ماں کے بچے پر پیار آ گیا۔ بلایا۔ گود میں بٹھایا۔ کھانا کھلایا تو بچے کو نیند آ گئی۔ وہیں سو گیا۔
...بھلی۔ اب کیا تھا۔ ویسے تو خیر آ گیا۔"

"واہ۔ واہ بھئی۔ تو بھیا ... ہم یوں سمجھیں کہ اس پر ایشور کی خاص کرپا تھی۔"

"یا یوں کہئے چودھری صاحب! کہ وہ اللہ ہی کی نگرانی میں پل رہا تھا۔ اللہ خود اُسے بری باتوں سے بچا رہا تھا۔"

"تو پھر بھیا! اللہ اُس بچے سے کوئی بڑا کام لینے والا ہوگا۔"

"بات تو یہی تھی۔ میں یہ تو بتا چکا کہ وہاں کے لوگ اپنے مطلبی تھے لیکن یہ بچہ دوسروں کا کام کر دیتا۔ محلے میں غریب
...لے بس لاچار ہوتی تو اُس کا کام کر دیتا۔ بازار سے سودا لا دیتا۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ ہمدردی کرتا۔ بڑوں کا ادب
...الی گلوچ اُس کی زبان سے کبھی ... نے نہ سُنی۔ جھوٹ بات اُس نے بچپن میں بھی نہیں کہی۔ سدا سچ بولا۔ وہاں بچے تو
...د عمر کے لوگ ننگے پھرا کرتے تھے لیکن اس بچے کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا۔ بہت ہی نصیحت اور شکشا کی بات
... وہ جب دس بارہ برس کا ہوا تو کعبے کی ... ہاں ہاں وہی جو مندر بنا رکھا تھا لوگوں نے، اُس کی ... دیوار گر گئی۔ مرمت
...ہونے لگی۔ بچے پہاڑ پر سے پتھر اُٹھا کر لانے لگے۔ اس بچے نے بھی پتھر ڈھونا شروع کر دیا۔ بڑے بڑے پتھر کندھے پر
...انے لگا۔ بھئی! اُس کا کندھا چھل گیا۔"

"چھل تو گیا ہوگا۔ ہے ہے دکھیا ..." عورتوں کے مجمع سے آواز بلند ہوئی۔

"کندھا چِھل گیا تو ایک صاحب نے اُس کا تہمد کھول کر اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ارے بھئی! بچا اور شرم کے مارے وہ بچّہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اُس وقت تک ہوش نہ آیا جب تک اُس کی لنگی پھر نہ باندھ دی گئی۔ ہوش آیا تو پوچھا گیا کیا ہو گیا تھا پیارے بچّے؟ اُس نے کہا: جب میں ننگا ہوا تو میں نے سُنا 'ڈھانپ ڈھانپ'۔ پھر مجھے نہیں معلوم یہ کہنے والا کون تھا۔"

"حاتم بھیّا! وہ تو بچّہ تھا۔ کیا جانتا۔ ہم بتائیں۔ وہ ایشور بانی تھی۔ اللہ اُسے ننگا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"آگے سنئے! وہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ میں بتا چکا، وہ بچہ عورتوں کا سودا سلف لا دیا کرتا تھا تو پائی پائی پیسے پیسے کا حساب بتا دیتا تھا۔ پھر اور بڑا ہوا تو سوداگروں سے ملنے لگا۔ اِن لوگوں کے ساتھ بھی وہ بڑا ایماندار ثابت ہوا۔ اس کی ایمانداری کی دھوم مچ گئی۔ سولہ سترہ برس کا ہوا تو غریب کے پاس پیسہ تو تھا نہیں۔ سوداگروں کے ساتھ ساجھا کرنے لگا۔ ایسے کہ محنت اُس کی، پیسہ دوسروں کا۔ کہئے مکھیا چاچا! کہئے بابا! کہئے چودھری صاحب! کیا دچار ہے؟ کیا اِس نوجوان نے امانت میں خیانت کی ہوگی؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاتم بھیّا! اُس پر تو خدا کا ہاتھ تھا۔ اُس کو تو خدا دیکھ رہا تھا۔"

"جی ہاں۔ ایسا کھرا ثابت ہوا کہ لوگ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اری کاملہ بی! اری عائشہ اشین۔ آگے بہت مزیدار کہانی ہے۔"

"ہاں بھیّا۔ بڑی مزے دار ہے۔ وہ بچّہ بھی تو بہت اچھا تھا۔ کیا نام تھا اُس کا، تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔"

کاملہ اور عائشہ نے اپنے بھیّا سے یہ پوچھا تو سب ہی لوگ نام پوچھنے لگے۔ حاتم نے بتایا کہ چودھری صاحب! یہی بچّہ تو آگے چل کر آپ کا محمد جی مہاراج بنا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"دھنیہ ہو۔ دھنیہ ہو۔ بھیّا یہ تم نے نام لے کر کیا پڑھا؟"

"مکھیا چاچا! صلّے اللہ علیہ وسلم۔ ہم مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ جب اُس کا پاک اور پوتر نام لیں تو درود بھیجیں۔"

"کیا بھیجیں، درود؟ یہ درود کہاں ملتی ہے؟"

"یہ جو میں نے 'صلّے اللہ علیہ وسلم' پڑھا یہی درود ہے۔"

"اُونہہ بھیا۔ آشیرواد کہو۔ ہم سمجھے کہ پڑھا دا بھیجنا ہوتا ہے۔ تو ذرا اس کا مطلب سمجھاتے چلو۔"

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو محمد جی مہاراج پر۔"

"بہت اچھی دعا ہے۔ اب ہم بھی یہ نام لیں گے یا سُنیں گے تو آشیرواد دینگے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صلی اللہ علیہ وسلم"

"اچھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال آگے سُنئے۔ مکّے میں ایک مہلا تھیں۔ وہ ایک بڑے دھنی رئیس کی بیٹی تھیں۔ اُن کی شادی ایک بڑے گھرانے میں ہوئی تھی لیکن اُن کا شوہر جلد ہی مر گیا۔ وہ بیوہ ہو گئیں۔ دوسری شادی ہوئی۔ دوسرے شوہر سے دو بچے بھی ہوئے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ شوہر بھی چل بسا۔ وہ پھر بیوہ ہو گئیں۔ باپ بھی مر چکا تھا۔ تینوں گھروں کی دولت اُن کے حصّے میں آئی۔ وہ بہت مالدار تھیں۔ سُندر بھی بہت تھیں اب بھی بڑے بڑے لوگ اُن سے بیاہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں، اُن میں بھی ایک بات انوکھی تھی۔ وہ آچار وچار کی بہت اچھی تھیں اِس لئے خدیجہ طاہرہ کہلاتی تھیں یعنی پاک پوتر خدیجہ۔ خدیجہ اُن کا نام تھا۔

خدیجہ دوسرے سوداگروں کو مال دیا کرتی تھیں اور نفع طے کر لیا کرتی تھیں۔ لیکن لوگ اُن سے دھوکہ کرتے تھے۔ اوّل تو کوڑی کوڑی کر کے حساب نہ دیتے۔ پھر نفع تو بس نام کا دیتے۔ وہ ایک ایماندار آدمی کی تلاش میں تھیں۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام سُنا تو بلا بھیجا۔ بولیں: محمد! میں جو نفع دوسروں کو دیتی ہوں اُس کا دونا تم کو دونگی۔ تم میرا مال لے کر تجارت کرو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا۔ خدیجہ نے اپنا آدمی ساتھ کر دیا۔ پہلی ہی بار بڑا نفع ہوا۔ خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ اپنے نوکر سے حال پوچھا تو اُس نے کہا: بی بی جی! یہ تو آدمی نہیں کوئی فرشتہ ہے۔"

"فرشتہ! کیا ارتھ ہوا اس کا؟"

"مکھیا چاچا، فرشتہ کے معنی دیوی دیوتا جیسے آپ لوگ چار چھ دنوں پہلے کہا کرتے تھے نا کہ فلاں شخص دیوتا ہے۔"

"ٹھیک ہی کہا نوکر نے۔"

"نوکر نے بتایا: بی بی جی! محمد صاحب نہ جھوٹ بولے نہ کسی کو دھوکہ دیا۔ آپ نے جو مال دیا تھا اُس میں ایک کوئی چیز کھوٹی تھی۔ محمد صاحب نے بتا دیا کہ اِس میں یہ عیب ہے۔ دام کچھ کم کر کے بیچ دیا تو لینے والے لوگوں کو اُن پر ایسا بھروسہ ہو گیا کہ اُنتے منھ مانگے دام دیتے اور بے دیکھے مال لے جاتے۔ سب سے پہلے ہمارا مال بک گیا۔"

"پھر محمد صاحب نے دن بھر کیا کیا؟"

"پھر دوسرے ساتھیوں کی دوکان پر بیٹھ کر اُن کی مدد کرتے تھے۔"

"اچھا، اِسی لئے اب کی بار لوگ جلد آگئے۔"

کہانی کہتے کہتے حاتم کی پسلی پھڑکی۔ عائشہ اور کاملہ کو پکارا: "اری سنتی ہو! بتاؤ آگے کیا ہوا؟"

"ہائے بھیا! ہم کیا جانیں۔ ہم نے یہ کہانی کبھی سُنی ہی نہیں۔"

"سُنو! پھر یہ ہوا کہ خدیجہ نے اُن سے کہا کہ آپ میرے ساتھ بیاہ کر لیجئے۔" یہ سُن کر لوگ ہنسنے لگے۔ حاتم بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر کسی نے ایک طرف سے پوچھا: "بھیا! خدیجہ تو بڑی عمر کی ہوں گی۔"

"ہاں۔ اُس وقت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پچیس برس کے تھے اور خدیجہ چالیس سال کی۔"

"نہ بھائی! یہ جوڑ نہیں۔ اچھا تو کہانی آگے چلایئے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" حاتم نے سننے والوں سے پوچھا۔ سب نے کہا "محمد صاحب نے صاف کہہ دیا ہوگا کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ نیک عورت ہے، اچھے آچار وچار ہیں، بُری باتوں سے بچتی ہے، تو اپنے ایک چچا سے رائے لی۔ اور پھر شادی ہو گئی۔"

"ارے واہ! اس ادھیڑ عمر کی عورت سے۔"

"جی ہاں!"

"تو بھیا سنو، محمد صلے اللہ علیہ وسلم، ہم کیا کہیں، اب مسلمان ہو کر ہم خدا اور بندے کا فرق سمجھ گئے ہیں نہیں تو ہم اُن کو خدا ہی مان لیتے یا کہتے کہ وہ خدا کا اوتار ہیں۔"

"اوتار لینا تو خدا کی توہین ہے۔ خدا کو کیا پڑی ہے کہ وہ کسی انسان یا جانور کے روپ میں آئے۔ بھائی میرے۔ وہ تو کسی ضرورت کا محتاج نہیں۔ دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا اس بات کے لئے کہ وہ سب لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنا سکھا دیں اور یہ بتا دیں کہ دنیا میں کس طرح رہا بسا جاتا ہے جس سے امن چین رہے۔ تب ہی کی تیاری کرا رہا تھا۔ ہم مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رسول کا شبد بولتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔"

"یہ تو وہی ہوا ہے جو ہم نے سیکھا تھا۔ یہی ہونا چاہیئے۔"

"ہاں۔ اس طرح آپ رہتے رہے تو آپ کے اچار و چار کا اثر پڑا۔ عرب کے لوگوں نے آپ کو بڑے اچھے شد [illegible] سے یاد کیا۔ آپ کو امین اور صادق کا خطاب دیا۔ یہی امانت داری اور سچائی آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ محمد امین اور محمد صادق پکارے جانے لگے۔"

اس طرح زندگی بسر کرتے کرتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہو گئے۔ اب آپ کے اندر انوکھا نرالا انقلاب آیا۔ اب آپ کا جی چاہنے لگا کہ لوگوں کو [illegible] سے روکیں، بری باتیں کرنے سے روکیں۔ دنیا میں یہ جو برائیوں کا جال پھیلا ہوا ہے اسے نوچ پھینکیں اور دنیا کو نیکیوں سے بھر دیں۔ [illegible] ان کا جی تجارت سے اچاٹ ہو گیا۔ اب وہ تن تنہا پہاڑ کی ایک کھوہ میں جانے لگے اور اس کے اندر بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ [illegible] اور دنیا سے برائیاں کیسے دور کریں؟

اری سنتی ہے عالسہ! اور کالو بی! سنو! اس زمانے میں خدیجہ نے بڑا ساتھ دیا۔ وہ مالدار عورت۔ وہ پھولوں کی سیج پر سونے والی خدیجہ۔ اس نے بیوی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ بہت سے نوکر تھے۔ ان کے ہاتھ پہاڑ کی کھوہ [illegible] بھیج سکتی تھیں [illegible] انھوں نے یہ نہیں کیا۔ خود اپنے سر رکھا۔ [illegible] ضرورت کا سامان لے کر جاتیں۔ شوہر کو کھلا پلا آتیں۔ حال پوچھتیں اور چلی آتیں۔ پانچ کلو میٹر دور جاتیں اور آتیں۔ [illegible] نہیں کی۔ رحلت [illegible] ت تباہ ہو رہی ہے۔ مال پڑا سڑ رہا ہے۔ اسے دیکھو۔ یہاں کیا بیٹھے کا [illegible]

وہ بھٹی [illegible] نے بلند آواز سے کہا۔

عورتوں کے [illegible] ہو تو ایسا ہو۔"

"اللہ اکبر [illegible] ایک رات ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ صبح کی سپیدی ذرا ذرا آئی تھی کہ اچانک اس میں روشنی پھیل گئی [illegible] سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے [illegible]

"[illegible] آواز دینے والے سے کہا تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔ وہ سامنے آ گیا۔ اس نے بتایا کہ میں فرشتہ ہوں میرا نام جبرئیل ہے۔ مجھے ہمارے اور سب کے اللہ نے بھیجا ہے۔"

"[illegible] آپ نے پوچھا۔

"اس لئے بھیجا ہے کہ میں آپ کو اللہ کا پیغام پہنچاؤں۔ اللہ کی مرضی بتاؤں۔ اللہ کی عبادت کرنا سکھاؤں۔ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے۔ اپنا رسول بنا لیا ہے۔ اچھا پہلے یہ پڑھو۔"

"میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں ہے۔"

یہ سن کر فرشتے نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ آپ کا دم گھٹنے لگا تو اس نے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ "محمد پڑھو۔"

"میں پڑھوں کیا۔ مجھے پڑھنا آتا ہی نہیں۔"

فرشتے نے پھر سینے سے لگا کر بھینچا اور چھوڑ دیا۔ یہ بات تین بار ہوئی۔ آخر کار جبریل ہی کو پڑھنا پڑا۔ جبریل علیہ۔ پڑھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر وہ لفظ دہرا دئے۔

"بھیا! فرشتے نے کیا پڑھایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو؟"

"بابا! وہ تو عربی میں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے۔ جب میں قرآن سیکھا دوں گا تب وہ بول پڑھا دوں گا۔ اس وقت اس کا ارتھ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ جب کوئی کام کیا کرو تو وہ کام اللہ کا نام لیکر شروع کرو۔ اس طرح پڑھ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آپ لوگ یاد کر لیجئے۔ آپ مسلمان ایں کھانا کھائیں تو بسم اللہ پڑھ کر۔ پانی پئیں تو بسم اللہ پڑھیں۔ ہر [illegible] پڑھ کر۔"

"اور کیا بتایا حضرت جبریل نے؟"

"اور یہ بتایا کہ انسان کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ بتایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم کو [illegible] رب کو تمہارے رب یعنی اللہ نے پیدا کیا ہے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔ اے محمد پڑھو یعنی یاد رکھو اللہ بہت ہی بڑائی والا ہے۔ بڑا کریم ہے اور احسان کرنیوالا۔ اس نے تم کو یعنی انسانوں کو قلم کے ذریعہ سے وہ گیان دیا جو انسان کسی طرح جان ہی نہیں سکتا تھا۔"

"بھا [illegible] بھائی چودھری۔ بابا! سب کچھ پڑھا دیا جبریل نے۔ کیوں نہ حاتم بھیا ان ہی شبدوں کا پھیلاتے رہو۔ [illegible] پھیلاتے رہو۔ جو کچھ ان شبدوں میں بھرا ہے کوئی کتنی ہی کوشش کرے، عمر بھر بھا [illegible] ہے [illegible] کا حق ادا نہ کر سکے گا۔"

[illegible] لوگ بھی۔ ایسا لگتا تھا کہ سننے والوں کے دلوں [illegible] روشنی پھیل گئی۔

[illegible] اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کی کھوہ میں وہ بول پڑھ لئے جو جبریل نے پڑھائے تھے۔ جبریل [illegible] گئے تو آپ [illegible] آپ نبی ہونے کی ذمہ داری سے گھبرا تو گئے لیکن پھر اللہ نے ڈھارس بندھائی۔ آپ [illegible] سے نکل کر گئے۔

بار کر کہنا شروع کر دیا":-

"لوگو! یہ بُت، یہ مورتیاں، جن کو تم خود گھڑتے ہو، یہ بالکل بے جان ہیں۔ یہ تمہارے کام کیا آئیں گی جبکہ یہ خود تمہاری
ہیں۔ تم جھوٹے ہو۔ یہ خدا نہیں ہیں۔ اِن کو پوجنا چھوڑ دو۔ کوئی انسان، کوئی پیڑ، کوئی پتھر، کوئی دیوی، کوئی دیوتا، کوئی
۔ یہ سورج، یہ چاند، یہ ستارے، سب پیدا کئے گئے ہیں۔ جو پیدا کئے گئے وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا تو وہ
ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ وہی ہمارا تمہارا مالک مولا اور حاکم آقا ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے۔ اسی کی
کرو۔ اسی کا حکم مانو۔ اُسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اور یہ سب اس طرح کرو جیسے میں بتاؤں کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا نبی
ہے۔ یہ چوری، یہ ڈکیتی، یہ لوٹ مار، یہ خون خرابہ، ظلم و ستم، بے شرمی کی باتیں، شراب پینا، جوا، دوسروں کا مال
لیا لینا، سب پاپ ہے۔ بُرے کاموں کو چھوڑ دو۔ تمہارا خدا ان بُری باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمیشہ سچ بولو۔ انصاف
کی بات کرو۔ ناحق کسی کی جان نہ لو۔ ناحق کسی کا مال نہ لو۔ تم سب اِنسان ہو۔ انسان اِنسان سب برابر ہیں۔ کوئی ذلیل
اور نیچ نہیں پیدا ہوا۔ یہ ڈھونگ تم نے خود رچا ہے۔ اس پاکھنڈ میں شیطان نے تم کو ڈالا۔ ذات پات کی اونچ نیچ ماننا
بےکار ہے۔ اصلی بزرگی اور بڑاپن اور شرافت یہ ہے کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ خوش کر لو۔ نیکی کرو۔ شانتی سے رہو۔ جو
خدا سے ڈرے وہی اعلیٰ درجے کا اِنسان ہے۔ جو خدا سے نہ ڈرے وہ بدترین آدمی ہے چاہے وہ نواب اور ٹھاکر
چاہے وہ برہمن اور چھتری ہی کیوں نہ ہو۔ اور دیکھو! یہ زندگی چند دنوں کی ہے۔ ایک دن تم کو مرنا ہے۔ مر کر پھر جینا
ہے۔ اللہ کے سامنے جانا ہے۔ اپنے کرموں کا حساب دینا ہے۔ وہاں اللہ کی نظر میں جو اچھا ٹھہرا وہ جنت (بیکنٹھ)
میں جائے گا اور جو بُرا ٹھہرا وہ جہنم (نرک) میں جھونک دیا جائے گا۔ وہاں نہ ذات پات کام دے گی، نہ روپیہ پیسہ
اور نہ کسی کی سفارش سُنی جائے گی۔"

حاتم جب یہ کہہ رہا تھا تو اُس وقت وہ بڑے جوش میں تھا۔ اِس عرصے میں سب چپ بیٹھے سُنا کئے۔ سب پر
بڑا اثر ہوا۔ حاتم ذرا کی ذرا رکا تو "ستیہ ہے، ستیہ ہے" کی آواز بلند ہوئی۔

"بھیا! کتنی ڈھارس بندھی ہماری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُن کر۔ اور سناؤ اُن کا حال۔"

"آپ پہلے یہ بتائیں کہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم کے سامنے یہ بھاشن دیا ہوگا تو کیا ہوا ہوگا؟"

"بھیا! ہمارا وچار تو یہ ہے کہ وہی مثل ہوئی ہوگی جیسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔"

"بالکل ٹھیک ہے چودھری صاحب! کعبہ یعنی اس بڑے مندر کے پروہتوں نے سُنا تو وہ بپھر گئے۔ اچھا، یہ چڑھاوے اور نذرانے ختم کرنے چلے ہیں۔ جو لوگ بڑے بنتے تھے وہ غضب ناک ہوگئے۔ اچھا، اونچ نیچ مٹانے چلے ہیں۔ ارے بھائی سب کو اپنا اپنا بازار مندا دکھائی دینے لگا۔ سب نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو برا کہنا شروع کر دیا۔ جاہل اور مورکھ قوم اُن کی دشمن ہوگئی۔ ابھی تک اُن کو قوم سب سے اچھا آدمی سمجھتی تھی۔ اب اُنھی کو گالیاں [دی]نے لگی۔ لوگ کہنے لگے کہ محمد کا دماغ خراب ہوگیا۔ اُن کو جنون ہوگیا۔ اُن کی باتیں نہ سُنو۔ کسی طرح بھی تو انھیں [بر]داشت نہیں کیا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر ڈٹے رہے۔ اللہ کے پاس سے جو حکم آتا بے جھجک سُنا دیتے۔ [جو] بھلے مانس تھے وہ مسلمان بھی ہوگئے۔ اب تو قوم کے لوگوں نے مار ڈالنے کو سوچا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو [... ا]لا کر ہی رہے۔ آپ مکے سے نکل کر مدینہ چلے گئے۔ وہاں بھی آٹھ برس تک چین نہ لینے دیا۔"

"اُف فوہ! رے۔ بڑے لوگ۔ حاتم بھیا! ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ہم سے پوچھو۔ ابھی ہم کل ہی تو مسلمان ہوئے [ہیں]۔ اخباروں میں خبر آنے دو۔ ہمارا بھی یہی حال ہوگا۔"

"کچھ پروا نہیں۔ دیکھا جائے گا چودھری صاحب! اللہ نے چاہا تو سب جھیل لے جائیں گے۔ جب نبی جی پر [ایم]ان لائے ہیں تو نبی جی کی سی کر دکھائیں گے۔"

"شاباش نوجوانو! ہم بوڑھوں کو بھی پیچھے قدم رکھتے نہ دیکھو گے۔" بابا نے باہیں جھٹک کر اور سینہ [تا]ن کر کہا۔

"بھائیو! ایک بات سوچئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مکے والوں میں یہ جھگڑا کا ہے کا تھا۔

زر کا؟

زمین کا؟

زن کا؟

مکے والوں نے تو یہ سب پیش کیا تھا۔ بس شرط یہ تھی کہ اللہ کا پیغام نہ سُنا دو۔ پنڈتوں کی پنڈتائی نہ چھینو،

سرداروں کی سرداری ختم نہ کرو، اونچ نیچ باقی رہنے دو، عورتوں کو اونچا مقام نہ دو، لڑکیوں کے پیدا ہونے پر جنت کی نوید نہ سناؤ، جو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آ رہا ہے ہونے دو۔ نہیں تو ہم تمہارا جینا دوبھر کر دیں گے۔"

"نہیں رہ سکتیں اب یہ باتیں۔ وہ دن لد گئے جب ہم ذلیل تھے۔ اب ہم مسلمان ہیں اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔"

"بے شک اللہ کی مدد آئے گی۔ اللہ آپ کی زبانوں میں اثر پیدا کرے گا۔ آپ جہاں جو کہیں گے، کچھ نہ کچھ لوگ بھلے نکل کر آپ کا ساتھ دیں گے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے۔ اب آپ اللہ کا جو کلام سنا رہے تھے اس میں بلا کا اثر تھا۔ دوست دشمن سنتے تو سر دھنتے۔ کانوں میں روئی ٹھونس لیتے۔ اپنے بچوں کو روکتے کہ ان کے پاس مت جاؤ۔ ان کی باتیں نہ سنو۔ آنے جانے والوں سے کہتے کہ یہاں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے۔ اس سے بچنا۔ بڑے بڑے بھاشن دینے والے، بڑے بڑے شاعر، سب مات کھا گئے۔ قرآن سن کر مسلمان ہو گئے۔ قرآن کی سچائی دیکھ کر اسلام قبول کرنا پڑا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں خوبیاں تو بچپن سے تھیں۔ اب جو رسول ہوئے تو نورٌ علیٰ نورٌ۔ چار چاند لگ گئے۔ میں کہاں تک بیان کروں۔ اب تو آپ لوگ سب کچھ جان ہی جائیں گے۔ آخر جھوٹ پانی کے جھاگ کی طرح غائب ہو گیا اور صاف ستھرا نتھرا نتھرا پانی رہ گیا۔ حق کا بول بالا ہوا۔

پھر یہ دیکھئے، وہی عرب جو مورکھ اور بدتمیز تھے، قرآن کی تعلیم پا کر اور اس پر عمل کر کے دنیا کی سب سے اچھی قوم بن گئے۔ وہ گندے تھے، پاک صاف رہنے لگے۔ وہ برے تھے، نیک ہو گئے۔ بے علم تھے، عالم ہو گئے، ایسے عالم جنھوں نے دوسروں کو سبق پڑھایا۔ ساری دنیا پر چھا گئے اور آج دیکھئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اسلام کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو۔ ہر سمجھدار آدمی یہ آواز سنتا ہے تو اسلام کی طرف لپکتا ہے اور شیطانی طاقتیں ہیں کہ اسے دبانے کی سوچ رہی ہیں۔

بھائیو! حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خوبیاں تو بعد میں آپ کو معلوم ہونگی ہی، ایک بات عرض کر کے میں اِس کہانی کو ختم کرتا ہوں :

آپ یہ سوچیئے، خدا آپ کے پاس یہ کلام بھیج رہا تھا جسے سُن کر سب جھومتے تھے۔ اگر آپ کہتے کہ یہ میرا کلام ہے تو کوئی اِنکار نہیں کر سکتا تھا۔ آج کل کیا، ہمیشہ نام اور شہرت کے لئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ دوسروں کی کویتا اپنے نام سے پڑھ دیتے ہیں۔ لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا وہ سُنئیے۔ فرمایا :۔

"لوگو! میں تمہاری طرح ایک اِنسان ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی تو اپنا نہیں، سب کچھ خدا کا ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہے۔ یہ قرآن جو سُنا رہا ہوں یہ بھی خدا کا ہے۔ میرے بس کی بات نہیں کہ ایسا کلام پیش کر سکوں۔ میں خدا کا محتاج ہوں۔ وہی مجھ سے جو کچھ کہتا ہے، کرتا ہوں۔"

"سچ ہے حاتم بھیا۔ اِس سے بڑھ کر سچائی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہم سب اس سچائی کو مانتے ہیں۔ سچ مچ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے۔"

کہانی ختم ہوئی تب بھی لوگ بیٹھے ہی رہے۔ سب سے پہلے چودھری اُٹھے۔ عائشہ کو بُلایا۔ اُسے ساتھ لیا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ کنش پور روانہ ہو گئے۔ کہتے گئے :

"اَب پھر باتیں ہوں گی۔"

اِس کے بعد سبھی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ بابا مبارک، حاتم اور کاملہ بی کو لے کر اپنے جھونپڑے کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن مکھیا نے روک لیا اور رات اپنے گھر ہی بسر کرنے کے لئے کہا۔ پھر سب کے سونے کا بندوبست کر دیا۔

اَب جو سب سوئے تو ایسے سوئے جسے کہتے ہیں گھوڑے بیچ کر سونا۔

# رَدِّ عمل

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ یا یوں کہئے وہی ہوا جو ہونا چاہئے۔ حسن کئی دن کے بعد برہما پور کے
ذیر ہائی اسکول گیا۔ وہ کرتہ، پاجامہ پہن کر گیا تھا۔ ماسٹروں اور لڑکوں کو بڑا اچنبھا ہوا۔ حسن نے آج ایک
ئی بات یہ بھی کی کہ خود بھی ڈیسک اور اسٹول لے کر بیٹھا اور دوسرے اچھوت لڑکوں سے بھی کہا کہ
ہ بھی سب کے برابر بیٹھیں۔ اونچی ذات والوں کے لئے یہ آشچریہ کی بھی بات تھی اور ناقابل برداشت
ی۔ کلاس ٹیچر پوچھ بیٹھا:

"ارے ہسوا! آج تو بہت نئے پرکار کے کپڑے پہنے ہے رے!"

"پنڈت جی! اب میں ہسوا نہیں ہوں۔ میرا نام حسن ہے اور میں مسلمان ہوں۔"

"ہوں... ں... ں ملیچھ ہو گیا۔"

"نہیں۔ پہلے ملیچھ تھا۔ اب پاک ہو گیا ہوں۔"

"اور آج تیری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ ڈیسک کرسی لے کر بیٹھا ہے؟"

"بپا نے کہا تھا کہ سب کے برابر بیٹھنا۔"

"پھکو چودھری نے؟ وہ جو ایم۔ ایل۔ اے۔ ہیں۔"

"پنڈت جی! میرے بپا کا نام فاروق چودھری ہے اور وہ بھی مسلمان ہیں۔"

"ہوں... ں... ں۔ اور کون کون ملیچھ ہوا ہے؟"

"پنڈت جی! ملیچھ نہ کہئے۔ میرے بپا اور چمرودھا کے سارے لوگ، بچے، بوڑھے، مرد،
رتیں سب مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب اُن کے بڑے اچھے نام ہیں۔ میری بہن آرتی کا نام عائشہ، ہری کا
حمزہ، کملی کا کاملہ، ہنتی کا غزالہ۔ بن کٹوا کا بلی پہلوان وہیں تھا۔ وہ مسلمان ہوا تو اُس کا نام
سیف اللہ رکھا گیا..."، حسن کہتا چلا گیا۔ پھر اُس کو خدا جانے کیا سوجھی۔ پیاؤ کے پاس گیا۔

گلاس اُٹھایا اور بالٹی سے پانی لینا چاہا تو اونچی ذات کا ایک لڑکا بڑھا۔ وہ اُس سے گلاس چھیننے لگا۔ وہ یہ بھی کہتا جارہا تھا کہ تم نے گلاس چھوت کر دیا۔ حسن نے گلاس نہ چھوڑا تو اونچی ذات کے کئی اور لڑکے پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر اچھوت لڑکے جو ابھی تک سہمے ہوئے تھے، اچانک اُن کو جوش آگیا اور وہ بھی حسن کی مدد کو جا پہنچے۔ قریب تھا کہ بات بڑھ جائے کہ ہیڈ ماسٹر نے آکر بیچ بچاؤ کر دیا۔ اُس نے اُسی وقت چھٹی کر دی۔ ماسٹروں کو روک لیا تھا۔ اُن سے کہا ”اسمبلی میں سوال اُٹھ کھڑا ہوگا۔ آپ لوگ قانون کے تحت اچھوت لڑکوں کو پانی پینے سے روک نہیں سکتے۔ حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔“

حسن کو ڈر تھا کہ اونچی ذات کے لڑکے راستے میں پکڑ کر پیٹیں گے۔ سامنے لودھرا گاؤں تھا۔ وہ اپنے ساتھی کھنّا کے ساتھ لودھرا چلا گیا۔ کھنّا نے اپنے بپا سے پھر اُس کے بپا نے گاؤں والوں سے حال کہا تو سب نے کہا ”ہم چلتے ہیں کنش پور۔ دیکھیں کون حسن بھیّا کا بال بیکا کرتا ہے۔ ہم لٹھ چلا دینگے“ سب لٹھ لئے ہوئے کنش پور پہنچے۔ فاروق چودھری سے ملے۔ فاروق چودھری نے اپنے ایک آدمی کو چرودھا دوڑا کر حاتم کو بلوایا۔ اسکول میں جو کچھ ہوا تھا، سُنا گیا۔ چودھری نے حاتم سے کہا کہ بھیّا! میری طرف سے ایک خط پردھان منتری کو لکھو۔ میں خود دے کر جاؤں گا اور اسمبلی میں سوال اُٹھاؤں گا۔

حاتم نے کہا ”آپ پہل نہ کریں۔ کئی گاؤں کے سیکڑوں آدمیوں کا مسلمان ہونا ایسی بات نہیں ہے جو چھپی رہے۔ اب آپ دیکھیں گے۔ کل کے اخباروں میں یہ بات آجائے گی اور دو تین دن کے اندر پورے دیس میں آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ پریس کے نمائندے ہندو مسلمان سبھی یہاں آنے لگیں گے۔ جب تک اجلاس شروع نہ ہو آپ کنش پور سے باہر نہ جائیں۔ پریس کے نمائندے زیادہ تر آپ ہی سے بات کریں گے۔ میں ایک آگاہی دے دوں۔ شر پسند لوگ ہنگامہ کرنے کی بہت کوشش کریں گے۔ جہاں تک ہو سکے صبر سے کام لیجئے۔ امن برقرار رکھنے کی کوشش کیجئے۔ گاؤں کے چوکیدار کو خبردار کر دیجئے۔ اس سوال کا جواب سوچ رکھئے جو شر پسند لوگ اٹھائیں گے یعنی یہ کہ

عرب دیس سے پیٹرو ڈالر آرہے ہیں۔ ہزار ہزار پانچ پانچ سو روپیہ دے کر یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا جارہا ہے۔ ایک بات اور یاد رکھئے۔ اب کی آپ دلی جائیں تو ایک صاحب آپ سے ملیں گے سیّد صادق حسین صاحب۔ وہ آپ ہی کے گروپ کے ہیں۔ وہ بھی کانگریس آئی کی طرف سے ایم ایل اے ہوئے ہیں۔"

"ہاں بھیّا! سیّد صاحب بہت اچھا بولتے ہیں۔"

"اُن سے مِل کر یہاں کا حال کہہ دیجئے گا۔ بتا دیجئے گا کہ آپ کا دس ہزار کا چیک وصول کرلیا گیا اور کپڑا خرید کر لوگوں کو شرعی لباس بنوا دیا گیا۔"

"بیٹا حاتم! سیّد صاحب سے تمہارا کیا رشتہ ناتہ ہے؟"

"سیّد صاحب ہی بتا دیں گے۔ میرا سلام کہہ دیجئے گا۔"

حاتم جان بوجھ کر بات کو مختصر کر رہا تھا۔ اُس نے بات ختم کر کے لودھرا کے لودھ ذات کے لوگوں کے سامنے اِسلام پیش کیا۔ یہی کہا کہ ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اِنسان ہونے کے ناتے سب برابر ہیں۔ ہمارا سب کا خدا ایک ہے۔ وہ خدا ایک ہی ہے۔

اِس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا۔ آخرت کا عقیدہ سمجھایا بالکل اسی ڈھنگ سے جیسے چمرودھا والوں کے سامنے پیش کیا تھا جب حاتم نے یہ کہا کہ آپ دیکھیں دنیا میں ڈاکو اور غنڈے لوگ دندناتے پھرتے ہیں اور بھلے لوگ سہمے اور دبے رہتے ہیں جیسے آپ لوگ ہیں، پھر سب مر جاتے ہیں تو کیا اِس کا انصاف نہیں ہونا چاہئے۔ اگر جواب ہے کہ "نہیں" تو پھر دنیا میں آدمی کا پیدا ہونا بیکار ہی معلوم ہوتا ہے۔ دِل کہتا ہے کہ ایک دن ایسا آنا چاہئے جب پورا پورا انصاف ملے۔ دنیا میں کسی کو پورا پورا انصاف نہیں مِلتا۔ مِل بھی نہیں سکتا۔ سوچئے! ایک ڈاکو نے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اِس قتل سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے۔ پھر اُس ڈاکو کو پھانسی دے دی گئی تو کیا انصاف ٹھیک ٹھیک ہوگیا؟ ہرگز نہیں ہوا۔ یہ اِنصاف آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کریگا کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

یہ بات لودھرا والوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ "ستیہ ہے" اُن کی زبان سے نکلا اور وہ اسی جگہ مسلمان ہوگئے۔ پھر جب لودھرا گئے تو گاؤں بھر کے سارے لوگوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ یہ خبر چمرودھا اور کنشپوہ پہنچی۔ فاروق چودھری مکھیا، بابا اور حاتم وہاں پہنچے۔ بتایا کہ نہا دھو کر پاک کپڑے پہن لو۔ دوپہر ہوتے ہوتے سب نے نہا دھولیا۔ ظہر کی نماز چمرودھا کے مکھیا ابوالحسن علی نے پڑھائی۔ پھر کوریانہ کے مکھیا ابوالاعلیٰ (سابق نام شردھاک مکھیا) نے بھاشن دیا۔ بھاشن میں اُنھوں نے چار باتوں کی طرف دھیان دلایا۔ اوّل یہ کہ سب سے پہلے ہمیں اسلام کے سانچے میں پورے کے پورے ڈھلنا ہے۔ دوم یہ کہ اپنے گھروالوں اور بستی کے لوگوں کو اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلانا ہے۔ تیسرے یہ کہ اسلامی تعلیم کا بندوبست کرنا ہے جو ہم سوچ رہے ہیں۔ اس کے لئے آٹھ گاؤں کے بیچ میں چودھری صاحب نے پانچ ایکڑ اپنی زمین دی ہے۔ دو ایکڑ علی میاں نے دی۔ اس سے تی بابا کی تین ایکڑ زمین رکھی۔ بابا نے اپنی وہ زمین دے دی۔ اس طرح دس ایکڑ زمین ہوگئی۔ اللہ نے چاہا تو وہاں مسجد اور اسکول بنے گا۔ اور چوتھی بات یہ کہ ہم اگلے الیکشن میں ایسے نیک لوگوں کو اوپر لے جائیں گے جو ستیہ پالن کرنے والے ہیں۔ دیش میں ستیتا پھیلانے والے ہیں اور ہمارے دیس کی مہما ایشور کا نام لے کر بڑھانے والے ہیں۔ ہم اُن کے سامنے اسلام بھی پیش کریں گے۔ جو مان لے اُس کا بھلا اور جو نہ مانے ہم اُس کے لئے بھی بھلائی کی ہی بات سوچیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ اونچی ذات کے گھمنڈی لوگوں کو چھوڑ کر سب ہماری بات سُنیں گے۔ پھر اللہ نے چاہا تو ہم اُن میں سے اچھے لوگ چن لیں گے۔

تقریر ختم ہوئی۔ لودھرا کے چودھری خان محمد (کھتا چودھری) نے میٹھا پکوا کر سب کو کھلایا۔ اس کے بعد لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

## جھوٹ کے پاؤں

اسی ہفتہ موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ اخباروں میں خبریں آنے لگیں۔ پولیس نے اندیشہ ک اور

اشتعال انگیز مضامین کے ساتھ اتنا شور مچایا کہ دیش بھر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ پریس نمائندے چاروں طرف سے جمرودھا، کنش پور، لودھرا، بن کٹوا، کوریانہ آنے لگے۔ ہمارے دیش کے پریس نمائندوں کا عجیب حال ہے۔ خبر کو کچھ کا کچھ کر دینے میں اُن کو شرم نہیں آتی۔ پوری پوری خبریں جھوٹی بنا دیتے ہیں۔
ایک اخبار نے یہ خبر چھاپی:

> "فرقہ پرست جماعتِ اسلامی کے دو نوجوان ممبر ایک نوجوان لڑکی کو اغوا کرنے کے لئے جمرودھا پہنچے۔ اُنھوں نے لڑکی کے باپ پر دولت کی بھرمار کر دی۔ وہ اُس کے گھر رہے۔ پھر جب کنش پور کے لوگ اس لڑکی کو بچانے جمرودھا پہنچے تو انھیں پانچ پانچ سو روپیہ دیئے گئے۔ اُنھیں بہکایا گیا۔ دولت کا لالچ دیا گیا۔ یہ بھی دھونس دی گئی کہ اگر تم لوگ مسلمان نہ ہوئے تو تمہارے گاؤں کو جلا کر راکھ کر دیا جائے گا۔ ہمارے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ دونوں مسلم نوجوانوں کے پاس آتشیں آلے ہیں۔ بہت سے ہندو جمرودھا اور کنش پور سے برہما پور بھاگ آئے ہیں۔"

یہ بات تو لگ بھگ نوے فیصد اخباروں نے چھاپی کہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے عرب دیشوں سے لاکھوں ڈالر آتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ مسلمان ہونے والوں کو پانچ پانچ سو روپیہ بھی دیا جاتا ہے۔ جو اخبار والے نکش پات اور تعصب سے پاک ہیں اُن کا رول بہت اچھا رہا۔ اُنھوں نے کہا۔ ہندو دھرم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اچھوتوں کو سماج میں برابری کا مقام ملنا چاہئے۔ ذرا سا دہ اس لئے مسلمان ہوئے کہ اسلام میں مساوات (سماجی برابری) ہے۔

## اسمبلی ہال میں دھواں دھار تقریریں

جیسا کہ خیال تھا، شرپسندوں نے اسمبلی میں سوال اُٹھوا دیا۔ حکومت پر اعتراض کیا کہ وہ مسلمانوں سے ووٹ لینے کے لالچ میں اُن کے ساتھ رعایت کرتی ہے۔ فرقہ پرست ممبروں نے اہم

میں دھواں دھار تقریریں کیں۔ اِن تقریروں کے جواب میں کنش پور کے ایم۔ایل۔اے جناب فاروق چودھری نے تقریر کی۔ اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"اِسپیکر مہودے! آپ گواہ ہیں۔ آپ کی کتابیں گواہ ہیں۔ آپ کا دھرم گواہ ہے۔ ہزاروں برس سے آپ نے ہمارے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔ آپ نے ہم کو ہمیشہ نجس اور ناپاک سمجھا۔ ہمارے سائے سے آپ کو نفرت رہی۔ آپ نے ویدوں کے بول ہمیں سننے نہیں دئیے۔ اگر ہماری غلطی سے ویدوں کا کوئی اِشلوک ہمارے کانوں میں پہنچ گیا تو آپ نے سیسہ گرم کرکے ہمارے کانوں میں ڈال دیا۔ آپ نے ہمیں اپنی بستیوں میں رہنے نہ دیا۔ ہم نے جنگل کاٹ کر بسایا۔ ہم نے آپ کے لئے جنگل کی نعمتیں پیش کیں۔ آپ نے ہمیں شرافت کا کوئی دانہ نہیں دیا۔

سجّنو! ہم ہزاروں برس سے مُردار کھاتے چلے آرہے تھے۔ ہم آپ کے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے رہے۔ ہم کو حرام وحلال، جائز و ناجائز کی تمیز نہیں تھی۔ آپ ہمیں باہم لڑاتے رہے جب بھی بلوہ ہوا۔ آپ نے ہم سے کام لیا اور ہم نے اپنے تیر آپ کے مقابل فرقے پر برسائے آپ کے کہنے سے ہم نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو اُن کے گھروں میں زندہ جلا دیا مہاپاپ کے اپرادھی بنے۔

حکومت نے برابری کا قانون پاس کر دیا مگر وہ آپ کے دور میں نہ اُترا۔ آپ نے ہمارے ساتھ رعایت کا اعلان کیا لیکن حکومت کے کارندے ہی آدھے سے زیادہ ہڑپ کر گئے۔ ہم چوری کرتے رہے۔ ہم ڈاکہ ڈالتے رہے۔ ہم اس حالت میں پہنچا دئے گئے کہ ہم سے جانور اچھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ اُس نے ایک مسلم نوجوان کو ہمارے یہاں بھیجدیا۔ ہم اس نوجوان کی پاکیزگی اور پوترتا کے گواہ ہیں۔ اُس نے ہماری عزت کو اپنی عزت سمجھا۔ اُس نے ہمیں اللہ کے بارے میں ٹھیک علم دیا۔ اللہ کے

رسول کے بارے میں سچا عقیدہ دیا۔ اس نے اسلامی مساوات کا نمونہ پیش کیا۔ آج ہماری لڑکیوں کی شادیاں مسلمان لڑکوں سے ہو رہی ہیں اور مسلمان لڑکیاں ہمارے لڑکوں کے نکاح میں ہیں۔

سجنو! کل جب ہم بھکو کے نام سے آپ کے گھر جاتے تو آپ ہمیں زمین پر بٹھاتے تھے۔ آج جب میں فاروق بن کر آپ کے گھر جاتا ہوں تو آپ کرسی پیش کرتے ہیں۔ یہ صرف نام کی تبدیلی کا اثر ہے۔ یہ قبول اسلام کا نتیجہ تو اللہ نے چاہا تو آخرت میں ہم کو جنت ملے گی ۔ میں آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ اسلام کا مطالعہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہی وہ دین ہے جس کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس ہندو، ہندی، ہندوستان کے سوا کچھ نہیں۔"

فاروق چودھری کے بعد سید صادق حسین صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارے دیس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے کہ اب بھارت کے لوگ پانچ پانچ سو روپوں کے عوض بکنے لگے ہیں۔ اس طرح بکتے رہے تو دنیا کی نظروں میں ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔ ان جھوٹی باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ حقیقت کو سامنے لائیے۔ وہ بات کیجئے جس سے دیش کا وقار اونچا ہو۔ اس طرح کی افواہ اڑانے سے ہماری سرکار کو نااہل کہنے کے سوا اور کیا مطلب لیا جائے گا۔

اس دن کے اجلاس کا ٹائم ختم ہونے پر جب فاروق چودھری اور سید صادق حسین صاحب ملے اور صادق صاحب حاتم کا نام لے کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے تو چودھری صاحب کا بھی دل بھر آیا۔ کچھ ایم۔ ایل۔ اے۔ بھی آ گئے تھے۔ ان میں سے بیراگی بابو نے اسی جگہ صادق حسین صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ بیراگی بابو کا نام گل محمد رکھا گیا۔

صادق صاحب نے فاروق صاحب سے حاتم کا حال پوچھا۔ فاروق چودھری نے حال بتانے کے بجائے انہیں چمرودھا آنے کی دعوت دی جسے سید صاحب نے منظور کر لیا اور کہا کہ حاتم صاحب

سے مشورہ کر کے آنے کی تاریخ لکھ بھیجوں گا۔ اس کے بعد سیّد صاحب نے عاصم صاحب کو خط لکھا کہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے حاتم جیسا بیٹا ملا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا میں اب اُس کا قائل ہوگیا۔ حاتم پڑھ لکھ کر جو کام کر رہا ہے دراصل وہی کام کرنے کا ہے۔ میں نے بھی وہی نصب العین قبول کر لیا ہے۔ انشاءاللہ اب آپ مجھے اپنے نقشِ قدم پر دیکھیں گے۔

اُردو اخباروں میں "صدائے سحر" نے بڑی سنجیدگی سے اس مسئلے کو لیا۔ صدائے سحر کا ایڈیٹر خود ان گاؤں میں گیا۔ وہاں کے حالات قلمبند کئے۔ ایڈیٹر صاحب صدائے سحر صحافی ہونے کے ساتھ ادیب بھی ہیں۔ انھوں نے ایک ایک بات کو بہترین عنوان دے کر لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

**سعادت** :- چیر ودھا کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے کوئی سوال کیا۔ نومسلم نے بغیر خوف کھائے نہایت اطمینان سے اس کا جواب دیا۔ عہدہ دار کے لئے یہ جواب بالکل ہی خلافِ توقع تھا کیونکہ اب تک ہریجن حکومت کے کسی عہدہ دار کی صورت دیکھتے ہی سہم جایا کرتے تھے اور جواب دینا ہوتا تو ہاتھ جوڑ کر اور گڑگڑا کر جواب دیتے تھے۔ مگر یہاں تو دوسری ہی صورت حال تھی جسکے عادی یہ حکومت کے عہدیدار نہیں تھے۔ اس جواب سے عہدیدار کے تو بدن میں آگ لگ گئی اور اُس نے کڑک کر کہا "اے، تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے بات کر رہا ہے؟"

"اپنے جیسے ایک انسان سے" نومسلم نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"نالائق! تمیز سے بات کر" عہدیدار ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تمیز سے مجھے نہیں تمہیں بات کرنی چاہئے کیونکہ میرے ٹیکس سے تم پل رہے ہو مگر تمہاری نوکری سے میں نہیں پل رہا ہوں" نومسلم نے اُسی اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"تجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ یہی نا کہ مجھے جھوٹے الزامات میں گرفتار کرادو گے، اس پر بھی تمہارا دل نہ بھرا تو میری بیوی کو بھی پکڑوا دو گے۔ اس پر بھی تمہارا دل نہ بھرے تو میری معصوم بچی کو

بھی تکلیف دو گے۔ اس کے باوجود بھی تمہارا دل نہ بھرے تو ہم سب کو ایذائیں دلوا کر قتل کروا دو گے۔ یہ کرو گے نا۔ لیکن تم یقین کرو کہ اب تمہارا کوئی حربہ ہم پر کارگر نہ ہوگا۔ آہ! تم کیا جانو کہ ہری جن ہو کر مرنا ہمارے لئے کتنا دردناک ہوتا اور اب مسلمان ہونے کے جرم میں قتل ہو جانا کتنی بڑی سعادت ہے!"

عہدہ دار نے چند ہی دنوں کے نومسلم کی زبان سے اس جذبۂ ایمانی کو سنا تو ہکا بکا ہو کر وہاں سے چل دیا۔

**سکون کہاں ملا؟**:۔ مرکزی حکومت کا ایک اعلیٰ آفیسر حمر وادھا آکر ایک نومسلم سے ملاقات کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے "حکومت نے تم کو یہ اور یہ سہولتیں دی تھیں اور ہر قدم پر اتنی رعایتوں سے تمہیں نواز رہی تھی۔ اس کے باوجود تم نے اپنا ہندو مذہب کیوں بدل دیا؟" اس کے جواب میں نومسلم نے کہا:

"ہاں صاحب! حکومت ہمیں طرح طرح سے نواز رہی تھی۔ لیکن ایک بات میں کہتا ہوں۔ آپ اس پر غور کیجئے۔ ایک اچھی نسل کے کتے کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص اسے اپنے پاس رکھتا ہے اسے اپنے ساتھ کھلاتا ہے، روزانہ اعلیٰ صابن سے نہلاتا ہے، اپنے ساتھ نرم گرم بستر پر سلاتا ہے، موٹر کار میں لئے لئے پھرتا ہے، روزانہ اپنے ساتھ تفریح کراتا ہے، موقع پڑے تو ہوائی جہاز میں اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے اور اگر وہ کتا مر جائے تو اس کا ماتم بھی کرتا ہے۔ مگر صاحب سچ بتایئے کتے پر اتنی مہربانیاں ہونے کے باوجود بھی آپ اسے کیا کہتے ہیں۔ کتا یا انسان؟"

آفیسر نے جواب دیا "کتا ہی کہیں گے"۔ نومسلم نے کہا:

"تو بس صاحب! ہندوستان کے اندر ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں نیچے سے لے کر اوپر تک ساری آسانیاں دینے اور نوازشات سے نوازنے کے بعد بھی آپ ہمیں کیا کہتے ہیں۔ ہری جن ہی نا جس کے معنی ہندوستان کے اندر جانوروں سے بھی بدتر مخلوق کے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ انسان آسانیوں پر نہیں بلکہ انسان بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اور ہمیں یہ چیز ہزاروں برسوں سے ہندو ازم میں نہیں ملی۔ اسی لئے ہم نے اسلام

قبول کیا ہے اور ہمیں یہاں وہ چیز مل گئی ہے جس کے ہم بھوکے تھے۔"

آفیسر نے کہا "تمہارے مسلمان ہوتے ہی حکومت وہ ساری رعایتیں تم سے واپس لے لیگی۔"

نومسلم نے کہا "ہمیں جو ایمان، دل کا سکون اور بھائی چارگی ملی ہے اس کے مقابلے میں یہ ساری رعایتیں مچھر کے پر کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔"

یہ جواب سُن کر آفیسر اپنا سا منھ لے کر وہاں سے چل دیا۔ یہ جواب صرف چار کلاس پڑھے ہوئے ایک نومسلم نے دیا تھا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

**چُپ ہو کر رہ گئے:-** ایک مہا پُرش ٹھیٹ مطراق سے جیر ودھا گئے اور اپنے لوگوں سے کہا "جو ہری جن مسلمان ہو گئے ہیں میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔" اُن کے لوگ دو چار نومسلموں کو لے آئے۔ مہاشے جی اُن کی صورت دیکھتے ہی بولے "ارے بھائی میں مسلمانوں سے نہیں بلکہ ابھی جو ہریجن لوگ مسلمان ہوئے ہیں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔" یہ سُن کر نومسلموں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! ہم ہی وہ ہریجن ہیں جنہوں نے چند دن قبل اسلام قبول کیا ہے۔"

"میں نہیں مانتا کہ تم ہی وہ نومسلم ہو، اس لئے کہ تمہارا سارا حلیہ ہی بدلا ہوا ہے۔" مہاشے جی نے اپنی حیرانی ظاہر کی۔ نومسلم نے کہا "جناب، مسلمان کو ایسا ہی حلیہ بنانا ضروری ہے۔" اس کے بعد مہاشے جی نے اُن سے کوئی بات نہیں کی اور رخصت کر دیا۔ جو نومسلم اُن سے ملنے آئے تھے اُن کے چہروں پر داڑھیاں تھیں، ساتر لباس تھا، سروں پر ٹوپیاں تھیں اور وہ اپنی وضع قطع سے برسوں کے مسلمان نظر آ رہے تھے۔

**ایک گلاس پانی پی لیجئے:-** جیر ودھا کے اطراف میں قبول اسلام کی لہر چلی تو ایک مہاشے وہاں گئے اور مسلمان ہونے والے ہریجنوں کو پکڑ پکڑ کر بہت دیر تک ہندو مذہب کی خوبیاں، ہندو اُن کو دی جانے والی سہولتیں، اُن پر آئندہ ظلم نہ کئے جانے کے پکے وعدے اور اُن کے ساتھ آئندہ کئے جانے والے بھائی چارگی کے سلوک وغیرہ کی باتیں سُنانے لگے۔ نومسلم پورے اطمینان کے ساتھ اُن کی باتیں سنتے رہے۔ پھر نومسلموں میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے ایک نوجوان سے کہا "بھائی!

یہ ہمارے مہمان ہیں اور اس کڑی دھوپ اور گرمی میں یہ بہت دیر سے ہم سے باتیں کر رہے ہیں۔ جاؤ کم سے کم انھیں ٹھنڈا پانی ہی پلا دو۔" یہ سن کر ایک نوجوان پانی لانے کے لئے دوڑا اور چند گلاسوں میں اپنے گھر سے پانی لے آیا اور اپنے مہمانوں سے کہا "لیجئے پانی پی لیجئے"۔ مہمان نوازی کی اس پیش کش پر مساوات، برابری، اور بھائی چارگی کی ڈینگیں مارنے والوں کے پسینے چھوٹ گئے۔ ان کا ہندو فلسفہ ان کا گلا گھونٹنے لگا کہ ایک ہریجن کے ہاتھ کا پانی پی کر وہ کس طرح اپنے ہندو دھرم کو بچا سکتے ہیں۔ اچانک ہی وہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار کر دیئے گئے کہ نہ انکار کر سکتے تھے کہ اس انکار سے ان کے گرد گھنٹال قبول اسلام کے سیلاب پر جو بندھ باندھنا چاہتے تھے اس میں سوراخ پڑ جاتا اور اگر پانی پیتے تو ان کے ہندو دھرم کا بندھ ہی ٹوٹ جاتا۔ اس لئے ان کے چند لوگوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا "شکریہ ہمیں پیاس نہیں لگی ہے"۔ مگر نومسلم بھی بڑے گھاگ تھے۔ وہ کہاں ان کو چھوڑنے والے تھے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ اپنے ہاتھ کا پانی پلا کر ان کے مساوات کا امتحان لیں۔ اس لئے وہ اصرار کرنے لگے "ارے بھائی! آپ بہت دیر سے باتیں کر رہے ہیں۔ گرمی سے حلق سوکھ رہا ہوگا۔ دو گھونٹ پانی پی لیجئے"۔ نومسلموں کے اس اصرار کو دیکھ کر بھائی چارگی بھول گئے اور اپنا بھائی چارگی اور برادری کا درس سمیٹ کر جلد از جلد یہاں سے بچ نکلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھنے لگے اس لئے کہا کہ "اچھا بھیّو! اب اجازت دو۔ بھگوان نے چاہا تو بہت جلد آپ سے ملیں گے"۔ نومسلم کہاں چھوڑنے والے تھے۔ انھوں نے کہا "ٹھیک ہے۔ آپ پھر آئیے مگر ایک گلاس پانی تو پیتے جائیے"۔ مہاشے جی نے "شکریہ، شکریہ، ہمیں ضرورت نہیں ہے"، کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر نو دو گیارہ ہو گئے۔

ان کے جاتے ہی نومسلموں نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہ ہے ان کی مساوات کا حال۔

**اے کاش تم بھی کلمہ پڑھ لو:-** اودھرا کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک ایک ذمہ دار نے پوچھا "کلمہ پڑھ کر آخر تمہیں ملا کیا؟" نومسلم نے جواب دیا "یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ کیا نہیں ملا"۔ حکومت کے ذمہ دار نے کہا "مسلمان ہونے سے بھی تمہاری حالت سدھر نہیں سکتی"۔ نومسلم نے جواب دیا "تم کیا جانو کہ مسلمان ہونے کے بعد ہماری حالت میں کتنا بڑا انقلاب آ گیا ہے

دِل کا سکون، مَن کا چین، محبت بھرا دل، اَور انسانیت کی عظمت یہ سب چیزیں ہمیں مِل گئیں ۔ مگر اِن کی حقیقت کو تم کیا جانو ۔ اَے کاش! تم کلمہ پڑھ لو ۔! تو یہ ساری حقیقت تمہارے دل میں اُتر جائے گی ۔"

**شیلا** :۔ بن کٹوا گاؤں میں ایک بیوہ رہتی تھی۔ اُس بیوہ عورت کا ایک بھائی دوسرے گاؤں میں رہتا تھا۔ اُس تک اطلاع پہنچی کہ اُس کی بہن کا پورا گھر ہندو دھرم کو خیرباد کہہ چکا ہے۔ اس نے یہ سُنا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اَور یار لوگوں نے بھی اِس آگ پر طرح طرح کی افواہوں کے ذریعہ اَور تیل چھڑک دیا۔ وہ اپنی بہن کے گھر پہنچ گیا۔ بہن نے اَپنے بھائی کا آنا سُنا تو اَپنے بچّوں کو جمع کرکے کہا کہ تم اَپنے ماموں سے کچھ نہ کہو۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔ وہ اِنشاء اللہ کچھ نہ کر سکے گا۔ بھائی مومن بہن کے دروازے پر پہنچ گیا اَور گالیوں کی بوچھار کرنے لگا۔ مگر جب اَندر سے اس کے جواب میں کوئی آواز نہیں آئی تو اَور آپے سے باہر ہوگیا اَور گھر میں گھس کر اول فول بکنے لگا۔ بہن نے بڑے اطمینان کے ساتھ اُسے سمجھانا چاہا تو بھائی نے کہا کہ تو جہنم میں جاتی ہے تو جا مگر میرے بہنوئی نے جو سامان تجھے لاکر دیا ہے وہ نہیں لے جا سکتی۔ بہن نے کہا "اگر سامان ہی پر تمہاری نظر ہے تو یہ لو۔ تمہارے بہنوئی کی بنائی ہوئی سونے کی بالیاں، یہ کپڑے لتّے، یہ بچّوں کا سامان، یہ گھر کا سامان جس اللہ نے ہمیں یہ سامان دیا تھا وہی اللہ اَب بھی ہمیں اور دے دے گا۔" بھائی اِس کے لئے کہاں تیار ہوکر آیا تھا۔ وہ تو ہنگامہ کرنا چاہتا تھا۔ اَور یار لوگوں نے اُسے ہنگامہ کرنے کے لئے تیار کرکے شراب پلاکر بھیجا تھا۔ اِس لئے وہ مزید زیادتی پر اُتر آیا ۔ مقامی مسلمانوں کو اِس ہنگامہ کی اطلاع مِلی تو وہ اس بیوہ بہن کی ہمدردی میں اس کے گھر کے پاس جمع ہوگئے۔ بیوہ کو مسلمانوں کے جمع ہونے کی اِطلاع ملی تو وہ فوراً گھر سے باہر آگئی اَور ہاتھ جوڑ کر مسلمانوں سے کہنے لگی "بھائیو! خدا کے لئے آپ اَپنے اَپنے گھروں کو چلے جائیے ۔ آپ اِطمینان رکھئے کہ جس خدا نے اَب تک ہماری حفاظت کی ہے وہی خدا اَب بھی ہماری مدد کرے گا۔ آپ اگر ذرا سی بھی مداخلت کریں گے تو اَندیشہ ہے کہ ہندو مسلم فساد ہو جائے گا۔ آپ اِطمینان کے ساتھ جائیے۔ اِنشاء اللہ میرا بھائی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا" مسلمان اَپنے اَپنے گھروں کو لَوٹ گئے ۔ بیوہ کا بھائی کچھ بھی بگاڑ نہ سکا۔ آخر تھک ہار کر چل دیا۔

# تقریب شادی

مومن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست دی ہے۔ حاتم ایک بات پر برابر غور کرتا رہا۔ پھر جب اس نے
ارادہ کرلیا تو مبارک سے کہا کہ یہاں ہمارا تمہارا کنوارا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میرے والدین زندہ
ہیں اپنے بارے میں اُن سے مشورہ کروں گا۔ تم تنہا ہو۔ میری رائے ہے کہ کاملہ کے ساتھ شادی
کرو۔ تم اس کو اچھی طرح جانتے ہو اور وہ بھی تم کو پسند کرتی ہے۔ میں نے اشارہ کنایہ میں بابا سے کہا
وہ بھی تیار ہیں۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے لیکن میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ میں تو خالی ہاتھ ہوں"۔ مبارک نے کہا۔

"میں یہاں سادگی سے شادی کرنے کا نمونہ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ شرعی نکاح
سے لوگ اور زیادہ متاثر ہوں گے۔"

حاتم نے یہ بات بہت ہی خوب سوچی۔ اس کے بعد کھل کر بابا مکھیا اور چودھری سے مشورہ کیا گیا
سب بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے دن نکاح ہونا طے ہوا۔

جمعہ سے پہلے جمعرات کو عجیب لطیفہ رہا۔ ایک مہاشے چمرودھا میں پدھارے۔ انھوں نے
یہاں تقریر کی کہ ہریجنو! تم کہاں بہکے جارہے ہو مسلمانوں میں بھی اونچ نیچ ہے۔ تم یہ سوچو کہ مسلمان
ہونے کے بعد تم اپنی اولاد کی شادیاں کہاں کروگے۔ کیا مسلمانوں سے آشا رکھتے ہو کہ وہ تم کو لڑکی دیدیں گے
یا اپنی لڑکیوں سے شادی کرلیں گے۔

تقریر ختم ہوئی تو اُن سے کہا گیا کہ آپ کل تک ٹھہر جائیں اور شادی کی ایک تقریب میں شریک
ہوں۔ کل کاملہ بی کا نکاح مبارک کے ساتھ پڑھا دیا جائے گا۔

مہاشے جی یہ سُن کر ایسے بھاگے کہ پھر مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

# ایک دفاعی تیاری

بھارت کے [illegible] سے [illegible] ان کو پورا پورا یقین ہو گیا
کہ اسلام میں مساوات (انسانی برابری) [illegible] اچھوت مسلمان ہونے
سے باقی رہ گئے تھے [illegible]

اونچی ذات کے جو لوگ تھے ان پر دو طرح کا [illegible] جو [illegible] پسند تھے ان کے تن بدن میں
آگ لگ گئی۔ انھوں نے دل میں ٹھان لیا کہ اب [illegible] مسلمانوں کو برداشت نہیں کیا
جائے گا۔ وہ سب خفیہ تدبیریں کرنے لگے۔ [illegible] طریقے سے [illegible] کرنے [illegible] نیک [illegible]
نے ایسا کرنے سے [illegible] تو ان کو ڈانٹ دیا گیا۔ انھیں ڈرایا [illegible] لوگ کی تو تمہارا حال
بھی وہی ہوگا جو نومسلموں کا ہونے [illegible]۔ یہ بے چارے [illegible] بھی ان میں سے
جو بہت ہی امن پسند تھے انھوں نے فاروق چودھری کو چپکے سے [illegible] تم نے [illegible] اپنے
بچاؤ کا بندوبست کر لو، ہم لوگ تمہاری کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے۔

شرپسندوں نے دھوم دھام سے [illegible] منانے کے لیے پروگرام بنایا۔ تاریخ مقرر کر کے جلوس نکالنے کا
اعلان کر دیا۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ یہ جلوس ہریجن آبادی کے آٹھوں گاؤں میں جائے گا۔

فاروق چودھری، منّھیا، کلّو کاکا اور بابا سب رائے ملانے بیٹھے۔ سوچا جانے لگا کہ فسادیوں سے
بچنے کی کیا تدبیر کی جائے۔

حاتم بھی مدافعت (بچاؤ) کرنے کا حامی تھا۔ اس نے کہا کہ ناکہ بندی کر لینا چاہیے۔ رات کے وقت
خاص طور سے چوکنّا رہنا چاہیے اور جب فسادی حملہ کریں تو نعرۂ تکبیر بلند کرنا چاہیے۔ اللہ پر بھروسہ کر کے اور
اس سے سلامتی کی دعا کرنا چاہیے۔

آٹھوں گاؤں کے لوگ جو اپائے کر سکتے تھے کرنے لگے۔ سب نے جان پر کھیل جانے کی ٹھان لی

پھر بھی یہ سوچ کر سب کے جی چھوٹے جا رہے تھے کہ بندوقوں اور تیزاب کی بوتلوں اور آتشیں اسلحہ کے مقابلے میں ہم کس طرح ٹھہر سکیں گے۔ مطلب یہ کہ آٹھوں گاؤں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ نوجوانوں کا کہنا تھا کہ ٹھیک ہے، ہم فسادیوں کو مار نہیں سکتے لیکن اللہ کے دین پر مر تو سکتے ہیں۔ حاتم نے کئی بار یہ بات قرآن و حدیث پڑھ کر سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کو اس کے کرموں کا حساب کتاب لئے بغیر ہی جنت دے گا۔ ہم کو اور چاہیئے ہی کیا۔ یہی تو ہم نے اپنے رب سے پرتگیا کی ہے۔ ان نوجوانوں نے سینہ تان کر یہ کہا تو عورتوں میں بھی جوش پھیل گیا اور انھوں نے بھی شہید ہونے کے لئے کفن سر سے لپیٹ لیا۔

## سیوا کا پھل میوہ

شر پسندوں کے جلوس کی تاریخ کے تین دن باقی تھے کہ ایک رات ایک سکھ چودھا آیا۔ وہ [illegible] کے گھر آیا اور حاتم سے ملا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔ [illegible] درد کے مارے تڑپ رہی ہے۔ ابھی تک کوئی دائی نہیں مل سکی ہے۔ کوئی ہمارے یہاں جانے [illegible] تیار نہیں۔ آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ انسانوں کے ہمدرد ہیں۔ آپ سچے مسلمان ہیں۔ [illegible] کوئی تلاش کر دیجئے۔ آپ کا خدا آپ کو ثواب دے گا۔ حاتم نے بابا سے کہا۔ بابا نے مکھیا [illegible] نے کہا "اس میں کچھ دھوکا ہو۔" حاتم نے جواب دیا کہ چلو ہم ایک انسان کی مدد کے [illegible] دھوکا [illegible] تیار ہیں۔ یہ تو مشہور ہوگا کہ گرونانک کے ایک چیلے نے مسلمان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ [illegible] [illegible] کاملہ سے رائے ملائی۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔ بابا اور مکھیا نے کاملہ کو تیار دیکھا تو [illegible] عورت سے کہا۔ وہ تنہا جانے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ حاتم نے کہا کہ میں ساتھ چلوں گا۔ اس کے بعد جب سکھ دائی کو لے کر چلا تو حاتم اور مبارک بھی ساتھ ہو لئے۔ کاملہ کو روک لیا گیا۔

سکھ چودھا سے چھ کوس دور بن کٹوا کے پاس جنگل کے کنارے اپنے کھیتوں میں [illegible]

[illegible]

"سکھ بھائی لڑکا مبارک ہو"۔ سکھ اُداس بیٹھا تھا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ برادری کے لوگوں کو خوشخبری سُنانے کے لئے دوڑ گیا۔

بارہ بجے اُس کے گھر کے دروازے سکھ برادری کے کچھ مرد اور عورتیں آ گئے۔ سب نے حاتم اور مبارک کو سراہا۔ بہت احسان مانا اور کہا کہ تم پرواہ گرو کا سایہ ہو۔ تم بہت ہی بہادر اور دلیر ہو۔ ہم اس احسان کے بدلے تم کو کچھ نہیں دے سکتے۔ احسان کی قیمت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ صبح کے وقت سکھوں نے بڑے خلوص سے ناشتہ کرا کے حاتم اور مبارک کو رخصت کیا۔ دائی کو سو روپیہ، ایک جوڑا کپڑا، چادر اور گڑ دیا اور چمرودھا کے نکڑ تک پہنچا گئے۔

جس دن فسادیوں کا جلوس نکلنے والا تھا اُس سے ایک دن پہلے بن کٹھوا کی طرف سے ایک جلوس نکلا۔ سڑکوں پر سینکڑوں سکھ مرد اور عورتیں تلواریں اور کٹاریں لئے واہ گرو کے ساتھ حاتم بھیا کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے چمرودھا کی طرف آ رہے تھے۔ ایک ہاتھی پر ایک بزرگ سکھ پیلے کپڑے پہنے بڑی شان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اُن کے آگے ایک کار پر لاؤڈ اسپیکر نصب تھا اور زور سے بابا فرید کے شبد پڑھے جا رہے تھے۔ ہاتھی کے آس پاس کچھ سکھ اونٹوں پر بیٹھے، کندھوں پر تلوار رکھے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اُن کے پیچھے ٹرک اور بہت سے سکھ پیدل قطار در قطار چل رہے تھے۔

حاتم کو خبر ہوئی تو وہ بابا اور مکھیا کو لے کر سواگت کو بڑھا۔ سکھوں کے گرو نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ فاروق چودھری کے یہاں چلیں گے تو چمرودھا کے بہت سے لوگ ساتھ ہو گئے۔ اب سب کا نعرہ یہ تھا:

"ہندو مسلم سکھ عیسائی۔ ہم سب ہیں بھائی بھائی"

گرو صاحب نے حاتم کو ہاتھی پر اپنے برابر بٹھا لیا۔ مبارک نے بڑھ کر چودھری کو خبر کی تو اُس نے جیسے تیسے سواگت کا انتظام کیا۔ گاؤں میں جو مٹھائی مل سکی منگا کر سجا دی۔ پھر بڑھ کر ہاتھ ... [illegible]

سب کو بٹھایا۔ کھان پان سے سب کی خاطر اور تواضع کی۔ دو تین گھنٹہ ٹھہر کر جلوس جس طرف سے آیا تھا اُس طرف چلا گیا۔ کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس جلوس کا مقصد کیا تھا اور کیوں ادھر آیا تھا لیکن پھر دوسرے دن شرپسند لوگوں کا جلوس نہ نکلا۔ پتہ ہی نہ تھا کہ اُن کے بہادر کہاں چلے گئے۔

## اِحسان کا بوجھ

یہ بات کہنے کی نہیں کہ سکھ بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے پیشے کرتے ہیں۔ ان میں انجینیر بھی ہیں، کاریگر بھی، تجارت پیشہ بھی۔ چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں اُن کو عار نہیں۔ منگوا کے پڑوسی سکھ چودھری والوں کے احسان کا بدلہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح اِس بوجھ کو ہلکا کریں۔

ایک دن سکھوں کو معلوم ہوگیا کہ اسلام قبول کرنے والے نومسلموں نے دس ایکڑ زمین میں مسجد اور اپنا مدرسہ بنانا طے کیا ہے لیکن اُن کو کہیں سے نہ اینٹ مل رہی ہے اور نہ لکڑی لوہا۔ برہماپور کے دوکانداروں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ سکھوں میں بہترین بڑھئی تھے۔ ایسے بھی جن کے پاس لوہے اور سیمنٹ کا لائسنس تھا۔ اُنھوں نے مل بیٹھ کر رائے ملائی۔ پھر کنشن پورا کر چودھری صاحب سے ملے اور کہا کہ آپ ہم سے سودا کریں۔ ہم آپ کے لئے بھٹہ لگائیں گے۔ آپ کو جتنی اینٹ کی ضرورت ہوگی ہم دیں گے۔ لوہا لکڑی بھی فراہم کریں گے آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔

یہ سُن کر چودھری صاحب بہت خوش ہوئے۔ شرپسندوں کے ہلڑ مچانے اور پریس نمائندوں کے بیانات سے قبولِ اِسلام کرنے والوں کے بارے میں دور دور تک کے لوگ جان گئے تھے۔ دیس بھر کے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی جا چکی تھی۔ چندہ برابر آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ دورہ کرنے آتے تو وہ بڑی بڑی رقم دے جاتے۔ اِس طرح چودھری کو پیسے کی فکر نہ تھی۔ فکر تھی اینٹوں کی، لوہے کی، لکڑی کی، سیمنٹ کی۔ اِس کے لئے سکھوں نے کہا تو چودھری نے اسی وقت ہر سامان کے لئے پانچ پانچ ہزار کا بیعانہ دے کر رسید لے لی۔ سکھ بہت خوش ہوئے اور وہ اِن چیزوں کی فراہمی کے جتن کرنے لگے۔

چودھری صاحب نے اپنی ممبری کے اثر کو استعمال کیا۔ چھ ماہ کے اندر انھوں نے ... دن، لکڑی، اور
لوہے کی سلاخوں کے پٹے لگا دیئے اور کہہ دیا کہ رقم کی فکر نہ کرنا۔ کام شروع کر دو۔ رقم آگے پیچھے مل جائیگی
اُترتے جاڑوں میں سنگ بنیاد رکھنا طے پایا۔ یہ بھی طے پایا کہ افتتاحی جلسہ کیا جائے اور اس میں ان تمام لوگوں
کو بلایا جائے جنھوں نے کسی نہ کسی صورت سے نومسلموں سے دلچسپی ظاہر کی ہے۔ جلسے کا ناظم حاتم کو بنایا گیا
حاتم نے سب کے مشورے سے پروگرام بنایا۔ مشورے میں سکھوں کو شریک کیا۔ سکھوں نے پورے
تعاون کا وعدہ کیا۔ جلسے کے لئے تدبیر اور دوڑ بھاگ ہونے لگی۔ سید صادق حسین صاحب ایم ایل اے
کو اینٹ (سنگ بنیاد) رکھنا تھی۔ انھوں نے لکھا کہ میں اور عاصم صاحب گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ
جلسے سے دو دن پہلے آجائیں گے۔ سید صاحب نے بہت سے ممبروں کو اپنی طرف سے مدعو کر لیا تھا۔

حاتم کو اپنی صلاحیت آزمانے کا بڑا اچھا موقع ملا۔ اس نے دس ایکڑ کی زمین میں چھوٹا سا گاؤں بسا
دیا تھا۔ مسلمان معمار شہروں سے بلوائے تھے۔ کھانا پکانے اور کھلانے کے لئے سلیقے کے باورچی بھی
آگئے تھے۔ باورچی اپنے ساتھ پکانے اور کھلانے کا سامان بھی لائے تھے۔ ایک ہفتہ پہلے سے دیگیں
کھنکنے لگی تھیں۔ آٹھوں گاؤں کے بوڑھے، جوان، بچے، مردوں اور عورتوں نے دل و جان سے تعاون
کیا۔ سب بڑے جوش کے ساتھ حاتم کے ایک ایک اشارے پر کام کر رہے تھے۔ دن کو آتے رات
کو چلے جاتے۔ حاتم کو دم مارنے کی فرصت نہ تھی۔ عائشہ پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی۔ وہ زبردستی اسے چائے
پلا دیتی، کھانا کھلا دیتی۔ کبھی کبھی حاتم کو زیادہ کام ہوتا تو عائشہ اور حاتم میں جھڑپ بھی ہو جاتی۔ دیکھنے والے
اس دلچسپ جھڑپ سے بڑا لطف لیتے۔ ہوتا یہ کہ حاتم کام کی زیادتی سے بھاگا بھاگا پھرتا اور عائشہ کھانا لیے
ہوئے اس کے پیچھے ہوتی۔ اسے پکڑ کر بٹھاتی اور اس وقت تک نہ چھوڑتی جب تک حاتم کھا نہ لیتا۔ کبھی کبھی
ایسا بھی ہوتا کہ وہ پیمائش کرنے میں لگا ہوتا اور عائشہ ہاتھ میں پیالی لئے اسے چائے پلاتی ہوتی۔ حاتم کو مبارک
کے بارے میں تجربہ ہوا کہ وہ کام کا نوجوان ہے۔ وہ حاتم کا بہترین معاون ثابت ہوا۔
سیّد صاحب اور عاصم صاحب آئے۔ حاتم اور مبارک کو اندھا دھند کام کرتے دیکھا تو ڈانٹا کہ

اوقات کو منظم کر کے کام کرتے ہیں۔ ہر شخص پر اُس کے جسم کا بھی حق ہوتا ہے۔ پھر سید صاحب نے عائشہ سے کہا کہ بیٹی تم ہمارے بال بچوں میں دل بہلاؤ۔ اب حاتم کو ہم اپنے ساتھ کھانا کھلایا کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔

حاتم کی ہدایت کے مطابق مبارک نے بڑی سادگی اور نفاست کے ساتھ جلسہ گاہ کو سجایا تھا۔ اس میں شرکت کے لئے حاتم نے ضلع کے حکام کو بھی مدعو کیا تھا۔ وہ خود چودھری صاحب کے ساتھ سب سے ملا اور شرکت کا وعدہ لیا۔

جلسے کے دن مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس دن اسٹیشن سے مہمانوں کو لانے کا انتظام ایک سکھ نوجوان دلیر سنگھ کے سپرد تھا۔ اس نے بہت سے ٹرک، موٹریں اور رکشائیں پہلے سے طے کر لی تھیں۔ اسٹیشن سے جلسہ گاہ تک اُن کا تانتا بندھا تھا۔ دوپہر کو مہمانوں اور میزبانوں نے مل جل کر کھانا کھایا۔ دسترخوان پر سکھ بھی تھے۔ سکھوں نے گرونانک کی تعلیم کا بڑا اچھا نمونہ پیش کیا۔ انھوں نے زبان سے بھی کہا کہ ہمارے یہاں آدمی آدمی کے درمیان ذات پات کی بنا پر کوئی تفریق نہیں ہے۔

ذات پات نا پوچھے کوئی ✤ ہری کو بھجے سو ہری کا ہوئی

سید صادق حسین صاحب اور حاتم کے والد عاصم صاحب دو دن پہلے آ چکے تھے۔ دونوں نے یہاں کا حال دیکھا۔ حاتم کی مقبولیت اور خود اُس کی دلچسپی کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد آپس میں کچھ مشورہ کیا اور پھر ان دونوں کا زیادہ تر وقت فاروق چودھری کے ساتھ گزرنے لگا۔ چودھری صاحب سے اکثر چپکے چپکے کچھ باتیں ہوتیں۔ آخر میں مبارک اور کاملہ کو بلایا۔ سید صاحب اور عاصم صاحب نے تنہائی میں اُن سے مشورہ کیا کہ حاتم اور عائشہ کا جوڑ کیسا رہے گا۔ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا:۔

"بہت اچھا"

ان دونوں نے حامی بھری تو ان ہی سے کہا کہ اچھا اب تم دونوں حاتم کی رائے معلوم کرو۔ دونوں نے حاتم کے سامنے بات رکھی۔ اُس نے کہا کہ سید صاحب اور والد صاحب کو اختیار ہے۔ جہاں چاہیں، کر دیں۔ دل ما شاد چشم ما روشن۔

سید صاحب نے فاروق چودھری کو پیغام دیا۔ انھوں نے یہ رشتہ بہت پسند کیا۔ اسی وقت طے ہوا کہ نکاح جلسہ گاہ ہی میں پڑھایا جائے گا۔ صبح ہوتے ہوتے یہ بات مشہور ہو گئی لیکن سنگ بنیاد رکھنے کے بعد دو نکاح پڑھائے گئے۔ پہلے حاتم اور عائشہ کا نکاح ہوا۔ اس کے بعد چودھری کے لڑکے حسن اور مکھیا کی لڑکی حسنیٰ کا نکاح ہوا۔ تمام لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ پھر تقریریں ہوئیں۔ تقریروں کے بعد مسجد اور مدرسہ کے لئے لوگ چندہ دینے لگے۔ سب سے پہلے سید صادق حسین صاحب نے پچیس ہزار کا چیک دیا۔ اس کے بعد باہر سے آئے ہوئے مہمانوں نے اس نیک کام میں حصہ لیا۔ بمبئی کے کچھ سیٹھ آئے تھے۔ انھوں نے بھاری بھاری رقمیں دیں۔ عوام نے بھی حصہ لیا۔ برہاپور کے ایگزیکٹو آفیسر نے ڈی۔ ایم۔ کے اشارے سے بجلی کی سپلائی کی منظوری اپنے خصوصی اختیارات سے دی اور کنٹرول آفیسر نے ایک ہزار بوری سیمنٹ کا پرمٹ اسی وقت دیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ حسب ضرورت سیمنٹ دیا جاتا رہے گا۔ سکھوں کے گرو نے گرونانک کی ایک قلمی تصویر عوام کے سامنے پیش کر کے کہا کہ میں اسے نیلام کرنا چاہتا ہوں۔ لوگ گروجی کا منشا سمجھ گئے۔ بولی شروع ہوئی۔ سکھوں نے بڑھ بڑھ کر بولی لگائی۔ بولی بیس ہزار پر ختم کی گئی۔ یہ رقم گروجی نے مدرسے میں دیدی۔

اللہ اللہ! ایک دن وہ تھا کہ حاتم یہاں بے یار و مددگار اکیلا آیا تھا۔ خدا کی شان، ایک دن وہ تھا کہ برہاپور کے نیک دل ہندو شرپسندوں کے دباؤ سے اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے ڈرتے تھے، آج انھوں نے بھرے مجمع میں خوشی کا اظہار کیا۔ ڈی۔ ایم۔ نے حاتم کی خدمات کو سراہا۔ سید صادق حسین کے بلائے ہوئے جتنے ممبر آئے تھے ان سب نے اپنی تقریروں میں حاتم اور عائشہ کی شادی کا ذکر کیا اور کہا کہ حکومت یہی چاہتی ہے کہ دیس سے رنگ و نسل کا امتیاز اٹھ جائے۔ ہم حاتم کو اس نیک کام کے انجام دینے پر بدھائی دیتے ہیں۔ بہت سے ممبروں اور بمبئی کے سیٹھوں نے کہا کہ ہمیں یہ نہیں معلوم تھا ورنہ ہم دولہن کے لئے تحفے لاتے۔ اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ نقدی کی شکل میں ہم اپنی خوشی کا اظہار کریں۔ انھوں نے نوٹوں کی گڈیاں دیں۔ نیک دل عائشہ اور حسنیٰ نے یہ رقم بھی مسجد اور مدرسے

صاحب کا انتقال ہوگیا اور وشوناتھ جیل میں ہے

"جیل میں ...؟"

عاصم صاحب بتانے لگے "اُس نے ایم. اے. فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔ پھر اس امانت انٹر کالج میں لیکچرر ہوگیا۔ اُس کی تیزی طراری اور سمجھداری مشہور تھی۔ پرنسپل صاحب کو اس سے بڑی توقعات تھیں لیکن افسوس کہ فرقہ پرست گروہ نے اُسے تاکا اور اُس کے اندر ہندو مسلم تعصب بھرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وشوناتھ فرقہ پرست گروہ کا بڑا کامیاب ورکر ثابت ہوا۔ اچھے بھلے مجمع میں ہنگامہ برپا کر دینا، آن کی آن میں اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر لینا، پلک جھپکتے توڑ پھوڑ کی اسکیم بنا لینا۔ دیکھتے دیکھتے تیزاب کی بوتلیں، چھری، چاقو اور بارودی اسلحہ فراہم کر لینا اور پھر اشتعال انگیز نعرے بلوے، لوٹ مار آگ لگا دینا، قتل و غارت گری اُس کا آئے دن کا کھیل ہوگیا۔ پرنسپل صاحب نے روکا، میں نے سمجھایا۔ لیکن اُسے تو ایک جنون تھا جو سمجھانے سے اور زیادہ بڑھتا تھا سوچا گیا کہ اس کی شادی کر دی جائے تو شاید سنبھل جائے۔ اُس کی شادی کر دی گئی سوشیلا ایم اے بڑی سُندر اور سُلجھی لڑکی ہے لیکن اُس احمق نے اُس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ مجبور ہو کر ایک دن سوشیلا نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تو اُس نے یہ جواب دیا":-

"سوشیلا دیوی! تم قانون کے مطابق تو میری بیوی ہو لیکن میں تم کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ ہمارے سنگھ میں وہی اعلیٰ منصب پاتا ہے جو کنوارا رہتا ہے۔ اِس لئے بس چُپ چاپ گھر میں پڑی رہو اور میری راہ میں دیوار نہ بنو۔"

"... جب تک پرنسپل صاحب زندہ رہے تعلیمی کمیٹی والے اور حکّام ضلع لحاظ کرتے رہے۔ پرنسپل صاحب بیٹے کے کرتوتوں کا غم کھاتے کھاتے پرلوک سِدھارے۔ اب وشوناتھ کو کُھل کر کھیلنے کا موقع ملا۔ اُس نے امانت انٹر کالج کی پرنسپلی کے لئے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے گروہ کا آدمی آجائے لیکن ایک سنجیدہ شخص مسٹر ہرش چندر کو پرنسپل بنا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا جس دن ہرش بابو

چارج لے رہے تھے اُسی دن کالج پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ توڑ پھوڑ اور نعرے بازی ہونے لگی۔ پولیس نے آکر شر پسندوں کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں وشوناتھ بھی تھا۔ ان سے صاف کہہ دیا گیا کہ جب تک تحریری معافی نہ مانگیں گے چھوڑے نہیں جائیں گے۔۔۔"

"اور چاچی اور سوشیلا کا کیا بنا؟" حاتم نے اپنے والد صاحب سے پوچھا۔

عاصم صاحب نے بتایا کہ "میں دوسرے تیسرے دن چلا جاتا تھا۔ خیر خبر لیتا رہتا تھا۔ پھر ایک دن وشوناتھ کی ماں نے رو رو کر کہا کہ آپ کا یہاں آنا خطرے سے خالی نہیں ہے تو میں نے سید صاحب سے کہا۔ سید صاحب ڈی۔ ایم۔ سے ملے۔ اپنی ممبری کے اثر سے کام لیا۔ تمہاری چاچی اور سوشیلا کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ پھر بھی خطرے کی خاطر ان دونوں عورتوں نے یہی کہا کہ آپ کا یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ بالآخر میں نے جانا بند کر دیا۔"

یہ حال سُن کر حاتم کو بڑا دُکھ ہوا۔ اس نے اپنی چاچی سے ملنے کا پروگرام بنایا اور ایک آدمی کے ذریعہ اطلاع بھی کر دی۔ پھر جب حاتم عائشہ اور کاملہ کے ساتھ اس گھر میں پہنچا جہاں وہ وشوناتھ کے ساتھ مل کر اسٹڈی کیا کرتا تھا، جہاں کبھی پرنسپل جگناتھ جی اُسے پڑھایا کرتے تھے، جہاں اس کی چاچی اُسے اچھی اچھی چیزیں کھلایا کرتی تھیں آج اس گھر میں ایک بوڑھی عورت سفید ساڑی پہنے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ چاچی کہہ کر حاتم بڑھا، سلام کیا۔ اور اس بوڑھی عورت نے جس کی ویران آنکھوں میں آنسو بھی نہ تھے اُسے گلے سے لگا لیا۔ پھر عائشہ اور کاملہ کو سینے سے لگایا۔ دونوں کو آشیرباد دیا۔ اس کے بعد لے جا کر اس کمرے میں بٹھایا جس میں کبھی کبھی وشوناتھ کے ساتھ حاتم ساری ساری رات گزار دیا کرتا تھا۔ یہیں جب سوشیلا چائے لے کر آئی تو حاتم نے دیکھا کہ وہ بھی سفید ساڑی میں ہے اور پوری بیوہ معلوم ہوتی ہے۔ حاتم کا دل بھر آیا۔ اس نے ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن جب اس کی چاچی نے کہا "کاش! آج تمہارے چاچا ہوتے یا وشو پاگل نہ ہو گیا ہوتا" تو حاتم ضبط نہ کر سکا اور بچوں کی طرح بلک پڑا۔

حاتم کی چاچی اور سوشیلا رانی بیتے دنوں اتنا رو چکی تھیں کہ اب رونے کی کوئی رمق انکے اندر باقی نہیں رہی تھی کہ آنکھوں سے ظاہر ہوتی۔ دونوں بُت بنی حاتم کو روتے دیکھتی رہیں۔ پھر اس نے بہوسے کچھ کہا۔ سوشیلا حاتم کے پاس آئی۔ سر پر ہاتھ رکھا "بھیا! صبر کرو، جیسے ہم نے صبر کیا۔"

اس کے بعد سوشیلا نے چائے کی پیالی پیش کی۔ اپنے ہاتھ سے منھ کو لگا دی تو حاتم نے پیالی ہاتھ میں لی۔ چائے پی کچھ کھایا پیا۔ دل سنبھلا۔ عائشہ اور کاملہ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں یہ درد بھرا سین آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ رہی تھیں اور آنچل سے بار بار آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ ان دونوں نے چاچی اور بھابی کو الگ الگ تحفے پیش کئے۔

"کون پہنے گا بیٹے یہ رنگین ساریاں اور خوبصورت چیزیں؟" چاچی اور سوشیلا کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

"بھابی! آپ!" حاتم نے جواب دیا اور کہا "چلئے وشو سے ملنے۔"

"نئی چاچی کو نے جاؤ بھیا! میں وشو کی ہوں کون؟" سوشیلا نے کہا۔ حاتم کے دل کو دھکا لگا۔ اس نے عائشہ اور کاملہ کو سوشیلا کے پاس چھوڑا اور چاچی کو لے کر وشوناتھ سے ملنے کے لئے جیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیلر بڑا اچھا آدمی تھا۔ اس نے اسی وقت منظوری دے دی۔ لیکن وشوناتھ نے حاتم سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ حاتم نے اس کے نام ایک خط لکھا:

مائی ڈیر وشو!

میں تمہارا حاتم ہوں۔ چاچی میرے پاس بیٹھی ہیں۔ میں کئی برس کے بعد آیا ہوں۔ آتے ہی سب سے پہلے تم کو پوچھا۔ پیارے وشو! وہ دن یاد ہے جب میرے مجمع میں تم نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔ آہ! تمہارے سینے کی آنچ آج بھی میری چھاتی کو گرمی پہنچا رہی ہے۔ تم کو ضرور یاد ہوگا، تمہارے گرم گرم آنسوؤں کو میرے کرتے کے دامن نے زمین پر گرنے سے روک لیا تھا۔ آہ! آج

وہی کرتہ میرے اپنے آنسوؤں سے تر ہو رہا ہے۔ وشنو! میں نے سنا ہے کہ تمہاری
آنکھوں میں آنسوؤں کے بدلے آگ کے شعلے بھرے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔؟
لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں ایسی ہوئی بجلیاں بھری ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟
نہیں نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے۔ جھوٹ ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حاتم کا وشنو ایسا
نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی اور ہی وشنو تھا ہے۔ میرا وشنو ہوتا تو وہ دوڑ کر آتا۔ ایک
دن میرے وشنو نے کہا تھا کہ حاتم! مجھے بھول نہ جانا۔ جیل کے وشنو تھے اگر تم میرے
وشنو ہو تو یاد کرو۔ کہا تھا کہ نہیں۔ مجھے تو تم یاد ہو۔ میں تم کو نہیں بھولا۔ وشنو! یاد ہے
سیّد صاحب نے انعام دیتے وقت تم کو عظیم انسان کہا تھا۔

بس وشنو! خط ختم کر رہا ہوں۔ میں چاچی کو لے کر گھر جا رہا ہوں۔ میں تین دن
اس کمرے میں سوؤں گا جس کمرے میں اپنے وشنو کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ سوؤں گا
اور روؤں گا۔ روؤں گا اور سوؤں گا۔ اپنے وشنو کے لئے دعا کروں گا کہ ایشور کر
میرے وشنو کو وہ سب یاد دلا دے جو وہ بھول گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا تمہارا
خدا میری دعا قبول کرے گا اور ایسی صورت بہم فرما دے گا کہ حاتم اور وشنو پھر اسی طرح
مل سکیں کہ لوگ کہیں "ایک جان دو قالب"۔

تمہارا اور صرف تمہارا : حاتم

حاتم نے خط لکھ کر جیلر کو دیا اور چاچی کو لے کر رکشا پر جا بیٹھا۔ گھر آیا۔ سو شیلا دونوں کا چہرہ دیکھ کر
... اس نے عائشہ اور کاملہ سے کہا کہ دونوں نامراد واپس ہوئے۔ گھر آ کر حاتم نے چاچی سے کہا:۔
"آئیے ہم سب مل کر ایشور سے اپنے گناہوں کے لئے معافی مانگیں اور وشنو کے لئے دعا کریں۔"
"بیٹا! یہ سب کر کے دیکھ لیا" چاچی نے کہا "ایشور ہم سے روٹھ گیا ہے۔"
"تو آئیے۔ اسے منائیں۔"

"وہ کب ماننے لگا۔ نہ جانے پچھلے جنم میں ہم نے کیا کیا تھا کہ اس کا یہ پھل مل رہا ہے!"

"ایسا نہ کہیئے چاچی! خدا بڑا مہربان ہے۔ آپ تو اس کے سامنے گڑگڑائیں۔ وہ اپنے بندوں کے آنسو موتی سمجھتا ہے۔"

"جیسا تم کہو بیٹا!"

حاتم، عائشہ اور کاملہ تینوں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ چاچی اور سوشیلا دھیان گیان میں لگ گئیں۔ نمازیں پڑھ پڑھ کے، دھیان گیان کر کر کے اور نیت خالص کر کے اپنے پیدا کرنے والے کو پکارا تو اب سے آپ ان کے دل بھر آئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جب زیادہ رقت طاری ہوتی تو حاتم پھر نماز پڑھنے لگتا۔ دعا کرتا۔ عائشہ اور کاملہ آمین کہتیں۔ سب رات بھر اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے۔

صبح کو جب حاتم نے فجر کی نماز پڑھی تو اس نے چاچی سے کہا:

"چاچی! وشو کے قدموں کی آہٹ آرہی ہے۔"

"بیٹا! یہ تمہارا وہم ہے۔"

"نہیں چاچی! میرا دل کہتا ہے کہ وشو آرہا ہے۔"

"بیٹا! ہمارے بھاگیہ ایسے کہاں؟"

"نہیں چاچی! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔"

اسی طرح کی باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے باہر کی کنڈی بجائی۔ سوشیلا اٹھ کر گئی۔ اس نے جا کر کواڑ کھولے تو چونک پڑی۔ سامنے وشوناتھ کھڑا تھا۔ سوشیلا نے چاہا کہ پتی کے چرن چھوئے کہ وشوناتھ پر بدحواسی چھا گئی۔ وہ پکارتا ہوا گھر کے اندر دوڑا:

"حاتم! میرا حاتم! میرا پیارا حاتم...!"

چاچی اور حاتم دوسری طرف سے دوڑ پڑے۔ عائشہ اور کاملہ نے آنچل سنبھال لئے۔ وشوناتھ بیچ صحن میں گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ ماں کے چرنوں کو چھو رہا تھا اور بایاں حاتم کے ہاتھ میں تھا۔

عجیب شادی مرگ جیسا منظر تھا۔ سوشیلا ہکا بکا ابھی دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ اُسے سکتہ سا
ما۔ ماں نے بیٹے کا سر گود میں لے لیا تھا۔ حاتم نے اپنا گال وشو کے گال پر رکھ دیا تھا۔ عائشہ نے سوشیلا
کی حالت بھانپ لی تھی۔ اُس نے بڑھ کر زور سے سوشیلا کے چٹکی لی اور جھنجوڑا۔ کاملہ وشو پر پانی کے
ے رہی تھی۔ اس وقت سب کی زبانیں خاموش تھیں۔ دل میں خوشی و غم کا ملا جلا سمندر موجیں مار رہا
ں آنکھوں کی جھیلوں میں پانی نام کو نہ تھا۔

بڑی دیر کے بعد کاملہ کی کوشش سے وشوناتھ نے آنکھیں کھولیں۔ حاتم نے اُسے اُٹھایا۔ وہ اُٹھا۔
ے چرنوں میں گر گیا:۔

"ممی! مجھے چھما کر دیجئے۔"

پھر حاتم کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس کا رونا تھا کہ سب کی آنکھوں کے چشمے اُبل پڑے۔ یہ
بی ختم ہوا تو سوشیلا کے پاؤں چھونا چاہے۔ وہ پیچھے ہٹی لیکن وشو جوش میں تھا۔ اس نے سوشیلا کا پاؤں
لیا۔ وہ اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ سوشیلا پریشان تھی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی:

"آپ میرے پتی دیو ہیں۔ آپ میری غلطیاں معاف کیجئے۔"

عائشہ اور کاملہ نے بڑھ کر ناشتہ تیار کیا۔ نہایت مختصر ناشتہ۔ بسکٹ گھر میں رکھے تھے۔ سوا رکھا تھا
کا حلوہ بنا لیا۔ دس منٹ میں ٹرے سجا کر لے آئیں۔ اب سب مل کر ناشتہ کر رہے تھے اور حاتم ایک دوسرے
اُن کا تعارف کرا رہا تھا۔ "اچھا ایک منٹ!" وشوناتھ کی زبان سے نکلا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں
شیلا سے کچھ کہا۔ وہ اٹھی تو وہ بھی اٹھا۔ دونوں اپنے کمرے میں گئے۔ وشوناتھ نے ایک صندوق کھو
میں سے دو ہار نکالے۔ سوشیلا کو دئیے۔ وہ سمجھ گئی۔ اُس نے واپس آ کر ایک ہار عائشہ کے گلے میں اور
سرا کاملہ کے گلے میں ڈال دیا۔ حاتم منع کرتا رہا۔ تو وشوناتھ نے کہا:

"نادان مت بنو۔ عائشہ میری بہو ہے اور کاملہ بہن۔ میں نے پہلی بار ان کو دیکھا ہے۔ میں اتنا سنجیدہ
بن بن سکتا کہ اُن کا حق نہ ادا کروں۔"

اِس کے بعد عائشہ اور کاملہ کی باری آئی۔ ان دونوں کا اصرار تھا کہ وشو بھائی اب اُس وقت تک سوشیلا بھابی سے نہیں مل سکتے جب تک ہم بھابی کو دولہن نہ بنالیں۔ اِس پر وشوناتھ شرما گیا۔ حاتم کا ہاتھ پکڑ کر باہر کمرے میں بھاگ گیا۔ یہاں عائشہ اور کاملہ نے وہ رنگین ساری نکالی جو تحفے میں لائی تھیں۔ کپڑے اور زیور پہنا کر سوشیلا کو سجایا تو دیکھتے دیکھتے اُس کا حسن نکھر آیا۔ اُس کے گالوں کے پھول سُرخ ہو گئے۔ اُس مرگ نینی کے سرمہ لگایا گیا تو سجانے والیاں دیکھ کر خود حیران رہ گئیں۔ پھر جب دونوں نے آئینہ دکھا کر سوشیلا کے گالوں میں دونوں طرف سے چٹکی لی تو سوشیلا نے اُف کی۔ عائشہ اور کاملہ کی چٹکیوں نے اُس کے نازک گالوں پر نیل کا نشان ڈال دیا تھا۔ عائشہ نے کہا "اچھا ٹھہر جا۔ تجھے بھیا سے ایسا ٹھیک کراؤں گی کہ یاد کرے گی۔" وشوناتھ کی ماں نے اس خوشی میں سید صاحب، عاصم صاحب اور حاتم کی ماں کو بھی شریک کرلیا۔ رات کا کھانا عائشہ اور کاملہ نے بڑے اہتمام سے تیار کرایا۔ سب نے مل کر کھایا۔ اِس کے بعد عاصم صاحب سب کو لے کر گھر واپس آگئے۔ وشوناتھ نے حاتم کو روکنا چاہا لیکن عائشہ اور کاملہ دونوں اُسے بھی گھسیٹ لے گئیں۔

دوسرے دن وشوناتھ سوشیلا اور ماں کو لیکر عاصم صاحب کے گھر گیا۔ وہیں سید صاحب بھی آگئے۔ سب نے مل کر مشورہ کیا۔ پھر عاصم صاحب، سید صاحب، حاتم اور وشوناتھ یہ چاروں آدمی امانت نگر کالج گئے۔ تعلیمی کمیٹی کے ممبروں سے ملے۔ سمجھا بجھا کر مقدمہ اُٹھا لینے کو کہا گیا۔ سید صاحب کا شہر میں کافی اثر و رسوخ تھا۔ راضی نامہ ہوگیا اور مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

اس سے فرصت پا کر حاتم اور وشوناتھ نے ایک دوسرے سے بیتے دنوں کے حالات سُنے۔ وشوناتھ اور سوشیلا سے حاتم نے کہا کہ ہمیں وہاں اچھے ہندی جاننے والوں کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں سوشیلا بھابی اور وشو بھائی سے زیادہ اچھے کہاں ملیں گے۔ ان دونوں نے ماں سے مشورہ کیا۔ حاتم نے چاچی کو بھی راضی کرلیا۔ طے پا گیا کہ جب حاتم واپس ہوگا تو یہ خاندان بھی ساتھ جائے گا۔ سوشیلا پہلے ہی دن سے ممنون اور مانوس ہو رہی تھی۔ اُس نے عائشہ اور کاملہ کو ہندی اور ہندی یہیں پڑھانا شروع کردی۔ پڑھنے پڑھانے سے جو وقت بچتا تو یہ تینوں سید صاحب کے اشارے سے کپڑے سی رہتیں۔ چھوٹے بڑے سائز کے جمپر اور شلواریں۔ کپڑا لا کر سید صاحب نے ڈھیر کر دیا تھا۔ تینوں تن من سے سی رہی تھیں۔ منشا یہ تھا کہ جب یہ ودھا واپس ہوں تو وہاں کی تمام عورتوں کے لئے ساتر لباس ساتھ ہو۔ وشوناتھ کی فطری شرافت اُبھر آئی تھی۔ وہ حاتم کے مشورے سے ایسا تعلیمی و تربیتی نقشہ ترتیب دے رہا تھا جس کے مطابق وہاں کام کرنا ہوگا۔

وصست کے اوقات میں وشوناتھ حاتم کو لیکر سیر کرنے نکل جاتا۔ وہ خاص طور پر مسلمانوں سے ملاقاتیں کرواتا۔ حاتم کی آپ بیتی جو اسے یاد ہو گئی تھی مسلمانوں کو سناتا اور کہتا کہ تمہارے لئے نہ بھارت میں خطرہ ہے اور نہ کہیں اور جگہ خطرہ تم خود اپنے لئے ہو تم اس خطرے سے نکل سکتے ہو بشرطیکہ تم سچے مسلمان بن جاؤ اور جو تعلیم اسلام دیتا ہے اسے جانو اور اس پر عمل کرو۔

# ٹیلی فون

ایک دن حاتم وشوناتھ، سوشیلا، عائشہ اور کاملہ کے ساتھ بیٹھا چردھا جانے کا پروگرام بنا رہا تھا کہ فضل دوڑتا ہوا آیا "چھوٹے میاں، چھوٹے میاں! ٹیلیفون!" حاتم سید صاحب کے کمرے میں پہنچا۔ رسیور سید صاحب کے ہاتھ میں تھا انھوں نے حاتم کو تھما دیا اور کہا "کوئی لڑکی ہے۔ بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔"

"ہیلو، یس، حاتم، جی ہاں میں حاتم بول رہا ہوں۔ آپ مینا یعنی مینا کماری ہیں!"

"پلیز حاتم! میں مینا کماری فلم ایکٹریس نہیں ہوں۔ مینا تصدق ہوں۔ میں ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں۔ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں" دوسری طرف سے لڑکی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ باہر کسی جگہ فوری طور پر آسکتے ہیں؟"

"دیکھئے محترمہ! آپ نے غلط جگہ ٹرائی کیا ہے۔ میں ان لڑکوں میں سے نہیں ہوں جن کا آپ سن رہی ہیں آپ۔ میں بھی شریف باپ کا بیٹا ہوں میری شادی ہو چکی ہے۔ اور سنئے! میرا ایک اور باپ ہے جو سامنے کرسی پر بیٹھا یہ گفتگو سن رہا ہے۔ الحمد للہ میں بھری دنیا میں اکیلا نہیں ہوں۔"

"پلیز حاتم!" لڑکی دانت پیس کر بولی "میں آپ کو اغوا نہیں کر رہی ہوں۔ پلیز! آپ سنجیدہ نہیں۔ میں آپکے بارے میں بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

"تو پھر آپ مجھے تنہائی میں کیوں بلا رہی ہیں؟ آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ نامحرم مرد اور عورت جب تنہا بیٹھتے ہیں تو انکے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے"

"پلیز! ایک منٹ! آپ بہت دور نکل گئے۔ ایک منٹ! اچھا! اگر آپ باہر نہیں آنا چاہتے تو میرا انتظار کیجئے۔ میں دس منٹ میں آرہی ہوں لیکن میری آپ کی ملاقات تنہائی ہی میں ہوگی۔"

"ملاقات تنہائی ہی میں ہوگی!" حاتم نے مینا کا جملہ دہرایا۔ سامنے سید صاحب یہ تمام گفتگو سن رہے تھے۔ حاتم سے بولے:

"حاتم بیٹے! معلوم ہوتا ہے کوئی پریشان لڑکی ہے۔ کیا حرج ہے اسی کمرے میں مل لینا۔ کواڑ کھلے رکھنا۔ بس یہ احتیاط کافی ہے۔"

# مینا

ٹھیک گیارہویں منٹ پر وہ ٹیکسی سے اُتر کر گیٹ پر آگئی۔ حاتم اُس کے استقبال کے لیے تیار کھڑا تھا۔ السلام علیکم وعلیکم السلام تو ہوا لیکن شاید وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی اسلامی تہذیب سے واقف تھی۔ اس نے حاتم سے ہاتھ ملانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"تشریف رکھئے۔" حاتم نے کرسی پیش کی۔

"تھینک یو" لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا "میں آپ کے بارے میں وہ سب کچھ جانتی ہوں جو پریس میں آچکا ہے۔" وہ ٹھہرے اور نرم لہجے میں بول رہی تھی "میں نے اپنا تعارف فون پر کرادیا تھا، مزید کچھ جاننا چاہیں تو......"

"میں نے لیڈی ٹیچر کے لئے جو اشتہار دیا تھا، الحمدللہ لیڈی ٹیچر مجھے مل گئی۔ سو شیلا ڈبل ایم اے ہے اور ہمارے مقصد کے مطابق ہے۔"

"حاتم صاحب!" وہ میز پر ہتھیلی رکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کھنکی "آپ پھر اُکھڑ رہے ہیں۔"

"کیا آپ کسی تمہید کے بغیر اپنا اصل مقصد بتانا پسند کریں گی؟"

"کیوں نہیں، آپ پوری طرح سنجیدہ ہیں؟" اُس نے پرس کھولتے ہوئے کہا۔ ایک منٹ پرس میں کچھ تلاش کرتی رہی۔ پھر ایک تصویر نکالی اور سائیڈ ٹیبل پر اُلٹی رکھ دی۔

"اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ سید صادق حسین صاحب کے خوابوں کی تعبیر اُلٹی ہوگئی ہے یعنی آپ نے تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے لندن جانا پسند نہیں کیا اور خدمتِ خلق اور تبلیغ اسلام کا طریقہ اختیار کیا ہے تو بہت پہلے آپ کو تلاش کرچکی ہوتی۔ مجھے اسی ہفتے آپ کے کارناموں کا علم ہوا۔ میں یہ سوچتی رہی کہ سب کیسے ہوگیا؟ کیا یہ سب کچھ ہوسکتا ہے؟ کیا یہ سب کسی غرض کے لئے محض پروپیگنڈا تو نہیں؟ لیکن آپ کے مخالف اخباروں کی چیخ پکار سے مجھے یقین ہوگیا کہ حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی، اور

وہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا اللہ غیب سے آپ کی مدد کرتا ہے۔ آپ کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ اگلے لمحہ کیا ہونے والا ہے مگر نتیجہ آپ کے حق میں نکلتا ہے۔ اگر میرا یہ جائزہ ٹھیک ہے تو مجھے بھی اپنا دکھ درد آپ کے سامنے انڈیل دینا چاہیئے۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"دیکھئے مس مینا! آپ وعظ فرمانے لگیں۔ ایک لمبی بات کہہ گئیں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں کوئی زود اثر دوا رکھتا ہوں تو درد کی جگہ انگلی رکھ دیجئے۔ میں پھونک مار دوں گا۔"

"حاتم صاحب! آپ مجھ سے گھبرا کیوں رہے ہیں؟ ہر کوئی جب اپنا کیس کسی وکیل کے سامنے رکھتا ہے، ہر بیمار جب ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے، ہر مقرر جب تقریر کرتا ہے تو اس کے لئے تمہید ضروری ہوتی ہے۔ آپ نے چمرودھا میں جو تقریر فرمائی وہ پریس میں آچکی ہے۔ آپ نے بھی تمہید میں جب اللہ کی ربوبیت کو بنیاد بنالیا تب ہی اسلام کی باتیں سمجھا سکے۔ اسی طرح میں جو کچھ بتانے جارہی ہوں، میں جو درد لے کر حاضر ہوئی ہوں، اسے پوری طرح سمجھانے کے لئے تمہید بے حد ضروری ہے۔ آپ مجھے جاہل نہ سمجھیں میں نے بھی اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو دعوت پیش فرماتے تھے تو بات یہاں سے شروع کرتے تھے۔ قرآن کے الفاظ ہیں، رسولِ خدا کی زبانی ——— اتقوا اللہ واطیعون (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو) ——— یہی الفاظ ہر پیغمبر نے کہے ہیں۔ اس لئے مجھے بھی شروع سے حال بتانا ہوگا۔"

"اچھا بتائیے!" حاتم کا بناوٹی لہجہ لڑکی کی منطقی گفتگو کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اس نے گہری سانس لی اور سر کو ہتھیلیوں کے پیالے میں رکھ لیا۔ اس کا احساس بالکل ٹھیک تھا کہ اب تک اتنی مرتب و مدلل گفتگو اس نے لڑکی تو لڑکی، کسی بڑے سے بڑے آدمی سے نہیں سنی تھی۔

"تین برس ہوئے" مینا چند لمحے سانس لینے کے لئے رکی۔ پھر بولی "میں اور میری کزن اینلہ ریاض، ہم

دونوں موسمِ گرما کی تعطیلات منانے گھر جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں کہ میس بوائے نے آکر انیلہ کو ایک لفافہ دیا۔ لفافہ کھلا تھا۔ انیلہ نے اندر سے پرچہ نکال کر پہلے خود پڑھا پھر میری طرف بڑھا دیا اور اِس طرح مجھے دیکھتی رہی گویا مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بڑے سُلجھے ہوئے ہینڈ رائٹنگ میں تحریر تھا:۔

"ریاض! میں واپس آگیا ہوں۔ میری امانت مجھے لوٹا دو۔ ورنہ عید پر میری طرف سے ایک تحفہ وصول کرنے کا حوصلہ پیدا کرو۔"

"میں سُن رہا ہوں مس مینا! دلچسپ کہانی ہے۔ وہ خط آپ نے اپنے انکل ریاض کو پہنچا دیا۔ آگے چلئے!"

"ہاں" مینا نے انگلی کی پور سے ناک کی نوک کھجاتے ہوئے کہا "وہ خط انکل ریاض پڑھ کر پہلے بری طرح چونکے۔ پھر اُن کا چہرہ کسی خوف سے زرد ہو گیا۔ میں نے بہت پوچھا۔ انھوں نے کچھ نہیں بتایا۔ پھر ہم لوگ سیر و تفریح میں سب کچھ بھول گئے۔ چند دنوں میں عید الاضحےٰ آگئی۔ تب ہم نے یعنی میں نے اور انیلہ نے محسوس کیا کہ انکل کے ساتھ آنٹی بھی ہر وقت کھوئی کھوئی اور پریشان رہنے لگی ہیں۔ وہ دونوں ہر وقت سہمے سہمے سے رہتے۔ کوئی خوف انھیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ پھر عید کی صبح انکل عباد کو لے کر نماز دوگانہ پڑھنے گئے۔ واپس آئے تو گیٹ میں ایک تھیلا پڑا ملا۔ اُسے عباد نے اٹھایا تو تھیلا پھٹ گیا۔ اس میں انیلہ اور عباد کے چھوٹے بھائی عماد ریاض کا خون میں لتھڑا ہوا سر تھا۔"

"اچھا!" حاتم نے چونک کر مینا کو دیکھا۔ وہ ڈھلکے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ "گمنام خط بھیجنے والے نے وعدے کے مطابق تحفہ بھیج دیا تھا۔" حاتم نے بات پوری کی۔

"ہاں" مینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اُس کے پپوٹے سُرخ ہو چکے تھے۔ اُس نے پرس سے چھوٹا سا رومال نکال کر آنکھیں صاف کیں اور پھر سلسلہ جوڑتے ہوئے بولی: "اور پھر ایک سال بعد عید سے چند روز پہلے اسی مضمون کا خط انکل کو بذریعہ ڈاک ملا۔ انکل نے فوراً پولیس سے رابطہ قائم کیا۔

تھے کہ اچانک سید صاحب کو یہ کیا ہو گیا۔ انھوں نے حاتم سے تصویر لے لی تھی اور اُسی کو دیکھے جا رہے تھے۔ اُس تیز طرار اور ہوشیار مینا کو اُن پر ترس آگیا۔

"کیا میں بھی آپ کو سید ابا کہہ سکتی ہوں؟"

خدا جانے مینا کی آواز میں کیا جادو تھا۔ سید صاحب نے ایک نظر اُسے دیکھا اور اپنا سینہ دبانے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ مینا جس قدر حسین و جمیل لڑکی رہی تھی اُس سے زیادہ اُس کی آواز میں کھنک، کشش اور لوچ تھا۔ لیکن ایک بوڑھے شخص کو اُس کے حسن و جمال، دلکش آواز اور مسحور کرنے والی اداؤں سے کیا نسبت؟ حاتم بولا:

"سید ابا! مینا کے سلام کا جواب دیجئے۔ آپ پریشان سے ہیں!"

"جیتے رہو بچو! فضل سے کہو۔ کھانا لگائے۔ تم نے حاتم! اسے پوچھا نہیں؟"

"سید ابا! میں مینا سے باتیں کرنے لگا۔ اُس کی دلچسپ باتوں میں کھو گیا۔"

"ہاں، تجھے مجھ سے تعلق خاطر ہے۔ تجھے بھی کھو جانا چاہئے۔"

"لیکن سید ابا! کیوں؟ مجھے مینا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اُسے جانتا بھی نہیں۔ سید ابا! یہ وہی لڑکی ہے جس نے ٹیلیفون کیا تھا۔ میں نے اب تک اس سے اُکھڑی اُکھڑی باتیں کی ہیں تاکہ نہ وہ میرے قریب ہو سکے اور نہ میں اُس کے۔ مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا پروردہ ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ کسی مرد کو کسی عورت سے اور کسی عورت کو کسی مرد سے اس طرح باتیں نہیں کرنی چاہئے کہ شیطان کو اپنا وار کرنے میں آسانی ہو۔"

"شاباش بیٹے! میں تم دونوں کو زیادہ دیر تک حیران و پریشان نہیں رکھنا چاہتا۔ ادھر آؤ میرے ساتھ!"

سید صاحب تصویر لئے ہوئے حاتم اور مینا کے ساتھ ایک الماری کے پاس گئے۔ سات نمبر کا بٹن ایک خاص حرکت کے ساتھ جیسے وہ خود ہی جانتے تھے، دبایا۔ الماری کھل گئی۔ ایک قد آدم تصویر سامنے لگی ہوئی تھی۔

"آؤ بچو! لو، یہ چھوٹی تصویر اس قد آدم تصویر سے ملاؤ۔"

حاتم اور مینا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"فضل! یہیں لا کر کرسیاں ڈال دو اور کھانا یہیں لے آؤ۔"

"اچھا ہاں بچو! اِس تصویر میں تین شخص ہیں نا! تم دیکھ رہے ہو۔ ایک مرد اور ایک عورت کرسیوں پر اور ایک لڑکا پیچھے کھڑا ہے۔۔۔"

"جی ہاں، سیّد ابا۔ یہ لڑکا جو پیچھے۔۔۔۔۔"

"ٹھہرو حاتم! مجھے بتانے دو۔ یہ مرد جو نوابوں کے لباس میں کرسی پر بیٹھا ہے مینا اس شخص کا نام جانتی ہے۔ وہ تم کو بتانے والی تھی شاید لیکن تم نے اس تصویر کے لڑکے میں اپنے سیّد ابا کو دیکھ لیا شاید! اور مجھ سے تصدیق کرنے چلے آئے۔ ٹھہرو بچو! صبر کرو۔ تم مت بولو۔ مجھے بتانے دو۔ مینا بھی پوری بات نہیں جانتی۔ دیکھ مینا بیٹی! میں کہتا جاؤں، تو تصدیق کرے گی۔"

سیّد صاحب نے ایک سرد آہ بھری۔ انھوں نے اپنا سینہ پکڑ دبایا۔

"مینا بیٹی! تم تصدیق کرو گی۔ یہ شخص جو تصویر میں کرسی پر ہے، اِس کا نام ریاض ہے۔ نواب سیّد ریاض حسن خاں۔ اور یہ جو خاتون ہے یہ نواب ریاض کی بہن صادقہ ہے۔ صادقہ شہر کے ایک مشہور رئیس قدوس علی کو بیاہی گئی۔ میں دیکھ رہا ہوں مینا تجھ کو۔ ایسا لگتا ہے کہ صادقہ بچہ بن کر مینا کے روپ میں میرے سامنے آگئی۔ اگر تو صادقہ کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہے تو اب دیکھ اس لڑکے کو جو تصویر میں پیچھے کھڑا ہے۔ پہچان یہ کون ہے!"

"سیّد ابا" حاتم بولا "میں تصویر دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آپ ہیں۔"

"میں اِسی بدنصیب صادقہ کی بیٹی ہوں" مینا سیّد صاحب کے سینے سے جا لگی "پیارے انکل!"

"آہ! مینا بیٹی! کیسا سکون دیا تو نے مجھے۔ مگر سُن! تیرا نام مینا نہیں، امینہ ہے۔ سیّد صاحب نے مینا کے شانے تھپکے "بڑی دردناک کہانی ہے میری اور میری بہن صادقہ کی۔ اچھا بچو! آؤ کھانا کھالیں۔ پھر یہ کہانی سناؤں گا۔ اِس کہانی کا بہت کم جزو امینہ کو معلوم ہوگا۔"

مینا اور حاتم سید صاحب کے ساتھ کھانا کھانے لگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سید صاحب کھا رہے تھے اور نہ مینا اور نہ حاتم ہی۔ تینوں کے دل بے حد متاثر تھے، کچھ دیر ٹونگ کر ہاتھ روک لیے۔ فیضل نے دسترخوان اٹھایا۔ سید صاحب نے بٹن دبایا۔ الماری بند ہو گئی۔ انھوں نے کارڈ سائز تصویر جو مینا لائی تھی، اٹھائی اور صوفے پر آ بیٹھے۔ ایک طرف حاتم کو اور دوسری طرف مینا کو بٹھالیا اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھے رہے۔

"پیارے انکل" مینا بولی "آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ ڈیڈی نے میری امی حضور کو گھر سے کیوں نکال دیا۔ یہ راز اب بھی امی حضور کے سینے میں دفن ہے۔"

"صادقہ بہت ہی شریف اور نیک دل تھی۔ دوسروں کے ساتھ نیکی کر کے بھول جانا اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا اس کا شیوہ تھا۔ میں بتاتا ہوں۔ ریاست مرج ہونے کے بعد جب آمدنی محدود رہ گئی تو سب سے زیادہ ریاض بھائی متاثر ہوئے۔ ریاض بھائی نے انگریزی تعلیم یورپ میں پائی اور وہیں بڑھے پلے۔ یورپین تہذیب میں سب کچھ بینک بیلنس ہوتا ہے۔ ریاض بھائی کو دولت سے بڑی محبت تھی۔ ریاست مرج ہونے کے بعد انھوں نے سارا جائداد پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس معاملے میں قدوس علی کو انھوں نے اپنا ہمنوا کر لیا لیکن صادقہ آپا، جنھوں نے مجھے پالا تھا، نے کہا کہ صادق علی کو اس کا حصہ ملنا چاہیے۔

بس تم سمجھو کہ یہی بات صادقہ غریب کی تباہی کا باعث بن گئی۔ قدوس علی کو ریاض بھائی نے دو تین لاکھ کا لالچ دیا۔ وہ صادقہ کے دشمن ہو گئے۔ اسے اس وقت طلاق دے دی جبکہ امینہ کا بوجھ وہ سہارے ہوئے تھی۔ انھوں نے دوسری شادی کر لی لیکن صادقہ جیسی شریف بیوی کو بھلا نہ سکے۔ پھر جب امینہ پیدا ہوئی اور اس کی تصویر انھیں بھیجی گئی تو ان کی چیخ نکل گئی۔ دولت کے حرص نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ دو تین لاکھ کے لالچ میں میرے مار ڈالنے کا منصوبہ انہی نے بنایا۔ اس منصوبے کو پورا نہ کرنے پائے تھے کہ پیام اجل آ گیا۔ مرتے وقت صادقہ کو کہلوایا کہ امینہ کو ایک نظر دکھا جاؤ۔ صادقہ، میں نے کہا نہ، ایک نہایت شریف عورت تھی۔ وہ بچی کو لے کر گئی۔ ملی۔ قدوس صاحب نے سب کو پاس سے ہٹا دیا۔ پھر صادقہ کو دو لاکھ کا چیک دیا اور کہا کہ صادق کو کسی گمنام مقام پر پہنچا دو، ورنہ وہ زندہ نہیں رکھا جائے گا۔ صادقہ آپا نے

وہ دو لاکھ کی رقم مجھے دے دی اور میں وہاں سے آ کر یہاں بس گیا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ ہاں مینا۔ میری اینہ بیٹی تم بتاؤ آگے کیا ہوا۔"

"بیشک! مینا سسکتی ہوئی بولی "ڈیڈی امّی حضور کو اور مجھے یاد کر کے سسک اُٹھتے تھے۔ ڈیڈی نے اپنی ماں کے کہنے سے دوسری شادی تو کر لی لیکن انھیں سُکھ سے ہی نفرت ہو گئی۔ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے جن سے اُن کو دُکھ ہوتا۔ اور اسی دُکھ میں اُن کو سُکھ ملتا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔"

اتنا کہہ کر مینا نے نواب ریاض حسن خاں کی وہ کہانی سید صاحب کو بھی سُنائی جو وہ حاتم کو سُنا چکی تھی۔ اِس کے بعد اُس نے بتایا:

"پھر انکل ریاض نے شہر کی سکونت ترک کر دی۔ پچاس کلو میٹر دور پہاڑ پر رہنا شروع کر دیا۔ اُنھوں نے انگریزی حکومت کے دَور کی ایک شکار گاہ اور ریسٹ ہاؤس خرید لیا تھا اور وہاں رہنے کی وجہ یہ بتائی کہ انیلہ کی ممّی برابر بیمار رہتی ہیں۔ تبدیلی ہوا کی ضرورت ہے۔ حالانکہ میں نے آنٹی کو کبھی بیمار نہیں دیکھا تھا۔

میری ممّی نے یہ تصویر اپنی موت سے پہلے مجھے دی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ حاتم کو جس شریف آدمی نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے وہ میرا انکل ہے۔ اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ انکل صادق حسین یہاں رہتے ہیں، ورنہ میں خاندانی رشتہ سے ضرور آتی اور شاید یہیں آپ کے سایۂ عاطفت میں رہتی لیکن اب ضرورت آ پڑی۔ انکل! مرنے والے مر گئے۔ میں آپ کے خاندان کے زندہ درگو۔ لوگوں کا دُکھ لے کر آئی ہوں۔ عباد اور عماد کے بعد اب انیلہ خطرے کی زد میں ہے۔ اگر انیلہ بھی گئی تو پھر آپ کے خاندان کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔ اِس خطرے کے علاوہ بھی بہت سے دُکھوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ آنٹی کسی دماغی ہاسپٹل میں زیرِ علاج ہیں اُن کو پاگل پن کے شدید دَورے پڑنے لگے ہیں۔ انکل ریاض اُن کو ہم سے ملنے نہیں دیتے۔ نہ مجھے، نہ انیلہ کو۔ انکل ریاض کا بھی ذہنی توازن قائم نہیں رہتا ہے۔ وہ اپنی جائداد اونے پونے فروخت کر چکے ہیں۔ ہاں۔ یہ بھی بتا دوں کہ دونوں بیٹوں کی ہلاکت کے بعد انکل ریاض نے تمام جائداد و دولت انیلہ کے

نام منتقل کردی تھی اور اب اسی انیلہ پر دباؤ ڈال کر اسی دولت کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہیں۔ یہ تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر میں انیلہ کو سہارا نہ دیتی تو وہ بینک کے چیک پر دستخط کر چکی ہوتی۔"

"وہ تم کو کیوں برداشت کئے ہوئے ہیں؟" سید صاحب نے پوچھا۔

"اس لئے کہ میں انیلہ کو اُن کے حق میں ہموار کردوں اور وہ چیک پر دستخط کر دے۔"

"اور اس کا جواز کیا پیش کرتے ہیں؟"

"یہ کہ ساری جائداد فروخت کر کے اور بینک سے روپیہ نکال کر برطانیہ جائیں گے اور وہاں آنٹی کا علاج بھی کرائیں گے۔"

"تو کہانی کا لب ولباب یہ ہوا" حاتم نے ذرا جھک کر مینا کی طرف دیکھا "کہ آپ انکل کو برطانیہ جانے سے روک رہی ہیں۔"

"نہیں حاتم! میرا خیال ہے کہ انکل کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ وہ گمنام قاتل اب بھی اُن پر حاوی ہے شاید انکل اپنی ساری دولت دے کر خاندان کے باقی افراد کی زندگی کا سودا کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے۔ لیکن آنٹی سے آپ کو اور انیلہ کو کیوں نہیں ملنے دیتے؟"

"یہی تو ہمارے لئے معمّہ ہے جو حل نہیں ہوتا۔"

"اس پریشانی میں آپ مجھ سے کیا خدمت لینا چاہتی ہیں؟"

"قاتل کی تلاش اور انیلہ کی حفاظت کیونکہ انکل اپنے مقاصد پر کسی وقت انیلہ کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔"

"تو یہ کیس سُراغ رساں سے متعلق ہے۔ میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"اوہ! آپ! آپ کا صرف ہمارے ساتھ ہو جانا باعثِ برکت ہوگا۔ میں انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ سہی لیکن میں پوری مشرقی لڑکی ہوں۔ دیکھئے، میں یہاں آپ کا نام سُن کر آئی۔ یہ آپ ہی ہیں کہ آپ کے طفیل کل صادق حسین مجھے مل گئے۔ مجھے تو ایک مزید یقین ہو چلا ہے کہ اگر آپ میرے ساتھ ہوں تو آپ سے ہمارے اُلجھے ہوئے مسائل سُلجھ جائیں گے۔"

"کیا حرج ہے حاتم!" سید صاحب نے سفارش فرمائی "مینا جواب تمہاری بہن ہے اُس کا دِل رکھ لو۔"
"مجھے بسر و چشم منظور ہے۔" حاتم نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔
"اچھا بہن امینہ!" حاتم کہنے لگا "دیکھئے آپ جب اِس گھر میں ہوں گی تو آپ امینہ بہن ہوں گی اور جب آپ اپنی دُنیا میں ہوں گی تو مینا ــــ صِرف مینا ــــ ہوں گی۔ اِس مکان سے باہر آپ کسی کو بھی یہ نہیں بتائیں گی کہ انکل ریاض کے چھوٹے بھائی سید صادق حسین صاحب ہنوز حیات ہیں۔"
"آپ کے اندر" مینا مسکرائی "آپ کے اندر تو سراغ رساں بیٹھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ زبان جو آپ بول رہے ہیں سُراغ رسانوں کی سی ہے۔"
"دیکھئے، آپ ایک ہفتہ اپنے بچھڑے انکل کے پاس رہیں گی۔ میں آپ ہی کے کام سے علی گڑھ جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ علیگڑھ سے کہیں اور جانا پڑے۔ اِس لئے آپ پریشان نہیں ہوں گی۔"

"اچھا ٹھہرئے، میں علیگڑھ کا کام یہیں بیٹھے بیٹھے کئے لیتا ہوں۔" حاتم نے علی گڑھ کے اپنے کسی شناسا کا ٹیلیفون نمبر ملایا اور رسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ کچھ ہی لمحے بیتے تھے کہ اُدھر سے کوئی بولنے لگا۔
"یس، ہیلو، مسٹر جان! میں حاتم بول رہا ہوں۔"
"الحمدللہ بخیریت ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ یس۔۔۔ خیر وہاں جو کچھ ہوا وہ سب ہر کچنوں پر اللہ کا فضل تھا اچھا۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ اخباروں میں تو آم گھاس ہر قِسم کی خبریں آتی ہی رہتی ہیں۔۔۔ بیشک، بیشک تم کو خوشی ہونی ہی چاہئے مگر اب اپنا قصیدہ بند کرو۔ میری بات سُنو۔۔۔ شاباش! یہ بتاؤ، ایرنا آج کل کہاں ہے۔۔۔ لُدھیانہ؟۔۔۔ بہت اچھا۔۔۔ خدا کرے دونوں محبت سے رہ رہے ہوں۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ کیا اُس نے استعفا دے دیا؟ بڑا ہونہار جوان تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایس۔ پی ہو جاتا۔ خیر، اب کیا کرتا ہے؟ ہیلو۔۔۔ ہیلو مسٹر جان! ہاں۔۔۔ یس، ٹھہرو، مجھے پتہ لکھا دو۔"

حاتم نے قلم اٹھایا، ٹیبل پر پڑے اخبار پر پتہ لکھا: "یس یس، ہاؤس نمبر تھری فور سکس ون (۳۴۶۱) کچھ نہیں، بس یونہی، نہ جانے کیوں ایرنا اس وقت یاد آنے لگی ... نہ نہ ... لاحول ولا قوۃ۔ اچھا، خدا حافظ۔ السلام علیکم۔"

سلسلۂ گفتگو منقطع کر کے حاتم کچھ سوچنے لگا۔ مینا یہ ساری بات چیت بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔ بولی "کیا تیر مارا میرے سراغ رساں بھائی نے!" اس وقت اس میں بھائی بہن کے جذبات شامل ہو گئے

"دیکھو امینہ! دو دن بچ گئے۔ اب میں لدھیانہ جا رہا ہوں۔"

"تو سنئے جناب بھائی صاحب! دو دن اور بچ جائیں گے۔" مینا ہنسی۔

"وہ کیسے؟" حاتم نے پوچھا۔

"ایسے کہ میرا بھائی بابرکت ہے۔ دو دن علیگڑھ کے بچے۔ دو دن اُدھر کے بچیں گے۔ تو اب مجھے صرف تین دن انتظار کرنا ہوگا۔" دونوں اس طرح ہنسنے لگے جیسے واقعی سگے بہن بھائی ہنستے ہیں۔

"تو امینہ! آپ یہاں رہیں۔ میں جاؤں، ابا جان سے مل لوں۔"

"دیکھئے، جب آپ اس گھر میں امینہ کہہ کر پکاریں تو یہ 'آپ' کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں مینا نہ جاؤں تو آپ جس طرح چاہیں مخاطب کریں۔ اور سنئے، میں بھی کیوں نہ آپ کے والد صاحب کو سلام کرنے چلوں؟"

"آپ سید صاحب کے ساتھ جائیں۔ بلکہ زیادہ اچھا یہ ہے کہ یہیں جب ابا جان آئیں تو آپ ان سے مل لیں۔ یہاں آپ کا آنا پوشیدہ ہی رہے تو اچھا ہے۔"

حاتم یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور امینہ اپنے ماموں سید صادق حسین صاحب کے کمرے میں چلی گئی۔ سید صاحب نے فضل کو بلا کر اس کے آرام و آسائش کے لئے تاکید کر دی۔

حاتم یہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گیا۔ گھر والوں اور سوشیلا سے کہا کہ دو دن کے لئے لدھیانہ جا رہا ہوں

وشو ڈاکٹر کے یہاں سے نہیں آیا۔ چاچی کی طبیعت کیسی ہے؟ میری طرف سے پوچھ لینا اور سلام کہہ دینا۔
عائشہ شوہر کے مزاج کو سمجھ چکی تھی۔ اُس نے سوٹ کیس کو ایک نظر دیکھا۔ ضرورت کے سامان سے مطمئن ہوئی تو بند کر کے حاتم کو تھما دیا۔ حاتم سلام کر کے گھر سے نکلا تو رکشا کیا اور اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ گاڑی چار گھنٹہ لیٹ ہے۔ بس اسٹینڈ گیا۔ بس مل گئی۔ اس پر بیٹھ گیا اور بس فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ حاتم نے گھڑی دیکھی۔ آپ ہی آپ زیر لب کہنے لگا:

"تو سات گھنٹے کا رَن ہے۔ دس بجے رات لدھیانہ پہنچوں گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ رات کو کیسے کہاں پکاروں گا۔ نہ کبھی لدھیانہ گیا، نہ وہاں کے راستے معلوم۔ وہ اس طرح سوچتا رہا۔ بس چلتی اور ٹھہرتی رہی۔ ایک جگہ عصر کی نماز تو حاتم نے بروقت پڑھ لی۔ مغرب کی دیر میں۔ سوچا کہ عشاء کی نماز لدھیانہ کے بس اسٹینڈ پر پڑھوں گا۔

بس کسی حادثے کے بغیر وقت پر لدھیانہ پہنچ گئی۔ حاتم اترا۔ اُس نے ایک طرف کونے میں جانماز بچھائی اور عشاء کی قصر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے دو رکعت فرض پڑھ کر سلام پھیرا۔ چاہا کہ وتر بھی پڑھ لے کہ ایک بوڑھا شخص آیا۔ اُس کے ساتھ مزدور تھا۔ مزدور اپنے سر پر ایک صندوق رکھے ہوئے تھا۔ اُس آدمی کے کہنے سے مزدور نے صندوق وہیں اُتار دیا۔ اُس شخص نے مزدور کو دس روپیہ دے۔ وہ چلا گیا اب اس بوڑھے نے حاتم سے کہا "جوان پاشا! ذرا یہ صندوق دیکھے رہئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ کھانا کھا لوں۔"

حاتم نے جانماز صندوق کے پاس کھسکالی اور وتر پڑھنے لگا۔ وتر پڑھ چکا تو صندوق سے ٹیک لگا کر کمر سیدھی کرنے لگا۔ اتنے میں ایک سپاہی آیا۔ اُس نے پوچھا "اِس صندوق میں کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم!" حاتم نے جواب دیا اور وہ گھبرا گیا۔

"اِس کی کنجی؟" سپاہی نے پوچھا۔

"اِس کی کنجی صندوق والے کے پاس ہو گی۔" حاتم دل ہی دل میں کہنے لگا کہ بے سمجھے بوجھے صندوق کو امانت میں لے لیا۔ یہ غلطی ہوئی۔

"صندوق کا مالک کہاں ہے؟" سپاہی غرایا۔

"آدھا گھنٹہ ہوا۔ وہ ادھر کھانا کھانے ہوٹل پر گیا ہے۔"

سپاہی نے سیٹی بجا کر دو کانسٹیبلوں کو پاس بلا لیا۔ اس کے بعد حاتم سے کہا: "میاں جی! آپ کو کوتوا

چلنا ہوگا۔ یہ صندوق مشکوک ہے۔"

"صندوق کے مالک کا انتظار نہیں کریں گے؟" حاتم نے بڑی نرمی کے ساتھ کہا۔

"کتنی دیر؟"

اس کا جواب حاتم نہ دے سکا۔ سپاہیوں نے صندوق اور حاتم کو حراست میں لے لیا۔ مزدور کو

بلایا۔ صندوق اسے دیا کہ لے کر کوتوالی چلے۔ پھر حاتم سے کہا "چلئے میاں جی! کوتوال صاحب سے پوری

بات کر لیجئے گا۔" حاتم نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا۔

"ٹھہرئیے! اس کی تلاشی دینا ہوگی۔"

حاتم نے سوٹ کیس کھول دیا۔ سپاہیوں نے اندر کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھیں۔ سوٹ کیس میں

کوئی شبہ کی چیز انہیں نہیں ملی تو سب مزدور کے ساتھ کوتوالی چل دیے۔ کوتوالی پہنچے۔ کوتوال نے اسی

وقت شہر کے دو ذی اثر آدمیوں کو بلایا۔ ان کی موجودگی میں صندوق توڑا گیا۔ اندر ایک نوجوان عورت کی لاش تھی

اب تو حاتم کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ کوتوال نے حاتم کا بیان لیا۔ اس کے بعد حوالات میں بند کرنے

کا حکم دے دیا۔ ابھی اس حکم پر عمل نہیں ہوا تھا کہ ایک دیہاتی قسم کا جوان۔ دو سپاہیوں کے ساتھ آیا۔

سپاہی ایک بوڑھے کو ہتھکڑی پہنائے ہوئے لا رہے تھے۔ دیہاتی جوان نے بڑھ کر کوتوال سے

انگریزی میں کچھ کہا اور جیب سے ایک کاغذ نکال کر اسے دکھایا۔

"گڈ مسٹر......" کوتوال کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

بوڑھے کو دیکھ کر حاتم نے کہا "اسی کا یہ صندوق ہے۔"

"ٹھہرئیے!" اس دیہاتی جوان نے کہا۔ اس کے بعد بوڑھے سے بولا "ہاں مہاشے! آپ خود

بیان دیں گے یا میں تصویریں پیش کروں؟"

بوڑھے نے اُس جوان کو دیکھا۔ اُس نے پہچانا کہ یہ گنوار اُس کے ساتھ گھر سے چلا آ رہا تھا۔ اب اس کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ اُس نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ میری بہو کی لاش ہے۔ شادی پر جہیز کم لائی تو رشتے ناطے کے لوگوں کے طعنوں سے تنگ آ کر اُس کی ساس نے دھوئیں کی کوٹھری میں بند کر دیا اور یہ گھٹ کر مر گئی۔ اِس کے بعد اُسے میرے حوالے کر دیا۔

حاتم اُسی وقت چھوڑ دیا گیا۔ کوتوال نے معذرت کرتے ہوئے کہا "جناب! ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔ ہم بغیر ثبوت کسی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ جا سکتے ہیں۔" پھر خود ہی پوچھنے لگا: "آپ یہاں کس کے گھر جائیں گے؟ رات کا وقت ہے۔ میں سپاہی ساتھ کر دوں!"

"شکریہ! میں بہادر سنگھ سابق ڈی۔ ایس۔ پی۔ کے گھر جاؤں گا۔" حاتم نے بتایا۔ کوتوال مسکرا دیا۔ دیہاتی جوان بھی چونکا۔ کوتوال نے پوچھا:

"کیا آپ بہادر سنگھ کو پہچانتے ہیں؟"

"نہیں!" حاتم شرما سا گیا۔

"مسٹر حاتم! آپ جانتے ہیں" کوتوال کہنے لگا "ہم لوگ کچھ کھائے پیئے بغیر بات بھی نہیں کرتے۔ کہئے جیب میں کچھ ہے؟"

"جی ہاں!" حاتم بولا "ہے، لیکن میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ رشوت سے پرہیز کریں۔ میں بھوکا ہوں۔ آپ میرے لئے کھانا منگوا دیں اور آپ بھی میرے ساتھ کھا لیں۔" کوتوال نے اس دیہاتی جوان کی طرف دیکھا۔ بولا "منظور ہے۔ چلئے، آئیے میرے ساتھ۔" کوتوال حاتم کو لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا۔ دیہاتی جوان بھی ساتھ تھا۔ تینوں کرسی پر بیٹھے۔ حاتم کوتوال کے اِس اخلاق سے بہت متاثر

ہوا کہ رات کے وقت دو بجے وہ ایک دیہاتی کو اپنے برابر بٹھائے ہوئے ہے۔ اس سے نہ رہا گیا۔ اس حوالے سے اس نے کوتوال کی تعریف کی۔

"شکریہ، شکریہ! میاں جی! دراصل آپ خود بہت اچھے ہیں۔ اسی لئے سب کو اچھا سمجھتے ہیں"

میز پر سپاہیوں نے نہایت پرلطف کھانا چن دیا۔ تینوں اشخاص جو ایک دوسرے سے اجنبی تھے، کھانا کھانے لگے۔ کوتوال بار بار حاتم سے کہہ رہا تھا کہ خوب چھک کر کھائیے۔ آپ جس شخص کے یہاں جا رہے ہیں وہ بڑا کنجوس ہے۔ کھانا کھا کر جیسے ہی حاتم نے ہاتھ روکا وہ دونوں بھی رک گئے۔ ہاتھ دھوئے گئے، پھر چائے پی گئی۔ حاتم نے پچاس روپیہ کا نوٹ میز پر رکھ دیا کہ بل چکا دیا جائے۔

"بہت اچھا جناب!" کوتوال نے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس دیہاتی جوان سے کہا "لے جاؤ بھائی۔ انھیں کشٹ تو ہوگا مگر آرام سے پہنچا دینا۔"

کوتوال نے حاتم سے کہا "بل کے باقی پیسے یہی آپ کو دے دیں گے۔"

دیہاتی جوان نے انگریزی میں کہا "میں صبح آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ دھنیہ واد۔"

کوتوالی کے باہر کار کھڑی ہوئی تھی۔ دیہاتی جوان نے اس کی کھڑکی کھولی۔ حاتم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حاتم بیٹھ گیا۔ اس کے بعد وہی جوان گاڑی چلانے لگا۔ حاتم کے لئے یہ سب باتیں حیرت انگیز تھیں۔

آدھ گھنٹہ کار مختلف راستوں پر دوڑتی رہی۔ اس کے بعد ایک گیٹ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ دیہاتی مسلسل ہارن دے رہا تھا۔ دو تین منٹ گزرے تھے کہ پھاٹک کھلا۔ ایک دراز قد اور نہایت حسین و جمیل نیلی آنکھوں والی حسینہ شب خوابی کے لباس میں سامنے آگئی۔ پہلے تو وہ اس دیہاتی جوان کی طرف بڑھی، پھر کار سے حاتم کو نکلتے دیکھا تو بچوں کی طرح پکار اٹھی "ہاؤ مسٹر حاتم! ہاؤ مسٹر حاتم! گڈ نائٹ۔" اور لپک کر بڑھ کر حاتم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حاتم نے پہچانا۔ اس کی زبان سے نکلا "ایرنا!" ایرنا نے بتایا "یہ ہیں میرے بینڈ مسٹر بہادر سنگھ لدھیانہ کے مشہور سراغ رساں!" دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، پھر بڑے تپاک سے گلے ملے۔

بہادر سنگھ نے ایرنا سے کہا "کھانا ہم لوگ کھا چکے ہیں۔ اب سونے کا انتظام جلد ہونا چاہئے۔ حاتم بہت دور سے آرہے ہیں مگر خوب ہی ڈرامائی انداز سے ملے صبح یہ سارا قصہ سناؤں گا۔"

ایرنا نے اپنے ہاتھ سے بستر ٹھیک کیا۔ حاتم کوبے جا کر لٹایا۔ اس کے بعد پائنتی اسٹول ڈال کر بیٹھی۔ حاتم کے پیروں کی انگلیاں دبانے لگی تو حاتم نے پاؤں سمیٹے۔

"ایرنا! مجھے اس طرح نیند نہیں آئے گی تم جاؤ۔ بہادر سنگھ بھی بہت تھکا ہے۔" ایرنا چاہتی تھی کہ جب تک حاتم سو نہ جائے اس کی انگلیوں کو دباتی رہے مگر حاتم کے اصرار کرنے پر اسے اٹھ جانا پڑا۔

صبح کو ایرنا اور بہادر سنگھ نے خاطر و مدارات میں بڑے تکلف سے کام لیا۔ حال پوچھا۔ حاتم کو جلدی تھی۔ اس نے مینا کا مقدمہ پیش کیا اور بہادر سنگھ سے مدد چاہی۔ بہادر سنگھ بخوشی تیار ہو گیا۔ ایرنا نے بھی ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا۔ سارے تکلف برطرف کرکے اسی وقت حاتم کو واپس کرنے کا اہتمام کیا جانے لگا۔ بہادر سنگھ نے اسے ایک گھڑی نما ٹرانسمیٹر دیا۔ اس کی حفاظت کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اس کے ذریعہ بات کرنے کا طریقہ بتایا۔ پھر ایک مٹھی میں چھپ جانے والا بے آواز کا پستول دیا جس میں یکے بعد دیگرے بارہ گولیاں نکلتی تھیں۔

بہادر سنگھ نے بتایا کہ "ہم دونوں کو ہر وقت اپنے پاس سمجھئے۔ سخت سے سخت تر موقع پر بھی گھبرانے کی بات نہیں۔ آپ کسی طرح مینا کے ساتھ انکل ریاض تک پہنچ جائیں۔ اس کے بعد میری ہدایات پر عمل کریں۔ آپ تو مولوی آدمی ہیں۔ دعا تعویذ کرتے ہوئے وہاں تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔" اس بات سے حاتم سمجھ گیا کہ اسے کیا پارٹ ادا کرنا ہوگا۔ پھر اس نے پوچھا "اور آپ دونوں کب تک آئیں گے؟"

"ہم ابھی سے آپ کے سائے کی طرح آپ کے ساتھ ہیں۔"

حاتم گھر سے باہر نکلا تو ایک لمبی کار سامنے کھڑی تھی۔ حاتم اور ایرنا تو پچھلی سیٹ پر بیٹھے، بہادر سنگھ نے سٹیرنگ سنبھالا۔ کار بھرائی، پھر رینگی اور پھر جب مین روڈ پر آگئی تو فراٹے بھرتی پورب کی طرف رواں دواں تھی۔ راستے میں صرف دو جگہ دس دس پندرہ پندرہ منٹ کے لئے غیر معروف بس اڈوں پر رکی اور پھر چل دی

سات گھنٹے کا راستہ پانچ گھنٹے میں طے کیا۔ شہر کے کنارے کار روک کر حاتم کو اُتار دیا گیا۔ وہاں سے حاتم رکشا کے ذریعہ گھر آیا۔ مینا چشم براہ تھی۔ اتنی جلد آنے پر بہت خوش ہوئی۔ نتیجہ سفر پوچھے بغیر چہکی کہ بھائی کے اس معاملے میں پڑنے کی برکت ہے کہ اٹھائیس گھنٹے کے اندر واپس آ گئے۔ یقیناً ہم کامیاب ہوں گے۔

رات کا کھانا سیّد صاحب کے یہاں تھا۔ عاصم صاحب اور اُن کا گھر بھر مدعو تھا۔ کھانا کھاتے وقت حاتم نے گھڑی میں ٹائم دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اُسے ایک نقطہ نظر آیا۔ وہ نقطہ سُرخ تھا، جیسے وہ کوئی بلب ہو۔ وہ ذرا جھک کر دیکھنے لگا۔ کوئی کہہ رہا تھا:۔

"ہم پرسوں ٹھیک ۶ بجے پہاڑ کی طرف مارچ کریں گے۔"

حاتم سمجھ گیا کہ اُس کا رنگ ماسٹر ہدایات دینے لگا۔ اُس نے جمائی لی۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی منہ پر رکھی۔ ہاتھ رکھے رکھے کہا "میں تیار رہوں گا۔" پھر آواز آئی "آپ اسی گاڑی پر مینا کے ساتھ جائیں گے جس پر لدھیانہ سے آئے تھے۔" حاتم نے کھانے کے دوران کہا "اپنا بہن! ہم پرسوں چھ بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ پرسوں تم پھر مینا ہو جاؤ گی۔" اِس کے بعد عائشہ وغیرہ سے کہا کہ تم سب وشو بابو کے ساتھ مُبارک کے پاس جاؤ گی۔ میں کچھ دنوں کے بعد آ ملوں گا۔

عاصم صاحب نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو بیٹا!"

"ابا جان! سیّد ابا آپ کو بتا دیں گے۔" اور حاتم نے بات ختم کر دی۔ دوسرے دن عاصم صاحب نے فیصلہ سُنایا کہ عائشہ چند دن اپنی سُسرال میں رہے گی، باقی تمام لوگ تمہارے جانے کے دوسرے دن جائیں گے۔ کپڑوں کی گانٹھ کس دی جائے گی۔ وشو ناتھ اس کا نگران ہوگا۔ کاملہ یہ سب وہاں کے بزرگوں کے سپرد کر دے گی اور پھر مبارک کے مشورے سے تمام عورتوں کو شلوار اور جمپر پہنا دیا جائے گا۔ سوشیلا کاملہ کی مشیر رہے گی۔ پھر جب حاتم واپس آ جائے گا تو اس کے ساتھ عائشہ کو بھی بھیج دیا جائیگا۔

دوسرا دن حاتم کے لئے بڑی مصروفیت کا تھا۔ مبارک کو ہدایات لکھنی تھیں۔ کاملہ اور سوشیلا کو طریقۂ کار سمجھانا تھا۔ وشو بابو کو مبارک کی ذہنی کیفیت بتانا تھی اور یہ سمجھانا تھا کہ وہاں کا ماحول کیسا ہے؟

مغرب کے وقت حاتم نے امینہ سے کہا:

"دن ختم ہوگیا۔ اب تم اسی وقت سے مینا ہو۔ سنو! میں پیر حاتم علی شاہ ہوں۔ پانی پر دم کر کے پلا دوں تو انسان کا دل بدل جائے۔ کیا سمجھیں مس مینا!"

حاتم نے قہقہہ لگایا اور ذہین اور اسمارٹ مینا سمجھ گئی کہ وہ کس طرح انکل ریاض تک حاتم کو پہنچا سکتی ہے۔

"ہمارا ذریعۂ سفر کیا ہوگا؟" مینا نے پوچھا۔

"وہ ایک لمبی کار ہوگی جو ہمیں مین روڈ پر کھڑی ملے گی۔ پہاڑ کے دامن تک اُسے میں چلاؤں گا پھر جب انکل ریاض کی مملکت سامنے ہوگی تو تم ڈرائیو کروگی۔"

مینا کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ حاتم نے تاکید کی:

"خبردار! جو میں کہوں گا وہ کروگی اور دخل در معقولات تو دور کی بات ہے دخل در نا معقولات بھی نہیں کروگی۔ ہمارا تمہارا معاہدہ ویسا ہی ہے جیسا معاہدہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر سے ہوا تھا۔"

مینا نے جواب دیا:۔

"آپ مجھے ہر مقام پر فرمانبردار پائیں گے۔"

"شاباش! چلو اب سیّد بابا سے مل لیں اور اُن سے کہہ دیں کہ ہم لوگ فجر کی نماز شہر سے باہر ٹیلیا پر پڑھیں گے۔"

سیّد صاحب نے دعا دی "بسلامت روی و باز آئی۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے لے جائے اور بخیریت پھر واپس لائے!" حاتم نے جواب میں کہا:

"انشاء اللہ نواب ریاض حسن خاں اور مینا کی آنٹی کو بھی ساتھ لاؤں گا۔"

"ان شاء اللہ۔ فی امان اللہ!" سیّد صاحب نے رومال آنکھوں پر رکھ لیا۔ حاتم مینا کو لے کر رکشا پر بیٹھا اور قبل فجر مین روڈ کی ٹیلیا کی طرف چل دیا۔

"اُو کے!"

"کیا ہوا؟ حاتم صاحب!"

"پیر جی کو کسی نے کار چلاتے دیکھ لیا تو کیا سمجھے گا؟"

"ٹھیک ہے!" مینا حاتم کی خالی کی ہوئی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ حاتم پیلی چادر اوڑھے پیچھے سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایک بڑی سی تسبیح اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ وہ اس لباس میں بھی بہت اسمارٹ لگ رہا تھا

"پیر جی! وظیفہ شروع کر دیجئے" مینا نے عقب نما آئینے میں دیکھ کر کہا "ایک موٹر سائیکل ہمارا پیچھا کر رہی ہے"

"وہ تو کوئی کسان ہے۔"

"جاسوس بھی ہو سکتا ہے؟"

"جاسوسوں کے ساتھ اُن کی بیوی نہیں ہوتی ہے۔ شاید یہاں کہیں اُس کا فارم ہوگا۔"

"لیکن ہمیں چوکنا رہنا چاہیئے۔"

"اچھا تو لیجئے۔ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو ..." حاتم نے زور سے کہا۔ اُس وقت مینا نے موڑ کو موڑا۔ معاً ایک گرانڈیل پٹھان کار کے سامنے آگیا۔

"او... خو... خدائی خوار۔ روکو گاڑی!"

"خان! میں ہوں۔" مینا نے سائیڈ شیشہ سرکا کر کہا "تمہارے لئے نسوار لائی ہوں۔ یہ لو نسوار کی پڑیا!"

خان بہت خوش ہوا "او مائی لوگ تم بہت اچھا۔ او مینا خو تم اِدر آنا۔ اُدر پھٹ پھٹ اُدر کون گئی؟"

"خان! وہ کوئی کسان ہے۔ اپنے فارم پر گیا ہے۔"

"ہاں۔ اگر اِدر آتا تو میں اُسے گولی مار دیتا اور اُس کا بی بی چھین لیتا۔ اس کا بی بی بہت اچھا ہے۔"

مینا ہنس دی۔ خان نے نسوار کی ایک چٹکی لی۔ مینا نے کار بڑھا دی اور گیٹ میں داخل ہوئی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ چلو یہ اچھا ہوا۔" کار سے پہلے وہ اُتری۔ پھر پیر جی کو اُتارا۔ ٹیکری اوپر سے ہموار اور کشادہ تھی۔ سامنے یو (U) کی شکل میں ہٹ نما فلیٹ تھے۔

"تشریف لائیں!" مینا نے اندرونی گیٹ کھولتے ہوئے پیرجی سے کہا۔ سامنے برآمدے میں آرام کرسی پر
یکسر دونوں ٹانگیں پسارے دراز تھا۔

"وہ انکل ریاض ہیں" مینا نے کہا اور جھٹ انکل کے پاس پہنچ گئی۔ قدموں کی چاپ سن کر انکل ریاض
نکے۔ اپنی ٹانگیں سکیڑیں اور پیرجی کی طرف دیکھا۔

"آداب انکل! اب میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔"

"جیتی رہو!" مینا کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ پیرجی کو دیکھے جا رہے تھے۔ پیرجی کے ہونٹ کچھ
بڑبڑا رہے تھے اور وہ انگلیوں کی پوروں پر انگوٹھا رکھتے جا رہے تھے۔ شاید وہ کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے

"یہ شاہ صاحب کون ہیں؟"

"پیرجی۔ انکل بے ادبی معاف۔ آپ آداب بجا لائیں۔ یہ بہت نازک مزاج ہیں۔ میں بڑی مشکل
سے راضی کر کے لائی ہوں۔ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ انگریزی، اردو، عربی انھیں سب آتا ہے۔ پانی پر دم
کر دیتے ہیں اور انسان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے۔ سید ہیں۔ کچھ نہیں لیتے اور نذرانہ بھی قبول نہیں کرتے"

"ہوں!" انکل ریاض اٹھے، آداب عرض کر کے کرسی پیش کی۔ خوش آمدید کہا۔ بایاں ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا

"مجھے داہنا ہاتھ چاہیے۔ یہی سنتِ رسولؐ ہے" پیرجی غرائے اور انکل ریاض کھسیا گئے۔ داہنے
ہاتھ کو انھوں نے ایک چادر سے چھپا رکھا تھا جو اُن کے کندھے پر پڑی تھی۔

"معذوری ہے شاہ صاحب!" انکل نے کہا اور پیرجی پھر اکھڑے انداز میں بولے:

"یہاں کوئی منحوس چیز نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا مطلب پیرجی!" مینا گھبرا کر پوچھ بیٹھی۔

"چوہا ایک منحوس جانور ہے۔ میں اُس کی چوں چوں نہیں سن سکتا۔"

"حضور! یہ کالا انکل کے جوتوں کی تھی۔" مینا نے بات بنا دی اور پیرجی راضی ہو گئے۔ دوسری طرف
میاں جعفر اجنبیت سے گزر رہے تھے۔ ان کی جیب پھر ہو گئی۔

"تم کو کئی دن لگ گئے مینا!" انکل بولے۔ اور اُن کی آواز سے پرچی کے چہرے پر پھر بڑی سی آگئی۔
"پلیز انکل! آپ انھیں راضی رکھیں۔ پرچی پانی دم کر کے پلا دیں گے۔ انیلہ کی قلب ماہیت ہو جائے گی۔"
"او لڑکی! تمہارے انکل کی عادت بچوں کی سی ہے۔ اُن کی جیب میں ربڑ کا چوہا ہے۔"
"اوں!" انکل پھر جھینپ گئے "مینا! شاہ صاحب قبلہ کو اُدھر اُس کمرے میں آرام دو۔"
"تشریف لائیں حضرت جی!" مینا پرچی کو لے کر چلی۔ ذرا دور ہوئی تو بولی: "حاتم صاحب! یہ کیسی اُکھڑی اُکھڑی باتیں آپ نے شروع کر دی تھیں؟"
"وہ میں نہیں بول رہا تھا مینا! وہ میرا موکل تھا۔ تم کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ میرا موکل ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ میرے موکل کی بیوی بھی ہے۔ وہ بھی ساتھ ہے۔"
مینا ہنس دی۔ "آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ تو خیر ہوئی۔ انکل نے جلد ہی بات کاٹ دی۔"
"نہیں مینا! وہ مجبور تھے کہ جلد مجھ سے الگ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میرا موکل کتاب بن کر چوہے پر جھپٹ پڑتا۔"
"حاتم صاحب! آپ مجھ سے مذاق نہ کریں۔" پھر چپکے سے کہا "آپ میرے بھائی بھی تو ہیں!"
"لیکن بڑا بھائی! بڑا بھائی کبھی کبھی چھوٹی بہن کو پیٹ بھی دیتا ہے۔"
مینا حیران تھی کہ حاتم جیسا سنجیدہ نوجوان یہاں کس طرح کا کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ خوش تھی کہ بہرحال انکل مرعوب ہو گئے۔

# اپنی اپنی چال

حاتم کا کمرہ آخری طرف سے دوسرے نمبر پر تھا۔ پچھلی کھڑکی جنگل کی طرف تھی۔ کشادہ اور سجی ہوئی۔ لوہے کا پلنگ، دو کرسیاں، ایک تپائی۔ حاتم کا سفری لانگ سائز بیگ مینا خود ہی اُٹھا لائی حالانکہ باہر نوکر موجود تھا۔ انکل نے خان کو بلا لیا تھا۔ خان کو دیکھ کر مینا نے چپکے سے کہا "میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں!

حاتم نے مینا سے پوچھا "تمہاری گھڑی میں کیا ٹائم ہے؟" پھر اپنی گھڑی دیکھی، سُرخ نقطہ روشن تھا۔ حاتم نے گھڑی کان سے لگائی یعنی یہ دیکھنے کے لئے کہ گھڑی چل رہی ہے یا نہیں۔

"نہیں کم سے کم خان سے کوئی خطرہ نہیں" حاتم کہنے لگا "اُسے تو بس نسوار چاہیئے یا پھر بیوی۔ ہمارا موکل کہتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اُسے مل جائیں گی۔ رہے انکل تو اُن کی کھوپڑی میں بھیجا نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ وہ محض کھو کھلے ہیں۔ پھر بھی وہ جب تک ہم سے مطمئن نہ ہوں گے ہم اس گمنام قاتل تک نہیں پہنچ سکتے تم ذرا خان کو بلاؤ!"

مینا نے خان کو بلایا تو حاتم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اچانک چھوڑ دیا "منحوس!" خان مرعوب ہو کر گھبرا گیا۔ "تم ابھی تک کنوارے ہو؟"

"اد خو حضرت جی۔ ہمارا اخوند مر گیا۔ اد خو سرکار انکل کہی خان! اُم تمہارا شادی کرے گا۔"

"لیکن تمہاری منگنی تو ہو گئی خان! ہم سے چھپاتا کیوں ہے۔ ہمارا موکل جھوٹا نہیں۔"

خان پیر جی کے قدموں میں گر گیا "حضرت جی! آپ عالم الغیب ہے۔ خدا کی قسم آپ عالم الغیب۔ لڑکی کی اخوند پانچ ہزار مانگتا۔ امارے پاس نئیں۔ اُم مجبور ہے اد خو حضرت جی!"

اچانک انکل کمرے میں آ گئے۔ "خان! ہم پانچ ہزار کا انتظام کر دیں گے۔ تم جاؤ۔" اس کے بعد مینا سے "پانی دم کرا کے ایلہ کے پاس لے جاؤ۔"

"جی بہت اچھا۔ وہ سو رہی ہے۔ میں اُسے جگا آتی ہوں۔"

"نہیں۔ وہ جاگ گئی ہے۔ میں جاتا ہوں۔"

انکل نہایت پھرتی سے نکل گئے۔ دو منٹ کے بعد آواز آئی:

"آپی ۔۔۔!" اور کمرے میں نقرئی کھنک گونج گئی۔

"اندر آ جاؤ نیل!" مینا نے اندر سے جواب دیا اور وہ کواڑ کھول کر اندر آ گئی۔

"آداب!" اُس نے خالص مغلیہ درباری انداز میں جھک کر سلام کیا۔ پھر بغلوں میں ہاتھ دے کر

کسی قدر جھکی جھکی کھڑی رہی۔ اینلہ نہایت حسین وجمیل، متناسب اعضاء پھول سی لڑکی تھی۔ اس نے سیاہ چوڑی دار پاجامہ اور اودے رنگ کا جمپر پہن رکھا تھا۔ حاتم، باوجود اس کے وہ بہت ہی متقی اور دیندار نوجوان تھا، اُسے یوں لگا جیسے مشرق کے افق سے پورا چاند نکل آیا۔ اینلہ کا چہرہ چاند کی طرح سفیدی اور زردی مائل اُجلا تھا۔ بڑی بڑی بھوری آنکھیں جن میں نیند کا سرخی مائل خمار اور خوف کے سائے رینگ رہے تھے جیسے شفق کے رنگ میں صبح کا روشن ستارہ پھیکا پڑ جاتا ہے۔

"نیل!" مینا بولی "تمہارے علاج کے لئے پری کو لائی ہوں" اور یہ کہہ کر مینا کمرے سے نکل گئی باہر سبک قدموں سے ٹہلتے ہوئے آرہے تھے۔ مینا کو دیکھ کر یوں اباؤٹ ٹرن ہوئے گویا وہ یہ جتانا چاہتے تھے کہ ٹہل رہے ہیں۔

"تشریف رکھئے مس اینلہ! یقیناً آپ اینلہ ہی ہیں۔"

"یہ کمرہ" وہ لجائی سی آواز میں جمپر کے کونے کو مروڑتی ہوئی بولی "بہت گندہ ہے۔ میں اپنے ساتھ والا کھلواتی ہوں!"

"میرا موکل ساری گندگی دور کردے گا۔ میں جو حکم دوں گا آپ کو کرنا ہوگا۔"

اس نے بڑی بڑی آنکھیں جھپکیں۔ حاتم کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر نکل گئی۔ یہ ایک جوان اور اجنبی لڑکی کا دھچکا تھا۔ حاتم اس کے حرکات وسکنات دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا؟" مینا نے اندر آتے ہی پوچھا "وہ اتنی جلدی واپس چلی گئی۔ آپ نے کوئی۔۔۔۔؟"

"ہاں، میں نے" حاتم نے دروازے کے سامنے سایہ سا گزرتا دیکھ کر کہا "اس سے کہا تھا کہ تم کو ہر حال اپنے والد محترم کا کہنا ماننا چاہیے۔"

"لیکن ایک بات اور ہے۔۔۔۔۔۔" حاتم نے مینا کو اس طرح گھورا کہ وہ سہم کر رہ گئی اسی وقت ل کا پیغام آیا کہ پری کو ڈائننگ روم میں لے آئیں۔

"دیوار گوش دارد! مینا! دلوار کے کم ۔۔۔"

"تھینک یو۔ اِس وقت کھانے کی میز پر اس ڈرامے کے چار کردار ہوں گے۔ میں، آپ، انیلہ اور انکل۔ نیل بہت پریشان ہے۔"

"اور آنٹی؟" حاتم نے پوچھا۔

"ان کو انکل نے خوابگاہ میں بند کر رکھا ہے۔ نیل کو بھی اُن سے ملنے کی اجازت نہیں" مینا نے دبی زبان سے کہا

"اِس وقت انکل ڈائننگ روم میں ہیں نا!"

"جی۔ نیل کا خیال ہے کہ انکل آنٹی پر تشدد کرتے ہیں۔ آنٹی اُن کی بیوی ہیں۔ مشرقی شوہر کو بیوی پر بڑے اختیارات ہیں۔"

"آج کل کے نام کے مسلمانوں کا یہی ذہن ہے۔"

"حاتم صاحب! آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ وہ تو بیوی کے عاشق تھے۔"

"اچھا۔ میں اپنے موکل سے کہوں گا۔" اسی وقت ڈائننگ روم میں گھنٹی بجی۔

"نیل آگئی۔" مینا حاتم کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے آگے حضرت جی اور پیچھے نہایت ادب کے ساتھ مینا تھی۔ راستے میں نیل مل گئی۔

"آپی! ڈیڈی پیر جی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مس صاحبہ! میں جو کہوں، آپ وہ کریں گی۔" حاتم نے چپکے سے کہا اور سب کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔ انکل ریاض تعظیم بجا لائے۔ حاتم بیٹھا ہی تھا کہ اچانک اُس پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ غرایا

"میرا موکل کہتا ہے کہ اِس وقت انیلہ اور میں چائے پیوں۔" مینا اور انکل فوراً ڈائننگ روم سے نکل گئے۔ برآمدے میں میز اور کرسی ڈلوا دی اور وہیں دونوں چائے پینے لگے۔ لیکن انکل کے کان ڈائننگ روم کی طرف تھے

"مس انیلہ! دیکھئے، یہ رتّی بھر سفوف ہے۔ اِس پر چالیس راتیں میں نے 'یا مولف القلوب' کا ورد کیا ہے۔ آپ اِسے چائے میں ڈال کر پی لیں اور اپنے والد بزرگوار کا کہنا مان لیں۔"

"حضرت جی!" انیلہ نے حاتم کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا "میں ہرگز ڈیڈی کا کہا نہ کروں گی۔"

"تو میرا موکل آج ہی تمہارا گلا گھونٹ دے گا۔" حاتم چیخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"نہیں نہیں!" اچانک انکل ریاض اور مینا دوڑ کر کمرے میں آ گئے۔ "نہیں حضرت جی! انیلا میری بیٹی ہے۔ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے۔ اسے زندہ رہنا ہے۔ میں اس کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔"
انکل ریاض نے مینا سے کہا "حضرت جی کو نیل کے کمرے میں لے جاؤ، شاید نیل بات سمجھ سکے۔"

# نیل کا اعتماد

حاتم یہی چاہتا تھا۔ اس کے موکل نے اسے یہی پیغام بھیجا تھا۔ خاموش کمرے میں حاتم نے انیلہ سے کہا "جب تک ہمارا تعارف نہیں ہو جائے گا اعتماد قائم نہیں ہو سکتا۔ نیل! میں تیرا بھائی ہوں۔ میں تجھے، ماں کو اور انٹی کو لینے آیا ہوں۔"
نیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ صاحب کو گھورنے لگی۔
"بھروسہ کرو نیل! نواب سید ریاض حسن خاں کا چھوٹا بھائی سید صادق حسین زندہ ہے۔ خدا نے فضل فرمایا۔ مینا جانے کیسے ہمارے پاس پہنچ گئی۔"
انیلہ دنگ رہ گئی۔ "بھائی صاحب! میں آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔"
"تو پھر" حاتم نے کہا "تم اس سرکس میں ہمارے رنگ ماسٹر کے اشارے پر کام کرو گی۔"
"بالکل! رنگ ماسٹر کہاں ہے؟" انیلہ مضبوط لہجے میں بولی۔
"اس سرکس کا رنگ ماسٹر میرا موکل ہے جو تم سامنے نہیں آ سکتا۔ سمجھیں! کل انکل کے سامنے صاف انکار کے ساتھ یہ بھی کہو گی کہ اپنی حضور کے سامنے چیک پر دستخط کر دوں گی۔"
"میں نے" نیل کو جھٹکا سا لگا "ڈیڈی پر کبھی یقین نہیں کیا۔ مجھے ان کی محبت میں وہ پدرانہ شفقت نہیں دکھی۔ وہ مجھے پاس نہیں آنے دیتے۔ وہ مجھے پیار نہیں کرتے۔ دوسرے باتیں کرتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ مجھے اور آپی کو امی حضور سے ملنے کیوں نہیں دیتے۔ خدا جانے ڈیڈی کو کیا

ہوگیا ہے۔ وہ جیسے میرے ڈیڈی ہی نہیں رہے۔"

"میرا یقین تجھ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا، عزیز بہن!"

"تو پھر میرے اطمینان کی بدیہی صورت کیا ہے؟"

"دستخط کرنے کے لئے امّی حضور کی موجودگی کی شرط۔"

"ڈیڈی ہرگز منظور نہ کریں گے۔"

"میں انکل سے نبٹ لوں گا، میرے پاس دوسرے سفوف بھی ہیں۔" حاتم مسکرایا اور نیل بھڑ سی گئی۔

"سُن، پیاری بہن! میں نے گرم لوہے پر بھاری چوٹ لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تیری زندگی کا تمام تر انحصار تیری قوت ارادی پر ہے۔ اسی لئے تو زندہ ہے یا زندہ رکھی جا رہی ہے۔ تیرے کسی دشمن کو تیرے دستخط کی ضرورت ہے۔ جس لمحے تیرے قلم کی سیاہی چیک پر چپک گئی تیری زندگی۔۔۔۔" قدموں کی چاپ سُن کر حاتم نے بات بدل کر کہا "تو آپ دستخط کریں گی؟ کہو 'ہاں'۔ شاباش!"

"ضرور کروں گی۔"

"شاباش! اچھے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں!"

نیم وا دروازہ کھلا۔ انکل مسکراتے ہوئے اندر آگئے۔ پیچھے پیچھے مینا تھی۔ مینا نے اشارے سے نیل کو بلایا اور باہر چلی گئی۔

"نیل آپ کا خون ہے" حاتم نے انکل ریاض سے کہنا شروع کیا لیکن وہ آپ سے اس قدر بدظن کیوں ہے۔ میں نے اُسے بے حد سمجھایا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"لیکن" انکل ریاض بولے "میرے کانوں نے سُنا کہ وہ دستخط کر دے گی۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن یہ میرے سفوف کا اثر ہے۔ اگر آپ اُس پر شفقتِ پدرانہ انڈیل دیں تو وہ بڑی اطاعت گذار بیٹی ثابت ہوگی۔ وہ اپنی ماں سے ملنے کو بے چین ہے۔ اُسے ملنے دیجئے۔ اور سنئے، اگر آپ نے تمام تدبیریں کرنے کے بعد مجھے بلایا ہے تو مجھے حق ہے کہ میں آپ کی بنیادی الجھن کا سبب جانوں یا پھر ہو کل

خود ہی سارے راز افشا کر دے گا۔ آپ میرے موکل کو چیلنج نہ کریں۔"

حاتم نے دیکھا کہ انکل ریاض کو جھرجھری سی آئی۔ انھوں نے لرزیدہ لہجے میں کہا کہ میں پھر آپ سے مشورہ کروں گا۔

"مگر سنئے! ایک منٹ! نیل کی شرط یہ ہے کہ وہ آپ کی حضور کے سامنے دستخط کرے گی۔"

"بہتر ہے۔ یہ دو گھونٹ پانی ہے، اس پر دم کر دیجیے۔" پھر انکل ریاض کمرے سے نکل گئے۔

حاتم نے کہا "مینا اور نیل کو بھیج دیجیے۔ میں اس شرط کے ہٹانے کی بھی کوشش کروں گا۔"

مینا اور انیلہ نے اندر آ کر بتایا کہ انکل بڑی تیزی سے کار پر باہر گئے ہیں۔ خان کہہ رہا تھا کہ وہ شام تک ضرور آجائیں گے۔

"اب کھل کر باتیں ہوں" حاتم نے کہا اور اس نے وہ جملہ پورا کیا جو انکل کے اچانک آجانے سے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے کہا "جس لمحے تیرے قلم کی سیاہی چیک پر چیک جائے گی تیری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"تو کیا ڈیڈی مجھ پر یہ ظلم کریں گے؟"

"ڈیڈی نہیں، وہ گمنام قاتل جس نے عباد اور عماد کے سر اتارے ہیں۔ وہ گمنام قاتل انکل ریاض کو ... [illegible] کیے بغیر نہ چھوڑے گا۔"

"لیکن اس سے میری زندگی کو خطرہ کیوں ہے؟"

"اندیشہ ہے کہ تو دستخط کرنے کے بعد بینک پہنچ جائے اور کیش پے نہ ہونے دے۔"

"تو پھر کیا کروں؟"

... میرے موکل نے" حاتم ہنسا اور مینا اور انیلہ دونوں نے برا سا منہ بنایا "میرے موکل نے ابھی تک ... [illegible] نہیں کی۔"

... صاحب! موکل سے ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی؟"

... لیکن کہانی کے ڈراپ سین کے بعد ... [illegible]

یا پھر میں اپنے موکل سے پوچھوں؟"

# ایک دردناک منظر

پھر نہ جانے کیوں انکل ریاض روزانہ کار پر باہر جاتے رہے۔ شام کو آتے رہے۔ وہ حاتم اور انیلہ پر بہت مہربان تھے۔ اُن کی زبان پر بار بار یہ آتا "اب ہم تمہاری امی کا علاج برطانیہ میں کرا سکیں گے۔" حاتم اس جملے پر گھبرا گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اپنے کمرے میں جا کر پڑ گیا۔ مینا پیچھے پیچھے پہنچی۔ انیلہ بھی گئی۔ حاتم نے دونوں سے معذرت کی "دیکھو کبھی کبھی مجھے تنہا بھی چھوڑ دو۔" انیلہ اور مینا اپنے اپنے کمرے میں گئیں تو حاتم نے دروازے کی سٹکنی لگا دی۔ گھڑی کی کوک پر ہاتھ رکھا۔ سرخ نقطہ ظاہر ہوا:

"ہیلو ڈیر حاتم! میں بہادر بول رہا ہوں۔ کچھ داتہ پانی ملا؟"

"کچھ نہیں۔ خاندانی جھگڑا لگتا ہے۔ ایرنا ہے؟"

"نہیں۔ وہ بینک گئی ہے۔ اُس نے نوکری کر لی ہے۔"

"کس بینک میں؟"

"جس بینک میں نواب سید ریاض حسن خاں کا حساب کھلا ہے۔"

"یعنی آپ کا مقصد یہ ہے کہ اگر انیلہ دستخط بھی کر دے تو بھی چیک کیش نہ ہو۔"

"یہ تو ایرنا نہیں کر سکتی مگر وہ چوہے سے چیک کتروا سکتی ہے۔"

"چوہا؟"

"یس مائی ڈیر حاتم! اُس چوہے کا سراغ میں نے لگا لیا ہے۔"

"کس چوہے کا؟"

"جس کی آواز انکل ریاض کی جیب سے آتی ہے۔

"مجھے بھی دکھاؤ۔"

"جان کا جوکھم ہے۔"

"میں ایک مجبور کو بچانے کے لئے جان کو جوکھم میں ڈال دوں گا۔ یہاں اتنے دن ہو گئے کچھ نہ ملا۔"

"ایک المیہ سین وہیں ہے۔ آپ کے کمرے کے پیچھے ایک کمرہ ہے جس کے روشندانوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ آج رات اس کے اندر کا سین دیکھو۔ پھر کل رات دوسری جگہ پھر دکھاؤں گا۔"

گھڑی کا سُرخ نقطہ اچانک غائب ہو گیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ اب ضروری باتیں مکمل طور پر ہو چکیں۔ اب وہ رات کا انتظار کرنے لگا۔

حاتم کو بارہ بجے رات تک نیند نہیں آئی۔ بہادر سنگھ کی ہدایت کے بموجب وہ ٹھیک بارہ بجے پلنگ سے اٹھا، کھڑکی کھولی اور باہر اندھیرے میں کود گیا۔ پنجوں کے بل کھڑکیوں کے روشن شیشوں سے بچتا ہوا دبیز پردوں والے کمرے کی طرف بڑھا۔ خواب گاہ روشن تھی اور کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ حاتم شیشے ٹٹولنے لگا۔ شاید کوئی شیشہ ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کی خوش قسمتی سے ایک جگہ شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی جگہ گتہ لگا ہوا تھا۔ اس نے ذرا سا دباؤ ڈال کر گتہ ٹیڑھا کر دیا۔ آنکھ کے برابر اندر کے ریشمی پردے کو ایک طرف کیا تو سانس روک کر رہ گیا۔ اندر کا منظر کتنا بھیانک تھا! ایک نہایت خوبصورت عورت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ سفید رسّی سے بندھے ہوئے تھے اور رسّی کا سرا روشندان کے سریا میں اٹکا ہوا تھا۔ اس خوبصورت عورت کے منہ پر کالے رنگ کا ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک السیشین کتا بیٹھا تھا اور دونوں کے بیچ ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ بند دروازے پر کھٹکا ہوا۔ انکل ریاض اندر آئے۔ انھوں نے کمبل سے ہاتھ نکالا اور ایک چپاتی عورت کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ عورت نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں دیکھوں گا" انکل نے چپاتی برتن میں پھینک دی "تم کب تک اپنی قوتِ ارادی کا مظاہرہ کرو گی۔ اچھا لو، یہ پانی ہے۔ کچھ حلق تر کر لو۔" عورت نے پھر نفی میں سر ہلایا تو انھوں نے شیشے کا گلاس ملکے منہ پر پھینک مارا۔ پھر دیوار کے سہارے رکھا ہوا بید اٹھایا اور پوری قوت سے عورت کے

سینے پر چوٹ ماری۔ عورت نے زور سے سر کو جھٹکا اور پھر تن کر کھڑی ہو گئی۔ سینے پر نیلا سانپ اُبھر آیا تھا۔ "کل رات سے دوسرا سین شروع ہو جائے گا عشرت بیگم!" انکل نے بید رکھ دیا۔ "وہ سین تمہاری بیٹی کو دکھایا جائے گا۔ تم کتے کی ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو گی اور انیلہ کی آنکھیں ہوں گی۔ یہ میرے تشدد کی ابتدا ہو گی عاشی!" انکل نے قہقہہ لگایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حاتم نے سانس لیا اور وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ حاتم نے جو منظر دیکھا تھا اور جو باتیں اُس نے سُنی تھیں وہ سب کچھ ایسا نہ تھا کہ کمرے میں سکون سے سو جاتا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو گھڑی کا رُخ نقطہ اُبھار کر بہادر سنگھ سے باتیں کرنے لگا:

"ہیلو مسٹر حاتم! میں بہادر بول رہا ہوں۔ دیکھ لیا سب کچھ!"

"ہاں! دیکھا نہ جا رہا تھا مگر دیکھتا رہا۔"

"تو کیا سمجھے؟" بہادر سنگھ نے پوچھا۔

"میرے خیال میں بیچ کی کڑی غائب ہے۔ میں انکل ریاض کو وہ گمنام قاتل نہیں کہہ سکتا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ انکل ریاض کو گمنام قاتل نے مجبور کر دیا ہے اور وہ چیک پر انیلہ سے دستخط کرانے کے لئے تشدد پر اُتر آئے ہیں۔"

"مینا کا پارٹ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ رِنگ ماسٹر کی ہدایت پر عمل کر رہی ہے۔ میں نے انیلہ پر اپنے کو ظاہر کر دیا۔"

"تو ڈرامے کا لطف کھو دیا آپ نے۔ خیر!"

"مجھے اِس حال میں یہاں کتنے دن اور رہنا ہے؟"

"اگر آپ جلد چھٹکارا چاہتے ہیں تو انیلہ کو قربان کر دیجئے اور اُس کے دستخط کرا دیجئے۔"

"قربان! میں تو اُسے بچانے آیا ہوں۔"

"اُسے خدا کے سوا کوئی نہیں مار سکتا۔"

"مجھے اطمینان دلائیے۔"

"وہ تو ایرنا آپ کو مطمئن کرے گی۔"

"کیسے؟"

"وہ کہتی ہے کہ اس نے گمنام قاتل کو پا لیا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"وہ نہیں بتاتی۔ کہتی ہے کہ بینک کے اندر دکھاؤں گی۔"

"بینک کے اندر......!"

اچانک سُرخ نقطہ غائب ہوگیا اور حاتم اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔ وہ پلنگ پر جا لیٹا اور سو گیا۔

دوسرے دن جیسے ہی انکل ریاض کی کار گیٹ کے باہر ہوئی حاتم انیلہ کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا انیلہ شاید کھڑکی سے اُسے دیکھ رہی تھی ورنہ وہ ضرور گھبرا جاتی۔

"اچھا ہوا آپ آگئے" وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی "میں آپ ہی کی طرف آرہی تھی۔ میں اس زندگی سے اُکتا گئی ہوں۔ ابھی ابھی ڈیڈی آئے تھے۔ میں نے غیر مشروط طور پر رضامندی دیدی ہے"

"میں بھی اس وقت یہی کہنے آیا تھا۔ اپنے ڈیڈی سے پورا پورا تعاون کیجئے میرا مطلب ہے کہ چیک کیش کرانے میں شاید کوئی اُلجھن پڑ جائے۔ اتنی بڑی رقم....."

"اوہ! کوئی بات نہیں" وہ بول اُٹھی "ڈیڈی اُن کے پرانے اور معزز اکاؤنٹ ہولڈر ہیں۔ بینک اتنی رقم اُن کو اوور ڈرافٹ کی بھی دے سکتا ہے۔"

"اچھا سنئے! اب میری ضرورت تو رہی نہیں لیکن اب میں دو تین دن اپنی ضرورت سے ٹھہروں گا۔ عید یہیں کروں گا۔"

لفظ 'عید' سن کر انیلہ کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے تھرتھرائے لیکن وہ نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"پھر ہم عید ایک ساتھ منائیں گے۔ اور بھائی سے عیدی لیں گے۔" وہ سسک کر رونے لگی۔

"کاش آپ اپنے کو ظاہر کرتے ہوئے یہاں آئے ہوتے اور بہن بھائی کھل کر مل سکتے! انسان کتنا بے بس حساس ہے!"

"یہی احساس" حاتم نے جواب دیا "انسان کو فرشتوں سے ممتاز اور افضل بناتا ہے۔ نیل! اس ت میں شاہ جی بن کر نہیں، تیرا بھائی بن کر بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ بھائی صاحب!" اینلہ بکھرنے لگی "یہ عارضی لمحات پانی کے بلبلے ہوتے ہیں۔"

"لیکن ہم بلبلے نہیں نیل! ہم انسان ہیں، چٹانوں کی طرح ٹھوس بھی اور پھولوں کی طرح نرم بھی۔۔ رے رسولؐ نے ہمیں حوصلہ مند رہنے کی تعلیم دی ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللہ فرماتا ہے۔"

"مگر عورت تو مرد کا ضمیمہ ہے بھائی صاحب! قرآن نے ساری فضیلت آدم کو دے دی حوا کو م چھلاوا بنا دیا۔"

"نہیں نیل! لتسکنوا الیھا۔ دونوں ایکدوسرے کے لئے تسکین کا باعث ہیں۔"

"خوب! جیسے ڈیڈی اور امی حضور!"

حاتم کے سینے میں گھونسہ سا لگا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ حاتم نے اپنی مجبوری محسوس کی۔ آہ! وہ ہن کے لئے کچھ نہ کر سکا "نیل! جاؤ اپنے کمرے میں۔ میں بھی اپنے کمرے میں جاتا ہوں۔"

## ڈراپ سین

دن بیت گیا۔ اب انکل ریاض کو شاہ صاحب کی زیادہ پرواہ نہ رہی تھی۔ حاتم رات کو لیٹا لیٹا سوچ رہا تھا کہ بہادر سنگھ نے سراغ لگا لیا ہے۔ اس نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ کیا ایسا تو نہیں کہ گمنام قاتل انکل ریاض کے ساتھ سائے کی طرح ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ حاتم کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ بینا کئی بار بلا اجازت کمرے میں آئی لیکن حاتم کو متفکر پا کر کچھ نہ بولی۔

"بینا! پرچی کا موکل باغی ہو گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں بتاتا۔ اب کیا کروں!" حاتم نے کہا۔ بینا نے جواب دیا "میں کیا عرض کر سکتی ہوں معاملہ لب بام پہنچ گیا ہے۔" "اور تمہاری برکت والی بات جھوٹی ہو گئی۔ سچ ہے جھوٹے سہارے آدمی کو لے ڈوبتے ہیں۔ سہارا

صرف اللہ رب العزت کا ہوتا ہے" حاتم نے کہا۔ ینا بولی "حاتم صاحب! میری ارادت میں فرق نہیں آیا۔ آپ کیا مایوس ہو گئے؟"
"نہیں ینا! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب مایوسی کی آخری حد پر پہنچ جاتا ہے تو اُس کا خدا اس کا مسئلہ حل کر دیتا ہے۔ آج میں نے گڑگڑا کر دعا کی ہے۔ تم کو نیند نہیں آتی۔ جاؤ سو جاکر۔"

ینا چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد ٹھیک بارہ بجے سناٹوں کو چیرتی ہوئی شیر کی دہاڑ حاتم کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے اچھل کر کمبل پھینکا، گھڑی دیکھی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹارچ اور کمبل لیا کھڑکی کو احتیاط سے کھولا۔ باہر جھانک کر دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ باہر نکل گیا۔ شیر کہیں قریب ہی دہاڑا تھا۔ اندر ہونے کی وجہ سے آواز کی سمت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ حاتم نے گھڑی دیکھی اور آہستہ سے کہا "پلیز! کہاں ہو؟" اسی وقت شیر پھر دہاڑا۔ حاتم آواز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ایک جھاڑی کے پاس پہنچا۔

"رات کا سلام!"

اور بہادر سنگھ سرسراتا ہوا جھاڑی سے نکل آیا۔ حاتم نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ پھر اندھیرے میں چل کر دونوں ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ "راوی کیا کہتا ہے؟" حاتم نے بہادر سنگھ سے پوچھا۔

"راوی کہتا ہے" بہادر سنگھ ہنسا "بالکل نئی بات، جسے میرے سوا کسی نے دیکھا نہیں، جسے میرے سوا کسی نے سُنا نہیں، سنو! کہنے والے کو ثواب نہیں، سننے والے کو عذاب نہیں۔ میں کہانی کے ڈراپ سین کے لئے اوقات کو مختصر کرنا چاہتا تھا۔ شکار کی تلاش میں اُدھر ریسٹ ہاؤس کی طرف چلا گیا۔ وہاں کسی بوڑھے انگریز کی روح بستی ہے۔ حاتم صاحب! میں نے اُسے کراہتے سُنا۔ وہ بوڑھا انگریز یقیناً سگار پیتا ہے۔ میں نے کھڑکی سے سُن گن نہیں چاہی۔ مجھے سگار کی بو آئی۔"

"میری بھی اِس روح سے ملاقات کراؤ۔ کبھی کبھی روحیں بڑے کام آتی ہیں مگر وہ تو زندہ انگریز ہوگا۔ کچھ جانچا؟"

"نہیں۔ چلو کچھ سُن گن لیں۔"

اور دونوں ریسٹ ہاؤس کی طرف چل دیے۔

ریسٹ ہاؤس کی پرانی عمارت جنگل کے وسط میں تھی۔ دونوں دس منٹ میں عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ انک روشندان روشن ہوا اور پھر اندھیرا ہوگیا۔

"دیکھا!" بہادر سنگھ نے حاتم سے کہا "اس نے سگار سلگائی ہے۔ اچھا، آپ آگے جائیں میں آپکی حفاظت کروں گا۔"

"یعنی خطرہ ہے؟"

"یقیناً!"

حاتم بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا لیکن سوکھے ہوئے پتّے قدم قدم پر ماحول کو بیدار کر رہے تھے۔ حاتم جیسے ہی دبے پاؤں شکستہ گیٹ سے داخل ہوا، سر کے پچھلے حصّے پر دھماکہ دار چوٹ پڑی اور حاتم ذہن جھنجھناتا ہوا اندھیرے میں ڈوب گیا۔

اب وہ ایک کمرے میں تھا جس کی دیواریں میلی اور مکڑی کے جالوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انگیٹھی میں ٹیبل لیمپ جل رہا تھا جس کے میلے شیشے دھندلا کر رہ گئے تھے۔ حاتم کو دیکھ کر نگران چوکس ہوگیا۔

"بھائی! میری گھڑی تو واپس کر دو" حاتم نے اپنی خالی کلائی دیکھتے ہوئے کہا "تاکہ دیکھ کر لوٹا دوں گا۔"

نگراں نے دائیں جانب بند دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے دروازہ شور کے ساتھ کھل گیا۔ اندر آنیوالا انسان ہی تھا لیکن اس قدر بھیانک اور کریہہ انسان آج تک حاتم کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ اُسکے چہرے پر ناک نام کی کوئی شے نہ تھی۔ ناک کی جگہ دو گڑھے تھے جن سے اس کا حلق دکھائی دے رہا تھا۔ بدن بڑا صحت مند اور توانا تھا۔ وہ حاتم کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ غور سے دیکھتا رہا پھر بولا:

"اِس طرف آنے کا مقصد اگر سچ سچ بتا دو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔" وہ ناک کے سوراخوں سے گنگنایا۔

"حضور! آپ کی ناک کہاں ہے!" حاتم ڈرا نہیں۔

"بکو نہیں!" اس نے ہاتھ اٹھایا۔

ابھی ہاتھ اٹھانے کا ردِ عمل نہیں ہوا تھا کہ نکٹے کے پاؤں میں کوئی ٹھوس چیز آکر گری۔ پھر دھماکہ ہوا پھر

کمرے میں دھوئیں کے کثیف بادل پھیل گئے ۔ حاتم اپنی جگہ سے کودا ۔ اس اندھیرے میں کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اُسے کھینچا اور وہ کھنچتا چلا گیا ۔

بہادر سنگھ کی ہوشیاری نے بروقت کام کیا ۔ اُس کے ساتھ کوٹھی پر پہنچا ۔ وہ باہر ہی سے رخصت ہو گیا ۔ حاتم اپنے کمرے میں داخل ہوا تو صبح کا ستارہ خاصہ اُوپر آچکا تھا ۔ جنگل مُرغوں کی بانگ سے گونج رہا تھا ۔ حاتم کو نیند لگ رہی تھی ۔ سوچا کہ ذرا کمر لگا لے تو اُٹھ کر نماز پڑھے لیکن وہ سو گیا ۔ اور پھر جیسے کسی نے دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا ۔

اور حاتم کی آنکھ کھل گئی ۔ نیند سے بوجھل آنکھیں مَلتا ہوا اُٹھا اور دروازہ کھول دیا ۔

"حاتم صاحب !" دروازہ کھلتے ہی مینا چیخی "وہ سب غائب ہیں !"

"کون سب ؟"

"انیلہ ، آنٹی اور انکل ۔" مینا شدتِ غم سے رو پڑی ۔

"اور تم ؟"

"میں سوئی پڑی رہی ۔ مجھے جگایا نہیں !"

"اور چیک ؟"

"رات ہی انیلہ نے تمہاری موجودگی میں سائن کر کے انکل کے حوالے کر دیا تھا ۔"

"کس کے نام ؟"

"سیلف ۔"

"چلو ، کھیل ختم پیسہ ہضم میں بھی اپنا بوریا بستر گول کرتا ہوں میرا موکل بھی بھاگ گیا ۔"

"آپ ... آپ نہیں جاسکتے ! آپ ... آپ دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیے ۔ معاملہ آخر تک پہنچ گیا آپ

سوچتے کیوں نہیں!"

"میں سوچنے کے لئے نہیں لایا گیا ہوں۔ میں تو برکت کے لئے لایا گیا ہوں مسلمان لڑکی! احمق مینا خدا پر بھروسہ کرنے کے بدلے ایک ناتجربہ کار راؤنڈرے کی ارادت میں گرفتار ہو گئی۔ نتیجہ دیکھ لیا!"

اسی وقت گیٹ کے باہر ہارن کی آواز آئی۔ حاتم اُدھر دوڑا۔ پیچھے مینا بھاگی۔ ایک جیپ اور ایک کار کھڑی تھی۔ پاس ہی ایک لمبی خوبصورت نیلی آنکھوں والی آسٹرین لڑکی اور ایک سکھ نوجوان کھڑا تھا۔ حاتم دوڑ کر جیپ میں بیٹھ گیا اور اُس کے ساتھ سکھ نوجوان۔ مینا کو آسٹرین لڑکی نے گھسیٹا اور کار میں دھکیل دیا۔ اب آگے آگے جیپ اور پیچھے کار روانہ ہو گئیں۔ مینا حیران تھی کہ یہ اجنبی کون ہیں اور یہ سب ریوالور اور اسٹین گن اور کارتوسوں سے لیس کیوں ہیں۔ کار آسٹرین لڑکی خود چلا رہی تھی۔ کار نہایت تیز چل رہی تھی۔ آگے آگے جیپ بھی طوفانی رفتار سے جا رہی تھی۔

"حاتم صاحب!" بہادر سنگھ نے کہا "یہ ہمارا فائنل راؤنڈ ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتے مقابل ٹیم کیسی اور تعداد میں کتنی ہے۔ ویسے اگر دشمن عقلمند ہے تو اُسے تنہا ہی ہونا چاہیئے۔ پھر بھی احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ میں باہر کور کروں اور آپ اندر جائیں۔ ڈریں نہیں۔ دشمن آج فیصلہ کن جنگ لڑے گا۔ آج عید کا دن ہے۔ دشمن کا وار ہونے سے پہلے ہی اُسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ ہمارے سب آدمی خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔"

حاتم اسٹین گن جوڑنے لگا اور جب مینا کار سے اُتر کر اُس کے پاس آئی تو حاتم نے اُس سے کہا:

"میرے ساتھ چلنا ہو تو اپنی حفاظت آپ کرو۔" اور اُس نے مٹھی میں چھپ جانے والا ریوالور مینا کی طرف اچھال دیا۔ ایرنا بہادر سنگھ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بہادر سنگھ نے اُسے اشارہ کیا کہ بوڑھے انگریز کے کمرے کو نگاہ میں رکھے۔ کوئی اندر نہ جانے پائے۔

حاتم لپکتا جا رہا تھا۔ مینا ساتھ تھی اور کچھ نہ سمجھ رہی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ سامنے گیٹ کھلا تھا۔ ایک آدمی گیٹ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُس کا سر ہی نظر آ رہا تھا۔ حاتم نے پہچانا۔ وہ خان تھا۔ اب حاتم نے

مینا سے کہا "میں کو ریج دوں گا۔ تم بے دھڑک گیٹ کے اندر داخل ہو جاؤ۔ خان روکے تو گھبرانا نہیں۔ تم یہاں انیلہ، انکل اور آنٹی کی تلاش میں آئی ہو بس۔ شاباش! حوصلہ کرو۔ میں پیچھے آرہا ہوں۔ تم گولی مت چلانا۔ کوئی پکڑلے تو چپکی اُس کے ساتھ چلی جانا۔"

"میں اپنے پیاروں کے لئے آگ کے سمندر میں بھی کود سکتی ہوں۔"

وہ تیر کی طرح آگے بڑھی۔ گیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ حاتم جھاڑی میں چھپ گیا۔ اچانک خان بندوق تانے مینا کے سامنے آگیا۔ وہ ذرا بھی نہ ڈری۔ اُس نے ہاتھ نچایا:

"وہشت نمبر حرام! میں انکل کو ڈھونڈنے آئی ہوں۔" اور اندر داخل ہو گئی۔ خان کی بندوق کی نال اس کی پشت کے قریب تھی۔ اچانک سامنے کے دروازے سے انکل برآمد ہوئے۔ انکل ریاض برآمدے میں کھڑے مینا کو دیکھ رہے تھے۔ خان مینا کے پیچھے مستعدی سے کھڑا تھا۔ انکل ریاض نے ادھر اُدھر دیکھا۔ پھر خان کو گیٹ پر بھیج دیا اور مینا کو ساتھ لے تیز تیز قدم کمرے میں چلے گئے۔ حاتم کا ہاتھ اسٹین گن کے دستے پہ مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ خان ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر گرا اور اس کے ساتھ ہی حاتم کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ہینڈز اپ" حاتم چیخا اور اس کی آواز انکل کے قہقہے میں دب گئی۔

"اوہ انکل! آپ یہاں! میں سمجھا تھا وہ نکٹا ڈاکو یہاں ہو گا۔"

"ادھر آؤ۔ یہاں، میرے پاس،" انکل ریاض اچانک سنجیدہ ہو گئے "ہم ایک بہت بڑی اُلجھن میں پھنس گئے ہیں۔ انیلہ اپنی ماں کے ساتھ اچانک کہیں بھاگ گئی ہے۔ معلوم نہیں اُس نے یہ حرکت کیوں کی۔ میری خواب گاہ سے چیک بک بھی غائب ہے۔"

"انکل!" حاتم بولا "وہ سب پلازہ میں فلم دیکھنے گئی ہوں گی۔ پتہ نہیں عورتیں ایسی بھیانک فلم کیسے گوارا کر لیتی ہیں۔ توبہ انکل! اس فلم کا ہیرو نکٹا ۔ ۔ ۔"

انکل ریاض کو جھٹکا سا لگا۔ اُنھوں نے حاتم کو گھور کر دیکھا

"گھبرانے کی ضرورت نہیں انکل!" پھر مینا سے مخاطب ہوا "مینا! انکل کی تلاشی لو!"

مینا بڑی الجھن میں تھی۔ اُس نے انکل کو اسٹین گن کی زد میں دیکھ کر حاتم کے حکم کو ٹال دیا اور انکل سے کہا "انکل بتا دیجئے! انیل کہاں ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ آنٹی کو لے کر بھاگ گئی ہو۔"

"اچھا!" انکل نے چہرہ گھما کر مینا کی طرف دیکھا "کچن میں جا کر دیکھو!"

مینا نے چاہا کہ کچن کی طرف جائے کہ باہر سے آواز آئی:

"نہیں، خبردار مِس مینا! آپ کی وہیں ضرورت ہے۔ باہر کی پروانہ کریں۔ باہر سب خیریت ہے۔"

مینا نے سامنے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ بہادر سنگھ کھڑکی سے کمرے کے اندر دیکھتے دیکھتے باہر ہی کسی سے کہہ رہا تھا "ایرنا! گوری کو کنارے والے کمرے سے نکال لاؤ لیکن ہوشیار! اُس کا نگران بڑا بے رحم ہے۔" ایک لمحے کے اندر کتا شیر کی طرح گرجا اور پھر ایک دھماکے کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

"میں تھک گیا ہوں حاتم!" انکل بولے "اگر چاہو تو تلاشی لے کر مجھے ہاتھ نیچے کر لینے دو۔"

"ایک منٹ انکل! یہ فیصلہ نیل ہی کرے گی۔"

"نہیں نہیں!" انیلہ اندر داخل ہوتے ہی بدحواسی کے انداز میں چیخی "تم ڈیڈی کو چھوڑ دو۔ مجھے قتل کر دو۔" انیلہ باپ کی طرف لپکی۔ حاتم چیخا:

"بہادر سنگھ! میں دو طرف توجہ نہیں دے سکتا۔"

اچانک ایرنا نے بڑھ کر اُس پھول سی لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔ انیلہ کو ایرنا کی گرفت میں دیکھ کر مینا بھی بپھر گئی۔ وہ غرّائی "حاتم صاحب! تم ہماری توہین کر رہے ہو۔" وہ حاتم کی طرف بڑھی۔ اسی وقت بہادر سنگھ اندر آ گیا۔ اُس نے مینا کو پکڑ لیا "مِس مینا! دوست دشمن کو پہچانو اور مِس انیلہ کو سہارا دو۔" پھر مینا نے کوئی حرکت نہیں کی۔

"یہ... یہ... کیا ہو رہا ہے مینا!" انیلہ نے سسک کر مینا سے کہا "یہ تو حاتم ہے۔ تمہارا اپنا آدمی!"

"رنگ ماسٹر صاحب!" حاتم نے بہادر سنگھ سے کہا "ڈراپ سین کیجئے۔ میں بھی تھک گیا ہوں اور انکل بھی۔ اور یہ لڑکیاں بہت ہی نروس ہو رہی ہیں۔"

"ایک منٹ" بہادر سنگھ نے کہا "ڈرامے کے سارے کرداروں کو ابھی اسٹیج پر ہونا چاہیے۔ ایرنا! جاؤ انھیں بھی لے آؤ۔" اور پھر آگے بڑھ کر بولا "حاتم صاحب! آپ بیٹھ جائیے اور انکل بھی ہاتھ نیچے کر سکتے ہیں لیکن اُن کی کسی حماقت کی ذمہ داری میں قبول نہیں کروں گا۔"

"شکریہ!" انکل نے ہاتھ اس طرح گرائے جیسے درخت کی اَدھ ٹوٹی شاخ لٹک جاتی ہے۔

بہادر سنگھ نے حاتم سے اسٹین گن لے لی۔ حاتم بھی پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

اتنے میں ایرنا آگے آگے اور پیچھے ایک کمزور بوڑھا انگریز جو منہ میں سگار دبائے تھا، آتا دکھائی دیا۔ ساتھ ہی ایک عورت بھی تھی جو صرف ایک چادر سے لپٹی تھی۔ نیل دیکھتے ہی دوڑی "امی حضور، امی حضور!" اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ دوسری طرف مینا بوڑھے انگریز کے گلے سے جھول گئی "وہ انکل یہ اسٹین گن کی زد میں دوسرا انکل ریاض کون ہے؟"

"ہاں، تو...." بہادر سنگھ نے کہا "آپ اپنی کہانی خود سنائیں گے یا میں ٹیپ کا بٹن دبانے کے لئے ہاتھ بڑھاؤں۔ اور ہاں، لڑکیاں بہت متحیر ہیں۔ آپ کی نقاب کشائی ہو جانا چاہیے۔"

"نہیں نہیں....!"

"ایرنا! اِن حضرت کا اصل روپ سب کو دکھاؤ تاکہ اطمینان سے کہانی سن سکیں۔"

ایرنا نے آگے بڑھ کر انکل کا جھکا ہوا چہرہ بالوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ انیلہ اور مینا نے چیخ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"انیلہ! دیکھ لو۔ یہ آپ کے ڈیڈی کا نہیں، آپ کے دو معصوم بھائیوں کے قاتل کا چہرہ ہے۔"

پھر بہادر سنگھ نے کہا "ہاں، نکٹے صاحب! الف سے اللہ ب سے بسم اللہ....!"

"کیا میں سگار پی سکتا ہوں!" نکٹے نے اجازت چاہی۔

"ٹھہرئے!" بہادر سنگھ نے کہا "ایرنا! آؤ ہم دونوں باہر کھڑے ہو کر کہانی سنیں گے۔"

"میں جانتا ہوں" نکٹا دھواں اگلتے ہوئے بولا "میں بازی جیت کر ہار گیا۔ تم بہر حال مجھ

سب کچھ اُگلوا لوگے اِس لئے اپنی کہانی سُناتا ہوں : ۔

# نکٹے کی کہانی

میرا نام اسلم ہے ۔ میں اور یہ ریاض صاحب ، ہم دونوں کلاس فیلو تھے ۔ اُن دنوں کالج میں ایک لڑکی عشرت سُلیمان کا بڑا چرچا تھا ۔ یہی عشرت جو اب عشرت ریاض ہیں اور جن کی گود میں نیل بیٹھی ہے ۔ وہ عشرت سُلیمان جس قدر خوبصورت تھی اُسی قدر مغرور ، منہ پھٹ اور مُنہ چھُٹ بھی مشہور تھی ۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ کس طرح ہم ، یعنی میں اور ریاض اپنی اپنی راہ چل کر عشرت کے قریب ہوئے ۔ ریاض ایک نواب کا لڑکا تھا ۔ ریاست مرج ہو جانے پر بھی اُس کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کے ذریعہ وہ حسینۂ عالم کو خرید سکتا تھا ۔ اور میں ایک غریب بیوہ کا بیٹا تھا ۔ ریاض جیسے کہ نواب زادے ہوتے ہیں ، علم سے بے پروا تھا ۔ میں روشن ذہانت سے نوازا گیا تھا اور توانائی میں ریاض سے بڑھ کر تھا ۔ میں اور ریاض مقناطیس کے دو ایسے طاقت ور ٹکڑے تھے جن کے درمیان عشرت ایک ننھی سی کیل کی طرح جکڑی ہوئی تھی ۔ وہ ابھی تک دولت اور ذہانت میں سے کسی ایک خوبی کو اپنانے کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی ۔

پھر بی ۔ اے ۔ پاس کر کے میں نے ملازمت کر لی ۔ میں عشرت کو بھول جاتا لیکن ایسا ہوا کہ ریاض کے باپ کا انتقال امریکہ میں ہو گیا ۔ ریاض کو امریکہ جانا پڑا اور وہ ایک عرصے تک واپس نہیں آیا ۔ عشرت نے اپنے حسن کی جھولی ذہانت کی گود میں ڈال دی اور پھر ہم نے شادی کر لی ۔ شادی کے بعد ایک دن عشرت بوکھلائی ہوئی آئی اور بتایا کہ آج سپر مارکیٹ میں ریاض مل گیا تھا ۔

" ریاض ؟ " میں چونکا " وہ امریکہ سے آ گیا ! "

" ہاں ! " عشرت بولی " وہ تم سے ملنا چاہتا ہے ۔ وہ باہر کھڑا ہے ۔ "

" اچھا ، تو میں اُس سے ملتا ہوں ۔ وہ کوئی جن تو ہے نہیں ! " عشرت کو تسلی دے کر میں باہر نکلا ۔

وہ ایک لمبی کار پر کہنی ٹکائے سگار پی رہا تھا۔ اُس نے مجھے دیکھ کر دور ہی سے باہیں پھیلا دیں۔ میں بھی دوڑ کر اُس سے لپٹ گیا۔ بڑی عزت سے اندر لایا شام کا کھانا اُس نے میرے ساتھ کھایا اور رات گئے رخصت ہو گیا۔

ایک مہینے کے بعد اچانک ریاض میرے آفس میں آ گیا۔ میں بینک میں بطور سکنڈ آفیسر کام کرتا تھا۔ آتے ہی اُس نے تاخیر سے ملنے کی معذرت کی اور پھر بڑے پُرخلوص انداز میں میرے مالی حالات پوچھنے لگا۔ میں نے بتایا کہ بس کھاتا پیتا ہوں باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ بولا:

"میں ایک بھائی بن کر آیا ہوں۔ سرمایہ میرے پاس ہے۔ تمہارے پاس ذہانت ہے۔ دولت اور ذہانت مل کر کاروبار میں انقلاب برپا کر سکتی ہیں۔ کیا تم میرے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہو؟"

ایسی شاندار آفر میں کیسے ٹھکرا سکتا تھا۔ بینک کی ملازمت چھوڑ کر ریاض کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ ہم نے شوگر مل لگایا۔ میں سارا دن مصروف رہتا۔ ریاض کبھی کبھی ہی آتا۔

ایک رات کی بات ہے۔ میرے گھر میں چار نقاب پوش گھس آئے۔ عشرت اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی تھی۔ میں نے تن تنہا مدافعت کی لیکن ڈاکوؤں نے مجھے دبوچ لیا اور میری ناک کاٹ دی۔

مجھے شبہ ہی نہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ ریاض نے کرایا ہے۔ وہ عشرت کو مجھ سے چھین لینا چاہتا تھا اس لئے میری صورت مسخ کرادی۔ میں بہت دنوں اسپتال میں رہا۔ زخم ٹھیک ہونے پر باہر نکلا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ تھا۔ شرمندگی سے بچنے کے لئے وہ شہر اور پھر ملک چھوڑ دیا۔ میں ریاض کو معاف کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے معاف کر بھی دیا لیکن ایک مدت کے بعد جب وطن آیا تو معلوم ہوا کہ عشرت مسز ریاض بن چکی ہے اور وہ کئی بچوں کی ماں ہے۔ یہ سُنا تو انتقام کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی اور میں ایک بھیانک منصوبہ بنا کر ریاض کے سر پر سوار ہو گیا۔ وہ ہر ماہ مجھے پانچ ہزار روپیہ دیتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بلیک میل ہونے سے انکار کر دیا۔ میں نے دباؤ ڈالا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک ایک کر کے اُس کے دو بچے قتل ہو گئے لیکن وہ رقم ادا کرنے پر راضی نہ ہوا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ذہنی طور پر

ناکارہ ہوگیا ہو۔ تب میں نے مجبور ہو کر دوسرا پلان بنایا۔ میں نے ریاض کا نقلی چہرہ تیار کیا اور ریاض کو اپنی گرفت میں لے کر خود اُس کی جگہ آگیا۔ عشرت کو بھی اُس سے الگ کر دیا۔ اِن دونوں کو الگ کر کے اب انیلہ میری زد میں تھی۔ میں اُس کی دولت ٹھکانے لگانے لگا۔۔۔۔۔۔

"آخر تم کرنا کیا چاہتے تھے؟" حاتم نے پوچھا "تمہارے دُکھ کا علاج دولت میں تو نہ تھا!"

"پتہ نہیں۔۔۔" وہ بولا "میں کیا کرنا چاہتا تھا، رقابت کہہ لیجئے۔ اب عشرت مجھے قبول نہیں کر سکتی تھی۔ میرے اندر کی آگ مجھے چین نہ لینے دیتی۔ میں اِس آگ کو سرد کرنا چاہتا تھا۔"

بات ختم کر کے اسلم کچھ دیر خاموش رہا، پھر پرسکون انداز میں بولا "میرے دل میں جو آگ بھڑک رہی تھی اب وہ بالکل بجھ گئی۔ چلو مجھے قانون کے حوالے کر دو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ اسلم! اگر تمہاری زندگی معصوم بچوں کے خون سے رنگی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنی طرف سے چھوڑ دیتا لیکن اِس وقت دونوں بچوں کے وارث موجود ہیں۔ میں اُن سے سفارش کر سکتا ہوں کہ تم کو معاف کر دیں، مجبور نہیں کر سکتا۔"

"انیلہ بیٹی!" اسلم بولا "۔۔۔ اور ریاض بھائی اور عشرت! مجھے افسوس ہے کہ ہم تم ایک غلط تعلیم و تربیت میں رہے اور تینوں ہی برباد ہو گئے۔ یہ معصوم نیل بھی متاثر ہوئی۔ جو کچھ ہوا اُس کی تلافی ممکن نہیں۔ بینک بیلنس محفوظ ہے جسے میں کل تباہ کر دیتا۔۔۔"

"ٹھہریے!" ایرنا اور بہادر سنگھ آ کر کرسی پر بیٹھ گئے "تم ایسا نہیں کر سکتے تھے" ایرنا نے بتایا "کل جب تم بینک جاتے تو تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوتیں۔ اور وہاں چہرہ نمائی ہوتی تو یہاں سے زیادہ دلچسپ منظر ہوتا۔"

اسلم نے ایرنا کی طرف توجہ نہیں دی۔ اُس نے شیروانی کے بٹن کھول کر اندرونی جیب سے چیک بک نکالی اور چیک پر سائن کر کے دے دی۔

"مسٹر حاتم! کیا مجھے معاف کر دیا گیا؟"

حاتم نے انیلہ، مینا، ریاض صاحب اور عشرت صاحبہ کی طرف دیکھا۔ ان سب نے سر نیچا کر لیا۔
"اچھا!" اسلم نے کہا "مسٹر حاتم! کچھ گھٹن محسوس کر رہا ہوں۔ کھڑکی کھول دو۔ تازہ ہوا کھاؤں۔"
حاتم نے کھڑکی کھول دی اور اپنی کرسی پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اچانک اسلم اچھلا اور کھڑکی سے باہر کود گیا۔ بہادر سنگھ باہر بھاگنے والا تھا۔ حاتم بولا:
"جانے دو، خس کم جہاں پاک۔ اب وہ دنیا میں ظاہر نہ ہوگا۔"
حاتم سب کو لے کر مکان پر گیا۔ وہاں سب نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ مینا اور نیل نے کھانا تیار کیا کھا پی کر فارغ ہوئے تو حاتم نے انکل ریاض سے کہا:
"سید صادق حسین صاحب زندہ ہیں اور وہ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے بھائی کو آپ سے ملاؤں گا۔"
انکل ریاض رونے لگے "آہ میرا بھائی! میں نے اس پر بڑا ظلم کیا تھا۔" سبھی رونے لگے بہت دیر کے بعد طبیعت سنبھلی۔ طے پایا کہ کل ہی یہاں سے سارے لوگ سید صادق حسین صاحب کے گھر چلیں گے

# آمدِ بہار

سید صادق حسین صاحب عاصم صاحب اور عائشہ سے باتیں کر رہے تھے۔ تذکرہ یہ تھا کہ حاتم اور مینا کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ نہ کوئی خط آیا نہ تار، نہ خیریت معلوم ہوئی۔ عائشہ بہت اداس ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کہنے کے لئے "ابا جان! ابا جان!" کہتی اور پھر کچھ نہ کہہ پاتی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لاتی اور آنچل سے دو بڑے بڑے آنسو پونچھ کر سر جھکا لیتی۔ سید صاحب اور عاصم صاحب سمجھ جاتے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ دونوں بزرگ تسلی اور دلاسے کی باتیں کرنے لگتے۔
"یہ تو ظاہر ہے کہ حاتم ایک خاص مہم پر گیا ہے۔ وہ انشاء اللہ جلد ہی واپس آجائے گا۔ ہمیں ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔"

مُکھیا ابوالحسن، ابوالاعلیٰ، بابا اور سب بچّوں بچّیوں کو لے کر فوراً آجائیں۔ اور دیکھئے! دلیر سنگھ اور اُس کے گروجی کو بھی سلام کہئے گا۔

خوشی کا اثر بھی خوب ہے۔ ابھی سیّد صاحب تھوڑی دیر پہلے عائشہ کو سمجھا رہے تھے۔ اب اُن کی حالت قابلِ دید تھی۔ وہ نہایت تیز تیز بول رہے تھے۔ ابھی کسی سے مخاطب ہیں۔ ابھی دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ آنے والے مہمان بھائی کے حسبِ مراتب استقبال کیلئے مسعود انجینیر کو احکام دینے لگے۔ وہ تو کہئے عاصم صاحب نہایت متین بزرگ اور معتدل مزاج کے آدمی تھے۔ انہوں نے سارا کام اور اہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا ورنہ سیّد صاحب تو بوکھلائے ہوئے تھے۔

"عاصم صاحب! میرا بھائی تو اب بہت ہی عشرت پسند ہے"

اِس جملے پر عاصم صاحب مسکرائے اور سیّد صاحب کے لفظ 'عشرت پسند' کی داد دی۔ سیّد صاحب بھی مسکرائے۔ عاصم صاحب اپنی باحکمت باتوں سے سیّد صاحب کو پھر اعتدال پر لے آئے۔ دوسرے دن دلیر سنگھ تین کاروں پر چمرودھا کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو لادلایا۔ اُس نے بتایا کہ مبارک، وشوناتھ اور سوشیلا شام تک آئیں گے۔ وہ تینوں چمرودھا میں حاتم اور نواب صاحب کا استقبال بڑے پیمانے پر کرنے والے ہیں۔ بوڑھے اور بزرگ، چودھری اور مکھیا وغیرہ حاتم اور نواب صاحب کا وہیں انتظار کریں گے۔

کاملہ، حسنیٰ، حسینہ، سوشیلا وغیرہ کے آجانے سے عائشہ کی عید ہوگئی۔ "اری دیوانی! تُو تو ابھی تک تیار نہیں ہوسکی" کاملہ نے عائشہ کی چٹکی لی اور اُس کے بالوں میں کنگھا کرنے لگی۔

"اِسے کبھی کپڑے پہننا بھی آیا ہے! وہ تو حاتم بھائی کے سامنے پوری ہی گنواروں کیطرح کھڑی ہو جائے گی" حسنیٰ نے عائشہ کے دونوں گالوں کو تھپتھپایا اور اُس کے کپڑے دیکھنے لگی۔

چنچل حسینہ بولی "دیکھ حاتم بھائی سے نخرہ نہ کرنا۔ مبارک باد دینا۔ اور دیکھ! رونا نہیں مگر تو رونے کے سوا اور کیا کرے گی۔ مورکھ! دیوانی!!"

عاصم صاحب کی اہلیہ محترمہ کچھ ہدایتیں دینے لڑکیوں کی طرف گئیں ۔ وہ یہ سب دیکھ سُن کر مسکرائیں
اور کچھ کہے بغیر واپس ہوگئیں ۔ سوشیلا کو چھوڑ کر سب ہی لڑکیاں غیر سنجیدہ ہو رہی تھیں ۔

" اری لڑکیو! جلدی کرو ۔ مرد سب تیار ہو گئے اور تم ابھی تک پھوہڑ بنی پھر رہی ہو" عاصم صاحب
کی اہلیہ نے سب کو ڈانٹا ۔
" چچی جان! ذرا اُن کے اس پھوہڑ عائشہ کو تو دیکھئے ۔ یہ جمپر کی آستینوں میں پیر ڈال رہی ہے
حسینہ کے اس جملے پر محل میں اس زور کا قہقہہ بلند ہوا کہ عاصم صاحب اور رسید صاحب ایکدوسرے کو دیکھنے لگے
" ان عورتوں کو ہرگز ساتھ نہیں لیجانا چاہیئے ۔ یہ منٹوں کے گھنٹے لگاتی ہیں ۔"
" ابو! ٹھہرئے ۔ میں لاتا ہوں سب کو" مبارک کھنکھار کر محل میں گیا اور اس نے کاملہ کو
پکڑ کر گھسیٹا ۔
" ارے میں تو آ رہی ہوں ۔ یہ حسنیٰ دیر کر رہی ہے ۔"
مبارک کی دیکھا دیکھی حسن نے حسنیٰ کو گھسیٹا اور اس طرح ہنستے بولتے سب کاروں میں
آبیٹھے ۔ آگے پیچھے پانچ کاریں دلی کی روڈ پر رواں دواں ہوگئیں ۔ فضل نے مسعود انجینیر کو سارا کام
سونپ دیا تھا اور وہ پہلے ہی روانہ ہو چکا تھا ۔ اُس نے جامع مسجد کے پاس ایک بہترین ہوٹل میں
پانچ کمرے ریزرو کرا لئے تھے ۔
" اے! بی عائشہ! ذرا اپنی ساس کو دیکھنا ۔ یہ چوڑی دار پاجامہ ، یہ لکھنوی کرتہ ، ہلکے رنگ کا
دوپٹہ ، سُنہری جاکٹ پہنے ، پان سے گال پُھلا رکھے ہیں ۔" حسینہ چنچل سے نہ رہا گیا اور لڑکیوں نے
اپنے اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لئے ۔ پھر بھی ہنسی پھوٹ پڑی ۔
" اُئے ہے حسینہ! کیسی بدتمیز ہے تو ۔ ہم بوڑھیوں سے ٹھٹھول کرتی ہے ۔"
" جی ہاں چچی جان! اس کی تو زبان کاٹ دینا چاہیئے ۔" اچانک حسینہ چیخی " اوئی اللہ مار ڈالا

## عائشہ نے "چچی جان! اِس نے تو میری ران کی بوٹی نوچ لی۔"

طے یہ پایا تھا کہ سب لوگ سیدھے اسٹیشن چلیں گے اور وہیں سے نواب صاحب اور اُن کے قافلے کو ساتھ لے کر ہوٹل پہنچیں گے۔ ٹھیک دو منٹ پہلے سب پلیٹ فارم پر تھے اور اب ہر ایک کی نگاہ ٹرین کے انجن پر تھی جو دھواں اُڑاتا بڑی تیزی سے آ رہا تھا۔ ٹرین جیسے ہی پلیٹ فارم پر رُکی، سب فرسٹ کلاس کی طرف دوڑے۔

مبارک، حسن اور دوسرے لڑکوں نے عائشہ، حسنیٰ اور حسینہ وغیرہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور اِس طرح بڑھ کر وہ بھی ڈبے کے پاس پہنچ گئے تھے۔ وہاں بڑا دردناک منظر تھا۔ نواب سیّد ریاض حسن خاں صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو پہچان لیا تھا۔ اُنھوں نے اپنی ضعیفی کا خیال بھی نہ کیا۔ اگر حاتم انھیں پکڑ نہ لیتا تو وہ گر ہی پڑتے۔ نواب صاحب نے سیّد صادق حسین کو گلے سے لگا کر سینے سے بھینچ لیا اور رونے لگے۔ سیّد صاحب بھی سسکیاں لے رہے تھے۔ عاصم صاحب نے حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ حاتم کی والدہ صاحبہ نے عشرت جہاں بیگم کو اُتارا اور ان سے گلے ملیں۔ لڑکیوں نے انیلہ، ایرنا اور امینہ (مینا) کو دبوچ لیا۔ بہادر سنگھ دلیر سنگھ سے مل کر باتیں کرنے لگا۔ سب ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر خوشی۔ بڑا پیارا منظر تھا۔ بہت سے مسافر اِس منظر کو کھڑے ہو کر دیکھنے لگے تھے۔ لبوں پر تبسم تھا اور آنکھوں میں آنسو۔ مینا انیلہ کو سیّد صاحب کے سامنے لائی اور انیلہ نے مغلیہ انداز میں سلام کیا۔ دوسری طرف عائشہ اور حسنیٰ وغیرہ نے نواب صاحب کو سلام کیا۔ دونوں بزرگوں نے لڑکیوں کو پیار کیا اور دعا دی

نواب صاحب کو میزبان مردوں اور لڑکوں نے اور عشرت جہاں بیگم کو میزبان عورتوں اور لڑکیوں نے گھیرے میں لے لیا۔ سب بڑے احترام کے ساتھ انھیں اسٹیشن سے باہر لا رہے تھے۔ فضل اور دلیر سنگھ بہادر سنگھ کی رہنمائی میں سامان لدوا کر قلیوں کے ساتھ تھے۔ باہر آ کر سب کاروں میں

بیٹھے۔ اِس کے بعد ہوٹل پہنچے۔ وہاں نہائے دھوئے۔ کھایا پیا۔ اِس کے بعد طے پایا کہ دو گھنٹے آرام کرکے نظام الدین چلیں گے۔ پھر لال قلعہ دیکھیں گے اَور قطب مینار اَور دوسرے مشہور مقام بھی دیکھیں گے۔ اِس طرح کا پروگرام بنایا گیا۔ لڑکیوں کو تاکید کردی گئی کہ سوسائٹی کی مرضی کے مطابق پروگرام پر عمل ہو گا۔

نواب صاحب اَور سیّد صاحب بیسیوں بار دہلی دیکھ چکے [illegible] لوٹ آئے اَور ہوٹل میں باتیں کرنے لگے۔ مسئلہ زیرِبحث یہ تھا [illegible] گزاریں گے۔ انھیں یہ معلوم ہو ہی چکا تھا کہ بھائی کا نگریس [illegible] تو اپنی جائداد کے سلسلے میں مشورہ کرنے لگے۔ سیّد صاحب نے نواب صاحب کو یقین دلایا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اِس کے بعد نواب صاحب نے تصدّق اَور مصدّق کے بارے میں پوچھا۔ سیّد صاحب نے بتایا کہ دونوں فارغ ہوگئے ہیں۔ تصدق انجینیر ہے اَور مصدّق ڈاکٹر۔ میں نے دونوں کو تار دے دیا ہے۔ وہ ہفتہ عشرہ میں اَمریکہ سے آجائیں گے۔

"میرا ارادہ ہے کہ نیلی اَور مینا کی شادیاں کرکے حاتم کے ساتھ چمرودھا میں رہوں۔ کاش! تم بھی وہیں رہتے!"

"بھائی صاحب! لڑکوں کو آلینے دیجیے۔ اُن کا رجحانِ طبیعت معلوم ہو جائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ دونوں بچے آپ کے ہر حکم پر سر جھکا دیں گے۔"

رات گئے دِلّی دیکھنے والے تھکے تھکائے واپس آئے۔ سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا اَور پھر اپنی اپنی جگہ سو گئے۔ صبح کو بہادر سنگھ اَور ایرنا نے حاتم سے رخصت چاہی۔ حاتم نے اُن سے چمرودھا آنے کا وعدہ لیا اَور مشورہ دیا کہ نواب صاحب سے ضرور اجازت لے لیں۔

بہادر سنگھ اَور ایرنا نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نواب صاحب نے دونوں کو گلے لگایا۔ ایرنا کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جیب سے ایک لفافہ نکال کر ایرنا کو دیا۔ بہادر سنگھ

جاسوس سمجھ گیا کہ اِس لفافے کے اندر کیا ہو سکتا ہے۔ اُس نے ایرنا کو اشارہ کیا ایرنا سمجھ گئی۔ اُس نے انگریزی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا:

"میں آپ کی بیٹی ہوں۔ اِس لفافے میں جو کچھ ہے مجھ کو آپ سے اُس سے زیادہ قیمتی شئے چاہیئے!"

"کیا؟ میری بیٹی! میں دوں گا۔ اِس لفافے میں ایک لاکھ کا چیک ہے۔"

"مجھے حاتم نے بتایا ہے کہ دعا سے بڑھ کر قیمتی چیز کوئی نہیں۔ میں آپ سے دعائیں چاہتی ہوں۔" اُس نے لفافہ واپس کرنا چاہا۔

"بہادر سنگھ!" نواب صاحب نے کہا "میرا رویاں رویاں تم دونوں کے لئے دعا کرتا رہے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم دونوں میرے ساتھ رہو؟" اِس کا جواب کچھ آسان نہ تھا۔ قدرے توقف کے بعد بہادر سنگھ نے کہا:

"انکل! میں ایرنا سے مشورہ کر کے عرض کروں گا۔"

"اچھا۔ خدا حافظ میرے بچو۔ میں تمہارے خط کا انتظار کروں گا۔۔۔ اور ہاں، ایک ضروری بات اور سنتے جاؤ۔۔۔" نواب صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے انکل!"

"شاید تم دونوں کو جلد ہی پھر آنا پڑے۔"

"کب تک۔۔۔؟"

"یہ بات صادق میاں بتائیں گے۔ تصدّق اور مصدّق کے آنے کے بعد۔۔"

"بہت اچھا۔"

بہادر سنگھ اور ایرنا نے سلام کیا، دعائیں لیں اور کار پر جا بیٹھے، اسٹیشن پہنچے اور وہاں سے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حاتم نے اسٹیشن تک ساتھ آ کر انھیں رخصت کیا۔

لڑکے اور لڑکیاں چاہتی تھیں کہ کئی دن رہ کر دہلی کو خوب اچھی طرح دیکھا جائے لیکن سید صاحب بھائی اور بھابی کو لے کر جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتے تھے اور نواب صاحب اور عشرت جہاں بیگم بھی سیّد صاحب کے گھر جلد پہنچنے کے لئے اِشتیاق ظاہر کر چکے تھے چنانچہ تیسرے دن نواب صاحب کے حکم سے دلیر سِنگھ سب کو لے کر واپس ہو گیا۔ گھر پہنچ کر دلیر سِنگھ سیّد صاحب کا رات بھر مہمان رہا۔ پھر حاتم سے مشورہ کر کے دوسرے دِن مبارک کے ساتھ چمرودھا چلا گیا۔ باقی لڑکوں اور لڑکیوں کو حاتم کی والدہ نے روک لیا کہ یہ سب بعد میں آ جائیں گے۔

سیّد صاحب بھائی، بھابی، بھتیجی اور بھانجی کے آنے سے اِتنے خوش تھے کہ جیسے کہتے ہیں کہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ انجینیر مسعود نے سیّد صاحب کے مکان اور کمروں کو بڑے قرینے سے سجایا تھا۔ پُرانا سامان غریبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور نیا فرنیچر، نئے پردے، فرش فروش، بستر، صوفوں کے غلاف، عمارت اور کواڑوں پر بہترین پالش کرا کے سب کچھ نیا کر دیا تھا۔

سیّد صاحب نے ایک ڈنر کا انتظام کیا۔ ڈنر کا نظم وشوناتھ کے ذمّے کیا گیا۔ وشوناتھ نے حاتم کے مشورے سے معززین شہر کی فہرست بنائی۔ حکّام کے نام بھی دعوت نامے بھیجے گئے۔ طعام کا ٹھیکہ ایک مشہور ہوٹل کو دے دیا گیا۔ ڈنر کی جگہ کے لئے میونسپل بورڈ کا میدان تجویز کیا گیا۔ نواب صاحب اور سیّد صاحب کی رائے لے کر ڈنر کے پروگرام میں حاتم کی تقریر کا اِضافہ کیا گیا۔ واضح کر دیا گیا کہ حاتم اپنی اِس مہم کا حال بیان کرے گا۔ وشوناتھ نے حاتم سے کہا کہ وہ تقریر کے نوٹس تیار کر لے۔ کوئی بات چھوٹنے نہ پائے۔ میں پریس نمائندوں کو بھی لاؤں گا۔

حاتم کی تقریر کیا تھی، ایک حیرت انگیز اور عبرت خیز کہانی تھی۔ سُننے والوں نے ہمہ تن گوش ہو کر سُنا اور پریس نمائندوں نے ٹیپ ریکارڈ کیا۔ پھر یہ دلچسپ کہانی اخبارات میں آئی تو شیلا

نے بڑی فصاحت سے انگریزی میں اس کہانی کو ترتیب دیا اور اس کی نقلیں انگریزی اخبارات کو بھیج دیں۔ انگریزی اخبارات نے ایک ہی قسط میں پوری کہانی دے دی۔ اس طرح حاتم کی اس مہم کا تذکرہ غیر ملکوں میں پہنچا۔ اس کا خوش کن نتیجہ یہ سامنے آیا کہ بیرونِ ملک سے مبارک باد کے خطوط آنے لگے اور کئی ملکوں کے لوگوں نے حاتم کو اپنے یہاں آنے کے لئے دعوت نامے بھیجے۔ اسلامی تنظیم طلبہ کی شاخیں مارشس، نیروبی اور امریکہ میں بہت سرگرمی سے کام کر رہی تھیں۔ ان تین جگہوں سے خاص طور پر دعوت نامے آئے۔

اُدھر حاتم کے نام چمر ددھا سے روزانہ خطوط آ رہے تھے۔ مبارک کا اصرار تھا کہ جلد آئیے، بہت سی پرانی ڈاک آپ سے متعلق رکھی ہے۔ لیکن سید صاحب اور نواب صاحب کا اصرار یہ تھا کہ تصدق اور مصدق آلیں تو سب لوگوں کے ساتھ حاتم بھی جائے گا۔

حاتم کا وقار بزرگوں کے دلوں میں بھی تھا۔ ایک دن فضل نے آکر کہا "چھوٹے میاں! نواب صاحب کے کمرے میں آپ تشریف لے جائیں۔" حاتم نواب صاحب کے کمرے میں گیا تو وہاں عشرت جہاں بیگم، سید صاحب، عاصم صاحب اور وشو بابو پہلے سے موجود تھے۔ حاتم سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ وہ سلام کر کے وشو کے بائیں طرف جا بیٹھا۔

"کیوں حاتم میاں۔۔۔!" نواب صاحب نے فرمایا "کیا رائے ہے تمہاری۔ تم نیل اور امینہ کے مزاج سے واقف ہو۔ تصدق اور مصدق کے ساتھ اُن کا جوڑ کیسا رہے گا؟"

"بہت عمدہ!" حاتم کی زبان سے برجستہ نکلا "میں نے دونوں بھائیوں کے خطوط دیکھے ہیں۔ سید ابا نے مجھے دئے تھے۔ دونوں بھائی، اس میں شک نہیں کہ امریکہ میں تعلیم پاتے رہے اور بیشک وہ امریکن تہذیب کو اپنائے ہوئے ہوں گے لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دونوں اسلامی تنظیم طلبہ سے متاثر ہیں۔ اس لئے میں اُنھیں فعّال نوجوان قیاس کرتا ہوں۔ انشاءاللہ

دونوں بھائیوں کو آپ حضرات اسلام کا شیدائی اور مشرقی نوجوان پائیں گے۔"

"تو کم سے کم یہ بات امینہ اور نیل کے سامنے آجانا چاہیے تاکہ وہ بھی سوچ لیں۔ کیا رائے ہے عاصم صاحب! عائشہ دونوں لڑکیوں کا عندیہ لے سکتی ہے۔"

"آپ کا خیال بہت خوب ہے!" عاصم صاحب نے جواب دیا۔ حاتم نے رائے دی کہ سوشیلا بھابی بہت ہی ذہین اور سنجیدہ ہیں۔ عائشہ کے بجائے وہ بہت زیادہ موزوں ہیں گی۔ کیوں دشو بابو! آپ فرمائیں!

"میری رائے ہے کہ تم خود کیوں نہیں کہتے۔ دونوں تم سے بہت متاثر ہیں۔"

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ فضل ایک پرچہ لے کر آیا اور اس نے حاتم کو دے دیا۔ حاتم نے پڑھا اور سید ابّا کو دے دیا "حاتم! فوراً آؤ۔ نیل رو رہی ہے۔" سید صاحب نے وہ پرچہ پڑھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے اجازت دے دی کہ جلد پہنچو اور دیکھو کہ بات کیا ہے۔

حاتم نیل کے کمرے میں گیا۔ وہاں عائشہ، سوشیلا، امینہ اور انیلہ بیٹھی تھیں۔ انیلہ کے چہرے رخ بدل رہے تھے۔ امینہ بھی اداس نظر آرہی تھی۔

عائشہ نے بتایا کہ آج نیل نے معمولی کھیر کافی سے ابھی ہم دو گولے کھیر کھائی نہ تھی کہ جانے کیوں رونے لگی۔ امینہ بھی اداس ہے۔ سوشیلا بھابی نے کتنا پوچھا۔ دونوں کچھ بھی نہیں بتاتیں۔

"بھائی صاحب!" امینہ نے کہا۔ "آپ اقرار کریں گے کہ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ ہمارے سے اچھے جانتے ہیں [illegible] خیال رکھئے۔ ہم دونوں کی تمنا یہ ہے کہ [illegible] رائی اور جو کام آپ کر رہے ہیں [illegible]

تصدق اور مصدق آئے۔ دونوں کو سب ہی نے پسند کیا۔ ان دونوں نے مشرقی تہذیب اور اسلامی نظریات کو اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ دونوں نماز کے پابند تھے۔ بزرگوں کا ادب و احترام کرتے تھے۔ حاتم کے بارے میں دونوں نے اخبارات میں پڑھ رکھا تھا۔ حاتم سے وہ ملے تو اُسی کے ہو کر رہ گئے۔ اپنی دونوں بہنوں سے پہلے دن تو وہ بڑی بے تکلفی سے ملے۔ اُنھیں امریکہ کے تحفے دیئے لیکن دوسرے دن دیکھا گیا کہ جب نیل اور آئینہ اُن کے سامنے آئیں تو دونوں سنجیدہ ہو گئے۔ نیل اور آئینہ اِس متانت کو پا گئیں اور وہ بھی محتاط ہو گئیں۔ اِس سے سب نے سمجھ لیا کہ درپردہ دونوں طرف پسندیدگی ہے۔

نواب صاحب جوانی میں کیسے ہی رہے ہوں لیکن اب وہ بہت ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے ذرا بھی تکلف سے کام نہ لیا۔ تصدق اور مصدق بھائی کے چشم و چراغ تھے۔ لڑکیوں میں ایک بیٹی اور دوسری بھانجی تھی۔ اُنھوں نے نہایت سادگی سے نکاح پڑھوا دیا۔ دعوت ولیمہ میں بھی تکلف نہیں کیا۔ ہاں، اِس تقریب میں نواب صاحب نے خیر خیرات کا خاصہ مظاہرہ کیا۔ مسکینوں کو تلاش کر کے اُن کی دعائیں لیں۔ مسجدوں میں کافی رقم دی۔ یتیم خانوں میں منی آرڈر کئے گئے۔ اِس کے بعد اصرار یہ تھا کہ جلد چمرودھا چلا جائے۔

حاتم نے مبارک کو تار دے دیا۔ پروگرام کے مطابق طے یہ پایا کہ جمعہ کی نماز چمرودھا کی مسجد میں پڑھی جائے گی۔ نواب سیّد ریاض حسن خاں صاحب نے عشرت جہاں بیگم سے کچھ چپکے چپکے باتیں کیں اور صرف اپنی ایک خاص اٹیچی اُٹھا کر کار میں جا بیٹھے۔ گھر والوں کو ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رفضل سے کہا گیا کہ وہ سامان لے کر شام تک پہنچ جائے۔ پھر آگے پیچھے چار موٹریں چمرودھا کی سڑک پر دوڑنے لگیں۔

چمرودھا میں چودھری فاروق صاحب نے بڑے اعزاز کے ساتھ اِس قافلے کا خیر مقدم کیا۔

انھوں نے ایک مختصر سی نشست بلوائی تھی جس میں بابا، مکھیا وغیرہ اور کچھ اساتذہ تھے۔ مبارک اس تقریب کا مہتمم تھا۔ مبارک نے بڑی خوبصورتی سے سب کا تعارف کرایا۔ پھر اپنی کارگزاری دکھانے لے چلا۔ مسجد تو مکمل ہو چکی تھی۔ قاری طیّب صاحب امام مقرر ہو چکے تھے۔ نواب صاحب نے قاری صاحب کو پسند فرمایا۔ پھر وشو بابو نے مدرسہ کا نقشہ پیش کر کے مکمل اور نامکمل عمارات دکھائیں۔ معائنے کے دوران حاتم کچھ سوالات وشو بابو اور مبارک سے کرتا جاتا تھا۔ ان سوالات کے جوابات بڑے اچھے انداز میں بڑے مناسب الفاظ میں دیئے گئے۔

دوسری طرف سوشیلا نواب بیگم اور دوسری معزز خواتین کو لئے ہوئے اسلامیہ گرلس اسکول کا معائنہ کرا رہی تھی۔ نواب بیگم حیران تھیں کہ ایک ہندو ٹیچر اس اسکول سے کس قدر دلچسپی اور وابستگی کا اظہار کر رہی ہے۔

مبارک اور وشو بابو نے حاتم کے لئے دفتر کے قریب ایک کوارٹر بنا رکھا تھا اور اس میں ضرورت کا تمام سامان سجا رکھا تھا۔ نواب صاحب کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ وہیں بٹھایا گیا۔ نواب صاحب نے نقشہ طلب کر کے بھائی سے کہا:

"صادق! دیکھ رہے ہو، مدرسہ کی دس ایکڑ زمین کے آس پاس بہت سی زمین بیکار پڑی ہے۔ اگر اسے لے کر چاروں طرف سے ملا دیا جائے تو اٹھوں گاؤں اسکول سے ملحق ہو سکتے ہیں۔"

"بے شک، بے شک!" سیّد صاحب نے بڑے بھائی کی تجویز کی تصدیق کی۔ سیّد صاحب کا تصدیق کرنا تھا کہ نواب صاحب نے وشو بابو سے کہا:

"بیٹا! اس زمین کے متعلق معلوم کرو۔ کس کی ہے۔" پھر وہیں بیٹھ کر فیصلہ سُنایا کہ تصدق اور مصدق کی یہاں سخت ضرورت ہے۔ سعادتمند بیٹوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح وشو بابو کو دو بہترین اور کارآمد آدمی مل گئے۔

نواب صاحب نے ریسٹ ہاؤس کے متعلق طے کیا کہ وہاں ہر سال گرمیوں میں یہاں کے

طلبہ اور طالبات پکنک کو جایا کریں گے۔ فلیٹ کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے گا اور اس کی آمدنی سے پکنک کا خرچ پورا کیا جائے گا۔

اس کے بعد سیّد صادق حسین صاحب اور عاصم صاحب سے مشورہ کر کے نیل اور امینہ کے گزارے کے لئے جائداد الگ کر دی۔ باقی تمام جائداد اور کوٹھیاں دارالعلوم دارالسلام کے لئے وقف کر دیں اور فرمایا کہ یہ نام چھوٹا ہے مجھے پسند نہیں۔ میری خواہش ہے کہ اس کا نام دارالسلام رکھ دیا جائے۔

سب نے یہ نام منظور کر لیا۔ خوش قسمتی سے مولوی عبدالسلام صاحب ازہری مدرسہ اسلامیہ کو مل گئے تھے۔ وشو بابو نے انھیں ناظم بنا دیا تھا۔ ازہری صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ دارالسلام کے قیام کی خوشی میں ایک مختصر جلسہ ہونا چاہیے۔ اس میں پہلی تقریر حاتم صاحب کریں۔ امید ہے کہ حاتم صاحب کی تقریر سے طلبہ اور طالبات میں عزم و حوصلہ اور ہمت و جرأت کا استحکام ہوگا۔

حاتم نے عذر کیا کہ وہ تقریر کرنا نہیں جانتا لیکن کسی نے اس کا عذر تسلیم نہیں کیا۔ سید صادق نے خاص طور سے تائید کی اور حاتم یہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کہنا ہے۔ اس کے بعد اخبارات میں اس کی تقریر کا جو خلاصہ آیا وہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

# حاتم کی تقریر

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جناب صدر محترم! بزرگو! بھائیو! ماؤ اور بہنو! اور طلبہ و طالبات! آپ جانتے ہیں کہ میں عالم اور مولوی نہیں ہوں۔ میں تقریر کرنا نہیں جانتا۔ آج جبکہ بہت دنوں کے بعد آپ سے مل رہا ہوں تو میرا دل خوشی اور مسرت کے جذبات سے معمور ہے۔ ان پچھلے دنوں میں جب میں ایک زبردست مہم پر گیا تھا جس کا حال آپ کو معلوم ہے۔ تو میں ایسے بھیانک ہنگاموں میں بھی آپ لوگوں کو نہیں

بھولا۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ میں آپ سے خط وکتابت بھی نہ کرسکتا تھا میں اُس خدائے کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے بامراد واپس کیا اور میں اپنے ساتھ ایسے بزرگ کو لانے میں کامیاب ہوگیا جس کی سرپرستی دارالعلوم دارالسلام کے لئے ضروری تھی۔ اللہ تعالیٰ ایسے بزرگ کا سایہ تادیر ہم سب پر برقرار رکھے آمین!

حضرات! چونکہ یہ مجمع زیادہ تر اساتذہ، طلبہ اور [illegible] پر مشتمل ہے اس لئے میں تدریس کے [illegible] آپ سے کچھ تعلیمی باتیں کروں گا اور وہ بھی اس طرح کہ ہمارے اساتذہ کرام جغرافیہ، تاریخ اور علم الحساب وغیرہ پڑھاتے وقت طلبہ کے ذہن کو اس طرح اللہ کی نعمتوں کی طرف موڑ سکتے ہیں۔ میں اس وقت خاص طور سے اپنے عزیز بھائی وشنو ناتھ جی اور محترم بھائی سوشیل [illegible] متوجہ ہونے کی درخواست کر رہا ہوں:

دیکھئے جب ہم کھلی آنکھوں سے اس کائنات کو دیکھتے ہیں تو یہ عالم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے ہمارے اساتذہ ان نعمتوں کو خاص طلبہ [illegible] پہنچا سکتے ہیں:

اول معدنیات (کھنج پدارتھ) جو زمین کے اندر دبے پڑے ہیں اور جنہیں ہم سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، کوئلہ وغیرہ کے نام سے جانتے ہیں اور تیل اور پیٹرول وغیرہ بھی اسی میں شمار کرتے ہیں جنہیں انسان کھود کر زمین سے نکالتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اپنے کام میں لاتا ہے۔ دوم نباتات (وانسپتی) پیڑ پودے، گھاس، بوٹے، ترکاریاں، جڑی بوٹی اور دوائیں اور [illegible] قسم کی سبزیاں وغیرہ۔ معدنیات پر نباتات کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ یہ معدنیات کی طرح قائم اپنی جگہ پر رہتی ہیں لیکن ان میں قوت نمو ہے۔ یہ اگتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ انسان نباتات کو بھی اپنے کام میں لاتا ہے۔ آج یہ بہترین فرنیچر اور عالیشان عمارتیں، فیکٹریاں، کارخانے اور باغات سب انہی نعمتوں سے منظرِ عام پر آئے ہیں اور وہ انسان ہی ہے جس کے ہاتھوں اللہ نے یہ کرشمے دکھائے ہیں۔ سوم جاندار۔ جانداروں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم جانور اور دوسری قسم انسان یہاں بھی

انسان ہی جانوروں پر حکمران نظر آتا ہے۔ دیکھنے میں تو انسان ہاتھی، گینڈے، اژدہے اور دوسرے درندوں سے کمزور نظر آتا ہے۔ وہ چڑیوں کی بلند پروازیوں سے بھی محروم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسی 'احسن تقویم' عطا فرمائی کہ عظیم اور ہیبت ناک جانوروں اور بلند پرواز طائروں کو بھی وہ بس میں کئے ہوئے ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اِس کائنات کے بنانے والے نے یہ تمام نعمتیں انسان ہی کے لئے بنائی ہیں اور اسی کے قبضے میں دے دی ہیں کہ جس طرح چاہے اُن سے کام لے یا انھیں استعمال کرے۔

عزیز طلبہ وطالبات! اب ذرا زمین سے اوپر فضا کو دیکھئے۔ یہ ہوا، یہ روشنی، یہ گرمی، یہ سردی، یہ چاند اور سورج، یہ آسمان اور جو کچھ اِس میں ہے، یہ سب کس کی خدمت انجام دے رہا ہے؟ اِس کا جواب کسی سے چھپا نہیں ہے۔ کسی کے بتائے بغیر آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب انسان کے لئے ہے۔ وہ انسان ہی تو ہے جس نے چاند پر قدم رکھ دیا اور اب اور اُونچا جانے کی فکر میں ہے۔ جی ہاں، وہ انسان ہی تو ہے جو مہا ساگروں اور بحر اعظموں کی چھاتی پر دوڑتا پھر رہا ہے اور پانی کا یہ عظیم ذخیرہ اِس طرح اُسے راہ دیتا ہے جیسے وہ انسان کا غلام ہو۔

اب میں اپنے چار عزیزوں کو خاص طور سے مخاطب کروں گا اور گذارش کروں گا کہ میری معروضات پر غور فرمائیں۔ میرا اِشارہ عزیز گرامی تصدق اور مصدق کی طرف ہے اور محترم وشو بھائی اور محترمہ بھابی سوشیلا دیوی کی طرف بھی۔ میں اِن چاروں عزیزوں کے ساتھ آپ سب صاحبان کو بھی غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہ سوچیں کہ جب یہ کائنات انسان کے لئے بنائی گئی ہے اور سب کچھ اسی کے لئے مسخر کیا گیا ہے تو کیا انسان کے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے اِنہی غلاموں کو مالک سمجھ بیٹھے اور اُن سے اِس طرح ڈرے یا اُمید باندھے جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے ڈرتا یا اُمید پانے کی خواہش رکھتا ہے۔ میرے خیال میں انسان کو اپنے سے اِن کمتر اشیاء کو الٰہ سمجھ کر اُن کے آگے جھکنا اُس کی اپنی توہین ہے اور اُن کو اپنے اوپر حاوی سمجھ لینا اُس خدا کی خفگی کا

سبب ہو سکتا ہے جس نے اِنسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے۔

تصدق اور مصدق 'ہیئر! ہیئر!' کہتے ہوئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور سوشیلا دیوی اور وشوناتھ 'ویری نائس' پکار اُٹھے۔ حاتم نے اُن کی طرف دیکھا، اس نے تقریر جاری رکھی:

صدر محترم نے انگلی کے اشارے سے چاروں کو بیٹھ جانے کا اِشارہ کیا۔ حاتم کہہ رہا تھا:۔

صاحبو! میں ایک اور سوال سوچ بچار کے لئے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ دنیا کے تمام مذاہب پر نظر ڈالیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ وہ کون سا دین اور مذہب ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ تو ساری کائنات میں سب سے افضل ہے۔ اِن پتھروں، درختوں، جانوروں، سمندروں کے سامنے سجدہ اور ڈنڈوت کرنا تیری اپنی توہین ہے اور تیرے خالق پاک پروردگار کی ناراضی کا سبب بھی ہے۔

حاتم ایک لمحہ رُکا۔ اُس نے مجمع پر چاروں طرف نظر ڈالی۔ مجمع میں سکوت طاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص ایک سوچ کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ حاتم نے تقریر جاری رکھی:۔

میرے بزرگو! آپ کا دِل گواہی دیتا ہے کہ وہ دینِ اِسلام ہے جو غیر اللہ کے سامنے جھکنے کو شرک کہتا ہے اور شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیتا ہے، کیا ایسی صورت میں اِنسان کا فطری مذہب اِسلام کے سِوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟

اساتذہ کرام! میں نے یہ بات اِس مجمع کے تمام صاحبوں کے سامنے رکھی ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ جب کوئی سبق پڑھائیں، چاہے وہ جغرافیہ سے تعلق رکھتا ہو یا نفسیات سے یا علم الحساب وغیرہ سے، آپ ہر سبق پڑھاتے وقت قدرتِ الٰہی اور انسان پر رحمتِ الٰہی ہونے کو نہ بھولیں اور طلبائے علوم کے ذہنوں کو اِس طرح سنواریں کہ وہ اللہ کے شکر گذار بندے بنیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

حاتم تقریر ختم کر کے بیٹھ گیا۔ جناب صدر محترم نواب سید ریاض حسن خاں صاحب نے

کھڑے ہو کر تصدق اور مصدق سے اور وشو اور سو شیلا دیوی سے کہا:

"آپ چاروں ذہین اور ہونہار ہیں کچھ کہنا چاہتے تھے۔ اب آپ اپنے سوالات کر سکتے ہیں امید ہے کہ آپ کے سوالات کے جوابات کافی و شافی دئے جائیں گے۔ اساتذہ کرام سے میں بھی عرض کروں گا کہ یہی میتھڈ آف ٹیچنگ (طریقۂ تعلیم) اپنائیں۔"

صدر محترم پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ تصدق اور مصدق نے اسٹیج پر آکر کہا کہ حاتم بھائی کی یہ تقریر ہم امریکہ تک پہنچائیں گے اور گذارش کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ کچھ دنوں کے لئے امریکہ چلیں۔ وہاں کچھ نوجوان اسلام کی طرف متوجہ ہیں۔ انھوں نے وہاں اسلامی تنظیم طلبہ قائم کر رکھی ہے۔ امریکہ میں اسلام کے لئے قبولیت کے بڑے مواقع ہیں بشرطیکہ اسی طرح سائنٹیفک طریقے سے اس [illegible] پیش کیا جائے جس طرح بھائی صاحب نے [illegible] سامنے پیش فرمایا ہے۔

وشو بابو اور سو شیلا دیوی دونوں ایک ساتھ کچھ سرگوشی کرتے ہوئے اسٹیج پر آئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے عزیز بھائی نے نہایت حسین پیرائے اور آسان انداز میں ایک بڑے مسئلے کو اس خوبی سے حل کر دیا کہ اس سے شرح صدر ہوا اور اب ہم دونوں آپ صاحبان کی موجودگی میں اسلام قبول کرتے ہیں۔ دونوں نے بلند آواز میں پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہٗ و رسولہٗ۔

ان کے کلمہ پڑھتے ہی مجمع نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ فضا اللہ کی کبریائی سے گونج اٹھی جناب صدر محترم اور دوسرے بزرگوں نے وشو بابو اور سو شیلا دیوی کو مبارکباد دی اور دین پر استقامت کی دعا کی۔ وشوناتھ کا اسلامی نام عبداللہ اور سو شیلا دیوی کا امۃ اللہ رکھا گیا پھر جلسہ برخاست ہو گیا۔

# دعوت نامہ

ناشتے کے دوران بات شروع ہوئی تھی۔ سب کا خیال یہ تھا کہ یہ تفریحی گفتگو ہے [illegible] ساتھ ہی یہ گفتگو بھی ختم ہو جائے گی لیکن جب تصدق اور مصدق نے کہا کہ اسلام کے لئے [illegible]

بہت مواقع ہیں، وہاں ہمارے لازم آزمائے جا چکے ہیں۔ وہاں سائنس ترقی پر ترقی کر رہی ہے اور معاشرہ بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ امریکن ایک ایسا نظام چاہتے ہیں جس میں انھیں روحانیت کی روشنی بھی ملے اور جو معاشی، معاشرتی، تعلیمی، سیاسی غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں ان کی رہنمائی کر سکے۔

تصدق اور مصدق بڑی سنجیدگی سے امریکہ کے حالات پر تبصرہ کر رہے تھے لیکن مبارک ان کی باتیں سن کر گھبرا رہا تھا۔ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ دونوں بھائی حاتم کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ضبط نہ کر سکا اور ان کی معقولات میں دخل دے دیا۔

"کسی نظام کو پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک ایک فرد کی تربیت کی جائے پھر ان تربیت یافتہ افراد کی ایسی جماعت بنے جو قرآن و حدیث کے سانچے میں ڈھل کر دنیا کے سامنے آئے۔ ہم یہاں دار السلام میں یہی تو تجربہ کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اب ہمیں عاصم صاحب جیسا مربی مل گیا۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ جگہ یہ کام چھوڑ کر ایسے افراد میں سے چلے جائیں جو روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

مبارک نے یہ کہا تو سب لوگ چونک پڑے۔ نواب سید ریاض حسن خاں صاحب اور سید صادق حسین صاحب جیسے بزرگ بھی متوجہ ہو گئے۔ تصدق اور مصدق مبارک کی دلیل سے شکست خوردہ سے ہو گئے۔ دراصل ان کا منشا یہ تھا کہ حاتم امریکہ میں چل کر وہاں دعوت و تبلیغ کا کام کرے۔ انھوں نے پھر کہا:

"امریکن بہت فعال قوم ہے۔ ان میں تعلیم ہے۔ ان کے پاس پیسہ ہے۔ اور وہ غیر متعصب ہیں۔ وہ حق کے متلاشی ہیں۔ یہ بڑی حق تلفی کی بات ہو گی کہ جو قوم حق چاہ رہی ہو اور اس کے سامنے حق پیش کرنے والا ہمارے پاس ہو اور ہم ایسی قوم کو محروم کریں اور حاتم جیسے موتی کو یہاں کنکر دیں اور پتھروں سے ٹکرانے دیں۔"

"لیکن جناب!" مبارک نے پھر کہا "آپ دیکھتے نہیں کہ یہاں ایک موتی نے پہاڑ کے پہاڑ

توڑ کر رکھ دئے۔ یہاں ہمارے پاس نہ پیسہ تھا نہ اقتدار بلکہ ہم اس طرح تھے جیسے بتیس ۳۲ دانتوں
کے درمیان زبان ہوتی ہے۔ ہمارے پاس نہ مدرسہ تھا اور نہ فعّال کارکن۔ لیکن ایک کردار تھا جو
ہر نازک موقع پر اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کردار کا یہ اثر ہمارے سامنے ہے کہ سیکڑوں ایکڑ
زمین ہمارے پاس ہے۔ ہزاروں افراد حلقۂ اسلام میں آگئے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ان
سب کی تربیت اسلامی اصولوں اور نظریوں کے تحت ہو۔ آپ چاہتے ہیں کہ ایسی حالت میں
حاتم صاحب کو اغوا کر کے لے جائیں اور یہ تمام کندہ ناتراش ادھورے ہو کر بکھر جائیں!"

لفظ 'اغوا' پر سب ہنس پڑے۔ بات کا رُخ حاتم کی طرف تھا۔ وہ بھی مسکرایا۔ فضا میں
خفیف سی تفریح پیدا ہو گئی۔ تصدّق اور مصدق پھر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ دارالعلوم کے لان کے
پاس ایک ٹیکسی آکر رکی۔ اس کی بھربھراہٹ نے پہلے ہی سب کو متوجہ کر دیا تھا۔ اس کار سے
دو نوجوان اُترے۔ انھوں نے ادھر اُدھر ایک نظر ڈالی۔ پھر ایک طالب علم کو اشارے سے بلایا۔
اُسے ملاقاتی کارڈ دیا اور حاتم کا نام لیا۔ لڑکا کارڈ لے کر دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کارڈ دیا۔ نہایت خوبصورت
کارڈ کے ایک طرف اُبھرے حروف میں پڑھا گیا:

حرکان الیمین رفیق نظامت
اسلامی تنظیم طلبائے ماریشس

حاتم کے ساتھ تصدق، مصدق اور مبارک اُٹھ کر استقبال کے لئے لپکے۔ بزرگ حضرات
بیٹھے رہے۔ عاصم صاحب نے کہا کہ مہمانوں کو یہیں لے آنا۔

رفیق نظامت کے ساتھی عدنان اعظم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا [illegible]
آئے ہیں۔ ہم نے وہاں اسلامی تنظیم طلبائے ماریشس قائم کی [illegible]
[illegible]
[illegible]

اس کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہاں غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف کرائیں۔ یہاں ہم اس لئے آئے ہیں کہ محترم جناب حاتم صاحب کو کچھ دنوں کے لئے اپنے یہاں لے جائیں۔ ہم نے اخبارات میں جناب محترم کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اس سے محسوس کیا کہ اگر اس وقت ماریشس پر توجہ دی جائے اور وہاں ایک صاحب کردار پہنچ جائے تو ایک کثیر تعداد مسلمان ہو جائے گی۔"

عدنان اعظم صاحب کے خاموش ہوتے ہی مبارک بولا "مہمانانِ محترم! آپ نے جو کچھ فرمایا بے شک آپ کا یہ جذبۂ دعوت بہت مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے لیکن میں عرض کروں آپ کو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا اگر آپ خود وہاں اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائیں۔ پھر آپ کو حاتم کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔"

مبارک کو ایک تشویش تصدق اور مصدق کی باتوں سے پیدا ہو گئی تھی اب ایک اور اندیشہ ماریشس کے مہمانوں کے آنے سے سامنے آگیا۔ مبارک گھبرا یوں رہا تھا کہ مہمانوں کا آجانا اور اسلامی اخلاق میں مہمانوں کا احترام اس کا متقاضی تھا کہ انھیں مایوس نہ کیا جائے۔ مبارک نے اداس نظروں سے مولانا عبدالسلام ازہری اور عبداللہ (دشوبابو) کی طرف دیکھا۔ دونوں نے اس کی بات کی پوری تائید کی۔

یہ ردوقدح انگریزی زبان میں ہو رہی تھی۔ ماریشس کے نوجوان سن رہے تھے۔ انھوں نے عبداللہ ازہری صاحب کا تعارف چاہا۔ حاتم نے تعارف کرایا تو ان بے چاروں کے چہروں پر یاس کے آثار نظر آنے لگے۔ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ بزرگوں سے اپیل کریں۔ انھوں نے بڑے خلوص اور ادب سے التجا کی:

"ہم آپ کے مہمان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکرام مہمان کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں مایوس نہ کیا جائے۔ ہماری تنظیم کے نوجوانوں نے آپ کو سلام کہلوایا ہے اور [illegible]ست کی ہے کہ صرف ایک ماہ کے لئے حاتم صاحب کو یہاں آنے کی اجازت دے دیں ہم نواب

سیّد ریاض حسن خاں صاحب، سیّد صادق حسین صاحب اور محترم عاصم صاحب کی بزرگانہ شفقتوں سے پراُمید ہیں کہ وہ اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔"

اِس مختصر تقریر سے بزرگ تو بزرگ، سبھی نوجوان متاثر ہو گئے۔ مبارک بھی اب کچھ نہ کہہ سکا۔ چند منٹ کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر حرکان الیمین نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ اور ویزا نواب صاحب کے سامنے رکھ دیا اور انھوں نے اجازت دیدی۔ دونوں نوجوان مارے خوشی کے آپس میں لپٹ گئے اور ایکدوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ پھر سب کا شکریہ ادا کیا اور جس ٹیکسی پر آئے تھے اسی سے واپس ہو گئے۔ حاتم کو یہ جمعہ چھوڑ کر دوسرے جمعہ کو ہوائی جہاز سے جانا تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ جہاز ابی سینا اور ٹانگانیکا ہوتا ہوا جائیگا۔ دونوں جگہ اُسے رضا کار ملینگے۔

# پرواز

حاتم کو جہاز میں کھڑکی کے پاس والی سیٹ ملی تھی۔ اُس نے کبھی ہوائی سفر نہیں کیا تھا۔ اُسے ماریشس جانا تھا۔ اُس نے حرکان الیمین سے بہت کچھ پوچھ تاچھ لیا تھا پھر بھی وہ سوچ رہا تھا "معلوم نہیں وہاں کے لوگوں کا ذہن کس طرح سوچتا ہوگا۔ وہاں عیسائی مشنری بھی سرگرمِ عمل ہے اور عیسائی بنانے کے لئے ہر حربے سے کام لے رہی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ عیسائی بن جانے والوں کو روزگار بھی مہیا کرتی ہے۔ میں اُس کے مقابلے میں کیا پیش کر سکوں گا!" حاتم بکھر کر رہ گیا "اُونہہ۔ اللہ رہنمائی فرمائیگا۔" اسی وقت ایئر ہوسٹس کی آواز نے اُسے چونکا دیا "پلیز!" فضائی میزبان نے ٹرالی اُس کے قریب کھسکا دی۔

"تھینک یو!" کہہ کر اُس نے اورنج جوس (شربت نارنج) کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔۔

گلاس ابھی تھاما ہی تھا کہ جہاز نے ایک جھٹکا سا لیا۔ گلاس سے جوس اچھل کر برابر بیٹھے ہوئے شخص پر گرا لیکن وہ شخص بوکھلا سا گیا تھا۔ اُس نے کپڑوں کے خراب ہو جانے کی پروا نہ کی۔ اُس کا چہرہ فق ہوتا چلا گیا۔ حاتم ابھی معذرت کی سوچ ہی رہا تھا کہ جہاز نے ایک اور زبردست جھٹکا سا کھایا۔ کچھ لوگ اپنی سیٹوں سے پھسل پڑے۔ ساتھ ہی جہاز کے مسافروں میں دہشت پھیل گئی۔ فوراً جہاز کا عملہ

ہدایات دینے لگا۔ لوگ بیلٹ باندھنے لگے۔ جہاز کے اندر افراتفری مچ گئی۔ عملے کے لوگ مسافروں کو تسلی دے رہے تھے کہ جہاز کے انجن میں اچانک کچھ خرابی سی آگئی ہے لیکن اس کی وجہ سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ دراصل اُس کی طفل تسلی تھی۔ پائلٹ خود یہ سمجھ رہا تھا کہ اب پرواز ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اِس کوشش میں تھا کہ ابی سینا کے قریب ترین ایرپورٹ پر پہنچ کر جہاز اُتار دے۔ جہاز مسلسل ہچکولے کھائے جا رہا تھا۔ بچے اور عورتیں پہلے تو سہمے سہمے سے رہے۔ پھر وہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ حاتم بھی گھبرایا ہوا تھا۔ اُس نے بلند آواز کے ساتھ کہا:

"خدا سے دعا کرو۔ اب وہی بچا سکتا ہے۔"

ہر ایک کی زبان پر دعائیں جاری ہوگئیں۔

پھر جہاز کے خوفناک شور کے ساتھ انجن سے بڑی مقدار میں دھواں نکلنا شروع ہوگیا۔ اب اِس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ پیراشوٹ کے ذریعہ جانیں بچائی جائیں۔ ہنگامی حالات والا دروازہ کھول دیا گیا۔ قطار بنا کر یکے بعد دیگرے چھلانگ لگانے کی ہدایات دی جا رہی تھیں لیکن ایسی گھبراہٹ میں ہدایات کون سنتا۔ ایک بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ حاتم اِس دھکم پیل میں کمزوروں اور بچوں کی مدد اور مسافروں کو سنجیدہ رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

اچانک ایک ریلے نے حاتم کو نیچے دھکیل دیا۔ ابھی وہ خلا میں معلق ہی تھا، چھتری ہوا کے جھونکے کھاتی نیچے جا رہی تھی کہ جہاز ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کے ساتھ آگ کی لپیٹ میں آگیا اور اُس کا رُخ زمین کی طرف ہوگیا۔ حاتم کا دل دھک سے ہوگیا۔ ابھی تو جہاز میں سے آدھے آدمی بھی نہ نکلے تھے۔ تو کیا وہ سارے ...... خوف سے حاتم کو ایک جھرجھری سی آگئی۔ اُس کا پیراشوٹ زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ کسی چیز میں اٹک گیا۔ حاتم کے سر میں کوئی چیز لگی اور پھر اُسے کچھ احساس نہ رہا

## حادثہ

"اری ہٹ، میں اب سوشیلا کب ہوں۔ میں تو امتہ اللہ بھابی ہوں تیری۔ تجھے کیا ہو رہا ہے؟"

"جُننے کیا بات ہے امتہ اللہ بھابی! دِل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے۔"

"حاتم بھائی کی یاد آ رہی ہو گی" حسینہ مسکرائی۔

"بھابی، دل سے ایک ہوک سی اُٹھ رہی ہے۔ رونے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"نہیں، نہیں!" امتہ اللہ بھابی نے سمجھایا "اِس حالت میں سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ متلی آ رہی ہو گی۔"

"نہیں بھابی! جیسے کلیجہ منھ کو آ رہا ہے۔"

"بھابی! یہ ہمیشہ کی وہمی ہے۔ اللہ میاں گود بھر دیں گے تب سلام کروں گی۔" حسینہ نے چھیڑا۔

"تم سب مذاق کر رہی ہو۔ مجھے ایک انجانا ہول کھائے جا رہا ہے۔"

"تو بتا تو بات کیا ہے" امتہ اللہ بھابی نے پھر سمجھایا "یہی دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ تیرا پاؤں بھاری ہے۔ ایسی حالت میں اِسی طرح کی باتیں ہوتی دیکھی گئی ہیں۔ دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ حاتم کی جدائی تجھے کھائے جاتی ہے۔ حاتم مہینہ بھر کے بعد آ جائے گا۔"

"انھیں کچھ ہو نہ جائے بھابی!"

"اری پگلی۔ اللہ سے دعا کر۔ بری بات منھ سے نہیں نکالتے۔"

سکھیوں سہیلیوں میں اِس طرح باتیں ہو رہی تھیں۔ سب عائشہ کا دِل بہلا رہی تھیں۔ چاہتی تھیں کہ عائشہ کا غم غلط ہو۔ اچانک حسن دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا "بھابی سنئے۔ بھابی سنئے! یہاں، میرے پاس آ جیئے!" وہ کمرے کے باہر ہی رک گیا۔

"کیا ہے حسن؟" عائشہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی "اندر کیوں نہیں آتا؟"

امتہ اللہ بھابی اٹھ کر باہر پہنچیں۔ حسن نے کان میں کہا "عائشہ کو نہ بتائیے [illegible]

[illegible]

امتہ اللہ نے حسنیٰ کو اشارہ کیا۔ وہ چلی گئی۔ حسن نے گھٹی گھٹی آواز میں، رال گھونٹ گھونٹ کر، رک رک کر بتایا "ابھی ابھی دہلی سے تار آیا ہے۔۔۔ ہاں بھابی! تار آیا ہے۔۔۔"

"ارے پگلے، بتا تو۔ کیا تار آیا ہے۔ یہ تیری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟"

"بھابی! وہ دیکھئے عائشہ دروازے پر کھڑی دیکھ رہی ہے۔"

"تو مجھے بات بتا!"

"بھابی! بوئنگ نمبر۔۔۔ بوئنگ نمبر ۷۸۶۔۔۔۔"

"ہاں، تو کیا ہوا۔ ابھی سے حاتم نے پرواز کی تھی۔"

"تو بھابی۔۔۔!" حسن نے بھابی کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ وہ خود لرز رہا تھا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی "بھابی! وہ جہاز۔۔۔ ہائے بھابی! وہ جہاز تباہ ہو گیا۔۔۔ نواب صاحب نے فرمایا ہے کہ عائشہ کو یہ خبر نہ سنائی جائے۔"

حسن کو ہدایت کی گئی تھی کہ صرف امتہ اللہ سے کہہ آئے لیکن حسن خود بے قابو ہو رہا تھا۔ عائشہ، حسنیٰ، حسینہ، انیلہ اور امینہ سب نے سن ہی لیا اور عائشہ ہائے کر کے بیہوش ہو کر گر پڑی۔

"کیسے تباہ ہو گیا؟" امتہ اللہ بھابی بھی تھر تھر کانپنے لگیں "نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ غلط خبر ہے۔" امتہ اللہ بھابی بلند آواز سے کہہ تو گئیں لیکن ان کی چیخ بھی نکل گئی۔

حسن نے بتایا کہ نواب صاحب نے ایر پورٹ سے فون ملا کر بات کی اور اس خبر کی تصدیق ہو گئی کہ حاتم ولد عاصم حسین مقیم حال دار السلام نے اسی جہاز سے پرواز کی تھی اور اس کا نام مسافروں کی فہرست میں ہے۔

حسن یہ کہہ کر روتا چلا گیا۔ بزرگ اس خبر کو چھپانا چاہتے تھے لیکن یہ خبر آگ کی طرح [illegible] اور پھر آٹھوں گاؤں میں پھیل گئی۔ جن چہروں پر خوشیاں برسا کرتی تھیں ان چہروں پر

دماغ گولیاں دیں۔ ڈاکٹر مصدق سنجیدہ بننے کی بے حد کوشش کر رہا تھا لیکن اس کوشش میں اُس کے پاؤں بھی کانپ رہے تھے اور وہ بھی اپنے آنسو چھپانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

عائشہ ہوش میں تو آ گئی لیکن اُس کی طبیعت بہت خراب تھی۔

دارالعلوم کے میدان میں وہ سیکڑوں آدمی جو اس خبر کو سن کر جمع ہو گئے تھے، اس خبر سے سکتے میں تھے۔ کنش پور سے چودھری فاروق صاحب بھی آ گئے تھے۔ ایک جامد سناٹا تھا۔ ایک پرہول خاموشی تھی۔

تصدق انجینیر بھاگم بھاگ دلی گیا اور واپس آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ طیارے کی تلاش کے کام میں امدادی پارٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ جہاز ابی سینا کے گھنے جنگل میں گر کر تباہ ہو گیا جہاں امدادی پارٹیاں کسی طرح بھی پہونچ نہیں سکتی تھیں۔ پھر بھی کوشش جاری ہے۔

اس مایوس کن خبر سے اُمید کی آخری کرن بھی بجھ گئی۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان سب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ انیلہ حالانکہ سب سے کم عمر تھی لیکن اُس پر گریہ طاری نہ تھا۔ اس نے امینہ سے کہا "اپی! یقین نہیں آتا کہ میرے بھائی کو اللہ تعالیٰ یوں ضائع کر دے گا۔" امینہ نے جواب دیا "نیل! میں بھی اسی طرح سوچ رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی سے کوئی عظیم کام لے گا۔"

عائشہ کے دل پر مسلسل چوٹیں لگ رہی تھیں۔ یہ کیسی خلش تھی۔ وہ اس کے لئے اتنی دکھی کیوں ہو رہی تھی۔ ہائے انھیں اتنا بھی موقع نہ ملا کہ تین ماہ بعد اپنی منّی سی تصویر دیکھ لیتے۔ ہائے، میرا سب کچھ کھو گیا۔

بڑی بوڑھیاں حاتم کی ماں کے پاس پہونچیں۔ وہاں عاصم صاحب بھی موجود تھے۔ عورتوں کو بے حد حیرت ہوئی کہ وہ جس کے غم میں سب کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے، وہ جو اُن دونوں کا خون تھا، اس کے ماں اور باپ پر وہ اثر کیوں نہیں جو انھیں ہونا چاہئے۔

"بیگم! میرے دل کو بھی مکمل اطمینان ہے۔"

"جی ہاں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے یہ صبر کیسے آگیا۔"

"بیگم! میرا دل کہتا ہے کہ حاتم کو اللہ نے کسی صورت سے بچا لیا ہے۔"

"ہاں، کچھ اسی طرح میرا دل بھی کہہ رہا ہے۔"

"تو جاؤ تم عائشہ کو سنبھال لو۔"

"لیکن آپ ایسا کیجئے کہ یہ اُداس جم غفیر کسی طرح چھٹ جائے۔"

"میں جاتا ہوں اور سب سے کہوں گا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ صبر کی تلقین کر کے رخصت کر دوں گا۔ اور دیکھو، اگر تم اپنا دل قابو میں رکھو تو سب سنبھل جائیں گے۔"

"میں اسی طرح صبر کروں گا جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسفؑ کے لئے صبر کیا تھا۔ انیلہ اور امینہ دونوں بڑی سمجھداری سے کام لے رہی ہیں۔ انھیں زیادہ سے زیادہ عائشہ کے پاس رہنا چاہیے۔"

بہر حال غم تو ان میاں بیوی کو بھی تھا لیکن انھوں نے اپنے غم کو دبایا۔ مردوں میں سب سے زیادہ متاثر مبارک تھا۔ عاصم صاحب نے اسے بلا کر سمجھایا اور کہا "میں نے فرض کر لیا کہ حاتم مر گیا تو کیا تم ایسے بدحواس رہو گے کہ اس کے مشن کو بھول جاؤ گے۔ خدا کی قسم، اگر تم کو حاتم سے محبت ہے تو اس کا جو مشن تم چلا رہے ہو اس میں سردی نہ آئے۔"

یہی بات عاصم صاحب نے تمام کارکنانِ دارالعلوم سے کہی۔ عاصم صاحب کے صبر نے بڑا اچھا اثر ڈالا۔ بہت سے لوگ تو یہ کہنے لگے کہ یقیناً حاتم کو کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہو گا اللہ تعالیٰ عاصم صاحب کے قیاس کو حقیقت سے تبدیل کر دے۔ نواب صاحب اور سید صاحب کی زبان پر یہ شعر تھا:

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

# افتاد

حاتم کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب حالت میں پایا۔ پیراشوٹ تو پھٹ ہی چکا تھا۔ خود حاتم کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاؤں کسی ٹہنی میں اُلجھے ہوئے تھے اور ایک اور شاخ پر بازو اور سر تھا۔ ٹانگیں سر کے مقابلے میں ذرا بلند تھیں۔ سر کے زخم میں دورانِ خون اسی طرف ہونے کی وجہ سے ٹیس اُٹھ رہی تھی۔ شاید درخت کا یہ مضبوط تنا اس کی چوٹ کا باعث بنا تھا۔ حاتم نے تکلیف کی پروا نہ کرتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تو دھپ سے زمین پر آ رہا۔ نیچے بے شمار جھاڑیاں تھیں۔ اُسے کانٹے بھی چبھے۔ بڑی مشکل سے کھڑا ہو سکا۔ اُس نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ زخم کی جگہ خون جم کر کھرنڈ سا ہو گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ لہولہان ہو رہے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ رات کا سناٹا اور تاریکی۔ اُسے معلوم تھا کہ افریقہ کے ان گھنے جنگلوں میں دن میں بھی روشنی کم ہی آتی ہے، پھر اس وقت تو رات ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ ان جنگلات میں بے شمار حشرات الارض اور خوفناک درندے ہوتے ہیں۔ اُسے جھرجھری آ گئی۔ اُس کا سر پہلے ہی سے گھوم رہا تھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پایا۔ سخت قوتِ ارادی سے کام لیا اور ہمت کر کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اُسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں سانپ وغیرہ درخت پر نہ ہوں۔ عام طور پر ان جنگلات میں سانپ وغیرہ درختوں پر لپٹے ہوتے ہیں۔ وہ چوٹ بھول جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ خود اپنا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ اُسے یہ لمحے صدیاں محسوس ہو رہے تھے۔ اُسے صبح کا انتظار تھا لیکن وہ رات جانے کتنی بڑی ہو گئی تھی۔ ایک ایک لمحہ اذیت ناک تھا۔ ہر رات کے بعد صبح آتی ہے۔ خدا خدا کر کے اس رات کی بھی صبح آئی لیکن بڑے ہی انتظار کے بعد۔ حاتم نے کچھ جاگتے اور کچھ اونگھتے اس کا استقبال کیا جو اس کی زندگی کی عجیب صبح تھی۔

اب اس کی حس نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی جنگل کے اندر پہنچ رہی تھی۔ اب اُسے دکھائی بھی دینے لگا تھا۔ وہ درخت سے نیچے اُترا۔ خاردار جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر آگے

بڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس کے ہاتھ جو پہلے ہی زخمی تھے اور بھی زخمی ہو گئے۔ جسم سے خون نکل جانے
کی وجہ سے بے پناہ کمزوری لگ رہی تھی۔ پیاس کی وجہ سے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ حاتم کو
اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا لیکن ایک آس تھی، ایک اُمید تھی جو اُسے آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے
نڈھال ہو کر گر پڑتا۔ پھر اُٹھتا۔ تھوڑا آگے بڑھتا اور پھر گر پڑتا۔ جانے وہ کب تک چلتا رہا۔ اُسے
لگ رہا تھا جیسے وہ اسی طرح چلتا رہے گا اور پھر یہیں کہیں زندگی اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔

خیالات اُسے یہاں تک لے گئے تو اُسے ماں باپ یاد آنے لگے۔ عائشہ یاد آنے لگی۔ سید صاحب،
نواب صاحب، دونوں بہنیں انیلہ اور رابعہ، دوست عبداللہ یا ابو ساجد دوشی، بھابی اُمتہ الشرف
پھر مبارک اور دارالسلام کے بزرگ اور جوان سبھی یاد آنے لگے۔ اُسے یہ بھی یاد آیا کہ وہ ماریشس جا رہا تھا
دل ہی دل میں کہنے لگا: "یہ کیسی اُفتاد آ پڑی۔ میرے متعلقین کو سب معلوم ہو گیا ہوگا کہ جہاز تباہ ہو گیا۔
وہ مجھے مردہ تصور کر کے ہائے واویلا کر رہے ہوں گے۔ اے اللہ! عائشہ کا کیا بنے گا...... اور
دارالعلوم کا......" پھر اُس نے ایک 'اُدھ' کی "وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے"۔ اور اُس نے
سوچنا چھوڑ دیا...... پھر اچانک اُس کی ڈوبتی آس خوشی میں بدل گئی۔ اب وہ جہاں کھڑا تھا اُس
جگہ جنگل گھنا نہیں تھا۔ یہاں اُسے ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا نظر آیا۔

اس چشمے نے اُس کی نئی طاقت کو مہمیز کیا۔ اُس کی ہمت بیدار ہو گئی۔ وہ چشمے کی طرف بڑھا لیکن
نڈھال ہو کر گر پڑا۔ پھر وہ گھسٹتا ہوا بڑھا۔ پاس پہونچا۔ لیٹے لیٹے پانی میں منھ ڈال دیا۔ پانی نے اُس کے
سر کو بھگو دیا۔ زخم پر پانی لگا تو پھر ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ اُس نے چہرہ اوپر اُٹھا لیا اور چلو چلو پانی پینے لگا لیکن
پیاس تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ ہر چلو اُس کی پیاس کی شدت کو بڑھا رہا تھا۔ خدا جانے وہ کب تک
پانی پیتا رہا اور نہ معلوم وہ کتنا پانی پی گیا۔ پھر اچانک پیٹ میں پانی کا کٹورا سا لگا اور اُس نے ایک طرف گردن ڈال دی۔

## فی گاشا

حاتم کی آنکھ کھلی تو اُسے ایسا لگا جیسے کوئی اُسے جھنجھوڑ رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور بے یقینی

سے اُسے دیکھنے لگا۔۔۔ ہاں وہ لڑکی ہی تھی۔۔۔ ناک نقشے کی حسین اور متناسب اعضا والی سانولی سی لڑکی۔ اُس کے چہرے پر اُفریقیوں کی سی بشاشت تھی۔ اُس کے جسم پر کھال لپٹی ہوئی تھی۔ اُس لمبی سی لیکن توانا لڑکی نے حاتم کو آنکھ کھولتے دیکھا تو اُس کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ مسکرائی پھر اُس کی زبان سے نکلا:

"گوپائے!" وہ اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

حاتم اُس کی بات کیا سمجھتا۔ اُسے دیکھتا رہا۔ لڑکی نے دو چار بار وہ لفظ دہرایا۔ پھر اپنے سینے پر اُنگلی رکھ کر بولی:

"وِنی گاشا" اور پھر حاتم کے سینے پر اُنگلی رکھ کر وہی لفظ دہرایا "گوپائے"۔ حاتم سمجھ گیا کہ اُس نے اپنا نام لیا تھا اور اب مجھ سے نام پوچھ رہی ہے۔ اُس نے اپنا نام بتایا:

"حاتم"

"حاتم" لڑکی نے دہرایا۔ اب وہ بہت خوش ہو رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ پھر اُس کی نگاہ حاتم کے زخم پر پڑی جہاں بہت سا خون جما ہوا تھا۔ لڑکی نے سسکاری لی۔ پھر جیسے اُسے تکلیف ہوئی۔ وہ حاتم کو کچھ اشارہ کرکے ایک طرف غائب ہو گئی۔ ذرا دیر کے بعد واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں ٹماٹر کی طرح کے کچھ پھل تھے۔ وہ اُس نے حاتم کو دے دیئے اور اُسے کھانے کا اشارہ کیا۔ پھر چند پتے لے کر پتھر پر رگڑے اور حاتم کے زخم پر لگا دیئے۔ حاتم کو ایسا لگا جیسے کسی نے زخم پر گرم لوہا رکھ دیا ہو۔ اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ چیخ پڑا۔ لڑکی آہستہ آہستہ اُس کا بازو سہلانے لگی۔ اور وہ کچھ بول رہی تھی "ناگاشی، ناگاشی" جس کے معنی حاتم یہ سمجھا کہ گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، یعنی جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر واقعی ذرا دیر بعد حاتم کے زخم میں آرام ہونے لگا۔ وہ ٹماٹر جیسے پھل خدا جانے کیسے تھے کہ اُنھیں کھا کر حاتم اپنے اندر توانائی محسوس کر رہا تھا۔ اُس کی نقاہت دور ہو رہی تھی۔ لڑکی نے اُسے آرام سے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔

"ٹھرگونی، ٹھرگونی!"

لیکن جب اُس نے دیکھا کہ حاتم کچھ نہ سمجھا تو اُسے درخت پر چڑھنے کا اشارہ کیا اور خود کچھ کہہ کر مڑی۔ اپنا بھالا نما ہتھیار اُٹھایا اور ایک طرف کو چلی گئی۔ اُس کے اِشاروں کو حاتم یوں سمجھا کہ وہ چاہتی ہے کہ میں یہیں بیٹھا رہوں۔ لڑکی مُڑ کر دیکھتی جا رہی تھی اور حاتم اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہاں، اپنی اس محسن لڑکی کو۔ وہ لڑکی جو اس بیابان میں رحمت کا فرشتہ بن کر آئی تھی۔ ورنہ وہ کسی درندے کا شکار بھی ہو سکتا تھا لیکن وہ لڑکی کون تھی۔ حاتم جانتا تھا کہ اِن گھنے جنگلات میں وحشی قبائل رہتے ہیں جو آدم خور ہوتے یا آدم خور نہیں ہوتے تو بھی اجنبی کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ تو کیا نی گاشا اِن ہی قبیلوں میں سے کسی سے تعلق رکھتی ہے۔ آدم خور تو نہیں لگتی۔ آدم خور تو درکنار وہ چہرے مہرے سے حبشیوں کی طرح ہرگز نہیں لگتی۔

چہرہ مہرہ حاتم کی نظروں میں گھوما تو نی گاشا کا بولنا، چلنا، اِشارہ کرنا، پھر اُس کی پیشانی، اُس کے ہونٹ اور پھر اُس کا مسکرانا سب حاتم کے سامنے آنے لگا۔ اُسے ایسا لگا کہ یہ اندازِ گفتگو، یہ پیار بھرا لہجہ، یہ رفتار، حبشیوں کی طرح موٹے ہونٹوں کے بدلے اُس کے پتلے ہونٹ کہیں اُس نے دیکھے ہیں۔ س کے ذہن نے یادداشت کے پردے اُٹھانے شروع کر دئے۔ ایک پردہ آیا۔ اُس پر ایرنا کی تصویر ظر پڑی اور وہ اُچھل پڑا لیکن پھر سنجیدہ ہو گیا۔ اُسے محسوس ہوا تھا کہ یہ انداز اور یہ ٹون تو ایرنا کا تھا۔ کیا یہ اُس کی بہن ہو سکتی ہے۔ نہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ایرنا نے کبھی کچھ نہیں بتایا کہ اُس کا کوئی ھائی یا اُس کی کوئی بہن ہے۔

ایرنا کا خیال آیا تو اُسے بہادر سنگھ، پھر مینا، انیلہ، نواب سیّد ریاض حسن خاں صاحب، بند صادق حسین صاحب اور پھر اُس کے گھر کے سارے ہی لوگ سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اُس نے ب سے زیادہ عائشہ کو غمزدہ دیکھا۔ اُف! وہ تو بہت ہی دکھی ہو گی۔ اُف! اِن سب کا کیا حال ہو گا۔ یں کیا معلوم کہ اُن سب کا پیارا یہاں جنگل میں پھنسا ہے [illegible]

اَور سب ہی لوگ اُسے مُردہ سمجھ رہے ہوں گے۔ اِس خیال سے اُسے جھرجھری آئی اَور وہ عائشہ کے لئے دعا کرنے لگا۔ پھر اُسے مارشس کے لوگوں کا خیال آیا جو اُس کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہوں گے، پھر انھوں نے جہاز کے تباہ ہونے کی اِطلاع پائی ہوگی اَور بیچارے دست حسرت مَل کر رہ گئے ہونگے۔

پھر [illegible] خیال آیا کہ [illegible] کی کتنی نمازیں [illegible] ہوئی [illegible] گی۔ اسی حالت [illegible] نمازیں درخت پر بیٹھے بیٹھے پڑھنے لگا۔ کسی درندے کے ڈر کے مارے اُس نے درخت سے اتر کر تیمم بھی نہیں کیا۔

نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ پتّے پھر سرسرائے۔ ذرا دیر بعد اُس نے فی گاشا کو دیکھا جو منھ اُٹھائے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ وہ اکیلی ہی تھی۔ کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا۔ اُس نے بھالا نما ہتھیار اُٹھا رکھا تھا۔ "حاتام! حاتام!" وہ آواز دے رہی تھی۔ اُس کے منھ سے اپنا بگڑا ہوا نام سُن کر حاتم مسکرا دیا اَور دھپ سے نیچے کود پڑا۔ وہ ایک لمحہ کو چونکی۔ پھر "گاناشی گاناشی" کہہ کر سینے پر داہنا ہاتھ رکھا اَور ذرا جھکی۔ حاتم سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو اُس نے سلام کیا ہے۔ حاتم نے بھی "گاناشی گاناشی" کہا تو لڑکی بہت خوش ہوئی۔ مسکراتی ہوئی اُس کے قریب آ گئی۔ پھر وہ اِشارہ کرتی ہوئی آگے چلی۔ حاتم اُس کے پیچھے ہو لیا اس کی چال بھی ایرنا سے ملتی ہے۔ حاتم اُسے دیکھتا رہا۔

ذرا دور چل کر وہ ٹھٹکا۔ کہاں لئے جا رہی ہے یہ لڑکی؟ پتہ نہیں اب میرا کیا حشر ہوگا۔ اپنی دنیا میں کیسے واپس جاؤں گا؟ طرح طرح کے سوالات اُٹھ رہے تھے۔ وہ ان کا جواب کس سے پاتا۔ فی گاشا سے بھی نہیں کیونکہ نہ وہ اُس کی زبان سمجھتا تھا اَور نہ فی گاشا اُس کی زبان جانتی تھی۔

حاتم کو جھجکتا دیکھ کر فی گاشا نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اَور سہلانے لگی۔ پھر اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ شاید اُس کا درد دور کر رہی تھی۔ اپنے مخلص ہونے کا یقین دلا رہی تھی۔

حاتم کی نظر اپنے لباس پر پڑی۔ اب تک اُسے خیال ہی نہ آیا تھا کہ اُس کے کپڑے بیچ اَور پھٹ گئے ہیں۔ اُسے اپنے اُوپر ہنسی آ گئی۔ "واہ میاں حاتم! تم اپنے یہاں کتنے باسلیقہ مشہور تھے۔ آج ایک لڑکی کے سامنے کس حلیہ میں ہو۔ وہ فی گاشا کو دیکھ کر مسکرا دیا تو فی گاشا نے بھی اُس کی مسکراہٹ کا

جواب مسکراہٹ سے دیا اور حاتم کو پھر ایرنا یاد آ گئی۔ "پتلے پتلے ہونٹ ایرنا کے ہونٹوں کی طرح ہی تو ہیں" اُس نے دل میں کہا۔

فی گاشا حاتم کا ہاتھ پکڑ کر آگے کو بڑھ گئی۔ حاتم نے سارے اندیشے دل سے نکال دئے۔ "ہونہہ، اگر موت اِسی جنگل میں لکھی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں راضی برضا ہوں۔ موت تو برحق ہے۔ اس سے کیا ڈرنا۔ یوں بھی میں اکیلا اِس جنگل میں مر سکتا تھا یا کسی درندے کا شکار ہو سکتا تھا۔" حاتم اِس طرح سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

لَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔

اَب حاتم بے خوف فی گاشا کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں تقریباً آدھا گھنٹہ چلتے رہے ہوں گے۔ جنگل ختم ہو گیا۔ سامنے ایک میدانی علاقہ تھا۔ گھاس پھونس کے گول گول جھونپڑے نظر آ رہے تھے۔ کچھ ننگ دھڑنگ کالے کالے بچّے باہر کھیل رہے تھے۔ ان جھونپڑوں کے درمیان ایک بلند جھونپڑا باقی سب جھونپڑوں سے نمایاں تھا جسے رنگ برنگ پروں سے سجایا گیا تھا۔ دونوں جھونپڑوں کے پاس پہونچ گئے۔ بچّے بڑے غور اور تعجب سے اُنھیں دیکھ رہے تھے۔ فی گاشا بڑھ کر بڑے جھونپڑے کے پاس رُک گئی۔ پھر حاتم کو آنے کا اِشارہ کرتی ہوئی جھونپڑے میں چلی گئی۔ حاتم نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ یہ بڑا کشادہ جھونپڑا تھا۔ فرش پر گھاس پھوس پڑا تھا جس پر چیتے کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ ایک نہایت بدصورت افریقی بوڑھا پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اُس کے سر پر پروں کا تاج سا تھا اور گلے میں بہت سی مالائیں تھیں۔ مالاؤں میں رنگ رنگ کے موتی تھے۔ بوڑھے کے جسم پر طرح طرح کے رنگوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ اُس کے پاس ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی جس نے بدوضع سا مختصر لباس پہن رکھا تھا۔ وہ ہڈیوں کے بنے ہوئے بہت سے زیورات پہنے تھی۔ کانوں میں اِس قدر وزنی بالے جیسے زیور پہنے تھی کہ اُن کے بوجھ سے لمبے لمبے سوراخ ہو گئے تھے۔ اُس کے سر کے چھوٹے چھوٹے بال کھڑے کھڑے سے تھے۔ چند نوجوان جنگلی بھی بیٹھے تھے۔

نی گاشانے بڑھ کر "گاناشی" کہا تو حاتم نے بھی بڑھ کر یہی لفظ دوہرا دیا۔ حاتم کو دیکھ کر بوڑھے کے تیوروں پر بل پڑ گئے تھے لیکن اُس نے جواب میں خود "گاناشی" کہا اور اُس کے تیوروں کے بل آپ سے آپ غائب ہو گئے۔

نی گاشانے حاتم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوڑھے سے کچھ کہا۔ بوڑھے نے بھی اس کے جواب میں کچھ کہا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ حاتم کو ایسا لگا کہ بوڑھا بگڑ بگڑ کر کچھ کہتا تھا اور نی گاشا اُس کی مدافعت کرتی تھی۔ پھر بوڑھے نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ حاتم کو پکڑ کر لے چلے اور ایک چھوٹے جھونپڑے میں بند کر دیا۔ اُن میں سے ایک واپس چلا گیا۔ دوسرا زیادہ خونخوار شکل والا جنگلی اپنا نیزہ لے کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ اُسے قید کر دیا گیا ہے اور نی گاشا اس بوڑھے کو جو ضرور اس قبیلے کا سردار ہے، سمجھانے میں ناکام رہی ہے۔ اب نہ جانے اس کا کیا حشر ہو۔

دیر ہو گئی۔ نی گاشا نہیں آئی۔ حاتم بیٹھا ہوا حالات سے نبٹنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت لکڑی کے بھدے برتن لئے اندر آئی۔ ایک برتن میں دودھ اور دوسرے میں لپی کی طرح کوئی لسدار چیز تھی۔ وہ رکھ کر چلی گئی۔ حاتم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا کیونکہ اُسے بڑی بھوک لگ رہی تھی اور وہ کچھ نہ کھا کر اپنی توانائی ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے لپی نما لسدار چیز کو انگلی میں لگا کر چکھا۔ اخ تھو۔ وہ تو کوئی بہت ہی کڑوی اور بدمزہ چیز تھی۔ حاتم کو اُبکائی آنے لگی۔ اُس نے دودھ کا پیالہ اُٹھایا۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کس جانور کا دودھ ہے لیکن تھا بڑا مزیدار جبکہ اس میں شکر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ سب پی گیا۔

یہ تو عجیب صورتِ حال ہے۔ یہاں سے فرار ناممکن نظر آتا ہے۔ اگر موقع مل بھی گیا تو پھر یہ خطرہ کہ کسی اور قبیلے میں پکڑ لیا جاؤں۔ یہاں تو قدم قدم پر خطرات ہیں۔ لیکن نی گاشا، وہ پُرخلوص ہستی جس نے مجھے بار بار دیا تھا، وہ کہاں غائب ہو گئی۔ کہیں سردار نے اسے منع کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو واقعی مصیبت ہے۔

سامنا ہے۔ لفظ مصیبت پر اُسے قرآن کی وہ آیت یاد آگئی:

مَا اَصَابَکُم مِن مصیبۃٍ اِلَّا بِاِذنِ اللہ کوئی مصیبت اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں آتی۔

حاتم کو اِس آیت کے یاد آنے سے بڑا سکون ملا۔ اُس نے چاہا کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے کہ نی گاشا آگئی۔ اُس کے ساتھ ایک جنگلی آدمی تھا۔ نی گاشا کو دیکھ کر حاتم کھِل اُٹھا۔

"ہیلو بوائے!" اس گورے جنگلی کی زبان سے انگریزی فقرہ سُن کر حاتم چونک پڑا۔

"ہُو آر یو" وہ پوچھ رہا تھا کہ لڑکے تم کون ہو جبکہ حاتم خوشی کے جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُسے واقعی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

"میں بہت حیران ہوں آپ کی زبان سے جانی پہچانی زبان سن کر، اور بہت خوش بھی۔" حاتم نے انگریزی میں جواب دیا۔

"دوست! یہ میری اپنی زبان ہے۔" وہ شخص اُداس مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہاں تو مسٹر! کیا نام ہے تمہارا؟"

"حاتم"

"حاتم! دوست! ہاں تو یہ گاشا ہے۔ یہاں کے سردار کی بیٹی۔ یہ مجھے اِس لئے یہاں لے کر آئی ہے کہ میں معلوم کروں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔"

حاتم نے نی گاشا کو دیکھا۔ وہ بڑے شوق اور تجسس کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ ان دونوں کی باتیں سُن رہی تھی

"آپ کا نام؟" حاتم نے اُس اجنبی سے پوچھا۔

"رابرٹ۔" اور حاتم پھر ایک بار اُچھل گیا۔ یہ نام تو جنگلیوں میں سے نہیں ہو سکتا۔

"خیر تو مسٹر رابرٹ! میں ہندوستان میں رہتا ہوں۔ میں... جانے کیلئے ہوائی جہاز سے

پھر راستے میں جہاز کو حادثہ پیش آ گیا۔ اس طرح میں یہاں آ گیا۔"

رابرٹ غیر مانوس زبان میں نگاشا سے باتیں کرنے لگا۔ پھر حاتم سے بولا:

"نگاشا کہتی ہے کہ وہ گھومنے کے لئے دور نکل گئی تھی کیونکہ وہ اکثر اکیلی دور تک نکل جاتی ہے۔ اسے اچانک تم مل گئے اور وہ تم کو یہاں لے آئی۔"

"مسٹر رابرٹ!" اس نے پوچھا۔ "لیکن انہوں نے مجھے قید کیوں کر رکھا ہے؟"

"یہ لوگ ہر اجنبی کا سے یہی سلوک کرتے ہیں۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا کیونکہ نگاشا تم پر بہت مہربان ہے۔ اور ہاں دوست! یہ بتاؤ کہ جہاز تو تباہ ہو گیا ہو گا۔ تم کیسے بچ کر"

حاتم نے پوری بات تفصیل سے بتا دی۔ ان افراد کا بھی ذکر کیا جو پیراشوٹ کے ذریعے جہاز سے نکل گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی آدم خور قبیلے کے ہاتھ لگ گئے ہوں یا درندوں کا نوالہ بن گئے ہوں یا پھر ابھی تک جنگل میں بھٹک رہے ہوں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور ہاں، نگاشا پوچھتی ہے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"فی الحال تو نہیں۔ لیکن میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ میں کس طرح جاؤں؟"

حاتم کی بات سن کر رابرٹ چونک گیا۔ "دوست! یہ بات کہنے کی تم کو یہاں اجازت نہیں۔ اگر تمہارے ارادوں کا یہاں کسی کو پتہ چل گیا تو یہ لوگ تم کو مار ڈالیں گے کیونکہ جو ایک بار یہاں پھنس جائے پھر واپس نہیں جا سکتا۔ مجھے دیکھو، بائیس سال سے مہذب دنیا سے دور ہوں۔ کئی بار فرار ہونے کی کوشش کی کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر یہ خیال دل سے نکال دیا۔ آج یہاں میری بیوی ہے، بچے ہیں۔ میں بھلا چکا ہوں کہ مہذب دنیا سے میرا کوئی تعلق بھی کبھی تھا۔ البتہ کبھی کبھی جب کوئی بھولا بھٹکا تم جیسا یہاں آ نکلتا ہے تو مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ اپنی بوڑھی ماں یاد آ جاتی ہے جو شاید مر بھی چکی ہو گی۔ بہن کا خیال آ جاتا ہے۔ نہ جانے وہ اب کہاں ہو گی۔ لیکن تم یہ بات یاد رکھنا۔ یہ لوگ اجنبیوں کو یوں نہیں ہلاک کرتے۔ ہاں، اگر وہ فرار جیسے جرم کا ارتکاب کریں تو ان کا انجام عبرت ناک موت کے سوا کچھ نہیں ہو

اَور یہ بھی تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم ایک سردار کی بیٹی کے ہاتھ لگے ہو۔ تم نے سردار کو سلام کیا۔ اِس کا اثر سردار پر بہت اچھا ہوا۔"

حاتم نے نی گاشا کو دیکھا۔ وہ بڑی محویت اَور والہانہ پن سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر گاشا اَور رابرٹ نے اجازت چاہی اَور باتیں کرتے ہوئے جھونپڑے سے نکل گئے۔

"رابرٹ آتے رہنا۔ تمہاری وجہ سے مجھے بڑا سہارا ملا۔"

حاتم کی درخواست سُن کر رابرٹ نے مڑ کر دیکھا اَور سر ہلا دیا۔ گاشا پلٹی۔ اُس نے گرمجوشی کے ساتھ حاتم کے ہاتھوں کو چوما۔ پھر کچھ دیر اُسے دیکھتی رہی اَور پھر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

## رابرٹ

حاتم کو یہاں آئے ہوئے ایک مہینہ ہوگیا۔ اِس عرصے میں گاشا زیادہ تر اُس کے ساتھ رہتی تھی۔ بات تو اُن کے درمیان کیا ہوتی، نی گاشا زیادہ تر الفت کا اظہار کرتی رہی۔ اشاروں سے، اداؤں سے اُس کی یہ سپردگی دیکھ کر حاتم گھبرا جاتا۔ ایک دن رابرٹ اُس کے پاس آیا۔ اُس نے سردار کا پیغام دیا۔ سردار نے اُسے بلایا تھا۔ حاتم سوچ میں ڈوبا ہوا اُس کے ساتھ چل دیا کہ سردار نے اُسے کیوں بلایا ہے۔ جھونپڑے میں سردار کے علاوہ گاشا تھی۔ کچھ اَور لوگ بھی تھے۔ وہ جوان بھی تھا جو کل گاشا سے لڑ رہا تھا کیونکہ گاشا حاتم کے ساتھ گھوم رہی تھی کہ وہ جوان سامنے آگیا۔ پھر تیز تیز لہجے میں دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ حاتم باتیں تو نہ سمجھ سکا لیکن اُس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ گاشا نے اُس نوجوان کو ڈانٹ دیا ہے۔ اِس کے بعد گاشا نے حاتم کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے تھے اَور وہ حاتم سے لپٹ گئی تھی۔ نوجوان یہ دیکھ کر کڑھتا گیا تھا اَور سر پٹکتا ہوا چلا گیا تھا۔ اب جھونپڑے میں اِس وقت وہ حاتم کو گھور رہا تھا۔ اُس کی گول گول چھوٹی چھوٹی آنکھیں حلقوں میں گھوم رہی تھیں۔ رابرٹ اچانک حاتم سے بولا:

"دوست! سردار کہتا ہے کہ ہم نے اپنی بیٹی کے کہنے پر تم کو اپنے آدمیوں میں شامل کرلیا ہے ہیں

اُمید ہے کہ تم ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہونچاؤ گے۔ اور اس خوشی میں سردار تم کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا چاہتا ہے۔"

حاتم نے رابرٹ کے ذریعہ سردار کا شکریہ ادا کیا اور یہ یقین دلایا کہ وہ سردار کا احترام کرے گا۔ اسکے بعد رابرٹ نے جھونپڑے میں موجود لوگوں کا تعارف کرایا۔

بوڑھی بدصورت عورت گاشا کی سوتیلی ماں تھی۔ اُس کا نام "کادا" تھا۔ دو نوجوان گاشا کے سوتیلے بھائی تھے 'بنکو' اور 'تارکا'۔ سردار کا نام 'ممبولا' تھا۔ وہ نوجوان جو حاتم کو اپنا رقیب سمجھ رہا تھا وہ سردار کے بھائی کا بیٹا تھا۔ اُس کا نام 'ممبا' تھا۔ چند افراد اور بھی تھے اور سب اِس قبیلے کے بڑے لوگ تھے۔ پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے میں جنگلی پھل تھے، بھنا ہوا گوشت تھا اور ایک اُبلی ہوئی سبزی تھی۔ دودھ بھی تھا۔ حاتم نے گوشت چھوا بھی نہیں۔ اُبلی سبزی اُسے مرغوب نہیں تھی۔ اُس نے صرف پھل کھائے اور دودھ پیا۔

گاشا آزادی سے حاتم کے ساتھ گھوما کرتی مگر حاتم اُداس ہی رہتا۔ تنہائی میں وہ اپنی بے بسی پر رو بھی دیتا۔ ایک دن اِسی حالت میں رابرٹ آ گیا۔

"دوست! بہت اُداس ہو۔ کیا بات ہے؟"

"رابرٹ! مجھے میرے گھر والے، میرے والدین، بہن بھائی اور میرا اسکول سب یاد آرہے ہیں۔"

"صبر کرو دوست۔ حوصلہ رکھو!" رابرٹ نے سمجھایا "شروع شروع میں میں بھی اُداس رہتا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے صبر آگیا۔ تمہیں بھی ایک دن صبر آجائے گا۔ تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو۔"

"رابرٹ! تم میرا حوصلہ پست نہ کرو۔ میں یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچ رہا ہوں۔"

"کوئی معجزہ رونما ہو جائے تب ہی تم یہاں سے نکل سکتے ہو۔ میری گناہ گار آنکھوں نے کبھی کسی کو یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔"

"اچھا، تم کیسے پھنس گئے یہاں؟" حاتم نے بات کا رُخ موڑ دیا۔

"ہم پانچ افراد تھے۔ میں جزائر غرب الہند کے جزیرے جمیکا کا رہنے والا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو میرے والدین آسٹریا کی ریاست میں منتقل ہو گئے۔ آسٹریا میں ہماری مالی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ ایک دن میری ملاقات ایک گروپ سے ہوئی جو ہیروں کی کان کی تلاش میں تھا۔ ان کے پاس اس مقام کا نقشہ بھی تھا جہاں یہ کان تھی۔

میں جنگلات سے دلچسپی رکھتا تھا اس لئے انھوں نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ میرے علاوہ چار آدمی اور تھے، ایک آسٹریا کا اینڈرسن، یہ ہمارا لیڈر تھا۔ اس کی بیوی جینی بھی اس کے ساتھ تھی تیسرا فرانسیسی تھا 'نستاسے'۔ ایک جرمن تھا 'شلز'۔ پانچواں میں۔ ہم لوگ سخت جد وجہد کے بعد اور بڑی تکلیفیں سہتے ہوئے منزلِ مقصود کے پاس پہونچ گئے تھے کہ ایک دن بے خیالی میں جنگلیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ بد قسمتی سے اس وقت ہم غیر مسلح تھے۔ انھوں نے ہمیں قید کر لیا۔ اینڈرسن بہت جوش میں تھا۔ وہ منزل کے اتنے قریب پہونچ کر بے دست وپا کر دیا گیا تھا۔ وہ فرار کے منصوبے بناتا تھا۔ ایک دن اسے موقع مل گیا۔ اس دن میری طبیعت خراب تھی۔ میں اس کے ساتھ جانے سے معذور تھا۔ موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ فرار کا اچھا موقع مل گیا۔ وہ چاروں بھاگ گئے۔ میں خوف سے ہراساں تھا۔ خبر ملی کہ وہ پکڑ لئے گئے۔ سردار نے تینوں مردوں کو قتل کر دیا اور جینی سے زبردستی شادی کر لی۔ مجھے اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ میں نے فرار کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرا اعتماد بحال ہو گیا۔ میں چھوڑ دیا گیا۔ پھر بھی میری اور جینی کی نگرانی کی جاتی رہی۔ جینی اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھی۔ اسے سردار سے سخت نفرت تھی۔ وہ روتی رہتی اور اینڈرسن اور اپنی ایک بچی کو یاد کرتی رہتی جو ہندوستان میں کسی رشتہ دار کے پاس رہتی تھی۔ پھر جینی نے دس ماہ بعد گاشا کو جنم دیا۔ جینی گاشا سے بھی نفرت کرتی تھی کیونکہ گاشا سردار کی بیٹی تھی۔ اور پھر ایک دن جینی نے خود کشی کر لی۔ وہ گاشا کی ہمشکل تھی۔ صرف رنگ کا فرق تھا۔ جینی گوری رنگت کی تھی جبکہ گاشا سانولی ہے۔ اس میں ملاحت ہے۔ دوست! کیا تم کو گاشا اچھی لگتی ہے۔۔۔؟"

"ہاں!" اور یہاں کہہ کر حاتم کچھ اُداس سا ہو گیا۔

"گاشا بھی ایک دن کہہ رہی تھی کہ حاتم بہت اچھا لگتا ہے۔ دوست! جینی زندہ تھی تو مجھے بڑا سہارا تھا۔ وہ مجھے اکیلا چھوڑ گئی۔ میرے تمام حوصلے پست ہو گئے۔ میں گم صم ہو گیا۔ پھر جب سردار کو یہ یقین ہو گیا کہ میں بھاگوں گا نہیں تو اُس نے پندرہ سال پہلے میری شادی کر دی۔ اب میرے بچے ہیں جو مجھے بہت پیارے ہیں۔ تم دیکھو تو اُن کا ناک نقشہ پسند کرو گے۔ وہ بھی سانولے ہیں۔"

"رابرٹ! پھر تو تم مجھے اپنے بچوں سے ملاؤ۔ میں اُن کے ساتھ باتیں کر کے ہی کچھ وقت گزار لیا کروں گا۔"

"بات کیسے کر سکتے ہو۔ تمہیں یہاں کی زبان کب آتی ہے۔"

"بھئی! میں انگلش میں بات کروں گا اُن سے۔ تم نے سکھائی ہو گی نا!"

"نہ مجھے اِس کی اجازت نہیں تھی۔ بائیس سال سے میں نے انگلش میں بات نہیں کی۔ اِس عرصے میں انسان اپنی بولی بھول بھی سکتا ہے۔ میں تنہائی میں خود سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ یوں اپنی زبان یاد رہی۔ سال بھر میں یہاں کی زبان سیکھ لی اور اب وہی بولتا ہوں۔"

دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اچانک حاتم کو ایک خیال آیا۔ اُس نے رابرٹ سے کہا:

"دوست! کیوں نہ ہم گاشا کو انگلش سکھا دیں۔ میں گاشا سے کھل کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ میری محسن ہے۔ مجھے یہاں کی زبان اچھی نہیں لگتی۔ میں سیکھ بھی نہ سکوں گا۔"

"دوست! اگر یہ بات سردار کو معلوم ہو گئی تو وہ بہت ناراض ہو گا کیونکہ اُس نے مجھے بھی اپنے بچوں سے انگلش میں بات کرنا منع کر دیا ہے۔"

"ہم گاشا کو منع کر دیں گے کہ وہ کسی کو نہ بتائے۔"

رابرٹ نے بڑی حجت کے بعد حامی بھر لی۔

گاشا کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خوش ہو کر رضامند ہو گئی کیونکہ اس طرح وہ حاتم سے بہ

کرسکتی تھی۔ اب حاتم اور رابرٹ بڑی محنت سے اُس کو انگلش زبان سکھانے لگے۔ وہ جو گھنٹوں اُس کے ساتھ بیکار گھوما کرتی تھی اب سارا وقت زبان سیکھنے میں لگا دیتی۔ حاتم نے محسوس کیا کہ وہ بہت ذہین ہے یا شاید یہ اِس بات کا اثر تھا کہ وہ اُس کی ماں کی زبان تھی جسے وہ سیکھ رہی تھی جیسے جیسے وہ سیکھتی جا رہی تھی رابرٹ اور حاتم خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ گاشا جیسے جیسے انگریزی سیکھتی حاتم اُس کے ساتھ گاڈ کا اِسلامی عقیدہ بھی اُس کے ذہن نشین کراتا جا رہا تھا۔

پھر ایک دن گاشا اُس کے پاس نہیں آئی۔ رابرٹ نے آکر اُسے اِطلاع دی کہ سردار گاشا کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ یوں تو اُس کے کئی اُمیدوار ہیں لیکن سردار نے فیصلے کا اختیار گاشا کو دیا ہے اب تین دن بعد جشن ہوگا جس میں گاشا اپنا دولہا چنے گی۔ اِسی دن شادی ہو جائے گی۔

یہ سن کر حاتم پریشان ہوگیا۔ جانے وہ کس کو چن لے۔ کہیں وہ اپنے جذبات کی پوٹلی میری ... نہ ڈال دے۔ میں تو شادی شدہ ہوں اور اگر اس نے میرے علاوہ کسی اور کو چنا، کیونکہ میں اس کے قبیلے کا نہیں ہوں، تو میں اپنے لوگوں میں نہ جا سکوں گا اور میرا سہارا بھی ٹوٹ جائے گا۔ حاتم نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ گاشا کو زبان سکھا کر کس طرح فرار کے لئے تیار کرے گا۔

حاتم کو طرح طرح کے وسوسے آتے رہے۔ تین دن گزر گئے۔ گاشا نہیں آئی۔ تیسرے دن شام کو ایک شور برپا ہوگیا۔ حاتم نے جھونپڑے میں سے باہر جھانکا۔ بوڑھے، جوان، بچے، مرد، عورتیں میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ بیچ میں الاؤ روشن تھا۔ رابرٹ اُسے بلانے آیا تو وہ بھی میدان میں ہجوم کے قریب چلا گیا اور سب کے برابر کھڑا ہوگیا۔ ہجوم آگ کے گرد گھیرا بنائے ناچ رہا تھا۔ ... چبوترہ بنایا گیا تھا۔ اُس پر سردار بیٹھا تھا۔ ذرا دیر بعد ہی ایک طرف سے گاشا نمودار ہوئی۔ حاتم ... دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اُس نے پھولوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر پھول، گلے میں پھول، سینے پر پھول، کمر کے گرد پھول۔ اور پھر کمر سے نیچے گھٹنوں تک پھولوں کا گھیگھرہ اور ٹخنوں کے گرد گندھے پھول بندھے تھے۔ گاشا کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

دل میں ایک بلبلا سا اٹھا اور پھوٹ گیا۔ رابرٹ نے جب جینی کا تعارف کرایا تھا تب ہی حاتم نے سمجھ لیا تھا کہ ایرنا اسی کی بیٹی ہے جسے ہندوستان میں کسی کے حوالے کر دیا گیا تھا اور یہ گاشا یقیناً اس کی سگی بہن ہے۔ اسی جیسا نکلتا ہوا قد، اسی جیسے حرکات و سکنات، انگلش لہجے نے تو پورا یقین دلا دیا تھا کہ گاشا اور ایرنا ایک ہی ماں سے ہیں۔ حاتم یہ سوچتا جا رہا تھا اور شادی کی رسمیں دیکھتا جا رہا تھا۔

ہجوم نے گاشا کو دیکھ کر عجیب سی آوازیں حلق سے نکالنی شروع کر دی تھیں۔ ایک طرف سے ایک نوجوان لڑکی پھولوں کا لباس پہنے بنی سنوری نئی دلہن کی طرح سجی سجائی آئی۔ اٹھلاتی اور مسکراتی ہوئی گاشا کے پاس پہونچی۔ گاشا کے گال دہک دہک ہو رہے تھے۔ اس سہاگن نے گاشا کے دونوں گلاب چومے۔ پھر اس کے گرد گھومی۔ کھیسے سے ایک شیشی سی نکالی۔ اس شیشی میں سرخ رنگ یا کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی۔ سہاگن نے وہ شیشی گاشا کو تھما دی اور کان میں کچھ کہا۔ گاشا نے سر ہلایا۔ ایک طرف نوجوان لڑکے کھڑے تھے۔ انہی میں سب سے کنارے حاتم سوچ کے سمندر میں ڈوبا کھڑا تھا۔

گاشا نے شیشی کی کاگ الگ کر کے پھینک دی۔ پھر ایک نظر ان نوجوانوں کو دیکھا جن میں حاتم کو بھی کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ان کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر شیشی کی سیال شے حاتم پر انڈیل دی۔ حاتم ایک انجانی مہک سے مدہوش ہو گیا۔ دوسری طرف ایک شور مچ گیا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

"گاشا نے تم کو چن لیا ہے" رابرٹ حاتم کے پاس آ کر بولا۔

"تو کیا یہ سوئمبر ہوا؟"

رابرٹ نے جواب دیا "ہاں"

حاتم سر جھکا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ سردار اپنی جگہ سے اٹھا۔ حاتم کے پاس آیا۔ اس کا ہاتھ پکڑا۔ چبوترے

کے پاس لے گیا۔ اپنے برابر چبوترے پر بٹھالیا۔ پھر ایک بوڑھا شخص آیا۔ اُس نے اپنی بولی میں کچھ بو
الا پے۔ پھر گاشا کا ہاتھ حاتم کے ہاتھ میں دے دیا۔

وہیں شیر کی کھال کا بنا ہوا ایک شلوکہ سالایا گیا اور ایک لنگوٹ بھی۔ یہ شادی کا جوڑا تھا
جو حاتم کو پہنایا گیا۔ اب تک حاتم اپنے پرانے پھٹے پھٹائے کپڑوں سے ستر پوشی کرتا تھا۔ اب
شادی کا جوڑا پہن کر وہ پورا جنگلی ہو گیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ گاشا اُسے نظر نہ آئی۔ رابرٹ نے
حاتم سے کہا کہ اب وہ اپنے جھونپڑے میں جائے۔ وہ اپنے جھونپڑے میں گیا۔ جھونپڑا پھولوں کی مہک
سے بسا ہوا تھا۔ گاشا پہلے سے موجود تھی۔ وہ اُسے دیکھتے ہی کھل اُٹھی۔ اٹھ کر دوڑی اور حاتم کے گلے
سے لپٹ گئی۔ وہ بے انتہا خوش تھی اور حاتم سوچ رہا تھا کہ اپنے مذہب میں اس طرح شادی نہیں
ہوتی۔ جب تک شرعی لحاظ سے شادی نہ ہو اُس وقت تک جائز بھی کب ہو سکتی ہے۔ گاشا نے
اس کا سرد رویہ محسوس کر لیا۔ وہ بیزار ہو گئی۔ حاتم اُسے سمجھانے لگا۔ لیکن ابھی وہ اتنی انگلش کہاں سیکھ
سکی تھی کہ بات اچھی طرح سمجھ پاتی۔ پھر وہ ناراض ہو کر سو گئی۔ حاتم اس کی خفگی سے ڈر گیا کہ کچھ مصیبت
نہ کھڑی کر دے۔ سوتے ہوئے وہ اُسے بڑی اچھی لگی۔ پھر حاتم بھی سو گیا۔

یہ بہت اچھا ہوا کہ رابرٹ صبح ہی آ گیا۔ اُس وقت حاتم اور گاشا دونوں جھونپڑے میں
تھے۔ حاتم نے رات کا حال کہہ سنایا اور کہا کہ وہ گاشا کو پوری بات سمجھا دے۔ رابرٹ خود حیران
ہو گیا۔ اب جبکہ شادی ہو گئی اور حاتم ہمیشہ یہیں رہے گا تو کیسا مذہب اور کہاں کا دین۔ اُسے کیا
پتہ کہ حاتم اب بھی فرار ہونے کی سوچ رہا تھا۔ رابرٹ نے گاشا کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔
اُس نے کہا کہ میں حاتم کا دین قبول کر لوں گی۔ لیکن فرار ۔ ۔ ۔ ! وہ اس خیال سے کانپ گئی۔

حاتم اب بھی اُسے بڑی محنت سے انگریزی سکھا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام
پلا رہا تھا۔ اُس کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ کھیتی باڑی وہاں کچھ ہوتی نہ تھی۔ جانوروں کی کھال
سے ستر پوشی ہوتی تھی۔ پاؤں میں چپل کسی کے نہ تھے۔ حاتم کے جوتے پھٹ گئے تھے۔ اب وہ بھی

ننگے پاؤں رہتا، شروع شروع میں اُسے بڑی تکلیف ہوئی۔ پھر بے تکلف چلنے لگا۔ اب وہ شیر کی کھال کا لنگوٹ اور شلوکہ پہنے رہتا۔

گاشا کی مراد شادی کے بعد پوری نہیں ہو رہی تھی اِس لئے وہ حاتم کے سرد رویّہ کی وجہ سے بہت ناراض تھی۔ وہ رات کو خاص طور پر ناراض رہتی اور حاتم سے لڑتی رہتی۔ حاتم اس شادی کو مانتا ہی نہ تھا۔ وہ اب بھی اُسے منا رہا تھا:

"دیکھو گاشا! میں نے تم کو بتایا نا کہ اسلام میں اِس طرح شادی نہیں ہوتی۔ میں تم سے ٹھیک ٹھیک شادی کرنا چاہتا ہوں، اپنے مذہبی طریقے کے مطابق۔ پھر وہ بات بھی ہو جائے گی، تم میرے لئے حلال اسی وقت ہو سکتی ہو لیکن یہ یہاں ممکن نہیں۔ تم سمجھیں میں نے کیا کہا؟"

حاتم ایک ایک جملہ بار بار کہہ کر اُسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گاشا نے بتایا کہ وہ نہیں سمجھی تو حاتم نے کہا کہ تم میرے ساتھ یہاں سے نکلو اور ہمارے دیس چلو۔ وہاں ہم پھر سے شادی کریں گے۔ حاتم گاشا کے بالوں سے کھیلنے لگا "میں تم کو بتاؤں گا کہ دنیا میں ٹھیک ٹھیک کیسے رہا جاتا ہے۔"

"نہیں نہیں!" گاشا گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"گاشا! وہ دنیا بڑی خوبصورت ہے۔ بہت پیاری۔ بہت ہی پیاری۔ وہاں تم کو بڑے اچھے اچھے کپڑے ملیں گے۔ تمہارے پاؤں میں خوبصورت چپل ہوگی۔ تم خوبصورت کمرے میں رہو گی۔ تم کو طرح طرح کا لذیذ کھانا ملے گا۔ میں وہیں تم سے شادی کروں گا۔ پھر ہمارے بچّے ہوں گے۔ مُنّے مُنّے۔ وہ ہمارے سامنے کھیلیں گے۔ کیسا اچھا لگے گا۔"

حاتم اُسے حسین جال میں پھانس رہا تھا۔ وہ سُن سُن کر خوش ہو رہی تھی لیکن اُس میں یہ ہمت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ یہاں سے فرار کی سوچے۔ وہ فرار کو ناممکن سمجھے ہوئے تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں مر جاؤں گا لیکن تم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ تم کسی اور سے شادی کر

کر لینا۔ میں تم کو یہاں نہیں اپنا سکتا۔" وہ تیزی سے بولا۔

"نہیں نہیں! تم نہیں مر سکتے۔ تم مجھے بہت ... بہوت اچھے لگتے ہو۔ میں تم کو مرنے نہیں دوں گی۔" اُس نے اپنا سر حاتم کے سینے پر رکھ دیا۔

"اگر میں یہاں سے نہیں نکل سکتا تو پھر میں مر جاؤں گا۔"

"تم مرو گے تو میں بھی مر جاؤں گی۔" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔

"تم کیوں مرو گی جبکہ میرا کہنا نہیں مانتی ہو!" "میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

## گرم لوہے پر چوٹ

"تو پھر میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ تم بار بار انکار کر کے میرا دل توڑ رہی ہو۔ تم کو مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہ کہو پیارے! کہو تو میں اپنی جان دیدوں۔" وہ تڑپ اٹھی

"مجھے تمہاری جان کی نہیں، تمہاری ضرورت ہے ... سمجھتی ہوں ہیں۔"

"پیارے! میں سب سمجھتی ہوں لیکن میرا باپ ہرگز اجازت نہیں دے گا۔"

"میں اُس کی اجازت کا بھوکا کب ہوں۔ وہ ایک ظالم شخص ہے"

"میرا باپ ظالم ہے ...؟" اچانک گاشا کا اندازِ گفتگو بدل گیا۔ حاتم نے گرم لوہے پر سخت چوٹ ماری تھی۔ اُس نے کہا:

"ہاں! تمہارا باپ ظالم ہے۔ اُس نے تمہاری ماں کو مار ڈالا تھا۔"

"ہاؤ ... ہاؤ ...؟ کیسے؟"

حاتم نے رابرٹ سے جو کچھ سنا تھا وہ سب کہہ سنایا۔ گاشا کو ماں کی شکل کچھ کچھ یاد تھی۔ وہ ہانا سن کر سنجیدہ ہو گئی۔ حاتم نے آخری حربہ بھی پھینک مارا:

"گاشا! ہمارے دلیں میں ... [illegible]

"ہاؤ۔ ہاؤ۔ حاتم۔ کہاں؟"

حاتم نے دیکھا کہ اب کہانی پورے عروج پر ہے تو اُس نے ایرنا کے بارے میں پوری کہانی سُنا دی:

"میری بہن بہت بہادر ہے۔ میری طرح۔"

"ہاں گاشا! اُس نے اِس مہم میں بڑی بہادری سے اپنا کردار ادا کیا جو میں نے تم کو سُنائی۔"

"تو بولو! جان! اپنی بہن کے پاس چلوگی؟"

"چلوں گی۔" وہ رونے لگی۔ حاتم نے اُسے گلے سے لگالیا۔ حاتم نے پہلی بار اُسے گلے سے لگایا تھا۔ وہ اَور زیادہ سِسک سِسک کر رونے لگی۔ حاتم نے اُسے لٹادیا۔ وہ روتے روتے سو گئی۔

صبح کو حاتم نے رابرٹ کو سب کچھ بتادیا۔ رابرٹ نے حاتم کی پوری پوری تصدیق کی اَور کہا:

"گاشا! تم جانو۔ تمہاری ماں مہذب دنیا کی نہایت خوبصورت خاتون تھی۔ اُس کی خوبصورتی کا بہت سا حصّہ تم کو ملا ہے۔ بے شک تمہاری بہن مہذب دنیا میں ہے۔ وہ تم سے مِل کر بہت خوش ہوگی۔"

گاشا کے چہرے پر ایک رنگ آتا اَور ایک رنگ جاتا تھا۔ اُسے دُکھ ہوا کہ اُس کے باپ نے زبردستی اُس کی ماں کے ساتھ شادی کرلی تھی اَور ماں اسی غم میں مرگئی۔ گاشا کے دل میں ماں کی محبت پھوٹنے لگی۔

"پھر تو میں ضرور اس مہذب دنیا کو دیکھونگی جس میں میری ماں کی نشانی موجود ہے۔" اُس نے حاتم سے ایرنا کا ناک نقشہ پوچھا۔ حاتم نے بتایا:

"وہ نیلی آنکھوں اَور گورے رنگ والی بہت ہی خوبصورت پوری عورت ہے۔ تمہارے ہونٹوں کی طرح اُس کے ہونٹ ہیں۔ تمہارا جسم بالکل اُسی کی طرح ہے۔ میں نے جب تم کو جنگل میں دیکھا تھا تو سمجھا کہ ایرنا سنولا کر میری مدد کو آگئی۔ تم ہنستی بھی تو اسی کی طرح ہو۔ اَور سنو! تم رو رہی تھی بھی ایرنا کی طرح ہو۔" اَور یہ کہہ کر اس نے چٹکی لی۔ گاشا چیخ اُٹھی۔

اُسی وقت سردار جھونپڑے میں آگیا۔ بیٹی اَور داماد کو ہنستے بولتے دیکھ کر بہت خوش ہوا اَور

بولا "گاشا! تم گندھل دیوتا کو پھول چڑھانے جاؤ گی۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"تم کو یاد نہیں رہا، پچھلے سال گمبا کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنی شوگا کو لے کر وہیں تو گیا تھا تم بھی دیوتا کے چرنوں میں ہو آؤ برکت کے لئے۔ اس کے بعد ہی تم دونوں کو کچھ ذمہ داریاں سونپی جاسکتی ہیں۔"

"میں ضرور جاؤں گی۔"

"مگر تمہارے ساتھ تمہارا شوہر ہی ہوگا۔ ایک ہفتہ کا کھانا تم دونوں کو اپنے ساتھ لیجانا ہوگا۔"

"میں آپ کا حکم مانوں گی اور ہر محنت برداشت کرلوں گی۔"

سردار خوش ہوگیا اور دعا دے کر چلا گیا۔ پھر جب رابرٹ آیا تو تینوں بہت خوش تھے۔ رابرٹ نے کہا کہ اب تمہارے لئے فرار کی راہ آپ سے آپ نکل آئی۔ حاتم! تم بہت خوش نصیب ہو۔ تم ہنی مون منانے جارہے ہو۔ کم سے کم ایک ہفتہ تمہاری تلاش نہ ہوگی اور ایک ہفتہ میں تم دونوں اتنی دور نکل جاؤ گے کہ جنگل میں یہاں کے وحشی نہ پاسکیں گے۔ خدا تمہاری حفاظت کرے جینی کی ایک امانت میرے پاس ہے۔ وہ میں گاشا کو دینے آیا ہوں۔ اس نے اپنے تھیلے سے دو ہار نکالے۔ ہار موتیوں کے تھے اور نیچے ہیرا لٹک رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک تمہارے لئے ہے اور دوسرا ایمنا کے لئے۔ خدا حافظ!

رابرٹ دیر تک بیٹھا رہا لیکن پھر اس نے بات نہیں کی۔ وہ خود اس وقت اپنے وطن، اپنے والدین جو یقیناً مر چکے ہوں گے، اپنے رشتہ داروں کو یاد کر رہا تھا اور بے حد مغموم تھا۔

"تم بھی ہمارے ساتھ چلو رابرٹ!"

"نہیں دوست! شکریہ! میں ان سب کو بھلا چکا ہوں۔ میرے بچے میرے پاؤں کی زنجیر بن چکے ہیں۔ میں ان کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میری دعا ہے کہ تم بخیریت اپنی منزل تک پہنچو۔"

دیکھو، گنڈچل دیوتا کی طرف جاتے ہوئے جب یہاں کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ تو رات کے اندھیرے میں پورب کی طرف مڑ جانا اور سیدھے اسی طرف جنگل ہی میں چلتے جانا ۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم صحیح وسلامت یہ جنگل پار کر لو گے۔"

پھر...... رابرٹ رونے ہی لگا۔ اُس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ ایک طرف اُس کے بیوی بچے تھے دوسری طرف اپنے وطن کی یاد۔ لیکن اُس نے دل پر پتھر رکھ لیا اور واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ اُس کے تین بچے تھے۔ وہ خود بوڑھا ہو گیا تھا اس لیے بچوں سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔

رات بہت کالی اور ڈراؤنی تھی۔ چاند ڈوب چکا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ جاتم اور گاشا گنڈچل دیوتا کی طرف جاتے جاتے رات کے اندھیرے میں جنگل کی طرف مڑ گئے۔ جنگل شروع ہوا تو گاشا اُس کے آگے چلنے لگی۔ جاتم اندھیرے میں ایک درخت سے ٹکرا گیا۔ اُف! آہ اُس کے منہ سے نکلی۔

"حکومت! میں درندوں کی بو پہچانتی ہوں۔ جب ان کا خطرہ ہوگا ہم درخت پر چڑھ جائیں گے۔" خاردار جھاڑیوں پر اندھیرے میں بھالا نما ہتھیار مارتی ہوئی گاشا سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ جاتم پیچھے پیچھے تھا۔ اچانک گاشا چوکنی ہو گئی۔ اور پھر وہ دونوں ایک درخت پر چڑھ گئے۔ قریب سے شیر کے دہاڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ ان دونوں کے پاس ہتھیار تھے لیکن وہ رات کے وقت کوئی مصیبت مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ گاشا نے کہا:
"یہ جنگل بہت گھنا معلوم ہوتا ہے اس لیے اس وقت سفر ملتوی کر دیا جائے۔ صبح آگے چلیں گے۔ اب یہ ڈر تو ہے نہیں کہ کوئی ہمیں ڈھونڈنے نکلا ہو یا پیچھا کر رہا ہو۔"
وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا لیے تھوڑی دیر بیٹھے رہے اور پھر سو گئے۔ صبح کو پہلے جاتم جاگا۔ اُس نے گاشا کو بھی جگا دیا۔ دونوں درخت سے اُترے اور سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے

لگے۔ وہ چلتے رہے۔ رُکتے رہے۔ اُن کے جسم لہولہان ہو گئے، چہرے خراشوں سے بھر گئے، ایک ہفتہ کھانا ختم ہوا تو رابرٹ کے دیے ہوئے خشک پھل کھانے لگے۔ چار پانچ دن میں وہ بھی ختم ہو۔ تو اب جنگل کے پھلوں پر گزارا ہوا۔ انھیں پتہ نہیں تھا کہ جنگل کب ختم ہوگا۔ وہ تو پورب کی طرف بڑ جا رہے تھے۔ گاشا بڑی ہمت والی لڑکی تھی۔ وہ حاتم سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ کٹھن گھنے جھاڑیوں پر بھالا نما ہتھیار مارتی ہوئی حاتم کو نکالے لئے جا رہی تھی۔ کئی جگہ درندوں کا بھی سامنا کر پڑا تھا۔ ایسے موقعوں پر گاشا کے بھالے نے کبھی دغا نہیں کی۔ راستے میں ایک شیر بھی مار ا د۔ اُس کی کھال اُتار لی۔

اٹھارہ دن اس طرح چل کر انھوں نے جنگل پار کر لیا۔ اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ حاتم نے کہا "ٹھہرو جان!" گاشا ٹھہر گئی۔ حاتم نے تیمم کیا اور اُس نے مدتوں بعد نماز پڑھی۔ گاشا نے پوچھا "یہ کیا کیا؟" بولا "میں نے اُس خدا کا شکر ادا کیا جس نے اِس جنگل سے پار کیا۔" گاشا آسمان کی طرف دیکھنے لگی "مائی گاڈ!" اُس کی زبان سے نکلا۔

"ہاں!" حاتم نے جواب دیا۔

پھر کچھ کھا کر لیٹے اور سو گئے، بہت دیر تک سوتے رہے۔ پھر جیسے گاشا کو کسی نے جھنجھوڑ دیا۔ اس کا ہاتھ بھالے پر پڑا اور وہ جاگ کر کھڑی ہو گئی۔ حاتم بھی ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ تین آدمی مہذب دنیا کے کپڑے پہنے کھڑے تھے۔

"گڈ ڈے!"

دوپہر کا سلام سن کر حاتم خوش ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی لیٹرے نہیں ہیں۔ حاتم نے گاشا کو بھی سمجھا دیا۔ گاشا کا بھالے والا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔

"دوستو! تم کون ہو۔ کیا میں تعارف حاصل کر سکتا ہوں!" حاتم نہایت فصیح انگریزی بول رہا تھا۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا:

"ہم شکاری ہیں۔ وہ سامنے ہمارا پڑاؤ ہے۔ ہم اس طرف گھاس لینے آئے تھے۔ تم دونوں کو جنگلی لباس میں دیکھا مگر تم تو مہذب دنیا کے لوگ ہو۔ یقیناً کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ کیا ہم تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں!"

حاتم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ پہلے ہم کو نہلاؤ، ہمیں پہننے کے لئے کپڑے دو، ہم تم کو جنگل کی بہت سی چمکدار چیزیں دیں گے۔ حاتم نے جھولی سے کچھ چمکدار پتھر نکالے جو دن میں جنگل کے اندر سے اٹھالیا کرتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ پتھر کیسے ہیں۔

ان پتھروں کو دیکھ کر تینوں شکاری بہت خوش ہوئے۔ انھیں پڑاؤ پر لے گئے۔ اپنے سردار "موزینے" سے ملایا۔ گاشا نے سردار کو شیر کی کھال کا ہدیہ پیش کیا۔ موزینے کھال پاکر بہت خوش ہوا۔ اس نے دونوں کو غسل کرایا۔ پھر بسکٹ اور چاء پیش کی۔ اس کے بعد بٹھا کر حال پوچھنے لگا۔

گاشا مہذب کپڑے پہن کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ بسکٹ کبھی کاہے کو کھائے تھے۔ چاء کا مشروب وہ کیا جانے۔ وہ سب اس نے پیٹ بھر کے کھایا پیا۔ موزینے بوڑھا شکاری ہنسا۔ بیٹی کہہ کر اسے دعا دی:

"میں تم کو اس وقت بہت عمدہ کھانا کھلاؤں گا۔"

پھر نہ جانے وہ کیا سوچ کر اچانک "اویس" کہہ اٹھا۔ "مسٹر حاتم! مجھے یاد آیا۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ میں نے انگلش اخباروں میں تمہارا نام بھی پڑھا تھا۔ تم وہی تو ہو۔۔۔ تم نے خدمتِ خلق کے لئے ادارہ دارالسلام قائم کیا ہے۔"

حاتم کو جیسے کسی نے خوشی کا چمنستان عطا فرما دیا۔ اس کے دل و دماغ میں بہار آگئی۔ اس نے تفصیل سے اپنا حال بتایا اور پھر گاشا کے احسان کا تذکرہ کیا اور کہا۔

"مسٹر موزینے! میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے کسی ایسے مقام کا پتہ دیں جہاں سے میں خط و کتابت کر سکوں یا تار بھیج سکوں۔"

"ضرور، ضرور! آج تم دونوں سستالو۔ کل میرے مزدور آئیں گے۔ ایک مزدور ساتھ کردوں گا۔ وہ ٹھیک ٹھیک رہنمائی کردے گا۔"

حاتم کی خوشی قابل دید تھی۔ وہ گاشا کا ممنون تھا کہ اُس کی وجہ سے اِس جنگل سے نکل آیا۔ گاشا چپ چاپ رہی۔ حاتم اُس سے خوشی کی باتیں کرتا رہا۔ وہ اب جلد ہی اپنے لوگوں میں پہنچ جائیگا۔ آج وہ بڑے سکون کی نیند سویا۔ اُس نے خواب میں عائشہ کو دیکھا۔ عائشہ جیسے ایک لق و دق میدان میں اکیلی کھڑی تھی اور وہ مبہوت تھی۔

حاتم گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔

پھر وہ کچھ اِس طرح سوچنے لگا "ابھی نہ گاشا کو معلوم ہے کہ میں شادی شدہ ہوں، اور نہ عائشہ کو معلوم ہے کہ میں اُس کے سر پر سوکن لارہا ہوں۔ اب کیسے نبھے گی میرے اللہ!" حاتم سوچتے سوچتے تھک گیا لیکن اس کی سمجھ میں اس کا حل نہ آیا۔ دوسرے دن جب ایک مزدور کی مدد سے نزدیک والی بستی کے ڈاک خانہ میں پہونچا تو اچانک اُس کی سمجھ میں آیا کہ ایرنا کو پورا واقعہ لکھ کر بھیج دیا جائے، پہلے اُس کے گھر چلا جائے، مشورہ کیا جائے۔ پھر جو سب کی رائے ہو، وہ کیا جائے۔

حاتم گاشا کے احسانات کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا اور نہ گاشا کی وجہ سے ایک ایسی رفیق حیات سے دست بردار ہوسکتا تھا جس کی طبیعت سے واقف ہوچکا ہے۔ حاتم بیچارہ کیا جانے کہ اب وہ ایک سال کے بچے کا باپ ہے اور عائشہ اُس بچے کی ماں ہے۔

اِس چھوٹی سی بستی کے پوسٹ ماسٹر سے مشورہ کیا کہ میں کس طرح اپنے وطن جاسکتا ہوں اور مجھے ہوائی جہاز سے اڑنے کے لئے کہاں جانا چاہیئے اور کس سے مدد مانگنا چاہیئے۔ حاتم نے اُسے جنگل کے تحفے دیئے۔

پوسٹ ماسٹر نے اُس کی رہنمائی کا وعدہ کرلیا۔

# پری اُتاری گئی آج خوب شیشے

گاشا کے لئے یہ دنیا ایک عجوبہ تھی۔ یہ ہوائی جہاز جس پر وہ اُڑ کر آئی تھی، یہ کار جس پر بیٹھ کر ایرپورٹ سے شہر میں آئی تھی، یہ بمبئی شہر، بمبئی کے یہ بلند بالا مکانات، بمبئی کے بازار، طرح طرح کے سامانوں، مٹھائیوں، کھلونوں، ریڈی میڈ کپڑوں کی بڑی بڑی دوکانیں، چوڑی چوڑی سڑکیں، وہ بھی ٹریفک سے بھری [illegible] ایک۔ یہ [illegible] اعلیٰ ہوٹل۔ ایرنا نے اُسے خوب تھکا مارا تھا۔ ساحل کے کنارے ایک ہوٹل نے یہیں کا سواگت کیا تھا۔ ایرپورٹ پر پہلے پہلے جب اُس نے گاشا کو سینے سے لگا کر بھینچا تھا تو سچ مچ گاشا کو محسوس ہوا تھا کہ اُسے ماں سینے سے چمٹائے ہے۔ ایرنا کے سینے کی آنچ سے اُس کا سارا وجود پگھلا جا رہا تھا۔

"حاتم! تم بہت اچھے اور بڑے سچے ہو۔ تم نے جیسا کہا تھا میری بہن ویسی ہی ہے۔" گاشا بہن کو چھوڑ کر حاتم سے لپٹ گئی۔ حاتم نے بتایا کہ وہ دیکھو تمہارے جیجا جی کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ یہاں اس طرح بے باکی سے نہیں لپٹتے۔

"اچھا، آئندہ خیال رکھوں گی۔" گاشا تہذیب سیکھ رہی تھی۔ وہ بہادر سنگھ کی طرف مڑی مگر اُسے معلوم نہ تھا کہ اِس مہذب دنیا میں کیسے ملا جاتا ہے۔ اُس کی زبان سے اُس کی اپنی بولی کا لفظ چھوٹ نکلا "...... یگا ناشی!" اور اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور ذرا خم ہو کر کھڑی ہو گئی۔ حاتم نے بہادر سنگھ کو بتایا کہ وہ سلام کر رہی ہے۔

بہادر سنگھ نے سونے کی انگوٹھی جس میں ہیرا جڑا ہوا تھا، اپنی سالی کو پہنائی۔ گاشا انگوٹھی پہن کر بار بار اُسے دیکھتی۔ پھر بہادر سنگھ، حاتم اور ایرنا نے اُسے بمبئی کی سیر کرا کر نجانے کیا کیا الّم غلّم خرید ڈالا۔ جدھر گاشا نے 'ہو' کر دیا سب اسی طرف پلٹ پڑے اور اُس کی پسند کی ڈھیروں چیزیں چاہے وہ ایرا غیرا ہی ہوں، خرید کر کار کی ڈکی میں بھرتے چلے گئے۔

گاشا بہت خوش تھی۔ جب وہ خوب تھک گئی تو ایرنا اُسے ہوٹل میں لائی۔ کھا پی کر سب نے آرام کیا۔ بہادر سنگھ اور حاتم الگ کمرے میں چلے گئے۔ گاشا بھی حاتم کے پیچھے بھاگی۔ حاتم نے اُسے بتایا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ رات گزارے گی۔

"ارے!" گاشا کو تعجب بھی ہوا اور اُسے شاک سا لگا۔ یہ کیسی نئی بات۔ وہ حاتم سے الگ کمرے میں لیٹے گی۔ یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ایرنا نے اُس سے کہا کہ آج میں رات بھر تجھ سے باتیں کروں گی اور تیرے پاس کسی دوسرے کو آنے نہ دوں گی۔

"اچھا۔۔۔۔ ایسا؟۔۔۔۔ موگانا شتے" بے خبری میں وہ اپنی زبان کا ایک لفظ بول گئی۔

اور واقعی رات کو ایرنا نے اُسے سونے نہیں دیا۔ اُس نے حاتم کی بات چھیڑ دی اور گاشا کو لطف آ گیا۔ وہ خوش ہو کر بہن سے باتیں کرنے لگی۔

"تو گاشا! تم کو واقعی حاتم سے بہت محبت ہے۔"

"تم میری بہن ہو دیدی! لیکن میں تم کو ماں سمجھتی ہوں۔ ہاں! میں حاتم کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھتی ہوں۔"

"اسی لئے تم ایک رات بھی اکیلے اُس کے بغیر نہیں گزار سکتیں۔"

"ہاں! دیدی ماں!"

"خدا تم دونوں کی محبت بڑھائے۔ ایک بات بتائے گی؟"

"ہاں دیدی۔ پوچھو۔"

"تمہاری شادی تو ہو گئی ہے نا!"

"ہاں۔ یوگا یوگاشی شی۔ بہت دن ہو گئے۔"

"مگر مجھے لگتا ہے کہ تیرا چہرہ بالکل کچا کچا کنواری لڑکیوں کی طرح ہے۔ تجھے مرد نے چھوا بھی نہیں۔"

"دیدی! حاتم کہتا ہے کہ اسلام کے مطابق شادی نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ مجھے ہاتھ نہیں لگاتا۔"

"پھر؟"

"پھر؟ کیا مطلب دیدی؟ میں اُس سے بہت ناراض ہو جاتی ہوں مگر جب وہ مجھ سے پیاری پیاری باتیں کرتا ہے تو میں من جاتی ہوں۔"

"حاتم تیری بڑی تعریف کرتا ہے۔"

"ہاں دیدی وہ بڑا پریمی ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے۔"

"کتنی محبت ہے۔"

"دیدی! کتنی محبت ہوتی ہے۔ جتنی بھی ہونا چاہئے۔"

"اگر وہ کہے کہ... کہ... وہ کیا کہتے ہیں...؟"

"دیدی! میں اُس پر جان نچھاور کر سکتی ہوں۔"

"یہ جان کیسے نچھاور کی جاتی ہے۔"

"میرا مطلب ہے دیدی کہ میں اُسے ہر حال میں خوش دیکھنا پسند کرتی ہوں۔ اُسے کانٹا چبھے، میرے چبھ جائے۔ وہ بیمار نہ ہو، اُس کی بیماری مجھے لگ جائے۔"

"خدا ایسا نہ کرے۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ اگر حاتم کو کوئی چیز پسند ہو اور وہ چیز تم کو پسند نہ ہو تو تم کیا کرو گی؟"

"دیدی میں وہی چیز پسند کرنے لگوں گی۔"

"تو سچ مچ، تجھے حاتم سے سچی محبت ہے۔" پھر ایرنا نے حاتم کا پورا قصہ شروع سے آخر تک بتایا اور بتایا کہ وہ کیسے یونیورسٹی سے الگ ہوا۔ اُس نے مجھ پر کیا احسان کیا۔ پھر اچھوتوں کی بستی میں گیا۔ ان سب کو نیک بنایا اور پھر وہیں اُس کی شادی ایک لڑکی سے ہو گئی۔

"گداشن نامی ناچی!"

"یہ تو نے کیا کہا؟"

"دیدی! یہ تو بُرا ہوا۔ میں کسی کو اپنی خوشی میں شریک نہیں کر سکتی۔"

"گاشا! یہ بتاؤ اگر تم کھیلنا چاہو تو کیا اکیلے بھی کھیلا جا سکتا ہے اور تم خوش ہو سکتی ہو؟"

"وہ تو کھیل میں کسی کو شریک کرنا ہی پڑے گا دیدی!"

"اگر تم سیر کو جاؤ اور اکیلی ہو تو کیا تم کو خوشی ہوگی؟"

"نہیں، میں کسی کو سیر و تفریح میں شریک کر لوں گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ، تم اکیلی اکیلی رہ کر خوش کیوں نہیں ہو سکتیں؟"

"دیدی! کوئی اکیلے کیسے خوشی منائے جب تک دوسرے شریک نہ ہوں۔"

"میں یہی تم کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ اب جبکہ حاتم کی شادی ہو چکی ہے تو تم اپنی خوشی میں اُس کی بیوی کو بھی شریک کر لو۔ تب ہی تم خوش رہ سکو گی۔"

"یہ بات تو تم ٹھیک کہتی ہو۔"

"پھر تم دیکھو گی کہ حاتم کو تم سے دوگنی چوگنی محبت ہو جائے گی۔"

"دیدی! میں حاتم کے لئے سب کچھ اپنا سکتی ہوں۔"

"اب میں سمجھی تجھے حاتم سے سچ مچ محبت ہے۔"

"تو اب لے چلو، حاتم کے گھر مجھے۔ وہ کہتا ہے کہ گھر چل کر پھر شادی کریں گے۔"

"ہاں۔ کل ہم سب یہاں سے چلیں گے۔ راستے میں آگرہ کا تاج محل دیکھنا ہے۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ بھی دو دلوں کی محبت کی یادگار ہے۔"

"تو ضرور دیکھوں گی۔"

"اس کے بعد دلّی کی سیر کریں گے۔ وہاں کی جامع مسجد مشہور ہے۔ لال قلعہ مشہور ہے۔ قطب مینار مشہور ہے۔ تجھ کو خوب سیر کراؤں گی۔"

"دیدی تم سچ مچ میری ماں ہو۔ مجھے پھر ایک بار پیار کر لو اور مجھ کو اپنے پاس ہی سُلا لو میں بھول گئی کہ ماں کے پاس کیسے سوتی تھی۔"

ایرنا نے اُسے پاس بلا لیا اور دونوں ایک ہی بیڈ پر چپٹ کر سو گئیں

"آپ نے مجھے بُلوا لیا ہوتا نواب صاحب! آپ نے ناحق تکلیف فرمائی۔"

"چودھری صاحب! ہمیں آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ اور وہ ایک راز ہے جسے ہم چند بوڑھے ہی دل میں رکھ سکتے ہیں۔"

"میں انشاء اللہ آپ کے راز کا امین رہوں گا۔ فرمائیں!"

"بات بہت نازک ہے، اگر آپ اِس نزاکت میں ہماری مدد نہ کریں گے تو سارا کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔"

"آپ بات کہیں تو!"

"صادِق! تم چودھری صاحب کے گروپ کے آدمی ہو۔ ایک دوسرے کے مزاج سے واقف ہو، تم کہو۔"

"اگر اجازت ہو تو میں پیش کروں۔" عاصم صاحب نے دخل درمعقولات کیا جسے نواب صاحب نے مان لیا۔ عاصم صاحب نے کہنا شروع کیا:۔

"چودھری صاحب! یہ سیّد صادق حسین صاحب کی ذہانت ہے کہ وہ ہمیں دارالعلوم سے یہاں لے آئے۔ یہاں ہم چند بوڑھوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ لڑکے لڑکیاں حسن اور حسنیٰ وغیرہ سب وہیں ہیں۔ یہ ہم کو اچھا موقع مِلا کہ یہاں سنجیدگی سے ایک افتاد پر غور کریں گے۔ کسی اچھے نتیجے پر پہونچیں گے۔"

"عاصم صاحب! یہ بات سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ آپ مرحوم حاتم کے باپ ہیں (حاتم

کے نام سے چودھری صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے)۔ عاصم آپ ہی کا ساختہ پرداختہ تھا۔ آپ جس سلیقے سے بات کرتے ہیں ہم سب اُس کے قائل ہیں۔ آپ کسی تمہید کے بغیر فرمائیں۔"

"سب سے پہلے آپ یہ خوشخبری سُنیں کہ حاتم مرا نہیں۔ وہ زندہ ہے۔"

یہ خبر سُنتے ہی چودھری صاحب الحمدللہ پکار کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔"

"تشریف رکھئے، تشریف رکھئے! ہم کو معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر آپ خوش ہوں گے لیکن حاتم کی زندگی کے ساتھ ساتھ ایک بہت ہی نازک معاملہ آن پڑا ہے اور اس کا حل آپ ہی کے پاس ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ ہے۔" عاصم صاحب نے ایرنا کا رجسٹرڈ لفافہ جو کھلا ہوا تھا، اُس میں سے خط نکالا۔ خط کا مضمون کیا تھا، ایک طویل داستان تھی۔ ایرنا نے انگریزی میں لکھا تھا۔ عاصم صاحب پڑھتے جا رہے تھے اور خط کے مضمون کا ترجمہ کرتے جا رہے تھے۔ تینوں بزرگ یعنی نواب صاحب، صادق حسین صاحب اور چودھری صاحب نہایت خاموشی کے ساتھ سُن رہے تھے۔ کسی کسی وقت یہ بزرگ کبھی ماشاءاللہ، کبھی سبحان اللہ، کبھی جزاک اللہ اور کبھی "کمال کر دیا گاشا نے" اس طرح کے فقرے کہہ اُٹھتے تھے۔

خط پڑھ کر عاصم صاحب نے میز پر رکھ دیا۔ سب نے ایک لمبی سانس لی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اسلام میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ میں اس کے حق میں ہوں کہ گاشا کے احسانات کا بدلہ اُسے ملنا چاہئے۔"

"مگر کیسے؟" عاصم صاحب نے کہا "عائشہ سُنے گی تو اس کے دل پر کیا بیتے گی۔ یہاں مشرقی قوموں میں سوکن کو عورتیں برداشت نہیں کرتیں۔ مصیبت یہ ہے، ہم اُن کا ذہن بنا نہیں سکے"

یکدم سناٹا چھا گیا۔ چودھری فاروق صاحب نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا "حل سوچنا ہوگا ورنہ حاتم بھی تباہ ہوگا، گاشا جان دیدے گی اور عائشہ کا دل ویسے ہی کمزور ہے۔ میں تو اسی

اندیشے میں ہوں کہ حاتم کو زندہ سن کر اسے شادی مرگ نہ ہو جائے۔"

"تو چودھری صاحب! ایرنا کی تجویز پر غور فرمائیں۔ میرے خیال میں اُدھر سے ایرنا اور ادھر سے امتہ اللہ معاملے کو ہاتھ میں لے لیں تو بڑی خوبصورتی سے یہ دونوں عائشہ اور رگا شا کو ہموار کر سکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے عاصم صاحب! میں ایرنا کی تجویز پر صواد کرتا ہوں۔"

"تو پھر کھلائیے کچھ۔ اتنی دیر سے ہم سب منتظر ہیں۔"

"حاضر ہے۔ عبدالکریم! کیا دیر ہے؟"

عبدالکریم جیسے تیار ہی تھا، بولا "سب تیار ہے۔"

"یہیں لے آؤ۔ اور دیکھو کسی کو یہاں آنے مت دینا۔"

"بہت خوب!"

"کہاں ہو، آشی اپی! ہاشم جاگ رہا ہے کہ نہیں،" حسن دوڑتا ہوا عائشہ کے گھر گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ عائشہ ہاشم کے کپڑے دھوپ میں پھیلا رہی تھی۔ وہ بالکل سادہ لباس میں تھی، جیسے کوئی بیوہ ہوتی ہے۔ اُداس اُداس۔

"اپی! آج تو پڑاق پراق ہو جاؤ۔"

"ہٹ بدتمیز! تیرا پیٹ کیوں پھولا جا رہا ہے۔ کہہ ڈال جو کہنا ہے۔"

"اچھا اپی۔ نہیں کہتا۔ ہاشم کہاں ہے۔ بتاؤ۔"

"انیلہ لے گئی ہے۔"

"اچھا تو وہیں آجاؤ۔ اور دیکھو، سوا من مٹھائی لیتی آنا۔" حسن اُلٹے پاؤں ہنستا ہوا انیلہ کی طرف بھاگا۔ راستے میں امتہ اللہ بھابی اور رامینہ کے کوارٹر تھے۔ انھیں پکارتا گیا۔

"بوڑھی بوڑھی بھابیو! منّی بھابی کے یہاں فوراً سے پیشتر آجاؤ۔ دیر کروگی تو جرمانہ ہوگا۔ اور آرشی مٹھائی کھلائے گی۔"

"دیکھ رہی ہو امینہ! یہ حسن کس قدر شوخ ہو گیا ہے۔"

"بھابی! اُس نے حسنی اور حسینہ کو بھی شوخ بنادیا۔ باپ بننے کو ہے لیکن اس کا الھڑپن نہیں"

"اچھا تو آؤ آج اس کے کان اچھی طرح کھینچ دیے جائیں۔"

امتہ اللہ بھابی اور امینہ انیلہ کے کوارٹر میں پہونچیں تو وہاں حسن ہاشم کو گود میں لئے گا رہا تھا

"ستارو! پھول برساؤ، میرا محبوب آیا ہے
مٹھائی آج کھلواؤ، میرا محبوب آیا ہے

آغوں آغوں کیا کرتا ہے۔ گاتا کیوں نہیں!"

"ہائے بھابی! توبہ میری۔ ہزار بار توبہ۔ آپ میرا کان چھوڑیئے۔ میں تو دانھک بیٹھک کروں"

امتہ اللہ بھابی نے ہنس کر اس کا کان چھوڑ دیا "اچھا بتا! مسخرے! کیوں ہمیں نیوت دیا ہے"

"آج کی تازہ خبر۔ بارش لعل دگہر۔ سب کی سب آؤ ادھر۔ ٹھیک سے بیٹھو مگر۔ ایک ادھر، ایک اُدھر۔ آج کی تازہ خبر!"

عائشہ بھی آگئی تھی حسن آپے سے باہر ہوا جارہا تھا۔ فضا کو غیر سنجیدہ کئے دے رہا تھا۔ عائشہ نے ڈانٹا "یہ کیا بدتمیزی ہے!"

"اوہو، اپّی یہ رعب! اور کہیں سُن لو اگر۔ آج کی تازہ خبر۔ اچھا اے منّے میاں! ہاشم لختِ جگر! آج کی تازہ خبر۔ آج کی تازہ خبر۔"

"ارے مسخرے! تجھے یہ کیا ہو گیا ہے پگلے!"

"اچھا لیجئے۔ میں سنجیدہ بنا جارہا ہوں۔ وہ دیکھو آرہی ہیں محترمہ حسنی بیگم اینڈ حسین جہاں بیگم تو لیڈیز اینڈ جینٹلمین! ارے توبہ یہاں مرد کہاں ہیں۔ سنئے ذرا، ذرا سنئے! کانوں کو کھول کر۔ آج کی

تازہ خبر۔ لیکن مٹھائی۔ منی بھابی دیکھئے، یہ سب تو مجھ سے بڑی ہیں۔ آپ مجھ سے چھوٹی ہیں۔ پھر یہ کہ آپ نواب زادی ہیں۔ آپ ماشاءاللہ وضعدار ہیں۔ تو پہلے کچھ کھلائیے تو آج کی تازہ خبر سناؤں۔ مزا آجائے گا منی بھابی۔"

اینلہ شروع ہی سے حسن اور حسنیٰ سے مانوس تھی۔ اس نے حسنیٰ کو اشارہ کیا۔ حسنیٰ گئی اور کانس پر رکھی قاب اٹھا لائی۔ "لیجئے محترم لاؤڈ اسپیکر صاحب! اب سنائیے کوئی تازہ غزل۔"

"جل تو جلال تو۔ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کیا اچھی بیوی عطا فرمائی ہے لیکن میں زن مرید نہیں بن سکتا۔ میں اپنی بہن کے مقابلے میں بیوی کی پروا نہیں کرتا۔"

"اچھا نہ کرو۔ سناؤ آج کی تازہ خبر!" حسنیٰ جز بز ہو گئی۔

"لو میاں ہاشم! یہ گلاب جامن کھاؤ۔ میرا احسان یاد رکھنا۔ کل جب ابا جان سے ملنا تو مجھے بھول نہ جانا۔ آج کی تازہ خبر!"

اب تو حسن کی تمام بہنیں اور بھابیاں چونکیں۔ امتہ اللہ بھابی نے کہا:

"پیارے حسن۔ خدا کے لئے سنجیدہ بنو۔ بتاؤ کیا خبر ہے۔ تم کچھ کہنے آئے ہو۔"

"ہاں بھابی! اچھا ذرا آشی کو ہنسا دیجئے تو میں آپ کو خوش کروں گا ورنہ [illegible] الجھنے رہا۔" حسن سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے ہاشم کو گود میں بھر لیا۔ پھر کہا:

"بھائیو اور بہنو! اور ہاں اہلیہ محترمہ حسنیٰ صاحبہ! آپ بھی سنئے! ایک کہانی۔ میری [illegible] ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا، تمہارا خدا بادشاہ۔۔۔"

"اوہو! اب تک پہیلی بجھاؤ گے۔ اب بتا بھی چلو حسن بھائی!"

"شاباش! کیسی باادب ہے میری منی بھابی۔ سنئے! کانوں کی دیکھی کہتا نہیں۔ آنکھوں کی [illegible] کہتا ہوں۔ سننے والے کو عذاب نہیں۔ سچ ماننے والے کو ثواب ہی ثواب۔۔۔"

"حسن بھائی! تمہیں قسم ہے۔ اب تڑپاؤ نہیں۔ ضرور کوئی بات ہے!"

"ہاں ہے بُسناؤں! اچھا رکھیں سب سینے پر ہاتھ۔۔۔!"
"اچھا لو رکھ لیا۔" انیلہ نے کہا۔
"اب سُنئے۔ وہ جو ہیں ایرنا۔ جیسے ہوشیرنا۔ بے حد دلیرنا۔ تو لیڈیز اینڈ جنٹلمین! اُس نے خط
ماہے کہ اُس نے ایک ایسے شخص کو ڈھونڈ نکالا ہے جسے آپ سب جانتی ہیں۔۔۔"
امتہ اللہ بھابی سمجھ گئیں کہ ہے ضرور خوشخبری لیکن یہ پگلا اِس وقت بڑی سمجھ سے کام لے رہا
رہن بن کر بے خود ہو رہا ہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

"حسن میں سمجھ گئی۔"
"تو پھر کہہ دیجئے آپ ہی!"
"تو ہی سُنا!"
"سنئے! ایرنا جاسوس کی بیوی ہے نا۔ اُس نے جب سُنا کہ حاتم بھائی غائب ہیں تو۔۔۔۔
"ارے ارے! اپّی اپّی۔ آشی اپّی۔۔۔۔۔"
سب کی سب عائشہ کو دیکھنے لگیں۔ اُس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ انیلہ نے بڑھ کر شربت
لشا کی بوتل اٹھائی۔ گلاس میں انڈیل کر عائشہ کو شربت پلایا۔ حسن چپ ہو گیا تھا۔ مُنّے
نم کو گود میں اُٹھا کر بولا:
"اپّی اور آپ سب کو مبارک ہو!"
"کیا، کیا! کیا حاتم بھائی زندہ ہیں۔۔۔؟" ساری لڑکیاں بوکھلا گئیں۔
"ہاں حاتم بھائی زندہ ہیں۔ ایرنا کا خط آیا ہے۔۔۔۔۔" حسن نے ہاشم کو امتہ اللہ کی گود
پھینکا اور لپک کر عائشہ کو سنبھال لیا جو بے ہوش ہو گئی تھی لیکن لڑکیوں، خصوصاً

آمنۃ اللہ بھابی کی تدبیروں نے کامیابی کا روپ دھارا۔ عائشہ ہوش میں آگئی اور اُس نے بھائی کا منھ چوم لیا۔ حسن خوشی کے آنسو بھر لایا۔ پھر سب کے پوچھنے پر نہایت سنجیدگی سے پوری بات بتائی نواب صاحب نے فرمایا ہے کہ سب کو دہلی جانا ہے۔ سب کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم سب دہلی جائینگے حاتم بھائی کا استقبال کرنے بڈھوں میں سے کوئی نہیں جائے گا۔ وہیں ایرنا حاتم بھائی کو لیکر آئیں گی خط میں لکھا ہے کہ حاتم بھائی کو ایک جنگلی لڑکی نے قید کر لیا تھا۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر آئے ہیں لیکن وہ لڑکی اب بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔

عائشہ خوشی کے آنسو بہا رہی تھی۔ حسن نے کہا:

"ذرا میں بھی شربت پی لوں، منّی بھابی!" اُس نے اینلہ کو آنکھوں کے اشارے سے الگ بلالیا۔ اینلہ کے ساتھ امتہ اللہ بھابی بھی پہونچ گئیں۔ حسن نے چپکے سے کوئی بات کہی اور امتہ اللہ اور اینلہ دونوں سوچ کے ساگر میں ڈوب گئیں۔

اچھا ہی ہوا کہ ایرنا کو بمبئی میں یہ خیال نہیں آیا کہ حاتم کے حادثہ کو اخبارات میں دیدے، ورنہ وہاں سے چھٹکارا مشکل ہو جاتا۔ فلموں والے الگ ناک میں دم کر دیتے۔ اُس نے لکھ تو بمبئی ہی میں ڈالا تھا لیکن اُس نے مضمون کی نقلیں کر کے دہلی کے اخبارات میں بھیجدیں۔ مضمون ان سب کے دہلی پہونچنے سے پہلے اردو، انگریزی اور ہندی اخبارات میں چھپ گیا۔ پھر جیسے ہی ایرنا حاتم اور گاشا کو لئے ہوئے بہادر سنگھ کے ساتھ دہلی پہونچی تو پریس نمائندوں نے حاتم اور گاشا کو گھیر لیا۔ حاتم کو تو پریس نمائندے پہلے سے جانتے تھے۔ وہ سب جنگلی سانولی حسینہ کو دیکھنے اور اُس کی زبان سے بات لینے کی زیادہ کوشش میں تھے۔

گاشا غیر متمدن لڑکی پریس نمائندوں کے سوالات سے بوکھلائی جا رہی تھی۔ حاتم اُس کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ گاشا ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جواب دیتی تھی لیکن جب اُسے بولنے میں زحمت ہونے

لگتی تو وہ اپنی زبان میں بولنا شروع کر دیتی۔ اُس کی اِس گھبراہٹ سے پریس نمائندوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے حادثے کی خاص خاص باتیں مثلاً جنگل کا سماں، حاتم تک وہ کیسے پہونچی، اُس جڑی بوٹی اَور ان پتیوں کے نام کیا ہیں جن سے حاتم کے زخم اچھے ہو گئے، اَور سانپ کے زہر کو اتارنے والی بوٹی کی پہچان کیا ہے..... وغیرہ وغیرہ بعض پریس والوں نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ گاشا اپنے جنگلی لباس میں اپنے کو روشناس کرے لیکن یہ بات نہ حاتم نے پسند کی اَور نہ گاشا ہی اِس کے لئے تیار ہوئی۔

دلی میں حاتم کی آمد سے پبلک کو بھی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ جگہ جگہ اُسے مدعو کیا جانے لگا۔ اب حالت یہ تھی کہ رات کو کہیں نہ کہیں جلسہ ہوتا اَور دن میں ایرنا گاشا کو مشہور مقامات دکھانے نکل کھڑی ہوتی۔ نہ جانے اِس میں اُس کی کیا مصلحت تھی کہ وہ نہ حاتم کو ساتھ لیجاتی اَور نہ اپنے شوہر بہادر سنگھ کو۔

دلی آنے کے تیسرے دن ایرنا گاشا کو دلی کی جامع مسجد دکھا رہی تھی۔ انھوں نے حوض کے اُس کنارے پر جہاں کبوتروں کے لئے دانہ پڑا تھا، کچھ برقع پوش عورتوں کو دیکھا۔ ایک برقع پوش عورت کی گود میں سال سوا سال کا گول مٹول نہایت خوبصورت بچہ تھا۔ اس بچے پر گاشا کی نظر جم گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہی تھی اَور ایرنا کو اُدھر چلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

برقع پوش خواتین نے دیکھا کہ کوئی اُن کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو وہ وہیں ٹھہر گئیں۔ جس خاتون کی گود میں بچہ تھا اُس نے بچے کو فرش پر بٹھا دیا۔ بچہ قلقاریاں بھر کے کبوتروں کی طرف لپکا۔ کبوتر پھڑ پھڑا کر اُڑے تو اُسے مزہ آگیا۔ وہ تالیاں بجانے اَور قہقہہ لگانے لگا:

ایرنا کے ساتھ گاشا لڑکے کے قریب پہونچ گئی تھی۔ گاشا بچے پر ایسی فریفتہ ہوگئی کہ اُسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ وہ ہندوستان میں ہے۔

"اونا مائی جھا گنڈے شی"

اُس نے بچے کو چمکارا۔ بچے نے بھی ہمک کر اُس کی طرف ہاتھ اٹھا دئے۔ گاشا نے اُسے

گود میں بھر لیا اور بے تحاشا چومنے لگی۔ "او نا مائی چھا گنڈے شی۔ گوپائے۔ گوپائے!" پھر اُسے خیال آیا کہ وہ ہندوستان میں ہے۔ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہنے لگی:

"واٹ از یور نیم؟"

برقع پوش عورتیں اُس کی باتوں پر ہنسنے لگیں۔ گاشا نے دیکھا کہ ایرنا اِن خواتین سے گھل مل کر باتیں کر رہی ہے۔ گاشا سنبھلی۔ اُس نے بچے کی ماں سے معذرت کی:

"میں نے آپ کی اجازت کے بغیر بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔ یہ بچہ مجھے بہت اچھا لگا۔ دراصل یہ بچہ میرے حا........"

یہ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی کہ ایرنا نے اُسے گھورا۔ وہ چپ ہو گئی۔ پھر وہ سب وہاں سے ہٹ کر ایک گوشے میں گئیں اور گھیرا بنا کر بیٹھ گئیں۔ ان سب نے نقاب الٹ دیے۔ گاشا ان سب کو دیکھ کر عش عش کر گئی۔ کتنی خوبصورت ہیں یہ سب!

ان میں سے ایک بلند و بالا خاتون نے اپنا تعارف کرایا "میرا نام امۃ اللہ ہے۔ میں ٹیچر ہوں اور یہ ہیں نواب زادی انیلہ اور یہ ان کی بہن امینہ ہیں... پوسٹ گریجویٹ اور میری بہترین معاون۔ اور یہ بی حسنیٰ یہ حسینہ۔ اور یہ جو تم کو تکے جا رہی ہیں یہ ہیں اِس بچے کی ماں عائشہ بی۔ اِن کی نظر سے بچی رہئے گا جس پر ان کی نگاہ پڑ گئی بس وہ ان کا ہو کر رہ گیا۔ جادوگرنی ہے جادوگرنی۔ دیکھئے، وہ آپ کو کھائے جا رہی ہے نگاہوں نگاہوں میں۔" امۃ اللہ نے سنجیدہ گفتگو کرتے کرتے مزاحیہ رنگ اختیار کر لیا۔

"میں آپ سب سے مل کر بہت خوش ہوئی۔" پھر عائشہ سے کہا "آپ کا بچہ بہت پیارا ہے، وہ بالکل میرے حا........"

"اُف دیدی! آپ نے تو میری ران کی بوٹی نوچ لی۔" گاشا چیخ پڑی۔

پھر اُس نے اپنا چھوٹا سا بیگ کھولا۔ ایرنا نے رنگ برنگ کی ٹافیاں اور چاکلیٹ اُس میں رکھ دیے تھے۔ جب ایرنا بچوں کی دلچسپی کی یہ چیزیں خرید خرید کر اس میں بھر رہی تھی! تو گاشا نے

اعتراض کیا تھا مگر اب وہ بہت خوش ہوئی۔ "دیدی! تم بہت دور اندیش ہو۔"
گاشا نے ٹافیاں اور چاکلیٹ بچے کے آگے انڈیل دئے۔ بچہ ان سے کھیلنے لگا۔
"تو بہن! اتنا پیار ہے تو پھر اسے کھلاؤ بھی نا!" عائشہ نے گاشا سے کہا، اور وہ خوش ہوکر بچے کو پیار کرنے لگی۔ اس نے پوچھا:
"اس کا کیا نام ہے؟"
"ہاشم" عائشہ نے جواب دیا
"ہاشام۔ ہاشام!" گاشا نے بچے کے گال تھپتھپائے۔ پھر اس کے گالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے
"جنے یہ بچہ مجھے کیوں پسند ہے؟"
"پسند کیوں نہ ہو گاشا!" عائشہ بولی "وہ تو تمہارے حاتم کی شکل کا ہے نا!" اور عائشہ نے اپنا کلیجہ تھام لیا۔
عائشہ کے اس جملے نے امتہ اللہ اور اس کی ساتھی خواتین کو گھبرا دیا "اچھا گاشا بہن! اب اجازت دیجئے۔ اب ہماری ملاقات کل لال قلعہ میں ہوگی بس چلو لڑکیو!"
امتہ اللہ کے کہنے سے سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انیلہ نے ہاشم کو اٹھالیا۔ "آشی بھابی! گاشا کے گلے تو مل لو"
عائشہ بڑھی اور اس نے گاشا کو گلے سے لگا لیا۔ گاشا اس وقت وہ ہار پہنے تھی جو اسے رابرٹ نے دیا تھا۔ اس نے وہ ہار عائشہ کے گلے میں ڈال دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ عائشہ کانپ رہی ہے۔
"آپ بہت کمزور دل کی ہیں۔"
"گاشا، میرے پاس دل ہی نہیں ہے۔ وہ کمزور کہاں سے ہوگا۔"
"دل تو ہے آپ کے پاس" بھولی گاشا کہنے لگی "یہ دیکھئے یہ تو بہت دھڑک رہا ہے" اس نے عائشہ کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "دیدی، دیدی ماں! میری بیگ میں دست گنی شا ہے۔ اچھا میں

خود نکالتی ہوں" اُس نے جھپٹ کر بیگ سے ایک ہری بوٹی نکالی۔ اُسے ہتھیلی پر رکھ کر انگوٹھے سے دبایا۔ "پچ" کی آواز ہوئی۔ گاشا نے وہ بوٹی عائشہ کے منہ میں ٹھونس دی۔ عائشہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اب وہ اپنے پاؤں پر پوری قوت سے کھڑی تھی۔

"امتہ اللہ بھابی! میں کیا دوں گاشا کو۔ میرا تو سب کچھ چھین لیا گیا۔"

"کس نے چھین لیا؟" گاشا تنک کر بولی "میں اُس کی جان مار دوں گی۔"

"اری ظالم! وہ تو ہی تو ہے۔۔۔۔۔۔ تو نے ہی تو میرا سب کچھ چھینا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے پاس ایک دل تھا۔ وہ اب تیرے قبضے میں ہے۔۔۔۔۔۔۔ جا خدا تیرا بھلا کرے۔۔۔۔۔۔۔"

"اچھا۔ آپ نے یہ محبت کی بات کہی نا!" بھولی گاشا کچھ کچھ سمجھی۔

ایرنا نے اب رکنا مناسب نہ سمجھا۔ اُمتہ اللہ کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھی آنکھوں آنکھوں میں کچھ کہا اور ایرنا گاشا کو لے کر جامع مسجد کے پوربی دروازے کی طرف بڑھی۔ گاشا مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ عائشہ کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے موتی گرے جنھیں اُس نے آنچل میں لے لیا۔

"اُمتہ اللہ بھابی! اُس سانولی نے مجھے لوٹ ہی لیا۔"

"نہیں عائشہ! اُس نے تو جان پر کھیل کر تیرا مال بچایا۔ پھر اُسے جنگلی قبائل سے بچاتی ہوئی، جنگل کے درندوں سے لڑتی ہوئی صاف نکال لائی اور اب تیرا مال بہادر سنگھ کے پاس نقد کل کا کل موجود ہے۔"

"کہاں ہے۔ اُس کے بغیر تو میری جان ہی نہیں ہے۔"

اسی وقت حاتم ہاشم کو گود میں لئے پیار کرتا ہوا آ گیا۔ عائشہ دوڑ کر اُس سے لپٹ گئی۔ امینہ نے بڑھ کر ہاشم کو سنبھال لیا ورنہ حاتم اچانک جھٹکے کے ساتھ گر جاتا۔ عائشہ اُس سے چمٹی ہوئی رو رہی تھی۔ امینہ اور حسنیٰ وغیرہ اُس کے پاس آ گئی تھیں۔ وہ سب اُس کی پیٹھ پر ہاتھ

رہی تھیں۔ بڑی دیر کے بعد امتہ اللہ بھابی نے دونوں کو الگ کیا۔
"بدشگونی! رو رہی ہے۔ صدقہ نہیں اُتارتی۔" اور یہ کہہ کر اُمتہ اللہ بھابی نے حسن کو پکارا،
، سَو روپے دیئے کہ فقیروں کو بانٹ دے۔ پھر سب بیٹھے۔ عائشہ کا وہی حال تھا جیسے شاعر نے
طرح کہا ہے: ؎

یہ کہتے، یہ کہتے ہم گھر اپنے جو یار آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا

حاتم نے اپنی زبان سے جہاز میں آگ لگنے، پھر پیراشوٹ کی مدد سے چھلانگ لگانے، پھر جنگل
کرنے اور پھر گاشا کے ملنے اور اُس کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ گاشا نے اپنے قبیلے سے کس طرح بچایا،
لے کر کس طرح نکل بھاگی، پھر جنگل میں کس طرح راستہ بنایا، درندوں سے لڑتی ہوتی، شیر مارتی
، کس طرح اٹھارہ دن میں جنگل پار کیا، حاتم نے پوری تصویر اپنے لفظوں میں دکھا دی اور یہ بھی
دیا کہ اُس کی گاشا سے وہیں شادی ہو گئی ہے۔ اُس نے میری وجہ سے اپنے قبیلے کو چھوڑا۔ باپ
بت کو لات ماری۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ اُس کے احسانات کا بدلہ کس طرح دوں۔ عائشہ!
با اُس کی قربانیاں۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں عائشہ کے پاس چلوں گی۔ وہ تم سے محبت کرنے
ہے۔ ابھی اُسے نہیں بتایا گیا کہ تم ہی میری بیوی ہو۔ وہ کہتی ہے کہ میں عائشہ کے گھر جاؤں گی اور
کے پاس رہوں گی۔ میں ہاشم کو مانگ لوں گی۔ بولو۔ ہمت ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس غریب کا
ٹا تو وہ جان دیدے گی۔ کیا تم اُسے مرنے سے بچا لو گی!
عائشہ رو رہی تھی۔ اُس کی زبان سے کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ تمام لڑکیاں آنسو بہا رہی تھیں۔ آخر
تک، رونے سے عائشہ کی بھڑاس نکل چکی تھی۔ اُس نے کہا:
"میں آپ کے لئے سب کچھ برداشت کر لوں گی۔"
"میں مجبور نہیں کرتا۔ اگر واقعی گاشا ہماری محسن ہے اور اب وہ ہمارے رحم و کرم پر ہے تو

کھلے دل سے تم اُنھیں سینے سے لگالو۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"اچھا تو چلو میرے ساتھ!"

"کہاں؟"

"چلو گاشا کو یہیں لے آؤ چل کر۔"

عائشہ نے سوتے ہوئے ہاشم کو اُٹھایا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ معاً پاؤں کی چاپ نے اُسے ہکا بکا کر دیا۔ ایرنا گاشا کو لئے آرہی تھی اور اُس سے کہہ رہی تھی کہ وہ عائشہ ہی تو ہے جس
تمہاری خوشی اور تمہاری خوشی اس کی خوشی ہے۔

گاشا دوڑ کر عائشہ کے گلے سے لگ گئی۔ دونوں دیر تک چمٹی رہیں۔

پھر وہیں سے نواب صاحب کی خدمت میں خط لکھا گیا۔ خط نہیں
اور آداب کے بغیر لکھ کر بھیج دیا: ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

IJAB" (URDU MONTHLY) Rampur (U.P) 244901

No R. N. 20384 70 Regd No MRD 34

JULY AUGUST 1983

اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس
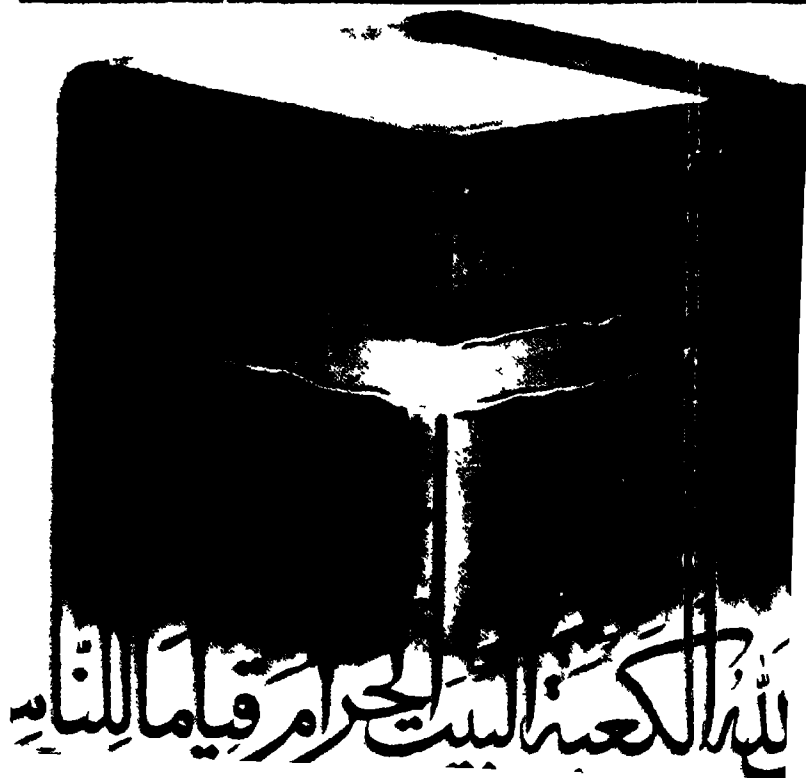
## ستمبر ۱۹۸۲ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

| زرِتعاون | |
| --- | --- |
| عام شمارہ ........................ | چار روپیہ |
| سالانہ ........................ | پچاس روپیہ |


اِس دائرے میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اِس شمارے کے ساتھ آپ کے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہو گئی۔ آئندہ کے لئے زرِتعاون جلد ارسال فرمائیں۔ "منیجر حجاب"


پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور مطبوعہ

**نبی کریم نمبر** عرصہ ہوا میں نے ایک کتاب لکھی تھی 'نور محمدیؐ' بچوں کیلئے۔ ایسے بچوں کے لئے جو دس بارہ برس کے ہوں۔ اس کتاب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات آسان زبان میں پیش کئے تھے۔ انداز بیان سادہ تھا۔ حالات کچھ اسطرح ترتیب پا گئے تھے کہ ایک صاحب نے جب انگریزی میں حضورؐ کی پاک زندگی مرتب کرنی چاہی تو 'نور محمدیؐ' کی ترتیب کو سامنے رکھا۔

'نور محمدیؐ' کتاب میں نے مسلمان بچوں کے لئے لکھی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ آپؐ کے حالات پڑھ کر بچوں کو آپؐ سے محبت پیدا ہو اور اُن کے اندر یہ جذبہ اُبھرے کہ نبی کریمؐ نے زندگی بسر کرنے کا جو نمونہ دیا ہے اس نمونے کو سامنے رکھ کر ہم بھی اپنی زندگی بنائیں اور بتائیں اور اسی میں دونوں جہان کی کامیابی سمجھیں۔

'نور محمدیؐ' کتاب منظر عام پر آئی۔ لوگوں نے پڑھا تو یہ تقاضا شروع کر دیا کہ میں اسی ترتیب سے ہندوستان کے غیر مسلم بھائیوں کے لئے حضورؐ کے حالات لکھوں۔ مزے کی بات یہ کہ یہی بات میں محترم افضل حسین صاحب اور محترم مولوی حامد علی صاحب سے کہا کرتا تھا کیونکہ اس سلسلے میں ان دونوں بزرگوں کا مطالعہ بہت زیادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نبی کریمؐ کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلموں کے ذہن کو سامنے رکھ کر حضورؐ کے حالات لکھے جائیں۔ یہاں کے لوگ یہ سمجھیں تو کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہی پیروی کے لائق ہے اور آپؐ نے جو عقیدہ دیا ہے وہی حق ہے۔

اب تک حضورؐ کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں ایسے الفاظ آتے ہیں جو لوگوں کے لئے بالکل انوکھے اور نئے ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو وہ اپنے آپ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک ستم ظریفی سامنے آتی ہے۔ رسول کے معنی وہ اوتار کے لیتے ہیں، معجزہ کو چمتکار سمجھ لیتے ہیں اور وحی کے معنی آکاش بانی وغیرہ۔ نبی کریمؐ کی زندگی کے حالات پڑھتے وقت اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہمارا ہندو بھائی یہ کہہ دیتا ہے کہ ہاں محمد جی مہاراج تھے تو بہت اچھے لیکن بدیسی تھے۔ یہ وہی بات ہے جو وطنی قوم پرستی کی آئینہ دار ہے۔ آپ لاکھ کہئے کہ اچھی چیز کہیں سے ملے لے لینی چاہئے اور لے لیتے ہیں۔ عرب سے تیل اور پیٹرول، امریکہ سے ہتھیار اور صنعت و حرفت کی اشیاء اور لباس وغیرہ آخر ہم لیتے ہیں تو اگر نبی کریمؐ کا اسوۂ حسنہ آپ کو پسند آتا ہے تو کیوں نہیں اپناتے۔ دیسی بدیسی کی بات کیوں کرتے ہو بھائی۔ اس پر جواب دیا جاتا ہے کہ محمد جی مہاراج نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ سب ویدوں میں ہے۔ اس طرح کی اُلجھنیں ہمارے ملک کے ہندو بھائیوں کے ذہنوں میں ہیں۔ اُن کی یہ اُلجھنیں دور ہونا چاہئے۔ میں جن بزرگوں کے بارے میں سمجھتا تھا کہ وہ حضورؐ کے حالات کو ہندوستان کے عام باشندوں کے لئے لکھ سکتے ہیں، ایک طرف میں اُن سے بار بار کہہ رہا تھا دوسری طرف حلقہ حجاب کا اصرار تھا کہ میں خود لکھوں۔ بالآخر میں نے خود ہمت کی۔ میں نے یہ سمجھنے کے لئے کہ آیا میں لکھ سکتا ہوں یا نہیں، کچھ مضامین لکھے۔ حلقہ حجاب کو یاد ہوگا کہ میں نے ایک مضمون لکھا جسمیں یہ تھا کہ نبی ہونے سے پہلے حضورؐ کی ذات ایسی پاک اور صاف تھی کہ کہیں داغ دھبہ نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے کہ کوئی آپکو شروع ہی سے کسی بڑے کام کیلئے تیار کر رہا تھا۔ اسی طرح ایک مضمون لکھا کہ حضورؐ کی ذات ہی پیروی کے لائق ہے یاد ہ مضمون جو لہو الحدیث کے نام سے چھپا وغیرہ۔ اس طرح کے مضمون حجاب میں آتے رہے۔ اب تقاضا شدید سے شدید تر ہوگیا۔ کچھ بزرگوں نے تو حوصلہ افزائی بھی کی تو میں نے طے کرلیا کہ اس سال حجاب کا "نبی کریمؐ" نمبر پیش کروں گا۔ اس پر جو مشورے آئیں گے اُن کی روشنی میں نظر ثانی کر کے کتاب منظر عام پر لے آؤں گا۔ کتاب اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہوگی۔ انشاءاللہ ـــــــ تجربہ کچھ ایسا ہوا کہ اللہ نے

اس عالمِ اصغر (انسان) کے اندر ہر قسم کی صلاحیت رکھدی ہے۔ انسان جس صلاحیت کو کام میں لانے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسی کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ میں نے نبی کریم نمبر کے لئے مضامین لکھنا اور ترتیب دینا شروع کئے تو اللہ میری مدد کرتا گیا۔ ایسا لگا کہ جیسے کوئی بتاتا جارہا ہو کہ یہ لکھو پھر یہ لکھو اور پھر یہ۔ اس سلسلے میں کچھ نئی باتیں سامنے آئیں جو اب تک نظر سے نہیں گزری تھیں۔ وہ نعمتِ غیر مترقبہ کے طور پر مجھے ملیں اور میں نے انھیں لے لیا۔ جیسے یہ مضمون کہ محمدؐ اور احمدؐ نام کی پیشین گوئی پچھلی کتابوں میں تھی تو عیسائیوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ منشا یہ تھا کہ شاید میرا بیٹا آخری نبی ہو۔ یہ مضمون مجھے اپنے مکرم و محترم دوست سید جلال الدین عمری کی بدولت ملا۔ ان کی زیرِ ادارت نکلنے والے سہ ماہی جریدہ 'تحقیقاتِ اسلامی' میں اچانک یہ مضمون نظر پڑا۔ میں نے تمہید حذف کرکے اسے حرف بحرف لے لیا۔ اس تحقیق کا سہرا عزیز گرامی محمد صلاح الدین عمری کے سر ہے۔ اللہ تعالےٰ عزیز محترم کو اس سے زیادہ توفیق دے۔ ایک اور مضمون ہے 'کیا مہاجرین خالی ہاتھ مدینے میں گئے تھے؟' یہ مضمون ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے 'تحقیقاتِ اسلامی' میں پیش کیا ہے۔ میں نبی کریمؐ نمبر میں اس مضمون کو من و عن تو نہ لے سکا، جستہ جستہ کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے لیکر ترتیب دے لیا۔ میں ڈاکٹر صاحب سے اس جسارت کی معافی بھی چاہتا ہوں۔ انشاءاللہ اگلے شمارے میں جب نبی کریم نمبر کے مضامین کا تعارف کراؤنگا تو ایسے سارے مضامین کے بارے میں بتاؤنگا کہ میں نے کہاں کہاں سے پھول چن کر گلدستہ بنایا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ستارہ ہا شکنم آفتاب می سازم میں نے ستارے چن چن کر آفتاب بنایا ہے۔ الحمدللہ

## آج کا حاتم

خدا کا شکر ہے آجکا حاتم نمبر بے حد پسند کیا گیا۔ ہم نے مطلوبہ تعداد سے زیادہ اُسے چھپوایا تھا، سب ختم ہو گیا۔ مانگ اب بھی ہے اس لئے ہم اس کا دوسرا ایڈیشن چھپوا رہے ہیں۔ انشاءاللہ اسی ماہ کے آخر تک منظرِ عام پر آجائیگا۔ اس کے لئے جو آرڈر

ہمارے پاس آئے ہوئے ہیں اُن کی تعمیل یکم اکتوبر سے ہوگی۔ آجکا حاتم پڑھ کر بہت سے لوگوں نے لکھا کہ کچھ اور چاہیئے وسعت بیانِ حاتم میں یعنی اِسے ابھی آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ ایک بزرگ نے کچھ گوشوں کی طرف اِشارہ کیا کہ انھیں بھی آنا چاہیئے۔ میں ایک نئے قصے کی داغ بیل ڈال چکا تھا بڑا دلچسپ عنوان ہے "پھر کیا ہوا بابا!"۔ اس کی دو قسطیں کتابت کے لئے بھی دے چکا ہوں مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مجھے حاتم کے سلسلے میں کچھ اور لکھنا ہی پڑے گا۔ ایک آندھی جو نکل گئی اُسے واپس لانا آسان کام تو نہیں ہے لیکن کوشش کروں گا۔ اللہ مالک ہے۔

# میرا سفرِ حج

عبدالسمیع ندوی خطیب

مجھے کم و بیش بیس سال سے حج بیت اللہ کی آرزو تھی۔ زہے نصیب کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۸۲ء میں مجھے حج کی توفیق بخشی۔ ۲۲ اگست ۱۹۸۲ء کو بمبئی سے نور جہاں سے میرا یہ مبارک سفر ہزاروں تمناؤں کے ساتھ شروع ہوا۔ سمندری سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا اس لئے خوب سر چکرایا اور طبیعت کئی دن خراب رہی۔ اس سفر میں اوپر آسمان اور نیچے پانی تھا۔ زبان سے بے اختیار نکلا:

"ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا (اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بیکار نہیں بنایا۔)"

آٹھ دن کے بعد ہمارا جہاز جدہ بندرگاہ پر لگا۔ دل سینے میں بلیوں اچھلنے لگا۔ خوشی سے میری حالت عجیب ہو گئی۔ فضا لبیک کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ ہر شخص شاداں و فرحاں دکھائی دینے لگا۔ مدینۃ الحجاج (مسافر خانہ) جدہ میں ایک شب قیام کیا۔

یکم ستمبر کو بوقت شب مکہ مکرمہ پہونچا۔ دور ہی سے حرم شریف کے بلند و بالا روشن مینار نظر آنے لگے۔ جب عمرہ کرنے کے لئے پہلی بار معلم کا آدمی حرم شریف لے کر گیا تو میں حیران و ششدر ایک ایک چیز کو دیکھتا رہ گیا۔ نگاہیں بام و در پر لگی ہوئی تھیں۔ قلب شکر و احسان کے جذبات سے معمور تھا۔ اللہ اللہ! اس گھر کی عظمت کا کیا کہنا۔ یہاں ہر طرح کے اور ہر طرف کے لوگ آتے ہیں اور اس پر پروانہ وار نثار ہوتے ہیں۔ کوئی لمحہ طواف سے خالی نہیں جاتا۔ رات دن شمع توحید کے متوالے اس گھر کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ عالم ہوں یا عامی، حاکم ہوں یا محکوم، شہ زور ہوں یا کمزور، کالے ہوں یا گورے، اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، یہاں سب ایک ہی رنگ میں نظر آتے ہیں۔ نیچ اور اونچ کا تمام فرق یہاں مٹ جاتا ہے۔ آنکھوں نے عقیدت کے موتی

## نچھاور کئے ؎

ہزار ضبط کیا پھر بھی آنکھ بھر آئی،
سمیع ہم وہ کڑی چوٹ دل پہ کھا بیٹھے

۸ر ستمبر کو مدینہ منورہ حاضری دی۔ روضۂ رسول ﷺ پر سلام پیش کیا۔ آنکھوں سے ندامت کے موتی جھڑنے لگے۔

ضبط کی تاب نہ یارائے سخن ہے مجھ کو
ہائے اِس دردِ محبت کو چھپاؤں کیوں کر

قریب میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مزارات[1] ہیں۔ ان کی بارگاہ میں سلام پیش کیا مسجد نبوی کی ایک ایک چیز کو، محراب و منبر کو، در و دیوار کو ذوق و شوق سے دیکھا۔ وہاں کا ذرہ ذرہ پیارا معلوم ہوا۔ وہاں کے قیام میں مسجد قبا، مسجد جمعہ، مسجد قبلتین، مسجد ابوبکر، مسجد غمامہ، مساجد خمسہ، جبل اُحد، جنت البقیع، مزار سیدنا حمزہؓ کی زیارت کی۔ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت دل بہت ٹوٹا۔ طبیعت پر جدائی کا بڑا احساس رہا۔ شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو اس وقت نم نہ ہو۔ جاتے وقت کیف و مسرت کا عجیب عالم تھا اور وہاں سے آتے وقت رنج و ملال طاری تھا۔ بئرِ علی سے عمرہ کا احرام باندھا اور ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا۔ رات کو بارہ بجے ہم لوگ حرم شریف پہونچے۔ طواف و سعی کے بعد آرام کیا اور صبح بال مُنڈا کر احرام کھول دیا۔ چند دن معمول کے مطابق گزرے۔ پھر ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۲ء ۸ر ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ سے احرام باندھ کر ۲ میل باہر منیٰ کے میدان میں پہونچے۔ وہاں پانچ نمازیں قصر ادا کیں۔ دعا، تلاوت میں وقت گزارا۔ ۹ر ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں ظہر عصر قصر ملا کر پڑھیں۔ پھر قبلہ رو ہو کر مغرب تک خوب تسبیح و مناجات، تلاوت و دعا میں مصروف رہا۔ وقوف عرفہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس دن دوپہر کا کھانا معلم کے ذریعہ حکومت کی طرف سے دیا گیا۔ ہم عرفات سے مغرب

[1] مولانا کو یاد نہ رہا حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے مزارات نہیں ہیں۔ حجرۂ عائشہ کے اندر (جسے روضہ اقدس کہا جاتا ہے) حضور کی قبر ہے اور اسی حجرے میں دونوں بزرگوں کی قبریں ہیں۔ ایس ا م)

کے بعد روانہ ہوئے اور ۱۲ بجے مزدلفہ پہونچے۔ وہاں مغرب اور عشاء ملا کر ادا کیں۔ ایسے ہی میدان میں چٹائی بچھا کر سو رہے۔ صبح نماز فجر پڑھ کر منیٰ آئے۔ آج ۱۰ ذوالحجہ ہے۔ یہ دن حاجی کے لئے بڑا مصروف دن ہے۔ اول زوال سے پہلے جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں (بڑے شیطان کو) دوم قربانی کی۔ سوم سر کے بال منڈائے اور احرام کھول دیا۔ چہارم مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت کیا۔ وہاں سے پھر منیٰ آئے اور نماز و دعا میں مصروف ہو گئے۔ ۱۱ ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں ماریں اور ۱۲ ذوالحجہ کو بھی تینوں جمرات کی زوال کے بعد رمی کی۔ اسی دن مغرب سے پہلے منیٰ سے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ ۱۲ بجے شب میں مکہ مکرمہ پہونچے۔ یہ لیجئے حج ہو گیا۔ تمام گناہ اللہ نے معاف کر دیئے۔ حرم شریف میں نماز شکرانہ ادا کی۔ حج کی سعادت حاصل ہو جانے پر بڑی مسرت ہوئی۔ ہر شخص خوش و خرم نظر آنے لگا تھا۔ ہماری روانگی ایک ماہ کے بعد تھی۔ اس عرصہ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ مسجد خیف، مسجد نمرہ، جبلِ رحمت (یہ سب منیٰ اور عرفات میں ہیں)، مسجد بلال، مسجد ابوبکر، دارِ ولادت النبی، مدرسہ صولتیہ سب دیکھ ڈالے۔ مکہ کے قبرستان کو دوبارہ دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ، حضرت خدیجہؓ کے مزاروں کے علاوہ وہاں کسی کے مزار کا پتہ نہیں ملتا۔ تمام قبریں ایک خاص انداز سے بنائی گئی ہیں۔ وہاں پہونچ کر پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ وہاں بڑا سکون معلوم ہوتا ہے۔ موسمِ حج میں ڈیڑھ سو اور عام دنوں میں دس گورکن کام کرتے رہتے ہیں۔ غارِ حرا شہر سے تین میل باہر جبل نور پر واقع ہے۔ میں اوپر چڑھا۔ آمد و رفت میں ایک گھنٹہ لگا۔ یہاں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اب وہاں حاجی صاحبان دو رکعت نفل پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ وہاں میلاد بھی پڑھ رہے تھے حالانکہ اس مقام سے میلاد کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرا معمول یہ تھا کہ عصر سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوتا اور عشاء تک نماز، طواف،

تلاوت اور دعا میں مصروف رہتا۔ حسرت سے وہاں کی ایک ایک چیز کو دیکھتا۔ کبھی مقام ابراہیم پر نظر جاتی، کبھی حطیم پر، کبھی بیت اللہ کی دیوار مرکز توجہ ہوتی اور کبھی باب رحمت۔ کبھی حجر اسود پر نگاہ جمتی کبھی مقام جبریل پر۔ غرض گھنٹوں بیت اللہ کو بیٹھا دیکھا کرتا مگر سیری نہ ہوتی، جی نہ بھرتا ؎

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت ہو رات دن
بیٹھے رہیں تصور کعبہ کئے ہوئے

اس طرح ایک مہینہ دبے پاؤں گزر گیا اور ایسا لگا ؎

جام تھا، ساقی تھا، مے تھی اور در میخانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا!

بالآخر ۲۹ اکتوبر کو سامان بندھا۔ احباب سے ملاقاتیں کیں۔ جمعہ سے پہلے طواف وداع کیا۔ پھر نماز جمعہ ادا کی۔ حرم شریف سے چلتے وقت بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے بار بار یہ خیال ذہن میں کچوکے لگا رہا تھا کہ دیکھئے اب کبھی اس مبارک باعظمت بیت عتیق کی زیارت نصیب ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ میں پلٹ پلٹ کر حرم شریف کو دیکھتا جاتا تھا، روتا جاتا تھا اور دعائیں پڑھتا جاتا تھا ؎

بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر راز ضبط غم
دو آنسو کہہ گئے لیکن شکست دل کا افسانہ

جب تک حرم شریف کے مینار نظر آتے رہے ہم مڑ مڑ کے دیکھا کئے۔ دو شب جدہ میں قیام رہا۔ ۳۱ اکتوبر کو نور جہاں سے ہی واپسی ہوئی۔ ایک دن جہاز میں چالیس منٹ تقریر بھی کی۔ منیٰ اور عرفات میں بھی احباب کو حج مسنون سناتا رہا۔ ۲ نومبر کو بمبئی حاضری ہوئی۔ کسٹم کے عملے نے اس سال حاجی صاحبان کو خوب پریشان کیا۔ ڈھائی مہینے کے بعد یہ مبارک سفر پورا ہوا۔

محترم و مکرم و محبی بھائی مائل صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خدائے قدوس کا شکر و احسان ہے کہ مجھ ناچیز کو میری تحریر کو آپ نے جواب کے قابل سمجھا۔ میں نے آپ کی درازی عمر کے ساتھ صحت دعا فیت کی دعا کی۔ اور دعا کرتی رہوں گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے آمین

جواب دینے میں مجھ سے جو تاخیر ہوئی اس کی وجہ اجتماعات ریلیف فنڈ کے سلسلے میں انفرادی ملاقاتیں اور خود گھر کی ذمہ داریاں تھیں۔ یہاں اچانک میرے ذہن میں اک شعر آگیا ہے۔ گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار!

لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

مجھے برابر یہ خیال ستاتا رہا کہ آپ کو خط لکھنا ہے۔ الحمد للہ وقت نکل آیا۔ اس کے فضل سے آپ سے پھر ایک بار قلم کے ذریعہ گفتگو کی سعادت حاصل ہوگئی۔

میں اور میرے شوہر (سید محمد صاحب رکن جماعت اسلامی) آپ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو وہ اپنا محسن سمجھتے ہیں۔ ہم نے بچپن سے آپ کو پڑھا۔ اب ہمارے معصوم بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔

ہمیں دیکھ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ اور آپ لوگوں کے لیے دعائیں بھی نکلتی ہیں
فی الحال اُن کی ایک غزل روانۂ خدمت کر رہی ہوں۔ میرے شوہر نے بہت
سی غزلیں اور رباعیات لکھی ہیں لیکن ان کا مزاج چھپنے کا نہیں۔ چُھپنے کا ہے۔
وہ بہت ڈرتے ہیں۔ کہ اس طرح ریا وغیرہ کی بیماریاں چُپکے سے گھس جاتی ہیں۔
سب کیا کرایا اکارت جاتا ہے۔ آخرت برباد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تحریک کے
کارکنوں کو عوامی زندگی، خطابات، تحریر، تقریر، درس دینا ہی پڑتا ہے۔ اس
سب کے پیچھے اللہ تعالیٰ للہیت عطا کرے۔ میرا نظریہ ہے کہ جو اچھی صلاحیت خدا
نے دی ہے اس کو چُھپانا خیانت ہے۔ امانت داری یہ ہے کہ خدا کے بندوں
تک وہ چیز پہنچائی جائے جسے آپ تمام حضرات پہنچا رہے ہیں۔ غرض جو غزل
روانۂ خدمت ہے۔ یہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے نواسے وزیر حسین صاحب
نے پسند کی تھی۔ دوسری اہم بات یہ کہ "چھٹا کل ہند اجتماع" کے موقع پر ہم
نے رات کی خاموشی میں محترمہ بیگم قیصر نیازی بیگم کی زیر صدارت اپنے تئیں مشاعرہ
منعقد کیا تھا۔ جس میں چند ایک نے منتخب شعراء کا منتخب کلام پیش کیا اور محترمہ نے
خود اپنا کلام اور میں نے اپنے شوہر کا کلام۔ تب بیگم قیصر نیازی صاحبہ نے
بہت پسند کیا اور خواہش کا اظہار فرمایا:
تمہارے شوہر اگر چھپوانا چاہتے ہوں تو تم یہ کام کر دو۔ اب آپ سے
گذارش ہے کہ اس کلام کو دیکھئے اور مجھ ناچیز کو مشورہ دیجئے۔
امید کرتی ہوں کہ مندرجہ غزل کو جلد از جلد چھاپنے کی زحمت
گوارا فرمائیں گے۔ والسلام — توجہ اور دعا کی طالب
عصمت ناہید۔ اکبر باغ A 60/2-2-16 حیدر آباد

(سید محمد آثر)

دل میں خیالِ غیر کو مہماں نہ کیجئے
آباد گھر کو کلبۂ احزاں نہ کیجئے

پلکوں پہ اب شرابِ تمنا چھلک گئی
کانٹوں پہ شوقِ دید کو عریاں نہ کیجئے

یوسف کی طرح کیجئے احساں ہر ایک پر
کچھ اعتبارِ وعدۂ زنداں نہ کیجئے

پیہم سجودِ سنگِ درِ یار ہی سہی
لیکن یہ طے ہے منتِ درباں نہ کیجئے

خوشبو کی طرح دل میں بسا لیجئے انھیں
پھولوں کی طرح چاک گریباں نہ کیجئے

پھر امتحانِ برشِ تیغِ جفا سہی
بسمل ہی رہنے دیجئے بے جاں نہ کیجئے

بس کیجئے کہ سینۂ لالہ ہے داغ داغ
آباد اور صحنِ گلستاں نہ کیجئے

یہ دیکھئے کہ آپ کے قدموں میں گر پڑے
مستی نواز! شکوۂ مستاں نہ کیجئے

خونِ وفا بہ رنگِ حنا باندھ کر آثر
تزئینِ شعر و سرخیٔ عنواں نہ کیجئے

## غزل

(مائل خیرآبادی)

اک جگہ جاتے ہوئے کچھ لوگ پہچانے گئے
شور ہے اللہ والے آج بت خانے گئے

راہ ناہموار بھی ہموار کر لیتے ہیں جو
چلنے والے چلنے والوں میں وہی مانے گئے

ناپتے تھے جن سے کل ہم ایک عظیم انسان کو
آج وہ قدریں گئیں وہ آج پیمانے گئے

پہلے تھا نا آشنا صیاد ہم سے باغ میں
اک ذرا پرواز کر لی تھی کہ پہچانے گئے

جانتے تھے بتکدے میں سب کے سب پتھر کے ہیں
پھر بھی اے مائل وہاں تم وعظ فرمانے گئے

# بچوں میں اسلامی شعور پیدا کرنیوالی آسان اور دلچسپ کتابیں

دہریوں کے گرفتار 5/50
اُم المومنین حضرت عائشہؓ 4/50
امانت کا بوجھ -/2
ایک شعر ایک کہانی 1/50
اچھی بچی اور مزیدار باتیں -/70
اسلامی تہذیب وآداب -/1
امرود بادشاہ 70/- بدنصیب 1/30
ابن بطوطہ کا بیٹا 2/50 بنت حوا 1/30
اچھی نظمیں اول 50/- دوم -/50
ایک یاد ہے 2/25 بہت خوب 70/-
اچھے افسانے 3/- بھولے بھیا 50/-
ایک انسان دو کردار 1/25
بڑوں کا بچپن 75/- بنت اسلام 1/80
بے وقوف کی تلاش -/70
بڑھوں کی مائیں 1/25 پھول کی تتی 1/50
بشریٰ کے خطوط 1/- پیشین گوئیاں 1/25
ہمارے نبیؐ ایسے تھے 1/75
عزیزی کہانیاں اول 50/- دوم 60/- سوم 60/- چہارم 50/-

ترکستان سے ترکی تک -/2
جنتی بچہ 60/- جانباز ساتھی -/2
حضرت عمر ثانیؒ 2/50
خواتین کے دلوں کی باتیں -/3
خانہ آبادی 80/- فیصلے 1/60
خدیجۃ الکبریٰ 50/- طوطے کی بلا 1/-
دودھ کا پوت 50/- دانا حکیم 1/60
دانا حکیم کی دانا بیٹی -/60
دو انسان ایک کردار -/2
زبان کا زخم 1/- ولی کا سایہ 50/-
سچے افسانے -/2
شہزادہ توحید 1/- گڈو کی گڑیا 40/-
99 قتل کے بعد -/1
گڈو کے گیت -/40
گڑیا کا وعظ 1/- مہمان رکھو 60/-
میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی 60/-
مزدور یا فرشتے 1/- مرحلے -/2
مرحلے 2/50 نقلی شہزادہ 3/50

ہمارے بزرگ اول 1/75
" " دوم 1/75
ہیرے کا جگر -/6
ہم ایسی بنیں -/2
ہندوستانی عورت 1/50
ہمارا ابن بطوطہ -/6
اسلامی شریعت (ہندی) 6/50
قرآن میں عورت کی حیثیت -/5
اسٹیٹس آف وومن
ان اسلامک سوسائٹی
انگریزی -/7
اسلامی سماج میں عورت کا
استھان (ہندی) -/6
تفہیم القرآن جلد پنجم نصف
سورہ حدید تا طلاق -/5
اسلامی نظام میں عورت کا مقام 5/-
خاتونِ جنت 3/- منکر نکیر
نماز کیسے پڑھیں (ہندی) 2/50 احساس ابھرتا ہے

مرکزی مکتبہ اسلامی چتلی قبر دہلی ۶

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ

لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ

لَا شَرِیْكَ لَكَ

# حج کی فرضیت

حج دین اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور رب البیت کی پرستش کا قدیم طریقہ ہے۔ اس میں مالی روحانی اور جسمانی عبادات شامل ہیں یہ رکن صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار ادا کرنا فرض ہے قرآن شریف میں حکم ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (۴ ع ۱)

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالےٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی حج کرنا چاہے تو جلدی کرے اور فرمایا کہ جو کوئی بغیر حج کئے مرجائے کہ اس کے پاس اتنا سامان بھی تھا کہ مکہ مکرمہ تک پہنچ سکتا تھا اور کسی مرض یا قید میں مبتلا بھی نہ تھا اس کے باوجود حج نہیں کیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے حج کیا اور اس میں فسق و فجور سے احتراز کیا تو گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا، جیسے نوزائیدہ بچہ۔ اور آپ نے یہ

بھی ارشاد فرمایا کہ حج مبرور کی جزا تو بہشت ہی ہے۔ اور حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بار بار حج اور عمرے کرو یہ فقر اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی کی میل کو۔

مشہور قول کے مطابق حج نویں ہجری (۶۳۱ء) میں فرض ہوا۔ فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ہجری میں حج فرمایا جسے حجتہ الوداع کہتے ہیں۔ اور اس پر دین اسلام مکمل ہو گیا۔

## حج کے فرض ہونے کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں

۱۔ دین اسلام پر قائم ہو۔

۲ بالغ ہو۔ اگر نابالغ نے حج کیا تو وہ نفل ہوگا۔

۳ مجنون یا دیوانہ نہ ہو۔

۴ آزاد ہو۔ مملوک (غلام) پر حج واجب نہیں۔

۵۔ و۔ مالدار ہو۔ مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا زاد راہ ہو اور اپنی غیر حاضری کے دوران اپنے پسماندگان کے لئے خرچ ہو۔ حج کا خرچ حلال مال سے کرے، حرام مال سے حج قبول نہیں ہوتا لیکن فرضیت حج ساقط ہو جاتی ہے۔ ایک بار مالدار ہو کر نادار ہو گیا تو بھی حج فرض ہو چکا

۵۔ ب۔ آفاقی کے لئے سواری ہو۔ آفاقی اُسے کہتے ہیں جو شخص حدود میقات کے باہر سے آئے۔

۶ ایام حج میں حج کرے۔ حج کے مہینے شوال، ذیقعد اور دس روز ذوالحجہ کے ہیں۔ اگر ایک شخص پر باقی شرائط کی بنا پر حج فرض

ہو گیا لیکن ایام حج سے پہلے مرگیا تو اس پر حج فرض نہ ہوا۔

۷ صحت مند ہو۔ مفلوج، اپاہج یا اندھا یا اسی قسم کی کسی ...ض میں مبتلا نہ ہو۔

فرضیت کی مندرجہ بالا شرطوں کے علاوہ ادائیگی کے لئے بھی چند ایک شرائط ہیں۔ جن پر حج کا ادا کرنا موقوف ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی شرط حج کی ادائیگی میں مانع ہو تو بانائب بھیجکر حج کروائے یا اپنے مال سے حج کروانے کی وصیت کر جائے۔

۱ راستہ مامون ہو چور دشمن کا خطرہ نہ ہو۔

۲ قیدی نہ ہو۔ اور حاکم وقت سے روکا نہ جائے

۳ آفاقی عورت کے ساتھ محرم یا زوج جائے۔ محرم وہ شخص کہلاتا ہے جس سے اس عورت کا تا زندگی نکاح کرنا حرام ہو۔ اگر بیوہ عورت پر حج فرض ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق نکاح کر کے شوہر کو ساتھ لے جائے۔

۴ عدت کے دوران میں عورت نہ جائے۔

(صفحہ ۳۶ کا باقی)

## منیٰ

منیٰ مکہ مکرمہ سے عرفات جاتے ہوئے سات میل پر ہے۔ یہاں چند دن قیام کرنا ہوتا ہے اور حج کے چند مناسک یعنی رمی جمار اور قربانی کرنا ہوتی ہے۔ قیام خیموں میں ہوتا ہے۔ یہاں مسجد خیف ہے جہاں حضورؐ نے حجۃ الوداع کے دوران نمازیں ادا کی ہیں۔

# مسجد حرام یا حرم شریف

بیت اللہ شریف کے اردگرد جتنی جگہ نماز کے لئے چھوڑی گئی ہے وہ مسجد حرام کہلاتی ہے۔ یہ مسجد یکتاتے زمانہ ہے کہ اس میں صفیں دائرہ میں کھڑی ہوتی ہیں اور اس کا محراب نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حرم شریف موجودہ مطاف والا حصہ تھا۔ اس مسجد میں متواتر توسیع ہوتی رہی ہے۔ ترکوں کے دورِ حکومت میں مسجد حرام کی حدود پر چاروں طرف ایک کشادہ دالان بنا دیا گیا تھا۔ اب موجودہ سعودی حکومت نے اور توسیع کر دی ہے اور ترکوں کے دالان سے باہر ایک تین منزلہ نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کر دی ہے۔ صفا اور مروہ اسی میں آ گئے ہیں اب مسجد حرام تقریباً چالیس ایکڑ زمین گھیرے ہوئے ہے پانچ لاکھ نمازی اس میں سما جاتے ہیں لیکن پھر بھی ایام حج میں صفیں سڑکوں پر کھڑی ہوتی ہیں۔ مسجد حرام میں روشنی کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے۔ رات کو دن کا سماں بنا ہوتا ہے۔ کہیں نمازی نماز اور نوافل میں مشغول ہیں کہیں ذاکر بیٹھے ہیں کہیں عشاق احرام باندھے عمرہ کے لئے آ رہے ہیں۔ کہیں طواف کا ہجوم ہے کہیں آبِ زم زم پر عقیدت مند ٹوٹ رہے ہیں۔ کہیں تلاوت ہو رہی ہے غرضیکہ بیت اللہ شریف کو نظروں ہی نظروں میں جماتے رب البیت پر نچھاور ہو رہے ہیں۔ اور حمد و ثنا میں ہمہ تن مشغول ہیں۔

اس متبرک مسجد اور مقدس گھر کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ چند ایک آیات درج ذیل ہیں:-

۱　فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ　(پ ۲ ع ۱)

پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجیے

یہ آیت شریفہ دو ہجری میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سمت نماز بیت المقدس کی طرف تھی۔ چنانچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے پہلے چودہ سال بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ مسجد حرام میں ایسی جگہ نماز ادا فرماتے تھے کہ بیت اللہ شریف اور بیت المقدس دونوں سامنے ہوتے یعنی جنوبی دیوار کے سامنے

۲　وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ　(پ ۲ ع ۸)

اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قریب میں قتال مت کرو

۳　جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ　(پ ۷ ع ۳)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کو قائم رہنے کا سبب قرار دیدیا

۴　وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً　(پ ۹ ع ۱۸)

اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں اور تالیاں بجانا

۵　إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا　(پ ۱۰ ع ۱۰)

مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں

۶　لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ　(پ ۲۶ ع ۱۲)

تم لوگ مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے

۷ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ (پ ۳۰ ع ۲۱)

(سو ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں)

# بیت اللہ شریف ۔ خانہ کعبہ بیت العتیق

یہ دنیا میں سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔

یہ دنیائے اسلام کی سمت عبادت اور جہت ملحوظہ متعین کرتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط ارضی کے کچھ بعد ہی خانہ کعبہ معرض وجود میں آیا۔

مشہور قول کے مطابق اسے فرشتوں نے تعمیر کیا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کی تعمیر کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے متعلق قرآن شریف میں یوں ذکر آتا ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (پ ۱ ع ۱۵)

اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمالے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

اس کے بعد عمالقہ جرہم اور قصی کی تعمیرات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ پھر قریش نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے تعمیر کیا۔ اور خانہ کعبہ کی چھت بھی ڈالی اور ایک دروازہ بھی رکھا۔ اسی تعمیر میں جب حجر اسود کے

دوبارہ نصب کرنے کا قضیہ اٹھا تو فیصلہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ اور انہوں نے خود اسے دیوار میں نصب فرمایا۔

پھر ۶۴ھ میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا۔ اور دو دروازے رکھے۔ یوں آپ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث کی بناء پر کیا۔ لیکن یہ تعمیر زیادہ دن نہ رہی۔ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے ۷۴ھ میں خانہ کعبہ کے کچھ حصے منہدم کر کے قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیئے۔ ابن زبیرؓ کی تعمیر اور حجاج کا ردوبدل تقریباً ایک ہزار سال تک رہے۔

۱۹ شعبان ۱۰۳۹ھ میں مکہ مکرمہ کے اطراف میں بارش ہوئی۔ اور سیلاب خانہ کعبہ کے دروازہ سے اوپر نکل گیا جس سے کچھ دیواریں گر گئیں۔ چنانچہ سلطان مراد ابن سلطان احمد نے دوبارہ تعمیر کا حکم دیا جو ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوئی۔ اور آج تک ماشاءاللہ کھڑی ہے۔

موجودہ عمارت سلیٹی رنگ کے بڑے بڑے ریتلے پتھروں یعنی سینڈ سٹون سے بنی ہے۔ کرسی صحن مسجد سے چھ فٹ بلند ہے۔ عرض تقریباً تینتیس فٹ۔ طول تقریباً چالیس فٹ اور اونچائی تقریباً انچاس فٹ ہے۔ مشرقی دیوار میں حجر اسود والے کونے سے تقریبا دو گز ہٹ کر باب یعنی دروازہ ہے جو سونے اور چاندی سے منقش ہے۔

باب کے نیچے ایک تراشیدہ پتھر دہلیز کا کام دیتا ہے۔ جو فرش مطاف سے پانچ فٹ بلند ہے۔ جبہ سائی کے لئے نہایت موزوں

اونچائی ہے۔ عشاق کے بےچین دلوں کی تسکین کا سامان ہے۔

جنوب مشرقی کونے میں صحن مسجد سے چار فٹ کی بلندی پر حجر اسود لگا ہے۔ یہ سیاہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو لاکھ کی قسم کے ایک مسالے میں جڑے ہیں۔ اردگرد چاندی کا ایک فریم لگا ہے۔ یوں تو مطاف میں ہر وقت ہی اژدہام ہوتا ہے۔ لیکن حجر اسود کے سامنے عشاق سے صبر کا دامن چھوٹا جاتا ہے۔ یمین اللہ کو بوسہ دینے کے لئے نڈھال رہتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی دیوار کے اس حصّے کو جو باب اور حجر اسود کے درمیان ہے ملتزم کہتے ہیں۔ یہ قبولیت دعا کا ایک مقام ہے۔ جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ باقی دونوں کونوں کو رکن شامی اور رکن عراقی کہتے ہیں۔ شمالی دیوار کے باہر ایک دیوار چار فٹ بلند نصف دائرہ کی صورت میں صحن مسجد سے ایک قطعہ الگ کئے ہوئے ہیں اس قطعہ کو حطیم کہتے ہیں۔ حطیم خانہ کعبہ کا حصّہ ہی شمار ہوتا ہے۔ اس میں خانہ کعبہ کی چھت کا پانی ایک سونے کے پرنالے سے نیچے گرتا ہے۔ پرنالے کو میزاب الرحمتہ کہتے ہیں حطیم میں مائی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام مدفون ہیں خانہ کعبہ پر سیاہ رنگ کا خوبصورت غلاف چڑھا ہے جو ہر سال حج کے ایام میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

خانہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ اسلام کے زمانے سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اور اضافت چلی آتی ہے۔ بہت سے نبیوں نے یہاں

عبادات کی ہیں۔ یہاں انوار و برکات کے مشاہدات ہیں۔ گویا اس کا طواف ربّ العزت کا طواف ہے۔ اس کی طرف دیکھنا بھی موجب ثواب ہے۔ قرآن پاک میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :-

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (پ ۱۷ ع ۱۱)

پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر کا طواف کریں۔

## مقام ابراہیم

مقام ابراہیم کا قرآن پاک میں دو جگہ ذکر آیا ہے۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (پ ۱ ع ۱۵)

اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو ؛

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۝ (پ ۴ ع ۱۸)

اس یعنی خانہ کعبہ میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ کے ایک مقام ابراہیم ہے۔

مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی دیواریں اٹھائیں، اور ایک روایت کے مطابق اس پر کھڑے ہو کر انہوں نے لوگوں کو حج کے لئے پکارا۔

مقام ابراہیم جنت کا یاقوت ہے۔ اس کا رنگ سرخی مائل سفید ہے۔ جس میں سیاہ رگیں نظر آتی ہیں۔ یہ تقریباً چودہ انچ مربع اور آٹھ انچ موٹا ہے۔ سطح پر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے گہرے نشان ہیں۔ کناروں پر چاندی چڑھی ہے جس پر تین طرف آیات لکھی ہیں۔

مقام ابراہیم ۱۳۸۶ھ تک ایک مقفل کرے میں ایک صندوق میں بند تھا اور زائرین کی نظروں سے اوجھل تھا۔ ۱۳۸۶ھ میں مقام ابراہیم کو شیشے کے ایک قبے میں بند کر دیا گیا اور شیشہ کی حفاظت کے لئے اردگرد سنہرے رنگ کی شش پہلو جالی کا ایک جنگلہ لگا دیا گیا ہے۔ اب عشاق اپنی آنکھوں سے اللہ کی اس کھلی نشانی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور اس چار ہزار سالہ پرانے مقام کو اپنی نظروں سے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار سے چالیس فٹ دور رکھا ہے۔ لکھتے ہیں ۱۷ھ میں ایک سیلاب آیا جس سے مقام ابراہیم خانہ کعبہ کی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو خود مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور تحقیق کے بعد یہاں رکھوایا۔ یہ حصہ اب مطاف میں آچکا ہے اور ہجوم کے دنوں میں لوگ اس کے باہر بھی طواف کرتے ہیں۔

مقام ابراہیم سے ساٹھ فٹ دور مطاف کے باہر ایک برآمدہ بنا دیا گیا ہے تاکہ لوگ دوگانۂ طواف یہاں ادا کر سکیں۔

مقام ابراہیم اور جالی کو نہ استلام کرے نہ بوسہ دے نہ چھوئے۔ یہ سب باتیں بدعات میں شامل ہیں۔

# حجر اسود

خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونہ میں فرشِ مطاف سے چار فٹ کی بلندی پر سیاہ پتھر کے چند ٹکڑے ایک مسالے کے کٹورے میں جڑے ہوتے ہیں۔ اردگرد چاندی کا فریم ہے۔

مشہور قول کے مطابق یہ جنت کا متبرک پتھر ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو ملائکہ نے اسے اس گوشہ میں نصب کیا۔

کہتے ہیں حجر اسود ایک بڑا پتھر تھا۔ لیکن حوادثات زمانہ نے اسے چور چور کر دیا۔ سنہ ۳۶۳ھ میں ایک شخص نے دوران طواف میں اس پر پھاوڑے سے حملہ کیا۔ سنہ ۹۹۰ھ میں ایک اور شخص نے خنجر سے حملہ کیا۔ سب سے بڑا حادثہ سنہ ۳۱۷ھ میں پیش آیا۔ جب ابوطاہر قرمطی نے خانہ کعبہ میں قتل و خون کیا اور حجر اسود اٹھا کر اپنے وطن بحرین لے گیا اور بائیس سال اپنے پاس رکھا۔ پھر سنہ ۳۳۹ھ میں حجر اسود واپس لایا گیا۔ اور دوبارہ دیوار کعبہ میں نصب کیا گیا

حجر اسود کو یمین اللہ فی ارضہٖ کہا گیا ہے۔ اس سے مصافحہ کرنا عبادت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل بوسے کے درمیان گریہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایک بار طواف کرنے تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا:۔

میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع

دے سکتا ہے۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے ہیں تو تجھ کو کبھی بوسہ نہ دیتا۔" سبحان اللہ توحید الٰہی میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں۔

حجر اسود کا بوسہ سنّت ہے۔ ہجوم میں اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر بوسہ لینا حرام ہے ایسی حالت میں صبر کرے۔

## مطاف

خانہ کعبہ کے اردگرد تقریباً ایک سو فٹ صحن مسجد طواف کے لئے مخصوص ہے، اسے مطاف کہتے ہیں۔

اس میں سفید اور سیاہ سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ حج کے دنوں میں ہزاروں کا مجمع یہاں طواف کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ پاؤں سے پاؤں ٹکراتے ہیں۔ کہار، اپاہجوں اور معذوروں کو چارپائیوں پر لئے قطار درقطار جا رہے ہیں ہر ایک پر دیوانگی اور جنون چھایا ہے۔ ربّ بیت العتیق کی رضا جوئی میں قربان ہو رہے ہیں۔

## ملتزم

باب کعبہ اور حجر اسود والے گوشہ کے درمیان والی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں چمٹ کر رو رو کر دعائیں کی جاتی ہیں دعا کے لئے مقبول مقام ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح چمٹ کر دعائیں مانگی تھیں۔

# چاہ زم زم

یہ زم زم کا پانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یادگار ہے خانۂ
کعبہ کے مشرق کی جانب تقریباً ایک سو فٹ کے فاصلے پر مطاف -
کے کنارے یہ واقع ہے اور ہزارہا سال سے تشنہ لبوں کو
سیراب کر رہا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ان
کی والدہ مائی ہاجرہ کے ساتھ یہاں چھوڑ کر چلے گئے تو پانی کا
مشکیزہ ختم ہونے پر مائی ہاجرہ پانی کی تلاش میں بے تابانہ دو چھوٹے
ٹیلوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں۔ ادھر حضرت
اسمٰعیل اپنی ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں چشمہ جاری
فرما دیا۔ جب مائی ہاجرہ کو پانی کے آثار نظر آئے تو دوڑیں
اور ریت کا بند بنا کر پانی کو روکا اور ساتھ فرمایا "زم زم - ٹھہر ٹھہر"
تب سے چشمہ کا نام زم زم پڑ گیا اور تب سے پانی جاری ہے
سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے اسے دوبارہ
کھلوا کر تازہ کروایا تھا۔

اب کنواں صحن مسجد سے دس فٹ نیچے ہے جس کے ساتھ ایک
احاطہ میں بہت سے نل لگائے گئے ہیں، جہاں لوگ پانی پیتے
اور بھرتے ہیں۔ کنوئیں سے پانی پمپوں کے ذریعے چوبیس گھنٹے
نکالا جاتا ہے۔

آب زمزم موجب برکت و شفا ہے۔ زمزم خوب پیٹ بھر کر پئیے
حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان فرق

یہ ہے کہ وہ زمزم سے پیٹ نہیں بھرتے۔

زمزم پینے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرکے دائیں ہاتھ میں لے کر تین سانس میں پئے ہر سانس سے پہلے بسم اللہ کہے اور سانس لینے میں الحمد للہ کہے پھر یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ

اے اللہ میں تجھ سے وسیع رزق اور نفع رساں علم اور سب بیماریوں سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔

آب زمزم سے استنجا کرنا یا بدن اور کپڑے سے نجاست دُور کرنا، حرام و مکروہ ہے۔ طہارت کا غسل بھی جائز نہیں۔ برکت کی نیت سے نہائے یا وضو کرے تو جائز ہے

## صفا و مروہ

صفا اور مروہ بیت اللہ شریف کے جنوب مشرق اور شمال مشرق کی طرف تقریباً ایک ہزار فٹ دُور دو پست قامت پہاڑ تھے۔ جو اب کاٹ کر تقریباً ہموار کر دیئے گئے ہیں۔ صرف نشان کے لئے کچھ پہاڑی حصہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق یوں ذکر آتا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (پ ۲ ع ۳)

صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں

صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگا کر سعی کی جاتی ہے۔ ان کے درمیان دو اڑھائی فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ سعی کی جگہ جسے مسعیٰ کہتے ہیں مسقّف ہے اور بالائی منزل نئی مسجد حرام میں شامل ہے۔

## مشعرالحرام

عرفات سے واپسی پر پانچ میل دور مزدلفہ کا مقام آتا ہے۔ یہیں پر ایک مسجد ہے جسے مشعرالحرام کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس مسجد کا یوں ذکر آیا ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (پ ۲ ع ۹)

تم جب عرفات سے چلو تو مشعرالحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو

مزدلفہ سب کا سب موقف ہے۔ اگر مشعرالحرام میں وقوف کے لئے نہ پہنچ سکے تو مزدلفہ میں کسی جگہ کرلے۔

## عرفات

یہ میدان مکہ مکرمہ سے بارہ میل دور ہے۔ یہیں پر حج کا ایک اہم رکن یعنی وقوف عرفہ ادا ہوتا ہے۔ اس کے ایک کنارے پر مسجد نمرہ یا مسجد ابراہیم ہے اور دوسرے کنارے پر جبل رحمت ہے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی اور جہاں ہمارے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر بصیرت افروز خطبہ فرمایا تھا۔

(باقی صفحہ ۲۴۴ پر)

# سفر کی تیاری

اِس مبارک سفر کے لئے چند ایک مفید اور ضروری باتیں پیش خدمت ہیں :

○ دینی کتب کا مطالعہ کریں ۔ حج کے احکام و مناسک بغور پڑھیں اور سمجھیں ۔ تاریخ اسلام اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیّد السادات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر کتابیں پڑھیں اس اعلیٰ عبادت کے فضائل اور برکات سے روشناس ہوں اور وقت آنے پر پورا پورا فائدہ اٹھائیں

○ اِس سفر میں ہر وقت وضو اور نماز سے کام رہے ۔ وضو اور نماز کا صحیح طریقہ سیکھیں ، اور ضرورت ہو تو کسی عالم سے تصحیح کروائیں تاکہ یہ بلند عبادت ٹھیک ٹھیک ادا ہو سکے ۔

○ اِس سفر میں ہر ایک تکلیف باعث ثواب ہے ۔ گلہ ، شکوہ ، تنقید ، نکتہ چینی ، غیبت ، جھوٹ وغیرہ ثواب کو زائل کرتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں پہونچاتے ۔ وقت کی قدر کریں ۔

○ سامان جتنا کم ہوگا راحت رہے گی ۔ وہاں اپنا مزدور خود ہی بننا پڑتا ہے ۔ مختصر سا بستر ، ایک بکس ، ایک بیگ اور ایک چھتری لازمی ہیں ۔ باقی چیزیں حسب ضرورت یہاں سے لے لیں یا وہاں سے خرید لیں ۔ کپڑے اکثر خود ہی دھونا پڑتے ہیں ۔ اگر کچھ جوڑے رنگ دار ہوں تو کم میلے ہوتے ہیں ۔ کھانے پینے کی چیزیں وہاں بافراط اور ارزاں مل جاتی ہیں ۔ دوائیاں ساتھ رکھ لیں ۔ وہاں دواؤں کے نام معلوم کرنے میں دقّت ہوتی ہے ۔

○ بحری جہاز میں بمبئی سے جدّہ تک سات دن لگتے ہیں اور ہوائی جہاز میں تین چار گھنٹے ۔ جدّہ میں چند گھنٹے قیام کر کے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جانا ہوتا ہے ۔ جدہ پہونچتے ہی اپنے معلّم کا

نام بتانا ہوتا ہے۔ اپنے احباب سے مشورہ کر کے ایک معلم منتخب کر لیں۔ معلّم سے زیادہ خدمت کی توقع نہ رکھیں۔ ہر ایک کے پاس ہزاروں حاجی ہوتے ہیں۔ ہر ایک پر توجہ ناممکن ہے۔ خود ہی ہمت کر کے اپنے کام خود کر لیں۔ مکان کی تلاش، خوراک کا بندوبست، رہنے سہنے کا انتظام خود کرنا ہی بہتر ہے۔ اگر بہت سے احباب یا رشتہ دار ایک ہی جگہ اور ایک ہی معلم کے پاس ہوں تو سفر آسانی سے کٹتا ہے اور ایام حج میں خیموں میں آرام رہتا ہے۔

○ اس مبارک سفر میں نماز باجماعت کا اہتمام رکھنا پڑتا ہے۔ مسجد حرام اور مسجد النبی جیسی بابرکت مسجدوں میں نمازوں کی توفیق ملتی ہے۔ مسجد کے آداب سے پوری واقفیت ہونی چاہیئے۔ مسجد میں باوضو داخل ہو اور داخلے کی دعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

(اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)

اور ساتھ ہی اعتکاف کی نیت بھی کرے

نَوَیْتُ الْاِعْتِکَافَ مَادُمْتُ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ

(میں نیت کرتا ہوں اعتکاف کی جتنی دیر اس مسجد میں رہوں)

پھر مسجد حرام میں طواف کرے اور دوسری مسجدوں میں تحیۃ المسجد کے دو رکعت نفل پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ نماز میں وقت ہو تو تلاوت قرآن، ذکر اور زیارت بیت اللہ شریف میں مشغول رہے۔ اذان ہو تو وہی الفاظ دہرائے سوائے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے اس وقت کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اذان کے اختتام پر درود شریف پڑھ کر یہ دعا کرے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔

اے اللہ، صاحب اس کمال پکار کے اور صاحب قائم ہونے والی نماز کے، دے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ (بہشت کا درجہ) اور بزرگی اور کھڑا کر ان کو مقام محمود میں جس کا وعدہ تو نے اُن سے کیا۔

نماز سے فارغ ہو کر جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ ط

(اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں)

مسجد میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ نمازیوں کے اوپر پھلانگنا یا ان کی جگہ تنگ کرنا جائز نہیں مسجد میں گندگی پھیلانا منع ہے۔ مسجد میں فضول باتیں کرنا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ یہ قیمتی لمحے ذکر الٰہی میں صرف کئے جائیں۔

○ اس سفر میں اکثر مردوں اور عورتوں کی ملی جلی بھیڑ ہوتی ہے۔ طواف اور سعی میں، رمی میں مدینہ منورہ کی حاضری میں اور سفر میں جہاں تک ہو سکے عورتوں سے الگ رہے۔ عورتوں کو بھی چاہیئے کہ ہجوم میں نہ جائیں اور شرعی حدود کی سختی سے پابندی کریں۔ بعض عورتیں معلم کے آدمیوں یا مطوفوں کا ہاتھ پکڑ کر طواف یا سلام کرتی ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔ یاد رہے کہ وہ نامحرم ہے۔

○ مسجد حرام میں صفیں دائرے میں ہوتی ہیں۔ نماز کی نیت کے وقت اپنا چہرہ بیت اللہ کی طرف رکھے۔

## گھر سے روانگی، مکہ مکرمہ حاضری

حج کی نیت خلوص دل سے صرف رضائے الٰہی کے لئے کرے۔ حقوق العباد معاف کروائے جناب اور متعلقین سے اپنے ظلم اور غیبتیں معاف کروائے۔ قرض ہو تو ادا کرے۔ صدقہ اور

خیرات کرے اور اس طرح رخصت ہو گویا سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہے۔ رخصت کے وقت دو رکعت نفل پڑھے اور یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَمِنْ سُوْٓءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ ۝

اے اللہ (دراصل) تو ہی (ہمارا) رفیق سفر ہے اور تو ہی ہمارے گھر والوں کی خبرگیری کرنے والا ہے۔ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری سفر میں تکلیفوں سے اور بُری طرح لوٹنے سے اور نفع کے بعد نقصان سے اور مظلوم کی بددعا سے اور اہل وعیال اور مال کی بُری حالت دیکھنے سے۔

یلم لم کے سامنے پہونچ کر احرام باندھے۔ جہاز کے ذمہ داروں کی طرف سے اعلان ہو جاتا ہے کہ یلم لم پہاڑ سامنے ہے۔ احرام باندھ لیا جائے۔ یلم لم ہندوستان کیلئے میقات ہے۔ جس عبادت کے لئے احرام باندھا ہے اس کی نیت کرے اور تلبیہ شروع کردے۔ جب حدود حرم میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَحَرَمُ رَسُوْلِكَ فَحَرِّمْ لَحْمِیْ وَدَمِیْ وَعَظْمِیْ عَلَى النَّارِ اَللّٰهُمَّ اٰمِنِّیْ مِنْ عَذَابِكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ اَوْلِيَآئِكَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

اے خدا بے شک تیری اور تیرے رسولؐ کی (زمین) حرم ہے پس تو میرا گوشت اور خون اور ہڈی اس کے سبب آگ پر حرام کردے۔ اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ جس روز

تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا اور مجھے اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں میں سے کر دے اور میری طرف توجہ فرما۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس طرح جدّہ ہوتا ہوا مکے میں داخل ہو۔ اپنا سامان رکھے اور پھر خشوع اور خضوع سے تلبیہ کہتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہو۔ باب السّلام سے داخلہ مستحب ہے جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو تین بار یہ پڑھے :

اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کرے اور یہ دعائے ماثورہ بھی پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَہٗ وَکَرَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوْ عَمَرَہٗ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا۔

اے اللہ اس گھر کو شرف، بزرگی، عزت، ہیبت اور نیکی میں زیادہ کر اور حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے جس نے اس کی تعظیم کی اور اس کے شرف کو پہچانا اس کو بھی شرف و بزرگی زیادہ دے۔

اب حجرِ اسود کی طرف روانہ ہو۔ طواف کی نیت کرے اور حجرِ اسود کے استلام کے بعد طواف شروع کرے۔ اچھا تو یہی ہے کہ طواف کی دعائیں پڑھے۔ نہ یاد ہوں تو کسی کی مدد سے پڑھے۔ یہ بھی سہولت نہ ملے تو جو دعا یاد ہو پڑھے۔

طواف کرکے چاہِ زم زم پر آئے اور خوب پیٹ بھر کر آبِ زم زم پیئے اور دعا کرے۔

اس کے بعد سعی کرے۔ پھر سر منڈائے۔ عورتیں سر کے بال انگل دو انگل کاٹیں اور احرام سے فارغ ہو جائیں۔

خواتین اپنا چہرہ چھپا لیں۔

مرد احرام کے دونوں کپڑے اُتار کر اپنے اصل کپڑے پہن لیں۔

# مکہ مکرمہ میں قیام

اب ایام حج تک مکہ مکرمہ میں قیام ہے۔اس دوران میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:-

○ نفلی طواف کثرت سے کرے۔نفل پڑھے۔قرآن شریف کے ختم کرے،صدقہ خیرات کرے،روزے رکھے،بیت اللہ شریف کا دیدار کرے۔

○ مسجد حرام میں باجماعت نماز کا اہتمام کرے۔

○ قیام مکہ مکرمہ میں جنت المعلے جائے اور فاتحہ پڑھے۔اس کے علاوہ اور بھی مقامات مقدسہ کی زیارت کرے۔

○ نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے والے کو حج وعمرہ کا ثواب ہے۔اس حدیث شریف پر عمل کرے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ان جگہوں کے متعلق کہا ہے کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے:-

● مطاف ● ملتزم کے پاس
● بیت اللہ کے اندر ● میزاب الرحمتہ کے نیچے
● مقام ابراہیم کے پاس ● چاہ زم زم پر
● صفا اور مروہ پر اور مسعیٰ میں ● عرفات اور مزدلفہ میں

وقت کو غنیمت جانے اور ہر جگہ اصرار کے ساتھ دعا کرتا رہے۔

# ایامِ حج

حج کوئی ایک فعل کا نام نہیں ہے۔ چند ایک عبادات ایک ترتیب اور تنظیم سے چند دنوں میں ادا کرنا ہوتی ہیں۔

آٹھ (۸) ذی الحجہ کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔ آج صبح کے وقت ہی حج کا احرام باندھ لے اور حطیم میں جاکر دو رکعت نفل پڑھے اور حج کی نیت کرے۔ حطیم میں جگہ نہ ہو تو مسجد حرام میں کہیں پڑھ لے۔ تلبیہ کثرت سے کہے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

طلوع آفتاب کے بعد منیٰ کو روانہ ہو جائے۔

منیٰ مکہ مکرمہ سے آرام کے ساتھ پیدل دو گھنٹے کا راستہ ہے۔ دو تین راستے ہیں سڑکیں پکی اور کشادہ ہیں۔ معلم بس کا انتظام کرتا ہے۔ پیادہ جانا مستحب ہے لیکن قافلے کی شکل میں معلم کے مقرر کردہ رہنما کے ساتھ جائے تاکہ منیٰ پہونچ کر معلم کی جگہ اور خیمے ڈھونڈنے میں تکلیف نہ ہو۔

منیٰ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ سڑکیں پکی ہیں۔ خیموں کیلئے پلاٹ مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ سڑکوں اور قطعوں کے نام رکھ دیئے گئے ہیں۔ پانی کا انتظام منیٰ میں پہونچ کر آٹھ ذی الحجہ کو ظہر سے عشا تک چار نمازیں اور نو ذی الحجہ کی فجر کی نماز

ادا کرنا سنت ہے۔ مسجد خیف میں پڑھے لیکن اپنے خیمہ اور پلاٹ اچھی طرح پہچان رکھے۔ گم ہونے کا اندیشہ ہو تو اپنے خیمے ہی میں پڑھے۔

منیٰ میں عرفہ کی رات گزارنا سنت۔ تلبیہ اور دعاؤں میں مصروف رہے۔

**نو (۹) ذی الحجہ:۔** آج یوم عرفہ ہے۔ یہ سب تگ و دو اور سفر اور انتظامات حج ہی کے لئے تھے۔ آج عرفات کے میدان میں وقوف کرنا ہے اور آہ و زاری سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا ہے۔

آج رحمت الٰہی سے مایوسی گناہ ہے۔ آج کے لئے بشارت ہے ۔

اعظم الناس ذنباً من وقف بعرفۃ فظن ان اللہ لم یغفر لہ

سب سے بڑا گناہ گار وہ ہے جو عرفات میں وقوف کرے پھر بھی یہ سمجھے کہ اللہ نے اس کی مغفرت نہیں فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے الحج الوقوف بعرفۃ (حج عرفات میں وقوف کرنے کا نام ہے)

عرفات منیٰ سے سات میل دور ہے۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ بنا دی گئی ہیں۔ راستہ میں منیٰ سے دو میل مزدلفہ آتا ہے جو جاتے ہوئے ایک طرف رہ جاتا ہے۔ عرفات کی حدود مسجد نمرہ سے شروع ہوتی ہیں۔ عرفات میں جہاں چاہے ٹھہرے۔ جبل رحمت کے ساتھ ٹھہرنا افضل ہے۔

آج طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے روانہ ہو۔ راستہ میں تلبیہ اور ذکر اور دعا کرتا جائے۔ وقوف عرفات زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اپنے خیمے میں آرام سے کھانے سے فارغ ہو جائے اور وضو کرے اور غسل کرے تو افضل ہے۔ پھر ظہر اور عصر کی نمازیں ایک وقت پڑھنے کے لئے مسجد نمرہ میں آئے۔ امام سے خطبہ سنے جو کہ سنت ہے، اور پھر حج کا دوسرا خطبہ ہے۔ پھر امام کے ساتھ ظہر اور عصر ایک اذان دو تکبیروں کے ساتھ

ے وقت اکٹھا پڑھے اور بیچ میں کچھ نہ پڑھے۔ دو رکعت سنت بھی ترک کرے اور
صر کے بھی سنت یا نفل ترک کرے۔
اگر مسجد نمرہ میں نہ جا سکے تو مل کر اپنے خیمے میں ظہر اپنے وقت پر اور عصر اپنے وقت
الگ پڑھے۔
مستحب ہے کہ قبلہ رو کھڑا ہو کر وقوف کرے۔ اگر بیٹھ کر یا لیٹ کر کرے تو بھی
ادا ہو جاتا ہے۔
وقوف کے دوران میں تلاوت قرآن مجید، درود شریف، تکبیر و تحلیل، استغفار
بیہ اور ذکر میں مشغول رہے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دے۔
حجتہ الوداع جمعہ کو ہوا تھا۔ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام نمرہ میں ایک کمبل کے
یں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد اپنی ناقہ پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور ایک
کثیر کے سامنے ایک بصیرت افروز خطبہ فرمایا جس میں عشاق کو اسلام کے زریں اصولوں
کرنے کی تلقین فرمائی اور جاہلیت کی تمام رسومات کو مٹا دینے کا حکم فرمایا۔ پھر ظہر اور
کی نمازیں ایک وقت میں ادا کر کے جبل رحمت پر تشریف لے گئے اور دیر تک قبلہ رو
دعا میں مصروف رہے۔
وقوف عرفہ کا وقت نویں کے زوالِ آفتاب سے لے کر دسویں کی صبح تک ہے اور
کے غروب آفتاب تک عرفات میں رہنا واجب ہے۔ اگر پہلے نکل آئے تو دم
ب ہو گا۔
یہ دن شاید زندگی میں پھر نصیب نہ ہو۔ تضرع اور زاری سے خوب آنسو بہائے
صرار کے ساتھ دعا و استغفار کرے۔ اپنے آپ کو میدان محشر میں کھڑا پائے اور اللہ
ضور میں مغفرت کی دعا مانگے اور سچی توبہ کرے۔ غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی

طرف روانہ ہو۔

## مزدلفہ

آج کے دن کے لئے نماز مغرب کا وقت بدل گیا ہے۔ آج نماز مغرب عشاء کے ساتھ ملاکر عشاء کے وقت پڑھنا واجب ہے۔ بغیر نماز ادا کئے عرفات سے روانہ ہو۔ راستے میں تلبیہ اور ذکر بکثرت کرتا رہے۔ معلم کی بس مزدلفہ کے میدان میں جہاں اتارے وہیں رات گزارے۔ مزدلفہ میں خیموں کا بندوبست نہیں ہوتا۔ لاکھوں حاجی احرام میں زیر آسمان پڑے ہوتے ہیں۔ یکساں ماحول میں گم ہونے کا بہت خطرہ ہے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر ادھر اُدھر نہ جائے۔

اگر عشاء سے پہلے مزدلفہ پہونچ جائے تو مغرب نہ پڑھے جب تک عشاء کا وقت نہ ہو جائے۔ ایک اقامت کے ساتھ پہلے مغرب کے فرض ادا کی نیت سے، نہ کہ قضا کی نیت سے، پڑھے۔ پھر عشاء کے فرض پڑھے۔ اس کے بعد مغرب کے سنت اور عشاء کے سنت اور وتر پڑھے۔ جماعت شرط نہیں ہے۔ اگر اندیشہ ہو کہ مزدلفہ تک جاتے ہوئے فجر ہو جائے گی تو راستہ میں مغرب اور عشاء کا پڑھنا جائز ہے۔

اس رات کا جاگنا مستحب ہے۔ مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے اندھیرے میں پڑھ کر وقوف کرے۔ یہ وقوف ضروری ہے چاہے ایک لمحہ بھر کے لئے ہو۔ قرآن شریف میں حکم آیا ہے:۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (پ ۲)

پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کی یاد کرو۔

وقوف کا وقت فجر سے طلوع آفتاب تک ہے۔ اس وقت میں دعا استغفار کرتا رہے اور یہ دعا بھی کرے:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَالْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ بَلِّغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِّنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ط

اے اللہ مشعر الحرام کے طفیل اور خانہ کعبہ اور حرمت والے مہینوں اور رکن (حجر اسود) اور مقام (حضرت ابراہیمؑ) کے طفیل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ہماری طرف سے درود اور سلام پہونچا دے اور ہمیں سلامتی والے گھر یعنی جنت میں داخل کر دے۔ اے عظمت اور بزرگی کے مالک!

اگر بیماری یا ضعف کے سبب وقوف مزدلفہ ترک کردے اور اندھیرے میں منیٰ کو چل دے تو کفارہ لازم نہیں آتا۔ اگر اژدہام کے خوف سے وقوف ترک کرے تو دم لازم ہوگا۔ اگر عرفات سے ایسے وقت روانہ ہوا کہ مزدلفہ پہونچنے سے پہلے طلوع ہوگیا اور وقوف نہ کرسکا تو پھر بھی دم لازم نہیں آتا۔

ہمارے حضور پُر نور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم حجتہ الوداع میں وقوف عرفہ کے بعد مغرب کے وقت اپنی ناقہ پر مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ لوگوں کے ہجوم میں ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا۔ لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑے سے اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ

السکینۃ ایھا الناس۔ السکینۃ ایھا الناس

لوگو سکون کے ساتھ۔ لوگو سکون کے ساتھ

راستے میں ایک جگہ اُتر کر طہارت فرمائی۔ حضرت اسامہ نے فرمایا یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نماز کا وقت آگے آتا ہے۔ پھر مزدلفہ میں ورودِ مسعود فرمایا۔ دونوں نمازیں ادا کیں اور دستور کے خلاف صبح کی نماز تک آرام فرمایا اور

عبادت شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوسکے۔

**دس (۱۰) ذی الحجہ**:۔ آج یوم النحر اور یوم العید ہے۔ آج کے دن حاجیوں کو بہت سے کام کرنا ہیں:

**وقوف**:۔ مزدلفہ کے بعد طلوع آفتاب سے دو رکعت قدرے وقت پہلے منیٰ کو چل دے۔ آج کی رمی کے لئے سات کنکریاں مزدلفہ سے اٹھانا مستحب ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ دو میل ہے۔ بسوں کا اژدہام ہوتا ہے۔ پیادہ جانے میں سہولت رہتی ہے۔ راستے میں وادیٔ محسر سے دوڑ کر نکلے اور یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ

اے اللہ اپنے قہر کے قتل و غارت سے محفوظ رکھ اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور پیشتر اُس کے ہمیں معاف فرما دے۔

آج صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے۔ جمرہ عقبہ اور قربانگاہ کے درمیان دو ڈھائی میل کا فاصلہ ہے۔ درمیان میں منیٰ کا شہر اور خیمہ گاہ ہے۔ یہ راستہ پیادہ ہی طے کرنا ہوتا ہے۔

چار دیواری کے اندر ایک وسیع میدان قربانی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ نحر کے بعد حلق کروائے یا قصر کروائے۔ اور حلق کروانا افضل ہے۔ حلق کروانے کے وقت تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی مَا هَدَانَا وَاَنْعَمَ عَلَيْنَا قَضٰى عَنَّا نُسُكَنَا اَللّٰھُمَّ هٰذِهٖ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ فَاجْعَلْ لِيْ لِكُلِّ شَعْرٍ نُوْرًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَامْحُ عَنِّيْ سَيِّئَةً وَّارْفَعْ لِيْ دَرَجَةً فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ۔

اَللّٰھُمَّ زِدْنِيْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْ نَفْسِيْ وَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اَللّٰھُمَّ

اغْفِرْ لِیْ وَلِلْمُحَلِّقِیْنَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَاوَاسِعَ الْمَغْفِرَۃِ ..... آمین

• تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور جو ہدایت اس نے ہم کو دی اور مدد کی ہماری اور فیصلہ کیا ہماری مدد کا۔ اے اللہ یہ ہیں میرے گناہ تیرے ہاتھ میں۔ پس بنا میرے لئے ہر بال کے بدلے نور قیامت کے دن۔ اور معاف کر مجھ سے میرے گناہ اور بلند کر میرے درجات جنّتِ عالیہ میں۔ اللہ زیادہ کر میرے ایمان اور یقین کو۔ اے اللہ برکت ڈال میرے لئے میرے نفس میں اور توبہ قبول کر مجھ سے اے اللہ مجھے بخش دے اور میرے حلق کرنے والوں اور قصر کرنے والوں کو بخش دے۔ اے وسیع بخشش والے اے اللہ قبول فرما۔

منیٰ میں حج کا حلق کروانا سنّت ہے۔ حلق کے بعد احرام سے باہر آجائے۔

حلق کے بعد مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت کرے اور اگر سعی پہلے نہ کی ہو تو سعی بھی کرے۔

رات کے لئے منیٰ میں آجائے کہ یہاں رات گزارنا سنت ہے اور ترک مکروہ۔

۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ:۔ ان دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ گیارہویں اور بارہویں کی رمی تینوں جمروں کی زوال آفتاب کے بعد کرے اور اگر تیرہویں کو رمی کرنا ہو تو وہ بھی زوال کے بعد کرے۔ چونکہ تقریباً سب حاجی بارہویں کی رمی کے بعد واپس آنا چاہتے ہیں اس لئے زوال آفتاب سے لے کر عصر تک جمروں پر بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں کمزور اور بیمار ہرگز رمی کرنے کی کوشش نہ کرے۔ عصر کے قریب رمی کر کے واپس خیمہ میں آجائے اور معلم کی مقرر کردہ بس پر واپس جائے۔

اب سب افعالِ حج ادا ہو گئے اور حاجی فارغ ہو گئے۔ الحمدللہ سب ایام تشریق بھی گزر گئے اور عمرہ بھی جائز ہو گیا۔ بسوں والے عمرہ عمرہ کی آوازیں لگاتے اور بسیں بھر بھر کر تنعیم لے جاتے ہیں جہاں سے عشاق احرام تازہ کر کے عمرہ کی نیت باندھ کر جوق در جوق آتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اب جتنا قیام ہو غنیمت سمجھے۔ اور جتنے عمرے اور طواف ہو سکیں اپنے لئے

اور اپنے احباب واقارب کے لئے کرے۔

# طوافِ صدر

مکہ مکرمہ سے رخصت کے وقت طواف صدر یا طواف وداعی کرے۔ اب بیت العتیق کی زیارت اور طواف اور مسجد حرام کا اعتکاف اور اس بلدۂ طیبہ میں قیام اختتام کو آرہا ہے۔ زندگی میں کون جانے پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے۔ ملتزم پر لپٹ کر رب البیت سے آہ وزاری کے ساتھ اس کی رضا چاہے۔ خوب دعائیں مانگے۔

طوافِ صدر کے بعد دوگانہ پڑھے۔ آب زم زم پیٹ بھر کر پئے اور حجر اسود کو آخری استلام کر کے بتکلف گریہ وزاری کرتے ہوئے اُلٹے پاؤں باب وداع سے نکل جائے۔ رخصت کے وقت یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَاِنْ جَعَلْتَ فَعَوِّضْ مِنْهُ الْجَنَّةَ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ لِلرَّحْمَةِ صَادِقُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اے اللہ نہ بنا (اس حج کو) آخری زیارت گاہ اپنے گھر کی جو حرمت والا ہے اور اگر تو اس کو آخری زیارت گاہ بنائے تو اس کا بدلہ جنت عنایت کر۔ ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے، اس کی رحمت کا قصد کرنے والے ہیں۔ سچ کر دکھایا اللہ نے اپنا وعدہ۔ نصرت دی اپنے بندے محمدؐ کو اور شکست دی کفار کے لشکروں کو اکیلے نے نہیں طاقت بچنے کی اور گناہ سے بچنے کی مگر اللہ کی مدد سے جو عظمت والا ہے۔

# مدینہ منوّرہ

اِس مبارک سفر میں درود شریف کو وردِ جان بنا لینا چاہیئے۔ زیادہ تر یہ درود پڑھنا چاہیئے:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اَے اللہ رحمت بھیج اُوپر محمدؐ کے اُور اُوپر آلِ محمدؐ کے جیسے رحمت بھیجی تو نے اُوپر ابراہیمؑ کے اور اُوپر آلِ ابراہیم کے۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ اَے اللہ برکت نازل فرما اُوپر محمدؐ کے اُور اُوپر آلِ محمدؐ کے جیسے برکت نازل کی تو نے اُوپر ابراہیمؑ کے اُور اُوپر آلِ ابراہیمؑ کے۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

درود شریف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کا راستہ ہے اُور حضورؐ کے بے شمار حقوق اُور احسانات میں سے کچھ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اُس پر دس صلوٰۃ بھیجتے ہیں اُور جو میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اُور جو دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہونچا دیا جاتا ہے

حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک روایت مروی ہے ۔ ۔ ۔ نے رسول کریمؐ سے پوچھا

کہ درود شریف کی کتنی مقدار مقرر کروں۔ آپؐ کی ترغیب پر اپنی دعا کا تمام وقت
شریف کے لئے مقرر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں تیری ساری فکروں کی کفایت
کی جائے گی۔

مدینہ منورہ کا مختصر قیام ایک بہت بڑی نعمت جانے اور اپنا تمام تر وقت
کے کاموں میں لگا دے اور یہی چند دن خلاصۂ عمر بنالے اور گذرے ہوئے زمانے کی
تلافی کرے۔

مدینہ منورہ کے اطراف میں کچھ تاریخی مقدس مقامات ہیں۔ ان جگہوں جا
عبرت حاصل کرے۔

مدینے میں دس دن قیام کی اجازت ملتی ہے۔ دس دن گذار کر دل میں دو
آنے کی حسرت لئے رخصت ہو۔

اب حاجی اپنے مقام اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے اور کوئی کام ایسا نہ
جو ایک حاجی کی شان سے گھٹیا ہو۔

سفر حج سے واپس ہوتے وقت دعاؤں کا ورد کرتا رہے۔ لالچ اور حرص میں پڑ
ایسا سامان نہ لائے جو قانوناً منع ہے تاکہ نہ کسٹم پر جھوٹ بولنا پڑے اور نہ حاجی کا و
وطن آجائے تو گھر جانے سے پہلے مسجد میں جائے اور دو رکعت نفل بطور شکرانہ
پھر جس سے ملے اس کے لئے دعائے خیر کرے۔

# عید الاضحیٰ

**دُنیا میں** اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ اور نقصان ایک ملک، ایک قوم، ایک سماج کو ہوتا ہے اور اس سے ملک کے سارے ہی لوگ متاثر ہوتے ہیں مثلاً اگر فصل اچھی ہوتی ہے تو پورا ملک اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ فصل خراب ہوتی ہے تو کسان ہی نہیں غیر کسان بھی افسوس کرتا ہے کیونکہ غلّے کی ارزانی اور گرانی تو پورے ملک کا مسئلہ ہے نہ کہ کسی ایک شخص کا۔ یہی وجہ ہے کہ میدانی علاقوں کے لوگ اناج کاٹنے کے دنوں میں مل جل کر خوشی مناتے ہیں۔ جس دن مل جل کر یہ خوشی مناتے ہیں یہی ان کے تیوہار کا دن ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بعض تیوہار اسی بنیاد پر منائے جاتے ہیں۔

**ایک مثال** دوسرے ملک کی ملاحظہ ہو۔ جاڑے کے موسم میں وہاں کی زمین یخ بستہ ہو جاتی ہے یعنی وہاں برف جم جاتی ہے۔ جاڑے کا زور ٹوٹنے پر جب سورج کی گرم کرنیں برف پگھلا دیتی ہیں تو وہاں کے لوگ دیکھتے ہیں کہ اس برف کے نیچے طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کے پودے انھیں مستی اور سرور کا پیغام دے رہے ہیں۔ ایران میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی زمین کے نیچے ایسے بیج بھر دیئے ہیں جو برف کے نیچے دبے دبے نشو و نما پاتے رہتے ہیں اور جب برف پگھل کر بہہ جاتی ہے تو سارا ملک گل و گلزار نظر آتا ہے۔ اس گل و گلزار سے سارا ملک خوشی مناتا ہے۔ جس دن اُن کے یہاں سورج کی پہلی گرم کرن پڑتی ہے وہ دن اُن کی اجتماعی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اس دن کا نام انھوں نے "نوروز" رکھا ہے۔ نوروز اُن کے تیوہار کا دن ہے۔ دنیا کے ٹھنڈے ملکوں میں تیوہار کی نوعیت اسی نوروز سے ملتی جلتی ہے۔

**اُوپر کی دو مثالوں** سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اجتماعی خوشی سے تیوہار کی بنیاد کس طرح پڑتی ہے۔ اسی طرح دوسرے تیوہار ہیں۔ مضمون طویل نہ ہو جائے اس ڈر سے اب ہم دوسرے تیوہاروں پر تبصرہ سرسری کریں گے۔

**بعض تیوہار** ملک اور قوم کے کسی ہیرو کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال رام چندر جی

...یک کارنامہ ہے۔ یہ ایسا کہ جب رام چندر جی اپنی بیوی سیتا جی کے ساتھ چودہ برس کا بن باس گزار رہے تھے تو وہ بندیا چل کر کے دکن کے جنگلوں میں بھی پہنچے۔ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو اُٹھا لے گیا۔ رام چندر جی نے راون سے جنگ کی۔ راون کو مار سیتا جی کو واپس لائے۔ دسہرے کا تیوہار اسی یادگار میں منایا جاتا ہے۔

اسی طرح جنم اشٹمی کا تیوہار منایا جاتا ہے۔ یہ تیوہار شری کرشن جی کی یاد میں اُن کے جنم دن کے طور پر منایا جاتا ہے شری کرشن جی کورو پانڈو کی جنگ کے ہیرو ہیں۔ اُن کا ایک کارنامہ اور ہے۔ اُنھوں نے بھارت کے مشہور ظالم کنس کو مار کر رعایا کو اُس سے نجات دلائی۔ اُن کی نصیحتوں کی ایک کتاب گیتا ہے جو الہامی کتاب کہی جاتی ہے۔

اس طرح کے تیوہاروں میں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں وہ اپنے عقیدے کے مطابق خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس دن اچھے کپڑے پہننا، اچھا کھانا کھانا، مختلف طرح کے ذوق کی تکمیل کرنا سارے ہی تیوہاروں کا مشترک ذوق ہے۔

اسلامی تیوہار سال میں صرف دو ہیں۔ ایک عید الفطر، دوسرا عید الضحیٰ۔ یہ کسی آزادی، کسی فتحیابی، کسی فصل کے حاصل کرنے یا کسی دنیاوی کامیابی پر نہیں منائے جاتے۔ ان کی بنیاد دوسری ہے۔

مسلمان عید الفطر کا تیوہار ماہ رمضان کے بعد یکم شوال کو مناتے ہیں۔ رمضان میں پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو اپنی وہ اعلیٰ ترین نعمت عطا فرمائی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید حق و باطل کے فرق کو بتاتا ہے۔ انسان کو انسان بنانے کے اصول دیتا ہے۔ وہ اصول جن کو پاکر انسان اپنے رب کو خوش کر سکتا ہے، جنت جیسی نعمت پا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے زیادہ انسان کو اور کیا چاہیئے۔ اس نعمت کے پانے کی خوشی میں اللہ کا بندہ اپنے نفس کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے روزے رکھتا ہے اور جب اِس تربیت اور ٹریننگ سے نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ ٹریننگ اور تربیت بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل کی تو رمضان کا مہینہ ختم ہوتے ہی اپنے محسن کے آگے ماتھا رکھ دیتا ہے اور اُس کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہ ہے اسلامی تیوہار کی بنیاد۔

عید الضحیٰ کے معنی قربانی کی عید کے ہیں۔ اللہ کو خوش کرنے کے لئے ہر اُس چیز کی قربانی پیش کرنا جو خدا کی محبت میں رکاوٹ بنے۔ 'حق' سامنے آنے کے بعد اُسے قبول کر لینا، حق کو حق کہنے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے اگر ہمارا نفس راستہ روکے تو اُسے ٹھوکر مار دینا، اپنی خواہشات کو دبا دینا، اپنے من کو مارنا۔ یہ بہت بڑی قربانی ہے۔

غلط عقیدے، باپ دادا کے زمانے کی بُری رسمیں، ذات برادری کے تعلقات، دھن، دولت، وطن، بیوی اور بیٹے کی محبت، یہ سب حق کی راہ میں رُکاوٹ بنتی ہیں۔ ان سب کو ٹھوکر مار دینا آسان کام نہیں ہے۔

اِن ساری قربانیوں کی مثال اگر کوئی پورے طور پر کسی شخصیت میں دیکھنا چاہے تو وہ اللہ کے نبیوں میں دیکھے خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حالات میں ہمیں اِس طرح کی ساری قربانیوں کی پوری تصویر ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر جس دن "حق" واضح ہوا آپؑ نے بڑھ کر اُسے قبول کر لیا۔ صرف قبول ہی نہیں کر لیا۔ باپ، ماں، بھائی، بیوی، برادری، بستی، راجہ، پرجا... سب کو اس کی تلقین بھی کرنے لگے۔ باپ نے ناراض ہو کر گھر سے نکال دیا۔ برادری نے اپنے سماج سے خارج کر دیا۔ آپؑ کی ہنسی اُڑائی گئی۔ طرح طرح سے ستایا گیا۔ حتّٰی کہ قوم نے آگ میں جھونک دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ سب گوارا کیا لیکن جو حق سامنے آچکا تھا اُس سے منھ نہ موڑا۔ اِس کے بعد مادر بھومی کی قربانی کا نمبر آیا۔ آنحضرتؑ کو یہ قربانی بھی دینا پڑی۔ آپؑ نے وطن سے ہجرت کی۔ ایک بیوی اور بھتیجے کے ساتھ (جو آپؑ پر ایمان لا چکے تھے) نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ جوانی سے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا۔ اولاد کی تمنا پیدا ہوئی۔ اللہ سے دعا کی کہ پروردگار! میرے بعد اس مشن کو چلانے کے لئے جانشین عطا فرما۔ دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ایک بیوی اور عطا فرمائی۔ دوسری بیوی سے حضرت اسمٰعیلؑ جیسا فرزند ارجمند عطا کیا۔ آپؑ نے بیٹے کی تربیت شروع کی۔ بیٹا ہونہار تھا۔ باپ کی آنکھ کا تارا بن گیا۔

اچانک ایک کٹھن قربانی پیش کرنی پڑی۔ حکم ہوا کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب شے کی قربانی کرو۔ آنحضرتؑ نے غور کیا تو سب سے پیاری شے وہی اکلوتا بیٹا اسمٰعیلؑ دکھائی دیا۔ اس کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ قریب تھا کہ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو قربان کر دیں کہ اوپر سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ ابراہیمؑ! تم پاس ہو گئے۔ بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لو! اس کے بدلے یہ مینڈھا ذبح کرو۔

آج ہم عیدالاضحیٰ کے دنوں میں اس بدلے کے مینڈھے کی قسم کے چند جانوروں کی قربانی کر کے سنّتِ ابراہیمیؑ تو ادا کرتے ہیں لیکن ہم نے دل سے ان تمام قربانیوں کو بھلا دیا ہے جو اس عظیم المرتبت رسول نے پیش کی تھیں جس کی سنّت کے طور پر ہم یہ تیوہار مناتے ہیں۔ اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ اُسے گوشت اور خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ تقویٰ جس کا تعلق تمہارے

... کی زیارت کی، سارے مناسکِ حج ادا کیے ،
عرفات گیا، منیٰ گیا ، رمی جمرات بھی کی، طواف کعبہ کیا، حجرِاسود کو بوسہ بھی دیا۔ اسکے بعد واپس آیا لیکن اُس کے اندر وہ جذبۂ ابراہیمی نہ اُبھرا تو وہ اپنی جگہ خوش ہو لے کہ حاجی ہو گیا لیکن اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اُسے حج مبرور حاصل نہیں ہوا یعنی وہ حج جو اللہ کو پسند ہے۔

اللہ جس حج کو پسند کرتا ہے وہ وہی ہے جو حاجی مکے سے واپس آکر عمر بھر نبھائے۔ وہ اللہ کی مرضی پر چلنے کے لئے بیقرار رہے چاہے اُس کے گھر والے اُس کے دشمن ہو جائیں، چاہے صاحبانِ اقتدار اُس کا جینا دوبھر کر دیں، چاہے بستی والے اُسے شہر بدر کر دیں۔ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتا رہے اور دُنیا کے سارے طاغوتوں کا انکار کرتا رہے۔ دنیا کے سارے بناوٹی خداؤں سے لڑکر جب وہ نکلتا ہے تو اللہ اُسے مسلم کے لقب سے پکارتا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو مسلم کہہ کر پکارا۔ اللہ تعالیٰ یہی توفیق ہم کو بھی دے۔

## نماز دوگانہ واجب

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو دو رکعت نماز دوگانہ شکر کے طور پر پڑھنا ہر عاقل اور بالغ مرد مسلمان پر واجب ہے لیکن اُن لوگوں پر واجب نہیں جو مسافر ہیں اور اُن پر بھی واجب نہیں جو اتنے بوڑھے اور ایسے بیمار ہیں کہ عیدگاہ یا اُس مسجد تک نہیں جا سکتے جہاں دوگانہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ نماز بستی سے باہر پچھم کی طرف کسی کھلی جگہ میں پڑھنا سنت ہے۔ عذر شرعی ہو تو بستی کی مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اندھے اور غلام، عورت اور نابالغ پر بھی واجب نہیں۔ دوگانہ کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ اگر یہ قضا ہو جائے تو پھر اس کی قضا نہیں ہوتی۔ بقرعید کی نماز اگر ۱۰ تاریخ کو کسی وجہ سے نہ پڑھی جا سکے تو بارہویں تاریخ تک پڑھ سکتے ہیں۔ دوپہر سے پہلے پہلے ہی اس کا وقت ہے۔

## عیدگاہ جانے کی تیاری

بقرعید کے دن شرع کے مطابق اپنی حیثیت کے موافق اپنی آرائش کرنا چاہیئے، نہانا مسواک کرنا، اچھے سے اچھے کپڑے (جو گھر میں ہوں) پہننا، خوشبو لگانا اور جلد سے جلد عیدگاہ جانے کی تیاری کرنا چاہیئے بقرعید کے دن نمازِ دوگانہ سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے تو بہت اچھا ہے۔

تیاری کے سلسلے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں واجب نہیں ہیں۔ سُنّت ہیں۔ جہاں تک ہو سکے سُنّت پر عمل کریں۔

## عیدگاہ جانا

عیدگاہ کے راستے میں بقرعید کے دن بلند آواز سے (چیخ کر نہیں) یہ تکبیر پڑھتے رہنا چاہیئے:۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ وللہ الحمد

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام تعریف اور شکر اللہ ہی کے لئے ہے)

## عیدگاہ پہنچ کر

عیدگاہ پہنچ کر جہاں جگہ ملے خاموش بیٹھنا چاہیئے۔ اگلی صفوں میں بیٹھنا اور نماز پڑھنا افضل ہے۔ لیکن لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا ٹھیک نہیں۔ کچھ لوگ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل نماز یا فجر کی قضا پڑھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل یا قضا کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

## عام نمازوں اور نمازِ دوگانہ میں فرق

دوگانہ اور دوسری نمازوں کے پڑھنے میں یہ فرق ہے کہ دوگانہ کی نماز میں حنفی فقہ کی رو سے مزید چھ تکبیریں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں مزید گیارہ تکبیریں پکاری جاتی ہیں۔ اور دوگانہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں امام بیچ بیچ میں تکبیریں پڑھتا جاتا ہے۔ اوّل خطبے میں نو بار اور دوسرے خطبے میں سات بار۔ دوگانہ کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔

خطبے کے دوران بات کرنا یا کوئی نماز پڑھنا حرام ہے۔

## قربانی

بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کے پاس بقرعید کے دنوں (دس گیارہ بارہ تاریخوں میں) اتنا مال ہو جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ واجب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا شخص قربانی نہ کرے گا تو بہت بڑا گناہگار ہوگا۔ مسافر اور بچوں پر قربانی واجب نہیں (چاہے وہ کتنے ہی مالدار ہوں)۔

## قربانی کا ثواب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ پسند نہیں۔ اِن دنوں میں یہ نیک کام ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ قربانی کرتے وقت یعنی جانور کو ذبح کرتے وقت اِس کے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرمالیتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

## قربانی کے دن اور وقت

قربانی کے دن ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخیں ہیں۔ دسویں تاریخ کو قربانی کرنا افضل ہے۔ قربانی نماز کے بعد کرنا چاہئے۔ نماز سے پہلے اُنہی لوگوں کے لئے اجازت ہے جو دیہات میں رہتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے پہلے نہیں کرسکتے۔ قربانی بارہویں تاریخ تک سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد قربانی کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں میں دن ہو یا رات، قربانی کر سکتے ہیں لیکن اندھیرے میں قربانی نہ کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قربانی ٹھیک سے ہوئی یا نہیں اور وہ رگیں کٹ گئیں یا نہیں جن کا کٹنا ضروری ہے۔

قربانی اپنے ہاتھ سے کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے سے ذبح کراتے وقت دیکھتا رہے۔ اگر ذبح کرنے کی جگہ پردے کا انتظام نہ ہو تو عورت وہاں کھڑی نہ ہو۔ ہٹ جائے۔ کچھ حرج نہ ہوگا۔

## قربانی کی نیت اور طریقہ

قربانی کی نیت کرکے جانور کو قبلہ رخ لٹا دینا چاہئے۔ پھر یہ دعا پڑھنا چاہیئے:۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۞ إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ مِنْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔

بت کرنے میں اتنا کافی ہے کہ دل میں ارادہ کرلے۔ دعا یاد نہ ہو تو صرف بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ دبح کردیا چاہئے۔ ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ وَحَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

## قربانی کا جانور

بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔ بس ان جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ اِن کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔ اگر بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ کرنا ہو تو ایک شخص ان میں سے ایک جانور کرے۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسے میں سات حصے دار بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس ترکت میں یہ ضروری ہے کہ ساتوں حصے برابر ہوں اور سب کی نیت قربانی کی ہو یا کسی حصے دار کی نیت عقیقے کی۔ اگر کسی شریک کا حصہ کم ہوگا تو سارے شریکوں کی قربانی ٹھیک نہیں ہوگی۔

اگر بڑا جانور ایک ہے اور قربانی میں شریک ہونے والے کم ہیں تو بھی حصے سات ہی لگیں گے۔ کوئی شریک کئی کئی حصے لے لے۔ سات آدمیوں سے زیادہ شریک ہوں گے تو کسی کی قربانی قبول نہ ہوگی۔

کلّہ اور پائے تقسیم کرنے میں سات حصے کرنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کرلیا جائے۔ کچھ لوگ ان میں سے کلّہ یا پائے لے لیں اور اس کے بدلے دوسرے کو گوشت دے دیں۔ کھال کے لئے زیادہ اچھا یہ ہے

کی کو دیدیا جائے یا بیچ کر پیسہ قیمت دیدی جائے۔ یہ کھال یا اُس کی قیمت حقدار غریب کو دینا چاہیئے۔ حقدار وہ غریب جو زکوٰۃ لینے کا حقدار ہو۔ کھال کی قیمت کسی مسجد کی مرمت یا کسی نیک کام میں لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہر حال میں خریدار کو ہی ملنا؟

**نوٹ**:۔ اگر قربانی کرنے والا شخص کھال اپنے کام میں لائے جیسے مشک یا ڈول یا جانماز بنانا چاہے تو بنوا سکتا جائز ہوگا۔

❖ گوشت، چربی، چھیچڑے، ہڈی قصائی کو مزدوری میں نہ دے اور نہ مفت دے بلکہ مزدوری الگ سے دینا چاہیئے۔ اگر قربانی کا جانور رسّی اور جھول سمیت خریدا ہے تو یہ بھی خیرات کر دے۔

❖ بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ سال بھر کا ہونا چاہیئے تب ہی اُس کی قربانی ہو سکتی ہے۔ یا پھر یا اتنے تگڑے ہوں کہ سال بھر کے معلوم ہوتے ہوں۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسے دو برس کے ہونے چاہئیں اور اُونٹ، اونٹنی کی عمر پانچ سال کی ہو۔

❖ ناقص جانور کی قربانی جائز نہیں۔ ناقص کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں کوئی عیب ہو جیسے اندھا ہو۔ کانا ہو، اُس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اُس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا دُم اور ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ یا جانور ایسا لنگڑا ہو کہ تین پاؤں سے چلتا ہو۔ چوتھا پیر بیکار ہو۔ اگر چلتے وقت چوتھا پیر ٹیک سکتا ہو تو ایسا لنگڑا جانور ٹھیک مانا جائے گا۔ ایسا مریل جانور جو ہڈیوں اور کھال کا ڈھانچہ ہو قربانی کے لئے جائز نہیں۔

✚ جس جانور کی قربانی جائز ہے اُس کے سینگ تھے لیکن جڑ سے اُکھڑ گئے تو یہ جانور بھی ناقص ہو گیا۔ اِس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ سینگ ٹوٹ جانے سے جانور ناقص نہیں مانا جائے گا۔ یا جانور کی پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہیں تو بھی ناقص نہ ہوگا اس کی قربانی ہو سکتی ہے۔

## قربانی کا گوشت

قربانی کا گوشت ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ قربانی کرنے والے کو چاہیئے کہ خود کھائے، اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور محلّے والوں کو بھی دے۔ غریبوں کو بھی بانٹے۔ غریبوں کو قربانی کے گوشت کا کم سے کم ⅓ حصّہ (تہائی) دینا چاہیئے لیکن اگر تہائی سے کم غریبوں کو پہنچے گا تو بھی گناہگار نہ ہوگا۔ ویسے غریب ⅓ کے حقدار ہیں۔ قربانی کا گوشت مالدار غیر مُسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے اور غریب غیر مسلم کو بھی۔ **نوٹ** ✚ جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے

منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ ایسا شخص چاہے مالدار ہو چاہے نہ ہو۔ منت کی قربانی کا سارا گوشت حقدار لوگوں میں تقسیم کر دے۔ نہ خود کھائے نہ کسی امیر آدمی کو دے۔ اگر خود کھا لیا یا کچھ کسی مالدار کو دے دیا تو اتنا ہی گوشت پھر خیرات کرنا پڑیگا۔

+ اِسی طرح کوئی مرنے والا وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکے میں سے میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور اُس کی وصیت پر اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ہوگا۔ اِس گوشت کے مستحق بھی غریب لوگ ہیں

## حج کا فرض ہونا

حج کے معنی ہیں زیارت کرنا۔ درشن کرنا۔ اسلامی شریعت میں حج اُن عبادتوں کے مجموعے کا نام ہے جو مکہ معظمہ، منیٰ اور عرفات میں ذی الحجہ کی ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ تاریخوں میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کی جاتی ہیں۔ یہ حج ہر اُس عاقل و بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ اتنی رقم ہو کہ وہ مکہ معظمہ تک جانے اور واپس آنے کے خرچ کے لئے کافی ہو۔

ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے دن حج میں لگیں اُتنے دنوں کے لئے گھر پر کھانے پینے وغیرہ کا سامان موجود ہو تا کہ بال بچے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں اور قرض ہو تو وہ بھی ادا ہو جائے۔

## حج کا ثواب

قرآن اور حدیث میں حج کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا ہے۔ حضرت عمرو ابن العاص جب مسلمان ہونے کے لئے حضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے اُن سے جو فرمایا اُس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو (یعنے حج مبرور) اُس کا بدلہ جنت ہی ہے۔ ایک اور حدیث میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی یہی ثواب بتایا گیا ہے۔ حج کے دنوں کے علاوہ احرام باندھ کر جو زیارتِ کعبہ کی جاتی ہے،

... عورت ... کرتے ہیں جیسے کہ لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

**نوٹ:** عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔ اگر ایک کے بعد اور بھی حج کیے جائیں تو وہ نفل ہونگے۔ ان کا بھی بڑا ثواب ہے۔

- بالغ ہونے سے پہلے حج فرض نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو بالغ ہو کر فرض حج ادا کرے۔
- اندھے شخص پر حج فرض نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی مالدار ہو۔
- عورت مالدار ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ محرم نہیں ہے تو اُسے حج کیلئے نہ جانا چاہیئے۔ محرم کے بغیر جائیگی تو حج قبول نہ ہوگا۔
- محرم اگر بے دین ہے اور اُس کے چال چلن پر اطمینان نہیں ہے تو اُس کے ساتھ بھی حج نہ کرے۔
- قابلِ اطمینان محرم ملنے پر اُسے ساتھ لے جائے تو اُس کا خرچ عورت پر واجب ہے۔
- اگر ساری عمر عورت کو محرم نہ مل سکے تو بھی حج کو اکیلی نہ جائے۔ وصیت کر جائے کہ اُس کے لئے حج بدل کرا دیا جائے۔ حج بدل یہ ہے کہ اُس کے مال سے اُس کے ورثاء کسی شخص کو حج کرنے بھیجدیں۔ اگر عورت کے چھوڑے ہوئے مال کے حصے میں خرچ پورا نہ ہوتا ہو تو پھر اُس کی وصیت پر عمل نہ کرنے سے ورثاء پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ورثاء باقی رقم اپنے پاس سے پوری کر دیں۔ نابالغ وارث کے حصے میں سے رقم نہیں لی جا سکتی۔
- کسی شخص پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ شخص (مرد یا عورت) اندھا ہو گیا اُس کو بھی چاہیئے کہ حج بدل کے لئے کسی کو بھیجدے۔
- اگر کوئی عورت عدت کے دن گزار رہی ہے اور اُس پر حج فرض ہے تو وہ عدت گزار کر حج کو جائے۔

**حج نہ کرنے پر** کسی پر حج فرض ہے اور وہ نہ کرے تو اُس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایک حدیث میں تو ایسے شخص کے بڑی سخت بات آئی ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہے جس سے وہ بیت اللہ شریف تک جا اور پھر وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے، اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ حج کو چھوڑ اسلام کا طریقہ نہیں۔

**حج کی ضروری باتیں** ہمارے ملک سے عام طور پر لوگ بحری یا ہوائی جہاز سے حج کرنے جاتے ہیں بحری جہاز

جانے والوں کے راستے میں ایک پہاڑ پڑتا ہے۔ اس کا نام یلملم ہے جو یمن میں ہے اور مکہ معظمہ سے دکھن کی طرف ہے جب اس پاس سے جہاز گزرتا ہے تو اعلان ہو جاتا ہے کہ حاجی احرام باندھ لیں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی احرام باندھ لینا چاہئے۔ احرام مردوں کے لئے بغیر سلی ہوئی دو چادریں ہیں۔ ایک کا تہمد باندھ لیں اور دوسری اس طرح اوڑھ لیں کہ داہنا کندھا کھلا ہے بایاں کندھا بند۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک دامن بائیں کندھے پر ڈال کر پیچھے سے داہنی بغل میں کرتے ہوئے دوسرا دامن پھر بائیں کندھے ال لیں۔ سر بالکل کھلا رہے۔ اب اسی حالت میں ساری عبادتیں ہوں گی۔ اگر حج کے دنوں میں زیادہ عرصہ ہو تو صرف عمرہ کریں۔ مکہ پنے پر زیارت کی شرطیں ادا کر کے احرام کھول دیں اور حج کے دنوں میں پھر باندھیں۔ عورتوں کا احرام یہ نہیں ہے۔ وہ اپنے کپڑے پہنے ۔ وہ سر پر صرف ایک رومال باندھ لیں اور چہرہ کھول دیں۔ احرام کی حالت میں یہ دعا بار بار پڑھیں۔ مرد بلند آواز سے پڑھیں، رتیں کم آواز سے :

لبّیك اللّٰھم لبّیك لاشریك لك لبّیك إن الحمد والنّعمة لك والملك لاشریك لك (میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں حاضر ہوں، تعریف تیرے لئے ہے۔ نعمتیں تو نے ہی دی ہیں۔ بادشاہی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں)

اس طرح کہنے کو 'تلبیہ' کہتے ہیں۔

جدہ کے ساحل پر اتریں تو یہاں اپنا معلّم چن لیں۔ جدہ سے مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف کریں۔ طواف میں سات چکر لگاتے ہیں اسود والے کونے سے طواف شروع کریں۔ جو دعا یاد ہو پڑھتے جائیں۔ ویسے معلّم کا آدمی خود طواف کرا دے گا اور سب بتا دے گا۔ طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات بار دوڑیں۔ اس کا طریقہ بھی معلّم کا آدمی بتا دیگا۔ اس کو 'سعی' کہتے ہیں۔ سعی کے بعد سر منڈائیں اور احرام کھول دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے انگل دو انگل بال کاٹ دیں۔ سر سے رومال کھول دیں اور چہرہ ڈھانپ لیں۔ مکہ معظمہ میں معلّم اپنے اپنے حاجیوں کے ٹھہرنے اور حج کرانے کا انتظام کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جہاں تک ہو سکے کعبے کا طواف زیادہ سے زیادہ کریں۔ طواف کے بعد مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز بھی پڑھا کریں۔ پاس ہی زمزم کا کنواں ہے۔ اس کا پانی بھی خوب پئیں۔

مکہ پہنچنے پر اگر حج کے دن شروع ہونے میں دو ایک دن باقی ہوں تو چاہیں تو ایک دو دن کے لئے احرام کھول دیں اور

چاہیں تو یلملم جا سے بلا فاصلہ ریں اور مکہ پہنچ کر احرام باندھ رہیں اور حج کرلیں۔

**نوٹ**:۔ چونکہ حاجی مدینہ منورہ جانے کے لئے بے چین رہتے ہیں اس لئے حج سے زیادہ دنوں پہلے مکہ معظمہ پہنچنا ہو تو پھر یلملم پر احرام نہ باندھیں۔ جدے سے مدینے چلے جائیں اور جب مدینے سے مکے میں داخل ہونے کی نیت کریں تو وہیں سے احرام باندھ کر چلیں۔

## حج کے دن

۸ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد مکہ معظمہ سے حج کے لئے چل دیتے ہیں۔ چلنے سے پہلے اپنے معلم سے ہدایات ضرور لیں۔ سواری پر جانا ہو تو اس سے کہہ دیں کیونکہ وہ اپنے حاجیوں کو سہولت پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ میں اپنے معلم کے کیمپ میں ٹھہریں۔ رات وہیں بسر کریں۔ دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہو جائیں۔ حج کے لئے عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے چاہے کچھ ہی دیر ٹھہریں۔ یہاں دل لگا کر نماز پڑھتے رہیں۔ قرآن پڑھتے رہیں۔ یادِ خدا کرتے رہیں۔ ظہر ابھی نہ پڑھیں۔ عصر کا وقت آتے ہی ظہر اور عصر کی فرض نماز پڑھیں۔ مغرب کے وقت عرفات سے منیٰ کو واپس ہوں۔ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھیں۔

عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام مزدلفہ پڑتا ہے۔ رات کو مزدلفہ آکر ٹھہریں۔ مغرب اور عشا کی فرض نمازیں یہیں ایک ساتھ پڑھیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنت و نفل نہ پڑھیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو چل دیں۔ وہاں سے منیٰ سامنے ہی تھوڑی دور پر نظر آتا ہے۔ بیچ میں محسر کی وادی ہے۔ اس وادی میں ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا تذکرہ سورہ فیل میں ہے۔ اس وادی سے جلد گزر جائیں۔ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اگر مزدلفہ سے پیدل چلیں تو آرام سے آدھ گھنٹے میں منیٰ میں پہنچ جائیں گے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے آخری جمرہ کی رمی کو کنکر مارنے جائیں۔ سات کنکری ایک ایک کر کے ماریں۔ جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے کنکری پکڑیں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ماریں۔ کنکری مار کر لبیک کہنا بند کر دیں۔ اب قربانی کریں۔ قربانی کے لئے جگہ خاص ہے۔ وہاں جائیں اور جو جانور پسند کریں خرید لیں اور قربانی کریں۔ اس سے فارغ ہو کر سر منڈائیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے آنچل دو انگل بال کاٹ دیں۔ نہانے کی سہولت ہو تو نہا لیں اور احرام اتار دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں سر سے رومال کھول لیں اور چہرہ چھپا لیں۔

زیادہ اچھا یہ ہے کہ اسی دن مکہ معظمہ جاکر کعبے کا طواف کر لیں اور اسی دن واپس آجائیں۔ دوسرے روز یعنی ۱۱رذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر رمی جمرات کے لئے جائیں۔ چنے کے برابر ۲۱ کنکریاں ساتھ لیں۔

جمرہ ۱ کے پاس پہنچیں تو ایک ایک کر کے سات کنکریاں اُس کے ماریں۔ خیال رکھیں کہ کنکریاں اُسے لگ جائیں۔ اس کے بعد پھر آگے بڑھیں۔ جمرات ۲ کو بھی سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھیں۔ جمرات ۳ کے پاس پہنچیں۔ اُسے بھی سات کنکریاں ایک ایک کر کے ہی ماریں۔ اسی کو رمی جمرات کہتے ہیں۔ رمی جمرات کے وقت دل میں یہ خیال جمائیں کہ ہم شیطان کو مار رہے ہیں۔ رمی جمرات کا دراصل مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے شیطان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی بھر شیطان سے دور رہیں گے اور اللہ ہی کے حکموں پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح رمی جمرات ۱۱رذی الحجہ کو بھی ہوگی اور ۱۲رذی الحجہ کو بھی۔ ان تین دنوں (۱۰ر۱۱ر۱۲رذی الحجہ) میں کسی دن مکہ پہنچکر طوافِ کعبہ ضرور کر لینا چاہئے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے ہی دن فراغت حاصل کر لیں۔ اس طواف سے حج مکمل ہوگیا۔ تین دن منیٰ میں ٹھہر کر مکہ معظمہ واپس آئیں۔ اب جتنے دن مکہ معظمہ میں ٹھہریں خوب طواف کریں۔ عبادتیں کریں۔ اللہ توفیق دے تو کچھ عمرے بھی کر لیں۔

## مدینے کی حاضری

مدینہ منورہ میں جانا حج میں شامل نہیں ہے لیکن وہ کون ایسا مسلمان ہے جو مکہ معظمہ تک جائے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہ جائے۔ پھر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مکہ تک آئے اور مدینہ نہ آئے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اب بتائیے اتنا بڑا سفر کر کے جائیں اور مدینہ میں حاضری نہ دیں۔ یہ تو بڑی بدنصیبی ہے۔

مدینہ جانے کا انتظام بھی معلم کرتا ہے۔ اب مدینہ جانا بہت آسان ہوگیا ہے۔ چند گھنٹوں میں بس یا ٹیکسی سے پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں دس دن ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ ۵۵ وقت کی نمازیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں مسجد نبوی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارئے۔ مسجد کے اندر ہی ایک حجرہ ہے۔ اس میں حضوؐر کی قبر شریف ہے۔ اسی حجرے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی بھی قبریں ہیں۔ یہی حجرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا گھر تھا۔ پیارے رسولؐ نے اسی حجرے میں وفات فرمائی تھی۔ پیارے رسولؐ کے شیدائیوں کو چاہئے کہ اس کے سامنے کھڑے

مدینے کی کھجوریں بہت مشہور ہیں۔ اللہ توفیق دے اور پاس پیسہ ہو تو یار دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفہ دینے کے لئے کھجوریں خرید لیجئے۔ پیارے رسولؐ کے گھر کا یہ بڑا عمدہ تحفہ ہے۔ دس دن کے بعد مکہ واپس آئیے۔ پھر جب جہاز روانہ ہو، آخری طواف کرکے روانہ ہو جائیے۔ دعا کیجئے کہ اللہ پھر یہ دن نصیب کرے۔ آمین۔

# خطبۂ حجتہ الوداع

## نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا خطبۂ مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے تیرہویں سال ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد دس برس ہو گئے آپؐ نے کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی تو حضورؐ کے ساتھ حج کرنے کے شوق میں چاروں طرف سے حج کو چلے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ لگ بھگ ایک لاکھ مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہو گئے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی بنیادی باتوں کے ساتھ تمام اسلامی باتیں سمیٹ کر سمو دیں۔ یہی خطبہ حضورؐ کے آخری حج کا خطبہ ہے۔ اس خطبہ میں آپؐ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی۔ حج کے بعد آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے یہ خطبہ حجتہ الوداع کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ آپؐ نے اپنی سواری کی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر فرمایا تاکہ سارا مجمع آپؐ کو دیکھتا رہے۔ آپؐ نے اللہ کی تعریف کے بعد فرمایا:۔

- اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ ایک ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ اُس نے اپنے بندے (یعنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور اُس اکیلے (اللہ) نے سارے (باطل) گروہوں کو شکست دی۔

○ لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب پھر ہم تم اس طرح ایک جگہ اکٹھا ہو سکیں گے۔
(یہی وہ پیشین گوئی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا)

○ لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے انسانو! اللہ نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہوں اور قبیلوں میں (اس لئے) بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف اور بزرگ وہی ہے جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے۔ تو پھر تقویٰ کے ساتھ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر بڑائی حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔"

تمام لوگ آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم مٹی سے۔ خبردار! اب برتری کے سارے دعوے، خون اور مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے۔ صرف کعبہ کی تولیت (متولّی ہونا) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات ویسی کی ویسی رہیں گی جس حال میں ہیں۔ قریش کے لوگو! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے سامنے تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔ قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کا غرور اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارا فخر کرنا ختم کر دیا۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں۔ تمہارے لئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ضروری ہے جیسی تمہارے اس دن (حج کے دن) کی حرمت ہے، جیسی تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) کی حرمت ہے، اور جیسی تمہارے اس شہر (مکّہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اللہ کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔

○ خبردار! میرے بعد گمراہی کی طرف نہ پلٹ جانا۔ ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

○ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ویسا ہی پہناؤ جیسا تم

○ جاہلیت کی ساری باتیں میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔ جاہلیت کے سارے بدلے ختم کر دئے۔ پہلا بدلہ جو میں ختم کرتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا خون جس کو بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے کے سود کی اب کوئی حیثیت نہیں۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ یہ اب ختم ہو گیا۔

○ لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اُس کا حق دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لئے وصیت نہ کرے

○ بچہ اُسی کا کہلایا جائیگا جسکے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو جس پر حرام کاری ثابت ہو اُس کی سزا پتھر ہے اور حساب کتاب اللہ کریگا۔

○ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو آقا ظاہر کرے گا اُس پر خدا کی لعنت۔

○ قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

○ کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اُس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ لہذا اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

○ عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

○ لوگو! تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور اُن پر تمہارے کچھ حق ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں۔ پھر اگر ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی کہ چھوڑ دو تنہائی میں۔ اور یہ کہ اس طرح پٹائی کرو کہ اُن کے بدن پر نشان نہ پڑنے پائیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔

○ عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری نگرانی میں ہیں اور وہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ لہذا اُنکے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے اللہ کے نام پر ہی اُن کو پایا ہے اور اللہ ہی کے فرمانوں کی بدولت وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

# مناسک و اصطلاحات

حج کسی ایک فعل کا نام نہیں۔ یہ بہت سے افعال پر مشتمل ہے جو ایک خاص ترتیب سے چند ایک معلوم اوقات میں ایک مخصوص لباس میں ادا کرنا ہوتے ہیں۔ دوسری عبادات مجاہدہ ہیں اور حج مشاہدہ۔ اس کے لئے جذبہ عشق کی ضرورت ہے۔ اس میں لباس بھی عاشقانہ اعمال و افعال بھی عاشقانہ اور ارکان و مناسک بھی عاشقانہ ہیں۔ حج مبرور کی علامت ہے کہ اس میں نقص نہ ہو۔ اس لئے حج کے صحیح مسائل پڑھے اور سیکھے اور ان پر اخلاص نیت سے عمل کرے۔

## حج کے تین طریقے

حج کے تین طریقے ہیں:-

۱- قران۔ عمرہ اور حج دونوں ایام حج میں ایک احرام کے ساتھ ادا کرے۔ اور عمرہ کرکے حلال نہ ہو بلکہ بدستور احرام میں رہے۔ ایسا حج کرنیوالے کو قارن کہتے ہیں۔

قران، تمتع سے افضل ہے اور تمتع افراد سے۔ قران اور تمتع تو خاص آفاقیوں کے لئے ہیں اور افراد آفاقیوں اور

حدود میقات کے مکینوں کے لئے جائز ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قِران فرمایا۔

قِران کا طریقہ یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ اور حج کا احرام باندھے۔ عمرہ کا طواف اور سعی کرے اور حلق نہ کرے۔ عمرہ کی سعی کے بعد طواف قدوم کرے جس میں رمل اور اضطباع بھی کرے اور ساتھ ہی حج کی سعی بھی کرے کہ یہ افضل ہے۔ اگر سعی طواف زیارت کے ساتھ کرنا ہو تو طوافِ قدوم میں رمل و اضطباع نہ کرے۔ پھر حج کے ارکان ادا کرے۔ یعنی وقوف عرفات اور رمی اور نحر اور حلق اور طواف زیارت۔ اگر نحر کی توفیق نہ ہو تو دس روزے رکھے تین روزے دسویں ذی الحجہ سے پہلے اور سات ایام تشریق کے بعد جہاں چاہے رکھے اور وطن میں پہنچ کر رکھنا افضل ہے۔ روزے تواتر سے رکھے یا متفرق رکھے جائز ہے۔ اگر تین روزے پہلے نہیں رکھے تو پھر قربانی دینا ہو گی اور مقدور نہ ہو تو رمی کے بعد حلق کر کے حلال ہو جائے لیکن دو دم لازم ہوں گے۔

اگر ایام حج میں عمرہ نہیں کیا تو قِران نہ ہو گا بلکہ افراد حج ہو گا۔

۲۔ تمتع:۔ عمرہ ایام حج میں ادا کرنے کے بعد حلال ہو جائے اور پھر دوبارہ احرام باندھ کر حج کرے اسے حج تمتع کہتے ہیں اور حاج کو متمتع۔

مکی یا حدود میقات کا مکین یا وہ آفاقی جو ایام حج سے پہلے مکہ میں حلال ہو کر رہ رہا ہو اسے تمتع کرنا جائز نہیں۔ یہ اس آفاقی کے لئے جائز ہے جس نے ایام حج میں عمرہ کیا ہو اور اسی سال حج کرے۔ اکثر آفاقی ایام حج میں عمرہ کرکے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ واپسی پر افراد کا احرام باندھیں تو ان کا تمتع حج ہو گیا۔

تمتع کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ بجا لاکر حلال ہو جائے اور مکہ مکرمہ میں یا کہیں اور رہے اور اپنے وطن کو واپس نہ ہو۔ پھر حج کے لئے احرام باندھے اور حج کے افعال پورا کرے اور طواف زیارت کے بعد سعی کرے۔

متمتع پر طواف قدوم نہیں۔ البتہ عمرہ کرنے کے بعد اگر حدود میقات سے باہر نکل گیا۔ مثلا مدینہ منورہ چلا گیا اور وہاں سے احرام حج باندھا تو اس متمتع پر طواف قدوم سنت ہے۔ اور بہتر ہے کہ واپسی پر احرام باندھے نہ کہ ثانی عمرے کا۔

مفرد حج کا

متمتع اگر احرام حج باندھنے کے بعد نفلی طواف کرے اور اس میں رمل اضطباع اور بعد میں سعی کرے تو پھر طواف زیارت میں یہ اعمال نہ کرے مگر بہتر یہی ہے کہ

طواف ...

اگر متمتع احرام عمرہ کے احرام سے حلال نہ ہونا چاہے یعنی عمرہ کے باقی افعال تو کرے اور حلق نہ کرے اور آٹھویں ذی الحجہ یا اس سے پہلے حج کا احرام اس پر باندھے تو بھی جائز ہے۔
اگر متمتع نادار ہو، قربانی نہ کر سکے تو دس روزے رکھے جیسے قران کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے
چونکہ پاکستانی حاجی اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لے جا سکتے اس لئے ہدی کے مسائل حذف کئے جاتے ہیں۔
۳۔ اِفراد :۔ حج کے ایام میں صرف حج کرے۔ اگر عمرہ کرے تو ایام حج کے پہلے یا بعد کرے۔ اس حاج کو مفرد کہتے ہیں۔
افراد حج کا طریقہ یہ ہے کہ میقات پر احرام باندھے اور حج کے تمام ارکان ادا کرے۔ قربانی مفرد پر مستحب ہے اور قربانی نہ کرے تو رمی کے بعد حلق کرے۔
مندرجہ بالا تین طریقے مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔
اور باہمی فرق بتایا گیا ہے۔ حج کے باقی مشترک مسائل آگے بیان ہوں گے

## حج کے ارکان چار حصوں پر مشتمل ہیں۔ فرائض واجبات۔ سنن اور مستحبات۔

## فرائض

فرائض کا یہ حکم ہے اگر کسی ایک فرض کو بھی ترک کرے تو

حج صحیح نہ ہوگا۔ دم وغیرہ دینے سے بھی کفارہ نہ ہوگا۔ اور جب تک چند مخصوص فرائض سرانجام نہ پائیں احرام سے باہر نہیں آسکتا۔ فرائض یہ ہیں۔

ا حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ احرام کی نیّت دل میں کرنے اور تلبیہ کہنے سے احرام بندھ جاتا ہے۔

ب وقوفِ عرفہ، عرفات کے میدان میں ۹ ذی الحجہ کو زوال سے لیکر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک وقوف کرنا

ج طواف رکن یا طواف زیارت کرنا یعنی وقوف کے بعد دسویں ذی الحجہ کی صبح کے بعد بیت اللہ شریف کا طواف کرنا۔ یہ طواف دسویں ذی الحجہ میں کرنا افضل ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں کو طواف فرمایا اور اس طرح ادا کرنا کہ دسویں کی ظہر مکہ مکرمہ میں آن پڑھے تو اولیٰ اگر طواف بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک جائز ہے اور اس کے بعد دم بھی دینا پڑیگا اور طواف بھی کرنا ہوگا۔

نیز ان فرائض میں ترتیب بھی ایسے ہی ہو۔ یعنی پہلے احرام پھر وقوف عرفہ اور پھر طوافِ زیارت۔

## واجبات

واجبات حج کے وہ احکام ہیں جن کے ترک کرنے یا بے وقت کرنے سے حج تو جائز ہوجاتا ہے لیکن دم لازم ہوتا ہے اور دم سے گناہ معاف نہ ہوگا جب تک توبہ نہ کرے

۱ میقات سے احرام باندھنا۔
۲ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔
۳ نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات مزدلفہ میں رہنا
۴ وقوفِ مزدلفہ یعنی صبح صادق کے بعد کچھ دیر مزدلفہ میں ٹھہرنا۔ مزدلفہ سب کا سب موقف ہے۔
۵ رمی جمار۔
۶ قارن اور متمتع پر قربانی کرنا۔
۷ سر کا حلق یا قصر کروانا۔
۸ آفاقی کے لئے طواف صدر کرنا۔

اس کے علاوہ اور بہت سے واجبات ہیں جو مناسب جگہ پر بیان ہونگے

## سُنن

سنتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ انکا چھوڑنا مکروہ ہے۔ لیکن دم یا صدقہ لازم نہیں آتا۔

۱ مفرد اور قارن آفاقی پر طواف قدوم کرنا۔
۲ جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اس میں رمل کرنا۔
۳ امام کا مکہ مکرمہ میں ساتویں، عرفات میں نویں اور منیٰ میں گیارہویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھنا۔
۴ آٹھویں کو فجر کے بعد مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر منیٰ میں ظہر سے پہلے پہنچنا کہ منیٰ میں پانچ نمازیں ادا ہو جائیں۔

یعنی آٹھویں کی ظہر عصر مغرب عشاء اور نویں کی فجر

۵ آٹھویں اور نویں ذی الحجہ کی درمیانی رات منیٰ میں رہنا۔

۶ نویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کو جانا۔

۷ وقوف عرفات کے لئے غسل کرنا۔

۸ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہونا۔

۹ گیارہویں اور بارہویں رات یعنی مزدلفہ والی رات کے بعد دو راتیں منیٰ میں قیام کرنا اور اگر کوئی تیرہویں کو بھی رمی کرنا چاہے تو تیسری رات بھی منیٰ میں رہنا۔

۱۰ منیٰ سے مکۂ مکرمہ کو لوٹتے وقت وادئ محصب یا موجودہ معابدہ میں ٹھہرنا چاہے ایک ساعت ہی ہو۔

یہ سب سنتیں موکدہ ہیں ان کے علاوہ اور سنتوں کا بیان مناسب جگہ پر ہوگا۔

## مستحبات

حج کے مستحبات بے شمار ہیں۔ ان کے کرنیوالوں کو زیادہ اجر ملتا ہے مگر سنت موکدہ سے کم اور ترک کرنے والے پر گناہ نہیں۔ یہاں چند چیدہ مستحبات لکھے جاتے ہیں۔ باقی انشاء اللہ اپنی جگہ پر بیان ہوں گے۔

۱ مرد کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا۔
۲ مفرد کو قربانی کرنا۔
۳ مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت غسل کرنا۔
۴ مزدلفہ میں داخلے کے وقت غسل کرنا۔
۵ عرفات میں جبل رحمت کے قریب رہنا۔
۶ عرفات میں امام کے ساتھ ظہر اور عصر کو اکٹھے ظہر کے وقت پڑھنا۔
۷ تلبیہ اور عرفات میں کثرت سے دعا کرنا۔
۸ مزدلفہ میں عید کے روز فجر کے وقت مشعر الحرام میں وقوف کرنا۔ اور فجر کی نماز بھی وہاں پڑھنا۔
۹ مزدلفہ میں فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھنا۔
۱۰ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد جمرہ عقبیٰ کی رمی کرنا۔

نقشہ میں تین طرح کے حج کے مختلف ارکان اور ان کی ترتیب ادائیگی بتائی گئی ہے۔

حجاب
ارکان حج و ترتیب ادائیگی
افراد
تمتع
قران
احرام
طواف قدوم
وقوف عرفہ
وقوف مزدلفہ
رمی جمرہ عقبہ
حلق یا قصر
طواف زیارت
سعی
رمی جمار
طواف وداع
احرام عمرہ
طواف
سعی
حلق یا قصر
دوبارہ احرام حج
وقوف عرفہ
وقوف مزدلفہ
رمی جمرہ عقبہ
طواف
سعی
طواف قدوم
سعی
وقوف عرفہ
وقوف مزدلفہ
رمی جمرہ عقبہ
حلق یا قصر
طواف زیارت
رمی جمار
طواف وداع
علامات
فرض
واجب
سنت
مستحب
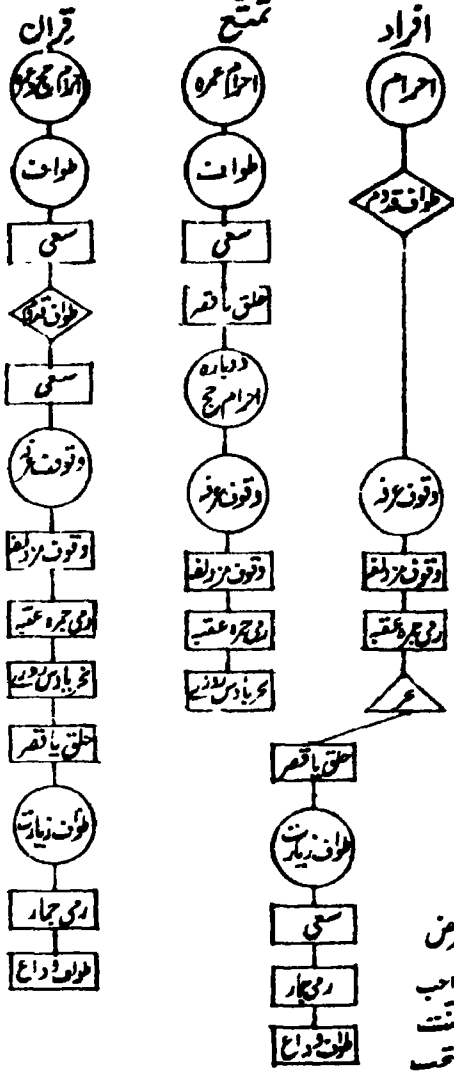
# حدودِ میقات

یہ مکہ مکرمہ کے اردگرد وہ حدود ہیں۔ جن سے بغیر احرام باندھے گذرنا حرام ہے۔ اور اگر گذر جاتے تو دم لازم آتا ہے۔ میقات کے اندر جتنی جگہ گھری ہوئی ہے اسے حل

مدینہ منورہ

ذوالحلیفہ

(ابیار علی)

آفاق

ذات عرق

ارضِ حل

جحفہ

جعرانہ

رابغ

عرفات

تنعیم

مکہ مکرمہ حدودِ حرم

مسجد نمرہ

قرن المنازل (سیل)

آفاق طائف

جدہ

یلملم (سعدیہ)
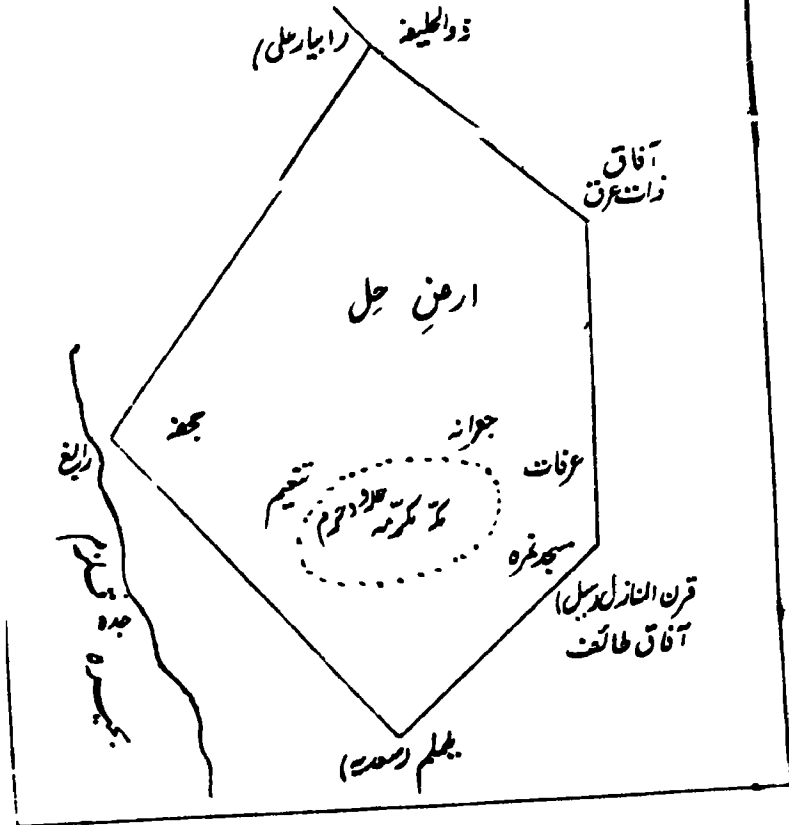
کہتے ہیں اور آفاق سے حِل میں داخل ہونے والے کو آفاقی کہتے ہیں۔ نقشہ میں ارضِ حِل کے اندر حدودِ حرم ہیں یعنی مکہ شریف کی حدود ہیں۔ ان حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے حدود میقات تین قسم کے ہیں۔

۱ آفاقی کے لئے حدودِ میقات حدودِ حِل ہیں۔ نقشہ میں حدود دکھائی گئی ہیں۔ نقشہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یلملم حدود آفاق میں ہے اور جدّہ تک تمام سمندری راستہ بھی حدود حِل سے باہر ہے۔ لہٰذا بحری سفر کرنے والے حاجیوں کو جدّہ سے بھی احرام باندھنا جائز ہے مدینہ منوّرہ سے آنے والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے ہیں۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں سے احرام باندھا تھا ہوائی جہاز سے آنیوالوں کے لئے بھی جدہ ہی میقات ہے لیکن چونکہ جہاز حدود حل سے گذرتا ہے اور حدود حل کے اوپر کی فضا کا بھی وہی حکم ہے جو ارض کا۔ اس لئے کراچی سے ہی احرام باندھا جاتا ہے۔ ویسے میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے۔ اس لئے جدّہ کی بجائے یلملم یا کراچی سے باندھنا افضل ہوا بشرطیکہ احرام کے محظورات سے بچ سکے۔

اگر کسی کے راستے میں دو میقات پڑتے ہوں تو پہلے میقات سے احرام باندھنا افضل ہے۔

۲ حدودِ حل میں رہنے والے لوگوں کے لئے حدود میقات حدود حرم ہیں۔ انھیں اپنے گھر سے احرام باندھنا افضل ہے

۳ حدودِ حرم یا مکہ مکرمہ کے شہر میں رہنے والے لوگوں کے لئے حج کے احرام کے حدود تو حدود حرم ہی ہیں یعنی گھر سے باندھیں اور مسجد حرام سے باندھنا افضل ہے اور حطیم میں اور خصوصاً میزاب کے نیچے البتہ عمرہ کے احرام کے لئے حدود حرم سے نکل کر حدود حل میں احرام باندھنا ہے اور عمرہ کے احرام کے لئے افضل جگہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تنعیم ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو وہاں سے احرام باندھنے کو فرمایا تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جعرانہ ہے کہ سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہاں سے احرام باندھا تھا۔

یہ حدود اور احکام ان لوگوں کے لئے ہیں جو کسی شرعی طریق سے ان حدود میں داخل ہوئے ہوں چاہے آفاقی ہوں یا مقیم اور حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کریں تو احرام مندرجہ بالا حدود سے باندھیں۔ اور اگر ان حدود سے احرام نہ باندھا تو دم لازم آئیگا۔ اگر حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتا تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں۔

حدود حرم کے اندر نہ شکار کی اجازت ہے نہ

گھاس درخت کاٹنے کی نہ قتال کی۔ حتیٰ کہ اگر کسی گناہ کبیرہ کرنے والے پر شرعی حد قتل لازم ہو اور وہ حدودِ حرم میں داخل ہو تو حد نہیں لگائی جا سکتی جب تک حدود سے باہر نہ آوے۔

# احرام

احرام کے معنی ہیں حرام کرنا۔ چنانچہ جب احرام کی نیت کرلی جائے تو کچھ پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے ایک پابندی مرد کے لئے سِلا ہوا لباس پہننے کی مناہی ہے۔ سلے ہوئے لباس کی جگہ جو لباس پہنا جاتا ہے اُسے بھی احرام کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عشاق کے لئے احرام کا ایک نہایت خوبصورت یکساں اور سادہ لباس پسند فرمایا ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جسمانی صفائی کرے وضو کرے اور غسل کرے تو افضل ہے اور سنّت ہے پھر سفید نئے یا دُھلے اَن سِلے کپڑے کی تہبند ناف سے گھٹنوں تک باندھے اور اُوپر سفید یا دُھلے ان سلے کپڑے کی چادر اوڑھ لے۔ اگر ایک یا تین چادروں میں یا رنگدار کپڑوں میں احرام باندھے تو بھی جائز ہے۔ بدن کو خوشبو لگاتے اور کپڑوں کو ایسی خوشبو لگائے کہ اس کا تن باقی نہ رہے۔ خوشبو احرام کی نیت کرنے سے پہلے لگائے

پاکستان میں احرام کے لئے موزوں کپڑا سفید کھدّر ہے جو بڑے عرض میں بھی مل جاتا ہے اور بھاری ہونے کے سبب ہوا میں

نہیں اڑتا اور موٹا ہونے کے سبب تولیہ کی طرح جاذب ہوتا ہے۔ تین تین گز کی چار چادریں ہوں تاکہ دو جوڑے احرام کے بن جائیں اور بوقت ضرورت مثلاً ناپاک ہو جائیں تو بدلے جا سکیں۔

احرام باندھ کر دو رکعت نفل ادا کرے کہ سنت ہے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ نفل پڑھتے وقت سر اور کندھے ڈھانپ لے۔ پہلی رکعت میں قل یا پڑھے اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھے اور نفل سنت احرام کی نیت سے پڑھے یعنی دو رکعت نفل سنت احرام کہے۔ نفل پڑھ کر سر ننگا کر لے اور جس نیت کے لئے احرام باندھا ہے وہ نیت کرے۔ یہ یاد رہے کہ احرام مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کے لئے باندھا جاتا ہے۔

۱ قران کے لئے۔ اس میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرنا ہو گی۔ یوں کہے۔

اللّٰھم انی أُرِیْدُ الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ وَ اَعِنِّیْ عَلَیْھِمَا وَبَارِكْ لِیْ فِیْھِمَا نَوَیْتُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ وَ اَحْرَمْتُ بِھِمَا لِلّٰہِ تَعَالٰی

(اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں پس ان دونوں کو میرے لئے آسان کر دے اور مجھ سے ان دونوں کو قبول فرما لے اور ان دونوں میں برکت دے [illegible]
[illegible] اللہ [illegible]

نیت کے بعد تین بار تلبیہ کہے اور پہلے تلبیہ کے بعد کہے۔ لَبَّیْکَ بعمرۃ والحج۔ یہ احرام اب حج کے بعد اترے گا۔

۲۔ صرف حج کے لئے چاہے افراد حج یا تمتع والا حج ہو۔ نیت یوں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ وَاَعِنِّیْ عَلَیْہِ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَاَحْرَمْتُ بِہٖ لِلّٰہِ تَعَالٰی

(اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں بس اس کو میرے لئے آسان کردے اور مجھ سے قبول کرلے اور اس میں میری مدد فرما اور اس میں میرے لئے برکت ڈال۔ نیت کی میں نے حج کی اور احرام باندھا اس کے لئے واسطے اللہ تعالیٰ کے)

پھر تین بار تلبیہ کہے اور پہلے تلبیہ کے بعد کہے لبیکؐ بحجۃ

۳۔ صرف عمرہ کے لئے چاہے صرف عمرہ ہو یا تمتع والا عمرہ ہو نیت یوں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ وَاَعِنِّیْ عَلَیْھَا وَبَارِکْ لِیْ فِیْھَا نَوَیْتُ الْعُمْرَۃَ وَاَحْرَمْتُ بِہٖ لِلّٰہِ تَعَالٰی

(اے اللہ میں نے ارادہ کیا عمرہ کا۔ اس کو میرے لئے آسان کردے اور مجھ سے قبول کرلے اور میری مدد فرما اور اس کو میرے لئے بابرکت فرما۔ نیت کی میں نے عمرہ کی اور احرام باندھا اس کے لئے واسطے اللہ تعالیٰ کے)

نیت کے بعد تین بار تلبیہ کہے اور پہلے تلبیہ کے بعد کہے لَبَّیْکَ بِعُمْرَۃٍ

احرام کی نیت کے بعد تین بار تلبیہ کہہ کر درود شریف پڑھے اور دعا مانگے اور یہ دعا ماثورہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَ مِنَ النَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اُحْرِمُ لَكَ شَعْرِیْ وَ بَشَرِیْ وَلَحْمِیْ وَ دَمِیْ مِنَ النِّسَاءِ وَالطِّیْبِ وَكُلِّ شَیْءٍ حَرَّمْتَهٗ عَلَى الْمُحْرِمِ اَبْتَغِیْ بِذٰلِكَ وَجْهَكَ الْكَرِیْمَ ط

(اے اللہ تیری رضا اور جنت چاہتا ہوں۔ اور تیرے غصے اور آگ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری رضامندی کی خاطر اپنے بال۔ کھال۔ گوشت۔ خون۔ عورتوں سے اور خوشبو سے اور ہر اس چیز سے جسے تونے حرام کیا ہے حرام کرتا ہوں میں اس کے ساتھ صرف تیری بزرگ ذات کا خواہاں ہوں۔

قرآن پاک میں فرماتے ہیں:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط (پ ۲ ع ۹)

( حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (یکم شوال سے۔ اذی الحجہ تک) سو جو شخص ان ایام میں حج مقرر کرے (حج کا احرام باندھے) تو پھر نہ کوئی فحش بات کہے نہ بے حکمی کرے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔)

احرام باندھنے کے بعد چند چیزیں حرام اور ممنوع ہو جاتی ہیں اور کچھ جائز رہتی ہیں۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱ جماع، بوس وکنار اور فحش کلامی منع ہے۔

۲ اللہ کی نافرمانی منع ہے۔

۳ قتل، جھگڑا لڑائی منع ہے۔

۴ خشکی کا شکار کرنا۔ خوشبو لگانا۔ ناخن اور بال کٹوانا۔ سر یا منہ کو ڈھانپنا منع ہے۔

۵ اوندھا ہو کر تکیہ پر پیشانی رکھنا مکروہ ہے۔

۶ خوشبو سونگھنا مکروہ ہے۔

۷ سر پر بوجھ اٹھانا جائز ہے۔

۸ کرتہ پاجامہ ٹوپی اور موزہ پہننا جائز نہیں۔ کرتہ اگر چادر کی طرح ڈال لے تو جائز ہے ورنہ ترک اولی ہے۔

۹ پاؤں کی پشت کی ہڈی کھلی رہے اور ٹخنوں تک پاؤں ننگا رہے۔

۱۰ غسل کرنا جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ عاشقانہ صورت رکھے اور میل کچیل دور نہ کرے ہاں طہارت اور خنکی کی نیت سے نہاتے تو جائز ہے۔ میل کچیل صابن سے دور کرنا مکروہ ہے۔

۱۱ خیمہ اور چھتری کے نیچے سایہ میں رہنا جائز ہے۔

۱۲ ہمیانی۔ کمربند انگشتری پہننا اور بے خوشبو سرمہ لگانا جائز ہے۔ ہمیانی تہبند کی حفاظت کے لئے باندھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ سرمہ زینت کے لئے لگانا مکروہ ہے۔

۱۳ مسواک کرنا سنت ہے اور آئینہ دیکھنا مباح ہے۔

## تلبیہ

جیسے نماز میں تکبیر تحریمہ ہے اسی طرح حج اور عمرہ میں تلبیہ ہے۔ تلبیہ ماثورہ کہنا سنت ہے اور وہ یہ ہے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لَا شَرِيْكَ لَكَ

(میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک تعریف تیرے ہی لئے ہے اور سب نعمتیں تیری دی ہوئی ہیں اور ملک تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں)

احرام کے لئے ایک بار تلبیہ کہنا فرض ہے اور تین بار سنت مردوں کو بلند آواز سے تلبیہ کہنا سنت ہے اور کہے تو تین بار پے در پے کہے۔

احرام کی حالت میں تلبیہ ایک بہت بلند ذکر ہے۔ اس لئے اس کی بہت کثرت رکھے۔ چنانچہ اٹھتے بیٹھتے اترتے چڑھتے نماز کے بعد ملاقات کے وقت جاگتے سوتے تلبیہ کہتا رہے۔

## طواف

بیت اللہ شریف اور حطیم کے اردگرد گھومنے کو طواف کہتے ہیں۔ ایک طواف میں سات چکر یا شوط ہوتے ہیں طواف دو قسم کا ہوتا ہے ایک احرام میں اور دوسرا سادہ کپڑوں میں۔ نفلی طواف ہر وقت ہوتا ہے اور یہ مکہ مکرمہ کے قیام کی افضل نفلی عبادت ہے۔ جب بھی آپ حرم شریف جائیں گے آپ کو ربّ البیت کے پروانے بیت العتیق کے گرد گھومتے ہی نظر آئینگے آپ بھی اس موج بے کراں میں شامل ہو کر رب البیت کی رضا حاصل کرتے رہیں۔

طواف کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے سامنے حجر اسود کی طرف ایسے کھڑے ہو کر کہ حجر اسود داہنی طرف ہو پھر طواف کی نیت یوں کرے نیت شرط ہے۔ بغیر نیت کے طواف نہ ہوگا۔

اللھم اِنِّی اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ فَیَسِّرْهُ لِی وَتَقَبَّلْهُ مِنِّی سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ۔

(یا اللہ میں نیت کرتا ہوں طواف کی تیرے مقدس گھر کی پس تو اسے آسان فرمادے مجھ پر اور میری طرف سے قبول فرما۔ یہ سات چکر جو اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں)

اس کے بعد ایک قدم آگے آئے اور حجر اسود کے عین بالمقابل کھڑا ہو جائے اور ہاتھ اٹھا کر جیسے نماز میں اٹھاتے ہیں یہ تکبیر و تہلیل پڑھے۔ تکبیر سے پہلے ہاتھ اٹھانا بدعت ہے

بسم اللہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وللہ الحمد و الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِكَ وَوَفَاءً بِعَھْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔

پھر ہاتھ چھوڑ کر استلام کرے کہ یہ سنت ہے۔ یعنی دونوں کف دست حجر اسود پر رکھ کر منہ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لیجا کر نرمی سے بوسہ دے۔ اگر بوجہ اژدہام اس طرح نہ کر سکے تو صرف دونوں ہاتھ ہی رکھ دے یا ایک ہاتھ اور وہ داہنا ہاتھ اولیٰ ہے اور ہاتھ اٹھا کر ہاتھ کو بوسہ دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لکڑی یا کسی اور چیز سے چھو کر اسے بوسہ دے اگر یہ بھی نہ ہو

سکے تو دونوں کف دست حجر اسود کی طرف کرکے ہاتھ اٹھائے جیسے حجر اسود پر رکھے ہوں اور تکبیر و تہلیل پڑھ کر ہاتھوں کو بوسہ دے۔

استلام کے بعد رخ پھیر کر داہنی طرف یعنی باب کعبہ کیطرف چلے کہ بیت اللہ شریف بائیں طرف رہے۔ اور واجب ہے کہ حطیم کو بھی طواف میں لے لے۔ جب طواف میں دعا پڑھتے ہوئے رکن یمانی تک آئے تو اسے بھی استلام کرنا مستحب ہے کہ فقط دونوں ہاتھ یا دایاں ہاتھ اس کو لگائے بایاں ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا ناجائز ہے۔ ہجوم ہو تو اشارہ بھی نہ کرے۔ سوائے ان دو جگہ کے کسی جگہ یا گوشہ پہ استلام کرنا مکروہ ہے۔ پھر جب حجر اسود کے سامنے آئے پہلے کی طرح استلام کرے اور تکبیر کہے۔ یعنی

بسم اللہ اللہ اکبر

لیکن اب ہاتھ نہ اٹھائے اور منسک کبیر میں آثار نقل کئے ہیں جو ہر شوط میں رفع یدین پر دلالت کرتے ہیں۔ ملا علی قاری رح نے فرمایا ہے کہ گا ہے ہاتھ اٹھائے جائیں اور گا ہے نہ اٹھائے جائیں تا کہ دونوں قولوں پر عمل ہو۔

اس طرح حجر اسود سے حجر اسود تک گھوم جانیسے ایک شوط پورا ہو گیا اسی طرح سات شوط پورے کرے اور اختتام پہ آٹھویں بار استلام کرے۔ پہلا اور آٹھواں استلام سنّت موکدہ ہیں۔

طواف میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے

۱ اگر احرام میں طواف کرے تو طواف شروع کرتے ہی تلبیہ بند کر دے۔
۲ حالت طواف میں کھانا مکروہ ہے اور پینا مباح
۳ طواف میں ذکر کرنا اولیٰ ہے اور تذکرہ مسائل اور تلاوت قرآن جائز۔
۴ اگر فرض یا واجب طواف میں اشواط کی گنتی میں شبہ ہو جائے تو از سر نو شروع کرے اور طواف سنت اور نفل میں شک ہو جائے تو غلبہ ظن پر سات شوط پورے کرے۔
۵ اگر طواف کے دوران میں فرض نماز کی اقامت ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے یا نماز جنازہ ہو تو فارغ ہو کر پھر وہیں سے ادھورا شوط اور رہتے شوط پورے کرے۔ مگر چار شوط سے کم کئے ہوں تو از سر نو شروع کرنا افضل ہے۔ بغیر حاجت طواف ادھورا چھوڑ کر چلے جانا مکروہ ہے
۶ جمعہ کے خطبہ کے وقت اور اقامت نماز کے وقت طواف شروع کرنا مکروہ ہے۔
۷ بغیر عذر کے جوتی پہن کر طواف کرنا مکروہ ہے۔ فقط موزہ پہن لے تو جائز ہے۔
۸ اگر کوئی بائیں طرف سے طواف کرے یا حجر اسود سے طواف شروع نہ کرے یا طواف کے دوران میں چہرہ یا پیٹھ کو بیت اللہ کی طرف کرکے طواف کرے تو مکہ مکرمہ کے قیام میں طواف کا اعادہ کرے اور نہیں کیا تو دم واجب ہوگا

۹ طواف میں دعا مانگتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور نہ نماز کی طرح باندھے اور مطاف میں کہیں نہ ٹھہرے اور نہ کسی رکن کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے۔

۱۰ طواف کرتے ہوئے بیت اللہ کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے سوائے استلام حجر اسود کے وقت۔ طواف کرتے ہوئے جو بھی ذکر یا دعا پڑھے جائز ہے۔ کیونکہ طواف میں خاص دعا یا ذکر ثابت نہیں مگر مندرجہ ذیل دعائیں منقول ہیں اور یہی افضل ہیں۔ دعا آہستہ پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ بِخَیْرٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اور حج کی کتابوں میں جو دعائیں مذکور ہیں وہ بھی آگے لکھدی ہیں۔

## طواف قدوم

جو طواف باہر سے آتے ہی مکہ مکرمہ میں پہلے کیا جائے اُسے طواف قدوم کہتے ہیں اور یہ آفاقی کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ البتہ جو عمرہ کرنے آتے اس پر طواف قدوم نہیں کیونکہ عمرہ کے طواف سے ادا ہو جاتا ہے۔ حدودِ میقات کے اندر رہنے

والے کے لئے بھی سنّت نہیں۔ یہ طواف احرام میں ہوتا ہے اور افضل وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی ہے اور وقوف عرفہ سے پہلے نہ کیا تو وقت جاتا رہا اور ترک سنّت کا گناہ ہوا۔ ہاں اگر تنگیٔ وقت کے سبب سیدھا عرفات چلا گیا۔ تو ترکِ سنّت کا گناہ نہیں۔

## طواف زیارت

حج کے طواف کو طواف زیارت یا طواف رکن یا طواف فرض بھی کہتے ہیں۔ یہ فرض ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہے
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (اور خانہ کعبہ کا طواف کرو) (پ۱۷ ع۹)
دسویں ذی الحجہ کو رمی نحر اور حلق کے بعد کرنا سنّت ہے اور افضل ہے۔ نہ یہ طواف فوت ہوتا ہے اور نہ اس کا بدل ہے یہ طواف کر لینے کے بعد بیوی حلال ہو جاتی ہے اور جب تک یہ طواف ادا نہ کرے بیوی حرام رہتی ہے۔

یہ طواف زیارت دسویں طلوع صبح سے لیکر غروب تک کرنا افضل ہے اور گیارھویں کی رات سے بارھویں کے غروب آفتاب تک جائز ہے۔ اس کے بعد دم لازم ہوگا اور طواف تو بہرحال کرنا ہی ہے۔

چونکہ طواف زیارت حلق کے بعد کرنا سنّت ہے اور حلق سے حاجی حلال ہو کر احرام سے باہر آ جاتا ہے۔ اس لئے اضطباع ساقط ہو جاتا ہے البتہ پہلے تین شوطوں میں رمل ہے اگر احرام کے کپڑے نہیں اتارے تو اضطباع بھی کرے۔

اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی کر لی ہو تو طواف زیارت میں رمل اور اضطباع نہ کرے اور سعی بھی نہ کرے۔

## طواف الصدر

طواف الصدر یا طوافِ وداع میقات سے باہر رہنے والے (آفاقی) حاجی پر واجب ہے۔ حدودِ حِل کے اندر رہنے والے پر یا عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں۔ البتہ مستحب ہے۔ اگر طواف نہیں کیا اور میقات سے نکل گیا تو دم دے یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور ایام تشریق کے بعد عمرہ ادا کرے اور پھر طواف وداع کر کے چلا جائے۔

اس طواف کا اوّل وقت طواف زیارت کے بعد ہے۔ اگر طواف صدر کرنے کے بعد قیام ہو گیا تو طواف صدر ادا ہو گیا۔ مگر مستحب یوں ہے کہ ایام نحر کے بعد جب مکہ مکرمہ سے جانے لگے تو ادا کرے۔ اگر قیام ہو گیا تو چلنے کے وقت دوبارہ ادا کرلے کہ مستحب ہے۔ اگر ایام حج کے بعد نفل طواف کرتا رہا لیکن آخری وقت طوافِ صدر ادا نہ کر سکا تو نفل طوافوں میں ادا ہو گیا۔

## دوگانہ طواف

دوگانہ طواف ہر طواف کے بعد خواہ وہ واجب ہو یا نفل ادا کرنا واجب ہے اور اس طرح پڑھے کہ مقام ابراہیم

آگے ہو تو مستحب ہے۔ اگر یہاں نہ ہو تو بیت اللہ شریف کے اندر اور پھر حطیم میں میزاب کے نیچے یا پھر حطیم میں کہیں۔ پھر بیت اللہ شریف کے قریب پھر ساری مسجد حرام میں۔ پھر سارے حرم میں پڑھنا علی الترتیب افضل ہے۔

اس دوگانہ میں پہلی رکعت میں قل یا اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

دوگانہ طواف۔ طواف کے ساتھ متصل پڑھے تاخیر مکروہ ہے مگر مکروہ اوقات میں نہ پڑھے۔ مثلاً اگر بعد عصر طواف کیا تو مغرب کی نماز کے فرض پڑھ کر پہلے دوگانہ طواف ادا کرے اور پھر سنت پڑھے۔ اسی طرح عین طلوع آفتاب یا زوال یا غروب آفتاب کے وقت بھی جائز نہیں اور نہ ہی نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک۔

بغیر دوگانہ پڑھے۔ دو یا زیادہ طواف تواتر کے ساتھ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وقت مکروہ ہو تو مضائقہ نہیں لیکن پھر ہر طواف کے بدلے دو دو نفل دوگانہ ادا کرے۔

دوگانہ کے بعد چاہ زم زم کے پاس جا کر خوب پیٹ بھر کر آب زم زم پینا مستحب ہے۔ اور دعا بھی کرے کہ اجابت دعا کا وقت ہے۔

آب زم زم پینے کے بعد ملتزم پر آئے اور خوب لپٹ کر دعا کرے یہ بھی مقام قبولیت ہے۔

اور بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ طواف کے بعد ملتزم

پر دعا کرے۔ پھر دوگانہ ادا کرے اور پھر آب زم زم پئے اور یہ طریقہ سہل ہے اور افضل لکھا ہے۔ الحاصل نفلی طواف میں مندرجہ ذیل ارکان ادا کرے۔

طواف کعبہ۔ ملتزم پر دعا۔ دوگانہ طواف اور مقام ابراہیم پر دعا۔ اور آب زم زم پینا۔ یہ ارکان مکمل کر کے اگر ہمت اور وقت ہو اور اللہ جل جلالہٗ دونوں ہی وسعت دیں تو دوسرا طواف کرے۔ مسجد حرام میں افضل عبادت طواف ہی ہے اور اسی کی کثرت رکھنی چاہیئے۔

## رمل

طواف کرتے وقت جھپٹ کر اور جلدی جلدی اور زور سے قدم اٹھا کر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ رمل سعی والے طواف میں پہلے تینوں شوطوں میں کرے۔ اگر بسبب ہجوم نہ کر سکے تو انتظار کرے۔ اگر پہلے شوط میں بھول جائے تو دوسرے اور تیسرے میں کرے اگر پہلے دو میں بھول جائے تو تیسرے میں کرے اور اگر تینوں میں بھول جائے تو پھر نہ کرے۔ کیونکہ جیسے پہلے تین شوطوں میں رمل سنّت ہے۔ آخری چاروں میں ترک رمل سنّت ہے۔

## اضطباع

احرام کی چادر کو اس طرح لپیٹے کہ دایاں کندھا ننگا رہے۔ یعنی داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے

پر ڈال دے

اضطباع بھی رمل کی طرح سعی والے طواف میں سنّت ہے۔ طواف کے بعد اضطباع موقوف کرے اور دوگانہ کندھے ڈھانپ کر پڑھے۔

## سعی

مائی ہاجرہ کا صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، اللہ تعالےٰ کو اتنا پسند آیا کہ اپنے عشاق کے لئے ایسے ہی دوڑ لگانا مقرر فرما دیا۔ قرآن شریف میں یوں مذکور ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (پ ۲ ع ۳)

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے۔ اس پر ذرا بھی گناہ نہیں۔ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ قدردانی کرتے ہیں خوب جانتے ہیں۔

صفا اور مروہ دو چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ درمیان میں دو اڑھائی فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ اب صفا اور مروہ اور مسعیٰ جہاں سعی ہوتی ہے مسقف ہو چکے ہیں۔ مسعیٰ تقریباً ستر فٹ کا فرشی شاہراہ راستہ ہے۔ درمیان میں حدود قائم کر کے آنے جانیوالوں کے لئے الگ روشیں بنا دی گئی ہیں۔

سعی طواف کے بعد کی جاتی ہے اور منفصل کرے، کہ سنت ہے بغیر عذر کے تاخیر مکروہ ہے۔

سعی دو طرح کی ہے حج کی سعی اور عمرہ کی سعی۔ حج کی سعی کا اصل وقت ایام نحر میں طواف زیارت کے بعد ہے۔ مگر قارن کو طواف قدوم کے بعد افضل ہے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں یونہی کیا تھا۔

متمتع اور مفرد کو بھی طواف زیارت سے پہلے سعی کرنیکی اجازت ہے اور وہ یوں کرے کہ سات یا آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر نفل طواف کرے اور طواف میں رمل و اضطباع کرے اور پھر اسکے بعد سعی کرلے تو طواف زیارت کی سعی پہلے ہی ادا ہو گئی۔ متمتع کے لئے سعی طواف زیارت کے بعد افضل ہے۔ عمرہ کی سعی طواف کے بعد کرے۔

صفا اور مروہ کے درمیان سات بار چلنے کو سعی کہتے ہیں سعی کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ جب طواف اور دوگانہ اور آب زمزم سے فارغ ہو تو حجر اسود کو استلام کرے یعنی طواف کے آٹھویں استلام کے بعد نواں استلام کرے۔ پھر باب صفا سے نکل کر صفا کیطرف بڑھے اور یہ آیت پڑھے

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ ط

پھر صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آئے۔ پس بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے سعی کی نیت یوں کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ السَّعْیَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ بِوَجْھِكَ الْکَرِیْمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

پھر ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہے اور درود شریف

آہستہ پڑھے اور یہ دعا ماثورہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے اور تعریف سب اسی کے لئے ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی۔ اور تنہا سب جتھوں کو شکست دی۔

دعا سے فارغ ہوکر اپنی چال مروہ کی طرف چلے اور ذکر کرتا جائے اور یہ دعا ماثورہ ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ ط

جب نشیبی جگہ پر پہنچے تو دوڑ کر چلے کہ سنت ہے۔ اب نشیب تو نہیں لیکن نشیبی جگہ کا نشان سبز ستونوں سے کیا گیا ہے جو مسعیٰ کے چھت کو تھامے ہوئے ہیں۔ انہی کو میلین اخضرین کہتے ہیں یہ دوڑ بھی مائی ہاجرہ کی سنت ہے۔ جب مائی ہاجرہ پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں تو اس نشیبی جگہ سے دوڑ کر گذرتیں کیونکہ یہاں سے حضرت اسمٰعیل نظر نہ آتے تھے۔

پھر مروہ پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرے اور جیسے صفا پر دعا مانگی تھی ویسے یہاں پر تکبیر و تہلیل کے

بعد دعا مانگے۔

یہ صفا سے مروہ تک جانا ایک شوط ہوا۔ اسی طرح سات شوط پورے کرے۔ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہوگا اور یہاں دعا کرکے سعی ختم کرے۔

سعی کے بعد دو رکعت نفل مسجدالحرام میں پڑھے کہ مستحب ہے۔

سعی کے چار شوط فرض ہیں اپنے پاؤں پر چل کر سعی کرنا واجب ہے اگر معذور ہو تو سوار ہوکر کرنا جائز ہے

سعی کے سب شوطوں میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا سنت ہے۔ اگر ہجوم ہو تو صبر کرے۔

سعی میں طہارت سنت ہے اور وضو مستحب۔ سعی میں کھانا پینا مباح ہے لیکن خریداری مکروہ ہے۔

سعی میں ذکر کرنا اولیٰ ہے اور تذکرہ مسائل اور تلاوت قرآن جائز ہے۔

اگر سعی کے دوران میں فرض نماز کی اقامت ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے یا نماز جنازہ کو چلا جائے تو پھر واپس آکر ادھورا شوط اور باقی ماندہ شوط پورے کرے

## رمی

جب حضرت ابراھیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ کی طرف تشریف لائے۔

تو شیطان بھیس بدل کر انہیں اس ارادے سے بہکانے آیا خلیل اللہ پہچان گئے اور کنکر اٹھا کر مارے۔ شیطان دوبارہ اور سہ بارہ پھر بہکانے کی نیت سے آیا۔ لیکن پھر نبی اللہ نے پہچان لیا۔ اور کنکر مارے۔ بس رمی یہی سنت ابراہیمی ہے
منیٰ کی سڑک کے وسط میں تین جگہ دس فٹ اونچے پتھر کے ستون جن کو جمرے کہتے ہیں بنے ہیں۔ یہی شیطان کے قائم مقام ہیں۔ سب سے پہلے مکہ کی طرف جمرہ عقبہ آتا ہے پھر جمرہ وسطیٰ۔ اور پھر جمرہ اولیٰ۔
رمی دسویں، گیارہویں، بارہویں اور اگر تیرہویں کو صبح تک ٹھہرے تو تیرہویں کو بھی کرے۔ دسویں کو صرف جمرہ عقبہ پر رمی کرے اور یہ واجب ہے پہلے دن کی رمی کی سات کنکریاں مزدلفہ سے اٹھانا مستحب ہے۔ مزدلفہ کی زمین ریتلی ہے اور ریت میں کنکریاں مل جاتی ہیں۔ مزدلفہ میں۔ حاجی عشاء کے قریب پہنچتے ہیں کیسا عجیب منظر ہوتا ہے۔ عشاق اندھیرے میں لیمپ اور ٹارچیں جلا کر ریت چھانتے پھرتے۔ ہیں۔ اور کنکریاں گن گن کر ایک قیمتی جنس کی طرح رومالوں میں باندھ لیتے ہیں۔ اس سفر میں یہ جنون ہی ہشیاری ہے۔
دسویں ذی الحجہ کو رمی جمرہ عقبہ کا وقت طلوع آفتاب سے لیکر آخر شب گیارہویں تک ہے۔ اگر گیارہویں کی فجر ہو گئی اور رمی نہ کی تو دم دینا لازم ہے۔ اس رمی کی قضاء کی ادائیگی تیرہویں کے غروب آفتاب تک ہے اگر پھر بھی ادا نہ

ی تو وقت فوت ہو گیا لیکن دم ایک ہی دینا لازم ہے۔

اس رمی کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے اور زوال سے غروب تک مباح ہے۔ اور غروب کے بعد مکروہ اور اسی طرح طلوع آفتاب دسویں سے پہلے بھی مکروہ ہے ہاں بیمار اور عورتوں کے لئے مکروہ نہیں جو اژدہام سے پہلے یا بعد میں طلوع آفتاب سے پہلے یا غروب کے بعد کر لیں۔ اور ان کو یہی چاہیئے ورنہ اژدہام میں کئی بار سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور کچلے جانے کا خطرہ ہے۔ رمی کے دوران ساتھ سامان نہ اٹھائے اور ہاتھ فارغ رکھے کہ اژدہام میں پھنس کر سامان کے فکر میں جان پر نہ بنے۔ عورت کو اژدہام کی وجہ سے رات کو رمی کرنا افضل ہے۔ عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے مرد اور عورت کو اجازت ہے کہ دوسرے سے رمی کرالے۔ لیکن اژدہام کے ڈر سے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔ نائب پہلے اپنی رمی کی سات کنکریاں مارے پھر معذور کی طرف سے۔

رمی سات کنکر سے کرے۔ کم سے کریگا تو کافی نہیں کنکریاں پے در پے مارنا مسنون ہیں۔ جمرہ کی بیخ میں مارے۔ کم از کم پانچ ہاتھ دور کھڑا ہو کہ مسنون ہے۔

کنکریاں مٹر کے دانے جتنی ہوں۔ اگر دھو لی جائیں تو پاک ہو جاتی ہیں۔ جمرہ کے قریب سے کنکریاں اٹھانا

ز نہیں۔
مارتے وقت کنکر انگوٹھے اور انگشت شہادت میں پکڑ
۔ ایک ایک کرکے مارے۔ اگر سب اکھٹی پھینک دیں تو
۔ شمار ہوگی۔ جمرہ عقبہ کی رمی کرتے وقت منیٰ کو دائیں
ر مکہ مکرمہ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ ایک ایک کنکر مارتے
ت اللہ اکبر کہتا جائے اور تکبیر کی جگہ سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ
ے تو بھی جائز ہے۔ اگر خاموش رہے گا تو ترک سنت کی وجہ
ہ مکروہ ہوگا۔ اور یہ بھی کہے۔
بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرِضَى الرَّحْمٰنِ اور
دعا ماثورہ پڑھے۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا
ر اگر جمرہ سے تین ہاتھ دور گرے تو معتبر نہ ہوگی اسکا
دہ کرے۔ کنکر کا جمرہ کو لگنا شرط نہیں اسکی بیخ میں گرنا
ط ہے۔ اس لئے زور سے نہ مارے کہ جمرے کو لگ کر دور
گرے
رمی کے پہلے کنکر کے ساتھ تلبیہ موقوف کرے اور اگر
یں کو رمی نہیں کی تو پھر غروب آفتاب پر تلبیہ بند کردے
اس کا وقت ختم ہوگیا۔ رمی کرکے جمرہ عقبہ کے پاس
ٹھہرے۔
رہویں بارہویں اور تیرہویں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ ان تین
ں کے متعلق قرآن شریف میں ذکر ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (پ۲ ع۶)

(اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو ان چند دنوں میں)

گیارہویں اور بارہویں کو اسی طرح زوال کے بعد جمرہ اولیٰ جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبہ پر علی الترتیب رمی کرے۔ یعنی ہر ایک جمرہ پر سات سات کنکر مارے۔ جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ پر رمی کے بعد ہٹ کر قبلہ رو کھڑے ہو اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے جمرہ عقبہ پر دعا مانگنا ثابت نہیں اس لئے رمی کر کے دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

گیارہویں کی رمی کا آخر وقت بارہویں کا طلوع فجر ہے اور بارہویں کا آخر وقت تیرہویں کا طلوع فجر ہے۔ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک وقت مکروہ ہے۔ اس کے بعد قضا۔ تیرہویں کے غروب آفتاب کے بعد قضا کا وقت بھی فوت ہو جاتا ہے۔

جو کوئی بارہویں کی رمی کرکے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا جائے تو اس کے ذمہ تیرہویں کی رمی نہیں اور پہلے جانے کی بھی اجازت ہے البتہ غروب کے بعد جانا مکروہ ہے۔ قرآن شریف میں یوں حکم ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ (پ۲ ع۹)

(پس جو شخص جلدی کرے دو دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں)

اگر تیرہویں کی فجر منیٰ میں ہو گئی پھر تیرہویں کی رمی واجب ہے اور یہی کرنا اولیٰ ہے۔

گیارہویں بارہویں اور تیرہویں کی رمی اگر معذور یا بیمار
کی طرف سے کرنا ہو تو نائب پہلے اپنی رمی تینوں جمروں
پر کرے پھر معذور کی طرف سے کرے۔ اور اگر ہر ایک
جمرہ پر پہلے اپنی رمی کرے اور ساتھ ہی معذور کی رمی
کرے تو بھی جائز ہے۔

## نحر

قربانی کرنا۔ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اس
عظیم عبادت کی وضاحت کلام پاک نے یوں فرمائی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ
التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى
مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (پ ۱۷ ع ۱۲)

(اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا (یعنی قربانی کے جانوروں کا) گوشت پہنچتا
ہے اور نہ انکا خون اور لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح
اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کردیا تاکہ تم اس بات پر اللہ
کی بڑائی کرو کہ اس نے تمکو توفیق دی اور اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔)

بانی کا جانور (ہدی) بھیڑ، بکری ایک سال سے کم نہ ہو۔ البتہ
دنبہ وغیرہ اتنا موٹا ہو کہ ایک سال کی عمر والوں جیسا لگے
چھ ماہ کا بھی جائز ہے اور گائے دو برس سے کم نہ ہو
۔ اونٹ پانچ برس سے کم نہ ہو۔
قربانی کا افضل دن دسویں ہے۔ اس کے بعد باقی ماندہ

ایام نحر یعنی گیارہویں اور بارہویں کو بھی جائز ہے۔ اگر ایام نحر کے بعد قربانی کی تو پھر دم بھی لازم ہوگا۔

قارن اور متمتع کو حلق کرنے سے پہلے ہدی ذبح کرنا واجب ہے اور مفرد کو مستحب ہے۔

## حلق یا قصر

نحر کے بعد سارا سر منڈوائے (حلق کروائے) یا سر کے سارے بال انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوائے (قصر کروائے) چوتھائی سر کا حلق یا قصر واجب ہے لیکن بوجہ ترک سنت مکروہ ہے۔ حلق افضل ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یوں ہی کیا تھا۔ اگر سر منڈوانے میں عذر ہو جیسے آلۂ حلق موجود نہ ہو یا حلاق نہ ہو یا حلق مضر ہو تو قصر واجب ہو گا۔ اور اگر قصر نہ ہو سکے جیسے بال انگلی کے پورے سے چھوٹے ہوں تو حلق واجب ہوگا۔

اگر ایک محرم حلق کروانے سے پہلے رمی و نحر کر چکا اور اب صرف حلق رہ گیا تو وہ دوسرے محرم سے حلق کروا سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا بھی رمی و نحر سے فارغ ہو چکا ہو۔ لیکن حلق سے پہلے ناخن وغیرہ نہ کٹوائے بلکہ سب سے پہلے سر منڈائے اگر دونوں محرم ایسے ہیں کہ ان کو حلق سے پہلے جو کام کرنا تھے باقی ہیں اور ایک دوسرے کا حلق کریں گے تو مونڈنے والے پر صدقہ اور منڈوانے والے پر دم لازم ہوگا۔

حج کا حلق منیٰ میں کرنا سنت ہے اور حدود حرم میں
...احب ہے۔ اور عمرہ کا حلق مکہ مکرمہ میں سنت ہے اور حدود
...رم میں واجب۔

حلق کا افضل وقت دسویں ذی الحجہ کا دن ہے اور
...واف زیارت سے پہلے سنت ہے اور ایام نحر تک جائز
ہے۔ اور ان کے بعد کریگا تو دم لازم ہوگا۔ اگر دسویں
... صبح صادق سے پہلے حلق کریگا تو احرام سے حلال نہ ہوگا
...ا ہی اگر بعد میں حلق نہ کریگا تو احرام سے حلال نہ ہوگا۔

ایام نحر میں اگر رمی سے پہلے حلق کیا تو دم لازم
...گا۔

حلق یا قصر کروانے کے وقت قبلہ رُو ہو کر بیٹھے اور
...پنی طرف سے منڈوانا شروع کرے اور بال زمین میں
...ن کرے۔

## جنایات

جنایت لغت میں خطا اور قصور کو کہتے ہیں
...کے بیان میں حج اور عمرہ کے چند ایک ارکان چھوڑنے
محظورات احرام کرنے کو جنایت کہتے ہیں۔ جنایت کے بدلے
...دینا ہوتی ہے۔ جزا جلد ادا کرے کہ افضل ہے اور تاخیر
... گناہ ہے۔ جنایت جان بوجھ کر ہو یا بھول چوک سے
...سب پر جزاء لازم ہے۔ جان بوجھ کر جنایت کرنا بہت
...ت گناہ ہے اور فدیہ دینے سے بھی گناہ معاف نہیں

ہوتا اور حج مبرور نہیں رہتا۔ جنایات کی جزاء مندرجہ ذیل طریقوں سے ادا ہوتی ہے۔

۱۔ بدنہ سارے اونٹ یا ساری گائے کی قربانی۔ یہ دو جگہ واجب آتی ہے۔ ایک تو جنابت یا حیض۔ یا نفاس میں طواف زیارت کرنا۔ اور دوسرے وقوف عرفہ کے بعد مگر حلق سے پہلے جماع کرنا۔

۲۔ دم بھیڑ یا بکری کا ذبح کرنا یا اونٹ گائے کا ساتواں حصہ۔

۳۔ صدقہ یہ سب سے کم کفارہ ہے اور نصف صاع (پونے دو سیر) گندم خیرات کرنے سے ادا ہوتا ہے

جنایات کی تفصیل اور جزاء حج کی کتابوں میں درج ہے معلم الحجاج اور شرح زبدۃ المناسک دیکھ لیں۔ یہاں چند چیدہ چیدہ مسائل لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر احرام میں کسی بڑے پورے عضو جیسے چہرے کو خوشبو لگائے تو خوشبو مٹا کر دم دے۔ اگر پورا عضو نہ ہو تو صدقہ دے۔ اگر چھوٹے عضو مثلاً کان کو خوشبو لگائے تو صدقہ دے۔ خوشبو سونگھنا مکروہ ہے۔ اسی لحاظ سے پھولوں کا ہار پہننا بھی مکروہ ہوا۔

۲۔ احرام میں سلا ہوا لباس ایک دن یا رات پہنے تو دم دے اور کم ہو تو صدقہ دے۔

۳- احرام میں ایک دن یا رات سر ڈھانپے رکھے چاہے ٹوپی سے ہو یا عمامہ یا پٹی سے تو دم دے اور کم ہو تو صدقہ دے۔

۴- احرام میں بال کٹوانے یا منڈوانے ا ر ناخن کاٹنے پر دم دے

۵- احرام میں بوسہ لے یا شہوت سے ہاتھ لگائے تو دم دے

۶- طواف قدوم یا طواف صدر یا طواف عمرہ جنابت یا حیض یا نفاس میں کیا یا طواف فرض بے وضو کیا تو دم دے اور طواف کا اعادہ کرے۔

۷- طواف فرض جنابت یا حیض یا نفاس میں کیا تو بدنہ دے

۸- اگر طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو کیا تو ہر شوط کے لیے صدقہ دے۔ اگر وضو کر کے اعادہ کیا تو صدقہ ساقط ہو گیا۔ نفلی طواف کا حکم مثل طواف قدوم کے ہے۔

۹- حج یا عمرہ کی سعی میں تاخیر ہو جائے تو کفارہ لازم نہیں آتا۔ اگر چھوٹ جائے تو دم دے۔

۱۰- اگر میدان عرفات سے غروب سے پہلے نکل آیا تو دم دے اگر غروب سے پہلے واپس آگیا تو دم ساقط ہو جاتا ہے

۱۱- اگر وقوف مزدلفہ بے عذر ترک کیا تو دم دے۔

۱۲- اگر چاروں دن کی رمی ترک کرے یا ایک دن کی سب رمی ترک کرے یا ایک روز کی اکثر کنکریاں ترک کرے۔ جیسے سات میں سے چار یا اکیس میں سے گیارہ تو دم دے۔

۱۳۔ اگر حج یا عمرہ کا حلق حدودِ حرم سے باہر کرے تو دم دے

۱۴۔ بلا عذر ایام نحر کے بعد طواف زیارت کرے تو دم دے

۱۵۔ طواف زیارت رمی نحر اور حلق کے بعد ادا کرنا سنت ہے۔ لیکن اگر سب سے پہلے کرے یا درمیان میں کرے تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن مکروہ ہے۔

۱۶۔ قارن اور متمتع کو پہلے رمی پھر نحر پھر حلق کروانا ہے اگر ترتیب میں فرق آگیا تو دم دے۔ مفرد کو رمی اور حلق میں ترتیب رکھنا ہے اگر فرق آگیا تو دم دے۔

۱۷۔ میقات سے بغیر احرام حج یا عمرہ کی نیت سے گذر جائے تو دم دے۔ اگر واپس آکر احرام میں دوبارہ داخل ہو تو دم ساقط ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ فرض یا نفلی حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفات نہ کرسکا تو حج فوت ہوگیا اب عمرہ کرکے حلال ہو جائے۔ قارن دو عمرے کرے البتہ اگر عمرہ کرنے کے بعد قارن کا حج فوت ہوا تو اب حج کے بدلے ایک ہی عمرہ کرے حج فوت ہونے پر دم دینا نہیں آتا نحر مستحب ہے اور طواف صدر واجب نہیں

اگر احرام باندھنے کے بعد طویل رکاوٹ پیدا ہو جائے جیسے بیماری اور احرام میں تنگی ہو تو پہلے کسی شخص کے ذریعے حدود حرم میں قربانی دلوائے اور پھر احرام سے باہر آجائے۔ مفرد اور متمتع تو ایک قربانی بھیجے اور قارن دو قربانیاں بھیجے۔ قضا بہر حال واجب رہے گی۔ عمرہ کرنے والے کے لئے بھی یہی احکام ہیں

# عورتوں کا حج

عمومی مسائل کے علاوہ عورتوں کے لئے چند ایک خصوصی مسائل بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

سفر حج میں عورت کے ساتھ زوج (خاوند) یا محرم کا ہونا ضروری ہے۔ اور محرم وہ مرد کہلاتا ہے جس سے عورت کا تا زندگی نکاح حرام ہو۔ خواہ قرابتِ نسبی کی وجہ سے ہو یا قرابت رضاعی ہونے کی وجہ سے ہو۔

عورت مرد کی طرح حج کرے مگر احرام کی چادروں کی جگہ اپنا روز مرہ کا لباس پہنے رکھے۔ اور اسی میں احرام کی نیّت کرے۔ عورت احرام میں چہرہ کھلا رکھے اور سر ڈھانپ رکھے۔ اجنبی کے سامنے چہرے پر اس طرح کپڑا لٹکائے کہ ناک اور چہرہ پر نہ لگے۔ اکثر عورتیں احرام کے وقت سر پر پیٹی باندھ لیتی ہیں اسکا احرام سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ بالوں کی حفاظت کے لئے جائز ہے۔ لیکن وضو کرتے وقت پٹی ہٹا کر سر کا مسح کرنا چاہیئے ورنہ وضو

صحیح نہیں ہوتا۔

عورت تلبیہ پکار کر نہ کہے۔ اور رمل اور اضطباع نہ کرے اور سعی میں میلین اخضرین کے درمیان نہ دوڑے اور حلق نہ کرے بلکہ قصر کرے یعنی انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کٹوائے۔ سلا ہوا کپڑا پہنے رہے مگر اس میں خوشبو نہ ہو موزہ اور زیور پہنے رہے دستانے پہننے جائز ہیں مگر ترک اولیٰ ہے۔ اور اگر زیور بھی اتار دے تو اچھا ہے کہ احرام میں زینت کا ترک کرنا بہتر ہے۔ اژدہام میں حجر اسود کے استلام کے لئے نزدیک نہ جائے صفا مروہ پر مردوں کے ہجوم میں نہ چڑھے اور اژدہام میں دوگانہ طواف مقام ابراہیم کے پاس نہ پڑھے۔ ذرا الگ ہو کر پڑھ لے۔

حج کی صحت ادائیگی میں حیض بالکل مانع نہیں۔ صرف طواف حیض میں نہ کرے۔ اگر حیض کی وجہ سے ایام نحر میں طواف زیارت نہ کرسکے تو کوئی حرج نہیں اور دم واجب نہیں آتا۔ البتہ اگر بارہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے عورت کو اتنا وقت مل سکتا تھا کہ پاک ہو کر طواف زیارت کے چار شوط کرسکتی تھی یا ناپاک ہونے سے پہلے طواف کے چار شوط ہی کرسکتی تھی اور نہیں کئے تو دم لازم آئیگا اگر سعی طواف قدوم کے ساتھ نہ کی ہو

تو سعی بھی پاک ہو کر کرے۔ اگر احرام کے وقت ناپاک ہو تو نہا کر احرام باندھ لے اور سوائے طواف و سعی کے سب کچھ کرے مثلاً وقوف عرفہ رمی وغیرہ۔ اگر طواف پاکی میں کر لیا ہو تو سعی ناپاک حالت میں بھی کر سکتی ہے۔ اگر طواف زیارت کے بعد ناپاک ہو جائے اور طواف صدر کا موقع نہ ملے تو دم واجب نہیں آتا۔ اگر انتظار کر سکے اور پاک ہو کر طواف صدر کر کے جائے تو بہتر ہے۔

نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں۔ اگر نابالغ بچے ساتھ ہوں تو ان کو احرام بندھوائے اور ان کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہے۔ باپ بچے کو گود میں لے کر ارکان حج ادا کر سکتا ہے۔ بچے کے کسی غلط فعل یا ترک فعل پر جنایت واجب نہیں اور نہ کفارہ لازم آتا ہے۔

عورت کو رات میں رمی کرنا افضل ہے۔ ہجوم کے خوف سے نائب بھیجکر رمی کرانا جائز نہیں۔ دم واجب آئے گا۔ البتہ بیمار ہے تو اجازت ہے۔

# حجّ بدل

جس نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہو۔ اس کو اپنے لئے نفلی حج کرنے کی بجائے دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا افضل ہے۔ ایک آدمی کو اپنا فرض حج دوسرے آدمی سے نائب بنا کر کروانا جائز ہے لیکن مندرجہ ذیل شرائط پہ:-

۱۔ جو شخص حج کروائے اس پر پہلے حج فرض ہوا ہو۔ اور وہ بعد فرض ہونے کے خود جانے سے معذور و عاجز ہو گیا ہو لیکن اگر حج بدل کروانے کے بعد عذر رفع ہو جائے تو پھر خود کرے۔ حج فرض ادا نہیں ہوتا
۲۔ حج کروانے والا یعنی آمر حج کرنے والے یعنی مامور کو سفر کا خرچ دے۔ اور وہ اس سے خرچ کرے اسی طرح وارث مردہ کی طرف سے خرچ دے۔
۳۔ مامور عاقل بالغ اور حج کے احکام سمجھنے والا ہو۔ نابالغ سے حج بدل کروانا مکروہ ہے۔
۴۔ آمر کے وطن سے جا کر حج کرے۔ ورنہ میقات سے پہلے

جہاں سے جا سکے لیکن آمر سے اجازت لے لے کہ فلاں جگہ سے مامور حج بدل کرلے۔ اگر خرچ کی بچت کی خاطر میقات سے حج کروائے تو مکروہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے مردہ عزیز و اقارب کے لئے ان کی وصیت کے بغیر مکہ مکرمہ ہی سے حج کروائے تو بقول امام ابو حنیفہ فرض حج سے انشاء اللہ محسوب ہو جائیگا۔ البتہ مکہ مکرمہ میں مامور منتخب کرنے میں احتیاط کرے کہ حج کے فرائض صحیح انجام دے اور بہت سوں سے پیسے لے کر ایک حج کا ثواب سب کو نہ بخشتا ہے۔

۵۔ مامور احرام باندھتے وقت نیت آمر کی طرف سے کرے اور اگر زبان سے کہے لبیک من الفلاں۔ تو بہتر ہے اور اگر آمر کی طرف سے نیت نہ کرے یا دو آدمیوں کی طرف سے نیت کرے تو مامور کا اپنا حج ہو جائیگا۔ اور اُسے آمر کے پیسے لوٹانا ہوں گے اور یہ حج مامور کا بھی نفلی ہو گا۔

۶۔ مامور خود حج کرے اور دوسرے آدمی سے نہ کروائے مثلاً اگر مامور راستہ میں بیمار ہو گیا۔ اور دوسرے شخص کو بھیجدیا تو آمر کا حج نہ ہو گا۔ روپیہ لوٹادے ہاں اگر آمر سے اجازت ہو تو مضائقہ نہیں۔ اسلئے آمر کو چاہیئے کہ مامور کو ایسی اجازت دے دے تاکہ بوقت ضرورت دوسرا مامور حج ادا کرے۔

۷۔ آمر کو چاہیئے کہ مامور کو کھلی اجازت دے دے کہ
وہ افراد کرے یا قِران کرے یا تمتع کرے۔ ورنہ صرف
افراد کی حالت میں مامور کا عمرہ جائز نہ ہوگا۔ البتہ
حج بدل کے بعد عمرہ جائز ہوگا۔

۸۔ اگر مامور نے خود پہلے فرض حج نہیں کیا اور آمر کے
لئے کیا تو آمر کا حج تو ادا ہو جاتا ہے۔ مگر مکروہ ہے
اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے مامور سے حج کروانا
جائز ہی نہیں اور اگر مامور ایسا ہو کہ اس پر حج
فرض نہ ہو تو اسے حج بدل پر نہ بھیجا جائے۔ کیونکہ
اس پر مکہ مکرمہ پہنچتے ہی حج فرض ہو جاتا ہے۔ اور
غالباً دوسرے حج تک ٹھہرنے کی استطاعت نہیں رکھتا
آمر مرد یا عورت کی طرف سے عورت مامور ہو سکتی ہے
لیکن مرد مامور اولیٰ اور افضل ہے۔

۹۔ اگر حج نفل یا عمرہ دوسرے کی طرف سے بغیر اسکے کہنے کے کرے
تو جائز ہے اگر مامور بن کر کرے تو مندرجہ بالا شرائط لازم
ہونگی مگر حج نفل یا عمرہ کے لئے

(ا) آمر پر حج کا فرض ہونا یا عمرہ کا واجب ہونا ضروری نہیں
(ب) آمر کا معذور ہونا ضروری نہیں۔
(ج) آمر کا سفر کرنے سے معذور ہونا ضروری نہیں۔

حج بدل کروانے کے لئے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی
خدمات قابل قدر اور معتبر ہیں۔

# عمرہ

حنفی مذہب میں عمرہ زندگی میں ایک بار سنت مؤکدہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی شخص حج کے فرض ہونے کی شرائط پوری کرے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک بار فرض ہے۔ اور ایک بار سے زیادہ سب کے نزدیک مستحب ہے

رمضان کا عمرہ ثواب میں حج کے برابر ہے بلکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کا عمرہ اس حج کے برابر ہے جو میرے ساتھ کیا ہو۔ آپؐ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کئے تھے۔

عمرہ کے لئے کوئی مخصوص ایام نہیں۔ سوائے ذی الحجہ کی نویں سے تیرہویں تک باقی سارا سال عمرہ جائز ہے ان دنوں میں عمرہ مکروہ ہے۔

ایام حج میں جب حج سے پہلے عمرہ کیا جاتا ہے تو قران یا تمتع میں شامل ہوتا ہے۔ ان دنوں کے علاوہ عمرہ اکیلے ہی کیا جاتا ہے۔

آفاقی جب عمرہ کرنا چاہے تو اپنے میقات پر عمرہ کی

نیت سے احرام باندھے اور عمرہ کرکے حلال ہو جائے
اگر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں حج کے بعد عمرہ کر
ہو تو حدودِ حرم سے نکل کر ارضِ حِل سے احرام باند
اور عمرہ کرے۔ ارضِ حِل میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک افض
جگہ تنعیم ہے جو مکہ مکرمہ سے صرف تین میل دور ہے او
یہیں سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کو احرام باندھنے کا حکم دیا تھا۔ امام
شافعیؒ کے نزدیک جعرانہ افضل ہے جو مکہ مکرمہ سے بارہ
میل دور ہے اور یہاں سے سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم
نے خود عمرہ کا احرام باندھا تھا۔

عمرہ بجا لانے کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کی نیت
سے احرام باندھے اور تلبیہ کہتے ہوئے طواف کے لئے آئے
پہلے استلام کے ساتھ تلبیہ بند کر دے اور رمل اور اضطباع
کے ساتھ طواف کرے۔ پھر دوگانۂ طواف ادا کرکے ایک
بار اور استلام کرے اور صفا مروہ کی سعی کرے اور پھر
سر منڈائے یا بال کٹوائے۔ اور احرام سے باہر آ جائے۔ عمرہ
میں احرام اور طواف کے چار شوط فرض ہیں اور سعی واجب
ہے۔ طواف وداع واجب نہیں مستحب ہے۔
مکہ مکرمہ کے قیام میں حج کے بعد خوب عمرے کر
کہ یہ وہاں کی ایک بلند عبادت ہے۔ دوسرے کے لئے
عمرہ کرنا بھی جائز ہے۔

AB
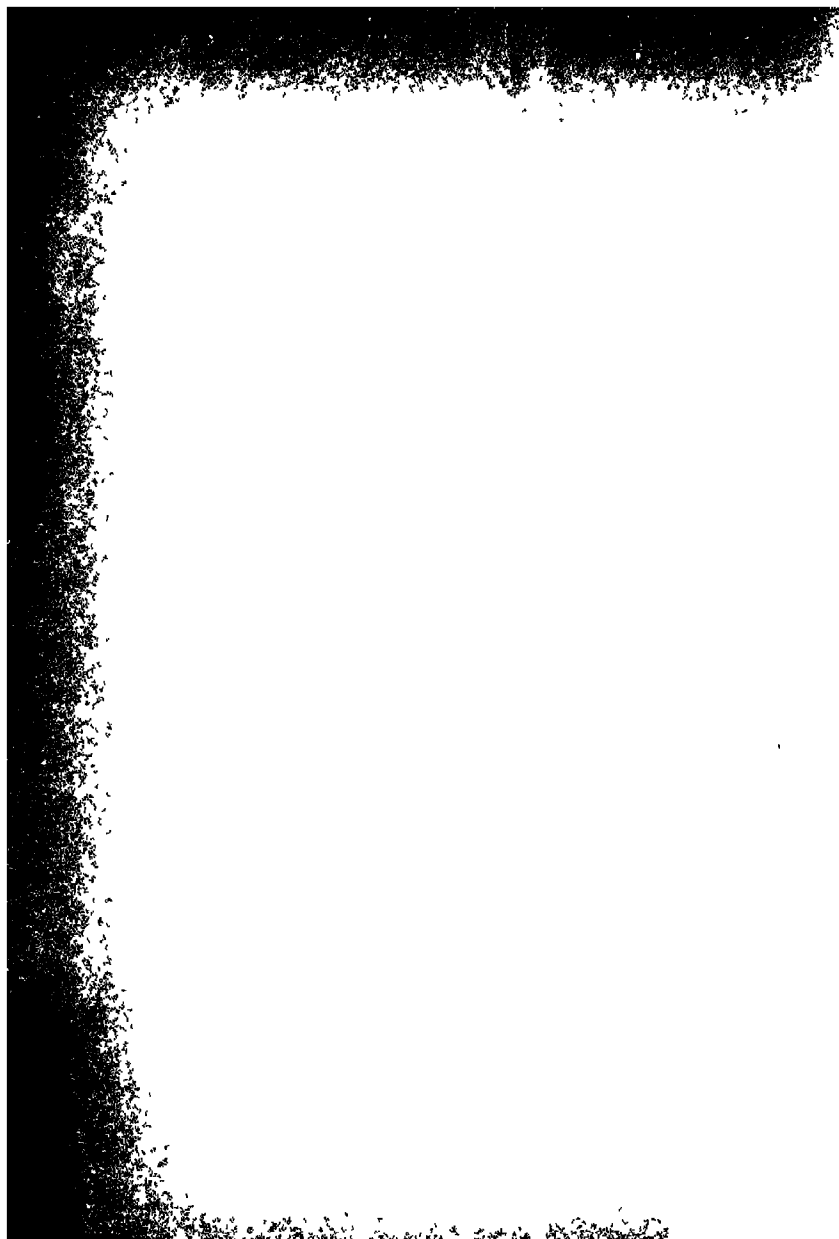
R. N. 20384/70

Regd. No MRD 34

SEPTEMBER 1983

اکتوبر ۱۹۸۳ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ
جلد نمبر ۱۴
شمارہ نمبر ۱۶۰
مدیر: مائل خیرآبادی
قیمت چار روپے
حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

# زرِ تعاون

عام شمارہ ——— چار روپیہ

سالانہ چندہ معہ سالنامہ ——— پچاس روپیہ

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہو گئی۔ براہ کرم آئندہ کے لئے زرِ تعاون ارسال فرمائیں

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق عفی نے مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور سے مطبوعہ ہما آفسیٹ پریس

## اداریہ



## ایمانیات



## مقالات و مضامین



## افسانے اور کہانیاں

## تاریخ وسیر



## دعوتی وتحریکی



## صحت وتندرستی



## منظومات



## گھریلو مضامین

# رسولِ کریم نمبر کی ایک جھلک

حجاب کے پچھلے شمارے میں یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ ہم حجاب کا رسول کریم نمبر اس لئے شائع کر رہے ہیں تاکہ ہمارے ملک کے ہندو بھائی بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اِس روشنی میں دیکھئے کہ رسولِ کریم نمبر کس طرح ترتیب دیا گیا ہے اور اس میں کیا کچھ ہوگا۔

امید ہے کہ یہ ترتیب آپ کو پسند آئے گی۔ اگر پسند آئے تو آپ دوسروں کو بھی اِدھر متوجہ کریں اور اگر کوئی مشورہ طلب بات ہو تو مجھے مطلع کریں شکریہ!

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء

# مضامین اور اُن کی ترتیب

## ① دُنیا کے دانشور اور کائنات

————— اِس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اِس کائنات کو دیکھ کر دنیا کے دانشوروں نے کیا کیا سوچا اور وہ کس نتیجے پر پہنچے۔ کسی نے کہا کہ یہ آپ سے آپ بنی ہے۔ اِس کا کوئی خدا نہیں ہے۔ کسی نے خدا کو مانا لیکن شرک میں پھنس گیا۔ یہ سب انھوں نے اپنے قیاس کی بنا پر کہا لیکن اللہ کے نبیوں نے اپنے علم کی بنا پر بتایا کہ اس دنیا کا بنانے والا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اِس مضمون کے ضمنی عنوانات یہ ہیں ● بھانت بھانت کی بولیاں ● علم کے دعویدار ● سب سے بڑی ضرورت ● نبی کی پہچان ● وحی اور اوترن (अवतरण) کا فرق ● قرآن اور محمدؐ ● عرب کا تعارف ● فکری اِنقلاب ● سوچنے کی بات ● حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور انسان ہی تھے ● رسول اور اوتار میں فرق

## ② معجزہ

————— اِس مضمون میں معجزہ کے معنی و مطلب۔ جادو اور معجزے کا فرق۔ چمتکار اور معجزے کا فرق۔ جادوگروں کا اعتراف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر۔ اِس مضمون کے ذیلی عنوانات یہ ہیں ● معجزے کی مانگ (مطالبہ) ● معجزاتِ خلیلی ● معجزاتِ کلیمی ● معجزاتِ عیسیٰ ● حضورؐ اور معجزے ● حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ ● لطیفہ ● ذاتِ حضورؐ خود ایک معجزہ ● معجزہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ نبی معجزہ دکھانے پر قادر نہیں ● کرامات کے بارے میں غلط فہمیاں ● اِن عنوانات کے تحت قرآن کا متن بطور ثبوت ● حضور سے پہلے

## ③ نبی کو نبی ماننے کا مطلب

————— بتایا گیا کہ جب یقین ہو جائے کہ فلاں شخص اللہ کا نبی

ہے تو اس کے ارشاد پر یقین کے ساتھ عمل ضروری ہے جیسے کسی وکیل یا ڈاکٹر کے کہنے پر عمل کیا جاتا ہے اس کے ذیلی عنوانات ● اسلام : سارے نبیوں کا دین ● نبیوں کا آنا ● امتِ واحدہ ● نبیوں کا کام ● کیا اوتار کی پیروی ممکن ہے ● سچا دین ● الاسلام ● ساری دنیا کے لئے رسول ● آخری نبی ● پیشین گوئیاں ● لطیفہ

## ④ نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)

اِس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ محمد اور احمد نام کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے سولہ سترہ اشخاص محمد نام کے گزرے ہیں۔ ان کے والدین نے اس بنا پر بیٹے کا نام محمد رکھا کہ شاید یہی وہ نبی ہو جس کی خبر الہامی کتابوں نے دی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ مضمون مولوی صلاح الدین عمری ایم۔ اے۔ کا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضورؐ سے پہلے کوئی شخص احمد نام کا نہیں ہوا ہے۔

## ⑤ کچھ تاریخی حقیقتیں

اِس مضمون میں یہ بحث کی گئی ہے کہ ہمارے ملک کے جن بزرگوں کے بارے میں ان کے نبی ہونے کا شبہ ہوتا ہے اُن کے حالاتِ زندگی اُن کے ماننے والوں نے کس بھونڈے طریقے سے لکھے ہیں۔ اِس مضمون کے ذیلی عنوان ہیں ● مہاتما بدھ ● شری رام چندر جی ● شری کرشن جی مہاراج وغیرہ

## ⑥ رسولِ کریمؐ کی ذاتِ پاک

ثابت کیا گیا ہے کہ حضورؐ ہی کی ذات تقلید کے لائق ہے۔ قرآن کریم کے متن کے ساتھ دلائل اور ثبوت۔

## ⑦ نبی کریمؐ

اِس مضمون کے ذیلی عنوانات ● نام مبارک۔ محمدؐ اور احمدؐ ● درود شریف

اور اس کا مطلب • نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کیوں بھیجیں ؟ • آل کے معنی اور مطلب • حضورؐ کا گھرانہ اور وطن • مکّہ، کعبہ اور قریش • مکّہ کا آباد ہونا • زمزم • قبیلہ جرہم کا آنا • اِسلام کی عالم گیر تحریک • حضورؐ سے پہلے کے موحّدین • حضرت اسمٰعیل (ذبیح ۱) کے بعد • آلِ اسمٰعیل کا قبیلہ • ہاشم • عبدالمطلب • دس بیٹوں کی نذر ماننا • عبداللہ (ذبیح ۲)

## ⑧ پیدائش و پرورش

سورہ فیل کی تشریح۔ ابرہہ کا واقعہ • والد محترم عبداللہ کا انتقال • حلیمہ سعدیہ (حضورؐ کی انّا) • حلیمہ سعدیہ اور حضورؐ • بی بی آمنہ کی وفات • دو برس دادا کے ساتھ • چچا ابوطالب کے گھر • حضورؐ کا بچپن • کھیل • شرم و حیا • بتوں سے نفرت • جوانی • کاروبار • خدیجہ سے تجارتی ساجھا • خدیجہ سے شادی • زید بن حارثہ کا قصہ • زید کے باپ حارث کا آنا • مرمّت کعبہ • حجرِ اسود پر جھگڑا • یہ کون ؟ • حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوجھ بوجھ • خوشحالی • اولاد

## ⑨ حضورؐ کا نبی ہونا

غارِ حرا میں نزولِ وحی۔ اس وقت حضورؐ کی عمر کیا تھی؟ • حضرت جبریل کا آنا • حضرت خدیجہ کا مسلمان ہونا • ورقہ بن نوفل کی تصدیق • دین پھیلانے کا کام شروع

## ⑩ کھلے عام دعوتِ اِسلام

• حرم پاک میں حضورؐ کی پہلی نماز • اِشاعتِ اِسلام کی دوسری کوشش • تیسری کوشش • تبلیغ عام • کردار کا اثر: پہلا واقعہ : دوسرا واقعہ : تیسرا واقعہ اعتراف • حضورؐ کے بارے میں قریشی سرداروں کا یقین

## ⑪ روک تھام

قریش مکہ نے تحریک اسلامی کی روک تھام کے لئے کیا کیا؟ انکی بہت سی تدبیروں کا بیان۔ وہ تدبیریں آج بھی تحریک اسلامی کے دشمن کرتے ہیں۔ ذیلی عنوان یہ ہیں:
● حضور صلعم کو لالچ دینا ● ابوطالب سے شکوہ ● تحریک دشمن لوگوں کا کمینہ پن ● اجڈپن ● قریش کا ثقافتی پروگرام۔ لہوالحدیث کی تشریح ● جھوٹا پروپیگنڈہ ● مار دھاڑ اور قید و بند ● باہر کے سرداروں کا مسلمان ہونا ● قریش کے نوجوانوں کا متاثر ہونا ● حضرت ابوبکرؓ کا طریق دعوت اور تبلیغی تدبیریں ● قریش کا اپنے مسلمان بیٹوں بیٹیوں کو ستانا ● لونڈیوں اور غلاموں پر ظلم۔
● حضرت عمار بن یاسر اور اُن کے والدین کی کہانی ● حضرت خبّاب کی گذارش حضور صلعم سے اور حضور کا جواب نصر من اللہ وفتح قریب ● اس ظلم کا نتیجہ: اسلام کی آواز خود قریش نے سارے عرب میں پھیلادی۔

## ⑫ ہجرت حبشہ

● مکّے کے سرداروں کے گھروں میں کھلبلی۔ حبشہ کو ہجرت کرنے والے نوجوانوں کو واپس لانے کی کوشش ● شاہ حبشہ کو قریش کی رشوت ● دربار نجاشی میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر ● نجاشی کا مسلمان ہونا ● حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت پھر فوراً واپسی ● قریش کی ایک اور چال

⑬ قرآن کی ایک پیشین گوئی۔ قیصر و کسریٰ کی جنگ۔ سورہ روم کی مختصر تشریح

⑭ قریش کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنا

⑮ حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہونا

⑯ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا۔ یہ بحث کہ کیا حضرت عمر چالیسویں مسلمان تھے؟

⑰ بائی کاٹ اور ابوطالب کا اپنے خاندان کو لے کر شعب ابی طالب میں چلے جانا۔

⑱ بائیکاٹ کا خاتمہ۔ کفار کے معاہدے کو دیمک کا چاٹ جانا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گو
⑲ عام الحزن یعنی نبیؐ پر غم کا سال آنا۔ ابوطالب اور خدیجہؓ کا انتقال۔ طائف کا سفر، عرب کے دیگر قبیلوں کے سرداروں سے ملنا۔ دعوتی کام کو آگے بڑھانا۔
⑳ حضرت سودہؓ اور عائشہؓ سے شادی۔

## ㉑ اوس اور خزرج

● مدینے کے دو قبیلوں کے سرداروں سے ملاقات ● مدینے کا پہلا مسلمان ● قبیلہ اوس کا پہلا مسلمان ● مدینے کا پہلا گروہ خزرجی جس نے اسلام قبول کیا ● مدینے میں تبلیغ اسلام ● مصعب بن عمیرؓ کا رسولِ خداؐ کی اجازت سے معلم اسلام بن کر مدینے جانا اور دو بڑے سرداروں اور اُن کے قبیلوں کا مسلمان ہونا ● مدینے میں جمعہ کی نماز ● پھر عقبہ کی گھاٹی میں یعنی حضورؐ سے انصار مدینہ کی تیسری ملاقات اور اُن کی فدا کارانہ تقریریں ● ایک دلچسپ واقعہ۔ مدینے میں بتوں کا توڑا جانا۔ بچوں کی ایماندارانہ شرارت اور اس کا ردِ عمل ● اس بیعت کی اہمیت۔ کیا انقلاب کسی سوچی سمجھی تدبیر اور طے شدہ پروگرام کے تحت آتا ہے یا اللہ تعالیٰ چانس مہیا کرتا ہے؟ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ایک چانس عطا فرمایا اور آپؐ نے بڑھ کر اُسے تھام لیا اور اُس سے کام لے لیا۔

## ● واقعہ معراج شریف

● سورہ بنی اسرائیل کا تعلق معراج سے ● معراج کی روداد ● معراج مبارک ● آسمانوں کی سیر ● دوزخ کے تمثیلی نمونے ● معراج سے واپسی۔ کفار کا حضورؐ کی ہنسی اڑانا ● ابوبکرؓ کے سوالات اور حضورؐ کے جوابات سے کفار کے منہ بند ہونا ● معراج اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ● سورہ بنی اسرائیل سے ماخوذ اسلامی اسٹیٹ کا منشور یعنی اسلامی ریاست کا چودہ نکاتی پروگرام ● سورہ بنی اسرائیل کی دعائے ہجرت ● صالح

اقتدار کی دعا اسلامی نظریئے کے خلاف نہیں ہے۔

## (۲۲) ہجرت مدینہ

ذیلی عنوانات ● حضرت ابوسلمہؓ پہلے مہاجر۔ ہجرت کا حکم آنے سے پہلے ہی مدینے چلے۔ گھر اور سسرال والوں نے بیوی بچے کو چھین لیا ● ام سلمہؓ کی داستان ہجر و ہجرت ● ہجرت کا عام حکم ● جتھے کے جتھے مدینے کی طرف ● مکے کے محلے کے محلے ویران۔ ● محلوں کی ویرانی دیکھ کر عتبہ جیسا کافر رو دیا ● ابوجہل کا حضرت عباس پر طنز جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ● ابوجہل کے دو مسلمان بھائیوں کا ہجرت کرنا اور ابوجہل کا دھوکے سے انہیں واپس لاکر قید کر دینا ● حضرت عمرؓ کا بیس سواروں کے ساتھ گھر بار سمیت مدینے روانہ ہونا ● حضرت عبداللہ بن سہیل کی بپتا ● قریش کی پریشانی ● حضورؐ کے قتل کا فیصلہ۔ ● نبیؐ کو حکم کہ فلاں رات کو ہجرت کرو ● حضرت علیؓ کو امانتیں سپرد ● حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے ساتھی ● حضرت ابوبکرؓ کی تیاری ● ہجرت کی رات حضورؐ کے گھر کا گھراؤ ● حضورؐ کا رات میں کافروں کے درمیان سے نکل جانا ● صبح کو حضرت علیؓ کی گرفتاری اور ان کی رہائی ● حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر کافروں کا چھاپہ ● ابوجہل کا اسماء بنت ابوبکرؓ کے تھپڑ مارنا ● حضورؐ کا ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور میں قیام ● حضرت ابوبکرؓ کا حسن انتظام ● راستے میں کافروں کا ملنا اور ابوبکرؓ کا دانشمندانہ جواب ● حضورؐ یا ابوبکرؓ کے قتل کرنے یا گرفتاری پر انعام کا اعلان۔ ● حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین کا لقب ● سراقہ کا حضورؐ کی کھوج میں نکلنا ● سراقہ کا قبول اسلام ● سراقہ کے لئے حضورؐ کی پیشین گوئی کہ تم کسریٰ کا تاج پہنوگے ● راستے میں ام معبد کے گھر ● ام معبد حضورؐ کا حلیہ اپنے شوہر سے بیان کرتی ہیں ● ابو معبد کا دوڑ کر حضورؐ کی خدمت میں جانا اور مسلمان ہونا ● مدینے میں حضورؐ کا انتظار ● حضورؐ کا قبا میں پہنچنا ● مدینے میں حضورؐ کا داخلہ ● انصار کا استقبال کرنا ● طلع البدر علینا۔ انصاری لڑکیوں کا نغمہ محبت

• حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر حضورؐ کا قیام • قریش کی جھنجھلاہٹ • قریش کا عبد اللہ بن ابی منافق کو خط لکھنا • مسجد نبوی کی تعمیر • حضورؐ کے اہل و عیال کا مکّے سے مدینے آنا • ابوبکرؓ کے گھر والوں کا مدینے آنا۔

## (۲۳) پیدائش سے ہجرت تک حیاتِ مقدسہ ایک نظر میں

یہ تمام ترتیب شدہ میٹر کتابت ہو رہا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ میٹر مطلوبہ صفحات سے زیادہ میں آئے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہم اس لئے کہ رسول کریم نمبر کی قیمت دس روپیہ سے زیادہ نہ بڑھے مطلوبہ صفحات سے مطابق حلقہ حجاب کی خدمت میں پیش کریں، جو بچ رہے گا وہ اس کے بعد کی اشاعت میں دے دیں گے۔ بقیہ میٹر ہم اس طرح پورے جزوں میں دیں گے کہ آپ انھیں نکال کر رسولِ کریم نمبر کے ساتھ مجلد کرلیں۔

یہ تمام میٹر ہم نے سیرت رسول پاکؐ کی معتبر کتابوں، احادیث اور قرآن کی تفسیروں سے اخذ کر کے ترتیب دیا ہے۔ تفاسیر کی کتابوں میں سب سے زیادہ مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن سے استفادہ کیا گیا ہے، بلکہ اکثر جگہ پورے پورے پیراگراف نقل کر دئے گئے ہیں۔ ان دنوں میں کئی ماہ مسلسل ہم نے مولانا مرحوم کے لئے دعا کی۔

ہمارا دعویٰ نہیں، اُمید ہے کہ رسولِ کریم نمبر جن عنوانوں اور مضامین کے تحت ترتیب پایا ہے مسلمانوں کے لئے دعوت و تبلیغ کے بہترین مواد فراہم کرے گا، تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کے لئے رہنما ثابت ہوگا اور یہاں کے غیر مسلم بھائیوں کو دعوت دے گا کہ وہ اسے پڑھیں اور بھارت ماتا کی گود کو وسیع کر کے دھرتی ماتا کی گود کو آباد کریں نیز دیش بھگتی سے بلند ہو کر دیش پریتا ای بھگتی کے لئے سوچ بچار کریں۔ انھیں معلوم ہوگا کہ کلیان (نجات) دیش بھگتی میں نہیں، ایشور بھگتی میں ہے اور ایشور بھگتی بھی ایسی جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایشور کے

بارے میں عقیدہ دیا اور اُس کے حکموں پر چلنے کا حکم دیا اور خود نمونہ پیش فرمایا۔

---

رسولِ کریمؐ نمبر میں نہ کوئی نظم ہوگی اور نہ اشتہار اور نہ بچی ہوئی جگہوں میں رسول کریمؐ نمبر سے الگ کوئی اقتباس۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریمؐ نمبر کو آپ ایک کتاب پائیں گے۔ ایسی کتاب جو تربیتی بھی ہوگی اور دعوتی و تبلیغی بھی۔ اِس میں تحریکِ اسلامی کے سارے گوشے آجاگر ہوں گے۔ ان شاء اللہ

---

رسول کریمؐ نمبر عام طور پر سادہ ڈاک سے بھیجا جائے گا سوائے اُن خریداروں کے جن کے رجسٹری کے لئے ٹکٹ آگئے ہوں گے۔ رسول کریمؐ نمبر دوبارہ کسی کو نہیں بھیجا جائے گا۔ دوبارہ دس روپیہ کی وی پی سے بھیجا جائے گا۔

---

## ● بیرونِ ملک

حجاب کے جو سرپرست بیرون ملک میں ہیں اُن کی اطلاع میں یہ بات ضروری ہے کہ اب رجسٹری فیس چار روپیہ پچاس پیسہ کردی گئی ہے اور رجسٹرڈ پیکٹ پر روپیہ کسٹم چارج لگا دیا گیا ہے۔ ہم نے بیرون ملک کے سرپرستوں سے جو سالانہ زرتعاون لیا ہے میں کسٹم چارج کی رقم شامل نہیں ہے نیز رجسٹری فیس بھی چار روپیہ پچاس پیسہ نہیں بلکہ دو پیہ چھتر پیسہ لی ہے۔ اب کسٹم چارج اور رجسٹری فیس حجاب جیسے رسالے کیلئے ناقابل برداشت یک دیہاتی مثل "ٹکے کا بلبل نو ٹکے ہشکائی" کے مصداق ہے۔ اِس لئے اب بیرون ملک حجاب و پرچے پوسٹ ہوں گے وہ ریکارڈڈ ڈلیوری کے تحت جائیں گے۔

# نماز کے طبّی فائدے

نماز ایک ایسی جامع اور معتدل عبادت ہے کہ اگر آدمی اس پر غور کرے تو اس کا دل پکار اُٹھے گا کہ انسان اور کائنات کے خالق کے سوا ایسی عبادت کوئی اور تجویز کر ہی نہیں سکتا۔ نماز انسان کی مکمل شخصیت کے ارتقاء کی ضامن ہے۔ نماز پڑھنے کے لئے پاکی، صفائی اور وضو کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسلام نے پاکی اور صفائی کے لئے غسل کا طریقہ بتایا جو صحت کیلئے ضروری ہے۔ مخصوص حالات میں غسل فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ جمعہ کے دن غسل واجب ہے اور اس کے علاوہ مسنون۔ اس کے علاوہ ہر روز پانچ وقت نصف غسل یعنی وضو نماز کے لئے فرض ہے۔ وضو کے جملہ ارکان صحت کو چاند لگا دیتے ہیں۔ یہ اعصاب اور عضلات میں بجلی کی رو پہنچا دیتا ہے۔ گرم مزاج والوں کو فرحت بخشتا ہے اور سرد مزاج والے جنہیں تنفس کی شکایت ہوتی ہے پانچوں وقت ناک صاف کرنے کے بعد کچھ پانی سڑک کر حلق تک پہنچا لیا کریں تو تنفس کی شکایت دور ہو جائے گی۔ کلی کرنے سے مسوڑھوں میں چمٹی ہوئی غلاظتیں اور غذا کے سڑنے والے اجزا خارج ہو جاتے ہیں جس سے پائیریا کی بیماری نہیں ہوتی۔ سر کے مسح سے دماغ پُرسکون اور تر و تازہ رہتا ہے۔ اسی طرح پاؤں کے دھونے سے استرخا اور فالج جیسی بیماریوں سے لمبی عمر تک بچا جا سکتا ہے۔ صحت کے لئے ورزش ضروری ہے۔ اس پہلو سے دیکھیں تو نماز جیسی کوئی ورزش دنیا میں نہیں۔ یہ ہر مسلمان کو روزانہ پانچ بار ورزش کرا کے چست اور توانا بناتی ہے۔ جسم کا کوئی جوڑ ایسا نہیں ہے جس کی ورزش نماز میں نہ ہو جاتی ہو۔ قیام کے ذریعہ دوران خون میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ رکوع میں ہاتھ پر زور پڑ کر ہاتھ کے پٹھے توانا ہوتے ہیں۔ سجدے کے ذریعہ سر کی طرف دوران خون ہونے سے دماغ کی ورزش ہوتی ہے۔ سجدے میں جاتے ہوئے اور سجدے یا قعدے سے اُٹھتے ہوئے گھٹنوں پر خاصا زور پڑتا ہے جس سے ان میں طاقت آتی ہے۔ یہ ساری ورزشیں ایسی ہیں جو عمر کے ہر حصے میں عورت اور مرد آسانی سے کر سکتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو نماز کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی فائدہ ہے ۞ محمد جاوید اختر

# اردو ادب کا ایک معجزہ

# آج کا حاتم

محترم مائل صاحب السلام علیکم!

عرض ہے کہ 'آج کا حاتم' کے ذریعہ اس قدر جامع تحریر پیش کرنے پر آپ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور ہو زیادہ۔ آپ کی فنکاری نے اس پر تبصرہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لہٰذا بن بلائے اور بن پوچھے ہی ستمبر کے شمارے میں شائع ہونے کے لئے تبصرہ پیش خدمت ہے۔ برائے مہربانی کسی ابہام و تفہیم کے بغیر اسے شریک اشاعت کریں ورنہ مجھے آپ سے شکایت رہے گی۔ والسلام

خیر طلب، قاضی محی الدین۔ ڈھاکہ۔ ۲۰ اگست ۸۳ء

نوٹ:۔ ناچیز کا یہ تبصرہ 'اردو ادب کا ایک معجزہ.... آج کا حاتم' شائع ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے شائع ہونے میں بہت سارے مثبت فوائد مضمر ہیں۔ ویسے آپکو اختیار ہے (ق م)

## تبصرہ

ماہنامہ حجاب کا خاص نمبر جولائی اگست ۱۹۸۳ء کا مشترکہ شمارہ 'آج کا حاتم' موصول ہونے کے بعد اسے پہلی نظر میں دیکھتے ہی نہ جانے کیوں مجھے ایک ناپسندیدہ سا احساس ہوا۔ صرف الٹ پلٹ کر دیکھ لینے کے بعد انتہائی بددلی سے مطالعہ کئے ہوئے دیگر رسائل و کتب کے زمرے میں رکھ کر گویا فارغ ہو گیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ غالباً یہی رہی ہو گی کہ حاتم اور حاتم طائی سے متعلق اتنا کچھ مواد نظر سے گزر چکا ہے کہ اب اس نام کے لٹریچر میں مزید کشش باقی نہیں رہی لیکن میرے لئے یہ عجیب اتفاق ثابت ہوا کہ اس رسالے کو میں اپنی نگاہ سے جتنی دور رکھنا چاہتا تھا اسی قدر میری نگاہ کے سامنے بار بار آتا رہا۔ کوئی ضرورت نہ ہونے

کے باوجود وہی پرانے رسائل کے ذخیرے الٹ پلٹ کرتا رہتا اور ہر بار یہی خاص نمبر نمایاں ہو کر سامنے آنے لگتا، جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے نہ پڑھ کر میں اس کی حق تلفی کئے جا رہا ہوں۔ آخر کار مجھے ضد ہو گئی اور جب اس کا مطالعہ شروع کیا تو ہر ہر سطر کے بعد دلچسپی ایسے بڑھتی گئی جیسے میرے نہ پڑھنے کے ارادے کے پچھتاوے کا خود بخود ازالہ ہو رہا ہو۔

مدیر حجاب نے اپنے اداریئے میں اِس بات کا کھل کر اعتراف کیا ہے کہ خود اللہ نے اِس کہانی کے پلاٹ کو اُن کے ذہن میں ڈالا ہے۔ میں اس بات کی پرزور تائید کرتا ہوں کہ جب تک اللہ کی خاص مرضی اور حکم شامل نہ ہو ایسی بیباک، والہانہ اور جذب و کیفیت سے بھرپور تحریر صفحۂ قرطاس پر نہیں آسکتی۔

حاتم طائی کی اصل کہانی کا بیشتر حصہ اگرچہ خیال آرائی پر مبنی ہے لیکن یہاں آج کے حاتم کے کردار کے ذریعہ SYMBOLIC فاضل ادیب نے جو مقصدی کام لیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ موصوف نے چودہ سو سال پہلے کے حاتم کو آج کے سائنسی دور میں اس طرح پیش کیا جیسے انسان چاند پر جا رہا ہو۔ جناب مائل خیرآبادی کی شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے، میرے اندازے کے مطابق ایک دینی اور مذہبی شخصیت ہے لیکن اس کہانی نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ALROUND WRITER ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کہانی کی جامعیت، لرزہ خیزی اور دور رس معنویت پر اگر میں یہاں روشنی ڈالوں تو اس سے کہانی اور خاص نمبر کی اہمیت بڑی حد تک زائل ہو جائے گی۔ اس لئے میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے استدعا کروں گا کہ جنھوں نے اب تک ماہنامہ حجاب کا "آج کا حاتم" نہ پڑھا ہو وہ کم از کم اسے ایک نظر ضرور دیکھ لیں۔ اس کہانی میں بہت ساری خوبیاں ہیں۔ دوران تحریر الگ الگ عنوانات کا تسلسل رکھنا نفس مضمون کے علاوہ "نفس حاتم" کے لئے بھی بڑے خاصے کی بات ہے۔ اس تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کسی بھی لحاظ سے بامقصد ہے۔ سیاسی، اخلاقی، دینی، تبلیغی، ایمان افروزی اور یہاں تک کہ جاسوسی اعتبار سے بھی کسی اچھے تخلیق کار کی تحریر کے دوش بدوش رکھی جا سکتی ہے۔ دعا ہے کہ خدا کے نزدیک یہی تحریر اُن کے لئے راہ نجات کا ذریعہ ثابت ہو۔ (قاضی محی الدین۔ ڈھاکہ، بنگلہ دیش، ۲؍ اگست ۱۹۸۳ء)

بچاب

# حضرت معاویہؓ

حضرت معاویہؓ تاریخ اسلام کے مشہور اور نامور لوگوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اُن کا خاندان بنو اُمیّہ قریش میں ہمیشہ نامور اور باعزت رہا۔ اُن کے والد صاحب کا نام ابوسفیان تھا۔ ابوسفیانؓ اور معاویہؓ دونوں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے سے پہلے معاویہؓ کو اسلام اور مسلمانوں سے کسی طرح کا بغض نہیں تھا جیساکہ ابوسفیان کو تھا۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے بدر اور اُحد وغیرہ بڑی بڑی جنگیں مسلمانوں سے ہوئیں لیکن ان میں معاویہؓ نے حصّہ نہیں لیا۔

حضرت معاویہ مسلمان ہوئے تو آن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مبارکباد دی۔ اس کے بعد حنین وطائف وغیرہ جیسے سخت غزووں (لڑائیوں) میں شریک رہے۔ اسی زمانے میں حضورؐ نے حضرت معاویہؓ کو کتابتِ وحی کا عظیم مرتبہ عطا فرمایا یعنی حضورؐ پر جو قرآن نازل ہوتا تھا وہ آپ لکھوا دیا کرتے تھے اور لکھنے والوں میں معاویہؓ بھی تھے۔

## اوصاف

حضرت معاویہؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ ہی پہلے مسلمان ہوئے تھے اس لئے اُس زمانے میں زیادہ مشہور نہیں ہوئے۔ معاویہؓ کے کارنامے عہد صدیقی سے شروع ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں مسلمانوں اور شام والوں (رومیوں)

سے بڑی زوردار جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں میں ایک بار سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرو ابن العاصؓ (مشہور صحابی ہیں) کو ایسی مہم پر بھیجا جہاں رومی بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ حضرت عمرو ابن العاص پہونچے تو سپہ سالار سے مزید امداد طلب کی۔ اس موقع پر سپہ سالار نے یزید بن ابی سفیان کو فوج دے کر روانہ کیا۔ اس فوج کا ہراول دستہ حضرت معاویہؓ کی کمان میں تھا۔ یہیں سے امیر معاویہ کی شہرت شروع ہوئی۔

یہ ہراول دستہ (مقدمتہ الجیش) ایسی سمجھداری کے ساتھ لے کر بڑھے کہ سپہ سالار کے لئے آگے بڑھنے میں کوئی زحمت پیش نہیں آئی۔ سپہ سالار نے خوش ہو کر اس سے اہم ذمہ داریاں سونپیں۔ انھیں بھی نہایت عمدہ طریقے سے پورا کیا۔ ایک جنگ میں عمرو ابن العاص کے بھتیجے حضرت خالدؓ (لشکر اسلام کے مشہور مجاہد خالد بن ولیدؓ کے ہمنام) شہید ہوئے تو اُن کی تلوار حضرت معاویہؓ کو دی گئی۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ بہت سے معرکوں میں شریک رہے اور سب میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ شام میں رومیوں کی بغاوت انھوں نے دبادی۔ قیساریہ کا مشہور معرکہ بھی معاویہ کے ہاتھ رہا اور بہت سی اُلجھی ہوئی باتیں انھوں نے اپنی حکمت سے سلجھائیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عمرؓ کی خلافت میں (۱۸ھ میں) جب یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوا تو خلیفہ دوم نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کا گورنر بنا دیا۔ وہاں حضرت معاویہؓ نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ اور ریاست کو طرح کیل کانٹے سے درست کیا کہ اُن کے عدل و انصاف اور حکمت و تدبر کی دھوم مچ گئی۔ حضرت عمرؓ اُن کو کسرائے عرب کہا کرتے تھے کیونکہ حضرت معاویہؓ کا رُعب اہلِ شام (روم والوں) پر ایسا تھا اور وہ ایسے رعب داب سے رہتے جیسے کسریٰ (ایران کے بادشاہ) رعب داب سے رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے پورے ملک شام کا گورنر جنرل بنا دیا۔ شام کا حاکم ہونے کے بعد حضرت معاویہؓ نے سمندری جنگوں کا تجربہ کیا۔ اس میں انھیں کامیابی ہوئی۔ سمندری ڈاکوؤں کو زیر کیا اور ایسا انتظام کیا کہ سمندر کی طرف سے دشمن حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کے زمانے میں اسلامی سمندری بیڑہ بہترین بیڑوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

شام کی سرحد پر رومی اکثر شرارت کیا کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے انھیں ایسا مزہ چکھایا کہ بھاگ کر نہ لوٹے۔ پھر حضرت معاویہؓ آگے بڑھے اور رومیوں کے بہت سے قلعے فتح کر لیے۔ طرابلس، عموریہ، انطاکیہ، طرطوس، الجزیرہ، قنسرین، شمشاط، ملطیہ، قبرس وغیرہ قلعوں کو فتح کیا اور رومیوں کا زور توڑ دیا۔

## شہادتِ عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں عبداللہ بن سبا ایک یہودی نے دل میں کینہ رکھ کر اسلام قبول کیا۔ پھر اُس نے دھیرے دھیرے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن فتنہ نہ دبا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے اُن کے گھر میں گھس کر شہید کر دیا۔ باغیوں نے جب خلیفہ سوم پر تلوار کا وار کیا تو بیوی نائلہ نے تلوار ہاتھوں پر روکنا چاہی۔ اُنگلیاں کٹ کر گر گئیں۔ نائلہ حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ کٹی ہوئی انگلیاں لے کر اپنے بھائی کے پاس دمشق چلی گئیں۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو انہی باغیوں نے مجبور کیا کہ خلیفہ بنیں حضرت علیؓ تیار نہیں ہو رہے تھے لیکن باغیوں نے اُن کو بھی گھیر لیا اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر بیعت کرائی۔ حضرت علیؓ نے طوعاً و کرہاً خلافت منظور کر لی۔

اب ہم یہاں سے خود نہیں لکھیں گے بلکہ سیر الصحابہ جلد ششم مرتبہ مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ کی نقل پیش کریں گے۔

## حضرت علیؓ کی خلافت اور معاویہؓ کی مخالفت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔ اس وقت امیر معاویہؓ بدستور شام میں تھے۔ جناب امیر نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کر دیا۔ اس سلسلے میں معاویہؓ بھی شام سے معزول ہوئے اور اُن کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا لیکن معاویہؓ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے اس لئے شام کی سرحد تبوک پر اُن کے سواروں نے سہل بن حنیف کو روک کر واپس کر دیا۔ اُس وقت حضرت علیؓ کو اُن کی مخالفت کا علم ہوا۔

مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اپنی تدبیر و سیاست کی وجہ سے مغیرۃ الرائے کہلاتے تھے، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے بلکہ اُن کو اُن کے عہدے پر قائم رکھئے اور طلحہؓ اور زبیرؓ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے۔ پورا تسلط ہو جانے کے بعد جو مناسب سمجھئے کیجئے گا۔ لیکن آپ نے جواب دیا کہ طلحہؓ و زبیرؓ کے بارے میں غور کروں گا لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اُس وقت تک نہ اُن کو کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ اُن سے کسی قسم کی مدد لوں گا۔ اس جواب سے مغیرہ دل شکستہ ہو کر امیر معاویہ سے مل گئے۔

## امیر معاویہؓ کے ادعائے خلافت کے اسباب

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے وقت معاویہؓ کے دل میں حصول خلافت کا کوئی جذبہ نہ تھا گو وہ حضرت علیؓ کو پسندیدہ

نظر سے نہ دیکھتے تھے تاہم اُن کے مقابلے میں خلافت کا خیال بھی نہ لا سکتے تھے کیونکہ وہ نہایت مدبّر اور ہوشمند تھے اور اپنے اور حضرت علیؓ کے رتبے کا فرق پورے طور پر سمجھتے تھے لیکن اِسی کے ساتھ اُن کی حکومت پسندی اپنا عزل بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر حضرت علیؓ انھیں بدستور اُن کے عہدے پر قائم رہنے دیتے تو غالباً کوئی ناگوار صورت پیش نہ آتی لیکن معاویہؓ کی معزولی نے اُن کو جناب امیر کا مخالف بنا دیا۔ جہاں تک واقعات سے اندازہ ہوتا ہے اس وقت تک امیر معاویہؓ کے دل میں خلافت کے دعویٰ کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا تھا بلکہ وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدے کی بحالی چاہتے تھے لیکن حضرت علیؓ اِس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔ امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمان کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا حضرت علیؓ کی لاعلمی میں (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہ تھا) آپ کے ساتھ ہو گئے۔

اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلینِ عثمانؓ کا پتہ چلا کر اُن سے قصاص لینا حضرت علیؓ کا فرض تھا لیکن مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلینِ عثمانؓ کا پتہ چلانا کیا معنی نظامِ خلافت سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کیلئے سکون و اطمینان کی ضرورت تھی۔ لیکن عوام اِس معذوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمان کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اِس لئے امیر معاویہؓ کو اُن کے خلاف پروپگنڈے کا پورا موقعہ مل گیا۔

خلیفۂ مظلوم کے بیدردی کے ساتھ شہید کئے جانے اور قاتلین کے کھلے بندوں پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کیا بہت سے غیر جانب دار مسلمانوں کے دلوں میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مصر کے ایک مقام خرنبا میں ایک جماعت حضرت علیؓ کی مخالف پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جب قیس بن سعد نے

اُن سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو اُن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تاثر کی وجہ سے بیعت نہیں کی اور اُس کے قصاص کا مطالبہ کیا۔

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کو کچھ لوگ ایسے مِل گئے جنھوں نے اُن کو حضرت علیؓ کے خلاف اُبھارنا شروع کیا کہ تم کو علیؓ کے خلاف اُٹھنا چاہئیے کیونکہ جو قوت تم کو حاصل ہے وہ علیؓ کو نصیب نہیں۔ تمہارے ساتھ ایسی فرمانبردار جماعت ہے کہ جب تم خاموش ہوتے ہو تو وہ بھی کچھ نہیں کہتی اور جب تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو اُس کو خاموشی کے ساتھ سنتی ہے اور جو حکم دیتے ہو اُس کو بے چوں و چرا مان لیتی ہے اور علی کے ساتھ جو گروہ ہے وہ اِس کے برعکس ہے، اِس لئے تمہاری تھوڑی جماعت اُن کی بڑی جماعت پر بھاری ہے۔

غرض ان مواقع اور ان تائیدوں نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا پورا مخالف بنا دیا لیکن حضرت علیؓ جیسے شخص کا مقابلہ تھا۔ آسانی کے ساتھ اُن کے مقابلے میں کامیابی دشوار تھی اور اس دشواری کو دور کرنے کے لئے دہاۃ عرب کو ساتھ ملانے کی ضرورت تھی۔ اس وقت عرب میں معاویہؓ کے علاوہ مغیرہؓ بن شعبہ اور عمرو بن العاصؓ صاحب تدبیر و سیاست مانے جاتے تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ پہلے ہی مِل چکے تھے، عمرو بن العاص باقی تھے۔ یہ اس وقت فلسطین میں تھے۔ امیر معاویہؓ نے انھیں بلا کر اُن کے سامنے اپنی مشکلات پیش کیں کہ محمدؐ بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر نکل گئے ہیں، قیصر روم الگ حملہ پر آمادہ ہے اور سب سے زیادہ اہم معاملہ یہ ہے کہ علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں۔ اُنھوں نے مشورہ دیا کہ محمدؐ بن حنفیہ کا تعاقب کراؤ۔ اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں۔ قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اُس سے مصالحت کرلو۔ علیؓ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے کیونکہ مسلمان کبھی تم کو اُن کے برابر نہ سمجھیں گے۔ معاویہؓ نے کہا وہ عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے، اُمت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن نہیں

سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی کے لئے کیوں مدد کروں؟ معاویہؓ نے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ بولے "مصر"۔ امیر معاویہؓ نے کہا "مصر تو کسی طرح عراق سے کم نہیں"۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن میرا مطالبہ اس وقت ہے جب تم علیؓ کو مغلوب کر چکے ہو گے اور تمام دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہو گی۔ چنانچہ اس گفتگو کے دوسرے دن مصر دینے کا تحریری وعدہ کر کے عمرو بن العاصؓ کو ملا لیا۔

## حضرت علیؓ کے خلاف دعوت

عمرو بن العاصؓ کے مل جانے سے معاویہؓ کا بازو بہت قوی ہو گیا۔ انھوں نے ان کو مشورہ دیا کہ پہلے عمائدِ شام کو یہ یقین دلا کر کہ عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کا ہاتھ شامل تھا، ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو اور سب سے پہلے شرجیل بن سمط کندی کو جو شام کے سب سے بڑے با اثر آدمی ہیں، اپنا ہم خیال بناؤ۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اُن کی بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائد شام کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ عثمانؓ کے خون بے گناہی میں علیؓ کا ہاتھ شامل تھا۔ اور شرجیل بن سمط کندی نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ ادھر خود معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی۔ لوگ آتے تھے اور یہ المناک منظر دیکھ کر زار زار روتے تھے۔ شامیوں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ قاتلینِ عثمانؓ کو قتل نہ کر لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے اور نہ بیویوں کو چھوئیں گے۔

## مصالحت کے لئے صحابہؓ کی کوشش

مختاط صحابہؓ اس خانہ جنگی کی تیاریاں

دیکھتے تھے اور مسلمانوں کی بدبختی پر کفِ افسوس ملتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلی سے مسلمانوں کی یہ بدبختی دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ معاویہؓ کے پاس گئے کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم کیوں اُن سے لڑتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا عثمانؓ کے قصاص کے لئے۔ ان لوگوں نے کہا کیا اُن کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟ کہا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلین کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ اُن کو ہمارے حوالہ کردیں تو سب سے پہلے ہم اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار ہیں۔ یہ مطالبہ سُن کر یہ دونوں بزرگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اُن سے صورتِ حال بیان کی۔ امیر معاویہ کا یہ مطالبہ سُن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل آئے اور نعرہ لگایا "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں" حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو خاموشی سے ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور پھر کسی قسم کی کوشش نہ کی۔

## جنگِ صفین

اس سلسلے میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور طرفین کی فوجیں میدانِ جنگ میں آگئیں۔ اس خونریز جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔

لیلتہ الہریر کی قیامت خیز رات کی صبح کو جس میں ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوگئیں، معاویہؓ اور علیؓ اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں نکلے اور دونوں قومیں اس شدت سے ٹکرائیں کہ صفین کا میدان کشتوں کی کثرت سے بھر گیا۔ ہر طرف موت انسانی جسموں سے اس طرح کھیلتی تھی جیسے خزاں پتوں سے کھیلتی ہے۔ لاشوں پر لاشیں گرتی تھیں۔ ہاتھ، پاؤں اور سر کٹ کٹ کر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اُڑتے تھے۔ خون تھا کہ اُمنڈا امنڈ کے برستا تھا اور مسلمانوں کی ۲۵ سالہ قوت اس طرح آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی۔

اِس خونریز اَور ہولناک لڑائی کے بعد مزید جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی۔ اَور فریقین نے اپنے اپنے مقتولین دفنائے۔ اِس جنگ میں شامی فوج کا پلّہ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ آئندہ میدان میں اس کے ٹھہرنے کی کوئی اُمید باقی نہ تھی۔ رومی علیحدہ امیر معاویہؓ پر حملہ کرنے پر آمادہ تھے۔ اِس لئے اُنھوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے اِس دن کے لئے پہلے ہی ایک تدبیر سوچ رکھی تھی جو کسی طرح پٹ نہیں پڑسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم میدانِ جنگ میں قرآن کے حکم بنانے کا اعلان کریں۔ اِس تدبیر سے عراقیوں میں ردّ و قبول دونوں حالتوں میں تفرقہ پڑجائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن جب شامی فوج میدان میں آئی تو اِس شان سے کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر آگے آگے تھا اَور اُس کے پیچھے سیکڑوں قرآن نیزوں پر بلند تھے اَور شامی "ہم قرآن کو حکم بناتے ہیں" کے نعرے لگا رہے تھے۔ عمرو بن العاصؓ کی یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ عراقیوں میں پھوٹ پڑگئی۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہیئے۔ حضرت علیؓ اَور بعض دوسرے عاقبت اندیش لوگ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ سب فریب ہے لیکن عراقیوں نے ایک نہ سُنی اَور برابر یہی اصرار کرتے رہے کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہیئے۔ طبری کی ایک روایت کے مطابق تو اُن کا اصرار اتنا بڑھ گیا تھا کہ اُنھوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر قرآن کا فیصلہ مسترد کیا گیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو عثمانؓ کا ہوچکا ہے۔

**تحکیم**

غرض عراقیوں کی اِس ضد اَور ناسمجھی پر جناب امیرؓ کو چاروناچار یہ فریب آمیز فیصلہ ماننا پڑا اَور فریقین نے بڑی ردّ و قدح کے بعد عمرو بن العاصؓ اَور ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنایا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اَور سنّتِ رسول اللہؐ کی رو سے جو فیصلہ کردیں وہ فریقین کیلئے واجب تسلیم ہوگا۔ چنانچہ دونوں نے باہمی صلاح و مشورے کے بعد امیر معاویہؓ اَور حضرت علیؓ دونوں کے

معزول کرنے کا فیصلہ کیا اور مجمعِ عام میں اس کو سنا دیا۔ پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ برادرانِ اسلام! ہم دونوں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ امتِ محمدیؐ کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے عامۃ المسلمین کو ازسرِنو خلیفہ کے انتخاب کا اختیار دیا جائے۔ اس لئے میں دونوں کو معزول کر کے آپ لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ ازسرِنو جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ ان کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور ان الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا کہ صاحبو! آپ لوگوں نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا۔ انھوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا۔ میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے حق دار ہیں، اس لئے وہ ان کی نیابت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس فیصلے سے مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ تلواریں پھر میان سے نکل آئیں اور دومۃ الجندل کا میدان صفین کا نمونہ بن جائے۔ مگر ابو موسیٰؓ مکہ روانہ ہو گئے اور لوگوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

## خارجیوں کا ظہور

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس کو جناب امیرؓ کسی طرح قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے پھر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن اسی درمیان میں اس سے بھی بڑا خارجیوں کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ مذہبی معاملات میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ اس لئے معاویہؓ اور علیؓ دونوں نعوذ باللہ کافر ہیں اور جو لوگ اس عقیدے کے منکر ہوں وہ بھی کافر ہیں۔ رفتہ رفتہ اس جماعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور اس کی قوت اتنی بڑھی کہ حضرت علیؓ کے حدودِ حکومت میں لوٹ مار شروع کر دی اس لئے حضرت علیؓ فی الحال معاویہؓ کے مقابلے کا خیال ملتوی کر کے ان کی سرکوبی کے لئے

نہروان کی طرف بڑھے اور اس سلسلے میں اُن میں اور خارجیوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن اس سے ہم کو تعلق نہیں، اس لئے قلم انداز کرتے ہیں۔

## نہروان سے حضرت علیؓ کی واپسی اور شیعانِ علیؓ کی جنگ سے پہلو تھی

اس فرقے کی سرکوبی کے بعد جب حضرت علیؓ نہروان سے واپس ہوئے تو فوج کو امیر معاویہؓ سے مقابلے کی تیاری کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے عذر کیا کہ امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے، ہماری تلواریں کھٹلی ہو گئیں اور نیزوں کی اَنیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سے لوگ واپس جا چکے۔ اس لئے ہم کو وطن پہونچ کر از سر نو تیاری کا موقع دیا جائے تاکہ ہم پھر سے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے مقابلے کے لائق ہو سکیں۔ اس عذر پر جناب امیرؓ نے آگے بڑھ کر مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ یہاں پہونچنے کے بعد مقابلے کی تیاریوں کے بجائے آپ کے ساتھی آہستہ آہستہ فوج سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لینے لگے اور آپ کے ساتھ صرف مخصوص جماعت باقی رہ گئی۔ اس لئے آپ نے فی الحال معاویہؓ سے مقابلے کا خیال ترک کر دیا۔

## حضرت علیؓ کی ایک سیاسی فروگذاشت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصری بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے اور امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کسی کے حلقۂ اطاعت میں نہ تھے، چنانچہ جنگ صفین میں انھوں نے دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جنگِ صفین کے بعد حضرت قیس بن سعدؓ انصاری نے جو یہاں کے حاکم اور حضرت علیؓ کے ہوا خواہ تھے، نہایت ہوشیاری اور خوبصورتی کے ساتھ اہلِ مصر سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی۔ صرف خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے، بیعت نہ کی تھی۔ حضرت قیس نے مصلحتِ وقت کے خیال سے انھیں

مجبور بھی نہیں کیا بلکہ کہلا دیا کہ تم کو انکار ہے تو ہم مجبور بھی نہیں کرتے۔ اس نرمی و ملاطفت کا نتیجہ ہوا کہ خربنا والوں نے خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

قیس حضرت علیؓ کے مقابلے میں امیر معاویہؓ کے بہت قدیم مخالف تھے چنانچہ جنگ صفین کے قبل جب انھوں نے اور مدبرین کو ملانا چاہا تو قیس کو بھی خط لکھا تھا کہ اگر تم قاتلین عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آجاؤ تو عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص ہو جائے گی اور حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہو گا کہ اپنے جس عزیز کو چاہو مقرر کرنا۔ اس کے علاوہ تمہارے اور جو مطالبات ہوں گے وہ بھی پورے کئے جائیں گے۔ اگر تمہیں یہ باتیں منظور ہوں تو جواب دو۔ قیس بہت عاقبت اندیش آدمی تھے اس لئے صاف جواب دینے کے بجائے گول جواب دیا کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے اس لئے ابھی جواب نہیں دے سکتا۔ امیر معاویہؓ کو یہ خط ملا تو وہ ان کی نیت سمجھ گئے۔ چنانچہ دوبارہ خط لکھا کہ تم اس گول جواب سے مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔ میرا جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آسکتا۔ قیس کو یہ تحریر ملی تو وہ بہت برہم ہوئے اور کھل کر اپنے دلی خیالات لکھ بھیجے کہ تمہاری عقل پر مجھ کو حیرت ہے۔ تم مجھ کو ایک حق گو، حق پرست، مستحق خلافت اور آنحضرت صلعم کے رشتہ دار کا ساتھ چھوڑ کر ایک کاذب، گمراہ، گمراہ زادہ کی حمایت کی دعوت دیتے ہو۔ اس تحریر کے بعد جب امیر معاویہؓ کو ان سے بالکل مایوسی ہو گئی تو انھوں نے قیس کو زک دینے کے لئے اپنے حامیوں سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو برا نہ کہو۔ وہ ہمارے ہمدرد ہیں اور ہمارے پاس ان کے خفیہ خطوط آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خربنا والوں کے ساتھ ان کا کیسا بہتر سلوک ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے برابر جاری ہیں۔ اس غلط شہرت دینے کے ساتھ قیس کی جانب سے ایک فرضی خط بھی جس میں عثمانؓ کے قصاص پر پسندیدگی کا اظہار تھا، پڑھ دیا۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے کانوں میں اس کی اطلاع پہونچی تو انھوں نے

حضرت علیؓ کو اس کی خبر دی۔ حضرت علیؓ کے جاسوسوں نے بھی اِس کی تصدیق کر دی۔ اتفاق سے اسی درمیان میں حضرت علیؓ کے پاس قیس کا ایک خط آیا کہ خر نبا والے بیعت نہیں کرتے ہیں مگر میں اُن پر تلوار اُٹھانا مصلحت نہیں سمجھتا۔ حضرت علیؓ کے طرفداروں کو قیس کی جانب سے جو شبہ ہو گیا تھا وہ اِس خط سے اَور زیادہ قوی ہو گیا۔ چنانچہ محمد بن جعفر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فوراً ان باغیوں (خر نبا والوں) کی سرکوبی کا فرمان جاری کیجئے۔ اُن کے توجہ دلانے پر آپ نے فوراً قیس کے نام حکم جاری کر دیا۔ قیس نے پھر لکھا کہ آپ ایسے لوگوں کو چھیڑنے کا کیوں حکم دیتے ہیں جو کسی طرف عملی حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ اگر آپ کی طرف سے ذرا بھی سختی ہوئی تو یہ سب برگشتہ ہو جائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجئے اَور ان کو سردست ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے اُن کا مشورہ ناقابل قبول سمجھا اَور محمد بن جعفر کے اصرار سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر کے بھیجدیا۔

## مصر میں حضرت علیؓ کی مخالفت

گو یہ حکم قیس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا اَور اس سے اُن کی بڑی سبکی ہوئی تھی تاہم وہ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے۔ اسلئے بے چون وچرا مصر محمد بن ابی بکر کے حوالہ کر دیا اَور تمام نشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی واضح کر دی لیکن وہ کمسن اَور ناتجربہ کار تھے۔ جوانی کا جوش تھا۔ آتے ہی خر نبا والوں پر فوجیں دوڑا دیں۔ یہ لوگ بڑے شجاع اَور بہادر تھے۔ اِس لئے محمد کو فاش شکست ہوئی۔ اِس سخت گیر پالیسی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پہلے صرف ایک قریہ کے لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے۔ محمد بن ابی بکر نے اپنے طرزِ عمل سے اَوروں کو بھی مخالف بنا کر امیر معاویہؓ کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا۔ چنانچہ معاویہ بن خدیج کندی نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متاثر تھے مصر میں آپ کے خون کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔ اِس طرح مصر کی فضا مسموم

اور جب حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اشتر نخعی کو لکھا کہ تم مصر جا کر اس کا نظام سنبھالو۔ یہ حکم ملتے ہی اشتر روانہ ہو گئے مگر امیر معاویہؓ کے اشارے سے راستے ہی میں انکا کام تمام کر دیا گیا۔

## مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ

اشتر کی موت کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر کی فوج کشی سے متعلق خط و کتابت کی۔ انھوں نے امداد کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی اور لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فوراً آؤ ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ انشاء اللہ تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں کے مشورے سے عمرو بن العاصؓ کو چھ ہزار فوج دے کر مصر روانہ کر دیا۔ یہاں عثمانی گروہ پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مصر سے باہر اس فوج کا استقبال کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے حملہ کرنے سے قبل محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر والے تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ تم میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے مقابلے سے باز آؤ اور مصر خالی کر دو۔ میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا نہیں چاہتا۔ محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیجدیا۔ وہاں سے مقابلے کا حکم آیا۔ محمد بن ابی بکر مقابلے کے لئے بڑھے۔ مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشر مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے۔ انھوں نے عمرو بن العاصؓ کا نہایت زبردست مقابلہ کیا۔ جدھر رخ کر دیتے میدان صاف ہو جاتا۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ رنگ دیکھا تو معاویہ بن خدیج سکونی کو اشارہ کیا۔ انھوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور شامیوں نے ہر طرف سے ٹوٹ کر قتل کر دیا۔ ان کے مرتے ہی مصریوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ محمد بن ابی بکرؓ شکست کے آثار دیکھ کر روپوش ہو چکے تھے۔ معاویہ بن خدیج نے ان کو ڈھونڈ نکالا اور وہ نہایت بے دردی سے قتل کر دئے گئے۔ ان کے قتل کے

بعد مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا۔

(اس کے بعد امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ مجموعی طور پر امیر معاویہؓ کامیاب ہوتے رہے۔ حضرت علیؓ کا قبضہ جہاں جہاں تھا، ایک ایک کر کے وہ جگہ اُن کے قبضے سے نکلتی گئی۔ اس کے بعد ایک دن وہ بھی آیا کہ خود اُن کی فوج نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ کر گھر بیٹھ رہے۔ پھر شیر خدا کی جس تلوار نے جبریلؑ کے پر کو کاٹا تھا وہ کند پڑ گئی۔ اور پھر یہ ہوا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے صلح کر لی۔ شام امیر معاویہؓ کے قبضے میں آیا اور عراق حضرت علیؓ کو ملا۔ چلئے قصہ ختم۔ بچّے گئے، مدینہ گئے، کربلا گئے۔ جیسے گئے تھے ویسے ہی پھر کے آ گئے۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا کر یہ ملا۔

اِس فیصلے کے کچھ دنوں کے بعد ایک شخص نے حضرت علیؓ کو قتل کر دیا۔ اُن کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ اُن کے خلیفہ بنے۔) م۔

## امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام

جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ میں بہت قدیم اختلاف آ رہا تھا۔ امیر معاویہؓ ان کی حیات ہی میں عالم اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن جناب امیرؓ کی زندگی میں یہ خواب منت کش تعبیر نہ ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعۃً نہایت شدت کے ساتھ اُبھر آیا۔ امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؓ صلح پسند ہیں اور جنگ و جدال وہ دل سے ناپسند کرتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔ حضرت حسنؓ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی اور اس قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آتی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لئے کچھ مقرر کرا کے خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہی انھوں نے فوجی پیشقدمی شروع کردی اور پہلے عبداللہ بن عامر بن کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کردیا۔ یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔

## حضرت حسنؓ کی مقابلے کیلئے آمادگی اور واپسی

حضرت حسنؓ اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ کو عبداللہ بن عامر کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلے کے لئے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباط پہونچ کر اپنی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے۔ اس لئے اسی مقام پر رک کر حسب ذیل تقریر کی :

"میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اسے مسترد نہ کروگے۔ جس اتحاد و یک جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقے اور اختلاف سے کہیں بہتر اور افضل ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔"

یہ خیالات سن کر لوگ سناٹے میں آگئے اور ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے تھے تاہم بہت سے خارجی عقائد کے لوگ جو آپ کے ساتھ تھے وہ معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ انھوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرت علیؓ کی طرح حضرت حسنؓ کو بھی برا بھلا کہنے لگے اور ان کی تحقیر کرنی شروع کردی اور جس مصلے پر آپ تشریف فرما تھے حملہ کرکے اسے چھین لیا اور پیراہن مبارک کھسوٹ کر گلے سے چادر کھینچ لی۔ حضرت حسنؓ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہوگئے اور ربیعہ و ہمدان کو

آواز دی۔ اُنھوں نے بڑھ کر خارجیوں کے نرغے سے چھڑایا اور آپ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستے میں جراح بن قبیصہ خارجی حملے کی تاک میں چھپا ہوا تھا۔ حضرت حسن رضؓ جیسے ہی اس کے قریب سے ہو کر گذرے اُس نے حملہ کر کے زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن خطل اور عبداللہ بن ظبیان نے جو امام کے ساتھ تھے، جراح کو پکڑ کر اُس کا کام تمام کر دیا اور حضرت حسن رضؓ مدائن جا کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہو گئے۔ زخم بھرنے تک وہیں ٹھہرے رہے۔ شفایاب ہونے کے بعد پھر عبداللہ بن عامر کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اِس دوران میں امیر معاویہ رضؓ بھی انبار پہونچ چکے تھے اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسن رضؓ کی طرف سے یہاں متعین تھے، گھیر لیا تھا۔ ادھر معاویہ رضؓ نے قیس کا محاصرہ کیا دوسری طرف حضرت حسن رضؓ اور عبداللہ بن عامر بالمقابل آ گئے۔ عبداللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسن رضؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ عراقیو! میں خود جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میری حیثیت صرف معاویہ رضؓ کے مقدمتہ الجیش کی ہے اور وہ خود شامی فوجیں لے کر انبار تک پہونچ چکے ہیں۔ اِس لئے حسن رضؓ کو میرا سلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیام پہونچا دو کہ اُن کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں۔ عبداللہ بن عامر کا یہ افسوں کارگر ہو گیا۔ حضرت حسن رضؓ کے ہمراہیوں نے اس کا پیام سُنا تو اُنھوں نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت حسن رضؓ نے اسے محسوس کیا تو وہ پھر مدائن لوٹ گئے۔

## خلافت سے دستبرداری

حضرت حسن رضؓ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبداللہ بن عامر کو موقع مل گیا۔ چنانچہ اُس نے بڑھ کر آپ کو مدائن میں گھیر لیا۔ حضرت حسن رضؓ پہلے ہی سے امیر معاویہ رضؓ کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ تھے۔ اپنے ساتھیوں کی بزدلی اور کمزوری کا تجربہ کرنے کے بعد جنگ کا خیال بالکل ترک کر دیا اور چند شرائط پر امیر معاویہ رضؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا اور یہ شرائط عبداللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہ رضؓ

ے پاس بھجوا دے۔ شرائط حسب ذیل ہیں :-
(۱) کوئی عراقی محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا (۲) بلا استثنا سب کو امان دی جائے گی (۳) عراقیوں کے ہفوات کو انگیز کیا جائے گا (۴) اہواز کا کل خراج حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا (۵) حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ علیحدہ دیا جائے گا (۶) بنی ہاشم کو صلات و عطایا میں بنی عبد شمس (بنی امیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔
عبداللہ بن عامرؓ نے یہ شرائط امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دئے۔ انھوں نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے ان کی منظوری کا سرخط لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین و عمائد کی شہادتیں لکھوا کر حضرت حسنؓ کے پاس بھجوا دیا۔

## یزید کی ولیعہدی

۵۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہؓ نے اس قیصری و کسروی بدعت کو بہت پسند کیا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولٹیکل دقتیں حائل تھیں۔ اسلام کا نظام جمہوری ہے۔ خلفاء، اکابر مہاجرین و انصار کے مشورے سے منتخب ہوتے تھے اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل نا آشنا تھے۔ گو اس زمانے میں اکابر کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی تاہم ابھی بعض نشینان بساط نبوت موجود تھے اس لئے قطع نظر توارث کی بدعت کے صلاحیت اور ...بت کے اعتبار سے بھی صحابہؓ کے ہوتے ہوئے خلافت کے لئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جا سکتا تھا اور گو عہد رسالت کے بعد اور نظام خلافت کی برہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا ...بی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا تاہم ابھی عہد رسالت کے جمہوری نظام کو دیکھنے والے ...بد تھے اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہ ہوئی تھی اور اتنے کھلے ہوئے خطا و صواب حق و باطل کی تمیز باقی تھی کہ یزید کا نام خلافت کے لئے پیش کیا جاتا اور مسلمان اس کو

آسانی سے قبول کر لیتے۔ لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت مذہبی اور پولیٹیکل حیثیت سے مسلمانوں کے تین مرکز تھے جن کی رضامندی پر انتخاب خلیفہ کا دار و مدار تھا۔ مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولیٹیکل حیثیت سے کوفہ اور بصرہ۔ امیر معاویہؓ نے ولیعہدی کے فیصلے کے بعد ان تینوں مقامات میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کے سپرد کی۔ مغیرہ اور زیاد نے اپنے حسن تدبر سے کوفہ اور بصرہ کو درست کر لیا اور یہاں کے عمائد کے وفود نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر یزید کی ولیعہدی تسلیم کر لی۔ حجاز قلب اسلام تھا۔ اگرچہ اس وقت یہاں بھی عہد رسالت کی بہار ختم ہو کر مذہبی روح مضمحل ہو چکی تھی، اکابر صحابہؓ اُٹھ چکے تھے اور جو باقیات الصالحات رہ گئے تھے وہ بھی گمنام گوشوں میں پڑے تھے لیکن ان بزرگوں کی اولادیں جنھیں خود بھی شرف صحبت حاصل تھا، موجود تھے اور اُن میں حق گوئی اور صداقت کا جوہر پورے طور پر موجود تھا۔ خصوصاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اپنے اسلاف کے نمونے موجود تھے۔ اس لئے جب مروان نے اُن کے سامنے یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ پیش کیا اور اُن سے کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح اپنے لڑکے یزید کو خلافت کے لئے نامزد کر جائیں تو عبدالرحمٰن نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ و قیصر کی سنت ہے۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے لڑکے کو ولیعہد نہیں بنایا بلکہ اپنے خاندان تک کو اس سے دور رکھا۔ ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا۔ مروان نے یہ رنگ دیکھا تو امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ چنانچہ وہ خود آئے اور مکہ و مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس بارے میں کہ معاویہؓ نے بیعت کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا، مورخین کے بیان مختلف ہیں۔ طبری کی روایت ہے کہ ان کے آنے کے بعد ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ،

ابن ابی بکرؓ، اور حسینؓ کے علاوہ سبھوں نے بیعت کرلی۔ بیعتِ عام کے بعد پھر انھوں نے فرداً فرداً سب سے نہایت نرمی و ملاطفت کے ساتھ کہا کہ تم پانچوں کے سوا سب نے بیعت کرلی ہے اور تمہاری قیادت میں یہ چھوٹی جماعت مخالفت کر رہی ہے۔ اُن کے اِس اعتراض پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر عامۃ المسلمین بیعت کرلیں گے تو ہمیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ اِس جواب پر امیر معاویہؓ نے پھر ان لوگوں سے کوئی اصرار نہیں کیا البتہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے سخت گفتگو ہوگئی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے اِن لوگوں کو بلا بھیجا تو انھوں نے امیر معاویہ سے گفتگو کرنے کے لئے ابن زبیر کو اپنا نمائندہ بنایا۔ معاویہ نے ان سے کہا کہ میرا جو طرزِ عمل تم لوگوں کے ساتھ ہے اور جس قدر تم لوگوں کے ساتھ صلۂ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جتنی باتیں برداشت کرتا ہوں وہ سب تم کو معلوم ہیں۔ یزید تمہارا بھائی اور تمہارا ابنِ عم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اُس کو صرف خلیفہ کا لقب دے دو۔ باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اُس کا صرف سب تم لوگوں کے اختیار میں ہوگا اور وہ اِس میں مطلق مزاحمت نہ کرے گا۔ اِس پر ابن زبیر نے کہا کہ آنحضرت صلعم سے لے کر عمرؓ تک جو جو طریقے انتخابِ خلیفہ کے تھے اُن میں جو آپ اختیار کریں اس کے قبول کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ باقی اِن کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ نہیں قبول کرسکتے۔ امیر معاویہؓ نے یہ جواب سُنا تو اُن سب کو دھمکا کر بیعت لے لی اور اُن کو عام مسلمانوں کے سامنے لاکر کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربرآوردہ اشخاص ہیں۔ اِنھوں نے بیعت کرلی ہے، اس لئے اب تم لوگوں کو بھی توقف نہ کرنا چاہیئے۔ امیر معاویہؓ کے اس کہنے پر یہ لوگ خاموش رہے۔ اِس لئے عوام نے بھی بیعت کرلی۔ غرض کسی نہ کسی طرح امیر معاویہؓ نے ۵۶ھ میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روح کا خاتمہ کردیا۔

## یزید کو وصیت

جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو یزید کو بلا کر کہا کہ جانِ پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا۔ اب میں تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اہلِ حجاز کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ وہ تمہاری اصل ہے۔ اس لئے جو حجازی تمہارے پاس آئے اُس سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور اُس کی عزت کرنا اور احسان کرنا اور جو نہ آئے اُسکی خبر گیری کرتے رہنا۔ عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا حتّٰی کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو روزانہ تبدیل کر دینا کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے۔ شامیوں کو اپنا مشیر کار بنانا اور اُن کا خیال ہر حال میں مدنظر رکھنا اور جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے مقابلے میں کھڑا ہو تو اُن سے مدد لینا۔ لیکن کامیابی کے بعد اُن کو فوراً واپس بلا لینا کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہیں گے تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔ سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے اور اس میں حسین بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ اور کوئی حریف نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ انھیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہیں اس لئے عامۃ المسلمین کی بیعت کے بعد اُن کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے۔ جو اُن کے ساتھی کریں گے اُس کے وہ بھی پیرو ہو جائیں گے۔ البتہ حسینؓ کی جانب سے خطرہ ہے۔ اُن کو عراق والے تمہارے مقابلے میں لا کر چھوڑیں گے۔ اس لئے جب وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کو اُن پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ تمہارے قرابت دار، بڑے حق دار اور رسول اللہ صلعم کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دے کر

شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اس لئے اگر وہ صلح کریں تو صلح کر لینا ورنہ موقعہ
اور قابو پانے کے بعد اُن کو ہرگز نہ چھوڑنا اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

(یہ وصیت کرکے ۷۸ برس کی عمر میں عرب کا یہ مدبر اعظم ۲۲ رجب ۶۰ھ کو ہمیشہ
کے لئے خاموش ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ یہ وہی تاریخ ہے جس تاریخ کو شیعان علیؓ نے چھپ کر اپنے
گھروں کے اندر گھی کے چراغ جلائے تھے۔ ۲۲ رجب کو کونڈوں کی یادگار یہی ہے۔ م)

# یزید و حسینؓ

## یزید کی تخت نشینی اور حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ

رجب ۶۰ھ میں

میر معاویہؓ کا انتقال ہوا۔ اُن کے بعد یزید (جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے)
ن کا جانشین ہوا۔ تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی یزید کے لئے سب سے اہم معاملہ حضرت حسینؓ
ور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا کیونکہ ان دونوں نے امیر معاویہؓ کے یزید کو نامزد کرتے وقت
ی نہ دل سے یزید کی ولیعہدی تسلیم کی تھی اور نہ زبان سے اس کا اقرار کیا تھا۔ اس کے علاوہ
ن دونوں کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود اُن کی جانب سے دعوئ خلافت سے
ارا حجاز یزید کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو جاتا۔ بالخصوص حسینؓ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش
ہو جاتی، جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعوئ خلافت کے زمانے میں ہوا کہ شام کے بعض
صوں کے سوا قریب پورا ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہوگیا۔ ان وجوہ کی بنا پر سیاسی
نیت سے اپنی حکومت کے بقا اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری

سمجھا۔ گویہ اُس کی ناعاقبت اندیشی تھی۔ اگر وہ عاقبت اندیشی سے کام لے کر ان بزرگوں کو
باتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات نہ پیش آتے جنھوں نے بنی امیہ کی بنیاد ہلادی
رض اُس نے تختِ حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام اِن دونوں سے بیعت
لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ ابھی تک مدینہ میں معاویہؓ کی وفات کی خبر نہ پہونچی تھی۔ ولید اس حکم سے
ہت گھبرایا کیونکہ اُس کے لئے اِس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی اور وہ اِس کے انجام سے واقف
ما۔ اِس لئے اُس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا۔ مروان نہایت سنگدل اور سخت مزاج
ما۔ اُس نے کہا کہ دونوں کو اسی وقت بلا کر بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر مان جائیں تو فبہا اور اگر
اِبھی لیت و لعل کریں تو سر قلم کردو۔ ورنہ اگر ان لوگوں کو معاویہؓ کی موت کی خبر مل گئی تو
ران میں ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اُس وقت
ت دشواری پیش آئے گی۔ اِس مشورے کے بعد ولید نے اِن دونوں کو بلا بھیجا۔
ی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے ملانے کا وقت نہ تھا۔ اس کے علاوہ
معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ آچکی تھیں۔ اِن قیاسات اور قرائن سے دونوں آدمی سمجھ
، کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور انھیں اِس وقت بیعت کے لئے بلایا گیا ہے تا کہ
ویہؓ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے۔ حضرت حسینؓ کو
م تھا کہ اُن کے اِنکارِ بیعت کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کر سکتا
س لئے اپنی حفاظت کا مکمل سامان کر کے ولید کے پاس پہونچے اور مکان کے باہر اپنے
وں کو متعین کر دیا تا کہ مبادا اگر کوئی ناگوار صورت پیش آئی تو وہ لوگ فوراً آپ کی مدد کو
چ جائیں۔ ولید نے انھیں امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کا مطالبہ
سینؓ نے تعزیت کے بعد عذر کیا کہ میرا جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ
ے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے۔ جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی

آجاؤں گا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے اُس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا اس لئے رضامند ہو گیا اور حضرت حسینؓ اُس وقت لوٹ آئے۔ مروان جس نے زبردستی بیعت لینے کی رائے دی تھی اور انکار کی صورت میں قتل کرنے تک پر آمادہ تھا، ولید کی اس صلح پسندی پر بہت برہم ہوا اور کہا کہ تم نے میرا کہنا نہ مانا۔ اب تم اِن پر قابو نہیں پا سکتے۔ ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنت رسولؐ کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرانا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائے گا اُس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔

## محمد بن حنفیہ کا مشورہ

ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسینؓ اور کشمکش میں پڑ گئے۔ آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے کیونکہ اُس کی بیعت خلفائے راشدین کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل برعکس اور غیر شرعی ہوئی تھی اور یہ اسلام میں قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخصی بادشاہی تھی اس لئے حضرت حسینؓ احتجاجاً اس کے خلاف تھے، لیکن دوسری طرف جمہورِ اُمت کے خلاف بھی نہیں جانا چاہتے تھے چنانچہ ولید سے فرما دیا تھا کہ جب تمام اہلِ مدینہ بیعت کرلیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا، تیسرے اہلِ عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور آپ کے پاس اُن کی طرف سے اِس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلے میں خلافت قبول کیجئے۔ غرض ان حالات نے آپ کو سخت کشمکش میں مبتلا کر دیا۔

جس دن حضرت حسینؓ ولید سے ملے تھے اُس کے دوسرے دن عبداللہ بن زبیرؓ مدینے سے مکہ نکل گئے اور دن بھر ولید اور اُن کا عملہ اُن کی تلاش میں سرگرداں رہا، اِس لئے

حضرت حسینؓ کا کسی کو خیال نہ آیا۔ اس کے دوسرے دن ولید نے حضرت حسینؓ کے پاس پھر یاد دہانی کے لئے آدمی بھیجا۔ آپ نے ایک دن کی اور مہلت مانگی۔ ولید نے اسے منظور کر لیا۔ اس کے بعد بھی حضرت حسینؓ کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقربا کو لے کر رات کو نکل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تک طے نہیں کیا تھا کہ مدینے سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں۔ اس پریشانی اور تذبذب کے موقعہ محمد بن حنفیہ نے مشورہ دیا کہ اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادے سے جہاں تک ہو سکے الگ رہیے اور لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجئے۔ اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجماع ہو جائے تو اس سے آپ کے اوصاف و کمالات اور فضائل میں کمی نہ آئے گی۔ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پرشور زمانے میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک فریق آپ کی حمایت میں ہوگا اور دوسرا مخالف۔ پھر یہ دونوں فریق آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ ایسی صورت میں اس امت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جس کا ذاتی اور نسبی شرف میں کوئی مقابل نہیں ہے سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائے گا اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہو جائیگا۔ یہ مشورہ سن کر حضرت حسینؓ نے سوال کیا پھر میں کہاں جاؤں۔ محمد بن حنفیہ نے کہا کہ اگر وہاں آپ کے اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی راستہ پیدا ہو جائے گا اور اگر اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑیوں میں نکل جائیے اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہیئے جب تک ملک کا کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔ اس وقت تک آپ کسی نہ کسی نتیجے پر پہونچ جائیں گے کیونکہ جب واقعات سامنے آجاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہو جاتی ہے اور آپ کا طریقہ کار بہت صحیح ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ نے

محمد بن حنفیہ کا یہ مشورہ پسند کیا اور فرمایا کہ تمہاری یہ نصیحت بہت محبت آمیز ہے۔ تمہاری رائے بھی صائب ہوگی۔

## حضرت حسینؓ کا سفر مکہ اور عبداللہ بن مطیع کا مشورہ

اس وقت مدینہ بہت پرآشوب ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں اگر کہیں امن تھا تو وہ حرم محترم تھا اور حضرت حسینؓ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی چلے آ رہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیے۔ ہم سب جان نثاری کے لئے تیار ہیں۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی اور مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لئے حضرت حسین نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کر لیا چنانچہ شعبان ۶۰ھ میں مع اہل و عیال مکہ روانہ ہوگئے۔ راستے میں عبداللہ بن مطیع ملے۔ انھوں نے آپ کو مع اہل و عیال مدینے سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ میں آپ پر فدا ہوں، کہاں کا قصد ہے۔ فرمایا فی الحال مکہ جا تا ہوں۔ عبداللہ نے کہا خیر، مگر کوفہ کا قصد نہ کیجئے۔ وہ منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے والد شہید کئے گئے۔ آپ کے بھائی بے یار و مددگار چھوڑے گئے، نیزے سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاتے بچی۔ آپ حرم میں بیٹھ جائیے۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ عراقی آپ کے مقابلے میں کسی کو نہ مانیں گے۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے۔ میرے چچا اور ماموں آپ پر فدا ہوں۔ آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا۔ اگر نصیب دشمناں آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائیں گے۔

ان مشوروں کے بعد ہوا وہی جو ہونا تھا۔ حضرت حسینؓ نے کسی کا کہنا نہیں مانا۔ کوفیوں کے خطوط پا کر بال بچوں اور گھر والوں کو لے کر چل دئے۔ کربلا کے مقام پر یزید کی فوجوں نے آپ کو گھیر لیا اور محرم کی ۹ تاریخ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ایم. صلاح الدین. ایم اے)

میری خالہ زاد بہن شہلا بھی خاصی چنچل تھی۔ جب دیکھئے ہنسی مذاق۔ جب دیکھئے قہقہے اور چہچہے۔ ہر وقت بلبل کی طرح پھدکتی رہتی۔ سوتے میں وہ کیسے شانت اور پرسکون رہتی تھی۔ اسی پر مجھے بلکہ اُس کی تمام سہیلیوں میں سبھوں کو تعجب تھا۔ لطیفے کہنا تو ارے توبہ لطیفے گڑھنا تو اس کی ہابی تھی۔ اس قدر لطیفے گڑھتی اور گڑھ کر دوسروں کے قہقہوں کا انتظار کئے بنا خود اپنے قہقہوں کے سیلاب میں بہہ جاتی کہ مت پوچھئے۔ ایک روز جب میں نے پوچھا "اچھا بابل تم نے یہ لطیفہ تو گڑھا اور ہم تمہیں خوش کرنے کے لئے ہنس بھی خوب لئے .....،، قبل اس کے کہ میرا جملہ پورا ہوتا۔ چمک کر ہی نہیں چٹک کر بولی " مجھے خوش کرنے کے لئے ؟ کیوں کیا تم اس لطیفہ پر آپ نہیں ہنسیں ؟"

میں سمجھ گئی کہ اب اس سے جان چھڑانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ اب ہر قہقہوں کے بعد بھاشن کا دورہ پڑے گا اور یہ کسی ماہر پیشہ ور خطیب کی طرح ہمیں ...ن میں لیکچر پلائے گی .... پلائے گی۔ یہاں تک کہ ہم بیزار ہو کر جمائیاں لینی شروع ...ں گے۔ مگر تو بھی کا ہے کو یہ باز آئے گی۔ ہماری جمائیوں سے بالکل بے پرواہ ...سلسلہ بھاشن جاری رکھے گی۔ حالانکہ ہم آپ میں سے کوئی بھی اس توہین پر نہ صرف ...ہ کر اپنا بھاشن منقطع کر دے بلکہ سرے سے بات چیت ہی ایک آدھ گھنٹہ کے لئے

نہیں۔ مہینوں بلکہ ہمیشہ کے لئے بند کردے مگر یہ تو اس قدر چکنا گھڑا یا بہ لحاظ جنس چکنی صراحی واقع ہوئی تھی کہ ہم جماہیوں پر جماہیاں لے رہی تھیں۔ مگر اس کا بھاشن بند ہونا تو درکنار ٹھٹھے مار مار کر ہم لوگوں کو بیدار رہنے پر مجبور کردیتی۔ ہم لوگوں کے پاس اس کے لیکچر سے فرار کی شکل یہی ہوتی کہ ہم ٹھٹھوں کی پروا کئے بنا نہایت استقلال اور پامردی سے جماہیاں ہی لیتیں بلکہ باضابطہ سو بھی جاتیں اس پر بھی اس مردی کی خودداری اور غیرت کو ٹھیس نہ لگتی۔ برخلاف اس کے وہ بھی نہایت صبر و سکون کے ساتھ صراحی کا سارا پانی ہم پر انڈیل دیتی پھر ردعمل کے طور پر جس قدر بھی ہم اس پر گرجتے یا برستے وہ اُن کا نوٹس لئے بنا اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتی۔ ایک دن کہنے لگی ..... " تو دیکھتی ہو نا مجھ جیسی لطیفہ گو کوئی دوسری نہیں ...... داد دو کہ ایک سے ایک لطیفہ سناتی ہوں مگر تم لوگوں سے ان کا معاوضہ تک نہیں لیتی وہ تو میں قسمت کی ہیٹی واقع ہوئی ہوں ورنہ شہنشاہ ہند اکبر کے عہد حکومت میں پیدا ہوئی ہوتی تو نورتنوں میں ایک میں بھی..... "

" اوہ ہوری بیچاری ...... مگر تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ نورتنوں میں کوئی وکینسی نہیں تھی۔ یعنی ۹ کے ۹ عہدے پُر تھے "

" اجی کیا عجب تھا کہ بیربل یا ملا دوپیازہ کے مقام پر مجھے بحال کر لیا جاتا "

جل کر بولی: " اور نام کیا ہوتا تمہارا۔ ذرا یہ بھی تو سنوں "

" شاید ان کا نام کھسل رانی یا ملا تین پیازہ ہوتا "

نسرین نے چٹکی لی۔

" ضرور یہی نام ہوتا اور ماشاء اللہ جنس کے اعتبار سے موزوں بھی خوب رہتا ...... مگر ایک بات کہوں گی بی کھسل رانی تمہارے لطیفے سب مال مسروقہ ہوتے کیونکہ تمہارے لطیفے میں کسی نہ کسی رسالہ یا کتاب میں پڑھ چکی ہوں " ناہید نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور پڑھی ہوگی۔ میں کوئی لطیفہ چرا چھپا کر تھوڑی رکھتی ہوں۔ کسی نے سُن لیا ہوگا اور چھاپ دیا اپنا نام۔۔۔"

شہرت کمالی۔۔۔۔۔" اس نے جواب دیا۔ بس کیا تھا۔ اس کی اس بات پر غدر ہی تو ہوگیا۔ ہم سبھی سہیلیاں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اسے نوچ کھسوٹ کر بالکل نیم جان کر کے ہی چھوڑا مگر واہ ری بی کٹھل اس تمام دوران میں وہ ہنستی اور کھلکھلاتی ہی رہی۔ ناچار کھسیانی ہو کر ہم سہیلیاں ہی ہانپتی کانپتی ہوئی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکی ہوں۔ وہ میری خالہ زاد بہن تھی اور تعلیم کے سلسلے میں ہمارے ہاں ہی مقیم تھی۔ کیونکہ میری خالہ ایک دور افتادہ دیہات میں رہتی تھیں جہاں کوئی ہائی اسکول نہ تھا۔ اور موجودہ دور میں تو جب تک ایک لادینی تعلیمی [ادارے] سے کوئی تعلیمی سند نہ حاصل کر لی جائے ہم لڑکیاں تعلیم یافتہ متصور نہ کی جائیں [خو]اہ خانگی طور پر ہم دینی نیز دیگر مروجہ علوم سے کتنی ہی مرصّع کیوں نہ ہوں۔ یہی [وجہ تھی] کہ جس شہر میں ابا جان ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ اس میں ایک [لڑکیوں کا] ہائی اسکول تھا۔ ورنہ کیا عجب کہ ہمیں اس زیور تعلیم سے مزین ہونے کے [لیے سر]کاری گرلس اسکول یا اگر وہ بھی موجود نہ ہوتا تو پھر مخلوط تعلیم کے ہائی اسکول میں ہمیں [تعلیم یا]فتہ ہونے کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا ورنہ پھر ہماری شادی [بیاہ] یا دی کا مسئلہ حل نہ ہوتا اور ہمارے خاندان والوں کی ہاتھیوں جیسی لمبی ناک کٹ کر [...] مینڈک جیسی ناک رہ جاتی۔ ہاں تو آمدم برسر مطلب۔ میری خالہ زاد بہن شہلا [ہمار]ے ہاں رہتی تھی۔ ہم دونوں ایک ہی کلاس درجہ دہم کی طالبہ تھیں۔ شہلا جیسا کہ آپ [نے م]لاحظہ فرمایا بہت ہی۔ ہنسوڑ، کھلواڑا اور بے باک واقع ہوئی تھی۔ سنجیدگی اور متانت [تو اسے چھو]تک نہیں گئی تھی اور حق تو یہ ہے کہ اس کی یہ بشاشت؛ اس کی لطیفہ گوئی ہم

کولپسند بھی تھی۔ بلکہ بسا اوقات میں اور دوسری سہیلیاں اُس کی اس صفت پر رشک بھی کرتی تھیں اور یہی خواہش تھی کہ ہم بھی اس جیسی ہو جائیں اس سانچے میں ڈھل جائیں مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

دن اس طرح لطیفوں اور قہقہوں میں گذر رہے تھے کہ دفعتاً اس کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ یوں کوئی خاص بات نہ ہوئی مگر اس کے سلسلے میں تو یہ واقعی ایک انقلاب ہی ہو گیا تھا۔ یعنی اس کے قہقہے معقود ہو گئے اور چہکتی بلبل یکایک خاموش اور سنجیدہ بن گئی۔ ہم تمام سہیلیاں اس کی اس تبدیلی پر بے حد حیران تھیں۔ بلکہ مجھے تو بالخصوص افسوس بھی ہو رہا تھا کہ آخر اس کے قہقہوں کو کیا ہو گیا۔ ہم نے لاکھ اس کا سبب اس سے پوچھا لیکن وہ صرف مسکرا کر ٹال دیتی۔ کہتی تو صرف اس قدر کہ

"نہیں کوئی خاص بات نہیں . . . . یونہی جی نہیں چاہتا۔"

امی نے تو اُسے ایک لیڈی ڈاکٹر کو بھی دکھایا جس نے اُسے خوب ٹھونک بجا کر دیکھنے کے بعد فیصلہ صادر کر دیا "اسے کوئی مرض نہیں" یوں آپ اسے یہ ٹانک دے سکتی ہیں یہ آخر اسے اپنی فیس کے جواز کے لئے کوئی نسخہ تو لکھنا ہی تھا۔

اب شہلا زیادہ تر اپنی تعلیم سے مطلب رکھتی۔ فضول گوئی یا قہقہہ بازی داستانِ پارینہ بن چکی تھی۔

اغلباً تو آپ کا خیال ہوگا کہ ہم نے تھک ہار کر اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہوگا۔ نہیں جناب بالکل ایسی بات نہ تھی ہم ہمیشہ اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ کس طرح اس راز کو جانیں جس نے اسے ایک دم سے بلبل ہزار داستان سے سنجیدہ اور پُر وقار بڑی بی میں تبدیل کر دیا تھا۔

بالآخر ہم تینوں سہیلیوں نے سی بی آئی کا فریضہ انجام دینے کی ٹھانی۔ اور ایک

دن طے شدہ پروگرام کے تحت اس کی غیر موجودگی میں گھر چلی آئیں جُسن اتفاق سے امی بھی کسی پڑوسن سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ ابا جان تو خیر سے دفتر ہی میں تھے۔ میرا چھوٹا بھائی ببلو آنگن میں کھیل رہا تھا۔ پہلے تو سوچا گیا کہ اسے کھیلنے ہی دیا جائے لیکن پھر یہ فیصلہ ہوا کہ نہیں اُسے غیر جانبدار اقوام کے صف سے نکال کر اپنے صف میں ملا لیا جائے۔ اور اس طرح اُس سے پہرہ دار کی خدمات لی جائیں۔ اسے فیاضی سے ہم نے ٹافیاں دیں اور صدر دروازہ پر تعینات کر ہم سی۔ بی۔ آئی کے کام میں جُٹ گئے۔ اس کی کتابیں، کاپیاں ٹیبل کے دراز وغیرہ سبھی چھان مارے گئے۔ کہیں کچھ نہ ملا تو اس کے ٹرنک کو کھولنے کی ٹھہرائی۔ خوش قسمتی سے دراز میں اس کے ٹرنک کی چابی ملی۔ ٹرنک کھول کر ایک ایک کپڑے کو جھاڑا گیا۔ پھر کپڑوں کے نیچے کاغذ کو اٹھا کر دیکھا تو ایک انشر دلیشی برآمد ہوا۔ یہ اس کے منگیتر مسعود کا تھا جو ابا جان کی معرفت دفتر کے پتہ پر آیا تھا۔ ہم تینوں نے ہر چہار طرف دیکھ کر اطمینان کرنے کے بعد دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ خط پڑھا جس کے آخری سطور تھے :

" مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ تم بہت قہقہے لگاتی ہو۔ اس سلسلے میں میں تمہیں اور کچھ نہیں کہوں گا۔ صرف اس حدیث کا حوالہ دوں گا جس میں حضورؐ نے اپنی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کو اپنی سہیلیوں کے ساتھ قہقہے لگانے پر فہمائش کرتے ہوئے کہا تھا ۔۔۔ "اے بیٹی فاطمہ! تم اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تمہارا باپ (پیغمبرؐ) ہے تو تم میدان حشر میں بخش دی جاؤ گی ۔ وہاں ہر فرد کو اپنے اعمال کا خود جواب دینا ہوگا۔"

ہم تینوں سہیلیوں کو شہلا کی دفعتاً سنجیدگی کا راز سمجھ میں آچکا تھا ●●

# سرسید کا ایک سبق آموز واقعہ

بہ زبان حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بحوالہ تہذیب الاخلاق علیگڑھ

سرسیدؒ کا ایک واقعہ عجیب و غریب ہے ؎

ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھا کیا سوجھی کہ ایک بہت بڑے انگریز افسر کے پاس پہونچا اور کہا کہ میں سرسید صاحب کا داماد ہوں۔ مجھ کو ملازمت کی ضرورت ہے۔ وہ انگریز بہت خاطر سے پیش آیا اور کہا کہ آپ ٹھہریں۔ اُس کو ٹھہرا کر اس کی لاعلمی میں ایک تار سرسید کو دیا کہ فلاں شخص اس نام کا ہمارے پاس ملازمت کے خیال سے آیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کا داماد کہتا ہے۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ جواب میں سرسید نے اس انگریز کو لکھا کہ بالکل صحیح ہے ضرور آپ ملازمت کے لئے کوشش فرمادیں۔ میں آپکا ممنون ہونگا۔ اور اس شخص کو ملازمت مل گئی۔

ایک روز اتفاقاً اس انگریز نے اس شخص سے یہ واقعہ (سرسید صاحب سے تحقیقِ حال کا) بیان کردیا۔ یہ بہت ہی شرمندہ ہوا اور کچھ عرصے کے بعد یہ شخص علی گڑھ آیا۔ سرسید صاحب سے معافی کی درخواست کی اور کہا کہ میں وہی ہوں جس نے اپنے آپ کو آپ کا داماد بتا کر ملازمت حاصل کی ہے۔ یہ گستاخی ہوئی، گو یہ گستاخی بضرورت تھی۔

سرسید صاحب نے جواب دیا کہ گو یہ بات اس وقت غلط تھی مگر اب صحیح ہو جائیگی۔ داماد کہتے ہیں بیٹی کے شوہر کو۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ میری بیٹی آپ کی بیوی ہوتی سو یہ تو نہیں ہوسکتا مگر دوسری صورت ممکن ہے کہ آپکی بیوی کو میں اپنی بیٹی بنالوں۔ سو آپکی بیوی کو میں اپنی بیٹی بناتا ہوں۔ وہ میری بیٹی، میں اُس کا باپ۔ یہ توجیہہ وقتی ہی نہ تھی بلکہ تازندگی باپ بیٹی اور داماد کا سا برتاؤ رکھا۔ بلانا، لینا، دینا سب اسی طرح رکھا۔ (مرسلہ۔ بشارت حسن ہاشمی ہمت حیدرآباد)

(تشریحات مودودی)　　(مرسلہ۔ ساجدہ فرزانہ)

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ بِہٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ ط

---

پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ (التوبہ)

---

تشریح :۔ متن میں لفظ "جرف" استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق عربی زبان میں کسی ندی یا دریا کے اس کنارے پر ہوتا ہے جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کاٹ کاٹ کر بہا دیا ہو اور اوپر کا حصہ بے سہارا کھڑا ہو۔ جو آگ اپنے عمل کی بنیاد خدا سے بے خوفی اور اس کی رضا سے بے نیازی پر رکھتے ہیں ان کی تعمیر حیات کو یہاں اس عمارت سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایسے ایک کھوکھلے بے ثبات کنارۂ دریا پر اٹھائی گئی ہو۔ یہ ایک بے نظیر تشبیہہ ہے جس سے بہتر طریقے سے اس صورت حال کی نقشہ کشی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی پوری معنویت ذہن نشین

کرنے کے لئے یوں سمجھئے کہ دنیوی زندگی کی وہ ظاہری سطح جس پر مومن منافق، کافر، صالح فاجر، غرض تمام انسان کام کرتے ہیں۔ مٹی کی اس اوپری تہہ کے مانند ہے جس پر دنیا میں ساری عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ تہہ اپنے اندر خود کوئی پائیداری نہیں رکھتی بلکہ اس کی پائیداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے ٹھوس زمین موجود ہو۔ اگر کوئی تہہ ایسی ہو جس کے نیچے کی زمین کسی چیز، مثلاً دریا کے پانی سے کٹ چکی ہو تو جو ناواقف انسان اس کی ظاہری حالت سے دھوکا کھا کر اس پر اپنا مکان بنائے گا اسے وہ اس کے مکان سمیت لے بیٹھے گی اور وہ نہ صرف خود ہلاک ہوگا بلکہ اس ناپائیدار بنیاد پر اعتماد کرکے اپنا جو کچھ سرمایۂ زندگی وہ اس عمارت میں جمع کرلے گا۔ وہ بھی برباد ہو جائے گا۔ بالکل اسی مثال کے مطابق حیات دنیا کی وہ ظاہری سطح بھی جس پر ہم سب اپنے کارنامۂ زندگی کی عمارت اٹھاتے ہیں، بجائے خود کوئی ثبات و قرار نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کی مضبوطی و پائیداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے خدا کے خوف۔ اس کے حضور جوابدہی کے احساس اور اس کی مرضی کے اتباع کی ٹھوس چٹان موجود ہو جو نادان آدمی محض حیات دنیا کے ظاہری پہلو پر اعتماد کرلیتا ہے اور دنیا میں خدا سے بے خوف اور اس کی رضا سے بے پروا ہو کر کام کرتا ہے وہ دراصل خود اپنی تعمیر زندگی کے نیچے سے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور اس کا آخری انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بے بنیادی سطح جس پر اس نے اپنی عمر بھر کا سرمایۂ عمل جمع کیا ہے۔ ایک دن یکایک گر جائے اور اسے اس کے پورے سرمایہ سمیت لے بیٹھے۔

(خدیجہ بی بی۔ مریال گوڑہ)

گنہگار وہ ہیں جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں مبتلا رہیں گے۔ خدائے پاک نے جو نہایت ہی رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ اپنے بندوں کو ایسی تمام چیزوں سے منع کیا ہے جو انسان اور انسانیت کو تباہ کرنے والی ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان گناہوں اور عیاشیوں میں مبتلا ہو کر اس مقصد کو کھو دے، جس مقصد کے لئے اُسے اشرف المخلوق بنا کر بھیجا گیا۔ گنہگار کے لئے دنیاوی عذاب ہیں۔ بدنامی۔ ذلت، رسوائی اور بے اطمینانی۔ پھر آخرت کا دائمی عذاب۔ اس طرح دونوں جہاں میں ناکام۔ ناکام۔ ناکام۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام چیزوں کی پہچان کرادی ہے کہ ان چیزوں سے بچ کر رہو تو دونوں جہاں میں فلاح پاؤ گے۔ یعنی منکرات و فواحش سے بچ کر رہو گے تو انسان کا اپنا فائدہ ہے۔

## منکرات اور فواحش

(۱) خدائی میں یا خدا کی صفتوں میں کسی اور کو شریک کرنا۔

(۲) فحش اور بے حیائی کی باتیں، چاہے چھپی ہوئی ہوں یا عیاں ہوں۔

(۳) بلا وجہ کسی پر ظلم و زیادتی کرنا۔
(۴) فساد برپا کرنا۔
(۵) اپنے طور پر کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینا۔
(۶) ایسے کام کرنا جس سے دوسروں کو نقصان ہو چاہے تھوڑا ہو یا بہت۔
(۷) ناجائز کمائی یا ناجائز طور پر آئی ہوئی چیز۔
(۸) اللہ کے متعلق اٹکل پچو باتیں لگانا۔
(۹) سودی لین دین، شراب پینا وغیرہ وغیرہ

## فاقہ کا علاج

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علالت کے دوران حضرت عثمانؓ بن عفان عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ پوچھا۔ آپ کو کیا شکوہ ہے؟ جواب دیا اپنے گناہوں کا۔ دریافت کیا خواہش کیا ہے، فرمایا اپنے رب کی رحمت کی۔ پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب ہی نے تو بیماری میں ڈالا ہے۔ فرمایا کچھ مال بھیجدوں؟ فرمایا مجھے مال کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔ فرمایا کیا میرے بچوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے۔ سنئے، میں نے اپنی لڑکیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں۔

فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص رات کو سونے سے پہلے سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے ہرگز فاقہ نہیں پہنچے گا۔ (ابن عساکر)

نوٹ فرمالیں: خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری یا نمبر ایجنسی ضرور لکھ دیا کریں۔ مینجر

۱

برادر محترم و مکرم بھائی مائل صاحب! السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

سب سے پہلے میں آپ کی معلومات کی خاطر اپنا تھوڑا سا تعارف پیش کر دوں ۔ میں جماعت اسلامی شہر حیدر آباد کی رکن ہوں ۔ مجھے جماعت نے حلقۂ طالبات کی ناظمہ مقرر کیا ہے۔ ابھی چند دن پہلے حلقۂ طالبات کی ایک ذمہ دار طالبہ عائفہ الٰہی نے حلقہ طالبات جماعت اسلامی شہر حیدر آباد کی کارکردگی کے متعلق آپ کو بذریعہ خط آگاہ کیا تھا۔ آپ نے اس طالبہ کی ہمت افزائی فرمائی تو ہمیں خیال ہوا کہ تحریک اسلامی کی جدوجہد میں شہر حیدر آباد کی اسلام پسند لڑکیاں جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں اگر قابل تحسین ہے تو کیوں نہ اس کو آپ کے مقبول ماہنامے 'حجاب' کے ذریعہ عام کیا جائے۔ شاید اس طرح دوسروں کی ہمت بڑھے۔ ایسے مقامات پر جہاں انفرادی کوششیں ہو رہی ہوں یا جہاں اسلام پسند لڑکیاں صرف سوچ کر رہ جاتی ہوں، ان سے ہمارے حلقہ طالبات کے روابط قائم ہوں۔ انکی ہمت افزائی ہو۔ غرض یہ کہ ماہنامہ حجاب ہمارے حلقہ طالبات کا قیمتی سرمایہ ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ اس ماہنامے سے ہمیں بڑی مدد ملتی ہے۔

ابھی 'الجھنوں کے گرفتار' پڑھ کر دل میں کسک بڑھ گئی۔ اللہ کی کتنی بندیاں کیسی کیسی

پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہیں۔ ہمیں بھی آئے دن طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا اور پھر اُن کا حل نکالنا پڑتا ہے۔ محض اللہ میاں فضل فرماتے ہیں کہ محبت، دل سوزی اور دلچسپی سے اپنی بہنوں کی چھوٹی بڑی الجھنیں صاف کرنے کی راہ سمجھا دیتے ہیں، ورنہ ہم کون سی ماہر نفسیات ہیں۔ اپنی گھر گرہستی میں رہتیں تو زندگی گزر ہی جاتی۔ اِن بچیوں نے ٹوٹ کے پیار کیا۔ محبت دی۔ ہمت بڑھی۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان بچیوں نے جو بہترین قسم کے مباحثے اور تقاریر کی ہیں، یکے بعد دیگرے شائع کروائیں...... بشرط گنجائش۔

میں اور میرے شوہر رکن جماعت اسلامی کیسے بنے یہ بھی لکھنے کا ارادہ ہے۔ ہم لوگ سابق رکن جماعت جناب سید عبدالقادر صاحب کے رشتہ دار ہیں جن سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ فی الحال میں اپنی رپورٹ کی نقل روانہ کر رہی ہوں۔ اس کو آپ شائع فرما دیں اور آئندہ کے لئے رہنمائی فرما دیں۔ جزاکم اللہ۔

طالب دعا: عصمت ناہید، ناظمہ حلقہ طالبات حیدرآباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ:-

معزز مہمان و محترم ماؤں، عزیز بہنو، پیاری بیٹیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اِس مقام پر جُڑنے اور مِل بیٹھنے کا موقع عطا فرمایا اور حلقہ طالبات کے تیسرے سالانہ اجتماع کو اتنے بڑے پیمانے پر منعقد کرنے کی توفیق اور سہولتیں عطا کیں۔ جہاں ہم خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں وہیں ہادیٔ برحق حضرت

محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا بھی کبھی بھول نہیں سکتے۔ خصوصاً ہم خواتین و طالبات پر آپؐ کا بڑا احسان ہے۔ ضلالت سے نکال کر عزت عطا کی۔ آئیے خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک کے فرمان کے مطابق اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ پڑھیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں تیسرے سالانہ اجتماع حلقہ طالبات کے عنوان سے ہی یہ پتہ چل رہا ہے کہ حلقہ طالبات جماعت اسلامی کو شہر حیدر آباد کی سطح پر منظم ہوئے تقریباً تین سال کا عرصہ ہو رہا ہے لیکن ہم اس پر رب العالمین کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اپنی اتنی تھوڑی مدت میں یہ درخت کافی اونچا اور تناور ہو چکا ہے۔ اس کی ۲۲ شاخیں، ۵، پھول اور پھل اور سیکڑوں پتے نکل آئے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس شجر سایہ دار کو مزید مضبوط اور گھنی چھاؤں والا بنا دے۔

محترم خواتین! اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جماعت اسلامی شہر حیدر آباد میں مرد اور خواتین کام کر رہے ہیں وہیں حلقہ خواتین کی زیر نگرانی پالیسی پروگرام کی روشنی میں منطقہ سعید آباد میں ۱۹۷۷ء میں حلقہ طالبات کا انعقاد عمل میں آیا۔ لیکن اپریل ۱۹۸۰ء میں شہر حیدر آباد کی اساس پر اس کو پھیلایا گیا۔ مجھ ناچیز کو حلقہ طالبات کی ذمہ داری سونپی گئی۔ میں نے اپنے آپ کو اس کا قابل اور اہل نہیں سمجھا۔ جیسے ہی ذمہ داری ملی میں نے اس معاملے کو اللہ کے سامنے رکھ دیا اور گڑگڑا کر پکارا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ کونوا انصار اللہ کا ثبوت آپ تمام کے سامنے ہے۔ مجھے خدائے رب العزت سے قوی امید ہے کہ ہمارا حلقہ طالبات ترقی کرتا ہی رہے گا۔ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی　　افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا　　سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

۸ جون ۱۹۸۰ء کو ایک سالانہ اجتماع محلہ کرما گوڑہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ الحمد للہ کامیاب رہا۔ دوسرا سالانہ اجتماع بھی وہیں رکھا گیا۔ ماشاء اللہ یہ بھی کامیاب رہا اور آج کامیابی مجسم بن کر تیسرے سالانہ اجتماع کی شکل میں نظر آرہا ہے۔

محترم خواتین اور عزیز بچیو! جماعت اسلامی ایک تحریک ہے، ایک غیر فرقہ وارانہ اور اصولی تنظیم ہے۔ اس کا پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام ہے۔ یہ امت وسط کا گروہ ہے جہاں افراط و تفریط نہیں۔ جماعت اسلامی کا نصب العین اقامت دین ہے۔ یہ نصب العین انبیائی نصب العین ہے۔ یہ تحریک انبیائی تحریک ہے۔ حضور اکرمؐ پر سلسلۂ نبوت ختم ہوا اور آج آپؐ کی امت پر دعوت کی بھاری ذمہ داری ہے۔ کلام الٰہی کے مطابق اقیموا الدین ولا تتفرقوا۔ کا آپؐ کے صحابہؓ نے عملی نمونہ پیش کیا اور بہترین سبق دیا۔ قرآن، حضورؐ کی سنت، صحابہ و صحابیات کی طرز زندگی حلقہ طالبات کا نصب العین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو کام قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔

شہر حیدرآباد کے ۲۲ محلوں میں حلقۂ طالبات کی شاخیں قائم ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ پنجہ گٹہ | ۲۔ احمد نگر | ۳۔ سید علی گوڑہ | ۴۔ ملے پلی |
| ۵۔ رام کوٹ | ۶۔ گولکنڈہ | ۷۔ گلاب سنگھ باؤلی | ۸۔ ہمت پورہ |
| ۹۔ قدیم ملک پیٹ | ۱۰۔ کاچی گوڑہ | ۱۱۔ چینچل گوڑہ | ۱۲۔ کرما گورہ |
| ۱۳۔ نارتھ لالہ گوڑہ | ۱۴۔ مادنا پیٹ | ۱۵۔ بانو نگر | ۱۶۔ بابو نگر |
| ۱۷۔ اکبر باغ | ۱۸۔ صرف خاص پلٹن | ۱۹۔ موسیٰ رام باغ | ۲۰۔ پھل بندہ |
| ۲۱۔ جہاں آرا باغ | ۲۲۔ دال منڈی | | |

ان محلوں میں ہم نے ایک ایک مقامی سرگرم لڑکی کو ناظمہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں بحیثیت معاون ناظمہ مقرر کیں۔ اس طرح ۲۲ ناظمات، ۴۴ معاون ناظمات، نظم کو سمجھ کر بنادیں

شرکت اور پروگرام میں حصہ لینے والی ماہانہ انفرادی رپورٹ سنانے والی طالبات ۱۵۰ ۔ صرف شرکت کرنے والی طالبات ۲۰۰ ۔ اِس طرح حلقہ طالبات کی اٹوٹ کڑیاں چار سو ہیں۔ الحمدللہ۔

طالبات کی تربیت کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے:۔ انھیں دینی تعلیم و مطالعہ کے لئے اُبھارا جاتا ہے۔ اجتماعات ماہانہ جو تربیتی کلاس کی نوعیت رکھتے ہیں اُن کے پروگرام میں درس قرآن، درس حدیث کے ساتھ منتخب مضامین کے عنوان پر امہات المومنینؓ کے واقعات سوانح، سیرت صحابہؓ و صحابیاتؓ، اولیاء اللہ، فقہاء دین، علمائے دین وغیرہم کے واقعات سوانح وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ اس تمام کارروائی کو خود طالبات چلاتی ہیں۔ ان اجتماعات میں اِس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ مہینے کی مناسبت سے طالبات مطالعہ کریں، محنت کریں۔ تاریخ کے اَوراق پلٹیں۔ اسلامی تاریخ کے اَوراق میں عزیمت کے پیکروں کو تلاش کریں اور پھر اس کا لب لباب اپنے پروگرام میں پیش کریں۔ اور پھر اس پروگرام کا مغز یا عطر یا پھر cream کہیئے وہ ہوتی ہے اُن کی اپنی ذاتی محاسبہ والی ماہانہ انفرادی رپورٹ جس کا انداز کچھ یوں مرتب کیا گیا ہے:

(۱) فرض نمازوں کو پابندی سے وقت پر ادا کرنا۔

(۲) تلاوت کلام مجید ناظرہ روزانہ جتنا ہو سکے لیکن ترجمانی و تشریح کے ساتھ روزانہ دو آیتیں لازمی۔

(۳) مطالعہ حدیث روزانہ ایک متن و معنیٰ کے ساتھ۔

(۴) دینی لٹریچر کا مطالعہ، فحش لٹریچر سے اجتناب۔ آپ جانتی ہیں کہ عریاں تصاویر والی کتاب، رسالے اور گندے و بیہودہ افسانے اور ناول ہماری لڑکیوں کے لئے کس طرح سم قاتل ثابت ہو رہے ہیں۔ ہم اپنی ان معصوم سی بچیوں کو اس خطرے سے آگاہ کر کے اس زہر سے بچانا اور امرت سے واقف کرا کے اس کی عادی

بنانا چاہتے ہیں۔ الحمدللہ ہماری بچیاں اس پر عبور حاصل کر چکی ہیں۔

⑤ خدمت خلق:۔ انھیں بتایا جاتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ اُن پر حقوق العباد کی ذمہ داری بھی ہے۔ خدمت خلق کے دائرۂ عمل میں نمایاں حیثیت کے لوگ یہ ہیں:۔

ماں، باپ، بھائی، بہن، رشتہ دار، ماں باپ کے دوست وغیرہ۔

⑥ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی اُبھارا جاتا ہے۔ ہم ان طالبات کو دامے درمے سخنے کچھ کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔ خالی عربی ہٹاؤ کے نعرے کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کام کے لئے اسلام ایک جامع تشکل پیش کرتا ہے۔ ہم اسی کلیہ شکل پر نسلوں کو تیار کرتے ہیں جس سے کامیابی یقینی ہوگی۔ انھیں بتایا جاتا ہے:۔ اِنَّ المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین ط وَکانَ الشیطٰن لربہٖ کفورا ○ (فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے)۔

آئیے معاشرے کی اس گھناؤنی تصویر کی پردہ کشائی کریں جس کی تعلیم و تربیت یہ معاشرہ دے رہا ہے۔ مجھے پھر یہاں اقبال علیہ یاد آ رہے ہیں ؎

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد — بیاموز از نگہ غارت گری ہا
ضمیر عصر حاضر بے نقاب است — کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نور حق بیاموز — کہ او با صد تجلی در حجاب است

معاشرے کی ان تمام خرابیوں کی نشاندہی کر کے جو غیر محسوس طور پر عام ہو چکی ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، فضول گفتگو، غیر ساتر لباس، بے پردگی، سینما بینی، فلمی بیہودہ گانے وغیرہ، ان تمام سے بچنے اور بچانے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ یہ آخری پوائنٹ ہوتا ہے اس رپورٹ کا۔ آج سینما بینی اور بے پردگی نے مشرق کی عورت کو بھی اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے

جہاں سے مغرب کی خواتین چلاّ چلا کر کہہ رہی ہیں کہ تمہارے ہاں تو بہترین، پاکیزہ اور جامع دین تھا۔ تم نے اس غلاظت اور تعفن کو کیوں اپنایا جس میں ہم ڈوب چکی ہیں، برباد ہو چکی ہیں تمہارے پاس تو نمونے ہیں بی بی فاطمہؓ، بی بی عائشہؓ، بی بی خدیجہؓ، بی بی سمیہؓ، بی بی زینبؓ کے۔ آج سے چودہ سو سال قبل بعثت نبوی سے بہت پہلے عرب کی سرزمین پر دورِ جہالت میں لڑکیوں کے بدن دفن کر دئے جاتے تھے لیکن آج تہذیب جدید میں اُن کی روحوں کو دفن کیا جارہا ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی یہ صناعی نہیں جھوٹے نگوں ریزہ کاری ہے

اُن کے اندر داعیانہ کردار پیدا کرنے کے لئے اُن کی اجتماعات میں حاضری اور حصہ لینے کو لازم قرار دیا جاتا ہے تاکہ اُن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات میں ڈھلتی چلی جائیں اور وہ اسلام کا عظیم پیکر بن جائیں۔ کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھ کر مل جل کر کام کریں۔ اُونچ نیچ، ذات پات، رنگ و نسل، وطن ان تمام عصبیتوں سے انھیں چھٹکارا دلایا جاتا ہے۔ غیر شرعی اور مسرفانہ رسومات، شرک و بدعات سے اُن کی زندگی کو پاک کیا جاتا ہے۔ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنایا جاتا ہے۔ بھائی چارگی و پیار کو عام کیا جاتا ہے۔ کوشش اس بات کی بھی کیجاتی ہے کہ انھیں فکر ہو کہ مختلف جماعتیں اور مکاتیب فکر ایک دوسرے کے قریب آجائیں۔ ایک ہو کر اسلام کے لئے کام کریں۔

غیر مسلم لڑکیوں میں بھی دعوت کا کام کتابوں کی فراہمی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان تمام تربیتی پہلوؤں کے پیش نظر ہم نے نہ صرف ماہانہ اجتماعات منعقد کئے بلکہ بچوں کی محفلیں بھی ترتیب دی ہیں۔ نیز مختلف محلوں میں گھریلو مکاتیب کے نام سے قرآن کو صحت و تجوید کے ساتھ پڑھانے کے مراکز بھی قائم کئے ہیں جو زیر نگرانی حلقہ خواتین ہوتے ہیں۔ طالبات استفادہ کرتی ہیں۔ لائبریری

اَور سلائی سینٹر سے بھی یہ استفادہ کرتی ہیں ۔ اَور ان اداروں میں طالبات خود کام انجام دیتی ہیں۔

محترم خواتین! ہماری یہ تین سالہ رپورٹ جو پیش کی گئی یہ کمزور انسان کی حقیر کوشش ہے۔ اللہ اس کو قبول کرے ۔ ہمارا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے ۔ ہمیں اس مقصد میں کامیابی ہو ۔ جو خامیاں ہمارے کام میں ہیں خدائے بزرگ و برتر ان کو معاف کرے ۔ دعوت و تبلیغ میں صبر اَور استقامت عطا کرے ۔ اپنی نصرت سے نوازے ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

عصمت ناہید

محترم مائل خیرآبادی صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔

مجھے عائکہ بصری کہتے ہیں ۔ Inter B.C کی طالبہ ہوں اور ساتھ ہی جماعتِ اسلامی حلقہ طالبات شہر حیدرآباد میں حلقہ "ملے پلی" کی ناظمہ بھی ہوں۔

محترمی! میرے خیال میں تو آپ یہ جانتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی حلقہ خواتین کے تحت یہاں حیدرآباد میں حلقۂ طالبات بھی کام کر رہا ہے ۔ شہر حیدرآباد میں حلقۂ طالبات کی ناظمہ محترمہ عِصمت ناہید صاحبہ ہیں اَور خواتین کے حلقے کی ناظمہ کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے "محترمہ ناصرہ خانم صاحبہ۔"

یہاں پر حلقۂ طالبات کا وجود عمل میں آئے تیسرا سال ہے ۔ پہلے سال کی رپورٹ تو میں نہیں جانتی کیونکہ تب مجھ میں اِتنا شعور نہیں تھا ۔ دوسرے سال میں نے خود کو حلقۂ طالبات سے جوڑا اَور اس طرح دوسرے سال مئی ۱۹۸۱ء میں ہمارے دوسرے سالانہ اِجتماع کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مَیں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ اپنے حلقے کی نمائندگی بھی کی پروگرام میں اجتماعی مباحثہ (Group Discussion) بھی شامل تھا ۔ سبھی نمائندوں نے دئے گئے

موضوع پر مباحثے میں حصہ لیا اور سامعین کے سامنے اپنے خیالات پیش کیے۔ مباحثے کا موضوع تھا "عورت کی اہمیت اور اسلام"۔ اس کے بعد ہماری ناظمہ صاحبہ نے پچھلے سال کی تفصیلی رپورٹ پیش کی اور پھر طالبات میں کام کی تقسیم عمل میں آئی۔ تب ہی مجھے اپنے حلقہ ملے پلی (ویسے رہتی تو میں لال فیکٹری میں ہوں) کی ناظمہ مقرر کیا گیا۔ اس طرح مجھ ناچیز پر اس بھاری ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا گیا جس کو خدا کی مدد سے میں نے بخوبی سنبھال لیا۔

اور پھر اسی طرح اپریل ۱۹۸۲ء میں ہمارا تیسرا سالانہ تربیتی و تنظیمی اجتماع ہوا اور پچھلے اجتماع ہی کی طرح پروگرام میں اجتماعی مباحثہ شامل تھا۔ اس طرح ہمارے سامنے حاضرین کے خیالات بھی آجاتے ہیں اور ان کی صلاحیت و قابلیت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ اجتماعی مباحثے کا موضوع تھا "تہذیبِ جدید، اسلام اور عورت"۔ تمام نمائندوں کی تقاریر بہت موثر رہیں۔

اس اجتماع کے بعد ہماری باجی (عصمت ناہید صاحبہ جنھیں ہم لوگ باجی کہتے ہیں)، نے کہا تھا کہ وہ اس اجتماع کی تفصیلی رپورٹ سہ روزہ "دعوت" دہلی میں دیں گی (مختصر رپورٹ تو مقامی اخبارات میں آئی تھی) تاکہ دوسری طالبات اور خواتین جو اس اجتماع میں شرکت نہیں کر سکیں، اسے پڑھ کر مستفید ہوں اور ان میں طالبات کی کارکردگی دیکھ کر دین کا شعور جاگے اور خود حلقۂ طالبات کی بھی ہمت افزائی ہو۔ ان میں اس سلسلے میں شوق و ذوق بڑھے لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اس میں ہمیں کامیابی نہ مل سکی۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ سہ روزہ دعوت دہلی میں صرف تازہ خبروں ہی کو جگہ دی جاتی ہو۔ بہر حال یہی وہ وقت تھا جب ہمارے ذہن میں آپ کا خیال آیا یعنی "حجاب" کا۔ یہ ایک ایسا پرچہ ہے جو ہندوستان بھر میں مقبول عام ہے اور اکثر طالبات کے مطالعہ میں رہتا ہے۔ خود باجی نے کہا کہ اس سلسلے میں آپ سے درخواست کی جائے کہ آپ اس نیک کام میں حلقۂ طالبات کی مدد کر کے ان کی ہمت افزائی کریں جس سے دین کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ حلقہ طالبات کی ہمت افزائی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ آپ

ضرور اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے۔ صالح معاشرے کو تشکیل دینے میں جہاں آپ حجاب کے ذریعہ بہت کچھ کر رہے ہیں وہیں یہ بھی سہی۔

باجی نے تو مجھ سے تیسرے سالانہ اجتماع کی رپورٹ کے بارے میں کہا تھا کہ آپ سے خط و کتابت کروں کیونکہ خود وہ ان دنوں کچھ زیادہ ہی مصروف ہیں اس لئے انھوں نے یہ کام میرے سپرد کیا (دیکھیں اللہ مجھے اس کام میں کہاں تک کامیاب کرتا ہے) لیکن میں نے یہ سوچا کہ ابھی ہفتہ میں طالبات نے جو اجتماع کیا اس کی رپورٹ بھی تازہ ہی ہے تو کیوں نہ اُسے ہی حجاب میں دیا جائے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ضرور کہوں گی کہ اس سلسلے میں آپ کو پورا اختیار ہے کہ آپ جو مناسب سمجھیں کیجئے اور اپنی رائے سے مجھے بھی آگاہ کیجئے۔ میں منتظر رہوں گی۔

اگر میری اس طویل تحریر میں کچھ املے کی غلطیاں ہوں تو درگزر کردیں کیونکہ میں پرائمری اسکول سے اب تک انگلش میڈیم ہی سے پڑھتی آئی ہوں۔ بچپن سے کہانیوں کی کتابیں پڑھتی تھی اس لئے اردو لکھ پڑھ سکتی ہوں۔ اور اب تو ہمارے لئے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ لازمی ہے وہ بھی پڑھ لیتی ہوں کبھی کبھار، ورنہ اسکول میں تو As a subject ایک اردو کی کتاب پڑھ لیتے تھے۔ مگر مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ جب سے حجاب Digest کی شکل آرہا ہے، بہت کم پڑھ سکی۔

میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ آپ اپنی پہلی فرصت میں اپنی رائے اور خیالات سے آگاہ کیجئے۔ فقط۔ آپ کے مشوروں اور دعاؤں کی طالب

AKIFA BASRI c/o M. A. RAZZACK BASRI

11-4-104

RED HILLS

HYDERABAD - 500004 (A.P.)

# ذکرِ جمیل (نعت)

(تمکین آفاقی پدا پلی)

باعثِ ایمانِ محکم آپؐ کا ذکرِ جمیل
روح کے زخموں کا مرہم آپؐ کا ذکرِ جمیل

گلشنِ ہستی کی رونق آپ ہی کے دم سے ہے
رامش و رنگِ دو عالم آپؐ کا ذکرِ جمیل

آپؐ ہی کا تذکرہ ہر شہر ہر وادی میں ہے
گیسوئے دوراں کا ہر خم آپؐ کا ذکرِ جمیل

نغمۂ توحید بے آہنگ ہے اُن کے بغیر
سازِ ہستی کا ہے سرگم آپؐ کا ذکرِ جمیل

آپؐ کا اسمِ گرامی قلب کی تسکین ہے
کیجئے تمکینؔ ہر دم آپؐ کا ذکرِ جمیل

---

# تفہیم القرآن

(تمکین آفاقی پدا پلی)

شہکارِ تفاسیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ
سرمایۂ تعمیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ

ہر شخص کو آسان ہو قرآن کا سمجھنا
اس خواب کی تعبیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ

باطل کی جڑوں پر ہے کوئی ضربِ کلیمی
الحاد میں اکسیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ

خوابیدہ شبستانِ حرم جاگ اُٹھا ہے
اک نعرۂ تکبیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ

گرما دیا سینوں کو نئے جذبوں سے تمکینؔ
بے مثل سی تفسیر ہے تفہیمِ ابوالاعلیٰ

(افری مصطفٰی)

عورتیں معاشرے کی نشوونما کی معمار ہوا کرتی ہیں. آپ کے تعلقات پڑوسی سے کیسے ہیں شوہر سے کیسے ہیں۔ دیگر عزیز و اقارب سے کیسے ہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کے معاشرے میں کٹنی بڑھیا کا وجود ہے کہ نہیں اگر ہے اور معاشرے کے افراد باشعور نہیں تو معاشرہ گندہ ہو کے رہے گا.... اگر نہیں ہے یا پھر معاشرے کے افراد باشعور ہیں تو پھر پورا معاشرہ گل گلزار بنا رہے گا۔ امن و سکون کا گہوارہ ہوگا۔

عورتوں کا زیادہ وقت گھروں میں ہی گزرتا ہے اور اُن کے پاس مردوں کے مقابلے میں کافی خالی وقت ہوتا ہے" خالی گھر شیطان کا.... فتنہ پرور عورتوں کو فتنہ پھیلانے کا خاصا موقع مل جاتا ہے.... جہاں عورتیں ہوئیں وہیں یہ مخلوق بھی پہنچ گئی۔

اگر وہ کسی ساس کے پاس گئی تو اس کا اندازِ تکلم اس طور پر ہوگا...؟ اجی اماں... آپ بھی کیا غضب کی عورت ہیں۔ اسی بڑھاپے میں بہو کے رہتے ہوئے بھی کام میں یوں جوجھنا پڑتا ہے. ایک حمیدن کی بہو ہے رات دن ساس کی خدمت میں لگی رہتی ہے. کیا مجال کہ ساس کو کسی کام میں ہاتھ بھی لگانے دے. بس دن بھر بیٹھ کر ڈلیاں کترتی رہتی ہے۔

اور اگر کسی بہو کے پاس گئی تو پھر اُس کے کہنے کا اندازہ یوں ہوگا" اری بیٹی کیا نصیب ہیں تیرے.... ماں کے گھر میں رانی بنی رہتی تھی اور یہاں ابھی ہاتھوں کی مہندی

بھی نہیں چھوئی اور کام کرنے لگی۔ ایک سلیمن کی ساس ہے۔ بہو کے آگے بچھی بچھی رہتی ہے
کیا مجال جو بہو کو پھول کا تنکا بھی اٹھانے دے ... راج کرتی ہے... راج"

اور اگر وہ آپ کے کسی پڑوسی کے یہاں گئی تو اس طور پر مخاطب ہوگی ... "اجی یہی.. کیا زمانہ آگیا ہے .. گھر میں جوان لڑکی ہے اور مُوا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ گھر میں دو دو سیر کا پیڑ لدے ہوئے ہے اور سوچتا ہے ڈھیلے بھی نہ گریں۔ وہ تو گریں گے ہی۔ ذرا لڑکیوں کی چال تو دیکھو کیسی مٹک مٹک کر چلتی ہیں۔ ہر وقت جنگلے کے پاس کھڑی ہو کر ہر آنے جانے والے کو دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھورا کرتی ہیں۔

اور اگر وہ آپ کے کسی عزیز و اقارب کے پاس جائے گی تو پھر وہاں اس کے کہنے کا انداز کچھ اس قسم کا ہوگا ...... "اجی ... توبہ کرو۔ انسانوں کا خون ہی سفید ہوگیا ہے۔ دیدے کا پانی ہی مر گیا ہے۔ کہنے کو تو رشتہ دار بنے پھرتے ہیں۔ اور کبھی جو جھوٹے منہ پوچھتے بھی نہیں۔ ایک تم ہو کہ اُن کے لئے جان دیے رہتی ہے۔ کیا کچھ نہیں کیا تم نے ان لوگوں کے لئے ... مگر اُف توبہ ... خدا جھوٹ نہ بلوائے .... تم لوگوں کے بارے میں کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کیا کرتی ہے۔ مجھ سے تو سنا بھی نہیں جاتا۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی ہوں۔ غضب ہے خدا کا غضب ہے ....

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بے حد چاہتا ہے تو یہ بھی اس کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے چار عورتوں کے بیچ (خاص کر ایسی عورتوں کے سامنے جن کا شوہر ان پر پوری توجہ نہیں دیتا) یوں کہے گی .... کتنی خوش نصیب ہے فہمیدہ اس کا شوہر تو اس پر جان چھڑکتا ہے۔ وہ جو کہتی ہے۔ پورا کر دیتا ہے۔ ایک میرا داماد ہے ... مُوا کبھی سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا .... ہر وقت میری بیٹی کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا رہتا ہے۔

اور سب سے مزیدار بات تو یہ ہے کہ ان تمام خرافات کے باوجود اسے کبھی اس بات

کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کے اسی گھنونے کردار سے کتنے گھر تباہ ہو رہے ہیں۔ اگر وہ کبھی کسی معاملے میں دھر بھی لی گئی تو نہایت ہی ڈھٹائی سے اپنی صفائی یوں کہے گی ... " توبہ توبہ ... بی بی اس بڑھاپے میں کیوں میری مٹی خراب کرتی ہے۔ لگائی بجھائی کرنے والوں پر خدا کی مار ... اور آپ اس کی باتوں کو سن کر اپنا منھ لئے رہ جائیں گی۔

یہ ہے وہ کردار جس سے آپ کو چوکنا رہنا ہے .... اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا گھر آپ کا معاشرہ پاکیزہ ہو تو ایسی کٹنی بڑھیا کو اپنے قریب بھی پھٹکنے مت دیں ... اس کی چکنی چپڑی باتوں کو اسی کے منھ پر ہی دے ماریں۔ یہ مت سوچیں کہ وہ آپ کے سامنے آپ کی نہیں بلکہ دوسروں کی برائی کر رہی ہے۔ یقین جانیے وہ دوسروں کے سامنے آپ کی برائی بھی اسی طرح کرے گی۔ محلے بھر کی خبریں وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں پہنچاتی ہے خبروں کی اس ریڈیو اسٹیشن کو بند کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ آپ اپنا دروازہ اس کے لئے بند کر دیجئے..... کم از کم آپ کا گھر تو اس کے شر سے محفوظ ہو جائیگا۔

اور پھر جب ایک گھر سے دوسرے گھر اور دوسرے گھر سے تیسرے گھر میں بھی اس کے ساتھ اس قسم کا سلوک ہوگا۔ تو پھر اسے یا تو اپنی عادت ترک کرنی پڑے گی۔ یا پھر گوشہ نشین ہو جائے گا۔

---

(شمیم شہزاد گورکھپوری)

اکبر بوجھل قدموں سے گھر میں داخل ہوا، اس کے چہرے پر ایک اضطرابی کیفیت تھی۔
"کیا ہوا.... ؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ؟" ـــــ اس کی بیوی خدیجہ جو مونج کی رسی بٹ رہی تھی، یہ کہتے ہوئے اس کی طرف لپکی۔
"ہوں .... سب ٹھیک ہے" ایک لمبی اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ بولا۔
"نماز کے بعد چودھری چاچا سے ملاقات ہو گئی تھی"
"تو پھر..... ؟"
"کل اطہر پنچایت بلا رہا ہے!"
"پنچایت ـــ ؟ کیسی پنچایت ـــ ؟ خدیجہ نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں..... ! چودھری چاچا کہہ رہے تھے کہ اطہر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے جا رہا تھا، لیکن انھوں نے روک دیا اور کہا کہ اگر پنچایت سے کام چل جائے تو عدالت میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا معلوم تھا کہ اپنا سگا بھائی ایسا کرے گا ـــ اور وہ بھی صرف ایک بگیھا کھیت کے لئے ـــ !"
"اچھا ! اب میں سمجھی ـــ ! لیکن اس کو کیا کہیے گا کہ سارا گاؤں آپ ہی کو بے ایمان

سمجھ رہا ہے!" ۔۔۔ خدیجہ نے افسردگی سے کہا۔
"مجھے گاؤں والوں کی پروا نہیں ۔۔۔ کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے ۔۔۔! خدا تو جانتا ہے کہ میں نے بے ایمانی نہیں کی ہے۔" اکبر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔
"وہ تو ٹھیک ہے! لیکن پنچایت کے سامنے پیش کرنے کے لئے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟"
"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ۔۔۔ میرے پاس پنچایت والوں کو مطمئن کرنے کے لئے بظاہر کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن مجھے خداوند قدوس کی ذات پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے دربار میں دیر تو ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں۔"
اکبر کے لہجے میں بلا کی خوداعتمادی تھی۔
پورا گاؤں چوپال میں سمٹ آیا تھا۔ جگہ جگہ لالٹین روشن تھی۔ ایک طرف اطہر اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی ۔۔۔ دوسری طرف اکبر سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ مردوں کی بھیڑ سے ہٹ کر ایک طرف گوشے میں عورتوں کا جمگھٹ بھی تھا۔ اُن میں عادت کے مطابق کانا پھوسی جاری تھی۔
"بڑا نمازی بنتا ہے۔ اپنے چھوٹے بھائی کا کھیت ہڑپ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"
"ہاں! بہن ذرا دیکھو، کوئی اُسے دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ یہ بے ایمان آدمی ہے۔"
"ہاں! ہاں! ایسے ہی لوگوں نے داڑھی والوں کو بدنام کر رکھا ہے!"
"ذرا سنو تو بُوا! ۔۔۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے کھیت کے بدلے اطہر کو روپیہ دے دیا ہے۔"
"لیکن اس کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے ۔۔۔ بیٹی!"

"یہی بات تو چودھری چاچا بھی پوچھ رہے ہیں۔"
"دیکھو تو اب اکبر نے کیسی چپ سادھ لی ہے۔ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا ہے۔"
"بولو اکبر خاموش کیوں ہو گئے ۔۔۔؟ کس کے سامنے تم نے اطہر کو روپیہ دیا تھا
کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے ؟" ۔۔۔ چودھری نے گمبھیر لہجے میں دریافت کیا۔
"ہاں ۔۔۔! ایک گواہ ہے ۔۔۔!" اکبر نے چودھری سے نظریں ملاتے
ہوئے کہا۔
"کون ہے وہ ؟ اس کو پنچوں کے سامنے پیش کیوں نہیں کرتے ؟" چودھری
نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ گواہ ہے ۔۔۔ میرا پروردگار !" اکبر نے بڑے اطمینان بھرے لہجے میں
جواب دیا۔
"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔۔۔ ؟" ۔۔۔ چودھری نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔
"چودھری صاحب اور پنچو! یہی تو سب سے بڑی بات ہے ۔۔۔ کیا اس گواہ
سے بڑھ کر بھی کوئی گواہ ہو سکتا ہے؟" اکبر کی آنکھوں میں اچانک ایک چمک سی
پیدا ہو گئی۔
"ہم لوگ تمہارا مطلب نہیں سمجھے ؟" ۔۔۔ بیک وقت کئی آوازیں گونجیں۔
"میرا مطلب بہت صاف ہے پنچو! ۔۔۔ اگر اطہر قرآن پاک ہاتھوں
میں لے کر قسم کھا جائے کہ میں نے اُسے کھیت کے بدلے میں پورا روپیہ ادا
نہیں کر دیا ہے تو میں اس کا کھیت ابھی اسی وقت واپس کرنے کو تیار ہوں۔"
سب کی نظریں یکبارگی اطہر کی طرف اٹھ گئیں ۔۔۔ "بولو اطہر! کیا تم اس کے
لئے تیار ہو ؟" چودھری نے اطہر پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"...... ہاں ... میں ..... تیار ہوں ...... !" اطہر کی نحیف اور کانپتی ہوئی آواز فضا میں اُبھری ــــ"

چودھری کے اشارے پر فوراً ہی قرآن شریف لایا گیا ــــ اکبر یہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑنے لگی ــــ وہ نہ جانے کن خیالوں میں کھو گیا۔

لیکن جب قرآن پاک اطہر کے ہاتھوں میں دیا گیا تو وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور اطہر کی جانب جھپٹا۔ "نہیں نہیں خبردار"

"قسم مت کھانا۔ خبردار !"

معلوم ہو رہا تھا جیسے اکبر پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو ...... اطہر کے قریب پہونچ کر اس نے کلام پاک اس کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لیا اور اپنی آنکھوں سے لگاتا ہوا مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"بھیا ــــ بھیا ــــ !!"

اچانک اکبر کو اپنے پیچھے ایک عجیب سی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ــــ وہ پلٹا۔ اس نے دیکھا کہ اطہر اس کا چھوٹا بھائی ــــ اس کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا ــــ ندامت کے آنسوؤں سے اس کا چہرا تر تھا۔

پھر ...... پھر ...... دوسرے ہی لمحہ وہاں موجود تمام لوگوں نے دیکھا کہ اکبر نے اطہر کو گلے سے لگا لیا ہے۔

شائستہ کمال جامعۃ المحنات
اعظم گڑھ

سیاہ رات، سنسان سڑک۔ ہڈیوں میں گھستی ہوئی ٹھنڈی ہوا۔ دل میں چٹکیاں لیتا ہوا خوف اور "نورجہاں" کی جرأت رندانہ۔ رکشا "گھن گھن" کی آواز پیدا کرتا ہوا اپنی منزل کی جانب رواں تھا۔

نوزائیدہ بچہ ماں کی گود میں سو گیا۔ کپڑے کے ایک موٹے بنڈل کی طرح وہ نورجہاں کی باہوں کے درمیان سینے سے لگا ہوا تھا۔

میم صاحبہ! فلمستان آگیا۔

اچھا! ایک احسان اور کرتے جاؤ۔ یہ لو روپے۔ فرسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ لے آؤ اور اپنا کرایہ بھی لے لو۔

نورجہاں ہال کے اندر گھسی اور سیٹ پر بیٹھ گئی۔ نیوز ریل چلنے لگی۔

خدانخواستہ اگر جمال آج وقت سے پہلے آجائے۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اٹھی اور شادی کے بعد سے آج تک کے اچھے برے سارے اوقات اس کی نظروں میں پھر گئے۔ کبھی دل کہتا۔ جمال اُسے بہت چاہتا ہے۔ اس پر جان چھڑکتا ہے۔ اس کی یہ معمولی سے غلطی ضرور معاف کردے گا۔

فلم چلتی رہی اور وہ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی اور سوچتی رہی۔ نہ جانے کب فلم

ختم ہوگئی۔ ٹن ٹن ٹن ٹرن کی تیز آواز نے اس کو چونکا دیا۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکلی اور ایک رکشا پر بیٹھ گئی۔ جتنی تیز تم چلا سکتے ہو چلاؤ۔ مجھے جلد از جلد گھر پہونچنا ہے۔

منّا گود میں سو رہا تھا۔ نورجہاں نے ایک بار پھر منّے کو اچھی طرح کمبل میں لپیٹ دیا تاکہ موسم کی سردی اس پر اثر انداز نہ ہو۔

کمبل کو دوہرا تہ کر کے اسنے منے کے اردگرد اس طرح لپیٹ دیا۔ جیسے وہ کوئی بستر ہو۔

رکشا "سن سن" کی آواز پیدا کرتا ہوا۔ خالی سنسان سڑک پر پوری تیزی سے دوڑ رہا تھا اور نورجہاں کا ذہن اس سے چوگنی رفتار سے آنے والے حالات کا اندازہ لگا رہا تھا۔

رکشا پوری رفتار سے رواں دواں تھا۔ "نورجہاں" نے دائیں ہاتھ سے منّے کا بنڈل سنبھال رکھا تھا۔ اور بائیں ہاتھ سے رکشے کا ہتھا پکڑ لیا تھا۔ اس لیے کہ ناہموار سڑک پر بار بار رکشا اچھل رہا تھا اور وہ ڈگمگا رہی تھی۔

گھر آگیا۔ پیسے دے کر اس نے رکشے والے کو رخصت کر دیا۔ اور دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ سردی سے برا حال تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے چہرے کو شل کر دیا تھا۔ منّے کے بنڈل کو بستر پر ڈال کر وہ باورچی خانے میں گئی۔ آگ جلائی۔ جب بدن گرم ہوگیا تو اس نے کھانا گرم کیا۔

بار بار اس کی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ حالانکہ وہ صحیح سلامت شوہر کے آنے سے قبل اپنے گھر پہونچ چکی تھی۔ مگر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔۔۔۔۔۔۔

السلام علیکم! جمال مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور نورجہاں سرتاپا لرز اٹھی۔
وعلیکم السلام! لیجئے گرم گرم کھانا کھا لیجئے۔
منّا کہاں ہے؟
سو رہا ہے کمرے میں۔
ذرا اُسے پیار کرلوں پھر کھاؤں گا۔ جمال کو اپنے پہلونٹے سے بے حد پیار تھا۔ وہ کمرے میں گیا اور اس نے جھک کر منّے کو چومنا چاہا.......... مگر.... یہ کیا؛ منّے کا تو پتہ ہی نہیں ہے۔ صرف کمبل کا بنڈل پڑا ہے۔
نورجہاں!! یہ تم نے منّے کو کہاں چھپا دیا ہے؟
ارے! ذرا کمبل کھول کر دیکھئے نا.... ! آج سردی کچھ زیادہ تھی اس لیے میں نے اسے کمبل میں لپیٹ دیا تھا۔
میں مذاق تھوڑے ہی کر رہا ہوں۔ دیکھو یہ کھلا کمبل پڑا ہے۔ منّا کوئی سوئی تو نہیں
نورجہاں نے بھی آکر دیکھا۔ پھر دیوانہ وار چیختی ہوئی باہر کو بھاگی۔ جمال بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ پڑا۔
ماں کی ممتا سرد اور تاریک رات میں سرپیر ننگے دوڑتی رہی۔ جمال چیخ چیخ کر روکتا رہا۔ مگر وہ بھاگتی رہی۔
ایک فرلانگ.......... دو فرلانگ.......... پورے آٹھ فرلانگ........ ؟ ایک سنگ میل کے پاس منّا پڑا تھا۔ سرد رات اس کو زندگی سے محروم کر چکی تھی۔
جب نورجہاں خیالوں میں واپس آرہی تھی۔ جرکنگ کے کسی ہچکولے میں منّا کمبل کے اندر سے پھسل کر گر گیا تھا۔ اور نورجہاں کو احساس بھی نہ

ہو سکا تھا۔

گرم کپڑوں کے ایک بھول کو نور جہاں نے دیکھا اور ممتا کہہ کر گر پڑی۔ جب سرد لاش کو لے کر وہ کھڑی ہوئی تو طلاق کی تین گولیاں اس کے کانوں کو کرا گئیں۔ اور وہ دوبارہ زمین پر گر گئی۔

پتہ نہیں اس کا جرم بڑا تھا۔ یا اس کی سزا؟

## غزل

(سید حسن اختر جیپوری)

اک ترا حق ادا نہیں ہوتا
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

تیرے در کے سوا مصیبت میں
کوئی دروازہ وا نہیں ہوتا

کس کے ہاتھوں میں ہے کمان وقت
کہ نشانہ خطا نہیں ہوتا

لوگ جتنا برا سمجھتے ہیں
کوئی اتنا برا نہیں ہوتا

غیر ممکن تھا ہند میں رہنا
گر ہمارا خدا نہیں ہوتا

جنبش دست کے بغیر [illegible]
[illegible] خدا نہیں ہوتا

## میرے پسندیدہ اشعار

(محمد ارشد خاں اعظمی۔ مدرستہ الاصلاح)

• سنائی دیتی ہیں سانپوں کی پھنکاریں جہاں اکثر
ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں
(طفیل ندوی)

• آج تک دل کی آرزو ہے وہی
پھول مرجھا گیا ہے بو ہے وہی
(خلیل مانک پوری)

## آلو کا حلوہ

**اشیاء:** آلو ایک سو گرام، شکر ۲۰ گرام، کاجو ۵ گرام۔ الائچی خورد حسب خواہش۔

**ترکیب:** آلو کو ابال کر چھلکا اتار لیں اور سل پر خوب بار[illegible] کر لیں بعد میں گھی میں بھون لیں اور گلابی رنگ آنے تک [illegible] ہوتے تب شکر ملا کر گاڑھا ہونے تک چولہے پر رہنے د[illegible] [illegible] [illegible] نیچے اتار [illegible] کاجو [illegible] ملا [illegible] نک زائش کر کے اور الائچی [illegible] [illegible] حلوہ تیار ہے۔

(رخسانہ انجم سنبھلی)

# ایک رات کی بات

ڈیر صدف! پرخلوص سلام
امید ہے کہ تم کو میری شادی کا کارڈ موصول ہوا ہوگا۔ یاد ہے تم کہا کرتی تھیں کہ جب تمہاری یعنی میری شادی ہوگی تب میں تم کو بلاؤں گی بھی نہیں۔
لیکن میں نے تو تم کو بلایا اور تم ہی نہ آسکیں اور تمہارے نہ آنے کی وجہ جان کر بہت ہی خوشی ہوئی۔ ایک چاند سے بیٹے کی ماں بننے پر مبارکباد قبول کرو۔
ڈیر تم ہمیشہ یہ شکایت کرتی ہو کہ میں خط بہت ہی مختصر لکھتی ہوں۔ اور آج میں تمہاری شکایتیں دور کر دیتی ہوں۔
سنو ڈیر جس دن میں محب صاحب کی شادی گئی۔ اور جب ان کے گھر پہونچی تب میرے کانوں نے اپنی تعریف ہی سنی اور وہ "خود بھی میری تعریف کم نہ کرتے تھے بلکہ بہت ہی محبت کرتے تھے۔ میں تو بہت ہی خوش تھی۔ محب صاحب پہلے ہی میرے حق میں جتنے اچھے تھے اتنے ہی آج اچھے ہیں۔ خدا سے دعا کرو کہ ہمیشہ ہی میرے لئے اتنے اچھے رہیں بلکہ اس سے زیادہ ...
ڈیر صدف ایک شب کی بات سنو کہ چاندنی رات تھی۔ ہم دونوں چمن میں بیٹھے چاندنی سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اچانک انھوں نے مجھ سے کہا

"کیا تم نے شادی سے پہلے کسی سے محبت کی تھی۔ میں نے منع کر دیا۔
"نہیں آپ ہی میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہیں اور میں نے یہ شعر پڑھا:-

جب سے تیری سینے میں تصویر اتاری ہے
میں تیری پجارن ہوں دل میرا پجاری ہے

اس شعر کو سنکر وہ ہنسنے لگے۔ اتفاق کی بات میں بھی ان سے یہ معلوم کر بیٹھی کیا آپ نے کسی سے ......
میرا جملہ ابھی پورا بھی نہ ہو پایا تھا کہ ان کے جملے نے میری جان نکال لی۔ وہ بولے:-
ہاں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے ہی مجھ کو ایک سے بے انتہا محبت ہے۔
یہ سنکر میں چونک گئی اور میں نے معلوم کیا "ہے یا تھی"۔
"اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی"۔ انھوں نے اتنی سادگی کے ساتھ کہا کہ میرے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ اور میرا موڈ خراب ہوگیا۔
اور جب انھوں نے میرا موڈ بگڑا دیکھا تب تو وہ اور بھی خوش نظر آنے لگے اور وہ مزے لے لیکر کہتے رہے۔
"مجھے اس سے بے تحاشا محبت ہے۔ میں ہر وقت اس کے تصور میں ڈوبا رہتا ہوں۔ میں اس کے آگے کسی کو بھی اہمیت نہیں دیتا۔ سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔"
بس یہ سنکر کچھ نہ پوچھو کہ میرا حال کیا تھا۔ میں نے روہانسی ہوکر کہا۔

اس کی اہمیت مجھ سے بھی زیادہ ہے۔ کیا ....  انھوں نے چڑانے کے انداز میں مجھ سے کہا۔

تم کیا چیز ہو وہ تو اپنی مثال آپ ہے .... ہائے ..... اس کا کیا کہنا.....
میں اس کی خاطر دنیا کی ہر چیز کو ٹھوکر مار سکتا ہوں۔

"کیا مجھے بھی؟" میرے منھ سے بے ساختہ نکل گیا اور پھر جانتی ہو انھوں نے کیا کہا۔

ہاں تم کو بھی اور ..... تم جیسی سیکڑوں کو بھی ٹھوکر مار سکتا ہوں۔ ڈارلنگ
یہ سنتے ہی میں تو رونے لگی۔ تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ میرا شوق ہی میرے سامنے اس بات کا اقرار کر رہا تھا کہ وہ کسی دوسرے سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ تب میں اس بات کو کیسے گوارا کر لیتی۔ تم خود ہی اپنے دل سے معلوم کرو کہ اگر اظہر بھائی تمہارے سامنے یہ بات کہیں کہ انھوں نے شادی تم سے کی ہے اور ان کے خیالوں میں کوئی اور بسا ہے۔ تب تمہاری کیا حالت ہوگی۔ بس اسی طرح سے میرا بھی اس وقت بہت ہی برا حال تھا.....

اور سو صدف [illegible] کیا ہوا پھر [illegible] پھر بھی مجھ سے برداشت نہ ہو سکا
[illegible] اپنے کو روک نہ سکی اور رونے لگی۔ اپنے کو کوسنے لگی۔

[illegible] کیوں [illegible] میں نے کہا [illegible] کہ اگر [illegible] تو کیا خوشی سے
[illegible] میں ناچوں [illegible] میری تو قسمت ہی بالکل پھوٹ گئی آپ تو بہت
[illegible] تھے [illegible] خدا کا سچا فرماں بردار تبلاتے تھے۔
جانتی ہو [illegible] کے جواب میں انھوں نے کیا کہا۔ .... [illegible]
[illegible]

جب میں نے انھیں خدا کے خوف سے ڈرایا تب انھوں نے کہا۔
"میں ہمیشہ خدا سے ڈرتا ہوں اور دعا کرو کہ اور زیادہ ڈروں"۔
میں ان کی اس بات پر اور زیادہ بگڑ گئی۔ میں نے بگڑتے ہوئے کہا
تم خدا سے خاک ڈرتے ہو کیا اسلام یہ کہتا ہے کہ محبت کسی سے کرو اور شادی کسی اور سے۔

ہاں اسلام بھی اس سے محبت کرنے سے نہیں روکتا بلکہ ترغیب دیتا ہے کہ اس سے محبت کرنے میں مجھ کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہے۔ انھوں نے بہت ہی سکون اور اطمینان کے ساتھ جواب دیا.....

میں نے جب ان کی سکون کی سی کیفیت دیکھی۔ تب میرے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ اور میں نے جل کر ان سے کہا۔

ہاں....... ہاں آپ تو کاروباری ذہن کے مالک ہیں کل اس سے زیادہ کہیں اور فائدہ نظر آئے گا۔ تب اس کو چھوڑ کر اس سے دل لگا بیٹھیں گے۔
میری بات کو سن کر بالکل ہی خاموش ہو گئے اور نہ جانے کن خیالوں میں گم ہو گئے۔

میں نے جب ان کو خیالوں میں گم دیکھا تب سمجھا کہ شاید انھیں اسی کی یاد آگئی۔ میرا تو ایک گھنٹہ سے اتنا برا حال ہو رہا ہے اور خود اس کے لئے اس کی محبت کے لئے مجھ کو ٹھکرانے کو تیار بیٹھے ہیں اور جب مجھ کو ٹھکرانا ہی تھا تب مجھ سے شادی ہی کیوں کی تھی۔ مجھے اب تک کے بیتے لمحے ایک سراب اور ایک دھوکا محسوس ہو رہے تھے۔ ان کی مجھ سے محبت کی باتیں محض دکھاوا اور ڈھونگ محسوس ہونے لگیں اور میں خون کے آنسو رو تی رہی۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے ان کو

قسم دلائی ...... .

"آپ کو میری قسم۔ آپ کو یہ بتلانا ہی پڑے گا کہ وہ کون ہے؟"

یہ سُنکر انھوں نے کہا —

"جس سے میں محبت کرتا ہوں وہ خدا ہے۔ اس سے مجھ کو ساری دنیا سے زیادہ محبت ہے۔ میں اس کے سامنے دنیا کی ہر ایک چیز کو ٹھوکر مار سکتا ہوں اور اس سے محبت کرنے سے میرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مجھے جنت ملے گی ....

یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گئے۔

پھر جانتی ہو ڈیئر کیا ہوا۔ میں ہنسنے لگی۔ سچ کسی شاعر نے یہ ٹھیک ہی کہا ہے

وہ جس کے دل میں محبت کا پاک نور نہیں

وہ حق شناس و حقیقت نگر نہیں ہوتا!

ارے لو آج میں نے تمہاری ساری شکایتیں دور کر دیں۔ اتنا بڑا خط لکھ کر۔

"بھائی صاحب کو سلام اور گڈو کو بہت ہی پیار"

خدا حافظ۔" تمہاری رفیدہ موہیب"

---

(مہر انجم۔ چپخل گوڑہ)

مجدھار میں کشتی چھوڑ چکے ساحل سے تعلق توڑ چکے
اندازہ طوفان کیا معنی ہم شورش طوفاں دیکھیں گے

راہِ حق کے ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ہم جسے تہذیبِ جدید (MODERN CULTURE) کہتے ہیں یہ وہ آواز ہے جو اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے فلاسفہ اور اہل قلم نے سوسائٹی کے خلاف مرد کے حقوق کی حمایت میں اٹھائی تھی۔

اس تحریک کی بنا جن نظریات پر رکھی گئی وہ تین عنوانات کے تحت آتے ہیں۔

(۱) عورتوں اور مردوں کی مساوات۔

(۲) عورتوں کا معاشی استحکام (ECONOMIC INDEPENDENCE)

(۳) دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

ان تین بنیادوں پر معاشرت کی تعمیر کرنے کا جو نتیجہ ہونا تھا۔ بالآخر وہی ظاہر ہوا

(۱) مساوات کے معنی یہ سمجھ لئے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں برابر ہوں۔ بلکہ تمدنی زندگی میں عورت بھی وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں۔

مساوات کے اس غلط تخیل نے عورت کو اس کے ان فطری امور سے غافل اور منحرف کر دیا جن کی بجا آوری پر نوعِ انسانی کی بقاء کا انحصار ہے۔

۲۔ عورت کے معاشی استقلال نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے اب اس نئے قاعدہ سے بدل گیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ لہٰذا جب دونوں ہی آزاد ہوں تو عورت ہی اپنے سر قربانیوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدا ہوا وہ پرانا دقیانوسی (OLD FASHIONED) راستہ کیوں اختیار کرے؟

۳۔ دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط۔ مخلوط سوسائٹی میں قدرتی طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ وہ صنفِ مقابل کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذبِ نظر بنیں۔ ایسی کیفیات سے جو دوچار ہیں وہ کہاں سے وہ امن، وہ سکون اور وہ اطمینان لا سکتے ہیں۔ جو تعمیری اور تخلیقی کاموں کے لئے ضروری ہے۔

اب دیکھئے اسلام میں عورت کے بارے میں کیا تصور موجود ہے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ انسان ہونے میں مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں۔ دونوں نوع انسانی کے دو مساوی حصے ہیں۔ تمدن کی تعمیر اور تہذیب کی تاسیس و تشکیل اور انسانیت کی خدمت میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ لیکن مساوات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا حلقۂ عمل ایک ہی ہو۔ دونوں ایک ہی سے کام کریں۔ اسلام اس کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس مساوات کا قائل نہیں۔ کیونکہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ عورت پر ہر ماہ اور سال دو سال کے بعد ایسے جسمانی اثرات پڑتے ہیں۔ کہ وہ بیکار سی ہو جاتی ہے اور وہ ایک مردِ مخلص کی مدد کی محتاج ہو جاتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو دین

حج کے موقع پر یہ ہدایت دیتا ہے کہ عورتوں اور مردوں میں اختلاط نہ ہو اور جو دین یہ گوارا نہیں کرتا کہ عورتیں جنازہ میں شریک ہوں اور مردوں کے ساتھ قبرستان جائیں۔ جب کہ حج ایک ایسا فریضہ ہے جہاں انسان اپنی عاقبت بنانے اور اپنی روح کو گندگیوں سے پاک کرنے کے لئے جاتا ہے اور جنازہ و قبرستان وہ عبرت انگیز مناظر ہیں جہاں انسان موت کے تصور میں ڈوب جاتا ہے لیکن پھر بھی اسلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں میں آزادانہ اختلاط ہو۔ پھر اسلام یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اسکولوں، کالجوں، دفتروں، پارکوں، انجمنوں، جلسوں، دعوتوں اور تقریبوں میں عورت اور مرد ایک ساتھ ہوں اور بے حجابی کے ساتھ خلط ملط ہوں۔

آج ہم تہذیب کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک راستہ تہذیب جدید کا ہے جو ہمیں اپنے خدا سے دور کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اپنے مولیٰ کو راضی و خوش کرسکتے ہیں۔ اور اسی میں ہماری حقیقی کامیابی ہے۔

اس طرح سے رہو کہ کریں لوگ آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے!

(فرحت سلطانہ بہت پورہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ الہٖ واصحابہ اجمعین

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ روشن دور اور ترقی کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں پرانی تہذیب اخلاقی اقدار اور دینی افکار و نظریات کے مقابل مغربی تہذیب اخلاقی اقدار اور دینی افکار و نظریات کے مقابل مغربی تہذیب مغربی آداب و اطوار مغربی انداز فکر اور مادی نقطۂ نظر پھیلتا جا رہا ہے۔ اس تہذیب جدید کی جھوٹی اور نمائشی چمک دمک نے زندگی کے ہر شعبے میں بگاڑ اور فساد پیدا کیا ہے اور انسانیت کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

لیکن یہ ظاہری چمک دار اور روشن زندگی جس کے پیچھے ہماری مائیں بہنیں دوڑ رہی ہیں۔ کل کیا گل کھلائے گی۔ کل جو مرنے کے بعد آئے گا۔ اس پہلو پر کم ہی لوگ غور کرتے ہیں۔

اس تہذیب کے اپنانے کے بعد انسانیت ذلت و خواری کی اس منزل کو پہنچ جاتی ہے جس کا نتیجہ جہنم کے گڑھے کے سوا کچھ نہ

دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ جسم کو دفن کیا جاتا تھا لیکن دورِ جدید میں روح اور اخلاق کو دفن کیا جارہا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام عورت اور علم کے درمیان رکاوٹ بنتا ہے۔ وہ عورت کی ہر قسم کی تعلیم کا مخالف ہے۔ اس نے عورت کے لئے لکھنا پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اور عورت کو جاہل مطلق دیکھنا پسند کرتا ہے۔ ان کا اس طرح کہنا اسلامی تعلیم سے ناواقفیت کی بات ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا، کہ امہات المومنین میں پڑھی لکھی بھی تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ لکھ پڑھ لیتی تھی بلکہ تاریخی روایات و واقعات بیان کرتیں۔ شعر و ادب سے بھی ان کو لگاؤ تھا۔ اور کتاب وسنت کے علم میں بعض کو یہ مقام حاصل تھا کہ صحابہ کرام رضہ بھی بہت سے احکام ومسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اسلام نہ صرف عورت کی تعلیم کا مخالف نہیں بلکہ اس کے لیے بھی تعلیم حاصل کرنا اتنا ہی ضروری اور لازم ٹھہراتا ہے جتنا مردوں کے لئے۔ عورتیں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکتی ہیں اسلام اس سے ہرگز نہیں روکتا لیکن اس کے لیے احتیاطی تدبیریں اختیار کرنا ضروری ہیں۔

جو خواتین اور طالبات کھلی آنکھوں آج کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں وہ کبھی ایسے ماحول کو پسند نہ کریں گی جہاں تعلیم اور تہذیب کے نام پر حیاسوز حرکات کا سامنا کرنا پڑے۔ آج تہذیب و تمدن اور ترقی کے نام پر زیب و زینت کے جن بھڑکیلے اور پرکشش سامانوں اور نظر فریب طور طریقوں کو فروغ دیا جارہا ہے جس کی چمک دمک سے متاثر ہو کر اپنی اہمیت شانِ نسوانیت سے بے خبر طالبات

اور خواتین جاذب نظر باریک اور غیر ساتر لباس پہنتی اور بازاروں میں پھرتی ہیں۔ کتنا بڑا فتنہ ہیں۔ وہ اپنے لئے اور پوری قوم کے لئے۔ بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ جہالت کے مقابلے میں آج کی مروجہ تعلیم سے ہماری نئی نسلوں کو کہیں زیادہ نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔

مالک کائنات نے آپ کو زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت دی ہے اور آپ اسلام کی سیدھی سچی تعلیمات پر ایمان بھی رکھتی ہیں۔ آپ نے دین حق کو سچے دل سے قبول بھی کیا ہے تو آپ کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ آپ معاشرے کو اس کی برائیوں سے اس طرح پاک کرنے کی کوشش کریں کہ خود آپ کی زندگی ان خرابیوں سے دور ہو۔ آپ کے پیدا کرنے والے نے زندگی کا وہ دستور عطا کیا ہے کہ اگر آپ اس کی پیروی کریں تو یہ دنیا بھی آپ کے لئے جنت کا گہوارہ بن سکتی ہے اور آخرت کی کامیابی آپ کا مقدر بن سکتی ہے۔

اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں یہی فرق ہے کہ مغربی تہذیب عورت کو اس وقت تک کوئی عزت اور کسی قسم کے حقوق نہیں دیتی جب تک وہ ایک مصنوعی مرد بن کر مردوں کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو جائے۔ مگر اسلام عورت کو ساری عزتیں اور تمام حقوق عورت ہی رکھ دیتا ہے اور تمدن کی انھیں ذمہ داریوں کا بار اس پر ڈالتا ہے جو فطرت نے اس کے سپرد کیا ہے اسی لئے ہم اپنی تہذیب کو موجودہ تہذیب سے بدرجہا زیادہ افضل اور اشرف سمجھتے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ صحیح اور پاکیزہ چیز کو چھوڑ کر ہم غلط اور گندی چیز کو قبول کریں۔ ہمیں وقار کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو فحاشی اور عریانی کو معاشرے کا ناسور سمجھیں اور اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسولؐ جو کچھ

عطا کیا ہے جو دنیا کی کوئی معاشرت اس کے سوا نہیں دے سکتی۔ ہمارے سامنے امہات المومنین اور خاص طور پر حضرت خدیجہ رضہ، حضرت عائشہ رضہ، حضرت فاطمہ رضہ کی مثالیں ہر وقت رہنی چاہئیں۔ ہم ان کی پاک اور روشن سیرتوں کا مطالعہ کریں اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

مسلم خواتین کی کامیابی مغرب کی غلامی میں نہیں بلکہ خدا اور رسول کی ہدایت کے مطابق پاک وصاف زندگی بسر کرنے میں ہے۔

یہ امینہ صاحبہ کا دوسرا مضمون ہے جسے ایک حجابی بہن محمودہ تاملی نے بانو نئی دہلی سے نقل کرکے بھیجا ہے مضمون پڑھنے اور سوچنے کے لائق ہے (م)

شادی کی پہلی قسم اول بدل کی شادی ہے ایک خاندان اپنی لڑکی دیتا ہے تو داماد کی بہن سے اپنے لڑکے کی شادی کرتا ہے۔ یہ رواج صدیوں پرانا ہے۔ اونچی ذات کے ہندو اس رواج کو پسند نہیں کرتے۔ اسلام سے قبل عرب میں بھی یہ دستور رائج تھا۔ اسے "شغار" کہتے ہیں اسلام نے اس دستور کو پسند نہیں کیا ہندوستان میں بھی اس قسم کی شادی کا مذاق اڑایا جاتا تھا جنوبی ہند میں اس شادی کو "گنڈامنڈا سمبندھ" کہتے ہیں۔ پنجاب میں یہ "اٹے سٹے" کی شادی کہلاتی ہے۔ ہندوؤں میں کنیادان کا تصور رائج ہے یعنی دلہن کو خیرات میں دیا جاتا ہے۔ اس خیرات کے بدلے کچھ حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اول بدل کی شادی ہندوؤں کے نچلے طبقے میں آج تک رائج ہے۔ اس میں کئی فائدے ہیں۔ لڑکی کو جہیز نہیں دینا پڑتا۔ لڑکے کو لڑکی کے لئے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ دونوں فریق خوش رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ داماد پر دباؤ رہتا ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو تکلیف پہنچائی تو اس کی بہن سے بدلہ لیا جا سکتا ہے۔

اونچی ذات کے ہندوؤں میں کنیادان ایک متبرک رسم سمجھی جاتی ہے۔ ان کے یہاں پتی کا رتبہ دیوتا کا ہوتا ہے اور اس کی پوجا

لی جاتی ہے۔ طلاق اور بیوہ کی شادی معیوب سمجھی جاتی ہے۔ یہ لوگ نچلی ذات والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنی بیٹیوں کو بیچتے ہو۔ نچلی ذات والے اس بات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیویوں کو خیرات میں نہیں لیتے۔

شادی کی دوسری قسم اعلیٰ خاندان میں رشتہ ڈھونڈنا ہے۔ اس سلسلے میں جاٹوں اور راج پوتوں کی مثال دی جاتی ہے۔ راج پوت تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گو ان کا مرکز راجستھان ہی ہے۔ یہاں بھی اونچے اور نیچے خاندان کا سوال در پیش آتا ہے۔ بہت سے خاندان اپنی لڑکی کو اونچے خاندان میں دینا چاہتے ہیں۔ اونچے خاندان والوں کو اپنی قیمت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ قیمت بے دھڑک طلب کرتے ہیں۔ لڑکی والے اونچے سے اونچی بولی لگاتے ہیں۔ لڑکا سب سے اونچی بولی لگانے والے کو مل جاتا ہے۔ شادی کے بعد بھی لڑکے والے لڑکی کو سناتے رہتے ہیں کہ وہ کم جہیز لائی ہے۔ یا ان سے نیچی ذات کی ہے۔ اس بازی میں لڑکی کی حیثیت شطرنج کے مہرے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس قسم کی شادی میں اونچی ذات والوں کو روپیہ تو مل جاتا ہے۔ لیکن انہیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ نیچی ذات والوں کے ہاتھ اپنے لڑکے فروخت کرتے ہیں۔ اس طرح خود اُن کے طبقے میں لڑکوں کا کال پڑ جاتا ہے۔ اور ان کی لڑکیاں کنواری رہ جاتی ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ ذات کے راجپوت اپنی لڑکیوں کو مار دیتے تھے۔ اگر وہ اپنے والدین کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جاتی تھیں، تو عمر بھر کنواری بیٹھی رہتی تھیں۔ نچلی ذات کے لوگوں کو یہ دشواری پیش نہیں آتی۔ اگر انہیں اپنے برابر کا کوئی خاندان نہ ملے تو وہ ذات برادری سے باہر بھی شادی کر سکتے ہیں۔

اونچے خاندان والوں کے احساسِ برتری سے لڑکی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے وہ اُسے ہمیشہ خاندان کا طعنہ دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان کے خاندان میں جذب نہیں کر سکتی۔ اُسے ہمیشہ اپنی کمتری کا احساس رہتا ہے۔ اُسے کبھی سسرال میں اپنائیت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر لڑکی نازک مزاج اور حساس ہے تو وہ خودکشی

پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ گجرات اور سوراشٹر کی لڑکیوں کی خودکشی کی وجہ اکثر سسرال والوں کے طعنے ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ زندگی کے عذاب سے چھٹکارا پا جاتی ہیں۔

برہمنوں میں ذات پات کا احساس دوسری ذاتوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری ذات کے لوگ ان سے رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رشتہ عورت کے ذریعہ ہی جوڑا جا سکتا ہے۔ اس طرح عورت اونچی ذات میں داخل ہونے کا دروازہ سمجھی جاتی ہے۔ اگر اس کی شادی اونچی ذات میں ہو جائے تو اس کی اولاد بھی اونچی ذات میں شمار ہو گی۔ نسل باپ سے چلتی ہے۔ اگر وہ اپنی ہی ذات میں شادی کرے تو اس کی اولاد اس ذات کی کہلائے گی اگر کہیں وہ اپنے سے نیچی ذات میں شادی کرے تو اس کی اولاد بھی نچلی ذات میں شمار ہو گی۔ مرد اس بات کا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ اپنی ہی ذات میں شادی کرتے ہیں۔ لیکن نچلی ذات والی لڑکیوں سے ناجائز تعلق رکھتے ہیں۔ لڑکیاں اس بات سے خوش ہوتی ہیں۔ کہ ان کی اولاد ایک برہمن سے ہے۔ خواہ وہ ناجائز ہی کیوں نہ ہو۔ مرد اس طرح اپنی ذات کو بانٹتا رہتا ہے ــــ

جنوبی ہند کے صوبہ کیرالا میں عنبودری برہمن رہتے ہیں۔ یہ خود کو سب سے اونچی ذات کا برہمن سمجھتے ہیں۔ یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ مندروں اور مندروں کی.. جاگیروں پر ان کا پورا تصرف ہے۔ جائداد کے بٹوارے کے ڈر سے یہ لوگ زیادہ اولاد پیدا نہیں کرتے۔ ان کے یہاں خاندان میں صرف بڑے بھائی کو شادی کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اُن کے چھوٹے بھائی عمر بھر کنوارے رہتے ہیں۔ لیکن انھیں نچلی ذات والی لڑکیوں سے تعلق رکھنے کی آزادی ہوتی ہے۔ یہ نائر لڑکیاں ہوتی ہیں۔ نائر ذات میں مادری سماج رائج ہے۔ نائر لڑکیاں اس تعلق سے خوش ہوتی ہیں۔ اس طرح ان کی اولاد ان سے ایک درجہ اونچی ہو جاتی ہے۔ عنبودری برہمن ان پر ایک طرح کا احسان کرتے ہیں۔ نائر عورتوں میں شادی کا بندھن سخت نہیں ہے۔ ان کے

سماج میں لڑکی کبھی اپنا گھر چھوڑ کر خاوند کے گھر نہیں جاتی۔ بلکہ خاوند ہی اس کے گھر آتا ہے۔ وہ صرف رات بھر کا مہمان ہوتا ہے اور صبح اُٹھ کر اپنی راہ لیتا ہے۔ ان کے سماج میں طلاق بہت آسان ہے۔ اگر عورت مرد سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے تو رات کو اس کے جوتے باہر رکھ کر دروازہ بند کر دیتی ہے۔ مرد بات سمجھ جاتا ہے اور طلاق ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک اور دلچسپ بات قابلِ ذکر ہے۔ عنبو دری برہمن نائر عورت سے ازدواجی تعلق تو قائم کر لیتے ہیں لیکن اس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا نہیں کھاتے۔ نچلی ذات کی عورت کے ہاتھ سے بنا ہوا کھانا ان کا دھرم بھرشٹ کر دیتا ہے۔ ایسا کھانا کھانے سے ان کے جسم میں ناپاکی آجاتی ہے۔ ازدواجی تعلقات سے صرف بیرونی ناپاکی کا احتمال ہوتا ہے۔ جو غسل کرنے سے رفع ہو جاتی ہے۔

اس جنسی آزادی سے مردوں کے لئے تو عیش کا سامان مہیا ہو جاتا ہے لیکن عنبودری عورتوں کو دو بڑی مشکل کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ عنبودری عورتیں پردے کی پابند ہوتی ہیں۔ وہ جب گھر سے نکلتی ہیں تو کیلے کے پتوں کی چھتری سے اپنا منہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ عنبودری عورتوں کے پردے کی سختی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عورتیں اپنی شادی کی رسموں کے دوران بھی گھر سے باہر نہیں نکلتیں اگر انہیں گھر سے باہر جانا پڑے تو ایک نائر لڑکی ان کے بدلے باہر جاتی ہے۔ اور ان کی طرف سے رسم ادا کرتی ہے۔

برہمنوں کا ایک ایسا ہی طبقہ بنگال میں بھی موجود ہے۔ یہ کولین برہمن کہلاتے ہیں۔ ان برہمنوں کی ذات سب سے اعلیٰ ہے۔ شادی کے لئے ان کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ لوگ ان سے رشتہ جوڑنے کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک انار اور سو بیمار والا معاملہ ہو جاتا ہے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک کولین برہمن کئی کئی برہمن لڑکیوں سے شادی رچاتا ہے۔ یہ لڑکیاں برہمن ہوتی ہیں لیکن کولین ذات کی نہیں ہوتیں۔

کولین برہمن کو اپنی بیوی اور بچوں کے لئے کچھ
نہیں کرنا پڑتا۔ اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی
کچھ کولین برہمن شادی کی رات کے بعد
کبھی اپنی سسرال نہیں جاتے۔ لڑکی کو اپنے
خاوند کی شکل بھی یاد نہیں رہتی۔ اُسے دوبارہ
اپنے خاوند کا منہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔
لیکن وہ بیوی کی ساری ذمہ داری سنبھالتی ہے۔
اپنے خاوند کی موت کی خبر سُن کر وہ بیوگی کا لباس
پہن لیتی ہے۔ سر کے بالوں کا صفایا کرا دیتی ہے۔
اکثر لڑکی کی عمر اپنے خاوند سے بہت کم ہوتی ہے
اس طرح ظاہر ہے کہ وہ کم عمری میں ہی بیوہ ہو جاتی
ہیں۔ بنگال میں بال دھوا یعنی کم عمر بیوہ کا مسئلہ
ادیبوں اور ریفارمرؤں کی توجہ کا مرکز بنا رہا
ہے۔ ایک بچی جس کو شادی کا مطلب بھی معلوم
نہیں، جو کبھی سسرال نہیں گئی، جو اپنے خاوند
کو جانتی بھی نہیں، شوہر کی موت کے بعد بیوگی کے
پورے فرائض انجام دیتی ہے۔ اس ظلم کے خلاف
بنگال کے ادیبوں نے آواز اُٹھائی۔ حکومت نے
بھی قانون بنائے۔ چنانچہ اب یہ رواج تقریباً
ختم ہو گیا ہے۔

جنوبی ہند میں شادیوں کے مختلف طریقے
رائج ہیں۔ تامل برہمنوں میں لڑکی کی شادی
چھوٹے ماموں سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ماموں
کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی سے شادی جائز ہے۔ لیکن
خالا اور چاچا کی بیٹی سے شادی ناجائز ہے۔ ان
سب رواجوں میں یہی اُصول کارفرما ہے کہ نسل
باپ سے چلتی ہے۔ ماموں بھانجی کی شادی کا...
رواج اب کم ہے۔ لیکن ماموں زاد اور پھوپھی
زاد بھائی سے شادی کا رواج ابھی باقی ہے اس
کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح لڑکی اپنے گھر اور گاؤں
سے دور نہیں جاتی۔ اس کی ننھیال ہی اس کی
سسرال بن جاتی ہے۔ اس طرح اسے اجنبی لوگوں
سے واسطہ نہیں پڑتا۔ اگر لڑکی بہت غریب ہے
یا بدشکل ہے تو اس کی شادی کی ذمہ داری اس
کے ماموں پر ہے۔ ماموں اس ذمہ داری کو اس
طرح نبھاتا ہے کہ اپنے لڑکے کی شادی اس سے
کر دیتا ہے۔

آپس کی شادیوں میں لڑکی سسرال کے
ماحول کو جلد اپنا لیتی ہے۔ لیکن یہاں ایک قباحت
بھی پیش آتی ہے۔ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو

اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ بچپن میں بہن بھائی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کھیلے ہوتے ہیں۔ یہ اپنائیت محبت کی شدت کو کم کر دیتی ہے۔ وہ ولولہ جو ایک غیر عورت کو دیکھ کر دل میں پیدا ہوتا ہے رشتے کی بہن کے لئے نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ خیال کہ رشتے کی بہن بیوی بن سکتی ہے۔ لڑکے لڑکی کے بچپن میں غیریت اور تکلف پیدا کرتا ہے۔

شمالی ہند میں رشتے کی بہن سے شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر شادیاں دوسرے گاؤں میں ہوتی ہیں۔ یہ گاؤں ۲۰، ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہوتے ہیں۔ نچلی ذات کے ہندوؤں میں شادی کا دائرہ ۱۵، ۲۰ میل کے اندر رہی ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں لڑکی کو اپنے گھر سے بہت دور جانا پڑتا ہے۔ بابل کا گھر چھوڑنا اس کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شادی کے بعد بھی لڑکے والے لڑکی والوں کے یہاں نہیں جاتے۔ لڑکی کے بزرگ اس کے سسرال کے گاؤں کا پانی پینا بھی پسند نہیں کرتے۔ لڑکی سسرال میں تنہائی محسوس کرتی ہے۔ شادی کے ابتدائی سال اس کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اس کی ساس نندیں اس پر ظلم کرتی ہیں وہ میکے سے اپنا تعلق ختم کر چکی ہوتی ہے۔ لے دے کے ایک شوہر کا سہارا ہوتا ہے لیکن اس بے چارے کے لئے بھی آگے کنواں اور پیچھے کھائی والا معاملہ ہے۔ وہ بیوی کی حمایت لے تو اس کی ماں بہنیں اُسے طعنے دیتی ہیں کہ وہ ایک غیر کے لئے اپنے خون سے لڑ رہا ہے۔ ماں بہنوں کی طرف داری کرے تو اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے۔ شمالی ہند کے لوک گیت اس صورتِ حال کی خوب عکاسی کرتے ہیں۔

اگر بہو لڑکا پیدا نہ کر سکے تو صورت حال اور بھی بگڑ جاتی ہے۔ اگر لڑکا نہ ہوا تو باپ کا کریا کرم اور شرادھ کون کرے گا۔ اگر لڑکی بچہ پیدا نہ کر سکے تو خاوند اُسے گھر سے باہر نکال سکتا ہے اور دوسری شادی کر سکتا ہے۔ دوسری شادی کرنا آسان کام ہے اس میں زیادہ رسم و رواج کا دخل نہیں رہتا۔ گجرات کے کئی ضلعوں میں تو شادی کے لئے پھولوں کے ہار کا تبادلہ ہی کافی ہوتا ہے۔

پنجاب اور ہریانہ کے دیہات میں بیوہ کی

شادی اس کے دیور سے کر دی جاتی ہے۔ اس شادی کو چادر ڈالنا کہتے ہیں۔ گذشتہ لڑائیوں میں .. سپاہیوں کی بیواؤں کا مسئلہ سامنے آیا تھا۔ اس وقت بیواؤں کو ان کے سسرال والوں نے اپنے گھر میں ہی رکھا۔ تاکہ وہ اپنے دیوروں کے بڑے ہونے کا انتظار کریں۔ دیور جب شادی کے قابل ہوگا تو ان پر چادر ڈال دے گا۔

ہماچل کے کچھ حصوں میں ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا رواج ہے۔ چکراتہ اور جان سرابر کے علاقے میں ایک عورت سب بھائیوں کی بیوی ہوتی ہے۔ اس کی شادی بڑے بھائی سے ہوتی ہے لیکن اس پر سب بھائیوں کا حق ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں دروپدری کی مثال دی جاسکتی ہے۔ جو پانڈو بھائیوں کی مشترکہ بیوی تھی۔

ہندوؤں میں سہاگ کا رشتہ خون کے رشتے سے بڑھ کر ہے۔ لڑکی ایک دفعہ میکے سے سسرال چلی گئی، تو اس کے سارے پچھلے بندھن ٹوٹ گئے۔ اب سسرال اس کا گھر ہے۔ ہندی میں بیوی کو "اردھانگنی" کہتے ہیں یعنی وہ مرد کا آدھا جسم ہوتی ہے۔ شوہر اور بیوی ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ جنم جنمانتر کا رشتہ کہلاتا ہے داماد سسرال جائے تو اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت ایک خاص مہمان کی سی ہوتی ہے۔" ▭▭

---

ضلع بستر کے ایک جنگلی قبیلہ کے لوگوں میں شادی کا بڑا دلچسپ رواج ہے۔ اس قبیلے کے لوگ ہر سال شادی کی ایک مارکیٹ لگاتے ہیں جس میں قبیلے کی لڑکیاں بکاؤ مال کی طرح سج اور بن سنور کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور قبیلے کے لوگ اپنی من پسند کی لڑکیاں خرید لیتے ہیں۔ دلہنوں کی اس مارکیٹ میں تمام لڑکیاں دس سال سے کم عمر کی ہوتی ہیں۔ اور ان کی قیمت ایکسو روپیہ فی سال کے حساب سے ادا کی جاتی ہے۔ یعنی پانچ سال کی لڑکی 500 روپئے میں اور دس سال کی لڑکی ایک ہزار روپئے میں یہاں تمام خریداری مقامی قبیلے کے لوگ ہی کر سکتے ہیں کوئی غیر شخص ان کو خرید نہیں سکتا۔" (فاطمہ زہرا)

# اگر شیطان مر جائے تو!

کائنات کے سب سے بڑے فلسفی اخبار نویس، عالم اور سیاسی لیڈر کا تذکرہ،
اگر وہ مر گیا تو لوگ کیا کیا کہیں گے۔ ذرا پڑھیے تو.....

میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ زمانہ مردہ پرست واقع ہوا ہے جب تک کوئی شخص زندہ رہتا ہے اس
کے خلاف ہزاروں زبانیں زہر اگلتی ہیں وہ اپنی بدکاریوں، غداریوں اور بے ایمانیوں کے لئے انگشت نما رہتا ہے یہ اور بات ہے کہ ان الزامات
کی صداقت اور عدم صداقت کا امتحان نہ کیا جائے لیکن موت اس کے تمام عیبوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اس کے مخالفین جب یہ سنتے
ہیں کہ وہ دنیا کی فضا میں آخری سانس لے چکا ہے تو ان کا لب و لہجہ فوراً بدل جاتا ہے اور وہی شخص جو کچھ عرصہ سے پہلے ان کی نظر میں
دنیا جہان کی برائیوں کا منبع ہوتا ہے دفعتہً حسن اخلاق اور دیانت و امانت کا دل کش پیکر بن جاتا ہے اس دلچسپ تمثیل کا ایک پہلو
یہ ہے کہ مرنے والا خود اس مدحت سرائی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور شاید اس کے دشمن دل ہی دل میں کہتے ہوں "وہ ایک جہان
میں پہنچ گیا ہے جہاں ہماری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے ہمیں اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے منہ سے اپنی تعریفیں
سن کر غرور سے سربلند کر سکے۔"

آپ اور آپ کے دوست کسی شخص کو تمام عمر حد درجہ کا بخیل اور کنجوس مشہور کرتے رہیں گے لیکن جب وہ موت سے ہم کنار
ہو جائے گا تو آپ ہی میں سے کوئی شخص کہہ اُٹھے گا "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ دوسرے صاحب فلسفیانہ انداز میں اپنا
سر ہلاتے ہوئے کہیں گے "بھائی وہ آدمی بڑا دانا تھا۔ شہدوں کی طرح دولت لٹاتا نہیں تھا۔ اس کا اصول تھا کہ دولت کی نمائش
کم ظرفوں کا کام ہے۔" تیسرے صاحب کہتے ہیں "لوگ کہتے ہیں وہ دل کا بڑا سخی تھا آج تک کوئی سائل دروازے سے واپس نہیں گیا۔"
اور اس موقع پر وہ اپنی طباعی سے فائدہ اُٹھا کر مرحوم کی سخاوت کے دو تین قصے ارتجالاً گھڑ دیتے ہیں اور لوگ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں

کہ دنیا اپنا بہترین انسان کھو چکی ہے۔

سیاسی لیڈر اپنے مخالفین سے ہمیشہ لفظی جنگ میں مصروف رہتے ہیں اسے ملک کا غدار اور ملت کا دشمن بتاتے ہیں لیکن جب وہ مر جاتا ہے تو ایک عظیم الشان جلسہ جس میں انسانی سروں کا "ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر" نظر آتا ہے منعقد کیا جاتا ہے۔ جس میں مرحوم کی ملی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا مانگی جاتی ہے اور عوام کو بتایا جاتا ہے کہ قصر قومیت کا ایک بہت بڑا ستون گر پڑا۔

انہی حقائق کے پیش نظر میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر شیطان آج مر جائے تو دنیا والوں کا ردعمل کیا ہو۔ شیطان ہی ایک ایسی ہستی ہے جسے خدا اس کے ساتھی اور کائنات انسانی نے ہمیشہ ملعون و مغضوب قرار دیا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کے لغات میں جس قدر ملامت کے الفاظ ہیں وہ تمام شیطان پر صرف کئے جاتے ہیں لیکن شیطان اگر آج فنا کا جام پی لے تو اس کے متعلق دنیا کا نقطۂ نظر یقیناً بدل جائے گا۔ آج جس قدر برائیاں شیطان کے سر تھوپی جا رہی ہیں تقریباً اس سے دوگنی نیکیوں کا سہرا اس کی لاش پر باندھا جائیگا دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک ایک جوش پھیل جائے گا اور بڑے بڑے اخبار نویس، ادیب فلسفی عالم اور سیاسی لیڈر شیطان کو خراج عقیدت ادا کریں گے۔ عوام ایک دوسرے سے اس کی صفات بیان کریں گے "اجی کیسا دل گردے والا تھا خدا اور اس کے سارے فرشتوں کے مقابلے میں آخر تک ڈٹا رہا۔ وہ تو عزرائیل نے موقع پا کر دبوچ لیا ورنہ یوں مر سکتا تھا۔ آدم کو سجدہ کرنے کی بات ہی کیا تھی۔ اتنی سی بات پر خدا سے بگڑ گئی وہ دن اور یہ دن یہ خدا کی مخالفت سے باز نہیں آیا۔ جو کہدیا بس کہدیا بات کا ایسا دھنی دیکھا نہ سنا۔

ایک فلسفی اخبار کے نمائندے کو بیان دیتے ہوئے فرمائیں گے:۔

دنیا ایک ایسی قوت سے محروم ہو گئی ہے جس نے کائنات کا توازن برقرار رکھا تھا۔ شیطان کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس نے آدمؑ کو جنت کی بے عمل اور بے کیف زندگی سے نکال کر اسے حیات کی لذتوں اور رنگینیوں سے روشناس کرایا۔ اس کی موت سے زندگی پھر نیکیوں کا گہوارہ بن جائے گی اگر ہم نے شیطان کی روح کو برقرار نہ رکھا تو مجھے ڈر ہے کہ دنیا ہنگاموں سے خالی ہو جائے گی اور ہم جمود اور بے حسی کے اسی جال میں گرفتار ہو جائیں گے جس سے بقائے آفرینش میں حضرت شیطان نے ہمیں نجات دلائی تھی۔"

ایک اخبار نویس اس کی موت پر یوں تبصرہ کریں گے :۔

حضرت عزازیل سے ہمیں ذاتی تعارف حاصل تھا اور ان کی موت کی خبر قارئین کو پہنچاتے وقت ہمارا دل غم سے فگار ہو رہا ہے وہ دنیا کے سب سے پہلے اخبار نویس تھے اور پروپیگنڈہ کا فن ان کی طباعی کا رہون منت تھا انھوں نے حوا کو بہکا کر آدم اور حوا کے خلاف جو کامیاب پروپیگنڈہ کیا۔ اس کا نتیجہ آج آپ کو اور ہمیں اس وسیع و عریض کائنات کی صورت میں نظر آرہا ہے حضرت عزازیل کی تمام عمر اِدھر اُدھر پروپیگنڈا کرتے گزری۔ وہ اخبار نویسوں کے لئے منبع الہام تھے اور ان کی وفات صحافتی برادری کے لئے ایک صدمۂ جانکاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

بدلہ سنج شاعر اس پر دلسوز نظمیں لکھیں گے اور تو اور علماء کے طبقے میں بھی ہل چل مچ جائے گی اور وہ کہیں گے :۔

"شیطان گمراہ کر کے ہمیں اس بات کا موقع دیتا تھا کہ ہم کفر کے فتووں کے لٹھ سے ان کی اصلاح کریں لیکن اس کی موت نے ہم سے یہ موثر طریقہ چھین لیا ہے وہ مر چکا ہے اب دنیا میں حکومت نیکی کی ہوگی۔ افسوس کہ اب تقریریں کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی موضوع نہیں رہا۔"

سیاسی لیڈروں کو یہ خیال ستائے گا کہ شیطان کی موت سے سیاست کا بازار سرد پڑ جائے گا اور اس بات کا اثر لازمی طور پر ہماری اقتصادی حالت پر ہوگا۔ دنیا کے جنگجو ڈکٹیٹر اس بات پر افسوس کریں گے کہ اب جنگ کے لئے بہانے تراشنے کا فن انھیں کون سکھائے گا۔ وہ حسرت سے اپنے آلات حرب پر نظر کریں گے اور "ہائے شیطان" پکار کر خاموش ہو جائیں گے البتہ فرشتے ضرور اس واقعہ پر مسرور ہوں گے اور سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے کہیں گے "اچھا ہوا مر گیا۔ کم بخت نے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اب جب تک خدا کوئی نیا شیطان نہیں بناتا ہم چین کریں گے۔" اور جبرائیل پکار اُٹھے گا "خاموش رہو، وہ ہم سب کا استاد تھا۔" ★★★ (ماخوذ)

---

**اگر کسی ماہ میں**

حجاب نہ ملے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ڈاک کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ دوبارہ بلا قیمت منگا لیجئے حجاب کے سلسلے میں شکایتی خطوط کا جواب نہیں دیا جاتا بلکہ جواب میں مطلوبہ شمارہ بھیجدیا جاتا ہے۔ اگر مطلوبہ پرچہ دفتر میں نہیں ہوتا ہے تو جواب دیا جاتا ہے۔" منیجر"

# نئی دلہن اور سسرال

شادی کے بعد جب اپنے ماں باپ سے رخصت ہوکر لڑکی سسرال کی چوکھٹ پر قدم رکھتی ہے تو کچھ اس طرح کی امید اور تصورات اس کے ذہن میں ہوتے ہیں کہ وہاں اسے خاندان کے ہر فرد کا پیار حاصل ہوگا۔ شادی کے شروع کے دنوں میں وہ ایک مہمان کی طرح کچھ دن سسرال میں گزار کر پھر اپنے والدین کے پاس آجاتی ہے اس دوران سسرال کا ہر فرد اس کے آرام اور خوشی کا خیال رکھتا ہے اور دلہن کو سب ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ نتیجے میں جب وہ اپنے گھر جاتی ہے تو سسرال والوں کی خوب تعریف کرتی ہے اور سوچتی ہے کہ اس کی سسرال کے لوگ کتنے اچھے ہیں۔ اس کا کتنا خیال کرتے ہیں اور اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد شادی کی چہل پہل ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ قریبی عزیز اور رشتہ دار بھی جا چکے ہوتے ہیں۔ گھر میں صرف گھر کے لوگ رہ جاتے ہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ نئی دلہن کو اپنی ساری زندگی گزارنا ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں امید کی جاتی ہے کہ دلہن اپنے فرائض کو سمجھ لے گی۔ ویسے بھی جب کوئی لڑکی سسرال میں قدم رکھتی ہے تو کچھ نئی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر کے آتی ہے اور خود بخود اپنے فرائض ادا کرنے کی عادی بن جاتی ہے۔ اسے اپنے کئے ہوئے تھوڑے سے کام کے لیے بھی مناسب تعریف اور حوصلہ افزائی مل جاتی ہے تو وہ بڑی سے بڑی ذمہ داریوں کو خوشی خوشی اپنے سر لے لیتی ہے۔ جلد ہی وہ سمجھ جاتی ہے کہ سسرال میں اس کی ذمہ داری صرف اپنے شوہر تک ہی محدود نہیں بلکہ گھر کے دیگر افراد کی حد تک بھی اس پر الگ الگ فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہیں اب

ان فرائض اور ذمہ داریوں کو نئی دلہن کس طرح انجام دیتی ہے یہ سسرال کے افراد پر منحصر ہے۔

گھر کا ہر فرد اگر یہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ نئی دلہن کی بھی اپنی کچھ خواہشات ہوتی ہیں۔ کچھ ارمان ہوتے ہیں اس نے بھی اس گھر میں آنے سے پہلے کچھ خوابوں کو سجا رکھا ہے۔ اور ان احساسات اور جذبات کو محسوس کر کے وہ ان کو اولیت دیتے ہیں تو بلاشبہ نئی دلہن سسرال میں اپنے تمام فرائض بخوشی ادا کرے گی۔ اگر نئی دلہن کا خیال گھر کا ہر فرد رکھے گا تو دلہن بھی گھر کے افراد کا پورا پورا خیال رکھا کرے گی اور اس سے کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کے برعکس نئی دلہن کے دل پر کتنی کاری ضرب لگتی ہے جب اُس کی وہی ساس جو شروع میں اس کے کھانے پینے اور آرام کا پورا خیال رکھتی تھی۔ اسے یہ کہتی سنائی دیتی ہے "اب تو میری بہو آگئی ہے، یہی سارا گھر سنبھالے گی" اور وہ سچ مچ ہی سارا گھر بہو پر چھوڑ دیتی ہے۔ نئے گھر کے کاموں سے ایک دم ناواقف بے چاری نئی دلہن سارے گھر کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیتی ہے۔ اِدھر نندیں کہتی ہیں "اب تو بھابی آگئی ہیں۔ چلو اب ہمیں آرام ملے گا" اِدھر جٹھانی بھی اپنے چھوٹے موٹے کام نئی دلہن کو سونپ دیتی ہیں۔ خسر صاحب بھی اپنے کاموں کے لیے نئی دلہن کی راہ تکتے ہیں اور جو ماں اپنے بیٹے کا ہر طرح خیال رکھتی تھی وہ بھی کہتی ہے۔ "اب تو تیرے کام کرنے والی آگئی ہے۔ وہی کرے گی اب تیرے کام۔

بہت دن کر لیا میں نے۔ اب نہیں ہوتا" اور یہی جواب بھائی اور بہنوں کا بھی ہوتا ہے۔

نئی دلہن کا دل گھبرا جاتا ہے۔ سب کے کاموں سے دبی ہوئی وہ سوچنے لگتی ہے کہ اس کا اس گھر میں کوئی نہیں ہے۔ سب اپنا اپنا کام نکالنے والے ہیں۔ گھر اسے قید خانہ سا محسوس ہونے لگتا ہے وہ جو کچھ بھی کرتی ہے بے دلی سے۔ ایسی صورت میں اگر نئی دلہن اپنے شوہر کے ساتھ الگ رہنے کے بارے میں سوچنے لگے تو اسے قصوروار نہیں سمجھنا چاہیے۔ کاش اس کی سسرال والے یہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے کہ ہر دلہن کے دل میں ساس سسر، نند اور جٹھانی سے پیار اور محبت پانے کے ارمان ہوتے ہیں

وہ بھی اپنے لیے ہمدردی کی خواہاں ہوتی ہے۔ شوہر کی محبت کے ساتھ وہ گھر کے دیگر افراد کے پیار کو پانے کی تمنا شادی سے بھی پہلے کرتی ہے۔ سسرال اور میکے میں وہ بالکل فرق نہیں سمجھتی، بلکہ وہ میکے سے زیادہ سسرال والوں کا پیار پانے کی خواہشمند ہوتی ہے۔

نئی دلہن کا دل جیتنے کے لیے ماں اپنے بیٹے کا، بہن بھائی اپنی بھابی کا اور بڑی بھابی اپنے دیور اور اپنے بچوں کا .. کام پہلے کی طرح سنبھالے رہیں۔ نئی دلہن کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے۔ اس پر ایک دم کام کاج کا بوجھ نہ ڈالا جائے تاکہ نئی دلہن کو اپنائیت اور محبت کا احساس ہو۔ نئی دلہن گھر کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لے، اس کے لیے جلد بازی نہیں کرنی چاہئے بلکہ کچھ عرصہ انتظار کرنا چاہئے کیونکہ نئی دلہن بھی گوشت پوست کی بنی ہوئی ہے۔ کوئی مشین نہیں ہے۔

اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نئی دلہن گھر کے دیگر افراد کے کاموں کو نظر انداز کر کے اپنے شوہر کے کاموں کی طرف زیادہ توجہ دے گی۔ اس لیے اس کے شوہر کے سارے کام شروع سے ہی اس پر چھوڑ دیے جاتے ہیں لیکن یہ ایک غلط خیال ہے۔ گھر میں لڑکے کی ماں اور بھائی اور بہنوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی بھی نئی دلہن کے لیے ایک دم اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانا اس کے بس سے باہر ہوگا۔ شروع شروع میں نئی دلہن صرف شوہر کا پیار گھر کے افراد کی محبت اور صرف آرام پانے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ یہ ساری ذمہ داریاں ایک دم اس پر نہ لادی جائیں۔ لیکن جب وہ دیکھتی ہے کہ گھر کا کوئی فرد اس کے یا اس کے کسی کام کو کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو وہ اپنے اور اپنے شوہر کو گھر سے الگ سمجھنے لگتی ہے وہ یہ بھی سوچتی ہے کہ جب گھر کے لوگ اس کے شوہر کا کوئی کام نہیں کرتے تو وہ دوسروں کا کام کیوں کرے؟ یہی بات پھر اسے اپنے شوہر کے ساتھ الگ رہنے پر اکسانے لگتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پہلے ہی کی طرح گھر کے لوگ اس کے شوہر کے کاموں پر دھیان دیں اور ان کاموں کی ساری ذمہ داری نئی دلہن

کے کندھوں پر نہ ڈالیں۔ شروع شروع میں گھر کے لوگوں کا بوجھ نئی دلہن پر جتنا کم ڈالا جائے، اتنا ہی اچھا ہوگا۔ خود نئی دلہن کو شوہر زیادہ سے زیادہ اپنے پاس دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر نئی دلہن گھر کے کاموں میں پھنسی رہے گی تو وہ شوہر سے دور رہے گی اور یہ بات شادی کے شروع دنوں میں میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے لیے کسی طرح بھی سودمند نہ ہوگی۔

مشترکہ خاندان کا رواج اب ٹوٹتا جا رہا ہے ملازمت اور دیگر مجبوریوں کے باعث اب سب گھر والوں کا ساتھ رہنا ممکن نہیں رہا ہے لیکن پھر بھی نئی دلہن جب شادی کے بعد آتی ہے تو اپنی سسرال میں تھوڑے عرصہ ضرور رہتی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ مختصر عرصے میں سسرال کے افراد نئی دلہن کے دل پر اپنا اچھا اثر قائم کریں اور اسے یہ احساس کرائیں کہ ... وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ خود بھی اس خاندان میں اپنے آپ کو الگ تھلگ یا مہمان نہ سمجھے۔

نئی دلہن اگر کہیں ملازمت کرتی ہے تو وہ صرف چھٹیوں میں ہی سسرال آسکتی ہے اور اس دوران وہ چاہتی ہے کہ سسرال میں آرام اور سکون کے لمحات نصیب ہوں۔ اگر سسرال کا سارا کام اس پر آپڑے تو وہ دوبارہ اس کا دل کبھی سسرال آنے کو نہیں چاہے گا۔ اس کے بعد جب وہ چھٹی ختم کرکے چلنے لگتی ہے تو کسی دیور یا نند کی پڑھائی کا خرچ اس کے سر ڈال دیا جاتا ہے۔ یا پھر گھر کا ہر فرد اس سے قیمتی فرمائش کرنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے آج کل کے مہنگائی کے زمانے میں بہت زیادہ قیمتی فرمائش پوری کرنا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ نتیجہ میں نئی دلہن کے لیے الجھن پیدا ہوجاتی ہے۔ گھر والوں کو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر پہلے سے کچھ نہ کہا جائے تو بھی وہ جب آئے گی تو چھوٹوں کے لیے خود کچھ نہ کچھ لیکر آئے گی۔ ان پر ہی قناعت کرنا چاہیے۔ اگر دلہن سسرال میں ہی رہ کر ملازمت کرتی ہے تو بھی سسرال کے افراد کو کچھ باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جب وہ دفتر یا اسکول سے تھکی ہاری واپس آئے تو اس کا خیال رکھنے والا بھی کوئی ہونا چاہیے۔ آتے ہی اس سے یہ امید نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ گھر کے کام کاج میں جٹ جائے گی۔ یہ عام طور

سے دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ اگر دلہن نوکری سے واپس آئی ہے اور تھکن یا طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اس نے ذرا آرام کر لیا ہے تو گھر کے تمام افراد کے تیور بدل جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں سوچنے کی مہلت کسی کو نہیں ہوتی۔ پھر دلہن سے یہ امید بھی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تنخواہ میں سے اپنی مرضی سے اپنے اوپر ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کے منھ سے دلہن کے پکائے ہوئے کھانے یا کسی اور کام کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس پر نندوں اور گھر کے دیگر افراد کا منھ پھول جاتا ہے۔ وہ غصّہ میں آکر گھر کا سارا کام کرنا بند کر دیتی ہیں اور طعنے کے طور پر اس پر کہنے لگتی ہیں۔ "اب کیوں پسند آئے گا ہمارا کیا ہوا کام ؟" اب نئی دلہن جو آگئی ہے ؟ اس طرح کی باتوں سے نئی دلہن کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو گھر کے افراد سے الگ الگ محسوس کرنے لگتی ہے۔

آخر میں ایک اور اہم بات ہے جس پر دھیان دینا بے حد ضروری ہے۔ اپنے جہیز کے سامان کو دلہن اپنے سسرال والوں کے سپرد اس اعتماد کے ساتھ کرتی ہے کہ وہ اس کی مناسب دیکھ بھال کریں گے۔ لیکن عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ گھر میں سارا سامان ہونے کے باوجود دلہن کا سامان استعمال ہونے لگتا ہے اور یہ استعمال بھی بے پروائی سے ہوتا ہے۔ سسرال کا ہر فرد دلہن کے سامان پر اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ بعض نندیں تو اس کے کپڑے نکال کر پہننے لگتی ہیں ان تمام باتوں کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ مجبور ہو کر اگر بہو کے منھ سے کوئی لفظ نکل گیا تو سمجھ لیجئے گھر میں قیامت آجاتی ہے۔ یہ بات تو بہت چھوٹی سی ہے۔ مگر اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اپنے جہیز کے سامان کی بے قدری اور بربادی دلہن کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

جب نئی دلہن سسرال کی چوکھٹ پر قدم رکھتی ہے تو اس کا ذہن اور دل کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں اور سمجھداری دکھانے کا موقع بعد میں ہی ملتا ہے۔ پہلے تو سسرال کے افراد کا نمبر آتا ہے۔ سسرال کے افراد کا برتاؤ اس کے دل کے کورے کاغذ پر اپنی چھاپ چھوڑتا ہے۔ اب یہ سسرال کے افراد پر منحصر ہے کہ وہ

ان کے دل اور دماغ پر کس طرح کے تاثرات چھوڑتے ہیں۔

باتیں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق دل اور دماغ سے ہے، جذبات اور احساسات سے ہے۔ اس لیے اگر اس پر دھیان دیا جائے تو سارا ماحول پیار محبت کے رنگوں سے بھر سکتا ہے اور ان ہی باتوں پر دھیان نہ دینے سے ایک دوسرے کے درمیان ایسی دراڑیں پڑ سکتی ہیں۔ ایسے فاصلے پیدا ہو سکتے ہیں جو پھر کبھی دور نہیں ہو سکتے۔ (بشکریہ بانو دہلی)

## سوالات ........ جو خود اپنا جواب ہیں

۱. بالعموم شادی کی بات چیت کے دوران کہا جاتا ہے کہ جہیز دینا سنت ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاروں صاحبزادیوں میں کس کو کیا جہیز دیا۔ خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ صحابیاتؓ، تابعینؒ، تبع تابعین کے واقعات سیرۃ میں ان کی شادیوں کے ضمن میں جہیز کے لین دین کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا؟ خود آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کتنا جہیز لائیں؟ اگر جہیز دینا سنت ہے تو کس درجہ کی سُنّت ہے؟

۲. حضرت فاطمہؓ کی سیرۃ کے ضمن میں یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں جہیز میں چکی، گدا، گھڑا، چارپائی وغیرہ عنایت ہوا تھا۔ اسکی کیا حقیقت ہے۔ سیرۃ طیبہ کے مطالعے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نہ صرف کم سِنی بچپن سے جوانی تک حضورؐ کے زیر پرورش رہے بلکہ بعد ہجرت "مواخاۃ" میں بھی حضورؐ نے ہی انھیں اپنا بھائی قرار دیا اور نکاح ہونے تک وہ آپ ہی کے پاس تھے۔ ہجرت کے پہلے ہی سال آپ کا نکاح طے ہو رہا تھا تو گویا ادھر حضرت علی ادھر بی بی فاطمہ گھر ہی کے بچے بچی "جن کا" جینا الگ جانا "پیش نظر تھا اور سرکارؐ نے انتہائی سادگی سے انجام دیدیا۔ اس سے جہیز کا جواز کب اور کیسے نکل آیا؟ آج بھی عرب ممالک میں جہیز کا تصور نہیں پایا جاتا۔ اسکے برخلاف ہندستان کے سماج میں اہل ہنود کے ہاں عورت کو وارث نہیں سمجھا جاتا تھا اسلئے شادی کے موقع پر لڑکی کو کنیادان کے نام سے کچھ رقم اور سامان حوالے کر دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تو از روئے شرع عورت وارث قرار پاتی ہے۔ یہ جہیز کی "سنت" واقعی سنت ہے یا بدعت؟ بلکہ کہیں ومن تشبہ بقوم فھو منھم کی وعید میں تو ہم نہیں آجائیں گے۔ (سید محمد سعید آباد، حیدرآباد)

ورجینیا میں ایک خاتون نے بالوں پر ہیئر سپرے چھڑکا، پھر سگریٹ نکالا اور گنگناتے ہوئے اسے ماچس دکھائی لیکن اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے مارے حیرت کے اور خوف کے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ سگریٹ نیچے گر پڑا پلک جھپکتے میں بالوں نے آگ پکڑ لی۔ خاتون کا چہرہ اور گردن بُری طرح جھلس گئی۔ کیمیاوی تجزیے سے معلوم ہوا، ہیئر سپرے کرنے کے بعد بالوں پر ایک خاص قسم کا مادہ جم جاتا ہے جو ذرا سی حرارت ملنے پر فوراً آگ پکڑ لیتا ہے۔ اس کی یہ خاصیت سپرے کے آٹھ دس منٹ بعد تک برقرار رہتی ہے۔

چند برس پہلے تک ہیئر سپرے کے سلسلے اس طرح کے خطرات سے صارفین کو آگاہ کرنے کے لئے عام طور پر کوئی ہدایت یا وارننگ درج نہ ہوتی۔ چنانچہ کئی افراد انجانے میں مہلک حادثوں کا شکار ہو جاتے۔ اب کچھ عرصے سے چند کمپنیوں نے اس سلسلے میں ضروری حفاظتی اقدامات کئے ہیں اور صارفین کو ہدایت کی جانے لگی ہے۔ کہ ہیئر سپرے کرتے وقت سگریٹ نہ سلگائیں۔ یا ڈبہ آگ سے دور رکھیں۔ کچھ کمپنیوں والے ہیئر سپرے چھڑکتے وقت آنکھیں بند کر لینے اور گہرا سانس نہ لینے کا مشورہ بھی دیتے ہیں کیونکہ کیمیاوی اجزا اور گیس کی بو کی زیادتی بھی خاصی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔

نیویارک کے بالائی علاقے کا واقعہ ہے۔ ایک اکیس سالہ خاتون بس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اچانک لڑکھڑا کر گر پڑی۔ لوگ اُٹھا کر ہسپتال لے چلے۔ اُس نے راستے میں دم توڑ دیا۔ ڈاکٹروں نے پوسٹ مارٹم کے بعد نظامِ تنفس میں خرابی کو موت کا سبب قرار دیا۔ پھر یہ بھی انکشاف ہوا۔ مرنے والی نے موت سے صرف چند لمحے پہلے کنگھی کی تھی۔

ورباں آراستہ کرکے اُن پر ہیئر سپرے چھڑکا تھا۔ ہیئر سپرے کے کیمیاوی تجزیے سے یہ پتہ چلا۔ ڈبّے میں فی الواقع ایسا کیمیادی مادّہ موجود ہے جسے زیادہ مقدار میں سونگھ لینے سے انسان انظامِ تنفس مفلوج ہو جاتا ہے۔

"کاسمیٹکس کی صنعت نے گذشتہ بیس پچیس برس میں حیرت انگیز ترقی کی۔ صرف ٹوتھ پیسٹ کی کھپت چالیس کروڑ روپے تک پہنچ گئی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت امریکہ میں سات ارب روپے سالانہ ٹوتھ پیسٹ، شیمپو، بے بی آئل، شیونگ کریم، نیل پالش، اور لپ اسٹک کے مختلف شیڈز اور ہیئر سپرے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً پانچ ارب روپے بیوٹی کلینکوں اور باربر شاپوں میں بالوں کی آرائش اور بناوٹ پر اٹھتے ہیں۔

امریکی تجارتی اخبار "ڈرگ ٹریکس" کے ایک سروے میں انکشاف کیا گیا ہے کہ مغرب میں پیدائش کے فوراً بعد ہی کاسمیٹکس استعمال ہونے لگتا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں والدین نے اس مد میں آٹھ ارب روپے خرچ کئے۔ پھر تین کروڑ روپے کا بے بی پوڈر خریدا گیا اور سات کروڑ روپے سے زائد رقم بے بی آئل اور لوشنوں کی خریداری پر صرف ہوئی۔ ایک اور رسالے سیونٹین نے امریکی خواتین میں جلدی امراض اور کاسمیٹکس کے بارے میں اعداد و شمار اکٹھے کرنے کے بعد انکشاف کیا نوجوان لڑکیاں جو خواتین کی مجموعی آبادی صرف بارہ فی صد ہیں۔ کاسمیٹکس کی بائیس فی صد کھپت کی ذمہ دار ہیں اور اس مد میں پچاس کروڑ روپے سالانہ خرچ کرتی ہیں۔ ستانوے فی صد لڑکیاں آنکھوں کا میک اَپ اور لپ اسٹک استعمال میں لاتی ہیں۔

انسانی صحت اور تندرستی کے نقطۂ نظر سے کاسمیٹکس کا جائزہ لینے کی خاطر صدر جانسن نے ایک اعلیٰ سطحی کمیشن مقرر کیا۔ اس نے اپنی آخری رپورٹ میں لکھا:

"ساٹھ ہزار سے زائد افراد ہر سال ناقص اور غیر معیاری کاسمیٹکس استعمال کرنے سے شدید تکلیف اور دُکھ اُٹھاتے ہیں"۔ غذائی اجناس اور دوائیوں میں ملاوٹ روکنے کے لئے تو کڑے

اور سخت اقدامات کئے جاتے ہیں، لیکن اس صنعت سے متعلق افراد کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ ہر قسم کی مضر صحت اشیا پیشگی جانچ پڑتال، کیمیاوی تجزیے اور کوالٹی چیکنگ کے بغیر صارفین کے ہاتھوں فروخت کریں۔

بال رنگنے والے لوشن اور پومیڈ، جن کا بنیادی جزو سیسہ ہے، کنگھی سے بالوں میں لگائے جاتے ہیں اس طرح بالوں اور کنگھی دونوں میں زہریلا مادہ لگ جاتا ہے۔ بچے کھیلتے ہوئے کنگھی منہ میں ڈال کر چوستے ہیں تو پارے یا سیسے کا یہ زہریلا مادہ بھی معدے میں پہنچ جاتا ہے اس مادے کی مقدار زیادہ ہو تو بچے کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے یا پھر وہ عمر بھر کے لئے ذہنی طور پر اپاہج ہو جائے گا۔

کاسمیٹکس کی دنیا میں سب سے نرالی صورت ہیئر ڈائی تیار کرنے والوں کی ہے۔ صرف امریکہ میں تین کروڑ خواتین بال رنگتی ہیں مردوں میں بھی یہ رجحان بتدریج بڑھ رہا ہے۔ ہیئر ڈائی میں کچھ تیز کیمیاوی مرکب شامل ہوتے ہیں جو کئی افراد کو موافق نہیں آتے اس لئے بالوں پر لگانے سے پہلے جلد پر لگا کر ردعمل معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ عمل پیچ ٹسٹ کہلاتا ہے، رنگ کلائی کے جوڑ یا کنپٹی پر لگا کر چوبیس گھنٹوں تک جائزہ لیا جاتا ہے کہ جلد سرخ تو نہیں ہو گئی یا اس میں سوزش اور اینٹھن تو پیدا نہیں ہوتی۔ رنگ میں شامل کیمیاوی اجزا کا ردعمل عام طور پر ۲۴ گھنٹوں میں معلوم ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں۔ کئی انسانوں کی جلد زیادہ سخت ہوتی ہے پہلی بار کے استعمال سے اس پر قطعاً کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے ڈاکٹر مشورہ دیتے ہیں کہ بال رنگنے کے ہر عمل سے پہلے لازماً ٹسٹ کرا لینا چاہیئے۔

ایک خاتون کا واقعہ ہے وہ بیس مرتبہ اپنے بال رنگ چکی، تب کہیں جا کر تیز اور ضرر رساں کیمیاوی اجزاء کا ردعمل اور اثر دیکھنے میں آیا۔ ڈاکٹر نے معاینے کے بعد (PERIARTERITIS NODOSA) تشخیص کیا جو ایک مہلک مرض ہے اس میں خون کی رگوں کے گرد واقع اعصاب میں سوزش اور ورم پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح کولوریڈو کی ایک خاتون نے ہیلینا روبن سٹین کا تیار کردہ کیمیاوی ہیئر کلر

استعمال کیا۔ پیچ ٹسٹ کے دوران میں جلد پر کوئی رد عمل دیکھنے میں نہ آیا لیکن ہیئر کلرز استعمال کرنے کے تیسرے ہی روز گردن، کانوں اور پیشانی پر چھوٹی چھوٹی پھنسیاں نمودار ہو گئیں اور سر، بھنوؤں اور پلکوں کے بال جھڑنے لگے۔ اور وہ بالکل گنجی ہو گئی۔ خاتون نے کمپنی سے چھ لاکھ ڈالر ہرجانہ طلب کیا۔ دو سال کی مقدمہ بازی کے بعد آخر کار فریقین میں تیس ہزار ڈالر پر راضی نامہ ہو گیا۔ خاتون اب مجبوراً وِگ پہنتی اور مصنوعی پلکیں اور بھنویں استعمال کرتی ہے۔

ہیئر ڈائی اور ہیئر کلر کا ایک عنصر کولتار سے تیار کیا جاتا ہے اس کا تجارتی نام 2,4 TDA ہے۔ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۹ء میں جاپانی سائنس دانوں نے چوہوں پر تجربے کرنے کے بعد انکشاف کیا اس کے استعمال سے سرطانی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس وقت جو مختلف ہیئر ڈائی اور ہیئر کلر بازار میں عام فروخت ہو رہے ہیں، ان میں 2,4 TDA کی موجودگی کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہ کیمیادی مرکب، کھوپڑی، زخم خراش یا پھوڑوں کے راستے بڑی آسانی سے جسم میں داخل ہو سکتا ہے، ۱۹۶۵ میں کئی خواتین نے جو اس قسم کے کیمیادی مرکب کے حامل ہیئر ڈائی استعمال کرتی تھیں شکایت کی، ان کے پیشاب کی رنگت سیاہ ہو گئی ہے؛ چنانچہ سائنس دانوں نے چوہوں پر تجربے کئے اور ٹیکوں کے ذریعے TDA 2,4 ان کے جسم میں پہنچایا، جلد ہی ان کے پیشاب کی رنگت بھی سیاہ ہو گئی۔

کچھ عرصہ قبل بال اُڑانے والا ایک کیمیادی مرکب "کورمیلو" کے نام سے فروخت ہوتا تھا اس میں تھیلیم اسٹریٹ بھی شامل ہے یہ چوہے مارنے والا ایک زہر ہے۔ اس کے استعمال کے نتیجے میں گنجے پن، درد اور زخم پیدا ہونے کی شکایات عام سننے میں آئیں۔ اس کے باوجود کاسمیٹکس کمپنیاں اسے چہرے بازو اور ٹانگوں کے لئے بے ضرر ثابت کرنے پر مصر تھیں۔ یہ مہلک پوڈر ایک مدت تک کھلے بندوں بازار فروخت ہوتا رہا۔

ہیئر ڈائی کے بعد ہیئر سپرے اور ایروسول لیجئے جو بالوں کو اپنی جگہ پر جمانے، خوشبو یا پسینے کی

بو مارنے کے لئے جسم پر چھڑکے جاتے ہیں ان میں بھی مضر رساں کیمیادی مرکب اور جوہر موجود ہیں۔ ڈینوور کے ہسپتال میں دو عورتیں جسمانی معائنے کی غرض سے داخل ہوئیں۔ ڈاکٹروں نے پھیپھڑوں میں نقص تشخیص کیا۔ لیکن عرصے تک اس نقص کا سبب معلوم نہ ہو سکا آخر پتہ چلا۔ دونوں عورتوں نے پسینے کی بو مارنے کے لئے ایک ہی برانڈ کا سپرے استعمال کیا تھا۔

جون ۱۹۷۰ء میں امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے اپنی رپورٹ میں ایک سو دس ایسے افراد کا ذکر کیا جن کی موت زیادہ مقدار میں ہیئر سپرے کے مضر رساں اجزا کی بو سونگھنے کے نتیجے میں رونما ہوئی۔ مرنے والوں کی عمر گیارہ اور اُنتیس سال کے درمیان تھی۔ اگست ۱۹۷۲ء میں "وال اسٹریٹ جرنل" کے نمائندہ خصوصی مسٹر جوناتھن نے ایک طویل مقالے میں لکھا: سالِ رواں کے دوران میں تقریباً دو سو افراد ہیئر سپرے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتر گئے۔"

عمدہ اور اچھی قسم کے ہیئر سپرے اور بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ ان میں کیمیادی جوہروں کے نہایت باریک اور چھوٹے چھوٹے ذرات استعمال کئے جاتے ہیں جو اندر پھیپھڑوں میں داخل ہو کر خون کی نالیوں میں اُتر جاتے ہیں خوشبوؤں میں اور پاؤڈر میں جست، ایلومنیم اور ایسبٹاس کے زہریلے اجزا شامل ہوتے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں لاس اینجلز کی ایک خاتون شیمپو سے بال دھو رہی تھی۔ تھوڑا سا جھاگ آنکھوں میں چلا گیا اور شدید تکلیف شروع ہو گئی، اُس نے فوراً نل کے تازہ پانی سے آنکھیں دھو ڈالیں مگر بے سود، آنکھیں سوج گئیں اور وہ جب تک ڈاکٹر کے پاس پہنچی۔ آنکھ کے بیرونی پردے کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ خاتون کئی ماہ تک زیرِ علاج رہی ڈاکٹروں نے سر توڑ کوشش کی مگر اس کی بینائی بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۹۶۱ء میں واشنگٹن کی ایک خاتون نے آئی لائنر لوشن استعمال کیا تو پپوٹے سوج گئے، اُس میں کولتار سے کشید کیا ہوا مضر رساں مادہ موجود تھا جس کا استعمال عرصۂ دراز سے قانوناً ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔

مارچ ۱۹۶۹ میں کالج کی ایک طالبہ سکارلا

سے پلکیں بنا رہی تھی کہ اچانک ہاتھ بہک جانے سے برش آنکھ سے چھو گیا۔ چند گھنٹے کے اندر اندر اس کی نظر پھٹ گئی۔ ایک کے بجائے تین تین چیزیں نظر آنے لگیں۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی نوک دار شیشے سے آنکھ کے ڈیلے کو بے دردی سے کھرچ رہا ہے۔

ایک اور خاتون کسی تقریب میں شرکت کے لئے بن سنور کر گھر سے نکلی۔ راستے میں ہیئر ڈریسر کی دکان پر بال ٹھیک کروانے کے لئے رکی، تو بھنویں بنانے والی نئی شیشی پر نظر پڑی۔ شیشی کے لیبل پر "ماڈل" کی دو خوبصورت تصویریں تھیں۔ ایک میں وہ میک اپ کے بغیر تھی۔ دوسری میں میک اپ کر رکھا تھا اور بھنویں بنی ہوئی، اس کے نیچے لکھا تھا، آپ بھی اپنی شخصیت کو چار چاند لگائیے۔

بھنویں بنانے میں بمشکل چند منٹ صرف ہوئے اور وہ گھر واپس آ گئی۔ دو گھنٹے گزرے ہوں گے کہ آنکھوں میں ہلکی ہلکی سوزش اور جلن کا احساس ہوا، پھر جلد ہی اسے آنکھیں کھولنے اور بند رکھنے میں دشواری پیش آنے لگی۔ ملاحظہ درد کی شدت نے سونے نہ دیا۔ صبح سویرے ڈاکٹر نے آنکھوں کا معاینہ کیا۔ تو دونوں آنکھیں سوج کر کپا ہو چکی تھیں اور گوشت جگہ جگہ سے یوں نچا ہوا جیسے تیزاب نے جلا ڈالا ہو۔

ڈاکٹر کی کچھ پیش نہ گئی وہ ایک ماہ تک درد اور تکلیف سے تڑپتی رہی اور جب ہسپتال سے نکلی تو دونوں آنکھوں سے محروم ہو چکی تھی اور چہرہ بری طرح مسخ تھا ہسپتال والوں نے رخصت کرنے سے پہلے کیمرے کے سامنے بٹھا کر اس کی تصویر کھینچی۔ شیشی کے لیبل پر بنی "ماڈل" کی تصویر اور اس کی تصویر میں زمین آسمان کا فرق تھا بھنویں بنانے والے رنگ کی ایک ناقص اور غیر معیاری شیشی نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگانے کے بجائے عمر بھر کا روگ لگا دیا۔

۱۹۵۸ء میں کاسمیٹکس کی مشہور کمپنی ہیلنیا روبن سٹین نے ناخن مضبوط بنانے اور لمبے کرنے کی ایک پالش "اسٹرانگ اینڈ لانگ" تیار کی۔ وسیع پیمانے پر تشہیر ہوئی لیکن مارکیٹ میں آنے کے کچھ دنوں بعد ہی اس کے خلاف شکایات پیدا ہوئیں۔ ناخن مضبوط اور لمبے ہونے کے بجائے سخت

کھردرے ہوجاتے۔ جگہ جگہ سفید چکنے دھبے نمودار
ہوتے اور ناخن گوشت سے الگ ہوجاتا کمپنی کو
فوراً سارا مال بازار سے اُٹھوانا پڑا اور متاثر ہونے
والی خواتین کو بھاری بھرکم معاوضہ ادا کیا گیا۔
ایک خاتون کے سات ناخن ضائع ہوگئے، اُسے
پانچ ہزار ڈالر ملے۔

۱۹۶۳ء میں ریولون کی نئی دریافت۔
"ونڈربیس" منظر عام پر آئی۔ یہ اسٹرانگ اینڈ لانگ
کی طرح ہی کا ایک لوشن تھا اور اس کے اثرات
بھی اس سے مختلف نہ تھے۔ ایک خاتون آٹھ ماہ
تک اپنے ناخنوں پر "ونڈربیس" لگاتی رہی اچانک
محسوس ہوا ناخنوں کی قدرتی چمک دمک اور رنگ
ماند پڑ چکا ہے اور ان پر گہری بدنما شکنیں نمودار
ہوگئی ہیں۔ اس نے لوشن کا استعمال فوراً ترک
لیکن ناخن ٹھیک نہ ہوئے، تین ماہ اور گزر رہے،
تو ان میں درد اور جلن شروع ہوگئی۔ نیویارک کے
ایک ماہر امراضِ جلد ڈاکٹر ملٹن ریش نے معاینے
کے بعد "ونڈربیس" کو موردِ الزام ٹھہرایا اور
بیمار ناخن کاٹ کر پھینک دیے۔
رنگ صرف لپ اسٹک تک ہی محدود نہیں
یہ ٹوتھ پیسٹ شیمپو، شیونگ کی مختلف اشیا اور بے بی
لوشن تک کی مختلف مصنوعات میں استعمال ہوتے
ہیں۔ کیمیاوی تجزیوں کے نتیجے میں یہ بات سامنے
آئی کہ کچھ رنگ بھی زہریلے ہوتے ہیں۔ پھر کچھ رنگ
ایسے بھی موجود ہیں جو بیرونی جلد پر تو زیادہ نقصان
نہیں کرتے، لیکن لپ اسٹک میں ان کا استعمال
یقیناً مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا کچھ
حصہ لگانے والے کے معدے میں بھی پہنچ جاتا ہے۔
ستمبر ۷۱ء میں دو روسی سائنس دانوں نے تجربات کے
بعد سُرخ نمبر ۲ کے متعلق بتایا کہ اس رنگ کے استعمال
کے بعد چوہوں کو مختلف بیماریاں لاحق ہوگئیں اور
ان میں اسقاطِ حمل اور مُردہ بچوں کی پیدائش کی
شرح بڑھ گئی۔ روسی سائنس دانوں کی رپورٹ منظر
عام پر آنے کے بعد جب کاسمیٹکس تیار کرنے والی
امریکی کمپنیوں سے لپ اسٹک میں استعمال کئے جانے
والے رنگوں اور کیمیاوی مرکبات کے متعلق دریافت
کیا گیا تو انکشاف ہوا لپ اسٹک میں کیڈمیم اور
سلی نیوم بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ دونوں
زہریلے جوہر ہیں۔
کاسمیٹکس مصنوعات کی تیاری کے دوران میں

حفظانِ صحت کے اُصولوں اور صفائی کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں امریکہ کی بڑی بڑی کاسمیٹکس کمپنیوں کا سروے کیا گیا تو کئی ناقابلِ یقین اور افسوسناک باتوں کا انکشاف ہوا۔ آنکھوں کے لوشنوں، لپ اسٹک، ٹوتھ پیسٹ اور غازے کے مختلف نمونوں میں مضرِ صحت جراثیم کی بھرمار تھی۔ کئی مشہور کمپنیوں کی مصنوعات بحقِ سرکار ضبط کر لی گئیں۔ ۱۹۷۱ء میں ایون کا بے بی ٹالکم پوڈر ناقص نکلا اور اس کے پندرہ ہزار ڈبے بازار سے اٹھوا لئے گئے۔

خواتین عام طور پر مہنگی شئے کی طرف لپکتی ہیں۔ کاسمیٹکس تیار کرنے والے اس کمزوری سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایک کمپنی کے منیجر نے بتلایا: خواتین مہنگی شیشی خرید کر دوسروں پر امارت کا رُعب جماتی ہیں شیشیوں میں کریم کی مقدار اور کوالٹی ایک ہی ہوتی ہے۔ البتہ مہنگی شیشی ذرا قیمتی ہوتی ہے اس کا ڈھکن خوبصورت اور پیکنگ زیادہ دیدہ زیب، کئی صورتوں میں تو کم قیمت والی سادہ کریم جلد کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔

کریم کے اجزائے ترکیبی میں سب سے مہنگا جزو خوشبو ہو سکتا ہے اس سے کریم کی اصل خصوصیات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس عجب نہیں یہ خوشبو کئی افراد کے لئے مضر ثابت ہو اور وہ گوناگوں جلدی بیماریوں کا شکار ہو جائیں۔

کاسمیٹکس کمپنیاں جلد کی صفائی، تازگی اور شگفتگی کے لئے جلدی لوشنوں اور کریموں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتی ہیں۔ لیکن صارفین کو یہ حقیقت بتانے کی زحمت گوارا نہیں کرتیں کہ انسانی جلد میں کئی بیماریوں اور جراثیم سے بچاؤ اور حفاظت کی قدرتی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ مختلف لوشنوں اور کریموں کے مسلسل استعمال سے ہم جلد کی یہ قدرتی صلاحیت ناکارہ بلکہ ختم کر ڈالتے ہیں۔ ڈاکٹر ایل ایڈورڈ گال نے ایک بار رسالہ "ہیلتھ" میں لکھا: "انسانی جلد کو جتنا کم کیمیاوی مرکبات سے آشنا کیا جائے اتنا ہی اس کے بگڑنے یا خراب ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔"

آج کل ایک لفظ "آرگی" عام سُننے میں آتا ہے

اس کی آڑ لے کر بہت سی کاسمیٹکس کمپنیاں اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کاسمیٹکس کا اگر کچھ افراد پر اچھا اور خوشگوار اثر مرتب نہیں ہوتا تو اس میں کاسمیٹکس کا کیا قصور؟ بعض افراد کھانے، دوا اور ہوا تک سے الرجک ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست سہی، لیکن کاسمیٹکس کی تمام تر تباہ کاریوں کو بنیادی طور پر "الرجی" قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان میں کئی ایسے حسّاس کیمیادی مرکبات استعمال ہوتے ہیں جو نارمل انسانوں میں بھی مختلف طرح کا ردِ عمل پیدا کر سکتے ہیں۔ اس خطرے کے سدّباب کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ بازار میں آنے والی ہر نئی کریم، پوڈر یا لوشن کا مکمل اور تفصیلی کیمیادی تجزیہ کیا جائے اور کاسمیٹکس کمپنیاں حکومت کے متعلقہ شعبے سے اپنی مصنوعات کی اعلیٰ کوالٹی اور زہریلے.... کیمیادی اجزا سے پاک صاف ہونے کا باقاعدہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی پابند ہوں۔" ★★

# اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

**● مولانا صدر الدین اصلاحی**

نکاح کے اسلامی قوانین ۳/۰۰
اسلام ایک نظر میں ۵/۵۰
اساس دین کی تعمیر ۱۲/۰۰
دین کا قرآنی تصور ۸/۰۰
اسلام اور اجتماعیت ۵/۰۰
حقیقت نفاق ۴/۲۵
اعتدال کی راہ ۲/۵۰
اسلامی نظام معیشت ۰/۷۵
تحریک اسلامی ہند ۴/۵۰
فریضۂ اقامتِ دین ۸/۰۰
قرآن مجید کا تعارف ۳/۰۰
دین کا مطالعہ ۰/۷۵
راہ حق کے مہلک خطرے ۱/۲۵
مسلم پرسنل لا دینی و ملی نقطۂ نگاہ سے ۳/
یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۰/۵۰

**● ماہر القادری**

دُرِ یتیم ۹/۵۰
کاروانِ حجاز ۶/۶۵

**● مولانا امین احسن اصلاحی**

حقیقتِ توحید ۳/۰۰
حقیقتِ شرک ۴/۵۰
حقیقت تقویٰ ۱/۵۰
دعوتِ دین ۵/۰۰

**● مولانا سید جلال الدین انصر عمری**

اسلام کی دعوت ۸/۰۰
معروف و منکر ۶/۵۰
عورت اسلامی معاشرہ میں ۱۳/
عورت اور اسلام ۲/۵۰
خدا اور رسولؐ کا تصور اسلامی تعلیمات میں ۵/۰۰
انسان اور اسکے مسائل ۲/۵۰
بچے اور اسلام ۰/۵۰
دولت میں خدا کا حق ۰/۷۰
اسلام اور وحدتِ بنی آدم ۰/۷۵

**● وحید الدین خاں**

اسلام ایک عظیم جدوجہد ۱/۶۰

انسان اپنے آپ کو پہچان ۰/۵۰
اسلام کا تعارف ۰۰
حقیقت کی تلاش ۱/۰۰
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے ۲/
منزل کی طرف ۱/۰۰
ہندوستان آزادی کے بعد ۲/۲۵
مومن کی تصویر ۲/۲۵
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۲/۵۰

**● مائل خیر آبادی**

● اسلامی شریعت (ہندی)
● اسلامی سماج میں عورت کا امتحان (ہندی) 6/
● اسٹیٹس آف وومن ان اسلامک سوسائٹی (انگریزی) 7/-
● قرآن میں عورت کی حیثیت 5/-
● اسلامی نظام میں عورت کا مقام 5/-
● نقلی شہزادہ 3/50
● شہزادہ توحید 1/50
● خاتونِ جنت 3/-

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی ۶

"HIJAB" URDU MONTHLY Rampur (U.P.) 24

Regd No. R. N. [illegible]

10/-

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

# رسولِ کریم نمبر

اس دائرے میں سرخ نشان

**زرِ تعاون**

عام شمارہ ........... چار روپیہ

سالانہ ........... پچاس روپیہ

اس پرچہ کی قیمت ........... دس روپیہ

مدیر: مائل خیرآبادی

مکتبہ حجاب رامپور یو پی - ۲۴۴۹۰۱

# عنوانات

پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق۔ مقام اشاعت ادارہ دری محمود ... سوعہ سہما افسبلے پریس دہلی

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

چودہ سو سال پہلے کی تاریخ ہے جبکہ دنیا میں ایسی ترقی نہ تھی
ہر طرف اک اندھیرا تھا چھایا ہوا، روشنی یہ کہیں نام کو بھی نہ تھی
لوگ بستے تھے لیکن الگ ہی الگ تھیں بہت دور دور اُن کی آبادیاں
آج کی طرح اُن میں تعلق نہ تھا، آنے جانے کی تھیں کب یہ آسانیاں
تھی ہر اک رہگذر اس قدر پُر خطر، جان پر کھیل کر لوگ کرتے سفر
اور پھر رہزنوں، ڈاکوؤں کا بھی ڈر، الاماں، الحفیظ، الحذر، الحذر
جنگلوں ریگزاروں سے آگے بڑھے اُونچے اونچے پہاڑوں پہ جا کر چڑھے
ان پہاڑوں میں وہ گھاٹیاں وہ گڑھے، "المدد، المدد" ہر مسافر پڑھے
بلکہ کہنا تو یوں چاہیے، راستے تھے مگر راستہ کوئی سیدھا نہ تھا
بے دلیل و محافظ کوئی قافلہ اپنی منزل پہ ہرگز پہونچتا نہ تھا
اس زمانے میں یہ موٹریں، یہ بسیں، یہ ہوائی جہاز اور ٹرینیں نہ تھیں
تھے نہ اخبار اور پریس ہی یہ کہیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن بھی نہیں
آج ہم دیکھتے ہیں جو علم و ہنر، اس زمانے کے لوگ اُن سے تھے بے خبر
ایک استھان پر رہ کے بس عمر بھر، زندگی کاٹ دیتے تھے وہ بیشتر

چودہ سو سال پہلے کی تاریخ ہے جب کہ دنیا میں ایسی ترقی نہ تھی
ہر طرف اک اندھیرا تھا چھایا ہوا، روشنی یہ کہیں نام کو بھی نہ تھی
اُس زمانے میں یہ آج کل کا عرب، تھا مگر اس طرح جیسے تھا ہی نہیں
اس کے ہونے نہ ہونے کا احساس تک اہلِ دنیا کو مطلق ہوا ہی نہیں
اور احساس ہوتا تو ہوتا ہی کیا، ملک سارا جہالت میں تھا مبتلا
رہنے بسنے کو کوئی کہیں ضابطہ، قاعدہ اور قانون کچھ بھی نہ تھا
کرتے پھرتے تھے جو چاہتے تھے عرب لڑتے رہتے تھے صبح دمسا روز و شب
کوئی مصلح کبھی اُن میں آیا تھا کب؟ جس سے حاصل وہ کرتے تمیز و ادب
پاک ناپاک سے محض ناآشنا ذہن میں سیم و زر کی ہوا عام تھی
قتل و غارتگری، سرقہ و رہزنی، میکشی، سود خوری، زنا عام تھی
زندہ درگور کر دیتے تھے لڑکیاں تاکہ داماد کوئی نہ اُن کا بنے
ایسی عورت تھی منحوس ان کے لئے اُن کے گھر آ کے جو لڑکیوں کو جنے
باپ کی موت کے بعد بیٹے میاں اپنی سوتیلی ماؤں کے بن جاتے تھے
اس 'کفالت' کی جب بات آتی کہیں تاؤ مونچھوں پہ دیتے تھے تن جاتے تھے
اُن کے مذہب کا بھی ذکر سنئے ذرا، حق سے خالی مگر عبرتوں سے بھرا
کوئی پتھر کہیں کچھ پسند آ گیا، بس اُسے کعبۃ اللہ میں لا دھرا
پھر کسی دیوی یا دیوتا سے اُسے کر کے منسوب فوراً لگے پوجنے
ساتھ ہی چاند سورج ستاروں کو بھی دیوتا مان کر سب کے سب پوجتے

اسقدر ہوگئے تھے توہم پرست اور اُن کا عقیدہ تھا اس درجہ پست
دھیان میں رہتے بھوتوں پریتوں کے مست، اُنکی پوجا کا ہر گھر میں تھا بندوبست

چودہ سو سال پہلے کی تاریخ ہے جب کہ دنیا میں ایسی ترقی نہ تھی
ہر طرف اک اندھیرا تھا چھایا ہوا روشنی یہ کہیں نام کو بھی نہ تھی

تھے یہ حالات وہ جن میں اللہ نے نور مکہ میں اپنا ہویدا کیا
خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ کو قریشی قبیلے میں پیدا کیا

آپؐ کے پیدا ہونے سے کچھ پیشتر والد محترم جاں بحق ہوگئے
آپؐ کی کمسنی میں ہی ماں چل بسیں اور دادا بھی زیرِ زمیں سو گئے

آپؐ پھر جب ذرا کچھ بڑے ہوگئے، بکریاں بن میں جا کر چرانے لگے
نوجوانی میں پیارے چچا آپؐ کو گُر تجارت کے کچھ کچھ سکھانے لگے

اس یتیمی یسیری میں تعلیم اور تربیت کا نہ موقع کوئی مل سکا
اچھی صحبت کا تو ذکر بے کار ہے، سب کو معلوم ہے جیسا ماحول تھا

پھر بھی حیرت ہے آپؐ ایسے ماحول کی گندگی میں نہ کچھ بھی ملوث ہوئے
جھوٹ، چوری، جوا، رہزنی، میکشی، بت پرستی سے محفوظ بالکل رہے

آپؐ بن بے سکھائے پڑھائے ہوئے پاک اخلاق و کردار پیدا ہوئے
صاف بے داغ عادات و اطوار کو دیکھ کر آپؐ پر لوگ شیدا ہوئے

آپؐ مشہور 'صادق امیں' ہوگئے آپؐ کے فیصلے مانے جانے لگے
سخت مجبور و مظلوم جو لوگ تھے آپؐ کے پاس فریاد لانے لگے

اس طرح قوم کے ساتھ رہتے ہوئے پہنچے جب آپؐ چالیسویں سال میں
تو عظیم انقلاب ایک برپا ہوا آپؐ کے ذہن میں، حال میں، قال میں

مو سال پہلے کی تاریخ ہے جب کہ دنیا میں ایسی ترقی نہ تھی
ِ اک اندھیرا تھا چھایا ہوا روشنی یہ کہیں نام کو بھی نہ تھی

دفعتہً آپؐ نے ایک آواز دی، شرک ہے بت پرستی اسے چھوڑ دو
لوگو! معبود تو ایک اللہ ہے، رشتہ بس ایک اللہ سے جوڑ لو!

بتوں کی پرستش میں ہو مبتلا ان کو خود اپنے ہاتھوں سے تم نے گھڑا
ہی کو بناتے ہو اپنا خدا، سوچو تو ظلم کرتے ہو کتنا بڑا

کوئی طاقت پس پشت ان کے نہیں، ساری طاقت کا مالک تو اللہ ہے
کیونکہ خلّاق وہ، کیونکہ رزّاق وہ آسمان و زمیں کا شہنشاہ ہے

بندے فقط ایک اللہ کے بندگی بس اسی ایک ہی کی کرو
اؤ ہمیشہ اسی ایک سے، خوف کھاؤ اسی کا، اسی سے ڈرو

اور سنو، دیکھو اولادِ آدم ہو تم، تم میں کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں
رنگ اور نسل کے واسطے سے کہیں کوئی ہوتا کھرا اور کھوٹا نہیں

، جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے وہ بڑا ہے، بڑائی کا حقدار ہے
بس کو نہیں خوف اللہ کا تم میں، چھوٹا ہے، کھوٹا ہے، وہ خوار ہے

جو برائی کرے گا وہ اپنے لئے، جو بھلائی کرے گا وہ اپنے لئے
آخرت میں حساب ان کا لے گا خدا، کام دنیا میں انسان نے جو کئے

کامیاب آخرت میں جو بندہ ہوا، اُس کو اللہ جنت کرے گا عطا
اور ناراض جس سے خدا ہو گیا، آگ میں وہ جہنم کی جھونکا گیا
چودہ سو سال پہلے کی تاریخ ہے جبکہ دنیا میں ایسی ترقی نہ تھی
ہر طرف اک اندھیرا تھا چھایا ہوا، روشنی یہ کہیں نام کو بھی نہ تھی
یہ عقیدہ عرب قوم کو جب ملا، اس عقیدے کو جب اس نے اپنا لیا
اس کا ہر فرد، ہر ایک چھوٹا بڑا، دیکھتے دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گیا
اس میں کوئی تو صدیق اکبرؓ ہوا، کوئی دنیا میں فاروقؓ بن کر اُٹھا
کوئی اس کی بدولت غنیؓ ہو گیا اور کسی کو لقب مرتضیٰؓ کا ملا
اور پھر وہ عرب، ہاں وہ جاہل عرب، دین و اخلاق سے دور غافل عرب
اس عقیدے کی برکت سے وہ سب کے سب بڑھ کے دینے لگے درس علم و ادب
پھر زمانے کو ایسا اُجالا ملا، ذہن و افکار نے جس سے پائی جلا
اس اجالے سے جب مل گیا سلسلہ، مل گیا زندگی کو مکمل صلہ
اس اُجالے میں انسان آگے بڑھا، مضطرب ہو کے شیطان پیچھے ہٹا
نیکیوں کو اُبھرنے کا موقع ملا، زور سارا برائی کا پھر گھٹ گیا
یاد کرتی ہے دنیا وہی روشنی، آدمی ڈھونڈتا ہے اُجالا وہی
چاہتا ہے زمانہ عقیدہ وہی، دین و ایمان کا بول بالا وہی
چودہ سو سال پہلے جس انسان نے ایک ایسا مکمل عقیدہ دیا
ایسے انساں کو مائلؔ نبی کے سوا آپ سچ کہیے پھر اور کہیے گا کیا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

<u>نبی کریم نمبر</u> عرصہ ہوا، میں نے ایک کتاب لکھی تھی 'نور محمدؐ' بچوں کیلئے۔ ایسے بچوں کے لئے جو دس بارہ برس کے ہوں۔ اس کتاب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات آسان زبان میں پیش کئے تھے۔ انداز بیان سادہ تھا۔ حالات کچھ اس طرح ترتیب پا گئے تھے کہ ایک صاحب نے جب انگریزی میں حضورؐ کی پاک زندگی مرتب کرنی چاہی تو 'نور محمدؐ' کی ترتیب کو سامنے رکھا۔

'نور محمدؐ' کتاب میں نے مسلمان بچوں کے لئے لکھی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ آپؐ کے حالات پڑھ کر بچوں کو آپؐ سے محبت پیدا ہو اور ان کے اندر یہ جذبہ ابھرے کہ نبی کریمؐ نے زندگی بسر کرنے کا جو نمونہ دیا ہے اس نمونے کو سامنے رکھ کر ہم بھی اپنی زندگی بنائیں اور بتائیں اور اسی میں دونوں جہان کی کامیابی سمجھیں۔

'نور محمدؐ' کتاب منظر عام پر آئی۔ لوگوں نے پڑھا تو یہ تقاضا شروع کر دیا کہ میں اسی ترتیب سے ہندوستان کے غیر مسلم بھائیوں کے لئے حضورؐ کے حالات لکھوں۔ مزے کی بات یہ کہ یہی بات میں محترم افضل حسین صاحب اور محترم مولوی حامد علی صاحب سے کہا کرتا تھا کیونکہ اس سلسلے میں ان دونوں بزرگوں کا مطالعہ بہت زیادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نبی کریمؐ کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلموں کے ذہن کو سامنے رکھ کر حضورؐ کے حالات لکھے جائیں۔ یہاں کے لوگ یہ سمجھیں تو کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہی پیروی کے لائق ہے اور آپؐ نے جو عقیدہ دیا ہے وہی حق ہے۔

اب تک حضورؐ کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں ایسے الفاظ آتے ہیں جو لوگوں کے لئے بالکل انوکھے اور نئے ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو وہ اپنے آپ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک ستم ظریفی سامنے آتی ہے۔ رسول کے معنی وہ اوتار کے لیتے ہیں۔ معجزہ کو چمتکار سمجھ لیتے ہیں اور وحی کے معنی آکاش بانی وغیرہ۔ نبی کریمؐ کی زندگی کے حالات پڑھتے وقت اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہمارا ہندو بھائی یہ کہہ دیتا ہے کہ ہاں محمد جی مہاراج تھے تو بہت اچھے لیکن بدیسی تھے۔ یہ وہی بات ہے جو وطنی قوم پرستی کی آئینہ دار ہے۔ آپ لاکھ کہئے کہ اچھی چیز کہیں سے ملے لے لینی چاہئے اور لے لیتے ہیں۔ عرب سے تیل اور پیٹرول، امریکہ سے ہتھیار اور صنعت و حرفت کی اشیا، اور لباس وغیرہ آخر ہم لیتے ہیں تو اگر نبی کریمؐ کا اسوۂ حسنہ آپ کو پسند آتا ہے تو کیوں نہیں اپناتے۔ دیسی، بدیسی کی بات کیوں کرتے ہو بھائی۔ اس پر جواب دیا جاتا ہے کہ محمد جی مہاراج نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ سب ویدوں میں ہے۔ اِس طرح کی الجھنیں ہمارے ملک کے ہندو بھائیوں کے ذہنوں میں ہیں۔ اُن کی یہ الجھنیں دور ہونا چاہئے۔ میں جن بزرگوں کے بارے میں سمجھتا تھا کہ وہ حضورؐ کے حالات کو ہندوستان کے عام باشندوں کے لئے لکھ سکتے ہیں، ایک طرف میں اُن سے بار بار کہہ رہا تھا دوسری طرف حلقہ حجاب کا اصرار تھا کہ میں خود لکھوں۔ بالآخر میں نے خود ہمت کی۔ میں نے یہ سمجھنے کے لئے کہ آیا میں لکھ سکتا ہوں یا نہیں، کچھ مضامین لکھے۔ حلقہ حجاب کو یاد ہوگا کہ میں نے ایک مضمون لکھا جسمیں یہ تھا کہ نبی ہونے سے پہلے حضورؐ کی ذات ایسی پاک اور صاف تھی کہ کہیں داغ دھبہ نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے کہ کوئی اُسے شروع ہی سے کسی بڑے کام کیلئے تیار کر رہا تھا۔ اسی طرح ایک مضمون لکھا کہ حضورؐ کی ذات ہی پیروی کے لائق ہے یا وہ مضمون جو لہو الحدیث کے نام سے چھپا وغیرہ۔ اس طرح کے مضمون حجاب میں آتے رہے۔ اب تقاضہ شدید سے شدید تر ہو گیا۔ کچھ بزرگوں نے حوصلہ افزائی بھی کی، تو میں نے طے کر لیا کہ اس سال حجاب کا "نبی کریمؐ نمبر" پیش کروں گا۔ اس پر جو مشورے آئیں گے اُن کی روشنی میں نظرِ ثانی کر کے کتاب منظرِ عام پر لے آؤں گا۔ کتاب اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہو گی۔ [illegible]

# دانشوروں کی اُلجھنیں

**ہمارے سامنے** یہ دنیا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے اس میں سے بہت کچھ ہم دیکھتے رہتے
ہت کچھ ہے جو ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔ کبھی کبھی ان نہ دکھائی دینے والی چیزوں میں سے کچھ ہم پر
ہ جاتا ہے۔

کھائی دینے والی چیزوں میں آسمان ہے۔ زمین ہے۔ آسمان پر چاند، سورج اور تارے ہیں۔
یا، پہاڑ۔ جنگل، ریگستان، میدان، چرند، پرند، درندے، کیڑے، مکوڑے، پھل، پھول،
میوے اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ اِن سب کے علاوہ نہیں معلوم کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا بھرا پڑا ہے
ہت شخص یہ سب دیکھ کر سوچتا ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کیوں ہے؟ یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟
پیچھے کون سی قوت کام کر رہی ہے؟ وہ قوت کہاں سے آتی ہے؟ ان چیزوں میں روز بروز اضافہ
تا ہے۔ ایک نہ ایک چیز اچانک ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ آخر یہ اضافہ کون کرتا ہے؟ یہ اچانک
والی شئے، جس کو ہم ایجاد کا نام دیتے ہیں، کسی کی بدولت ہے یا یوں ہی؟ اِس طرح کی اُلجھنوں
سنہ سے سوچنے والے ذہن پھنسے رہے ہیں۔ آج بھی پھنسے ہیں۔ لوگوں نے سوچا ہے۔ آج بھی
ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اِس اُلجھن کا جو حل لوگوں نے پیش کیا ہے،
آسان زبان میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:۔

## بھانت بھانت کی بولیاں

ہر شخص ان چیزوں کے بارے میں عقل کے گھوڑے دوڑا رہا ہے۔ اِس چکّر میں پڑا ہے کہ

یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟

○ کوئی کہتا ہے : یہ چیزیں آپ سے آپ بن گئی ہیں۔ آسمان آپ سے آپ بن گیا ہے۔ سورج آپ سے آپ بن گیا ہے۔ سورج میں گرمی اور روشنی آپ سے آپ ہے۔ سمندر آپ سے آپ بن گیا ہے اور آپ سے آپ ایک عمل ہو رہا ہے یعنی سورج کی گرم کرنیں پانی کو بھاپ بناتی ہیں۔ ہوا بھاپ کو آپ سے آپ لے بھاگتی ہے۔ پھر آپ سے آپ بھاپ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پھر پانی برستا ہے اور یہی پانی پھر سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ اِس طرح دنیا کی ہر شئے آپ سے آپ حرکت میں ہے۔ آپ سے آپ کام کر رہی ہے۔ کسی شئے کے پیچھے کوئی قوت نہیں ہے جس سے کنکشن ہو۔

○ کوئی کہتا ہے کہ یہ ساری چیزیں ایک سے زیادہ چیزوں (مادّوں) سے مِل کر بنی ہیں۔ اِن مادّوں کے آپس میں مِل جانے سے ساری چیزیں متحرک (حرکت میں) ہیں۔ روشن ہیں۔ کام کر رہی ہیں۔ اِن مادّوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو اِن چیزوں کے اندر کار فرما (کام کرنے والا) ہو۔

○ کوئی کہتا ہے کہ اِن ساری چیزوں کے پیچھے کچھ دیوتا ہیں۔ اِن دیوتاؤں میں سے کوئی دیوتا سورج سے روشنی اور گرمی بکھیر رہا ہے کوئی بادلوں کا دیوتا ہے اور پانی برسا رہا ہے۔ کوئی ہوا کا دیوتا ہے۔ کوئی نباتات (پودوں اور درختوں وغیرہ) کا، کوئی جمادات کا۔ کوئی حیوانات (جانوروں) کا دیوتا ہے اور یہ دنیا کی بہار انہی دیوتاؤں کی مہربانی سے ہے۔ اِس طرح سوچنے والوں نے آسمانوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، زمین اور زمین میں جو کچھ ہے اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے، ہر چیز کا ایک ایک دیوتا بنا ڈالا ہے۔ اِن دیوتاؤں کی تعداد بے شمار ہے۔

نوٹ : اِس طرح سوچنے والے سب اپنی اپنی کہہ رہے ہیں لیکن سب کہتے یہی ہیں کہ یہ سب ہمارا خیال اور قیاس ہے۔ علم کی بنا پر نہیں کہتے۔

## علم کے دعویدار

دنیا میں کچھ ایسے علم والے گذرے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اِن ساری چیزوں کا بنانے والا "اللہ" ہے۔ وہی اللہ اپنی قوت سے ہر چھوٹی بڑی چیز کو سنبھالے ہوئے ہے اور یہ ساری چیزیں اُسی کے حکم سے کام کر رہی ہیں۔ ایک ڈیوٹی پر لگی ہیں۔

یہ علم والے حضرات کسی ایک جگہ کے نہیں۔ اِن میں سے کوئی عرب کا ہے کوئی عراق کا۔ کوئی شام کا ہے تو کوئی مصر کا۔ کوئی چین کا ہے تو کوئی ایران کا۔ کوئی جاپان کا ہے تو کوئی ہندوستان کا۔ یہ سب ایک ہی زمانے میں نہیں ہوئے۔ اِن کے زمانوں میں برسوں اور صدیوں کی دوری ہے۔ یہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے لیکن کہتے ہیں سب وہی ایک ہی بات کہ اِن ساری چیزوں کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے معلوم یہ ہوتا ہے گویا یہ سب ایک ہی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اور انھیں اپنے علم کی سچائی پر اس درجہ یقین ہے کہ لوگوں نے اُن کو جھٹلایا۔ انھیں ستایا۔ اُن کی ہنسی اُڑائی۔ انھیں مارا پیٹا بھی۔ گھروں سے بے گھر کر دیا۔ مگر یہ حق کے طالبان علم سارے دکھ سہ کر بھی اپنے دعوے پر قائم رہے۔ کسی خوف، کسی دباؤ، کسی لالچ سے اپنے قول میں ذرّہ بھر بھی ترمیم نہیں کی۔

ان میں سے نہ کوئی جھوٹا تھا نہ چور۔ اِن میں سے کسی نے ذرا بھی خیانت نہیں کی۔ اِن میں سے نہ کوئی ظالم تھا نہ حرام خور۔ یہ سب برائیوں سے ایسے پاک رہے جیسے صاف شفاف آئینہ۔ یہ بات اُن کے دشمنوں نے بھی تسلیم کی ہے۔ اپنی عادتوں اور طور طریقوں میں ایسے نیک کہ اُن جیسا دوسرا نہ ہو سکا۔ نیک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی ذہین اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی سچی بات کو دوسروں تک پہنچانے میں اپنی جانیں کھپا دیں اور کسی سے اِس کا صلہ نہیں چاہا۔ ایسی تعلیم دے گئے، نیکی کا ایسا نمونہ پیش کر گئے کہ جو اُن سے چھو گیا، کُندن ہو گیا۔

اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اِس سے بھی بڑی بات یہ کہ انھوں نے صاف صاف اقرار کر لیا کہ ہم پر یہ اللہ کا خصوصی احسان ہے جس نے یہ علم ہم کو دیا۔ آپ آسانی سے کہئے کہ وہ پہلے لوگ سچے ہیں جو علم کے بغیر قیاس سے بات کہتے ہیں اور وہ باہم متفق نہیں اور اخلاقی اعتبار سے اُن میں کوئی خاص خوبی نہیں یا وہ حضرات جو سب کے سب ایک ہی بات کہتے ہیں اور بے حد سچے اور نیک تھے اور انھوں نے

# نبی، رسول، پیغمبر

سچے علم اور اچھے اخلاق کے جن حضرات کا ہم نے ذکر کیا ہے اُنہی کو اللہ کا نبی، رسول، ایش دوت یا پروفٹ (PROPHLT) کہتے ہیں۔ آئیے، نبی ہونا (نبوّت)، رسول ہونا (رسالت) ہونا (پیغمبری) کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

اِس بات کی جانکاری کے ساتھ سمجھئے کہ دنیا میں جس جس چیز کی ضرورت تھی، اللہ نے اُس کو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے کر دیا۔ یہ روشنی، یہ گرمی، یہ سردی، یہ ہوا، یہ پانی، یہ غذا ... وغیرہ جو چیزیں بھی ضروری تھیں، بنا دیں۔ پھر جب انسان پیدا ہوتا ہے تو دیکھنے کے لئے آنکھیں کے لئے کان، سونگھنے اور سانس لینے کے لئے ناک، چلنے کے لئے پاؤں، کام کرنے کے سوچنے کے لئے دماغ اور بہت کچھ ضرورت کا ساماں ساتھ لے کر آتا ہے۔ پھر جیسے جیسے اُس کا قد اُس کی عمر اور قد کے مطابق چیزیں ملتی رہتی ہیں۔ جب تک دانت نہیں نکلتے، ماں کا دودھ حاضر۔ تک خود کام نہیں کر سکتا والدین خدمت کے لئے تیار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی ... اُس کی خدمت میں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔

ایک بات اور۔ دُنیا میں کام کرنے کے لئے جتنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی ضرورت ... نے وہ سب اِنسانوں کو دیں لیکن اِس دینے میں بڑی حکمت رکھی ہے۔ سارے انسانوں کو ... قابلیتیں اور صلاحیتیں نہیں دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کِسی انسان کو دوسرے اِنسان سے کوئی لگاؤ ... اور میل جول نہ ہوتا۔ کوئی کِسی کی پروا نہ کرتا۔ پھر دُنیا کا یہ حسین نقشہ نہ ہوتا جس نقشے میں سا... اِنسانوں کا اپنا اپنا رنگ بھرا ہوا ہے۔

اللہ کی حکمت دیکھئے۔ اللہ نے ہر طرح کی قابلیتیں پیدا تو انسانوں میں کیں مگر اِس طرح کہ ...

ملاحیت اور قابلیت زیادہ دے دی کسی کو کوئی۔ آپ دیکھئے! کسی میں محنت مزدوری کرنے کی
ت زیادہ ہے۔ کوئی کسی خاص ہنر یا پیشے میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ کوئی بہترین وکیل ہے
جواب سپہ سالار اور سیناپتی ہے۔ کسی میں حکمرانی کی قابلیت زیادہ ہے۔ کوئی شاعری میں یکتا
کوئی مضمون لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ کوئی نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے جو دوسرے لوگ
ر سکتے۔ وغیرہ۔

دراصل یہ اللہ کی دین ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ۔ جس کو جو چاہے
ے۔ یہ بات سمجھ کر اب ہم آپ اس جگہ آگئے کہ پیغمبری کے بارے میں اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔
دیکھئے، اللہ کی حکمت پر غور کیجئے! انسان کے رہنے بسنے کے لئے جن جن قابلیتوں اور صلاحیتوں کی
ب زیادہ ہے، اللہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس صلاحیت کے زیادہ آدمی پیدا کئے۔
اس طرح جس طرح انسان کو سب سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہے تو سب سے زیادہ ہوا پیدا کی۔ اسی
ہم دیکھتے ہیں کہ محنت کرنے والے اور سپاہی قسم کے لوگ بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ کسان، بڑھئی
، کپڑا بننے والوں کی تعداد بہت ہے۔ ان کے مقابلے میں سپہ سالاری اور حکمرانی اور ایجاد کرنے
حیت کے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر سب سے بڑی ضرورت پر دھیان دیجئے:

## ب سے بڑی ضرورت

یوں سوچئے کہ اوپر جو ضرورتیں بیان کی گئیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے والے لوگوں کی طرف
دلایا گیا، یہ سب تو ہوتا لیکن کوئی یہ بتانے والا نہ ہوتا کہ اچھا انسان کس طرح بنتا ہے تو ساری
س بیکار اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے والے عبث ہی ہوتے، سب جنگل کے جانور ہی ہوتے۔
اللہ تعالیٰ جو انسانوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے، وہ انسانوں کی اس ضرورت کو بھی جانتا تھا۔
ے اس کا بھی انتظام فرما دیا۔ اس نے ایسے انسان پیدا فرمائے جن کے اندر خدا کو پہچاننے کی بڑی
ب قوت اور صلاحیت تھی۔ ان کو اللہ نے دین دھرم، اچھے اخلاق اور انسانوں کو انسان بنانے والے

قانون (شریعت) کا علم اپنے پاس سے عطا فرمایا تھا اور اس کام پر لگایا کہ یہی علم دوسروں کو بھی بتا
اس علم کے تحت خود زندگی بسر کریں اور دوسروں سے بھی اسی طرز پر زندگی بسر کرنے کے لئے کہیں۔
انہی حضرات کو نبی، رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے۔ ہندی میں اسے ایشں دوت اور انگریزی میں ا
پروفٹ کہتے ہیں۔

## پہچان

ہم نے آپ نے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ مشاعروں میں شاعروں کا کلام سنا ہے، کلام سُن،
شاعروں کے بارے میں ہماری ایک رائے بنی ہے۔ کسی کا کلام سن کر ہماری زبان سے نکلا ہے کہ یہ فطری
شاعر ہے۔

ہم نے جلسوں میں مقرروں کی تقریریں سُنی ہیں۔ اِن کے بارے میں بھی ہماری ایک رائے ہے
کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں تو پیدائشی مقرر یا لیڈر ہے۔
ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے جو نئی نئی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ ہم ان کو موجد (ایجاد کرنے والے)
ہیں۔ ان کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ایجاد اُن کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اسی طرح کتابیں پڑھ کر ہم پیدا
مضمون نگاروں کو پہچان جاتے ہیں۔

یہ شاعر، یہ مضمون نگار، یہ لیڈر اور تقریر کرنے والے یا دوسرے باکمال لوگوں کو دیکھ ہی کر
پہچان لیتے ہیں کہ یہ اپنے کمال میں یکتا ہیں، بے مثل ہیں، اِن جیسے باکمال دوسرے لوگ نہیں۔ ایک شاعر
بڑی سچی بات کہی ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یعنی یہ کمال، اگر اللہ نہ بخشتے تو کسی کے بس کا نہیں کہ وہ خود اپنے اندر پیدا کر سکے۔ اگر کسی کے بس کی
یہ بات ہوتی تو ہر شخص باکمال ہو جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی طرح شاعر نظر آتے
ہیں لیکن ہر زمانے میں فطری اور باکمال شاعر دو ایک ہی ہوئے ہیں۔

اِسی طرح پیغمبر پہچانا جاتا ہے۔ اُس کو بھی فِطری اَور پیدائشی طور پر اَیسا علم دیا جاتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر کے ذہن میں ایسی باتیں آتی ہیں جو دوسروں کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ وہ ایسی باتیں بتاتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں بتا سکتے پیغمبر جو کچھ کہتا ہے ہماری عقل اُس کو قبول کرتی ہے، ہمارا دِل مانتا ہے۔ جانچنے اَور پرکھنے سے نبی کی بات سچی ثابت ہوتی ہے۔

اِس قابلیت کے ساتھ پیغمبر کی طبیعت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس میں کوئی برائی نہیں پاتا۔ وہ کبھی غلط اور بری بات نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہے پہلے اُس پر خود عمل کرتا ہے۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو اُس کے کہنے کے خلاف ہو۔

پھر کمال یہ ہے کہ اَپنی قابلیت اور اخلاق وکردار میں بے لوث ہوتا ہے۔ اُس کے قول وعمل میں اُس کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی۔ وہ اَپنے بھلے کے لئے دوسروں کا نقصان نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے بھلے کے لئے اپنا نقصان جان بوجھ کر کرتا ہے۔

ہم جس طرح ایک باکمال شاعر اور مقرر اور موجد کو پہچان لیتے ہیں اُسی طرح پیغمبر کی قابلیت، صلاحیت۔ قول، عمل، شرافت۔ پاکدامنی اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ اللہ کا رسول ہے۔ پیغمبر ہے۔ اَور اُسے یہ سارے کمال اللہ نے اپنی طرف سے خاص طور پر عطا فرمائے ہیں۔ کوئی شخص کوشش کرے پھر بھی پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبری کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ کوشش کر کے، مشق کر کے، محنت کر کے یا علم حاصل کر کے مِل جائے۔ یہ اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ جسے چاہتا ہے پیغمبری کے لئے چن لیتا ہے۔ پھر ایسے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا اِنسان بنیادی تعلیم دیتا ہے جسے کوئی دوسرا شخص نہ جان سکتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ پیغمبر ہی بتاتا ہے کہ اس ذریعہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے۔

## وحی

اس ذریعہ کا نام "وحی" ہے۔ عربی زبان میں وحی کے معنی ہیں اِشارہ کرنا، دل میں کوئی بات ڈالنا،

پچپے طور پر کوئی بات کہنا یا کہلوانا۔ لیکن ہم وحی اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک فرشتے (حضرت جبر
کے ذریعہ اپنے رسول کے پاس جو کچھ بھیجتا ہے، نازل کرتا ہے، اُتارتا ہے، چاہے وہ وحی کتاب کی شکل
میں اُترے جیسے تورات یا حضرت جبریلؑ کی زبانی نازل ہو جیسے قرآن۔ قرآن خود ان لفظوں میں اِس کے
معنی بتاتا ہے: "فَیُوحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ" پھر وہ یعنی فرشتہ وحی کرتا ہے یا پہنچاتا ہے اُسے
(اللہ کے) حکم سے جو کچھ وہ (اللہ) چاہتا ہے۔

## قرآن اور محمدؐ

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قرآن میں اِنسان کے لئے زندگی بسر کرنے کا پیغام ہے۔ ہدایتیں ہیں
اِحکام ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے حضرت جبریل کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسـ
پر نازل کیا۔ اُتارا۔ کون محمدؐ! کیسے محمدؐ! سنئے:

ہمارے ملک کے پچھم کی طرف سمندر ہے۔ سمندر کے راستے جہاز پر چلئے تو آگے عرب کا ملک
ملے گا۔ اِس عرب میں ایک شہر ہے "مکہ"۔ آج سے چودہ سو سال پہلے مکے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و
پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ، ماں کا نام آمنہ، دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ کی پیدائش سے دو تین مہینے پہلے آپؐ کے وال
بداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ کے والد صاحب نے اپنے بعد کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔ اِس لئے
سا نے بڑی غریبی کے ساتھ آپ کو پالا۔ لیکن آپ ابھی چھ برس کے ہوئے تھے کہ ماں کا بھی انتقال
گیا تو دادا عبدالمطلب نے پوتے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ دادا کے پاس دو برس ہی رہے تھے
ھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُس وقت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب
رنے پر چچا ابوطالب نے بھتیجے کو اپنے گھر بلا لیا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھے۔ مال باہر لے جاتے۔ وہا
پھر وہاں کا مال مکے میں لاتے اور یہاں بیچتے۔ لیکن اُن کے گھر کا خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم۔ اسلئے
ھی اللہ کا فضل ہی تھا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی سے پڑھنا لکھنا سیکھا نہ مکّے یا عرب میں کوئی اسکول تھا
تعلیم حاصل کرتے۔ آپ اُمّی (اَن پڑھ) ہی رہے۔ بچپن کے چار برس دائی حلیمہ کے گھر دیہات
رہے۔ وہاں بکریاں چرانے اور کھیل کود کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا۔ دائی حلیمہ کے گھر سے
ماں کے پاس دو برس رہنا ہوا۔ وہ مرگئیں تو دادا کے پاس دو برس رہے۔ نہ کچھ پڑھ لکھ سکے
ہنر سیکھ سکے۔ دو ایک بار ایسا ہوا کہ چچا ابو طالب تجارت کے لئے گھر سے نکلے تو ضد کر کے
ہو لئے۔ اِس کے بعد جب خود بڑے ہوئے تو تجارت کرنے لگے۔ پاس پیسہ نہ تھا۔ لوگوں سے ساجھا
اور جو کچھ نفع ہوتا اُس سے زندگی بسر کرتے

اُس زمانے میں مکّے اور مکّے ہی کیا، ساری دنیا کی حالت عجیب تھی۔ دور دور بستیاں،
جانے کا ذریعہ اپنے پاؤں یا زیادہ سے زیادہ گھوڑا یا اونٹ۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
مہینے اور سال لگ جاتے۔ ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ مہینوں اور برسوں میں پہنچتی۔ آج کل کی طرح
صاف ستھرے راستے تھے اور نہ سڑکیں۔ نہ ڈاک کا انتظام، نہ ریڈیو، نہ ٹیلی ویژن، نہ ریل نہ ہوائی جہاز
اخبار، نہ پریس، نہ مدرسے اور نہ کالج۔ لوگوں میں جانکاری اور معلومات بہت کم۔ ساری دنیا میں
باتیں عام تھیں۔ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خدا کے بارے میں یہ جانتے تھے کہ ہاں بس ہے۔ لیکن
سے لوگوں کا تعلق بالکل نہ تھا۔ سارا لگاؤ بتوں سے تھا اور وہی سب کے خدا تھے۔ پھر یہ شراب
پھیلانے والی شئے ہے، سب کے منھ لگی تھی۔ بچے، بوڑھے، عورت، مرد سبھی اس کے رسیا
جوئے کے بازار گرم رہتے۔ چوریاں اور ڈکیتیاں دن دہاڑے ہوتیں۔ مال کے ساتھ ڈاکو
اور عورتوں کو بھی لے جاتے اور اُنھیں بیچ لیتے۔ یہ بچے اور عورتیں مجبور۔ کچھ نہ کر سکتے۔ لونڈی
غلام بنا لئے جاتے۔ اُن کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک ہوتا۔ انسان تو انسانوں کا خدا
بنا تھا اور اپنا حکم چلاتا تھا۔ ہر طاقتور ہر کمزور کو دبا لیتا تھا۔ دنیا میں کہیں ذرا سا انصاف
ہمدردی دیکھتے تو اُس کو چمتکار یا معجزہ سمجھا جاتا تھا۔ عجوبہ پرستی عام تھی۔ عجوبہ پرستی کے معنی یہ کہ وہ بات

جہ بھی نہ دی نہ سچی اور جو انسان سے نہ ہو سکے۔ اِس لئے کسی چیز میں اُس وقت تک سچائی اَو
مانی ہی نہ جاتی تھی جب تک اُس میں عجوبہ پن نہ ہو۔ جس میں سچائی، بڑائی یا کمال دیکھا جاتا تو سمجھتے
اِنسان نہیں بلکہ اِنسانوں سے بڑھ کر ہے۔ لوگ برائیوں میں ایسا لت پت تھے کہ کسی اِنسان کا و
بزرگ ہونا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے اَور اگر کسی میں بزرگی اَور بڑائی پاتے تو پھر اُسے اِنسان
بڑھ کر کچھ اَور سمجھنے لگتے۔ اُسے دیوتا مان لیتے تھے۔

## عَرَبْ

عرب جس کے شہر مکّہ میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم رہتے بستے تھے اُس کا حال سارے جہ
سے بدتر تھا۔ عرب سمندروں اَور ریت کے میدانوں سے گھرا ہوا ساری دنیا سے الگ تھلگ اَیک
ملک تھا۔ وہاں نہ کوئی مدرسہ، نہ وہاں تعلیم کا چرچا۔ ملک بھر میں اُنگلیوں پر گنتی کے کچھ اَیسے لوگ تھے
جو حرف لکھ پڑھ لیتے تھے۔ عرب کے لوگ تہذیب میں سارے جہان سے گئے گزرے ہوئے۔ بہانہ
پست قسم کے بت پرست۔ بت پرستی، اَوہام پرستی، جہالت، شراب نوشی، ڈکیتی عام تھی۔ لڑکیوں
بچی کا پیدا ہونا اُن کے لئے بڑی ذلت کی بات تھی۔ بہت سے لوگ تو لڑکی پیدا ہوتے ہی اُسے زندہ دفن
کر دیتے تھے۔

پھر یہ کہ وہاں کسی طرح کی کوئی حکومت بھی نہ تھی۔ کوئی داد فریاد کس سے کرے۔ نہ کوئی قانون
نہ ضابطہ۔ دھونس، دھاندلی اَور طاقت کا راج تھا۔ کسی کا مال چھین لینا، کسی کو مار ڈالنا معمولی بات
تھی۔ پاکی ناپاکی، حرام و حلال اَور حیا کا تصور بالکل نہ تھا۔ ننگے ہو کر عبادت کرنا، حتّٰی کہ عورتوں
تک کا ننگے ہو کر کعبے کا طواف کرنا اچھا سمجھا جاتا تھا۔ زنا کی باتیں کھلم کھلّا اور بڑے فخر کے ساتھ
بیان کرتے تھے۔ عورتوں کا نام لے کر کہتے کہ میں نے فلاں کے ساتھ یہ اور یہ کیا۔
ایسی جگہ اَور اِس ماحول میں جو بچہ پلے بڑھے، سوچئے! اُسے کیا ہونا چاہیئے؟ لیکن دنیا نے
دیکھا کہ حضرت محمدؐ بچپن ہی سے سب سے نرالے اَور انوکھے اِنسان تھے۔ آپؐ جن لوگوں میں پیدا ہوئے

ن لوگوں کے ساتھ بچپن گزارا، جن لوگوں کے ساتھ جوانی کاٹی اور جن لوگوں سے میل جول رہا، اُن سب سے الگ نظر آتے ہیں۔ آپؐ نے نہ کبھی کسی بُت کے سامنے سجدہ کیا نہ چڑھاوے کی چیز کھائی نہ کبھی جھوٹ بولے۔ نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے۔ نہ کبھی شراب پی اور نہ جوا کھیلے۔ سب سے میل جول رکھتے۔ سب سے ہمدردی کرتے۔ غریبوں، بیواؤں اور غریب لوگوں کی مدد کرتے۔ ان لوگوں کے برعکس آپؐ کے اندر ساری اچھائیاں۔ قول میں پاکیزگی۔ عمل میں پاکیزگی۔ اور تو اور۔ ذرا یہ دیکھئے۔ جس جگہ بڑوں کے ننگا ہونے میں کوئی مضائقہ نہ تھا، بچوں کے بارے میں کیا ہوتا۔ وہیں ایک بار آپ کا تہمد کھل گیا تو شرم کے مارے آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ چالیس برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے عربوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ محمدؐ سارے انسانوں سے بہتر اور بڑھ کر ہیں۔ آپ کو امین اور صادق کے لقب سے یاد کرتے۔ عربوں نے یہ لقب کبھی کسی کو نہیں دیا۔

**انقلاب**

چالیس سال کی عمر میں اچانک آپ کے اندر ایک انقلاب آیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے اللہ نے اپنا نبی بنایا ہے۔ میرے پاس اللہ کا فرشتہ آتا ہے، اللہ کا کلام سُناتا ہے اور یہ ہے اللہ کا کلام۔ سنو! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو بتوں کی پوجا سے روکوں اور صرف اللہ کی بندگی کراؤں۔ بت پرستی کے ساتھ اور جو برائیاں تم کرتے ہو اللہ نے اُن سے بھی تم کو روکا ہے۔ یہ چوری، یہ لوٹ مار، یہ ڈکیتی، یہ دھونس دھاندلی ظلم، ستم، بے حیائی اور بدکاری چھوڑو۔ سود نہ کھاؤ۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ اللہ کو یہ کام پسند نہیں۔ سچ بولو۔ انصاف کرو۔ کسی کا مال نہ چھینو۔ تم سب برابر ہو۔ انسان انسان ہونے کے ناتے سب برابر ہیں۔ شریف اور بزرگ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔ وہی اعلیٰ درجے کا انسان ہے۔ اور دیکھو! جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔ ایک دن آئے گا جب وہ تم سے تمہارے کاموں کا حساب لے گا اور پھر تمہارے لئے یا تو جنت ہے یا جہنم۔

یہ اور ایسی ہی باتیں تھیں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتانے اور سکھانے لگے۔ جس قوم میں برائیاں گھٹی میں پڑی تھیں وہ بھلا کیسے یہ مان لیتی۔ قوم کے لوگ جان کے دشمن ہوگئے۔ وہ گالیاں دیتے، پتھر مارتے، ستاتے۔ لیکن آپؐ نیکیاں پھیلاتے رہے۔ مکے والوں سے کسی طرح برداشت نہ ہوا تو وطن سے نکال باہر کیا۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو جہاں جاکر آپؐ رہے یعنی مدینہ میں، تو وہاں بھی چین سے رہنے نہ دیا۔

## سوچنے کی بات

سوچنے کی بات یہ ہے کہ قوم کیوں آپ کی دشمن ہوگئی۔ کیا زر، زن، زمین کا جھگڑا تھا؟ کیا آپؐ نے کسی کا خون کر ڈالا تھا؟ کیا آپؐ اُن سے کچھ چاہتے تھے؟ نہیں۔ جھگڑا اس پر تھا کہ یہ شخص خدا پرستی کے لئے کیوں کہتا ہے، نیکی کی تعلیم کیوں دیتا ہے، پجاریوں اور پروہتوں کی بڑائی اور پیشوائی پر چوٹ کیوں مارتا ہے، انسان اور انسان کے درمیان اُونچے نیچے کا فرق کیوں مٹاتا ہے۔ باپ دادا سے جو ہوتا چلا آرہا ہے اُس پر تنقید کیوں کرتا ہے، سود کھانے سے کیوں منع کرتا ہے؟

اور سوچئے! کیا آپؐ قوم کے سردار یا بادشاہ بننا چاہتے تھے؟ کسی حسینہ سے شادی کرنا چاہتے تھے؟ آپ سب سے بڑے مالدار بننا چاہتے تھے؟ یہ طلب بھی نہ تھی۔ قوم نے تو یہ سب آپؐ کے سامنے پیش کیا لیکن آپ نے ٹھکرا دیا۔

اور سوچیے! چالیس برس کی عمر تک حضورؐ ایک عام عرب کی طرح تھے۔ چالیس برس میں آپؐ نے نہ کبھی تقریر کی، نہ خدا اور خدا سے متعلق باتیں کیں۔ نبی ہونے کے بعد زندگی بسر کرنے کے بارے میں جو طریقہ اب آپؐ بتا رہے تھے اور قانون دے رہے تھے اُس کا شائبہ بھی پہلے نہ تھا۔ جنت اور دوزخ کا نام بھی کسی نے آپؐ سے نہیں سُنا تھا۔ آپ کی کسی بات سے یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ آپ [illegible] کچھ بننے والے ہیں۔ چالیس برس کے بعد اچانک کایا پلٹ گئی اور اب آپ ایک حیران کرنے [illegible] سب کو سُنا رہے تھے جسے سُن کر سارا عرب ہکا بکا رہ گیا۔ یہ کلام سُن کر لوگ [illegible] نہ اُتر جائے۔ اس کلام میں وہ زور، وہ روانی، وہ خوبی کہ [illegible] آج تک [illegible]

عرب میں بڑے بڑے شاعر اور خطیب موجود تھے۔ سب اِس کلام (قرآن مجید) کے آگے گونگے ہو گئے۔ کوئی ایک جملہ بھی تو اس کے مقابلے کا بنا کر نہ لا سکا۔

اور سنئے! کوئی شاعر کوئی شعر کہتا ہے تو بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے یہ تیر مارا۔ اسی طرح کوئی اپنی کتاب پر فخر کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے یہ زبردست تقریر کی۔ میں نے یہ بڑا کام انجام دیا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی کہہ سکتے تھے کہ قرآن میرا کلام ہے تو کوئی تردید نہ کر سکتا تھا، مگر آپؐ نے صاف صاف بتا دیا کہ بھائیو! میں ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ میرے اندر یہ قابلیت نہیں ہے۔ ہمارے اللہ کا کلام ہے اور میں نے جبریل کی زبانی سُنا ہے۔

آپ ہی بتائیے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُمّی۔ ۲۳ برس برابر قرآن آپؐ پر نازل ہوتا رہا۔ آپؐ لکھاتے رہے۔ یاد کراتے رہے۔ پھر اللہ کے حکم سے اسے ترتیب دیا تو نظر ثانی کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک بول تو الگ رہا، ایک حرف بھی تو نہ بدلا گیا۔ کسی تصحیح اور کسی اصلاح۔ کیا آپ نے دنیا میں کہیں کوئی ایسا کلام سُنا ہے جس کی تصحیح اور اصلاح نہ ہوئی ہو۔ اور پھر یہ کہ ۲۳ برس وقفے وقفے سے نازل ہوا لیکن شروع سے آخر تک ایسا مربوط اور سلسلے وار کہ کہیں جوڑ تک نظر نہیں آتا۔

بتائیے۔ کیا کوئی انسان اِس پر قادر ہے۔ کس کے بس میں ہے کہ ایسا سچا اور پاکیزہ کلام پیش کر سکے۔ وقفے وقفے سے پیش کرے اور اس میں نہ کوئی جھول ہو نہ جوڑ۔ تو پھر سچ کہئے آپ ایسے انسان کو نبی کے سوا اور کیا کہیں گے۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ قرآن "وحی" ہے یعنی اللہ کا کلام ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط (الشوریٰ - ۵۲)

اے نبی تم تو جانتے تک نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر ہم نے اس وحی کو ایک نور بنا دیا جس سے ہم رہنمائی کرتے ہیں، اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں۔

معجزہ کے معنی ہیں عاجز کر دینے والی بات۔۔ کوئی ایسی نشانی جس کو دیکھ کر لوگ عاجز آجائیں اور یہ سمجھنے اور ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ جو نشانی دکھائی گئی ہے حق ہے اور جس کی طرف سے یہ نشانی دکھائی گئی ہے وہ بھی حق ہے اور جس کے ذریعہ یہ نشانی دکھائی گئی ہے وہ حق پر ہے۔ کسی شاعر نے اس بات کو ایک مصرع میں یوں کہا ہے کہ "حق وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے"۔ مثال کے طور پر اُس معجزے کو لیجیے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اللہ کے حکم سے اژدہا بن جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر جب کہا کہ ہمارا اور تمہارا رب اللہ ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو فرعون نے کہا "تمہارے پاس کیا ثبوت اور نشانی ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو؟"

فرعون کے یہ پوچھنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینک دی تو وہ اژدہا بن گئی۔ فرعون اور اُس کے درباریوں نے اسے جادو کہا اور پھر اپنی ریاست کے بڑے بڑے جادوگروں سے مقابلہ کرایا تو جادوگروں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی سچ مچ اژدہا بن گئی تو وہ عاجز ہو گئے۔ یعنی اُن کے لیے حق کو حق ماننے کے سوا چارہ نہ رہا۔ وہ پکار اُٹھے: 'اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ' ہم سارے جہاں کے رب پر ایمان لے آئے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

دیکھا آپ نے! جادوگر اللہ کی نشانی دیکھ کر عاجز آگئے اور انھوں نے

یا کہ یہ جادو نہیں بلکہ زندہ حقیقت ہے اور اللہ کی طرف سے ہے اور واقعی
ت موسیٰ و ہارونؑ اللہ کے نبی ہیں۔

ہم نے معجزے کے لئے لفظ "نشانی" لکھا ہے۔ یہ اس لئے کہ قرآن میں
کے لئے لفظ "آیت" آیا ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی، جسے دیکھ کر نشانی
لے کو پہچانا جائے۔[1]

قرآن میں آسمان، زمین، چاند، سورج، دریا، پہاڑ اور سمندروں وغیرہ
یات اللہ کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کو دیکھ کر ذہن ان کے بنانے والے تک
پہنچتا ہے۔ قرآن خود اس طرح سمجھاتا ہے کہ اے نبیؐ! ان (لوگوں) سے پوچھو کہ
سب کا بنانے والا کون ہے۔ اور پھر خود ہی فرمایا کہ اے نبیؐ! کہو، وہ اللہ ہے
جس نے یہ سب بنایا ہے۔

علماء نے ان آیات یا آیت کا ترجمہ نشانی ہی کیا ہے۔ ان کا ترجمہ معجزہ
نہیں کیا۔ یہ شاید اس لئے کہ یہ نشانیاں تو ہر شخص روز ہی دیکھتا ہے۔ روز
روز دیکھتے اس کی حیرانی دور ہو گئی ہے حالانکہ یہ نشانیاں بھی ہر دیکھنے والے کو
عاجز کر دینے والی ہیں۔ بتائیے، کون ہے جو ایسی نشانیاں دکھا سکے یا ایسی چیزیں
بنا سکے۔ وہ کافر جو اللہ کے سوا اور بہت سے دیوی دیوتاؤں کو مانتے تھے اُن سے
اللہ نے پوچھا: بتاؤ، آسمان سے پانی کون برساتا ہے، اس مُردہ زمین کو کون
زندہ کرتا ہے، تو کافروں نے عاجز ہو کر اللہ ہی کا نام لیا۔ تو یہ سب چیزیں ہیں تو عاجز
کر دینے والی ہی لیکن علماء نے ان آیات کا ترجمہ نشانی کیا، معجزہ نہیں۔

دراصل معجزہ اُس نشانی کو کہا گیا ہے جو اللہ کے حکم سے کسی پیغمبر کے ذریعہ

---

[1] آیت قرآن کے اُن ٹکڑوں کو بھی کہتے ہیں جن کو ہم اپنی زبان اردو میں "جملہ" کہتے ہیں۔

انھونی بات نشانی بناکر دکھائی گئی۔

# معجزے کی مانگ

اللہ کے نبیوں نے جب یہ کہا کہ "انی رسول اللہ" (میں اللہ کا رسول ہوں) لوگوں نے اُن سے کہا کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہارے ہاتھوں سے کوئی انھونی بات ضرور ہونا چاہیے جس سے ثابت ہو کہ سچ مچ تم اللہ کے رسول ہو اللہ نے اپنا رسول بناتے وقت کون سی سند دی ہے۔ تمہارے پاس نبوت کا سرٹیفکیٹ ہے یا نہیں؟ ہو تو دکھاؤ!

لوگوں کے اِس مطالبہ پر اللہ کے نبیوں نے اللہ کے حکم سے نشانیاں دکھائیں۔ علماء نے انہی نشانیوں کو معجزہ کہا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کا سانپ بن جانا، حضرت عیسیٰؑ کے قُم بِاذنِ اللہ کہنے پر مُردے کا زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہو جانا یا حضرت ابراہیمؑ پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا وغیرہ۔

**نوٹ:۔** نوٹ کر لیجئے کہ نبیوں کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اپنی مرضی اور قوت سے کوئی معجزہ دکھاتے۔ معجزے کا دکھایا جانا اللہ کے حکم سے تعلق رکھتا ہے۔ نبی اللہ سے درخواست کر سکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسی باتیں اور نشانیاں عطا فرما جس سے لوگ مجھے نبی مانیں۔ چنانچہ سورۂ مومنون آیت ۴۶ میں آتا ہے کہ:۔

---

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاہُ ھٰرُوْنَ ۵ۙ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ

پھر ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ

فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔

---

اللہ کے نبیوں کے ذریعہ جو معجزے سامنے آئے قرآن میں اُن سب کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے حالات میں کئی معجزوں کا بیان ہے۔ اِن میں سب سے بڑا معجزہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا ہے۔

## معجزاتِ خلیلؑ

حضرت ابراہیمؑ کے حالات میں ایک اور حیران کن لیکن ایمان افروز معجزہ ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؑ بھی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اُن کے پاس اللہ کے فرشتے آئے اور خوشخبری سنائی کہ آپ کو اللہ ایسا بیٹا اور پوتا عطا فرمائے گا جو دونوں نبی ہوں گے یعنی حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ۔ اس پر حضرت سارہؑ ایسی حیران اور عاجز ہوئیں کہ برجستہ اُن کی زبان سے نکل گیا "اوئی! میرے اولاد ہو گی۔ مجھ بڑھیا پھونس کے۔ اور جبکہ میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ۔ یہ تو انہونی بات ہے۔" فرشتوں نے کہا "تم اللہ کے حکم پر حیران ہو! اے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم پر تو خاص اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ اور اللہ بے شک تعریف کے قابل اور بڑی شان والا ہے۔" قرآن کی عبارت اِس طرح ہے۔ دیکھئے سورہ ہود آیت ۷۱، ۷۲، ۷۳:-

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۝
قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ
اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ
اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ

إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

## معجزاتِ کلیمیؑ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ نوَ (۹) معجزے ظاہر ہوئے۔ اِن میں سب سے زیادہ مشہور معجزہ ہے لاٹھی کا سانپ بن جانا، اِسی لاٹھی کے مارنے سے سمندر کے پانی کا پھٹ جانا۔ دوسرا مشہور معروف معجزہ ہے ریگستان میں بنی اسرائیل کے لئے من وسلویٰ کا نازل ہونا اور ابر کا سایہ رہنا۔

## معجزاتِ عیسیٰؑ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ جو معجزے دکھائے گئے وہ تو بہت ہی حیران کر دینے والے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش خود ایک معجزہ ہے۔ اور سُنئے! ابھی وہ دو چار دن ہی کے تھے، اُس طفلی میں بنی اسرائیل کے سامنے بولے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں میں رہوں، اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنیوالا بنایا اور مجھ کو جبّار (سختی کرنے والا) اور دِل کا کٹّر نہیں بنایا۔ (سورہ مریم ۳۰-۳۱-۳۲)

پھر جب حضرت عیسیٰؑ بڑے ہوئے اور اُن کو عملاً نبوت ملی تو آپ نے فرمایا:۔

---

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۙ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم

بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ لا فِي بُيُوتِكُمْ ط اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿ج﴾ (اٰل عمرٰن)

اور جب وہ (یعنی حضرت عیسیٰؑ) رسول کی حیثیت سے بنی اسرائیل کے پاس آیا تو (اُس نے کہا) میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لیکر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔[1] میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے[2] اور کوڑھی[3] کو اچھا کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں[4]۔ میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو[5] اور کیا اپنے گھروں میں بھر بھر کے رکھتے ہو[6]۔ اس میں تمہارے لئے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

---

اِس تقریر کو پھر پڑھئے۔ اللہ کا نبی اقرار کرتا ہے کہ معجزے دکھانا میرے بس میں نہیں ہے بلکہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تب ہی میں معجزہ دکھا سکتا ہوں۔

## حضورؐ اور معجزے

---

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ط (الانعام ۳۵)

تو (اے نبیؐ!) اگر ان لوگوں (مکّے کے کافروں) کی بے رُخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں

سیڑھی لگاؤ/اُڑ جاؤ اُن کے پاس نشانی لانے کی کوشش کرو۔

---

یہ پچھلی تقریر صاف بتاتی ہے کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بس میں بھی نہ تھا کہ اپنے بل پر کوئی معجزہ دکھا دیتے۔ اِس آیت کے پیچھے واقعہ
یوں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کئی برس سے مکے والوں کو دین کی طرف بُلا رہے تھے
لیکن وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور جہنم کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ حضورؐ
یہ دیکھ کر کُڑھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ اللہ کچھ ایسے معجزے عطا فرما دے جن کو دیکھ کر
لوگ ایمان لے آئیں۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضورؐ سے فرمایا جو اوپر نقل کیا گیا

## حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ
مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ (طٰہٰ ۱۳۳)

وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟ (تو ان کو
بتاؤ) کیا اُن کے پاس اگلے صحیفوں کی تمام تعلیمات کا واضح بیان نہیں آ گیا۔

---

اگلے صحیفوں کی تمام تعلیمات کے واضح بیان سے مُراد قرآن مجید ہے۔
جس کی زبان کی فصاحت و بلاغت، جس کے مضامین کی حقیقت اور
اس کے اسلوب سے بڑے بڑے شعراء عاجز ہو گئے تھے۔ بعض بڑے
شاعروں نے قرآن سُنا، اِس پر ایمان لائے اور اپنی شاعری
چھوڑ دی۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے شاعری کیوں چھوڑ دی

تو جواب دیا کہ قرآن نے ہمیں عاجز کر دیا۔ اب خرافات کی ضرورت ہی کیا؟

# لطیفہ

جب سورۂ کوثر نازل ہوئی تو کسی من چلے شخص نے لکھ کر ایسی جگہ رکھ دیا جہاں عرب کا ملک الشعراء آکر شعراء کے کلام پر اصلاح دیا کرتا تھا۔ ملک الشعراء نے یہ تین مصرعے بھی دیکھے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ　　فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ

............................

چوتھے مصرعے کی جگہ خالی تھی۔ ملک الشعراء دیر تک سوچتا رہا کہ کیا لکھے سوچتے سوچتے وہ عاجز آگیا۔ برجستہ اُس کی زبان سے نکلا 'ماھٰذا قول البشر۔ یہ آدمی کا کلام نہیں ہے' اِسے کہتے ہیں کہ حق وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ کہتے ہیں کہ جب اُسے اور دوسرے کافروں کو معلوم ہوا کہ یہ قرآن کی ایک سورہ ہے تو ملک الشعراء نے اور کافروں نے اپنے سر پیٹ لئے۔ ایک اُمّی (بے پڑھے لکھے) انسان کی زبان سے یہ بہترین کلام ادا ہو نا خود سب سے بڑا معجزہ ہے۔ قرآن کا یہ چیلنج آج تک ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے ہے کہ ہے کوئی جو اِس کی ٹکر کی ایک سورہ بنالائے۔ اِسکے بعد پھر چیلنج کیا: اِس کی مثل ایک جملہ ہی بنالاؤ!

ایک بار مشہور دشمنِ اسلام عُتبہ حضورؐ کے پاس سمجھوتے کی غرض سے گیا۔ حضورؐ نے اُسے قرآن سُنایا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ جب واپس اپنے لوگوں میں آیا تو دیکھنے والوں نے کہا "واللہ! عُتبہ جو چہرہ لے کر گیا تھا وہ یہ چہرہ نہیں ہے۔"

ایک بار کٹر دشمن عمر بن خطاب (جی ہاں! حضرت عمرؓ۔۔۔ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) حرم پاک میں گئے۔ وہاں حضور نماز پڑھ رہے تھے۔ آیت

وہ بھی جو حشر سے متعلق تھی کہ کافروں کی پنڈلی کی نس کھینچ لی جائے گی اور وہ جھک نہ سکیں گے۔ حضرت عمرؓ کا خود بیان ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے جب میں نے یہ سُنا تو مجھ سے کھڑا نہ رہا گیا۔ محسوس ہوا جیسے کسی نے میری پنڈلی کی رگ کھینچ لی ہے۔

یمن کے مشہور شاعر حضرت سہیل نے حضورؐ کی زبان سے قرآن سُنا تو سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں کہ لوگ قرآن سُن کر عاجز ہو ہو گئے یہ سب سے بڑا معجزہ 'قرآن' آج بھی زندہ ہے اور پکار پُکار کر کہتا ہے کہ لے آؤ اس ٹکر کا ایک جملہ ہی۔ فاتوا بآیۃٍ من مثلہ۔

## ذاتِ حضورؐ بھی معجزہ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں میں پیدا ہوئے جو ہر طرح کی بُرائی میں مبتلا تھے۔ بتوں کی پوجا سے لے کر تکبّر اور لڑائی جھگڑے سے لے کر بداخلاقیوں تک میں اپنی مثال آپ تھے۔ خربوزہ دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریمؐ ویسے نہیں بنے جیسے مکّے والے تھے۔ آپ نے بچپن میں بھی (جب کہ بچّوں کو اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی) نہ بتوں کو سجدہ کیا، نہ چڑھاوے کی کوئی چیز کھائی، نہ جھوٹ بولے، نہ امانت میں خیانت کی بلکہ آپؐ میں نیکی اور اچھی باتیں ہی لوگوں نے دیکھیں۔ پھر یہ کہ آپ کے بچپن میں والدین مر چکے تھے۔ آپ یتیم و یسیر تھے کہیں تعلیم بھی نہ حاصل کر سکے۔ دور و نزدیک کوئی مدرسہ بھی نہ تھا۔ لیکن نبی ہوئے تو قرآن جیسا کلام سُنانے لگے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک خود ایک معجزہ تھی۔ قرآن نے خود لوگوں کو دھیان دلایا ہے کہ یہ (یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم) برسوں (یعنی چالیس برس تک) تم میں رہتے اور

تم کچھ نہیں سمجھتے۔

## حضورؐ سے پہلے

حضورؐ سے پہلے اللہ کے نبیوں کو جو معجزے عطا ہوئے وہ اُس وقت کے ماحول کے مطابق تھے۔ دُنیا کے لوگوں کا ذہن ابھی کچّا تھا۔ اِس لئے کھلّم کھلّا دکھائی دینے والے (حسّی) یعنی جسم والے معجزے نبیوں کو ملے۔ حضورؐ کے زمانے تک دنیا والوں کا ذہن پختہ ہوگیا تھا۔ لوگوں کی سوجھ بوجھ، سوچ بچار اور ذہنیتوں میں پختگی آ چکی تھی۔ اِس لئے آپؐ کو عقلی معجزے عطا ہوئے۔ اِن میں قرآن اور خود آپؐ کے فضائلِ اخلاق، یہ دو معجزے سب سے بڑے ہیں۔

**نوٹ**:۔ یاد رکھئے کہ حسّی (یعنی جن کو دیکھا اور چھوا جا سکے) معجزے دیکھ کر بھی تو لوگ ایک دو ہی مسلمان ہوتے تھے۔ باقی ہٹ دھرم ایک نہ ایک بات بنا دیتے۔ جادوگر ہی کہہ دیتے۔ کرتب بنا دیتے۔ وغیرہ۔ کون نہیں جانتا کہ حضورؐ کی ذات سے آئے دن حیران کر دینے والی بہت سی باتیں لوگوں کے سامنے آتی رہتی تھیں۔ لوگ دیکھتے تھے۔ لیکن کیا مکّے کے ہٹ دھرم ایمان لائے؟ ابوجہل کے سامنے، ابولہب کے سامنے، عتبہ کے سامنے اور بہت سے لوگوں کے سامنے حضورؐ کی ایسی باتیں آئیں جن سے وہ مرعوب ہوئے۔ لیکن کیا یہ بدنصیب ایمان لائے؟ ابوجہل کہتا تھا کہ خدا کی قسم، محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں لیکن میں عمر بھر اس کی مخالفت ہی کروں گا۔ ابولہب کے بیٹے نے جب آپؐ پر تھوکا تو آپؐ کی زبان سے نکل گیا "اے اللہ! اِس پر اپنے کسی کتّے کو مسلط کر دے۔" ابولہب حضورؐ کی اِس بددعا سے رات دن ڈرتا رہتا تھا۔ آخر اُس کے بیٹے کو ایک درندے نے چیر پھاڑ ڈالا۔ اِس سچائی کے ظاہر ہونے کے بعد بھی ابولہب مسلمان نہیں ہوا۔ عتبہ کی حیرانی کا ذکر اوپر آچکا۔

پھر وہ وقت جب حضور نے بائیکاٹ والے کاغذ کے بارے میں فرمایا کہ اُسے کیڑوں نے کھالیا۔ اَب دیکھئے کہ حضورؐ کے ہمدرد چچا ابوطالب نے قوم سے کہا کہ جاؤ، دیکھو بائیکاٹ والا کاغذ۔ میرا بھتیجا کہتا ہے کہ اُسے کیڑے کھا گئے۔ اگر کاغذ صحیح سالم ہوگا تو میں محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ لوگوں نے دیکھا کہ کاغذ کی وہی سطریں کیڑے چاٹ گئے تھے جن میں بائیکاٹ کی بات تھی۔ کیا یہ حضورؐ کا معجزہ نہ تھا؟ لیکن نہ حضورؐ کے ہمدرد چچا ابوطالب مسلمان ہوئے اَور نہ مکّے کے کافر۔

معجزۂ معراج کے بارے میں لکھا ہے کہ جب مکّہ والوں کے سامنے ثابت ہوگیا کہ حضورؐ نے جو کچھ کہا وہ سب سچ ہے اَور قافلے والوں نے کچھ گواہیاں دیں تو مکّے کے کافر کہتے تھے کہ محمدؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سب سچ اُترتا چلا جارہا ہے لیکن یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ ایک شخص راتوں رات آسمانوں کی سیر کر آئے اَور واپس آجائے؟

یہی بات اِس سائنسی دَور میں بھی سُنی جارہی ہے۔ سائنٹیفک طور پر اسلام کا ایک ایک نظریہ صحیح ثابت ہوتا چلا جارہا ہے۔ لوگوں کا دل تسلیم کرتا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی نبی ہیں لیکن یہ کہہ کر ہٹ دھرمی کا اظہار کیا جارہا ہے:۔ ● ہاں، اگر وہ بھارت میں پیدا ہوئے ہوتے تو ہم اُن پر ایمان لے آتے ● ہاں بھائی، اسلام کی یہ بات دل کو تو چھو رہی ہے مگر مَا وَجَدنا علیہ ابا ئَنا۔ ہم نے اپنے پُرکھوں سے جو دھرم پایا ہے! ● گاندھی جی فرماتے ہیں: ہاں جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکّے میں رہے، وہ نبی ہی تھے لیکن مدینے میں جا کر بادشاہ بن گئے۔

دراصل ایمان لانے کے لئے بات وہی صحیح ہے جو کسی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہی ہے

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں<br>
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

# نبی کو ماننے کا مطلب

جب یہ جان لیا جائے اور مان لیا جائے کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کا سچا نبی، رسول اور پیغمبر ہے تو یہ بات آپ سے آپ ضروری ہو جاتی ہے کہ سچے نبی کی ہر بات پر زبان سے بھی گواہی دی جائے اور عمل سے بھی۔ زبان سے اقرار کیا جائے کہ صحیح وہ سچا نبی ہے اور عمل سے گواہی یہ ہے کہ نبی نے جو کچھ کہا، فرمایا، جس بات کا حکم دیا وہ سب اسی طرح کیا جائے جس طرح نبی نے کرنے کو بتایا اور خود عمل کر کے دکھایا۔

اگر کوئی شخص نبی کو نبی نہ مانے یا نبی کے کہنے پر عمل نہ کرے تو وہ خدا کا گنہگار خدا کا نافرمان اور خدا کا باغی ہوگا کیونکہ نبی وہی بات تو کرنے کا حکم دیتا ہے جو اس کے پاس خدا کی طرف سے آتی ہے۔

اللہ کے رسول کو ماننے کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی نے یہ حکم کیوں دیا؟ نبی کا یہ حکم سمجھ میں نہیں آیا تو یہ بات بڑی نا سمجھی کی بات ہے۔ دیکھئے، آپ بیمار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ وہ نسخہ لکھ کر دیتا ہے۔ اب اگر آپ ڈاکٹر سے یہ کہنے لگیں کہ نسخے میں فلاں دوا کیوں لکھی ہے؟ فلاں دوا تو کڑوی ہے۔ میں یہ دوا نہیں پیوں گا۔ اس کے بدلے کوئی ایسی سی دوا لکھ دیجئے۔ اس طرح ڈاکٹر سے حجت کریں گے تو وہ آپ کو دواخانے سے بھگا دے گا اور آپ کا علاج کرنا چھوڑ دیگا اسی طرح اگر آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کے ہاتھ میں دیدیں اور وکیل آپ کو مشورہ دے کہ عدالت میں یہ کہنا۔ عرضی دعویٰ اس طرح لگانا۔ ایسے اور ایسے گواہ لانا۔ اب

نہیں بلکہ فلاں گواہ لاؤں گا اور عرضی دعویٰ میں یوں لکھواؤں گا تو وکیل آپ کو اپنے کے بدلے یہ کہوں گا۔ میں فلاں گواہ
دفتر سے نکلوا دے گا۔

اِن دو مثالوں سے آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کو اِس دنیا کے جھمیلوں میں اچھا
اِنسان بن کر زندگی بسر کرنا ہے۔ آپ ایک نیک آدمی بننا چاہتے ہیں تو آپ کو اُس
سچے علم کی ضرورت ہے جو ایک انسان کو اچھا انسان بناتا ہے۔ یہ علم اللہ کی طرف سے
نبیوں کے ذریعہ آیا ہے۔ آپ کو جاننا چاہیئے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنیکا
ٹھیک ٹھیک طریقہ کیا ہے۔ یہ طریقہ ایک سچّا نبی ہی بتا سکتا ہے۔ ہاں، بے شک،
سچّے نبی کو تلاش کرنے میں بڑی سمجھداری سے کام لینا ہوگا کیوں کہ اگر بھول کر بھی کسی
غلط آدمی کو اللہ کا نبی مان لیا تو وہ آپ کو لے ڈوبے گا۔ مگر جانچ پڑتال کرنے کے
بعد یقین ہو جائے کہ فلاں شخص اللہ کا سچّا رسول ہے تو پھر جس طرح ڈاکٹر کے نسخے
اور وکیل کے مشورے پر عمل کیا جاتا ہے اُسی طرح کسی ہچر مچر کے بغیر اللہ کے نبی
پر بھی بھروسہ کرنا چاہیئے اور اُس کے کہنے پر عمل کرنا چاہیئے

جو لوگ سمجھ لیتے ہیں، جن لوگوں کا دل کہتا ہے کہ فلاں شخص سچ مچ اللہ کا
نبی ہے لیکن نہ اُس کو اللہ کا نبی مانتے ہیں اور نہ اُس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، ایسے
ہی لوگ کافر کہلائے جاتے ہیں۔ یہ کافر کافر ہی نہیں ہوتے، سخت احمق بھی ہوتے
ہیں کیوں کہ اللہ کے حکموں کے خلاف جو بات ہوتی ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے
اور جھوٹ سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں ہے۔ جھوٹ سب سے بڑی نادانی ہے۔
جھوٹ جہالت ہے۔ جھوٹ ہی اِنسان کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ بڑا
خوش نصیب ہے وہ شخص جو باطل اور جھوٹ سے بچے اور سچا اور سیدھا
راستہ اپنا لے یعنی نبی کو مانے اور اُس کی پیروی کرے۔

ایک بہت ہی آسان اور سادہ سی مثال پر غور کیجئے۔ آپ جس ریاست میں رہتے بستے ہیں، آپ اُس ریاست کی رعایا ہیں۔ ریاست کی طرف سے آپ کے علاقے کی طرف ایک حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ اب اگر آپ حاکم کا حکم نہ مانیں گے تو دراصل آپ اُس حاکم ہی کے باغی نہیں، ریاست کے بھی باغی کہلائے جائیں گے اور ریاست کا مالک، آپ کو سزا دے گا، چاہے جیل میں ڈالے چاہے قتل کر دے۔ اسی طرح سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا، آپ کا، سب کا مالک اور حاکم ہے۔ اُس نے اپنی سلطنت کے ایک علاقے (زمین) میں اپنی طرف سے کسی کو اپنا رسول، بنا کر بھیجا تو اُس رسول کا حکم ماننا آپ کے لئے ضروری ہے کیوں کہ اللہ کا حکم ہے کہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے کو نبی مانو اور اُس کی پیروی کرو۔ ظاہر بات ہے کہ جو اللہ کے نبی کو نہ مانے گا اُسے سزا ملنی چاہیئے۔ اور سزا مل کر رہے گی۔ اِس دُنیا میں وہ بھٹکتا رہے گا اور جب خدا کی عدالت میں پہنچے گا تو خدا اُسے وہ بھیانک سزا دے گا جس کا نام جہنّم ہے۔ قرآن ایسے ہی بدنصیب کو کافر کہتا ہے، چاہے وہ کافر خدا کو مانتا ہی ہو۔ خدا کے ساتھ اُس کے رسول کو ماننا ہر انسان پر فرض ہے

# اسلام سارے نبیوں کا دین

حضرت آدم ؑ سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی ہوئے ہیں، سب کا دین اِسلام ہی تھا۔ آپ قرآن اُٹھا کر دیکھئے۔ جس نبی کو اللہ نے بھیجا، وہ یہی پکارتا ہوا آیا:۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔

یہ سُنا کر ہر نبی نے یہ بھی کہا:۔

...... میں

اللہ سے ڈرنے کا مطلب بتاؤں اسی طرح ڈرو جس طرح میں اللہ کے حکموں پر چلوں اُسی طرح تم بھی عمل کرو۔

یہی بات حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنی اولاد کو سمجھائی اور وصیّت کی۔ یہ بات حضرت ابراہیم ؑ نے پکار پکار کر لوگوں کو سُنائی۔ یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلا نے فرعون کے سامنے کہی اور یہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمائی۔ سب سے آخر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر کے لوگوں کو اسی طرف بلایا۔ اِس لئے سارے ہی نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کسی نے ایک نبی کو بھی ماننے سے انکار کر دیا تو اُس نے سارے نبیوں کی تعلیم کو جھٹلا دیا اور وہ کافر ہوگیا۔

# نبیوں کا آنا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر اُنہی سے اُن کا جوڑا (حضرت حوّا کو) بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم ؑ و حوّا ؑ کی اولاد میں بڑی برکت دی۔ حضرت آدم ؑ و حوّا ؑ کی اولاد بڑھتے بڑھتے دنیا بھر میں پھیل گئی۔ اللہ نے حضرت آدم ؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو اِسلام کی باتیں سکھائیں۔ بتائیں کہ تمہارا اور ساری دنیا کا خدا ایک ہے۔ وہ اللہ ہے۔ تم اُسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ اُسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اُسی سے مدد مانگو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نیکی اور انصاف کے ساتھ رہنے کو فرمایا ہے اُسی طرح رہو بسو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو جنّت دے گا اور اگر اللہ کا حکم نہ مانو گے تو جہنّم کا ایندھن بنو گے۔

حضرت آدم ؑ کی اولاد میں جو اچھے لوگ تھے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے۔ جو لوگ بُرے تھے اُنھوں نے حضرت آدم ؑ کی نصیحتوں کو بھلا

دیا۔ اُن کے اندر بُرائیاں پیدا ہوگئیں۔ شیطان اُن بُرے لوگوں کے پیچھے پڑ گیا۔ انھیں شرک میں پھنسا دیا۔ اُن لوگوں نے طرح طرح کے بُت بنا لئے اور ان کو خدا سمجھ کر پوجنے لگے۔ چاند کا دیوتا انھوں نے مانا۔ سورج کا دیوتا انھوں نے مانا۔ ستاروں کے نہ جانے کتنے دیوتا بنا ڈالے اور اُن کی پوجا کرنے لگے۔ پھر گرتے ہی چلے گئے۔ جانوروں کو، دریاؤں کو، پیڑوں کو، آگ اور پانی کو، کیڑے مکوڑوں تک کو پوجنے لگے۔ دکھ سُکھ کے دیوتا ماننے لگے۔ کسی کو بیٹی بیٹا دینے والا مانا۔ کسی کو بیماری سے نجات دلانے والا سمجھ لیا۔ کسی کو صحت و تندرستی اور دولت کا خدا سمجھ لیا۔ کسی کو مُراد پوری کرنے والا مانا۔ اللہ کو بھول گئے اور انہی سیکڑوں ہزاروں دیوتاؤں کو راضی کرنے میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ شرک، بدعت، وہم اور بُرے رسم و رواج میں پھنس گئے، بہت سی اچھی باتوں کو بُرا جاننے لگے اور بُری باتوں کو اچھا ماننے لگے۔ حرام کیا ہے؟ حلال کیا ہے؟ یہ سب بھلا بیٹھے۔

قرآن کریم میں اِس بات کو بڑی اچھی طرح بیان کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ لوگوں میں بُری باتیں کس طرح پھیلیں اور ان کے پھیلانے والے کون لوگ تھے اور انھوں نے یہ باتیں کیوں پھیلائیں۔ ملاحظہ ہو:۔

---

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

... يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (البقرہ : ۲۱۳)

پہلے پہل سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ بات نہ رہی۔ دین کے بارے میں اُن کے طریقوں میں بگاڑ آ گیا) تب اللہ نے نبی بھیجے (جنت کی) بشارت دینے والے اور (جہنم سے) ڈرانے والے اور اُن کے ساتھ سچی کتاب (کتابِ برحق) اُتاری تاکہ (سچی کتاب) لوگوں کے درمیان (دھرم کے نام پر) جو الگ الگ طریقے ہو گئے تھے اُن کا فیصلہ کر دے (کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط ہے)۔ یہ الگ الگ طریقے اُن لوگوں نے بنائے جو (دین کے بارے میں) سچی بات جانتے تھے۔ انھوں نے کھلی نشانیاں (ہدایتیں) پا لینے کے بعد اس لیے حق (سچا دین) چھوڑ کر نئے طریقے نکالے کیوں کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ تو جو لوگ اللہ کے نبیوں پر ایمان لے آئے اللہ نے اپنے حکم سے اُن کو وہ سچا طریقہ دکھا دیا جس میں لوگ الگ الگ باتیں مانتے تھے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اُسے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

---

# امت واحدہ یعنی امت مسلمہ

اس آیت میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے پہل سارے لوگ اُمّتِ واحدہ [illegible] اُمّت تھے۔ ایک اُمّت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا عقیدہ ایک [illegible] ایک خدا کے ماننے والے تھے اور اللہ کے سب سے پہلے نبی [illegible] اللہ کے حکم سے اللہ کی عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اسی طریقے [illegible] کرتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں

مانتے تھے یعنی وہ اللہ ہی کو اپنا مالک و مولا اور حاکم و آقا سمجھتے تھے۔ بیٹی بیٹا دینے والا اور مصیبت سے چھٹکارا دینے والا اور مرادوں کو پورا کرنے والا اسی کو مانتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اُن میں سے کچھ کسی اور کو، چاہے وہ کوئی بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو، مراد پوری کرنے والا یا بیٹی بیٹا دینے والا مانتے ہوں۔

یہی لوگ اُمّتِ واحدہ تھے۔ انہی کو اُمت مسلمہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہت دنوں تک ان کا یہی طریقہ رہا۔ پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے وہ اصل تعلیم سے دور ہوتے گئے۔ اُن کے طریقے بگڑنے لگے۔ شیطان نے اُن کو بہکا دیا۔ وہ خدا کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک سمجھنے لگے۔ ولیوں اور بزرگوں کو اتنا بڑا مرتبہ دے دیا کہ اُن سے مرادیں مانگنے لگے۔ اولاد مانگنے لگے۔ یہاں تک کہ اُن کے بُت بنا کر پوجنے لگے۔ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اُس میں سے بڑی بڑی چیزوں کو خدا بنا ڈالا اور اُن کو پوجنے لگے۔ کسی نے سورج کو دیوتا مان لیا اور کسی نے چاند کو۔ وغیرہ سب کے الگ الگ طریقے ہو گئے اور وہ اسی کو حق سمجھنے لگے اور جو اُن کے طریقے پر نہیں ہوتا اُس کو بھٹکا ہوا جاننے لگے۔

دنیا میں جب جب ایسا ہوا تب اللہ نے اپنے نبیوں کو بھیجا اور اُن کو کتاب بھی دی۔ اِن نبیوں نے اللہ کی کتاب پڑھ پڑھ کر بتایا کہ ٹھیک طریقہ یہ ہے اور غلط یہ۔ کھرا کھوٹا سب الگ کر کے دکھا دیا اور بتا دیا کہ جو ہمارے بتائے ہوئے ٹھیک طریقے پر چلے گا۔ اللہ اُسے جنت دے گا اور جو اِس طریقے پر نہیں چلے گا وہ دوزخ میں جائیگا۔

یہ بتانے کے بعد قرآن ایک چونکا دینے والی بات کہتا ہے۔ اور دیکھئے کہ وہ کتنی سچی بات ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اُمّتِ واحدہ میں غلط طریقے اُس وقت کے عالموں نے نکالے اور اِس لئے یہ طریقے نکالے کہ آپس میں زیادتی کریں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس عالم کے ماننے والے زیادہ ہوں گے اُسی کو زیادہ نذرانے ملیں گے

... ... عالموں کو دیکھ کر با سانی سمجھ سکتے

ہیں۔ آجکل بھی علمائے سُورات دِن نئے نئے طریقے نکالا کرتے ہیں۔ دین میں طرح طرح کی بدعات بھرتے رہتے ہیں۔ یہ اِن ہی علمائے سوء کے اِختلاف کا نتیجہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں شِرک گھسا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کوئی مسلمان کسی بزرگ کو حاجت روا سمجھتا ہے کوئی کسی کو۔ کوئی کسی بزرگ کو عالِم الغیب سمجھتا ہے کوئی کسی کو۔ آج کے مسلمانوں میں رسم و رواج اَور وہمی باتیں پھیلانے والے یہی بڑے علماء ہیں جو سچّے دین اسلام کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن اپنے حلوے مانڈے کے لئے اختلاف ڈالتے رہتے ہیں اَور آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں اَور عام مسلمانوں کو لڑاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کافِر تک کہنے سے نہیں ڈرتے۔ بڑے علماء ہی کے اختلاف کی وجہ سے دوسرے دین بھی پیدا ہو گئے۔ قرآن پھر کہتا ہے کہ:

اللہ کے نبیوں نے جو دین دنیا میں پھیلایا، اَور انبیاء علیہم السّلام کا جو طریقہ رہا ہے اُس کے مطابق جو شخص اَپنا عقیدہ اَور طریقہ بنائے گا، اللہ اُسی کو سچا راستہ دکھا دیگا یعنے وہی سچّے اِسلام پر ہوگا اَور وہی اختلاف سے بچ جائے گا اَور وہ اَپنے کھوئے ہوئے راستے یعنی اسلام کو پائے گا

یہ آیت اُن لوگوں کے طریقے کی بھی تردید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سارے ہی دَھرم سچّے ہیں۔ غور کیجئے! اِسلام اللہ ہی کو الٰہ ماننے کے لئے کہتا ہے۔ دوسرے دھرموں میں ایک سے زیادہ الٰہ مانے جاتے ہیں۔ اِسلام انسان کے مرنے کے بعد ایک بار پھر زندہ ہونے اَور آخرت میں حساب دینے کا عقیدہ دیتا ہے۔ دوسرا دھرم کہتا ہے کہ انسان اپنے کرموں کے انوسار (مطابق) بار بار دوسری یونی میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح کے بہت سے اِختلاف اِسلام اَور غیر اِسلام میں ہیں۔ سب ایک ساتھ کیسے سچے ہو سکتے ہیں۔ اِن میں سے ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی

طریقہ سچا ہو سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ سچّا دین اور سچّا طریقہ وہ ہے جو اللہ کے نبی لائے۔ اِس کے ماننے والے اُمّتِ واحدہ یا اُمّتِ مسلمہ کہلائے۔ اِن سے کٹ کر جو جتنا دور رہا وہ اُتنا ہی اِسلام سے دور رہا۔

# نبیوں کا کام

اللہ کے یہ نبی ہر جگہ بھیجے گئے۔ ہندوستان، چین، جاپان، عراق، ایران ...ام، افریقہ، یورپ ۔۔۔ غرض کہ کوئی ایسا ملک نہ تھا جہاں اللہ کے نبی نہ ... اِن سارے نبیوں کا دین ایک تھا اور وہ یہی اسلام تھا۔ ہر قوم میں جو نبی ...انے وہاں جس قسم کی بُرائی دیکھی اُس کو دور کرنے کی کوشش کی۔ بُت پرستی ...ستی اور بُرے رسم و رواج ہر جگہ عام تھے۔ نبیوں نے بتایا کہ یہ سب غلط ... پرستش کے لائق صرف اللہ ہے اور اوہام وغیرہ سب بے دینی کی باتیں ہیں۔ بعض ...موں میں عقیدے کی خرابی کے علاوہ جو اخلاقی (چال چلن کا) بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اُس ...کو دور کرنے کی کوشش کی۔ قوموں کے بیان میں آتا ہے کہ بعض قوموں میں کم تول... رواج تھا۔ بعض قوموں میں لُوٹ مار بہت بڑھ گیا تھا۔ بعض قوموں میں عورتوں کے بدلے خوبصورت لونڈوں سے محبت ہو گئی تھی۔ نبیوں نے اپنی اپنی قوموں کو اُن کی برائیوں سے روکا۔ جن قوموں نے نبیوں کا کہنا نہ مانا وہ سب تباہ کر دی گئیں۔ قرآن ایسے عبرت ناک قصّوں سے بھرا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ بتایا گیا ہے نبی دُنیا میں نبیوں بھیجے جاتے رہے۔ میں یہاں صرف تین چار سطریں نقل کر رہا ہوں۔ قرآن میں جہاں جہاں ایسی آیتیں ہیں سب اس سے ملتی جلتی ہیں۔ مُلاحظہ ہو سورۂ آلِ عمران :-

---

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ

بِاٰیَةٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ۝۵۱

(حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں) میں اِسلئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے کچھ اُن چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں ، (مطلب یہ ہے کہ تم نے خود ہی حرام کر لی ہیں)۔ دیکھو، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں ، تو پھر تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا کرو۔ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۔ اِس لئے تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ (سورۂ آلِ عمران آیات ۵۰-۵۱)

---

اِس طرح اللہ کے سارے نبیوں نے جو کچھ اپنی قوموں کو سمجھایا، اُسمیں یہ بنیادی باتیں شامل ہیں :۔

○ مالک ، مولا ، حاکم اور آقا اللہ ہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ پتھر کے مُردہ بت اور پیروں اور شاہوں کی صورت میں زندہ بت، سب بناوٹی ہیں۔

○ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میں اللہ کا نبی ہوں۔ میں جس طرح اللہ کی عبادت کا طریقہ بتاؤں اُس طرح اللہ کی بندگی کرو۔ میں جس طرح اللہ کے بارے میں ایمان لانے کو کہوں اُس طرح اللہ کو مانو اور جس طرح میں اللہ کے حکموں کو برتوں اُسی طرح تم برتو۔

○ کسی چیز یا بات کو حرام یا حلال کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کر دے یا اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر دے۔

○ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۔ سارے رسول جنّت کی بشارت

دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے تھے۔ سارے نبیوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے حجت ختم کردی۔ اب جو جیسا کرے گا ویسا بدلہ پائے گا۔

# سچّا دین

دنیا میں جتنے نبی حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک آئے وہ سب الگ الگ قوموں کے لئے آئے۔ وَلِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ (ہر قوم کے لئے ہادی)۔ سورہ نحل آیت ۳۶ میں ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا (اور اس سے اعلان کرایا کہ) فِی کُلِّ اُمَّتٍ رَّسُوۡلًا (ہر اُمت کے لئے رسول)، اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ ان نبیوں کی تعلیم اپنی اپنی قوم تک تھی۔ بستیاں دور دور تھیں۔ راستے خراب اور خطرناک تھے۔ اس لئے ایک قوم دوسری قوم تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ہر قوم الگ تھلگ پڑی تھی اور اپنے ہی عقیدوں میں مگن تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ نے ہر قوم کے لئے الگ الگ نبی بھیجے۔ دو ایک مثالیں ایسی بھی ہیں کہ اللہ نے اپنے کسی نبی کا مددگار نبی بھی بنادیا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کا مددگار حضرت ہارون علیہ السّلام کو بنادیا دوسری مثال ایک اور جگہ کی ہے۔ اس میں نام نہیں بتایا۔ قرآن میں یوں ہے کہ ایک جگہ نبی بھیجا۔ پھر اس کی مدد کے لئے رسول بھیجے۔

پھر جب دنیا کی ساری قومیں ایک دوسرے کو جان گئیں، انمیں تجارتی لین دین ہونے لگا، ایک قوم کے لوگ دوسری قوم کے پاس آنے جانے لگے، دنیا کے لوگ ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے، ایک جگہ کی باتیں دوسری جگہ پہنچنے لگیں تو اللہ نے سارے جہان کے لئے اور قیامت تک کے لئے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول بنایا۔ آپؐ پر جو قرآن اتارا گیا اس میں پچھلی تمام الہامی کتابوں کی بنیادی باتیں آگئی ہیں۔ اس لئے اب یہی آخری کتاب ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبی

یہ اور سچا دین اسلام ہی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک سچا دین اسلام ہی ہے)۔

# الاسلام

یہ عجیب بات ہے کہ اللہ کے نبیوں نے تو سب کو سیدھا راستہ دکھایا، نیکی کی تعلیم دی لیکن لوگوں نے سب سے زیادہ مخالفت اللہ کے نبیوں ہی کی کی۔ اُن کی سچّی باتیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ کے نبیوں کو ستایا۔ اُن کی تعلیم کو بھلا دیا۔ اُن کی تعلیم میں کتر بیونت کر دی۔ اللہ کی کتابوں کے ساتھ یہ ڈھٹائی کی کہ اُن میں سے بہت سی باتیں نکال دیں اور بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دیں۔ بہت سی قومیں تو ایسی ہیں کہ اُن کو اپنے نبیوں کے نام تک معلوم نہیں ہیں۔

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول بنایا۔ قرآن کی حفاظت کا خود ذمّہ لیا۔ الحمدُللہ آج دنیا میں سچّی کتاب جس میں نہ ایک حرف بڑھایا جا سکا نہ گھٹایا جا سکا یہی قرآن ہے پھر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کی تعلیم دی اور اُس پر عمل کر کے نمونہ دیا وہ سب آج ہمارے سامنے اِس طرح عیاں ہے جیسے حضورؐ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ایسے پیارے ساتھی عطا فرمائے جنھوں نے آپؐ کی ایک ایک بات کو محفوظ رکھا۔ صحابہؓ نے یہ تک یاد رکھا کہ حضورؐ کس طرح ہنستے تھے اور ہنستے وقت آپؐ کے کتنے دانت دکھائی دیتے تھے۔

تو ـــــ جب اِس شان کے ساتھ قرآن اور اللہ کا آخری نبیؐ آج بھی ہمارے درمیان ہے تو پھر اَب کسی نئے نبی کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ بھی اِسلام کے عقیدوں میں

شامل ہے ۔ اور اب اسلام کے معنی اس اسلام کے ہیں جو ہم نے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے پایا کیوں کہ آپؐ ہی کی تعلیم زندہ ہے اور آپؐ کی زندگی روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے ۔ دوسرے انبیاء کے سارے حالات ہمارے سامنے نہیں اور ان کی تعلیم بھی محفوظ نہیں رہی ۔ اِس سلئے ہم حضورؐ کی ہی تقلید اور پیروی کر سکتے ہیں اور آپ ہی ہمارے لئے اسلام کا ٹھیک معیار بن سکتے ہیں ۔ ہاں ، ہم مانتے سارے ہی نبیوں کو ہیں ۔

قرآن مجید میں یہ بات جگہ جگہ بتائی گئی ہے کہ حضورؐ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے رسول ہیں اور آخری رسول ہیں ۔ ہم ایسی تمام آیتوں میں سے کچھ آیتیں نیچے نقل کرتے ہیں :

# ساری دنیا کے لئے رسول

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

(اے محمدؐ) ہم نے تم کو سارے جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ — اعراف ۱۵۸

اے نبی! کہہ دو ، اے لوگو ! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ — انعام ۱۹

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ میں تم کو اور ہر اس شخص کو آگاہ کر دوں جسے یہ پہنچے ۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ○ — (الفرقان ۔ ۱)

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (کسوٹی) نازل کیا تاکہ وہ

یہ ہیں اُن بہت سی آیتوں میں سے چند آیتیں جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتی ہیں کہ آپؐ رہتی دنیا تک سارے ہی انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس بارے میں کچھ حدیثیں بھی سُن لیجئے۔ جگہ بچانے کے لئے صرف اُردو ترجمہ لکھ رہا ہوں

○ میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ مسند احمد)

○ میں عمومیت کے ساتھ سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ (راوی عبداللہ عمرو۔ مسند احمد)

○ پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف اُٹھایا جاتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا (اُٹھایا گیا) ہوں۔ (راوی جابر بن عبداللہؓ)

○ میری بعثت (نبوت کے لئے اُٹھایا جانا) اور قیامت اس طرح ہیں (یہ فرماتے ہوئے حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں اُٹھائیں) مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان تیسری اُنگلی نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

## آخری نبی ہونا

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

سمیع علیما ٥                                    (الاحزاب ۔ ۴۰)

(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اَور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے یا بند کرنے والے ہیں ۔ اَور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے ۔

---

○ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت اللہ کے نبی کرتے تھے ۔ جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اُس کی جگہ سنبھالتا ۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ۔ ہاں ، میرے خلیفہ ہوں گے ۔ (بخاری)

○ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اَور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اَور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی لوگ اِس عمارت کے گرد پھرتے اَور اِس کی خوبی پر حیران رہ جاتے اَور کہتے کہ اِس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی ۔ تو وہ اینٹ میں ہوں ۔ اَور میں نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا (یا بند کرنے والا) ہوں ۔

اِس طرح کی دس بیس نہیں ، بہت سی حدیثیں ہیں ۔ قرآن اَور حدیثوں کی دلیل پر ہی مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ آخری رسول ہیں ۔ جو شخص نبیؐ کو آخری رسول نہ مانے وہ کافر ہے ۔

# پیشین گوئیاں

○ حضرت عیسیٰؑ نے حضورؐ کے نبی ہونے کی خوشخبری سُنائی ۔ اِس کا ذکر قرآن میں اِس طرح ہے :۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط

(الصف ۶)

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اُس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ تصدیق کرنے والا ہوں اُس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

---

**نوٹ:**۔ واضح رہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی شخص کا نام احمد نہیں رہا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے محفوظ رکھا۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعظ فرماتے ہوئے کہا "اِس (وعظ) کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔" (انجیل یوحنا ۱۴۔۳۰)

○ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" (۱۶۔۱۷)

○ تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی، اُنھوں نے ابہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں

کا نور آئے گا جو انبیاء کی ہی، جو ان باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا یسوع کہ

وہ خدا کا رسول ہے۔ (باب ۱۷)

○ فریسیوں اور لاویوں نے کہا کہ اگر تو نہ مسیحؑ ہے، نہ الیاسؑ، نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے کو مسیحؑ سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوعؑ نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اُس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ میں تو اُس خدا کے رسولؑ کے موزے کے بند یا اُس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیحؑ کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا تاکہ اُس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔ (باب ۴۲)

○ بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے۔ اِس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں اُن لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے مگر خدا کا رسول جب آئے گا، خدا گویا اُس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا، یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو، جو اُس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچا دے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لیکر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔ (اس کے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰؑ تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا)۔ (باب ۴۳)

○ اِس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی کیونکہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ

خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جا بیں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے، جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھ ہے اور اس کی تعظیم کی ہے۔ اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے ان کو نبوت دی۔ اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی، یہ کہتے ہوئے کہ اے محمد ﷺ! خدا تمہارے ساتھ ہو اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنا دے، کیونکہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔ (باب ۴۴)

○ (میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو، کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ خدا ہمارا خالق ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہاری حفاظت کرے گا۔ رہا میں، تو اس وقت میں دنیا میں اس رسولِ خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا۔۔۔۔ اندریاس نے کہا، استاد ہمیں اس کی نشانی بتا دے تاکہ ہم اسے پہچان لیں۔ یسوع نے جواب دیا، وہ تمہارے زمانے میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جبکہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی ۳۰ آدمی مومن رہ جائیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسول کو بھیجے گا، جس کے سر پر سفید بادل کا سایہ ہوگا۔ جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا اور اس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت دنیا کو حاصل ہوگی۔ وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو مٹا دے گا۔ اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہمارا خدا پہچانا جائے گا اور اس کی تقدیس ہوگی اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی۔

وہ اُن لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے اِنسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے ... وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔ (باب ۷۲)

○ خدا کا عہد یروشلم میں معبدِ سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہیں اَور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت کسی اَور شہر میں نازل فرمائیگا پھر ہر جگہ اُس کی صحیح عبادت ہوسکے گی، اَور اللہ ہر جگہ اپنی رحمت سے سچی نماز کو قبول فرمائے گا ... میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئے گا، خدا کا بھیجا ہوا، تمام دُنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے۔ اُس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی، اَور اُس کی رحمت نازل ہوگی۔ (باب ۸۲)

○ (یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام دنیا کی قومیں انتظار کر رہی ہیں جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیمؑ سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلہ سے دنیا کی سب قومیں برکت پائیں گی (پیدائش، ۲۲: ۱۸) مگر جب خدا مجھے دنیا سے لیجائیگا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اَور خدا کا بیٹا مانیں۔ اس کی وجہ سے میری باتوں اَور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ بمشکل ۳۰ صاحبِ ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اُس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اَور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لئے اُس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اَور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اُس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے۔ وہ خدا کی رحمت اُن لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اُس پر ایمان لائیں گے اَور مبارک

○ سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اُس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟
یسوع نے جواب دیا اُس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے اُن کو اُٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔ (باب ۹۷)

○ سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اُس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا اُس مسیح کا نام "قابلِ تعریف" ہے کیونکہ خدا نے جب اُس کی روح پیدا کی تھی اُس وقت اُس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اُسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا اے محمدؐ! انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اُس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا۔ یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اُسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اُس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبرِ نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا۔ سو اُس کا مبارک نام "محمدؐ" ہے۔
(باب ۹۷)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰؑ نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا) مجھے صرف ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے گا۔ پھر فرمایا:

○ اِس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائیگا کیونکہ خدا مجھے زمین سے اُوپر اُٹھا لے گا اور اُس غدّار کی صورت ایسی بدل دیگا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں۔ تاہم جب وہ ایک بُری موت مرے گا تو ایک مدّت تک

میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی مگر جب محمدؐ، خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دُور کر دی جائے گی۔ اور خدا یہ اِس لئے کرے گا کہ میں نے اُس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے۔ وہ مجھے اِس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ دیکھ لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اُس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (باب ۱۱۲)

○ (شاگردوں سے حضرت عیسیٰؑ نے کہا) بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر موسیٰؑ کی کتاب سے صداقت مسخ نہ کر دی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤدؑ کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤدؑ کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا، کیونکہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اُس نے سب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا رسول آئے گا تو وہ اِس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کر دے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کر دیا ہے (باب ۱۲۴)
(بحوالہ سیرت سرورِ عالمؐ، جلد اوّل ص ۱۴۸ تا ۱۵۱)

## لطیفہ :

اُوپر جو پیشین گوئیاں نقل کی گئی ہیں اُن میں سے زیادہ تر انجیل برناباس سے لی گئی ہیں۔ انجیل برناباس کا مصنف کہتا ہے کہ میں حضرت عیسیٰؑ کے ۱۲ حواریوں میں سے ایک ہوں اور ہمیشہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہا ہوں۔ آجکل کے عیسائی اِس سچے حواری کو اِس لئے ٹال دیتے ہیں کہ اُس نے حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ اور پرستش کے لائق نہیں ٹھہرایا۔ انھیں اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہا اور اُس نے وہ سچی پیشین گوئیاں بھی درج کر دیں جو حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سُنی تھیں۔

ان پیشین گوئیوں کے علاوہ بہت سے ایسے عیسائی اور یہودی علماء کی گواہیاں ہیں جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے۔ ان کا حال آگے آئے گا۔

... ان گواہیوں کا تذکرہ انشاء اللہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھتے وقت کریں گے جیسے ورقہ بن نوفل (ایک بزرگ عیسائی عالم) جیسے شاہ حبشہ نجاشی (انجیل کا عالم اور ایک ملک کا بادشاہ)، جیسے عبداللہ بن سلام (مدینے کا ایک مشہور و معروف اور مستند یہودی عالم) وغیرہ

لیکن ایک ایسا واقعہ ہم اسی جگہ لکھنا چاہتے ہیں جسے ہمارے علماء نے قرآن مجید کی سورہ بقرہ آیت ۸۹ کے ایک فقرے فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس فقرہ کا ترجمہ یہ ہے "مگر جب وہ چیز آگئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو بھی انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہودی علماء نے آپؐ کو پہچان لیا تھا کہ آپؐ وہی نبی ہیں جن کی پیشین گوئی توریت میں آئی ہے۔ اس سلسلے میں ام المومنین حضرت صفیہؓ کی گواہی ملاحظہ کیجئے۔ حضرت صفیہؓ ایک یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ آئے دن باپ اور چچا سے آنے والے نبی کے بارے میں سنا کرتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپؐ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپؐ سے باتیں کیں۔ پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ باتیں کرتے سنا:۔

چچا:۔ کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد:۔ خدا کی قسم، ہاں! (یعنے یہ واقعی وہی نبی ہے)۔

چچا:۔ کیا تم کو اس کا یقین ہے کہ یہ وہی نبی ہے؟

والد:۔ خدا کی قسم، ہاں!

چچا:۔ پھر کیا ارادہ ہے؟ (یعنے کیا اس کی تصدیق کرو گے؟)

والد۔ جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

# کچھ تاریخی حقیقتیں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھنے سے پہلے اِس تاریخی حقیقت کو لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں جہاں کہیں اور جب اللہ کا نبی یا بہترین مصلح (سُدھارک) آیا تو اُس کے احسانوں کا بدلہ دنیا والوں نے ظلم کی شکل میں دیا۔ اُسے خوب ستایا، اُسے گھر سے بے گھر کیا اور اُس جیسے بعض عظیم انسانوں کو قتل بھی کر دیا۔ اِتنا ہی نہیں، اِس سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اُن کی تعلیم کو مٹانے کی کوشش کی۔ اس میں کتر بیونت کر دیا۔ کچھ نکال دیا کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ اور اُن کے بارے میں بعض ایسی گھناؤنی باتیں لکھ دیں کہ آج جب ہم اُن کا حال پڑھتے ہیں تو یقین نہیں آتا کہ یہ بزرگ ایسے تھے۔

دنیا میں جتنے نبی، رسول یا اُن کے سچے ماننے والے گذرے ہیں، اُن سب نے ایک ہی بات کہی ہے، وہ یہ کہ دُنیا کے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم ہو اور ایک اللہ کی خدائی قائم ہو۔ لیکن دنیا والوں کا یہ انوکھا مذاق دیکھنے میں آیا کہ نبیوں کی زندگی میں تو اُن کی مخالفت کی، پھر جب اُنھیں مانا تو اُنھیں انسان سے بڑھ کر کچھ اور بنا دیا۔ کہیں خدا کا بیٹا بنا دیا کہیں خدا کا اَوتار اور کہیں جھوٹی کہانی بنائی اور اِس کہانی میں اُس غریب سے کہلوا دیا کہ میں ہی 'سَروشکتی مان' اور اِس سَنسار کا رچنے والا' ہوں۔

آج اِن بزرگوں کے حالات پڑھئے تو محسوس ہوگا کہ کوئی عجوبہ ہے

جس کی کہانی پڑھی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر کچھ نمونے ملاحظہ ہوں :۔

# مہاتما بدھ

مہاتما بدھ جی کی اصل زندگی کے جو حالات بہت ہی کھوج لگانے کے بعد ملتے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک خدا کے ماننے والے تھے۔ بڑے ہی حوصلے کے آدمی تھے۔ برہمنوں نے اِنسانوں پر جو خدائی قائم کر رکھی تھی اُس سے بدھ جی بہت ہی کُڑھتے تھے۔ اُنھوں نے برہمنیت کے خلاف آواز بلند کی۔ برہمنوں نے جو اَن گِنت خدا بنا رکھے تھے، بُدھ جی نے اُن کا کھنڈن کیا۔ برہمنوں نے بدھ جی کی بڑی مخالفت کی۔ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے ماننے والوں کا قتلِ عام کیا۔ یہ دیکھ کر بُودھوں میں دو فرقے بن گئے۔ ایک وہ فِرقہ جو بدھ جی کی اصل تعلیم پر اَڑا رہا، دوسرے وہ لوگ جنھوں نے برہمنوں سے گٹھ جوڑ کر کے اسی طرح کی شِکشا بدھ جی کی شِکشا میں شامل کر دی جیسی برہمنوں کے یہاں پائی جاتی ہے۔ بدھ جی کے بعد سَو برس بھی نہ گذرے تھے کہ مہاتما بُدھ کی ساری تعلیم کو بدل ڈالا گیا۔ اصل سوتروں کے بدلے نئے سوتر بنا لئے گئے اور اُنھیں شامل کر دیا گیا۔ وَیشالی کی کونسل نے اِس کی تصدیق کر کے ہمیشہ کے لئے بُدھ مذہب کو اس عقیدے کا دَھرم بنا دیا جس میں ایک طرف اللہ کا سِرے سے نام ہی نہیں رکھا اور دوسری طرف بدھ جی کو خدا کا اَوتار مان لیا۔ یہ اَوتار کس طرح مانا؟ اِس طرح کہ یہی بُدھ ہر عہد میں دُنیا کی اِصلاح کے لئے بُدھ بن کر آتے رہے ہیں۔

پھر ایسے ایسے افسانے بنا کر بُدھ جی سے متعلق کر دئے کہ آج کل کے وِدوان اور علماء حیران ہیں کہ سچ مچ دنیا میں کوئی مہاتما بدھ ہوئے بھی ہیں یا یہ سب محض افسانہ ہے۔

# رامچندرجی

رام چندر جی اعلیٰ خوبیوں کے ایک انسان تھے۔ ماں باپ کے نہایت فرمانبردار، بھائیوں سے محبت کرنے والے، نیک دل، بہادر، دان پُن اور خیرات کرنے والے، مزاج کے نرم، بڑے گمبھیر، اپنا نقصان کر کے دوسروں کے کام آنے والے۔ ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس زمانے میں چھوت چھات کو نہیں مانتے تھے جب ذات پات کا یہ ڈھونگ اپنا ڈنکا پیٹ رہا تھا۔ رام چندر جی نے بن باس کے زمانے میں ایک اچھوت عورت کے جوٹھے بیر کھالئے تو رام کے چھوٹے بھائی نے اعتراض کیا۔ ایک کام انھوں نے ایسا کیا جس نے لوگوں کو دنگ کر دیا۔ انھیں لنکا کے عظیم راجہ راون سے جنگ کرنی پڑی۔ جنگل میں انسان کہاں؟ رام نے وہیں جنگلی لوگوں کی فوج ترتیب دی۔ پھر اُن کو ٹریننگ دے کر راون پر حملہ کر دیا اور اُسے شکستِ فاش دی۔ اِس کارنامے نے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب اُن کی مرتیو ہو گئی تو برہمنوں نے اُن کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کی سراہنا کر کے ہندوؤں کو یہ عقیدہ دیا کہ رام کے جسم میں خود خدا موجود تھا، وہ خدا جس کا نام وشنو ہے۔ وہی ظلم جو بدھ جی پر کیا گیا تھا رام چندر جی پر بھی کیا گیا۔ افسوس کہ خدا بنا کر نہ قابلِ تقلید بدھ جی کو رکھا گیا نہ رام چندر جی کو۔

# کرشن جی مہاراج

سری کرشن مہاراج اِس معاملے میں بدھ جی اور رام چندر جی دونوں سے زیادہ مظلوم ہیں۔ انھوں نے ایک یُدھ (جنگ) میں سپہ سالار ارجن کے سامنے جو نصیحت کی تھی وہ تقریر بہت دنوں تک سینہ بہ سینہ چلتی رہی اور

اُور پھر نقل ہو کر بھاگوت گیتا کے نام سے دنیا والوں کے سامنے آئی۔ برہمنوں نے اِس مہاپُرش کی تعلیم کو بھی اُس طرح نہ رہنے دیا جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔ گیتا کو دیکھئے یا اُس کی شرحوں کو، سب میں کھلی تحریف محسوس ہوتی ہے۔ وِشنو پُران، بھاگوت پران، مہابھارت وغیرہ جن کو گیتا کی شرح کہنا زیادہ موزوں ہے، ان سب میں تضاد ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ کرشن جی موحد تھے یعنی ایک خدا کو ماننے والے۔ وہ ایک انسان تھے، دوسری طرف وہی کرشن جی وِشنو کے اُوتار، سنسار کے رچیتا اُور مالک و مختار بھی۔

تیسری طرف اُن کے بارے میں ایسی من گھڑت کہانیاں بھی موجود ہیں جن میں اُن کی ایسی کمزوریاں دکھائی گئی ہیں کہ اُن کو خدا تو خدا، ایک بھلا آدمی ماننا بھی ممکن نہیں رہتا۔ کرشن جی مہاراج کو خدا بنانے میں برہمنوں نے جو پارٹ ادا کیا ہے اُس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

- میں ہی سب جانداروں کا مالک ہوں اُور پیدائش سے بالاتر ہوں۔[1]
- جب دھرم نشٹ ہوتا ہے اُور ادھرم کا زور پھیل جاتا ہے تب میں خود ہی جنم لیا کرتا ہوں۔
- نیک لوگوں کی رکشا اُور بُرے لوگوں کا ناش کرنے کے لئے اُور ہر یگ میں دھرم قائم کرنے کے لئے میں جنم لیتا ہوں۔ (۴-۶-۸)

اُوپر گیتا کے تین اِشلوک دئے گئے۔ اب بھاگوت پران کو دیکھئے اس میں ہے کہ وہ نہانے والی گوپیوں کے کپڑے چوری چھپا کر لے اُڑتے ہیں۔ یہ جتنی گوپیاں ہیں اُتنے ہی جسم دھارن کر کے ہر ایک سے ملتے ہیں۔ یہی کہانی جب راجہ پریکشت

---

[1] یعنی مجھ کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ میں ہمیشہ سے ہوں

کے سامنے کہی جاتی ہے تو راجہ "شک رشی" سے پوچھتا ہے کہ خدا "اوتار" کی شکل میں اِس لئے آتا ہے کہ سچا دھرم پھیلائے۔ پھر یہ کیسا خدا ہے کہ دھرم ریت کے خلاف دوسروں کی عورتوں سے ملتا ہے؟ شک رشی جواب دیتے ہیں کہ خود دیوتا بھی بعض اوقات نیکی کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں مگر اُن کے پاپ اُن کی ذات پر اُسی طرح اثر نہیں کرتے جس طرح اگنی تمام وستوؤں کو جلانے پر بھی پاپی نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔

سوچیے، کرشن جی مہاراج پر اِن برہمنوں نے کتنا بڑا ظلم ڈھایا۔ اُن کی زندگی کس درجہ داغدار کردی۔ کیا کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ کرشن جی ایسے رہے ہوں گے۔

ہم نے یہودیوں کے بارے میں پڑھا ہے کہ اُنھوں نے نبیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اِن ہستیوں کے بارے میں کیسے بھونڈے قصے مشہور کر دئے۔ کرشن جی کے بارے میں ہم یہی سمجھتے ہیں کہ اُن کے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

# عیسیٰ علیہ السلام

جن بزرگوں کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ نبی تھے اُن میں سب سے زیادہ ظلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ ایک انسان تھے۔ ایک بشر تھے۔ اُن میں آدمیوں جیسی سب ہی باتیں تھیں۔ اُن میں اور دوسرے انسانوں میں صرف یہ فرق تھا کہ اُن کو اللہ نے اپنا نبی بنایا تھا اور بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مامور کیا تھا ان کو کچھ معجزے بھی عطا کئے گئے تھے۔ اُن کی قوم نے اُن کو جھٹلایا۔ تین سال بھی ان کو اپنے اندر نہ رہنے دیا اور اُن کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ پھر جب قوم کے لوگوں نے ان کو مانا تو یہ مانا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ خدا مسیح کی شکل میں آیا تھا، اس لئے کہ

اس کے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے۔

پھر حضرت عیسیٰؑ پر جو انجیل اُتری تھی اُس میں صاف صاف لکھ دیا گیا کہ خدا کی روح کبوتر کی طرح بن کر اُترتی ہے اور پکارتی ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے (متی ۳:۱۶، ۱۷) کہیں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی کہا گیا کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں (یوحنا ۱۰-۳۸) کہیں یہ کہ باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے (یوحنا ۱۴-۹-۱۰) وغیرہ وغیرہ۔

جن بزرگوں کے بارے میں اُوپر لکھا گیا کہ وہ کیا سے کیا بنا دئے گئے، اُس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان عجوبہ پسند ہے۔ وقت کے برہمنوں نے اس عجوبہ پسندی سے فائدہ اُٹھایا اور اپنا کاروبار چمکانے کے لئے جھوٹ گھڑ ڈالا۔

ان بزرگوں کے وقت ان کے شاگردوں نے اُن کی تعلیم کو تحریر نہیں کیا بلکہ یادداشت پر بھروسہ کیا۔ اس لئے زمانہ گزرنے پر سیانے لوگوں نے جیسا چاہا کتر بیونت کر دیا۔ زمانہ گزرتا گیا جھوٹ کے ردّے لگائے جاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی صدیاں گزرنے پر حقیقت گم ہو گئی اور 'دنت کتھائیں' باقی رہ گئیں۔

دنت کتھا، کتر بیونت، جھوٹ کے ردّے، یہ میرے لفظ نہیں ہیں۔ یہ تینوں لفظ میں نے ان وِدّوانوں (علماء) سے لئے ہیں جو اپنے دھرموں کی کتابوں کے بارے میں خود کہتے ہیں۔ دنت کتھا کے معنی ہیں وہ کہانی جو سینہ بہ سینہ پرکھوں سے سُنی جاتی رہی اور اس طرح بعد کے لوگوں تک پہونچی۔ ظاہر ہے کہ ایسی سنی سنائی بات گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھائی بھی جا سکتی ہے۔ اتنا ہی نہیں، اگر دنت کتھا کی کوئی بات عقل قبول نہیں کرتی تو اس کی تاویل بھی ہو جاتی ہے جیسے کرشن جی کے بارے میں جب کہانی سُنانے والے پنڈت جی نے راجہ کے سامنے گوپیوں کے واقعے بیان کئے تو پنڈت نے تاویل کر دی کہ آگ دوسری وستووں (چیزوں) کو جلا کر گناہ گار نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایشور پاپ کر کے

# رسول کریمؐ کی ذات پاک

## اللہ کے بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا احسان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہی دنیا بھر کے انسانوں کے لئے نمونہ ہے کیونکہ اللہ کے تمام نبیوں میں آپ ہی کی تعلیم زندہ ہے۔ آپ پر جو قرآن اُترا وہ کسی کمی بیشی کے بغیر ویسا ہی موجود ہے جیسا اللہ کی طرف سے آیا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسے ساتھی عطا فرمائے تھے کہ انھوں نے آپ کی ایک ایک بات کو محفوظ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام بھی فرما دیا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مٹنا یا بدلنا ناممکن ہوگیا۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جو قرآن دیا وہ حضورؐ کو بھی یاد کرا دیا اور آپؐ کے زمانے میں ہزاروں آدمیوں کو بھی یاد کرا دیا۔ ایسا انتظام فرمایا کہ تمام حافظوں نے مل کر قرآن کو لکھا اور اِس طرح قرآن تحریری طور پر محفوظ ہوگیا۔

اب رہا اس پر عمل۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کے ذریعہ آپؐ کا

ہر کام، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لین دین، ملنا جلنا، شادی بیاہ، آپؐ کی نصیحتیں، آپؐ کا عمل، آپؐ کا سراپا، سب کچھ محفوظ کرادیا کہ آپؐ ایسے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی بڑی آسانی فرمادی۔ ہم ایک طرف قرآن کریم پڑھ کر علم حاصل کرتے ہیں تو دوسری طرف حضورؐ کی حدیثیں پڑھ کر قرآن کے حکموں پر عمل کرسکتے ہیں۔ اگر صرف قرآن ہی ہوتا اور حضور کی ذاتِ پاکؐ نہ ہوتی تو ہم پھر بھی بھٹکتے رہتے۔ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق قرآن سے قاعدے نکالتا اور پھر کوئی کسی طرح نماز پڑھتا کوئی کسی طرح۔ کوئی کسی طرح روزے رکھتا اور کوئی کسی اور طرح علیٰ ہٰذا القیاس۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا تذکرہ قرآن کریم میں جگہ جگہ کیا ہے۔

(۱)

سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ہے کہ

---

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(آل عمران ۱۶۴)

سچ مچ ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اُن کے درمیاں خود اُنہی میں سے ایک ایسا رسول اُٹھایا جو اُنھیں اُس کی آیات سُناتا ہے اور اُنھیں بُرائیوں سے پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ورنہ اِس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

(۲)

سورۂ مائدہ آیت ۳ میں ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے طریقے کو پسند کر لیا۔

(۳)

سورۂ نحل آیت ۶۳-۶۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس احسان کا تذکرہ کیا ہے اُس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پچھلی اُمتوں کے کیا کرتوت تھے اور وہ کیوں جہنمی ہو گئے یوں کہئے کہ ہمارے لئے ایک آگاہی ہے کہ ہم پچھلی اُمتوں کی پیروی نہ کریں اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اُس کو اپنائیں

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(اے محمدؐ!) ہم نے تم سے پہلے الگ الگ اُمتوں کی طرف ہدایت بھیجی مگر اس کے بعد شیطان نے اُن کے غلط کاموں کو اُن کے لئے اچھا بنا دیا (یعنی وہ اپنے بُرے کاموں کو ہی اچھا سمجھنے لگے)، تو آج وہی شیطان

اُن کا سرپرست بنا ہوا ہے۔ اُور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اُور (اَے محمد!) ہم نے تم پر یہ کتاب اِس لئے اُتاری ہے کہ اس حقیقت کو اُن کے سامنے کھول دو جس میں اُن کے عقیدے اُور خیال الگ ہیں اُور یہ کتاب (قرآن) اُن لوگوں کے لئے ہدایت (سیدھا راستہ بتانے والی) اُور رحمت ہو جو اِس کو مانیں (اُور اِس پر عمل کریں)۔

---

(۴)

سورۂ مائدہ آیت ۱۵-۱۶ میں ہے :۔

---

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؑ (المائدۃ)

اَے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا، جو تمہارے سامنے بہت سی اُن باتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنہیں تم کتاب میں چھپاتے ہو، اُور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اُور ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب آگئی جس کے ذریعہ اللہ لوگوں کو اَمن اَور شانتی کی راہیں اُور اُنھیں اندھیروں (برائیوں) سے روشنی میں نکالتا ہے اُور سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

یہ اللہ کے ان تمام احسانوں میں سے چند احسانوں کے نمونے ہیں جو قرآن سے نقل کئے گئے ہیں۔ اب دیکھئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا کچھ کر کے دکھایا۔ قرآن اس کی بھی گواہی دیتا ہے:۔

①

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰٓئث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم ط فالذین اٰمنوا بہٖ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ لا اولٰٓئک ھم المفلحون ۝ (الاعراف ۱۵۷)

وہ (یعنی اللہ کا رسول اِن کو (ساری دنیا کے لوگوں کو) نیکی کا حکم دیتا ہے، بُرائی سے روکتا ہے اور اُن پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے اور اُن جکڑ بندیوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائیں اس کی حمایت کریں اور اس نور (قرآن) کے مطابق عمل کریں جو اس کے ساتھ اُترا ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

②

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ ط ولا تکن للخآئنین خصیما ۝

(النساء ۱۰۵)

(اے محمدؐ!) ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب اُتاری ہے تاکہ تم اللہ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرو اور خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بن جاؤ۔

---

(۳)

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح: ۲۸)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے نبی کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دین کو اس طرح قائم کر دیں کہ زندگی کے سارے کام اسی کے مطابق ہونے لگیں اور دوسرے مذہب اور دھرم اس کے سامنے دب کر رہ جائیں۔

---

(۴)

اور یہی نہیں کہ اللہ کا آخری رسول دوسروں کو نصیحت کرتا ہے بلکہ خود بھی ہدایت پر عمل کرتا ہے۔ قرآن حضورؐ کے کامل ایمان اور کامل انسان ہونے کی گواہی اس طرح دیتا ہے:۔

---

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (ن: ۴)

(اے محمدؐ) بے شک تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔

---

**نوٹ:۔** اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اُن کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ حضورؐ کا اخلاق کیسا تھا تو ام المومنینؓ نے بڑے تعجب کے ساتھ کہا "تم قرآن نہیں پڑھتے! کان خلقہ القران۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن جیسا تھا" یعنی آپ قرآن کے احکام کا کامل نمونہ تھے۔ (م)

⑤

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران: ۱۵۹)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ (اے محمدؐ!) تم اُن کے ساتھ نرم ہو۔ اور اگر کہیں تم زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو پھر یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ کر الگ ہو جاتے۔

**نوٹ:۔** روایتوں میں آتا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جتنا قریب تھا یعنی جتنے زیادہ حالات جانتا اور دیکھتا تھا اتنی ہی زیادہ محبت وہ آپؐ سے کرنے لگتا تھا۔ (م)

⑥

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر رات دن کھائے جا رہی تھی کہ اگر لوگ ایمان نہ لائیں گے تو وہ جہنم میں جائیں گے۔ آپ اس غم میں ہر وقت گھلا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی اس حالت کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًاہ ( الکھف : ۶ )

(اے محمدؐ!) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان کے پیچھے رنج و غم میں اپنی جان کھو دو گے، اگر وہ اس بات (یعنی توحید، رسالت اور آخرت) پر ایمان نہ لائے۔

---

(۷)

---

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

(التوبۃ : ۱۲۸)

تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جسے ہر وہ بات گراں گزرتی ہے جو تم کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ (وہ رسول) جو تمہاری فلاح اور بھلائی کا حریص ہے اور ایمان لانے والوں کے ساتھ بہت شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

---

(۸)

---

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

(الاحزاب : ۲۱)

تمہارے لئے رسول اللہؐ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

---

دنیا بھر کے لوگوں سے یہ کہنا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لئے ایک

اچھا نمونہ ہے معمولی بات نہیں ہے۔ اِس کہنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی جگہ کھڑا کر دیا ہے کہ جو چاہے جس طرح چاہے، جس لہجے پر چاہے، آپؐ کو دیکھ لے، جانچ لے، پرکھ لے۔ آپؐ میں اچھی ہی باتیں پائے گا۔ یہ صرف کہنے ہی کی بات نہ تھی۔ لوگوں نے دیکھا، پرکھا اور جانچا جس نے جتنا زیادہ پرکھا اُس کی نظر میں آپؐ اُتنے ہی کھرے اُترے۔ کیا دنیا میں کوئی اور ایسی ہستی ہے جسے یوں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہو؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب اب تک

# نبی کریمؐ

## نام مبارک

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے "محمدؐ"۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ قرآن پاک میں نبی کریمؐ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا :-

---

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۵۶)

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

---

## درود کا مطلب

اللہ تعالیٰ حضورؐ پر درود بھیجتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ پر بہت مہربان ہے، آپؐ کی تعریف فرماتا ہے، آپؐ کے نام میں برکت دیتا ہے۔ آپؐ کا نام اونچا کرتا ہے اور آپؐ پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ وہ آپؐ کو

بڑے سے بڑے مرتبے تک پہونچائے۔ دین کو غالب کرنے کا جو کام اللہ نے آپؐ کے ذمّے کیا ہے وہ پورا ہو۔ آپؐ نے دین پر چلنے کا جو طریقہ بتایا ہے وہ ترقی کرے، پھیلے، بڑھے اور آپؐ اس مقام پر پہونچ جائیں کہ سب ہی آپؐ کی تعریف کرنے لگیں۔

یہ دو باتیں تو اللہ اور اس کے فرشتوں کے بارے میں ہیں۔ آگے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم نبیؐ کریم پر درود اور سلام بھیجو۔ بندوں کی طرف سے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نبیؐ کریمؐ سے دل و جان کے ساتھ محبت کرو۔ آپؐ ہی کی طرف تن من دھن سے مائل رہو۔ آپؐ کی تعریف کرتے رہو اور سَلِّمُوْا یعنی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ تم حضورؐ کی پوری سلامتی کی دعا کرتے رہو۔ دل و جان سے اُن کا ساتھ دو۔ حضورؐ کا کہا مانو۔ آپؐ کا کوئی حکم نہ ٹالو۔

درود و سلام بھیجنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تو صحابہ کرامؓ (آپؐ کے پیارے ساتھیوں) نے آپ سے عرض کیا "یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں یعنی نماز میں السلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" اور ملاقات کے وقت السلام علیک یا رسول اللہ کہنا۔ مگر آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟" اس کے جواب میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بہت سے فقرے اور جملے سکھائے۔ اگر ہم ان سب کو حوالوں کے ساتھ لکھیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور اس کے لئے بہت سے صفحات کی ضرورت پڑے گی۔ پھر بھی ہماری آپ کی سمجھ میں وہی بات آئے گی جو ہم اُن تمام درودوں کا مطالعہ کرکے اصل الفاظ لکھتے ہیں۔ سب میں اصل او ملا جلا (مشترک) درود اور سلام یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ۔

یہی درود پھیلا کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے آخری قعدہ (بیٹھنے) میں التحیات کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی۔ نماز کے آخری قعدہ میں یوں پڑھتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اے اللہ! محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر درود بھیج! اس طرح جس طرح تونے حضرت ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی آل پر درود بھیجا۔ اور محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر برکت نازل فرما جیسی برکت ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی آل پر نازل فرمائی۔ اے اللہ تو حمید اور مجید ہے۔

بس، سمجھنے کے لئے یہی دو درود شریف کافی ہیں۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ ہم نہیں دے سکتے۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو انھیں پورا پورا بدلہ دے۔

حضورؐ کی زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے ساری دنیا کے انسانوں پر جو احسان کیا ہے اُس کا بدلہ اللہ ہی دے سکتا ہے۔ حضورؐ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے جنت کا سیدھا راستہ دکھایا اور جہنم سے بچایا۔ اب بتائیے کہ انسانوں میں سے کوئی ہے کہ اِس احسان کا بدلہ دے سکے!

## آل کا مطلب

آل کے معنی ایک تو وہ ہیں جو اُردو میں آل و اولاد کہہ کر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ۔ۃ سے آل کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ جو لوگ نبی کریمؐ کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کریں

وہ سب آپؐ کی آل میں داخل ہیں۔

آلِ فرعون کا لفظ قرآن میں آیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرعون کی اَولاد نے کہا کہ موسیٰؑ کے بارے میں یہ کیجئے اَور وہ کیجئے، بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون کے ماننے والوں نے ایسا کہا۔ اسی طرح آلِ داؤدؑ اَور آلِ ابراہیم وغیرہ۔

اِسی جگہ ہم یہ بات بھی سمجھ لیں تو اچھا ہے کہ قرآن میں جو کھلا حکم ہوتا ہے وہ ہم پر فرض ہو جاتا ہے۔ فرض کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اِس حکم کے مطابق عمل نہ کریں تو ہم گناہگار ہوں گے۔ علماءِ اِسلام نے بہت کچھ سوچ بچار کر ہمیں یہ بتایا ہے کہ جس طرح عمر میں ایک بار کلمہ پڑھنا فرض ہے اُسی طرح عمر میں ایک بار درود پڑھنا بھی ہم پر فرض ہے۔ اِس کے بعد ہمیں بتایا کہ وہ شخص بہت ہی بخیل (زبان کا کنجوس) ہے جو حضورؐ کا نام سُنے اَور آپؐ پر درود نہ بھیجے۔ دراصل علماءِ اسلام نے نبی کریمؐ کی حدیث دہرائی ہے۔

کچھ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ کا نام سُنیں تو ہم پر واجب ہے کہ درود و سلام بھیجیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود و سلام بھیجتا ہے اُس پر اللہ دس بار درود و سلام بھیجتا ہے۔ کون ہے جو اِس برکت کو بڑھ کر نہ لے گا اَور بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو حضورؐ کا نام سُن کر آپؐ پر درود نہ بھیجے اور اللہ سے برکت نہ حاصل کرے۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام "محمدؐ" آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے رکھا۔ اَور 'احمدؐ' آپؐ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ نے رکھا۔ توریت میں آپؐ کا نام احمد ہی بتایا گیا ہے۔

# گھرانہ اور وطن

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے والد صاحب کا نام عبداللہ تھا۔ ماں کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔ دادا عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ اِن میں سے چار بہت مشہور ہوئے۔ عبدالمطلب کے دو بیٹے یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دو چچا حمزہؓ اور عباسؓ اِس لئے مشہور ہیں کہ یہ دونوں ایمان لائے اور تن من دھن سے آپؐ پر نچھاور رہے۔ حضرت حمزہؓ اُحد کی لڑائی میں شہید ہوئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سیّد الشہداء کا خطاب پایا۔ حضرت عباسؓ مکّے کے بڑے آدمیوں میں اپنا بڑا اثر رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اثر سے کام لے کر موقع موقع آپؐ کے لئے بہت آسانیاں پہونچائیں اور مکّے والوں کو آپؐ پر اور مسلمانوں پر ظلم کرنے سے اکثر روکا۔ یہ سب واقعات آگے آئیں گے۔ انشاءاللہ۔

عبدالمطلب کے دو بیٹے یعنی حضورؐ کے دو چچا ابوطالب اور ابولہب الگ الگ باتوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ عبدالمطلب کے مرنے کے بعد چچا ابوطالب اگرچہ مسلمان تو نہیں ہوئے لیکن حضورؐ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اپنے بیٹوں سے زیادہ آپؐ کو چاہا۔ مکّے والوں کا مقابلہ کرتے رہے اور آپؐ کو بچائے رکھا اور حضورؐ کے بچپن میں آپؐ کو پالا پوسا بھی۔

ابولہب اِس لئے مشہور رہے کہ نبی کریمؐ کا وہ سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے قدم قدم پر آپؐ کو ستایا۔ یہ اِتنا خراب آدمی تھا کہ قرآن میں اِس کا نام لے کر اس پر اور اس کی بیوی پر لعنت کی گئی۔ سورۂ تبت یدٰا ابی لہب دیکھئے۔

حضورؐ کے گھرانے کے یہ تمام لوگ ایک مشہور اور نامی گرامی شخص "ہاشم" کی اولاد سے تھے اس لئے سب ہاشمی کہلاتے تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی

ہاشمی کہلاتے ہیں۔ ہاشمی گھرانہ ایک بہت بڑے قبیلے (خاندان) قریش میں سے تھا۔ قریش کے قبیلے میں اور بہت سے گھرانے تھے لیکن سب سے زیادہ مشہور گھرانہ 'ہاشم' کا تھا۔ یہ تمام لوگ یعنی قریش 'مکّہ' میں رہتے تھے۔ وہی 'مکّہ' جہاں اللہ کا گھر 'کعبہ' ہے، جہاں ہر سال حاجی حج کرنے جاتے ہیں۔

## مکّہ، کعبہ اور قریش

مکّہ شہر کو اللہ کے مشہور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بسایا تھا۔ مکہ بسانے کا واقعہ بڑا ہی نصیحت والا، بڑی ہی عبرت والا، ایمان میں بہت ہی اضافہ کرنیوالا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے اِس لئے بہت تھوڑے لفظوں میں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ بڑے حوصلے کے پیغمبر تھے۔ انھوں نے اللہ کا دین پھیلانے میں بہت ہی محنت کی، مشقت اٹھائی، تکلیفیں سہیں، بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اسکیم یہ تھی کہ ایسی تدبیر کریں کہ ساری دُنیا میں اِسلام پھیل جائے۔ اِس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے تین صدر مقام (مرکز) سوچے۔ اوّل شرق اُردن۔ شرق اردن کے صدر مقام سدوم میں اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو مقرر کیا۔ حضرت لوطؑ بھی اللہ کے نبی تھے اور وہ پوری طرح حضرت ابراہیمؑ سے تربیت حاصل کر چکے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پورے اطمینان کے ساتھ انھیں سدوم بھیج دیا۔ کبھی کبھی اُن کا دعوتی کام دیکھنے جاتے بھی تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادے آپؑ کی بیوی حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوئے۔ اُن کا نام اسمٰعیل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے منصوبے میں ایک مرکزی جگہ تھی لیکن وہاں کوئی رہتا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِشارہ فرمایا کہ ہاجرہ کو وہاں متعین

کر دو اور دودھ پیتے بچے کو ساتھ کر دو۔ اللہ اللہ! ایک بیٹا۔ اس کے لئے حکم ہوا کہ اسے فلاں جگہ ریگستان میں بسا دو۔ یہ "فلاں جگہ" وہی ہے جہاں اب مکہ شہر ہے اور جہاں کعبہ ہے۔ اللہ کو منظور تھا کہ یہاں کعبہ بنایا جائے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم کی بڑی بیوی حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ بھی عظیم پیغمبروں میں سے ہیں۔ یہ اللہ کے وہ نبی ہیں کہ ان کے خاندان میں برابر نبی ہوتے رہے۔ حضرت اسحٰقؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سارے نبی انہی کی اولاد میں ہوئے اور ان کی تعداد بے شمار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو شام و فلسطین میں بسایا اور ان کے ذمے وہاں کا دعوتی کام سپرد کیا۔ حضرت ابراہیمؑ ان تینوں مقامات کا دورہ بحیثیت صدر فرماتے اور جا جا کر مشورے دیتے۔ اس جگہ پر یہ بات سمجھ لیجئے کہ حضرت اسحاقؑ کے ایک بیٹے تھے حضرت یعقوبؑ۔ وہ بھی نبی ہوئے ان کا لقب اسرائیل تھا۔ ان سے جو اولاد چلی اس کا نام بنی اسرائیل پڑا۔ یہ بات یہاں اس لئے لکھ دی گئی کہ آگے حضورؐ کے حالات سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

## مکہ کا آباد ہونا

نبیوں کو اللہ نے بڑا دل گردہ عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا کہ فلاں جگہ ریگستان میں ہاجرہ اور اسمٰعیل کو جا بساؤ۔ کسی جھجک کے بغیر حضرت ابراہیمؑ تیار ہو گئے۔ کچھ کھانا اور کھجوریں لیں۔ پانی لیا۔ حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے کو ساتھ لیا اور چل دئے۔ اس جگہ پہونچے جہاں اللہ نے بتایا تھا۔ حضرت ہاجرہ سے کہا کہ یہاں بیٹھو۔ وہ بیٹھ گئیں۔ اس وادی میں اس وقت کوئی انسان موجود نہ تھا اور نہ کہیں پانی پایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے چمڑے کا تھیلہ جس میں کھجوریں

تھیں اور پانی کا مشکیزہ تھا، حضرت ہاجرہ کو دیا، پیٹھ پھیر کر مُڑے اور واپس روانہ ہو گئے حضرت ہاجرہ گھبرا کر اُٹھیں اور پیچھے چلیں۔ پوچھا "اے ابراہیم! کہاں جا رہے ہو؟ اور ہمیں اس سنسان اور بنجر وادی میں تنہا کیوں چھوڑے جا رہے ہو؟" یہ بات حضرت ہاجرہؑ نے کئی بار کہی لیکن نہ تو حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب دیا اور نہ مڑ کر دیکھا[1] آخر حضرت ہاجرہ نے کہا "کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔" جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے صرف "ہاں" فرمایا۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ بولیں "تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔" یہ کہہ کر بیٹے کے پاس آ بیٹھیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب پہاڑ کی اوٹ میں پہونچے جہاں سے یہ ماں بیٹے نظر آ رہے تھے تو اس جگہ کی طرف جس جگہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا تھا کہ یہاں پر کعبہ بننا ہے، رُخ کیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:۔

---

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ ○ (ابرٰھیم ۳۷)

پروردگار! میں نے ایک بنجر وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو ترے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے تاکہ اے پروردگار! یہ یہاں نماز قائم کریں اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کے لئے پھل دے۔ شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔

---

[1] پیچھے مُڑ کر نہ دیکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کرڑے دل تھے نہیں، حضرت ابراہیمؑ بہت
... حساس (م)

# زمزم

حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہیں۔ تھیلے کی کھجوریں اور مشکیزے کا پانی پیتی رہیں۔ جب پانی ختم ہوگیا تو انھیں اور بچے کو پیاس لگنے لگی۔ وہ بچے کو پیاسا اور پریشان دیکھتی رہیں۔ نہ دیکھا گیا تو اٹھیں۔ ایک طرف چلیں۔ سوچا تھا کہ شاید کوئی آتا جاتا آدمی مل جائے مگر کوئی نظر نہ آیا۔ داہنی طرف کی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ اب بھی دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اس پہاڑی سے اتریں۔ وادی کے بیچ میں آئیں اور اپنا بازو اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت میں پھنسا انسان دوڑتا ہے۔ پھر بائیں طرف کی پہاڑی پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھنے لگیں۔ اب بھی کوئی نظر نہ آیا۔

بے چاری ہاجرہؑ نے دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ کبھی ایک پہاڑی پر چڑھتی تھیں اور کبھی دوسری پر۔ ان پہاڑیوں کا نام 'صفا' اور 'مروہ' ہے۔ مروہ کی پہاڑی پر جب آخری بار چڑھیں تو ایک آواز سنی۔ وہ خاموشی سے سننے لگیں۔ آواز پھر آئی۔ انھوں نے کہا:۔

"اے شخص! تو نے اپنی آواز مجھے سنا دی۔ کیا تو میری دکھ بھری کہانی سن سکتا ہے؟ اور کیا تیرے پاس میری فریاد سننے کو کچھ ہے؟"

حضرت ہاجرہؑ کا یہ کہنا تھا کہ اچانک انھوں نے دیکھا کہ بچے کے پاس کوئی کھڑا ہے۔ یہ حضرت جبریلؑ تھے جو زمین کھود رہے تھے۔ حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ وہاں پانی ابل رہا ہے۔ وہ دوڑ کر آئیں اور لپ بھر بھر کر وہ پانی مشکیزے میں بھرنے لگیں۔ وہ جتنا پانی بھرتی گئیں پانی ابل ابل کر اوپر آتا گیا۔ پھر انھوں نے پانی کے آس پاس مینڈ بنادی۔ حضرت جبریلؑ نے ان سے کہا "تم اپنے دل سے اپنے برباد ہونے کا کھٹکا نکال دو۔

یہاں اللہ کا گھر ہے۔ یہ بچہ اور اس کا باپ مل کر یہاں کعبۃ اللہ بنائیں گے اور اللہ اِس گھر کے لوگوں کو برباد نہیں کرے گا۔"

حضرت جبرئیلؑ یہ خوشخبری سُنا کر چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ خوشخبری سُن کر اور پانی پاکر بہت خوش ہوئیں۔ پانی پینے لگیں اور بچے کو دودھ پلانے لگیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنے لگیں اور اب سمجھیں کہ حضرت ابراہیمؑ انھیں یہاں کیوں چھوڑ گئے تھے۔

یہ پانی اسی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ کتنا ہی خرچ کرو کم نہیں ہوتا۔ اِس کے پینے سے پیاس بھی بجھتی ہے اور پیٹ بھی بھرتا ہے۔ اِسی کو آبِ زمزم یا زمزم کا پانی کہتے ہیں۔ یہ کنواں اس طرح کا نہیں ہے جیسے ہمارے یہاں گھر اکھود کر بناتے ہیں بلکہ اس کی دیواریں زمین کے اُوپر ہیں۔

## قبیلۂ جُرہُم کا آنا

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس جگہ بستی بسے۔ بستی کیسے بسی؟

ہوا یہ کہ یمن کے ایک قبیلے 'جُرہُم' کے لوگ کہیں سے آرہے تھے۔ اُن کے پاس پانی ختم ہوگیا تھا۔ وہ پریشان تھے۔ ایک جگہ ٹھہرے تھے۔ وہاں سے اُنھوں نے دیکھا کہ سامنے ایک پرندہ چکر لگا رہا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ پانی قریب ہے۔ وہ اس طرف چلے۔ جاکر حضرت ہاجرہ سے ملے۔ حال پوچھا، اپنا حال کہا اور درخواست کی کہ آپ اجازت دیں تو ہم بھی ٹھہر جائیں۔ حضرت ہاجرہ چاہتی تھیں کہ کوئی آکر رہے۔ ذرا آبادی ہو جائے۔ اُنھوں نے اجازت دے دی۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے۔ پھر اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا اور وہیں بس گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اِن ہی لوگوں میں پلے بڑھے۔ بڑے ہوئے۔ عربی زبان اِنہی سے سیکھی۔

[illegible] اُنھوں نے جُرہُم قبیلے والوں میں بھی تبلیغ

# اسلام کی عالمگیر تحریک

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیمؑ فلسطین اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس چلے گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہوگیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جو عہد کیا تھا اسے لگن اور سرگرمی کے ساتھ نبھایا اور اللہ کے حکموں کو اس طرح عام کیا کہ سارے عرب میں اللہ کے حکموں کی آواز پہونچادی۔ لوگ واقعی آپ سے آپ کھنچ کھنچ کر حج کے لئے آنے لگے۔ حضرت اسمٰعیل اُن کو حج کے طریقے بتاتے۔ اللہ کا پیغام پہونچاتے اس گھر کی عظمت بتاتے۔ اِس کا احترام سکھاتے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کام کو عروج پر پہونچادیا جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور اللہ نے حکم دیا تھا۔ صرف ایک کام باقی رہا کہ اس قوم میں وہ رسول آئے جس کے لئے کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت دعائیں مانگی تھیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے طریقۂ دعوت و تبلیغ اور اسلامی تحریک کی سرگرمی کو اس طرح سراہا گیا ہے:-

---

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

(مریم ۵۴-۵۵)

اور اس کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا سچا رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

---

اللہ کی طرف سے یہ وہ سند ہے جس کی تصدیق عملاً حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد

ہوتی رہی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اس تحریک دعوت کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ برسہا برس تک اس کی برکتیں قائم رہیں۔ ڈھائی ہزار برس تک اس کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہا حالانکہ اس عرصے میں حضرت اسمٰعیلؑ کی تعلیم کو لوگوں نے بالکل بھلا دیا تھا۔ کعبہ بتوں کا مٹھ بن چکا تھا۔ پھر بھی حج اب بھی ہوتا تھا حالانکہ اُس طرح نہیں جس طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سکھا گئے تھے۔ اس ڈھائی ہزار برس کے اندر مکّے میں کوئی نبی نہیں ہوا تھا۔ لوگوں پر جاہلیت چھا گئی تھی۔ یاد ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی کہ صرف تیس ۳۰ آدمی ایسے رہ جائیں گے جو اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کریں گے، جبکہ وہ بھی اللہ کی عبادت کا طریقہ نہ جانتے ہوں گے۔

ان تیس میں سے کچھ موحّد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی موجود تھے۔ اور دو چار نے حضورؐ کا زمانہ پایا۔ ان میں سے :۔

۱ **حضرت نابغہ جعدی** تھے۔ وہ دینِ ابراہیمیؑ کا ذکر کرتے تھے۔ روزے رکھتے تھے۔ توحید، آخرت، سزا و جزا اور جنت و دوزخ کے قائل تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا۔ رضی اللہ عنہ

۲ **حضرت صِرمہ بن انس** بُت پرستی چھوڑ کر درویش ہو گئے تھے۔ شراب اور نشیلی چیزوں سے نفرت کرتے تھے۔ عیسائی ہوتے ہوتے رہ گئے۔ خوش قسمت تھے کہ حضورؐ مدینے پہونچ گئے۔ اس وقت حضرت صِرمہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ پھر بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہ۔

۳ **حضرت عمرو بن عبسہؓ** یہ بھی مدینے کے تھے۔ موحد ہو گئے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا باطل ہے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ مکّہ میں ایک شخص ہے جو اپنے کو نبی کہتا ہے اور تمہاری جیسی باتیں مکمل طور پر کہتا ہے۔ عمرو بن عبسہ یہ سنتے ہی مکّہ پہونچے۔ حضورؐ سے ملے اور ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہ۔

۴ **حضرت زید بن عمرو بن نُفَیل**۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ توحید کے قائل، بُت پرستی سے سخت متنفر۔ مُردار، خون، چڑھاوے سے بیزار، بیٹیوں کو قتل کرنا برا سمجھتے تھے۔ اللہ کے اصل دین کی خاطر شام کا سفر کیا۔ یہود اور نصاریٰ سب کو بگڑا پایا۔ لَوٹ آئے۔ اکثر کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر پکارتے "لوگو! خدا کی قسم میرے سوا ابراھیم ع کے دین پر کوئی نہیں"۔ لیکن انھیں بھی یہ مشکل تھی کہ اللہ کی عبادت کا طریقہ نہ جان سکے۔ اُن کا چچازاد بھائی خطّاب (حضرت عمر رض کا باپ) انھیں بہت ستاتا تھا۔ انھیں مکّے سے نکال دیا تھا اور لونڈوں سے کہہ دیا تھا کہ انھیں مکّے میں نہ گھسنے دینا۔ زید کے بیٹے سعید رض (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور حضرت عمر رض نے حضور ص سے ان کا حال بیان کیا اور پوچھا "یا رسول اللہ ص! کیا ہم اُن کے لئے دعا کریں؟" آپ ص نے فرمایا "ہاں، ضرور۔" پھر اُن کی ایسی جامع تعریف فرمائی کہ اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی فرمایا "قیامت کے روز وہ تنہا ایک اُمت کی حیثیت سے اٹھیں گے"۔ سبحان اللہ۔

## حضرت اسمٰعیل ع کے بعد

جب تک حضرت اسمٰعیل زندہ رہے وہی کعبہ کے کرتا دھرتا رہے۔ اُن کے انتقال کے بعد قبیلۂ جُرہُم کے لوگوں نے کعبہ پر قبضہ کر لیا کیونکہ وہ زیادہ تھے، اور حضرت اسمٰعیل ع کی اولاد کے لوگ کم تھے۔ اُنھوں نے حضرت اسمٰعیل ع کی اولاد کے بہت سے لوگوں کو مکّے سے نکال دیا۔ کئی سو برس وہ بلا شرکت غیرے کعبہ کے متولی بنے رہے۔ پھر اُن میں بگاڑ آیا۔ اُنھوں نے کعبے کے تقدس کو چوٹ پہونچائی۔ کعبے میں جو مال ہدیہ کے طور پر آتا وہ سب کھا جاتے۔ حاجیوں کو بھی ستاتے۔

اُن کا بگاڑ حد سے بڑھ چکا تو کئی خاندانوں نے مل کر اُن سے جنگ کی، اور

اُن کو مکّے سے نکال دیا۔ یہ کمبخت جاتے جاتے کعبے کا خزانہ زمزم میں ڈال گئے اور اُسے بند کر دیا اور اس کا نشان بھی مٹا گئے۔ اُن کے پرکھے یمن سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ یمن ہی چلے گئے۔

اِن کے بعد جو لوگ کعبے کے متولّی ہوئے اُن میں ایک مشہور سردار عمرو بن لُحَیّ ہوا۔ یہ بڑا دھنی تھا۔ اس نے دولت کے ذریعہ لوگوں کو اپنا حامی بنا لیا تھا۔ وہ جو کہتا لوگ کرتے۔ ایک بار وہ شام کی طرف گیا۔ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا اور دیکھا کہ پوجاری کس طرح بتوں کے نام پر دولت کماتے ہیں۔ عمرو وہاں سے ایک خوبصورت پتھر اُٹھا لایا۔ کعبے میں نصب کیا۔ اِس کا نام 'ہبل' رکھا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے لگا۔ اس کا پروپیگنڈہ کامیاب ہوا۔ وہ بڑا ذہین تھا۔ اس نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے بُت بھی کعبے میں رکھوا دئے تاکہ عیسائی بھی زیارت کو آئیں۔ ابراہیم اور اسمٰعیل کے بُت بھی بنوا کر رکھ دئے۔ دھیرے دھیرے بتوں کی تعداد ۳۶۰ ہو گئی۔ ہبل اِن میں سب سے بڑا تھا۔

## آلِ اِسمٰعیل کا قبیلہ

عمرو بن لحی کے خاندان والوں کا کعبہ پر قبضہ چار سو برس رہا۔ اِس خاندان کے لوگوں کو صدیوں بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد نے کعبے سے بے دخل کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں ایک نامور اور حوصلہ مند شخص پیدا ہوا۔ اس کا نام 'قصیّ بن کلاب' تھا۔ اِس نے دھیرے دھیرے اسمٰعیلؑ کی اولاد کو، جو عرب میں پھیل گئی تھی، مکّے میں بلا کر جمع کیا۔ دور دور سے ڈھونڈ کر لایا اور اُن کی مدد سے کعبے پر قبضہ کر لیا۔ عربی زبان میں ایک لفظ 'قریش' عرصے سے بولا جاتا تھا۔ اِس کے معنی ہیں "بکھرے لوگوں کو جمع کرنے والا"۔ قریش کے معنی تلاش کرنے

کے بھی ہیں۔ قُصَیؒ بن کلاب میں یہ خوبی تھی۔ اِس لئے سب اُسے قریش کہنے لگے۔ اسی کی اولاد آگے چل کر قریشی کہلائی۔ قریش خاندان میں بڑے نامی لوگ پیدا ہوئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ان تمام نامیوں کے نام آئیں گے۔ قریش خاندان میں ایک نامور سردار 'ہاشم' ہوئے۔ اِن ہی ہاشم کی اولاد میں حضورؐ پیدا ہوئے۔ اِس لئے آپؐ کو ہاشمی کہا جاتا ہے۔ ہاشم قصی بن کلاب کے پوتے تھے۔ ہاشم کے ایک بیٹے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب تھے۔

## ہاشم

ہاشم نے ایک کڑے وقت میں بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اِس سے وہ ہر دلعزیز ہو گئے تھے۔ مکّہ میں ایک بار بھیانک قحط پڑا۔ ہاشم نے شام سے غلّہ منگوایا۔ روٹیاں پکوائیں۔ اونٹ ذبح کر کے سالن تیار کیا۔ روٹیوں کو چورا کر کے سالن میں ملایا (اسے عربی میں ثرید کہتے ہیں)۔ سب کو کھلایا۔ ہاشم کے معنی عربی زبان میں چورا چورا کرنے کے ہیں۔ اس واقعہ سے وہ ہاشم کہے جانے لگے۔ اُن کا اصل نام 'عمرو' تھا۔ ہاشم بڑے فیاض تھے۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو کھانا کھلاتے۔ پانی پلاتے۔ مکّہ والوں کے سامنے تقریر کر کے اُنھیں حاجیوں کے اکرام پر اُبھارتے۔ اُن کی اِن خدمات نے اُن کو سارے عرب میں مشہور کر دیا ہر جگہ اُن کی عزت کی جاتی۔

ایک بڑا کام اَور کیا۔ ہاشم چار بھائی تھے۔ عمرو (ہاشم)، عبدشمس، مُطّلِبؒ اَور نوفل۔ ہاشم نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لیا۔ عرب اَور شام اَور آس پاس کے قبائل کا دورہ کیا۔ یہ دورہ بڑا کامیاب رہا۔ وہ جہاں گئے اَور جس سے جو مانگ کی وہ پوری ہوئی۔ دور دور کے لوگ جانتے تھے کہ یہ لوگ کعبے کے خادم ہیں۔

سب نے عزت واحترام کیا۔ ہاشم نے راستے کے قبائل سے یہ عہد لیا کہ قریش کے قافلوں کو لوٹا نہیں جائے گا۔ یہ مطالبہ منظور ہوا۔ ہاشم نے بادشاہوں سے ٹیکسوں کی معافی کا حکم حاصل کیا۔ غسانی، حبش، یمنی، عراق اور ایرانی حاکموں نے خوشی خوشی اُن کا ٹیکس معاف کر دیا۔ اس سے قریش کی تجارت اُن کی اُن میں کہیں سے کہیں پہونچ گئی۔ اَب وہ بے کھٹکے سفر کرتے۔ خوب تجارت کرتے۔ اُن کی تجارت چمک گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو بتایا کہ یہ سب ہمارا احسان ہے۔ سورۂ قریش میں اسی احسان کا ذکر ہے :۔

---

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِۚ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۠

قریش مانوس ہو گئے (عادی ہو گئے)، جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس ہو گئے۔ اس لئے اُن کو چاہئے کہ اُس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے اُنھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن دیا۔

---

اور ——— حقیقت بھی یہی ہے۔ کعبے کی بدولت قریش کو عرب میں اور دوسرے ملکوں میں یہ اعزاز ملا۔

## عبدالمطلب

ہاشم کے بعد قریش کی سرداری اُن کے بیٹے عبدالمطلب کو ملی۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ جرہم قبیلے والے زمزم کو پاٹ کر بھاگ گئے تھے۔ عبدالمطلب نے اِس

کنویں کا پتہ لگایا۔ اللہ کی قدرت کہ ایک جگہ کھودا تو کنواں ظاہر ہوگیا۔ خوشی سے عبدالمطلب نے قریش کو پکارا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ قریش آئے اور انھوں نے عبدالمطلب کے بارے میں بڑے اچھے الفاظ کہے اور یہ اقرار کیا کہ تم واقعی بہت اچھے سردار ہو۔

## دس بیٹوں کی نذر ماننا

زمزم کی تلاش کے وقت عبدالمطلب کا صرف ایک ہی بیٹا تھا، حارث۔ اس وقت جس خاندان میں لڑکے زیادہ ہوتے تھے اس کا دباؤ زیادہ مانا جاتا تھا۔ عبدالمطلب کے دل میں بیٹوں کا ارمان پیدا ہوا اور انھوں نے نذر مانی کہ اللہ انھیں دس بیٹے دے گا تو ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ اللہ نے انھیں دس بیٹے دئے۔ اور بیٹے بھی سارے کے سارے نہایت تندرست، توانا، وجیہہ و شکیل (خوبصورت شکل وصورت والے) اور بہادر۔ ابوطالب، ابولہب، حمزہ، عبّاس، عبداللہ وغیرہ۔

دس بیٹے ہونے پر انھوں نے گھرانے والوں سے اپنی نذر کا حال کہا۔ سب نے کہا کہ آپ اپنی نذر پوری کیجئے۔ عبدالمطلب سب بیٹوں کو لے کر ہبل بُت کے پاس گئے۔ فال نکالی تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبداللہ تمام بیٹوں میں چھوٹے، نہایت خوبصورت اور سیرت و کردار میں سب سے بڑھ کر تھے۔ سارے بھائی ان کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ مکّہ والے بھی اُن سے محبت کرتے تھے۔ فال میں نام آیا تو عبدالمطلب نے جیسے ہی عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، تمام بھائی آگے آگئے اور کہا کہ عبداللہ کے بدلے ہم میں سے ایک کی قربانی کیجئے۔ مکّہ کے سرداروں نے بھی کہا کہ عبداللہ کو ذبح نہ کیجئے۔ اس جیسا جوان ہمارے یہاں کوئی نہیں۔

عبدالمطلب نہ مانے تو سب اُن سے جھگڑنے لگے۔ سارا مکّہ اُمنڈ آیا۔ جس نے سُنا، دوڑ پڑا۔ ایک بوڑھے سردار نے مشورہ دیا کہ شام میں جو بوڑھی کاہنہ ہے، اُس سے فیصلہ لینا چاہیئے۔ عبدالمطلب اِس پر راضی ہو گئے۔ تمام سردار اُور دسوں بیٹے کاہنہ کے پاس گئے۔ اس نے تدبیر بتائی کہ اب عبداللہ اور دس اونٹوں میں فال نکالو اُور جب تک عبداللہ کا نام نہ نکلے دس اُونٹ بڑھاتے رہو۔

اِس تدبیر پر عمل کیا گیا۔ سَو اُونٹوں پر اُونٹوں کا نام نکلا۔ سو اُونٹ ذبح کئے گئے۔ اِس طرح عبداللہ اُسی طرح اللہ کے فضل سے ذبح ہوتے ہوتے بچے جس طرح اُن کے جدّ اعلیٰ حضرت اسمٰعیلؑ کو اللہ نے بچایا تھا۔ قریش کی نظر میں یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ جب حضورؐ کو نبوت ملی اُور مکّے والوں نے آپؐ کی مخالفت کی تو ایک بار آپؐ کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہا۔ آپؐ نے اُس وقت فرمایا "میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں"۔ اِس پر کفّارِ مکہ کانپ گئے اُور آپؐ کو چھوڑ دیا۔ اُنھیں اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر محمدؐ کو قتل کر دیا تو اسی وقت کوئی عذاب نہیں آ لے گا۔

## عبداللہ

عبداللہ پچیس سال کے ہوئے تو عبدالمطلب نے اُن کی شادی مکّہ کے سرداروں میں سے ایک سردار وہب کی صاحبزادی آمنہ سے کر دی۔ جس طرح عبداللہ مکّے والوں میں منفرد جوان تھے اسی طرح آمنہ تمام لڑکیوں میں بہترین لڑکی تھیں۔ شادی کے چند ماہ بعد عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ اپنا مال لے کر فلسطین کے شہر غزّہ گئے۔ وہاں سے پلٹ کر مدینے کے قریب آئے تو بیمار ہو گئے۔ اُن کی دادی یعنی ہاشم کی بیوی (عبدالمطلب کی ماں) مدینے کی تھیں۔ عبداللہ نے قافلہ والوں سے کہا کہ تم مکہ جاؤ۔ میں اپنی دادی کے گھر آنے میں

ٹھہروں گا۔ عبداللہ ایک ماہ دادی کے گھرانے میں ٹھہرے۔ وہیں اُن کا انتقال ہوگیا۔ نانہالی بزرگ حضرت نابغہ جعدی رضؓ کے گھر میں دفن ہوئے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت نابغہ زمانۂ جاہلیت میں موحّد ہو گئے تھے، پھر حضورؐ پر ایمان لے آئے تھے۔

اِدھر قافلہ والوں نے جا کر عبدالمطلب سے حال کہا۔ انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینے بھیجا مگر اُن کے پہونچنے سے پہلے ہی دفن کئے جا چکے تھے۔ اسی کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ:۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوٰى (سورہ والضحیٰ آیت ۶)

اے نبی! کیا اس نے (اللہ نے) تم کو یتیم نہیں پایا (تم واقعی یتیم ہو گئے تھے۔ تمہارے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ تم بالکل بے سہارا تھے)۔ پھر اللہ نے تم کو بہترین ٹھکانہ دیا۔

اِس کے بعد آیت ۸ میں ہے:۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ہ

اور اے نبی! اللہ نے تم کو نادار (مفلس) پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

حضورؐ کی زندگی گواہ ہے کہ اللہ نے ایک سکنڈ کے لئے بھی آپؐ کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ مشہور اور مستند روایت ہے: حضورؐ چند ہی دنوں کے تھے کہ قبیلہ ہوازن کی ایک بہت تجربہ کار دائی عجیب ڈرامائی انداز میں آپؐ کو پالنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ پھر آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ رہے۔ والد نے ایک لونڈی ام ایمن چھوڑی تھی۔ اللہ نے ام ایمن کے دل میں آپؐ کی ایسی محبت ڈال دی تھی کہ وہ ایک منٹ آپؐ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔

والدہ کے انتقال کے بعد دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابوطالب نے جس طرح آپؐ کو پالا اور سہارا دیا، وہ سب ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آگے بیان کریں گے۔

اُس وقت عرب میں کوئی سن رائج نہیں تھا۔ لوگ اپنے گھرانے کے کسی بڑے واقعے سے یہ یاد رکھتے تھے کہ فلاں بات کو اتنے دن ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پچاس دن پہلے عرب میں ایک بڑا واقعہ ہوا۔ لوگوں نے خدا کی قدرت اور کعبے کی حرمت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یہ واقعہ اصحاب فیل (ہاتھی والوں) کا تھا۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فیل میں فرمایا ہے جو اس طرح ہے

---

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

(سورہ فیل)

کیا نہیں دیکھا تو نے (یعنی ضرور دیکھا ہے) کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُس نے (اللہ نے) ان کی (ہاتھی والوں کی) تدبیر بے کار نہیں کر دی (ہاتھی والوں کی تدبیر اکارت ہی کر دی) اور اُن پر (ہاتھی والوں پر) پرندوں کے جھنڈ بھیج دیے جو اُن پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر اُن کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ۔

---

اس واقعہ کے پیچھے کہانی یہ ہے کہ یمن میں ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ اس کا

نام ابرہہ تھا۔ اس نے مکہ اور کعبے کی دھوم سنی تو اس کے ذہن میں دو اسکیمیں آئیں۔ ایک اسکیم یہ کہ عیسائیت پھیلانے کے لئے یمن میں کعبہ بنائے اور اس کی زیارت کے لئے لوگوں کو بلائے۔ اس کی دوسری اسکیم دولت کمانے کی تھی کہ جو لوگ زیارت کرنے آئیں گے وہ چڑھاوے چڑھائیں گے۔ ان چڑھاووں اور نذرانوں سے لاکھوں کی آمدنی ہوگی۔

ابرہہ نے یمن میں کعبہ بنوایا لیکن لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس نے سوچا کہ جب تک مکہ کا کعبہ موجود ہے اس کے سامنے یمن کے کعبے کی عزت نہ ہوگی۔ مکے کا کعبہ ڈھا دینا چاہیئے۔ اس نے ساٹھ ہزار بہادر سپاہیوں کا لشکر بنایا۔ اس کے لشکر میں ہاتھی بھی تھے۔ ابرہہ یہ عظیم لشکر لے کر کعبہ ڈھانے چلا۔ اتنا بڑا لشکر اس سے پہلے عربوں نے نہیں دیکھا تھا۔ سب سہم گئے۔ جس نے مقابلہ کیا، ہارا اور مارا گیا۔

ابرہہ آگے بڑھتا رہا۔ جب وہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیاں پہونچا تو اچانک آسمان پر ہزاروں پرندے جھنڈ کے جھنڈ دکھائی دئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں پتھر دبے تھے۔ انھوں نے ابرہہ کی فوج پر یہ پتھر برسائے۔ پتھر جس سے چھو گیا اس کا برا حال ہو گیا۔ بدن سڑ سڑ کر گرنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے ساری فوج تباہ ہو گئی۔

یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اب عربوں میں کعبہ اور قریش کا احترام بہت بڑھ گیا۔ انھوں نے اس واقعہ کو بہت دنوں تک یاد رکھا اور اب دن، مہینہ اور سال اس واقعہ سے یاد رکھنے لگے۔ اس واقعہ کے پچاس دن بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے دادا عبدالمطلب نے "محمدؐ" نام رکھا اور بی بی آمنہ نے "احمد"۔ کہا جاتا ہے کہ بی بی آمنہ نے خواب میں دیکھا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اپنے بچے کا نام احمد رکھنا۔ عرب میں 'احمد' نام آپؐ سے پہلے کسی کا نہیں رکھا گیا۔ ابولہب نے سنا کہ بھتیجہ پیدا ہوا

ہے تو اُس نے اپنی لونڈی ثوبیہ کو دودھ پلانے کے لئے بھیجا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل کے مہینے کے دوسرے ہفتہ میں پیدا ہوئے۔ کوئی کہتا ہے کہ ۹ ربیع الاول تھی، کوئی کہتا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول۔ پیر (دوشنبہ) کا دن اور صبح صادق کا وقت تھا۔ انگریزی ماہ وسال کا حساب لگا کر بتانے والوں نے بتایا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔

والد محترم جناب عبداللہ کا انتقال نوجوانی ہی میں ہوگیا تھا۔ انھوں نے کاروبار شروع کیا تھا کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یتیم بیٹے اور بیوہ کے لئے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔ کچھ جانور (بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ اور تین یا پانچ اونٹ) اور ایک باندی۔ باندی کا نام امّ ایمن تھا۔ امّ ایمن نے حضورؐ کو بڑا پیار دیا۔ حضورؐ اُن کی بڑی عزت کرتے تھے اور اُن کو بھی ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ ام ایمن حبشی نسل سے تھیں۔ جب حضورؐ بڑے ہوئے تو آپ نے ام ایمن اور ثوبیہ کا بہت خیال رکھا۔ حضورؐ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ بھی ثوبیہ کا بڑا لحاظ کرتی تھیں۔ انھوں نے چاہا کہ ابولہب سے ثوبیہ کو خرید لیں اور آزاد کر دیں لیکن ابولہب راضی نہ ہوا۔ بعد میں اُس نے خود آزاد کر دیا۔

جب حضورؐ مکے سے مدینے چلے گئے تو وہاں سے ثوبیہ کے لئے کپڑا اور خرچ بھیجتے رہتے تھے۔ ثوبیہ کا انتقال ۷ھ میں ہوا۔ حضورؐ کو خبر ملی تو اُس کے بیٹے مسروق کا حال پوچھا۔ مسروق آپؐ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح ثوبیہ کا خاندان آگے نہ چلا۔

امّ ایمن بہت دنوں زندہ رہیں۔ اُن کا مرتبہ اتنا بلند ہوا کہ حضورؐ کبھی اُن کا کہا نہ ٹالتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ روزے سے ہوتے اور امّ ایمن دودھ لے کر آتیں، اور کہتیں کہ پیو۔ آپؐ ٹالتے تو کہتیں کہ پینا پڑے گا۔ آپؐ اُن کی خاطر روزہ توڑ دیتے اور دودھ پی لیتے۔ بعد میں اس نفل روزے کی قضا رکھتے۔

حضورؐ نے زید بن حارثہؓ (اپنے منھ بولے بیٹے) سے امّ ایمن کا نکاح کر دیا تھا۔ اسامہ بن زیدؓ امّ ایمن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کا مرتبہ یہ تھا کہ صحابہؓ کہا کرتے تھے:
"ہم نہیں جانتے کہ حضورؐ حسنؓ (نواسے) اور اسامہ میں سے کسے زیادہ چاہتے تھے۔"

وہ مشہور مذاقِ لطیف جو بوڑھی عورت اور جنت کے بارے میں ہے، امِّ ایمن سے ہی متعلق ہے۔ ام ایمنؓ جب بوڑھی ہو گئیں تو حضورؐ سے پوچھا "یا رسول اللہؐ! میں جنت میں جاؤں گی؟" آپؐ نے فرمایا "بوڑھیوں کا جنّت میں کیا کام؟" اِس جواب سے وہ گھبرا گئیں۔ پھر جب اُن کو بتایا گیا کہ جنت میں سب بوڑھے لوگ جوان ہو کر جائیں گے تو ہنسیں۔ وہ لوگوں کو یہ مذاق سُنایا کرتی تھیں۔

## حلیمہ سعدیہ

عرب میں قاعدہ تھا کہ بڑے گھرانے کے لوگ اپنے بچّوں کو دیہات کی کھلی ہوا میں پرورش کرانا بہت پسند کرتے تھے۔ اِس سے اُن کے سامنے کئی فائدے تھے۔ ایک تو یہ کہ کھلی ہوا میں پل کر بچہ خوب تندرست ہو۔ دوسرا فائدہ یہ کہ عرب کے دیہات کی بولی قدرتی طور پر خالص عربی ہوا کرتی تھی جسے عرب کے لوگ صحیح زبان مانتے تھے۔ بڑے گھرانوں کے لوگ چاہتے تھے کہ اُن کا بچہ اچھی اور صحیح زبان بولے۔ اِس لئے وہ اپنے بچوں کو دیہات بھیجدیا کرتے تھے۔ دیہات کی عورتیں اکثر اِسی لئے مکہ میں آتی تھیں۔ وہ کوشش کرتی تھیں کہ ایسے بچوں کو پالنے کیلئے لیجائیں جن کے والدین مالدار ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ انعام پائیں۔

جس سال نبی صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اس سال دیہات سے جو عورتیں آئیں اُن میں قبیلہ ہوازن کی بھی کچھ عورتیں تھیں۔ اِن میں سعد گھرانے کی ایک خاتون تھیں "حلیمہ سعدیہ"۔ حلیمہ سعدیہ جب آرہی تھیں تو جس اونٹ پر سوار تھیں

وہ اُونٹ بیمار ہوگیا۔ ساتھ ایک گدھی تھی۔ گدھی بھی بیمار ہوگئی۔ حلیمہ سعدیہ تمام عورتوں سے پیچھے رہ گئیں۔ مکہ میں سب کے بعد داخل ہوئیں۔ یہاں جو عورتیں پہلے آچکی تھیں اُنھوں نے مالدار گھرانوں کے بچّوں کو لے لیا تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یتیم تھے۔ بی بی آمنہ غریب تھیں۔ اُن سے بڑی رقم ملنے کی اُمید نہیں تھی۔ اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی نے نہیں لیا۔ حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر حارث سے کہا کہ میں خالی ہاتھ نہ واپس ہوں گی۔ تم کہو تو بی بی آمنہ کے بچّے کو لے لوں۔ اُنھوں نے کہا "کیا حرج ہے۔ تو ایسا کرے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ اسی میں برکت دے۔"

شوہر سے یہ مشورہ کر کے حلیمہ سعدیہ بی بی آمنہ کے پاس گئیں۔ بچے کو پوچھا۔ حضورؐ اُس وقت سو رہے تھے۔ بی بی صاحبہ حلیمہ سعدیہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اسی وقت آپؐ جاگ اُٹھے۔ حلیمہ سعدیہ کی طرف دیکھا۔ مسکرائے۔ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ بچّے کو دیکھتے ہی ماںتا اُمنڈ آئی اَور میرے دودھوں میں کچھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے بڑھ کر اُٹھالیا اَور سینے سے لگا کر مجھے اَیسا اطمینان ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میں پریشان اَور تھکی ماندی تھی۔ اَب میں نے بچّے کو دودھ پلایا تو میرے اتنا دودھ اُترا کہ میرے سگے بیٹے نے بھی خوب پیٹ بھر کے پیا۔ پھر میرے شوہر نے اُونٹنی کا دودھ دوہا تو اُس نے اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں آسودہ ہوگئے۔ اونٹنی اَب صحت مند بھی تھی اَور گدھی بھی علاج کے بغیر اچھی ہوچکی تھی۔ رات ہم نے بڑے آرام سے گزاری جبکہ دوسرے بچے روتے رہے۔ میرے شوہر نے کہا:۔ "حلیمہؓ تو نے بڑا بابرکت بچہ پایا۔"

حلیمہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے پڑاؤ چھوڑا تو حارث اُونٹ پر سوار تھے اَور میں گدھی پر۔ گدھی کی یہ شان تھی کہ وہ کسی سواری کو آگے نہیں بڑھنے دے

رہی تھی۔ وہی سب سے آگے چل رہی تھی۔ میری ساتھی عورتیں کہتی تھیں: حلیمہ! یہ وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی۔ میں جواب دیتی "ہاں" تو وہ کہتیں "واللہ! آج اس کی تو شان ہی اور ہے۔"

اس وقت کسی کو کیا معلوم کہ اللہ کی طرف سے حلیمہ پر برکت نازل ہو رہی تھی۔ ان کو تو اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبی بنایا اور حلیمہ اپنے خاندان سمیت مسلمان ہوئیں۔ حضورؐ ان کو امّی کہہ کر پکارتے تھے اور بڑی ہی عزت اور محبت کرتے تھے۔

# حلیمہؓ اور حضورؐ

دائی حلیمہ نے ایک طرف کا دودھ اپنے بچّے کے لئے اور دوسری طرف کا حضورؐ کے لئے خاص کر دیا تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میرا بیٹا محمدؐ کتنا ہی بھوکا ہوتا لیکن اپنے ہی حصّے کا دودھ پیتا۔ اپنے بھائی عبداللہ کے حصے پر کبھی منھ نہیں مارتا۔ اس کا مطلب یہ کہ انصاف حضورؐ کی گھٹّی میں پڑا تھا۔

حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے گھر پہونچی تو میں نے دیکھا کہ جس چراگاہ کو خشک چھوڑ کر گئی تھی وہ ہری بھری ہے۔ بکریاں خوب چارہ کھاتیں اور خوب دودھ دیتیں۔ اس بچے کی برکت سے ہم نے وہ دیکھا جو دیکھا۔

دو برس میں میرا بیٹا محمدؐ اتنا توانا ہو گیا تھا کہ چار سال کا لگ رہا تھا۔ دو سال گزرنے کے بعد دودھ چھڑانے کا وقت آیا۔ تمام عورتیں بچوں کو واپس لیجاتے وقت انعام و اکرام کی امید میں خوش ہو رہی تھیں اور میں سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ میں اپنے بیٹے محمدؐ کو پھر واپس لے آؤں۔ بڑے گھرانے کے لوگ دودھ پلائیوں کو منھ مانگا انعام دیتے تھے۔ میں نے سوچا کہ محمدؐ کو پھر مانگ لاؤنگی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس وقت مکّہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ حلیمہ کو بہانہ مِل گیا۔ بولیں "بی بی آمنہ! یہاں کی آب و ہوا خراب ہو رہی ہے۔ میرے بیٹے کو میرے پاس ابھی اَور رہنے دو تاکہ یہ پل کر خوب توانا ہو جائے۔" بی بی صاحبہ کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر حلیمہ سعدیہ نے اتنا اصرار کیا کہ مان گئیں۔ اِس طرح حضورؐ دو برس اَور دائی حلیمہ کے گھر رہے۔ اِس طرح چار سال آپؐ کو قبیلہ ہوازن میں رہنے کا موقع مِلا۔ آپؐ خالص عربی زبان اچھی طرح سیکھ گئے۔ نبیؐ کریمؐ خود اِقرار فرماتے ہیں کہ:۔

"میں تم میں سب سے زیادہ عربی جاننے والا ہوں۔ میں قریشی ہوں اَور میرا بچپن بنی سعد (ہوازن) میں گزرا ہے۔"

حضورؐ حلیمہ سعدیہ کا بڑا احسان مانتے تھے۔ جب حضورؐ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہو گئی تو حلیمہ سعدیہ حضورؐ کے پاس آئیں۔ حضورؐ بہت خوش ہوئے۔ حال پوچھا۔ حلیمہ نے بتایا "ہمارے یہاں قحط پڑا ہے۔ مویشی مر گئے۔" یہ سُن کر حضورؐ نے چالیس بکریاں اَور سامان سے لدا ہوا اُونٹ دیا۔ حضرت خدیجہؓ الگ سے انھیں دیتی تھیں۔

نبی ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ حضورؐ جعرانہ کے مقام پر تھے۔ آپؐ اُس وقت صحابہؓ کو گوشت تقسیم کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت آئی۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا "یہاں میرا بیٹا محمدؐ ہے؟" حضرت محمد بن منکدرؓ مشہور صحابی نے سُن لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اُسے حضورؐ کے پاس لے گئے تو حضورؐ دیکھتے ہی میری ماں، میری ماں کہتے ہوئے دوڑے۔ اپنی چادر بچھائی اَور اس پر بٹھایا۔ ابوبکرؓ نے ہم سب کو بتایا کہ یہ حلیمہ سعدیہ ہیں۔

حلیمہ سعدیہ نے حضورؐ کو دیکھا تو کہا "میرا بیٹا بہت دُبلا ہو گیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "ماں! مجھ پر اللہ نے بھاری بوجھ ڈالا ہے۔" حلیمہ نے کہا "میں نے سُنا ہے،

اللہ نے میرے بیٹے کو نبی بنایا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ آپؐ نے ہاں کہا اور حلیمہ سعدیہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

جب حضورؐ نے مکہ فتح کیا اُس وقت حلیمہ کی بہن آئیں۔ اُنھوں نے حلیمہ کے انتقال کی خبر سُنائی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پھر آپؐ نے اُسے دو سو درہم اور کپڑے دئے اور سواری کے لئے پورا اونٹ یعنی کجاوہ اور زادِ سفر بھی۔

جب آپؐ نے ہوازن فتح کیا تو وہاں بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ ان میں حضورؐ کی بہن شیما بھی تھیں۔ حضورؐ نے اُن کو پہچان لیا۔ وہ حضورؐ کو گودی میں لئے پھرا کرتی تھیں۔ آپؐ نے اُن کو قبیلہ ہوازن میں بھیج دیا۔ پھر وہ ہوازن کا وفد لے کر آئیں۔ وفد والوں نے اِس طرح رحم کی درخواست کی "اے محمد! ان قیدیوں میں آپؐ کی خالائیں بھی ہیں اور بھائی اور بہنیں بھی۔"

ہم جانتے ہیں کہ قبیلہ ہوازن کی عربی بولی کا جواب نہ تھا۔ وفد نے یہ بلیغ فقرہ کہا ہی تھا کہ حضورؐ سمجھ گئے۔ آپؐ نے فرمایا "میں اپنا حصہ چھوڑتا ہوں۔" صحابہؓ نے یہ سُنا تو تمام صحابہؓ نے کہا کہ ہم بھی اپنا حصہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لئے چھوڑتے ہیں۔

اِس طرح چھ ہزار قیدی دیکھتے دیکھتے آزاد ہو گئے۔ پچاس کروڑ کا مالِ غنیمت سب واپس کر دیا گیا۔ حضورؐ کے انتقال کے بعد خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اِس قبیلے کے لوگوں کی بڑی تعظیم فرماتے تھے اور سلوک کرتے رہتے تھے۔

# بی بی آمنہ کی وفات

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم چار برس حلیمہ سعدیہ کے ساتھ رہے۔ چار برس کے بعد وہ آپؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ اب آپؐ اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ رہنے لگے۔

آپؐ چھ برس کے ہوئے تو بی بی آمنہ آپؐ کو لے کر مدینے گئیں۔ مدینے کے پاس جناب عبداللہ کی قبر تھی اور مدینے ہی میں دادا عبدالمطلب کا ننھیال بھی۔ امّ ایمن ساتھ تھیں۔ وہ حضورؐ کی پردادی یعنی دادا عبدالمطلب کی ماں کے گھرانے (بنی نجار) میں ایک مہینہ رہیں۔ ماں نے بیٹے کو وہ مکان دکھایا جس میں عبداللہ کی قبر تھی۔

اس سفر کے حالات حضورؐ کو یاد رہے۔ جب آپؐ مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینے گئے تو صحابہ کرامؓ سے اُس زمانے کے حالات بتاتے تھے۔ آپؐ نے پردادی کا گھر دیکھ کر پہچان لیا۔ فرمایا "یہاں میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور اپنے دادا کے ننھیال کے لڑکوں کے ساتھ مل کر پرندوں کو بھگایا کرتا تھا" نابغہؓ کا گھر دیکھا تو فرمایا کہ یہاں میں اپنی والدہ کے ساتھ اُترا تھا اور اسی گھر میں میرے والد کی قبر ہے۔ ننھیالی کنوئیں میں تیراکی بھی سیکھی تھی۔

بی بی آمنہ ایک مہینہ مدینے میں رہیں پھر مکّے واپس ہوئیں۔ ابواء کے مقام تک پہونچیں کہ بیمار ہوئیں اور وہیں انتقال ہوگیا۔ وہیں قبر بنی۔ امّ ایمن آپؐ کو لے کر مکّہ میں آئیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ بھی یاد رہی۔ نبی ہونے کے بعد ایک بار اس جگہ سے گزرے تو ماں کی قبر کے پاس گئے۔ ماں کی مامتا یاد کر کے رونے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "آپؐ رو رہے ہیں!" فرمایا "ہاں، ماں کی مامتا یاد آگئی"۔

## دو برس دادا کے ساتھ

بی بی آمنہ کے بعد دادا عبدالمطلب نے اپنے ساتھ رکھا۔ انھوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر آپؐ کو چاہا۔ وہ آپؐ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ آپؐ جس وقت چاہتے اُن کے پاس چلے جاتے جبکہ اُن کے بیٹے اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے تھے۔ دادا عبدالمطلب اُس وقت تک کھانا نہ کھاتے

جب تک آپؐ دستر خوان پر نہ آجاتے۔ کبھی کبھی آپؐ کو گود میں بٹھا لیتے۔ عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ کعبہ کے پاس اُن کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ ادب کی وجہ سے ان کا کوئی بیٹا اس پر نہیں جاتا تھا، مگر حضورؐ جاتے تو سیدھے فرش پر جا بیٹھتے۔ آپؐ کے چچا آپؐ کو ہٹانا چاہتے تو دادا کہتے "رہنے دو، خدا کی قسم اِس کی شان ہی اور ہے۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہ ایسے بلند مرتبے پر پہونچے گا کہ آج تک کوئی عرب اس مرتبے پر نہیں پہونچا"۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اس میں سرداری کی شان ہے۔ پھر وہ آپؐ کو پاس بٹھا لیتے۔ سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ آپؐ کا منہ چومتے۔ آپؐ کی چال ڈھال، اٹھنا بیٹھنا، طور طریقہ دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔

اس وقت جوتشیوں، نجومیوں اور کاہنوں کو بہت مانا جاتا تھا۔ ایک بار ایک مشہور جوتشی آیا۔ اس کے شاگرد بھی ساتھ تھے۔ ان سب نے عبدالمطلبؓ سے کہا کہ اِس بچّے کی حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے اس کے پیروں کے نشانات دیکھے۔ اِسکے پیروں کے نشانات حضرت ابراہیمؑ کے پیروں کے نشانات سے ملتے ہیں۔

یہ سُن کر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کی طرف دیکھا اور کہا کہ جو بات یہ لوگ کہہ رہے ہیں اُسے غور سے سُنو اور اس کی حفاظت کرو۔

عبدالمطلب نے ابوطالب کی طرف خاص طور پر اس لئے اشارہ کیا کہ ابوطالب اور حضورؐ کے والد عبداللہ ایک ماں سے تھے۔ عبدالمطلبؓ اپنے بڑھاپے کو محسوس کرنے لگے تھے۔ وہ اپنے بعد پوتے کو ابوطالب ہی کے حوالے کرنے والے تھے۔

ہوا بھی یہی۔ دادا کے پاس دو ہی برس حضورؐ رہے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت حضورؐ آٹھ برس کے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ دادا کے جنازے کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ امّ ایمنؓ کا بیان ہے کہ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم دادا کی وفات کے موقع پر اُن کے سرہانے کھڑے رو رہے تھے۔ بہت دنوں کے بعد صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ کو دادا کی وفات یاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں، اُس وقت میں آٹھ برس کا تھا" پھر آپؐ نے سر جھکا لیا۔

## چچا ابوطالب کے گھر

ابوطالب آپؐ کے سگے چچا تھے۔ عبدالمطلب نے انہی کے لئے وصیت کی کہ وہ بھتیجے کو اپنی نگرانی میں رکھیں۔ اُس وقت عربوں کا قاعدہ تھا کہ چچا باپ کے برابر مانا جاتا تھا۔ جو شخص بھتیجے کی حمایت اور مدد نہیں کرتا تھا اُسے عرب کے لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ حضورؐ کے نبی ہونے کے بعد ابولہب نے آپؐ کی سخت مخالفت کی اور سردارانِ قریش کا ساتھ دیا۔ قریش اس سے خوش تو تھے مگر ابولہب کو گھٹیا آدمی سمجھتے رہے۔

چچا ابوطالب نے بھتیجے کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پیار دیا۔ اُن کا ایک بیٹا طالب تھا۔ اسی کے نام پر ان کو لوگ ابوطالب کہا کرتے تھے۔ یہ لڑکا حضورؐ کا ہمسن تھا اور آپؐ سے بہت ہی محبت کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ نبی ہوئے اور ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے، پھر بدر کی لڑائی ہوئی تو قریش نے اس پر بھی دباؤ ڈالا جس طرح چچا عباس پر بھی دباؤ ڈالا تھا کہ بدر کی لڑائی میں قوم کا ساتھ دیں۔ طالب مجبور ہو کر لشکر کے ساتھ گیا لیکن پھر اُس کا پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ عام خیال یہی ہے کہ وہ چھپ کر کہیں نکل گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ نہ وہ قیدیوں میں تھا اور نہ مقتولین میں۔ چچا عباس قید ہو کر حضورؐ کے سامنے آئے۔ انھیں بھی پتہ نہ تھا کہ طالب کہاں گیا۔ اگر وہ قیدی ہو کر آتا تو چچا عباس نے حضورؐ کے سامنے اپنے اور خاندانِ عبدالمطلب کے حقوق کے بارے میں جو تقریر کی تھی تو طالب کا نام بھی لیتے۔

ابوطالب نے نگرانی اور چچا ہونے کا حق ادا کر دیا۔ جب تک زندہ رہے، آپؐ کا ساتھ دیا۔ اُنھوں نے بھتیجے میں ایک ایسی بات دیکھی جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالب کے آل و اولاد بہت تھی اور آمدنی کم تھی۔ اس لئے دسترخوان مختصر ہوتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ لوگ بھوکے اُٹھ جاتے تھے لیکن اُنھوں نے محسوس کیا کہ اتنے ہی کھانے میں جب حضورؐ شریک ہوتے تو سب پیٹ بھر کر کھاتے اور کھانا بچ بھی رہتا۔ یہ برکت دیکھ کر ابوطالب نے حکم دے رکھا تھا کہ جب تک میرا بیٹا محمدؐ دسترخوان پر نہ آئے کھانا شروع نہ کیا جائے۔

چھوٹے بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کھاتے وقت چھین جھپٹ کرتے ہیں لیکن جب ایسا ہوتا، نبی کریمؐ ہاتھ روک لیتے۔ ابوطالب آپؐ کے لئے کھانا الگ نکال کر آپؐ کو دیتے اور کہتے "بیٹے! تم بہت مبارک ہو!"

ابوطالب کے لئے مسند بچھائی جاتی تھی۔ اس پر کوئی نہیں بیٹھتا تھا مگر حضورؐ کو وہ بٹھالیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس پر سرداری سجتی ہے۔

## حضورؐ کا بچپن

اب تک یعنی دس گیارہ سال کی عمر ہونے تک حضورؐ کے جو حالات ٹھیک ٹھیک مل سکے وہی لکھے گئے۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب تک جس نے بھی حضورؐ کو دیکھا اُس کے دل پر آپؐ کا ایک نقش بیٹھ گیا۔ سب نے اقرار کیا کہ یہ ایک غیر معمولی بچہ ہے اور مکے میں سب سے نرالا پیدا ہوا ہے۔ اِس طرح کے کچھ اور حالات آگے پڑھیے:

○ **کھیل تماشے**۔ کون ایسا بچہ ہے جسے کھیل تماشوں سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ بچوں کو کیا معلوم کہ کون کھیل اچھا ہے، کون برا۔ پھر اُس وقت یعنی

زمانۂ جاہلیت کے کھیل تماشے! استغفراللہ۔ جھوٹے قصے کہانیاں، بیہودہ مشاعرے ناچ گانا، شراب نوشی، بدتمیزی کی باتیں، خاندانی ہونے پر ڈینگیں مارنا، بھرے مجمع میں دوسروں کی بہنوں بیٹیوں کی آبرو اُچھالنا۔

حضورؐ کے ساتھی لڑکوں نے مکّے کی رات کی رنگ رلیوں کا حال بتایا اور اکسایا کہ تم بھی دیکھ آیا کرو۔ حضورؐ بچوں کے ساتھ بکریاں چگانے جایا کرتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ سو پھونکوں میں گیلا جلنے لگتا ہے۔ حضورؐ کے دل میں آیا کہ چل کر دیکھنا چاہیئے۔

آپؐ ایک رات دیکھنے چلے۔ راستے میں پھوپی کا مکان تھا۔ پھوپی نے دیکھ لیا۔ گھر بلایا۔ کھانا کھلایا۔ پھر آپؐ کو نیند لگی تو وہیں سو گئے۔ اور جب جاگے تو صبح ہو چکی تھی۔

ایک رات اور اسی لئے نکلے۔ راستے میں کسی کے یہاں شادی تھی۔ آپؐ وہیں بیٹھ گئے کہ دیکھیں اس میں کیا ہوتا ہے۔ بیٹھے تو نیند لگنے لگی اور سو گئے۔ جاگے تو شادی کی دھوم دھام ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد آپ نے کبھی اس طرف رخ نہ کیا۔

اِن دونوں باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کھیل تماشوں کے لئے نہیں پیدا کیا تھا۔ اللہ ہی نے دونوں مرتبہ روک لگا دی اور آپؐ کھیل تماشے نہ دیکھ سکے۔

○ **شرم وحیا۔** حضورؐ کے بچپنے میں ایک بار کعبے کی مرمت ہو رہی تھی۔ مکّے کے چھوٹے بڑے سب کام کر رہے تھے۔ آپؐ اُس وقت دس گیارہ برس کے تھے۔ بچوں کے ساتھ آپؐ بھی کام کر رہے تھے۔ بچوں کے ساتھ پہاڑ پر جاتے، وہاں سے پتھر کا بڑا سا ٹکڑا لا دلاتے۔ باربار پتھر لادنے سے آپؐ کا کندھا چھل گیا۔ بچوں میں چچا عباس بھی تھے۔ بھتیجے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اُنھوں نے آپؐ کا چھلا ہوا

کندھا دیکھا تو آپؐ کا تہمد کھول کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ تہمد کھلتے ہی آپؐ شرم کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ دوڑ پڑے اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ہوش آیا تو آپؐ کی زبان سے نکلا "میرا تہمد، میرا تہمد۔" آپؐ کا تہمد باندھ دیا گیا تو آپ نے آنکھیں کھولیں۔ لوگوں نے پوچھا "کیا ہوا تھا؟" فرمایا کہ جیسے ہی میرا تہمد کھولا گیا میں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا "ڈھانپ ڈھانپ!"

اس وقت حضورؐ بچے تھے۔ اس وقت بڑے بڑے ننگے ہو جاتے تھے اور اُن کو شرم نہیں آتی تھی۔ عورتوں کو بھی ننگا ہونے میں عار نہ تھا۔ کعبے کا طواف مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ننگی ہو کر کرتی تھیں اور اُن کو ذرا بھی شرم نہیں لگتی تھی۔ اس زمانے میں ایک بچے میں یہ شرم؟ اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب اللہ کا فضل تھا آپؐ پر اور وہ اللہ ہی آپؐ کو تربیت دے رہا تھا۔ منشا یہ تھا کہ آگے چل کر نبی ہونا ہے اور آپؐ ہی سے انسانوں کی تربیت کرنے کا کام لیا جائے گا۔

○ **بتوں سے بچنا۔** حضورؐ بچپن میں بھی بتوں سے بچے رہے۔ آپؐ کو بت پرستی اور وہموں اور ٹونے ٹوٹکے سے سخت نفرت تھی۔ آپؐ بتوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے تھے۔

حضرت امّ ایمن کہتی ہیں کہ بُوانہ ایک بُت تھا۔ اس کی زیارت کے لئے لوگ جایا کرتے تھے۔ نذریں نیازیں چڑھایا کرتے تھے۔ پورا دن اس کے قریب ٹھہرتے اور گیان دھیان میں رہتے۔ پھر قربانی کر کے سر منڈاتے۔ ابوطالب بھی اپنے خاندان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ آپؐ اس وقت نوجوان تھے، آپؐ سے کہا جاتا کہ سب کے ساتھ چلیں۔ آپؐ نہ جاتے۔ ہر سال یہ جھگڑا ہوتا۔ آپؐ کے بزرگ برا مانتے اور بہت خفا ہوتے۔ ابوطالب بھی سب کے ساتھ آپؐ سے اصرار

کرتے لیکن آپؐ نہ جاتے۔

ایک بار اس جھگڑے سے تنگ آکر آپؐ چچا کے ساتھ ہو لئے۔ وہاں سب لوگ بُت کے آس پاس مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ دیکھا تو آپؐ غائب۔ سب بہت پریشان ہوئے۔ ڈھونڈا۔ ایک جگہ پایا۔ حضورؐ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ پوچھا گیا "بیٹے! تو نے مراقبہ نہیں کیا؟ تجھے یہ کیا ہو گیا؟" آپؐ نے جواب دیا "مجھے ڈر ہے کہ مجھے کچھ ہو نہ جائے"۔ پھر پھوپیوں نے پیار کر کے کہا "نہیں نہیں۔ تجھے شیطان چھو نہ سکے گا۔ تجھ میں یہ خوبی ہے، وہ خوبی ہے۔ بتا، ہوا کیا؟" آپؐ نے بتایا کہ جب میں کسی بت کی طرف بڑھتا تو میرے سامنے ایک گورا چٹا لمبا تڑنگا آدمی کھڑا ہو جاتا اور مجھ سے کہتا کہ اے محمدؐ! دور رہو۔ اِسے مت چھونا۔ اِس کے بعد پھر کبھی آپؐ کسی آستانے پر نہیں گئے اور پھر کسی نے آپؐ سے کہا بھی نہیں۔

ایک بار نبی کریمؐ کے آگے بتوں کے چڑھاوے کا کھانا اور اُن پر قربان کئے ہوئے جانور کا گوشت پیش کیا گیا تو آپؐ نے اُسے کھانے سے انکار کر دیا۔

چودہ پندرہ سال کی عمر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑائی میں شرکت کی۔ تمام قریش اس میں شامل ہوئے تھے اِس لئے آپؐ بھی گئے لیکن آپؐ نے نہ تلوار چلائی نہ کسی پر ہاتھ اُٹھایا۔

جب آپؐ بیس سال کے ہوئے تو قریش کے کچھ نیک دل لوگوں نے ایک عہد نامہ لکھا۔ اس عہد نامے کو حلف الفضول کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں جو لوگ شامل تھے سب کے ناموں میں ف، ض، ل (فضل) کے حروف آئے تھے۔ یہ عہد نامہ حضورؐ کو بہت پسند تھا۔ جب آپؐ نبی ہوئے اُس وقت فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگ ایسے عہد نامے کی طرف مجھے آج بھی بلائیں تو میں پسند کروں گا۔ عہد نامہ یہ تھا:۔

"جس شخص نے کسی کا حق مارا ہو گا اس کا حق دلائیں گے اور ظالم کو مظلوم پر ظلم

نہ کرنے دیں گے۔"

## جوانی

○ صادق اور امین ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے گھر رہتے رہے ۔ چچا ابوطالب تجارت کرتے رہے ۔ آپؐ اُن کے ساتھ تجارت کے گُر سیکھتے رہے ۔ بڑے ہوئے تو آپؐ بھی تجارت کرنے لگے ۔ آپؐ کے پاس روپیہ پیسہ تو تھا نہیں اِس لئے آپؐ دوسرے لوگوں کے ساتھ ساجھا کر لیتے تھے ۔ جس کے ساتھ مل کر ساجھا کرتے اس سے بڑا کھرا معاملہ رکھتے ۔ آپؐ کسی سے بے ایمانی نہ کرتے ۔ کسی کو دھوکا نہ دیتے ۔ پیسے پیسے کا حساب سمجھا دیتے ۔ آپؐ کی اِس بات سے لوگ بہت خوش رہتے ۔ آپؐ لین دین میں کبھی جھوٹ نہ بولتے ۔ آپؐ کو جھوٹ سے بڑی نفرت تھی ۔ آپؐ کی اِن باتوں کو دیکھ کر لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہنے لگے ۔ صادق کے معنی سچّا اور امین کے معنی امانت دار ۔

○ کاروبار ۔ مکہ میں ایک خاتون تھیں ۔ اُن کا نام خدیجہ تھا ۔ خدیجہ کی شادی دو بار ہو چکی تھی ۔ دونوں بار وہ بیوہ ہو چکی تھیں ۔ اُن کے والد کا بھی انتقال ہو چکا تھا ۔ اُن کے پاس دونوں شوہروں کی جائداد بھی تھی اور باپ کی بھی ۔ اسطرح وہ مکہ میں مالدار لوگوں میں گنی جاتی تھیں ۔ اُن کی عمر چالیس سال کے قریب ہو چکی تھی ۔ اب بھی بہت سے لوگوں نے چاہا کہ اُن کے ساتھ شادی کر لیں لیکن خدیجہ نے انکار کر دیا ۔ اُن کے پاس جو پیسہ تھا اس سے انھوں نے تجارت شروع کی ۔ کرتیں یہ کہ لوگوں سے منافع طے کر کے معاملہ کر لیتیں لیکن لوگ اُن کے ساتھ دھوکہ کرتے اور بہت کم منافع دکھاتے ۔ خدیجہ کو یہ بات پسند نہ تھی ۔ اُن کو ایک امانت دار آدمی کی تلاش تھی ۔ انھوں نے نبی کریمؐ کے بارے میں سُنا تو بلا بھیجا اور کہا کہ آپ

میرا سامان لے کر تجارت کرنے جائیں۔ میں دوسروں کو جو اجرت دیتی ہوں اس سے دونی آپ کو دوں گی۔ حضورؐ نے اُن کی بات مان لی۔ بات پکی ہو گئی اور آپؐ اُن کا کاروبار کرنے لگے۔

خدیجہؓ نے اپنا ایک آدمی آپؐ کے ساتھ کر دیا کہ یہ مدد کرے گا۔ اس سے آپؐ کا حال پوچھا کرتیں۔ وہ حضور کی ایک ایک بات بتاتا رہتا۔ وہ کہتا:۔

"ایسا سچا، امانت دار اور نیک آدمی نہ دیکھا نہ سنا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ تو سودا بیچتے وقت کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ جھوٹ بولتے ہیں۔ بڑی نرمی سے باتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کا دل موہ لیتے ہیں۔ سوداگر پہلے آپؐ سے مال لیتے ہیں۔ بہت کم باتیں کرتے ہیں۔ زیادہ تر سوچ میں رہتے ہیں۔ بیکار باتیں نہیں کرتے۔ نوکروں اور غلاموں سے بڑا اچھا سلوک کرتے ہیں۔"

○ **شادی** ۔ اپنے خاص آدمی سے یہ سنا تو خدیجہ کے دل میں آپ سے شادی کرنے کا ارمان پیدا ہو گیا لیکن وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھیں کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے ہیں اور خود اُن کی عمر چالیس سال کی ہے۔ پندرہ برس بڑی۔ پھر یہ کہ وہ دو بار بیاہ کر چکی ہیں اور بیوہ ہیں اور کئی بچوں کی ماں۔ ایک شوہر سے دو بچے ہوئے، اُن میں ہالہ زندہ ہے۔ دوسرے سے ایک لڑکی ہند موجود ہے۔ اس حالت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ محمدؐ شادی کرنے سے انکار کر دیں اور لوگ ہنسی اُڑائیں۔

خدیجہ یہ بات اپنے دل میں لئے رہیں۔ پھر اپنی ایک سہیلی سے دل کی بات کہی۔ سہیلی کا نام نفیسہ تھا۔ نفیسہ حضورؐ کے پاس آئی اور خدیجہ کی تعریف کر کے شادی کی بات ڈالی۔ آپؐ نے کہا کہ میں اپنے چچا ابوطالب سے پوچھ لوں۔ آپؐ نے چچا سے رائے لی۔ چچا ابوطالب نے کہا کہ خدیجہ مکے کی ساری عورتوں سے اچھی ہے۔ بری باتوں سے دور رہنے والی ہے۔ اسی لئے لوگ اسے طاہرہ کہتے ہیں۔ اس سے ضرور شادی کر لینا چاہئے

چچا نے رائے دی تو حضورؐ شادی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ شادی کے لئے دن طے ہو گیا۔ شادی کے دن چچا ابوطالب خاندان کے بڑے لوگوں کے ساتھ خدیجہ کے گھر گئے اور شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد آپؐ انہی کے گھر رہنے لگے۔ وہ بہت ہی اچھی بیوی تھیں۔ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ اُن کے یہاں بہت سے نوکر اور غلام اور لونڈیاں تھیں لیکن آپؐ کا کام وہ خود کر کے بہت خوش ہوتی تھیں۔

○ **زید بن حارثہ کا قصّہ**۔ اس زمانے میں مرد اور عورتیں بکریوں اور لکڑی کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ ان غلاموں اور لونڈیوں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ پھر بھی انھیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں دیا جاتا تھا اور نہ ٹھیک سے کپڑا۔ ان بے چاروں کی زندگیاں جانوروں سے بدتر تھیں۔ حضرت خدیجہ کا ایک غلام تھا زید۔ خدیجہؓ نے زید کو حضورؐ کی خدمت میں دے دیا تھا۔ زید کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بارہ برس کے زید کو بڑی اچھی طرح رکھا۔ جو خود کھاتے، زید کو کھلاتے۔ جو خود پہنتے، زید کو پہناتے۔ زید کو کبھی مارا نہ ڈانٹا۔ اگر کبھی دیکھتے کہ کوئی کام زید سے نہیں ہو رہا ہے تو خود مدد دیتے۔ جو بات سمجھانا ہوتی سمجھا دیتے۔ آپؐ کی خدمت میں زید کو ایسا لگا جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر میں ہوں، بلکہ گھر سے بھی زیادہ آرام۔ زید آپؐ کے ساتھ رہتے رہے۔ اچھی باتیں سیکھتے رہے۔ اچھے اور نیک بنتے رہے۔

○ **زید کے باپ حارثہ آ گئے**۔ زید کو حضورؐ کے پاس رہتے ہوئے کئی برس ہو گئے۔ ایک دن اچانک اُن کے والد حارثہ اور چچا آ گئے۔ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے اور عرض کیا:۔

"اے محمد! آپ بڑے اچھے گھرانے کے ہیں اور خود بھی اچھے ہیں۔ آپ

ہماری بپتا سنئے اور ہماری مدد کیجیے۔ ہم یمن کے رہنے والے ہیں۔ کئی برس ہوئے۔ ہمارا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ ننہال جا رہا تھا۔ راستے میں ڈاکہ پڑا۔ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور ہمارے بیٹے کو پکڑ لے گئے۔ ہم کو بیٹے کے نہ ہونے سے بڑا دکھ ہوا۔ ہم نے اُسے بہت ڈھونڈا۔ پھر ہمیں لوگوں نے بتایا کہ ہمارا بیٹا یہاں مکے میں ہے۔ اس لئے ہم آپ کی خدمت میں آئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی مہربانی سے ہمارا بیٹا ہم کو مل جائیگا۔"

یہ کہہ کر زید کے باپ حارثہ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے اُن سے پوچھا "کیا تم زید کے بارے میں کہہ رہے ہو؟" انھوں نے بتایا "ہاں۔ زید ہمارا بیٹا ہے اور آجکل آپ کا غلام ہے۔ ہم آپ سے اپنا بیٹا مانگنے آئے ہیں۔ آپ اس کے بدلے میں جو رقم لینا چاہیں لے لیں اور ہمارا بیٹا ہمیں دے دیں۔"

یہ سُنا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سوچ میں پڑ گئے۔ بات یہ تھی کہ حضورؐ کو بھی زید سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ آپؐ زید کو اپنی اولاد کی طرح چاہنے لگے تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ زید کے باپ حارثہ اُن کو لینے آئے ہیں تو آپؐ سوچ میں پڑ گئے۔ زید کو واپس کریں یا انکار کر دیں۔ آپؐ نے کچھ سوچ کر حارثہ سے کہا:۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ زید کو بلا لیا جائے اور اُس کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو خوشی سے چلا جائے۔ میں آپ سے ایک پیسہ نہ لوں گا۔ اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھ سے محبت کرے میں اسے اپنے سے الگ کر دوں۔"

زید کے باپ حارثہ نے یہ سُن کر کہا "آپ نے انصاف سے بڑھ کر بات کی۔ آپ اُسے بلائیں اور معاملہ اسی پر چھوڑ دیں۔" حارثہ نے یہ سوچا تھا۔ جب غلامی کی زندگی

بسر کر رہا ہے۔ جانوروں کی طرح کام کرتا ہوگا۔ اس پر مار پڑتی ہوگی، پیٹ بھر کھانے کو نہ ملتا ہوگا۔ انھوں نے حضورؐ کی بات مان لی۔

زید بلائے گئے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" زید نے جواب دیا "جی ہاں۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔" حضورؐ نے بتایا کہ "یہ تم کو لینے آئے ہیں۔ تم مجھ کو بھی پہچانتے ہو۔ تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو اور چاہو تو اپنے گھر جا سکتے ہو۔" زید نے جواب دیا "میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" زید کے والد حارثہ اور چچا نے سنا تو دنگ رہ گئے۔ بولے "بیٹا! تم ماں باپ اور گھر چھوڑ کر یہاں غلامی میں رہنا پسند کرتے ہو؟" زید نے جواب دیا "جی ہاں۔ خدا کی قسم، میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جیسا پایا ویسا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ میں حضورؐ پر اپنی جان نچھاور کرنے کو بھی تیار ہوں۔"

○ زید۔ مُنھ بولے بیٹے! ۔ یہ سن کر زید کے والد چپ ہو کر رہ گئے۔ لیکن اب حضورؐ کے دل میں زید کی قدر بہت بڑھ گئی۔ آپؐ نے زید کا یہ جواب سنا تو اُن کا ہاتھ پکڑا۔ لے کر کعبے کی طرف چلے۔ پیچھے پیچھے زید کے والد اور چچا بھی چلے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ حضورؐ کعبے میں پہونچے۔ وہاں مکّے کے بہت سے لوگ اکٹھا تھے۔ آپؐ نے بلند آواز کے ساتھ اعلان کیا کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔ یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کی جائداد میں حق پائیں گے۔

حضورؐ نے زید کو بیٹا بنا لیا۔ زید کے والد اور چچا بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی گھر لوٹ گئے۔ وہاں جس نے یہ حال سنا اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔

# مرمّتِ کعبہ

کعبہ کو بنے ہوئے ڈھائی ہزار برس ہو گئے تھے۔ اِس عرصے میں جب۔ کعبہ کی دیواریں کمزور ہو جاتیں تو لوگ مرمّت کر دیتے لیکن اب دیواریں بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ پھر آیا سیلاب۔ سیلاب کے آنے سے کعبہ کی دیواریں گر گئیں۔ سوچا جانے لگا کہ کعبے کی دیواریں پھر سے بناتے وقت خوب مضبوط بنائی جائیں۔ سب لوگ جمع ہوئے۔ صلاح مشورے کے بعد طے پایا کہ جو دیواریں گرنے سے بچ گئی ہیں اُنھیں ڈھا دیا جائے اور دیواریں پھر سے چنی جائیں۔ کام شروع ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اس مرمت میں دلچسپی لینے لگے۔ دیواریں آدمی کے قد کے برابر اونچی ہو گئیں تو حجر اسود کو اس کی جگہ لگانے کا سوال آیا کہ اسے کون لگائے۔ اس کے جواب میں بہت سے سردار آگے بڑھے اور "ہم ہم" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اپنی اپنی بات پر لوگ ایسا اَڑے کہ تلواریں نکل آئیں۔ ہر سردار یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے سوا کسی اور نے حجر اسود کو ہاتھ لگایا تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔

دیواریں بنتے بنتے ایک جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہر خاندان کے لوگ اپنے سردار کے پیچھے تلواریں سونتے اور نیزے تانے کھڑے تھے۔ وہ تو کہیے کہ ایک بوڑھے اور تجربہ کار سردار کے دل میں اللہ نے ایک اچھی بات ڈال دی ورنہ وہیں خون خرابہ ہو جاتا۔

فیصلہ۔ اس بوڑھے نے کہا "سنو۔ میری بات۔ اگر مناسب سمجھو تو مان لو۔ جو شخص کل صبح کعبے کے اندر سب سے پہلے داخل ہو اسی کو اختیار دیا جائے کہ وہ حجر اسود لگائے یا جس سے کہے وہ لگائے۔"

بوڑھے کا یہ فیصلہ سب نے مان لیا۔ اب سب لوگ یہ تدبیر کرنے لگے صبح ہم سب سے پہلے کعبے میں داخل ہوں۔

**○ یہ کون؟** ۔ سب نے رات بھر جاگنے کا پروگرام بنایا کھا پی کر سب رات میں کعبے کے آس پاس بیٹھ گئے اور جاگنے کی تدبیر کرنے لگے۔ کھیل تماشا، مشاعرہ اور طرح طرح کے دلچسپ پروگرام چلانے لگے۔ جب نیند لگتی تو شراب پی لیتے۔ اس طرح ساری رات بیتی۔ صبح کو پو پھٹتے ہی لوگ کعبے کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک شخص سجدے میں ہے۔ لوگوں نے پہچانا اور پکارے یہ تو محمد امین ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قول و قرار کے مطابق سب نے کہا "اے محمد! ہم آپ کو صادق اور امین سمجھتے ہیں۔ اب آپ چاہیں تو خود حجرِ اسود اس کی جگہ لگا دیں یا جسے حکم دیں وہ لگائے۔ ہم آپ کا فیصلہ مانیں گے۔"

**○ حضورؐ کی سوجھ بوجھ** ۔ سب نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی لیکن نبی کریمؐ جانتے تھے کہ یہ سارے سردار اپنی بات کے دھنی ہیں۔ اگر اس وقت میں اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود لگا بھی دوں تو یہ کہیں گے تو کچھ نہیں لیکن اُن کے دل کا ارمان دل ہی میں رہ جائے گا۔ اُنھیں دکھ ہوگا۔ یہ سوچ کر آپ نے بڑی سمجھداری سے کام لیا۔ آپ نے کہا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر پر رکھو۔ حجرِ اسود ایک چادر پر رکھا گیا۔ اب آپؐ نے فرمایا "کون کون حجرِ اسود کو اس کی جگہ لگانے کا دعویدار ہے؟" قریش کے سرداروں نے کہا "ہم"۔ آپؐ نے ان سرداروں کو بلایا اور فرمایا کہ چادر کو چاروں طرف سے پکڑ کر اُٹھاؤ اور میرے پاس لاؤ۔ سرداروں نے چاروں طرف سے چادر کو پکڑ کر اٹھایا۔ حضورؐ کے پاس لائے تو آپؐ نے حجرِ اسود لے کر اس کی جگہ چن دیا۔ سارے سرداروں کا دل رکھ لیا۔ سب خوش ہو گئے اور آپؐ کی سمجھداری اور سوجھ بوجھ کی تعریف کرنے لگے۔ آپ نے کس خوبصورتی سے ایک بڑا خطرہ ٹالا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

# خوشحالی

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپؐ کی غریبی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ پہلے آپؐ دوسروں کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ اب آپؐ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ کی تجارت میں بڑی ترقی ہوئی۔ حضرت خدیجہؓ اب بہت ہی مالدار مانی جانے لگی تھیں۔ حضور انہی کے گھر رہتے تھے۔ قرآن آپؐ کی اس حالت کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے:۔

وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنٰى۔ اور اللہ نے آپ کو غریب پایا۔ پھر غنی کر دیا

(الضحیٰ۔ ۸)

اس زمانے میں آپؐ کی اچھائی اور سچائی، آپؐ کی امانت داری اور دیانت، آپؐ کی فیاضی اور سخاوت، بےکسوں کی مدد، غریبوں پر رحم، بیواؤں اور یتیموں سے ہمدردی، غلاموں سے محبت، سوجھ بوجھ، قوتِ فیصلہ...... غرضیکہ آپؐ کے سارے فضائل حسنہ (خوبیاں) عربوں نے دیکھے۔ وہ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھتے تھے۔ آپؐ سے بہت ہی محبت کرتے تھے۔ سب آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اپنے فیصلے آپؐ سے کراتے تھے۔ عربوں نے آپؐ سے پہلے صادق اور امین کسی کو نہیں کہا۔

# اولاد

اولاد میں چار بیٹیاں اور دو بیٹے قاسم اور عبداللہ ہوئے لیکن یہ دونوں بچپن میں فوت ہو گئے۔ صاحبزادیوں نے حضورؐ کے نبی ہونے کا زمانہ پایا۔ نبی ہونے کے بعد ایک صاحبزادے ایک بیوی سے پیدا ہوئے۔ ان کا نام ابراہیم رکھا۔ وہ بھی

بچپن میں فوت ہوئے۔ چاروں بیٹیاں حضرت خدیجہؓ سے تھیں۔ ان میں حضرت فاطمہؓ چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ جب پانچ برس کے تھے تو حضورؐ نے ان کو چچا ابوطالب سے مانگ لیا تھا۔ حضرت علیؓ حضورؐ ہی کی تربیت میں پلے بڑھے۔

یہ تمام باتیں اس وقت کی لکھی گئی ہیں جب آپؐ نبی نہیں ہوئے تھے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ہونے سے پہلے بھی آپؐ کا کردار بے داغ تھا۔

آپؐ کے قویٰ کی مضبوطی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؐ بہت ہی طاقتور تھے۔ قریش میں ایک پہلوان رکانہ تھا۔ اس کو کبھی کسی نے نہیں پچھاڑا لیکن ایک بار اس نے نبی کریمؐ کو کشتی کی دعوت دی تو آپؐ نے اُسے ایسا مضبوط پکڑا کہ بے بس کر دیا۔ آپؐ نے چھوڑ دیا تو وہ پھر لپٹ گیا۔ آپؐ نے دوسری بار بھی پچھاڑ کر بے بس کر دیا۔ اُس نے کہا "محمدؐ! تعجب ہے کہ تم نے مجھے پچھاڑ دیا جبکہ تم نے نہ کبھی کسرت کی اور نہ کشتی کے داؤں پیچ سیکھے۔" اس وقت آپؐ نبی ہو چکے تھے۔ رکانہ مسلمان ہو گیا۔

ایک بار ابوجہل آپؐ سے الجھ پڑا۔ آپؐ نے اُسے اٹھا کر پٹک دیا۔ اُس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ جنگِ بدر میں وہ مارا گیا تو حضورؐ نے کہا کہ ابوجہل کو دیکھنا۔ اُس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے۔ پھر آپؐ نے یہ واقعہ بیان کیا۔

نبی ہونے کے بعد جب آپؐ مدینے چلے گئے تو مکّہ والوں نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے مدینے کے آس پاس خندق کھودی۔ خندق کھودتے وقت اندر ایک چٹان دکھائی دی۔ اس پر بڑے بڑے طاقتور لوگوں نے چوٹیں ماریں لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ آخر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی زور سے چوٹ ماری کہ چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

# حضورؐ کا نبی ہونا

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوگئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبی بنایا۔ نبی ہونے سے پہلے آپؐ یہ تو سمجھ چکے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنا بے کار ہے۔ ان بتوں کو عبادت کے لائق ماننا غلط ہے۔ عبادت کے لائق اللہ ہی ہوسکتا ہے جس کے بس میں سب کچھ ہے۔ یہ بت پتھر کے ہیں۔ بے جان ہیں۔ ان کے بس میں یہ بھی نہیں کہ اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی ہی اڑا سکیں اور نہ ان کے پیچھے کوئی ایسی طاقت ہے جو ان کی حفاظت کرسکے۔ کوئی بھی ان کو توڑ سکتا ہے۔ اس لئے ان کی پوجا کرنا، ان کو الٰہ سمجھنا، ان کے سامنے گڑگڑانا، ان کے آگے سجدہ کرنا، ان کے نام پر قربانی کرنا، ان کے نام کی منت ماننا، ان کو نذر اور چڑھاوے چڑھانا غلط ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ سب غلط سمجھ کر بتوں سے نفرت کرتے تھے اور لوگوں کے طور طریقوں کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن سوال یہ تھا کہ پھر اللہ کی عبادت کیسے کریں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ یہ جو ہم نے بات کہی ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی الجھن کی ٹھیک تصویر نہیں ہے۔ قرآن کریم نے نہایت ہی اچھے طریقے سے اس بات کو کہا ہے۔ سورہ ہود کی آیت ۱۷ کے الفاظ یہ ہیں :-

---

أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ
وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ط

بھلا وہ شخص جو پہلے اپنے رب کی طرف سے بینہ رکھتا یعنی اللہ کی توحید

سمجھ چکا تھا) اس کے بعد اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی اس کے پاس آگیا (یعنی قرآن نے آکر تصدیق کر دی کہ اے محمدؐ! تم جو بات سمجھ چکے ہو، وہ ٹھیک ہے۔ پھر لطف یہ کہ) اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (توریت) بھی (بطور) نمونہ اور رحمت موجود تھی (یعنی توریت پہلے سے قرآن کی توحید کی تصدیق کر رہی تھی تو پھر جب اللہ کا فرشتہ جبریلؑ آپ کی طرف پہلی بار قرآن لے کر آیا تو اس سچائی کے بارے میں شک کیسے کیا جا سکتا تھا)

---

یہ بات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں نہ تھی۔ آپؐ سے پہلے ہر تمام انبیاء توحید کو اصولاً سمجھ جاتے تھے۔ نبی ہونے سے پہلے جتنا علم آپؐ کو ہو چکا تھا ہر نبی کو اتنا علم ہو جاتا تھا لیکن وہی بات کہ واقعی ایمان کیا ہے، اللہ کی عبادت کیسے کریں؟ یہاں تک آکر ہر نبی سوچ اور فکر میں پڑ جاتا تھا۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے جبریلؑ آکر پوری بات سمجھاتے تھے۔ اس کی صرف ایک مثال دوں گا۔ ویسے ہر نبی کی اسی طرح کی مثالیں ہیں۔ سورۂ ہود میں آیت ۲۸ میں حضرت نوحؑ کی زبانی اس طرح ہے :۔

---

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ ؕ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ ○

اے میری قوم کے لوگو! سوچو۔ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک بیّنہ پر تھا (یعنی کھلی دلیل پا چکا تھا اور توحید کو سمجھ چکا تھا) اس کے بعد اُس نے (اللہ نے) اپنی طرف سے مجھ پر رحمت عطا فرمائی (یعنی نبی بنایا) اور وہ چیز

تم کو نظر نہیں آتی (یعنی جبریل کا آنا اور اللہ کی طرف سے پیغام لانا) تو کیا میں زبردستی اُسے تمہارے سر چپیک دوں۔

---

حضرت ابراہیم ع کے حالات میں آتا ہے کہ وہ باپ سے اور اپنی قوم سے نبی ہونے سے پہلے اس بات پر جھگڑتے تھے کہ یہ بت الٰہ نہیں ہو سکتے۔ یہی کیفیت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ تمام انبیاء کی طرح حضورؐ بھی شرک سے پاک رہے اور توحید کے قائل ہو چکے تھے۔ آپؐ نے کبھی غلط عقیدوں اور مشرکانہ عبادتوں کو قبول نہیں کیا بلکہ دور دور رہے۔ آپؐ کا حال اُن موحدین کی طرح تھا جن کے چند نام ہم پچھلے کچھ صفحوں میں لکھ چکے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے لوگوں کی تعداد اپنے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک تیس بتائی تھی۔ آپؐ کے عہد میں زید، صرمہ، ابوذر اور نابغہ وغیرہ بتوں کو جھٹلا چکے تھے۔ قرآن نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

---

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ (شوریٰ ۵۲)

اے نبیؐ! تم (نبی ہونے سے پہلے) کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔

---

سورۂ الضحیٰ آیت ۷ میں ہے:۔

---

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى

اور اللہ نے تم کو ناواقف پایا پھر تمہیں راستہ بتایا۔

---

بس یہ مثالیں سمجھنے کے لئے کافی ہو گئیں۔ آگے حال یہ ہے کہ عرب ہی نہیں، دنیا بھر ۔ اپنے نبیوں کی تعلیم کو بھلا چکے تھے، حرام کیا ہے؟ حلال ہے؟ اس کی تمیز اُٹھ چکی تھی۔ لوگ لوٹ کھسوٹ کرتے۔ جوا کھیلتے۔ سود کھا شرابیں پیتے۔ جھوٹ بولتے۔ ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے۔ مسافروں کو ستا عورتوں کی بے عزتی کرتے۔ کہیں کہیں تو ایسے کٹر لوگ تھے کہ اُن کے گھر اگر لڑکی ہو جاتی تو اُسے زندہ دفن کر دیتے۔ اُن کا خیال تھا کہ بیٹیاں بے کار ہیں۔ یہ بڑی ہو ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہو سکتیں اور یہ کہ ہم کیوں کسی کے خسر بنیں۔ لوگو نے حج کا وہ طریقہ بھی بھلا دیا تھا جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے سکھایا تھا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ سب دیکھتے اور کڑھتے۔ سوچا کرتے کہ کس طرح یہ برائیاں دنیا سے دور ہوں۔ اب آپؐ اسی سوچ میں رہنے لگے۔ آپؐ کا دل کاروبار سے اُچاٹ ہو گیا۔ سب سے الگ تھلگ رہتے۔ آپؐ بستی سے نکل کر پاس ہی ایک پہاڑ کی طرف چلے جاتے۔ اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ اس کا نام "حرا" ہے۔ آپؐ غار حرا میں چلے جاتے۔ گھنٹوں بیٹھے سوچا کرتے کہ پیدا کرنے والے کی عبادت کیسے کرنا چاہیئے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ کئی کئی دن آپؐ غار میں رہتے۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کو وہیں کھانا دینے خود جاتی تھیں۔

## حضرت جبریلؑ کا آنا

ایک دن کی بات ہے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ رمضان کے مہینے کی بیس تاریخیں گزر چکی تھیں۔ مہینہ پورا ہونے میں دس دن باقی تھے۔ ابھی دس دنوں کی کسی ایک رات آپؐ غار حرا میں تھے کہ اچانک حضرت جبریلؑ آ گئے۔ جبریلؑ اللہ کے سب سے بزرگ فرشتے ہیں۔ وہی نبیوں کے پاس اللہ کے پیغامات لایا کر

تھے۔ فرشتے کو دیکھ کر آپؐ گھبرا گئے۔ حضرت جبریلؑ نے آکر آپؐ سے کہا "پڑھو"۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ سن کر فرشتے نے آپؐ کو پکڑا اور بھینچا۔ ایسا بھینچا کہ آپؐ تھک گئے۔ فرشتے نے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھو۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے پھر آپؐ کو بھینچا یہاں تک کہ آپؐ تھک گئے۔ اس کے بعد چھوڑ کر پھر کہا کہ پڑھو۔ لیکن تیسری بار بھی حضورؐ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

بات یہی تھی کہ آپ اُمّی (بے پڑھے) تھے۔ تو پڑھتے کیا؟ حضرت جبریلؑ نے پھر بھینچا۔ اس کے بعد آگے آگے وہ پڑھتے گئے اور حضورؐ سن کر وہی دہراتے گئے۔ حضورؐ کو حضرت جبریلؑ نے پہلی بار یہ پانچ آیتیں پڑھوائیں:۔

---

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ ۝۵

پڑھ، اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تیرا رب بڑا کرم کرنے والا ہے۔ اُس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

---

حضرت جبریلؑ نے یہ آیتیں پڑھوا کر سب سے پہلی یہ بات بتائی کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر کام شروع کرنا چاہیئے۔ دوسری بات یہ بتائی کہ پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ پھر انسان کو اس کی حقیقت سمجھائی گئی کہ لوتھڑے سے بنا، اور اُس اللہ کرم کرنے والے نے انسان کو قلم سے لکھنے کا علم دیا، اور انسان

کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے حکم سے آپ کو بتایا کہ اب آپ نبی مقرر کئے گئے ہیں۔ اب آپ اللہ کے بندوں کو اللہ کے حکم پہونچائیں گے اور ان حکموں پر چلنا سکھائیں گے۔ یہ بتا کر حضرت جبرئیل چلے گئے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس بھاری ذمہ داری کو سوچ کر کانپنے لگے۔ گھبرا گئے۔ اسی وقت غار سے نکلے۔ جلدی جلدی گھر آئے۔ بی بی خدیجہؓ سے کہا "مجھے اڑھا دو۔ مجھے اڑھا دو۔"

بی بی خدیجہؓ بہت سمجھدار تھیں۔ انھوں نے حال پوچھا۔ آپؐ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا۔ انھوں نے کہا آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپؐ اس بوجھ کے سنبھالنے کے لائق ہیں۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا۔ وہ آپکو رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ تو بڑے اچھے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ محتاجوں اور غریبوں کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ آپؐ اس لائق ہیں کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا۔ میں اس بات کو مانتی ہوں۔ آپؐ کو نبی ہونا ہی چاہیئے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو نبی مان لیا۔ تمام مردوں اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ سب سے پہلی مسلمان خاتون ہیں۔

ایک یوروپین عالم نے حضورؐ کے نبی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ بتایا ہے کہ آپؐ کی بیوی نے آپؐ کو کسی جھجک کے بغیر نبی مان لیا کیونکہ بیوی سے زیادہ کوئی کسی کی اچھائی برائی نہیں سمجھ سکتا۔ شوہر کی غلطی بیوی سے نہیں چھپ سکتی۔ وہ پندرہ برس سے حضورؐ کو دیکھ رہی تھیں کہ آپ کتنے بلند انسان ہیں۔ اس لئے حضورؐ کو نبی ماننے میں انھوں نے کوئی جھجک محسوس نہ کی۔

# ورقہ بن نوفل کی گواہی

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بھی بُت پرستی چھوڑ کر موحد ہو گئے تھے۔ دینِ حنیف کی تلاش میں عیسائی ہو چکے تھے لیکن مطمئن نہیں تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا خیال تھا کہ وہ بھی حضورؐ کے نبی ہونے کو تسلیم کرلیں گے کیونکہ وہ توریت اور انجیل کے بڑے عالم ہیں۔

ورقہ بن نوفل حضورؐ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ پوچھا "بہن! کیسے آئیں؟" انھوں نے کہا "بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنئے۔ اس کے بعد سارا قصہ سُنا۔ ورقہ بن نوفل نے بڑے دھیان سے سُنا، پھر بولے:

"یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ اللہ کے حکم لایا کرتا تھا۔ دیکھو سُنو، جب تم اپنی قوم کو اللہ کے حکم سُناؤ گے تو تمہاری قوم تم کو گھر سے بے گھر کر دے گی"

حضورؐ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟" ورقہ نے کہا "ہاں، خدا کی قسم، جو کچھ تم لے کر آئے ہو، اسے جو بھی لایا ہے، اس کے ساتھ اس کی قوم نے دشمنی ہی کی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری مدد کروں گا"

حضرت خدیجہؓ آپؐ کو گھر واپس لے آئیں۔ آپؐ نے اپنے بچپن کے دوست حضرت ابوبکرؓ، اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؓ اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے کہا تو ان تینوں نے بھی آپؐ کو نبی مان لیا اور ایمان لے آئے۔ وہ قریبی لوگ تھے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ آپؐ کی عادتیں اور سارے کام اُن کے سامنے تھے۔ ان سب نے آپؐ کو نبی مان لیا

ایک اَور صاحب بھی حضورؐ کے پاس آیا کرتے تھے اَور آپؐ سے ملا کرتے
ھے۔ اُن کا نام بلال تھا۔ حضرت بلالؓ حبشی تھے اَور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔
ا صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی بتایا اَور وہ بھی آپ پر ایمان لے آئے اَور مسلمان
گئے۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو وضو کرنا اَور نماز پڑھنا سکھایا جس
ح حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو وضو کرنا اَور نماز سکھائی تھی۔ ایک دن حضور صلی اللہ
ہ وسلم حضرت علیؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ اچانک وہاں ابوطالب
نچ گئے۔ پوچھا "یہ کیا؟" آپؐ نے بتایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ
کی عبادت کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ آپؐ نے جواب دیا "ہمارے دادا حضرت
ہیمؑ کا یہی طریقہ تھا۔" یہ سن کر ابوطالب بولے "خیر، میں تو اسے قبول کرنے کیلئے
ہیں ہوں لیکن تم کو اجازت ہے۔ کوئی تم کو اس طرح عبادت کرنے سے روک
ہ سکتا۔"

## دین پھیلانے کا کام شروع

● احتیاط :۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے
حکمت بھی عطا فرمائی تھی۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر اَور بڑی
بوجھ کے ساتھ ایک بات دل میں طے کر لینا کہ اس طرح بات کرنے اَور
رح کام کرنے سے لوگوں کے دل میں بات بیٹھ سکتی ہے اور وہ بات کو سمجھ
یں، تب لوگوں کے سامنے بات پیش کرنا۔ نبی صلے اللہ علیہ کو یہ حکمت اللہ تعالیٰ
بی کی پوری دی تھی۔
جب آپؐ نبی ہوئے تو اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ کسی کے دھرم اَور دین کو

بدل دینا آسان کام نہیں ہے اور یہ کہ اپنے کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھالنا اور دوسروں کو اسی طرح تیار کرنا بھی بہت کٹھن کام ہے۔ اس لئے آپؐ نے اسلام کی تبلیغ میں جلدی نہیں کی۔ آپؐ نے سوچ سمجھ کر بڑی حکمت کے ساتھ کام شروع کیا۔ پہلے پہل اپنے سب سے زیادہ قریبی، ذہین دوستوں اور نیک دل لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انھیں بتایا کہ اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے ذمہ دار بنایا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی مرضی بتاؤں۔ خود اللہ کی مرضی پر چلوں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دوں اور بتاؤں کہ اللہ کی مرضی پر اس طرح چلو۔

مسلمان ہونے والے حضورؐ سے دین کی باتیں سیکھنے لگے۔ نماز پڑھنے لگے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر جوان عمر کے لوگ تھے۔ وہ سب مکّے کے سرداروں میں سے تھے یا سرداروں کے بیٹے تھے اور بہت ہی جوشیلے تھے۔ دو چار ہی بڑی عمر کے لوگ تھے، وہ بھی سب چالیس سے کم ہی تھے جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ ابوبکرؓ کی عمر اس وقت ۳۷ سال کی تھی۔ باقی سب لوگ ان سے کم عمر کے تھے۔ صرف حضرت سمّیہ اور ان کے شوہر حضرت یاسر دو آدمی بڑی عمر کے تھے۔

حضورؐ کے ان ساتھیوں میں ابوبکرؓ نے پوری بات فوراً سمجھ لی تھی۔ وہ مکّہ کے مانے ہوئے سردار اور سمجھدار آدمی تھے۔ بڑے بڑوں سے اُن کا میل جول تھا۔ انھوں نے بہت سے سرداروں کے لڑکوں کو اسلام کی بات سمجھائی اور انھیں حضورؐ کے فداکاروں میں شامل کر دیا۔ پھر جو مسلمان ہوتا وہ اپنے کسی قریب ترکو اسلام کی باتیں سمجھاتا۔ اس طرح سلسلہ چلا۔ چپکے چپکے تین سال تک اسی طرح کام ہوتا رہا۔ کام تو چپکے چپکے ہوا لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی نے جانا ہی نہیں۔ کسی نے کسی کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ٹوکا۔ کسی نے کسی سے کچھ سُن گن پائی اور روکا۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ آپ سے آپ بات کھل گئی اور لوگ چوکنّا ہونے لگے۔ اس طرح کے

سارے واقعات لکھنا مشکل ہے۔ کچھ واقعات نیچے لکھے جاتے ہیں۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ شروع شروع میں حضورؐ نے کس طرح دین پھیلایا۔

(۱)

ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو ابوطالب نے دیکھ لیا اور ٹوکا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ دین ابراہیم یہی ہے۔ ابوطالب نے حضورؐ کو اس طریقے سے روکنے کے بدلے حوصلہ افزائی کی اور اپنے دوسرے بیٹے یعنی حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفر سے کہا کہ تم بھی بھائی کا ساتھ دو جبکہ اپنے بارے میں صاف کہہ دیا کہ میں اس دین کو قبول نہیں کرسکتا۔

(۲)

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص مسلمان ہوئے تو یہی کوئی سترہ اٹھارہ برس کے جوشیلے نوجوان تھے۔ رشتے میں حضورؐ کے ماموں لگتے تھے اور مکے کے ایک بڑے سردار کے بیٹے تھے۔ ایک بار اُن کے جوش سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں مکے والوں سے جھگڑا نہ ہو جائے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ آپؐ مسلمانوں کے ساتھ الگ ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھ لیا اور سخت سُست کہنے لگے۔ کسی نے حضورؐ کا نام لے کر گالی دی تو حضرت سعدؓ کو برداشت نہ ہوا۔ سامنے اُونٹ کی ہڈی پڑی تھی۔ اُٹھا کر گالی دینے والے کو ماری تو اس کا سر پھٹ گیا۔ یہ شخص عبداللہ بن خطل تھا۔ اپنے خاندان کے بڑے سردار کا بیٹا تھا۔ یہ زخمی ہوا تو شور مچ گیا۔ بڑی مشکل سے حضورؐ نے قابو پایا۔ پھر آپؐ نے اپنے قریبی رشتہ دار اور مخلص مسلمان حضرت ارقم بن ابی ارقم کے گھر کو اسلامی مرکز بنا دیا کہ اب مسلمان یہاں جمع ہوا کریں۔ یہیں نماز پڑھیں، یہیں مشورہ ہو۔ یہیں لوگ اپنی اپنی رپورٹ پیش کریں۔ یہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مسلمان ہونے والوں کی تربیت فرماتے

تھے۔ حالت یہ تھی کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا وہ دوسروں کو مسلمان بنانے کی کوشش میں لگ جاتا۔ اس تبلیغی کام میں حضرت ابوبکرؓ سب سے زیادہ کامیاب رہے۔ انھوں نے اُونچے اور بڑے خاندان کے ذہین نوجوانوں کو نشانہ بنایا۔ ملاقاتیں کر کے سمجھانا شروع کیا۔ ان کی کوشش سے سعد بن وقاص، ابوعبیدہ بن جراحؓ، زبیر، طلحہ، عثمان اور ایسے ہی بہت سے سردار زادے مسلمان ہو گئے۔ سمجھانے کا طریقہ کچھ ایسا تھا کہ گویا توحید پلا دیتے تھے اور جنت اور دوزخ کا ایسا نقشہ کھینچتے کہ لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ جاتا۔

ایک بار ایک نوجوان دوست طلحہ نے اپنا خواب بتایا کہ میں ایک آگ کے گڑھے کے پاس کھڑا ہوں اور کودنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آئے اور پیچھے سے میری کمر پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا "خدا کی قسم! تم ضرور مسلمان ہو جاؤ گے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ جلدی کرو!" یہ سُن کر طلحہ اُن کے ساتھ ہو لئے اور حضورؐ کے قدموں میں آ گرے۔

ایک اور نوجوان تھے طلیب۔ طلیب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپی اروی کے بیٹے تھے۔ اروی اور ابولہب ایک ماں سے تھے۔ اس طرح ابولہب حضرت طلیب کا ماموں تھا۔ طلیب چودہ برس ہی کے تھے کہ مسلمان ہو گئے۔ آگے چل کر انھوں نے اپنی ماں اروی کو مسلمان کیا۔ ان کا قصہ بہت ایمان افروز بھی ہے اور اُنکی فدائیت کا ایک نمونہ بھی۔

نبی کریمؐ کو جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب کھلم کھلا سب کو دین کی طرف بلاؤ تو آپؐ کا چچا ابولہب سب سے زیادہ آپؐ پر ناراض ہوا اور بہت سخت وسست کہا۔ یہ واقعات ہم آگے بیان کریں گے۔ یہاں صرف حضرت طلیبؓ اور حضرت اروی سے متعلق عرض کر رہا ہوں۔ نوجوان طلیب نے سُنا کہ ماموں نے حضورؐ کی بہت

توہین کی۔ بس پھر کیا تھا۔ نوجوان طلیب کو جوش آگیا۔ عمر چودہ سال کی تھی لیکن وہ بڑی ہمت کے نوجوان تھے۔ ماموں کی تلاش میں نکلے۔ ایک جگہ دیکھا تو پکڑا اور باندھ کر ڈال دیا اور کہا کہ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو تیری خیر نہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ بڑے بڑے سردار ابولہب کی یہ درگت دیکھ کر ہنس رہے تھے اور کسی نے بڑھ کر طلیب کو نہ روکا نہ ٹوکا۔

پھر طلیب لپک کر ماں کے پاس پہونچے اور کہا "ماں! ایک شخص کسی ایک بڑے کا غلام ہو تو یہ اچھا ہے یا یہ کہ وہ بہتوں کا غلام ہو؟" ماں نے جواب دیا کہ "بیٹا ایک کی غلامی اچھی ہوتی ہے"۔ اب بیٹے نے کہا "تو پھر ماں! آپ کے بھتیجے ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ "اِلٰہ" اللہ ہی ہے"۔

نوجوان بیٹے کا یہ طرز استدلال دیکھ کر ماں خوشی سے اچھل پڑیں اور بولیں "بیٹا! دیر نہ کر، جلدی جا اور اپنے بھائی کی مدد کر"۔ نوجوان طلیب نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور واقعہ کہہ سنایا "آپ کے بھائی صاحب نے حضورؐ کی توہین کی تو میں نے پورا بدلہ لے لیا"۔ اتنے میں ابولہب آگیا اور بہن سے شکایت کی تو بہن نے کہا "طلیب نے بہت اچھا کیا"۔ پھر طلیب سے کہا کہ بیٹا پھر کبھی ایسا ہو تو اپنے بھائی کی مدد کرنا۔ نوجوان طلیب نے کہا کہ امّی آپ بھی مسلمان ہو جائیے۔ جواب ملا "بیٹا! میں اپنی بہنوں کے مسلمان ہونے کا راستہ دیکھ رہی ہوں"۔

"اور اگر آپ اس لمحے کے بعد مر گئیں تو کیا ہوگا"۔

نوجوان بیٹے کی زبان سے برجستہ یہ فقرہ نکل گیا تو حضرت اروی اٹھیں۔ بیٹے کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں پہونچیں اور مسلمان ہو گئیں۔ وہیں اُن کو یہ خوشخبری ملی کہ بہن صفیہ (حضرت زبیرؓ کی والدہ یعنی حضورؐ کی دوسری پھوپی) مسلمان ہو چکی ہیں۔

کئی سرداروں کے نوجوان بیٹے مسلمان ہوئے تو ان کی ماؤں نے غصے میں

کھانا اور بیٹوں سے بولنا چھوڑ دیا تو ان نوجوانوں نے حضورؐ سے دعا کے لئے کہا حضورؐ نے دعا کی تو ان نوجوانوں کی مائیں مسلمان ہو گئیں۔ چونکہ یہ کئی نوجوانوں کا ملا جلا واقعہ تھا اس لئے میں نے ایک جگہ لکھ دیا۔

اس طرح چپکے چپکے تین برس حضورؐ کے ساتھ مسلمان ہونیوالے مردوں اور مسلمان ہونے والی عورتوں نے اپنے اپنے گھرانوں اور رشتہ داروں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ کسی نے اپنے بھائی کو مسلمان کیا کسی نے اپنی بیوی کو، کسی عورت نے اپنے شوہر کو مسلمان کیا کسی نے چچا کو، کسی نے ماں کو مسلمان کیا کسی نے باپ کو اور کسی نے ماموں کو۔ اس طرح بڑے بڑے سرداروں کے گھرانوں کے ۱۱۸ آدمی مسلمان ہو گئے۔ ان میں ۹۷ مرد اور ۲۱ عورتیں تھیں۔ غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ غلاموں میں پانچ مرد تھے اور لونڈیوں میں چھ عورتیں۔ اس طرح ۱۲۹ آدمی مسلمان ہو گئے۔ ان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے چار مسلمان شامل کر لئے جائیں یعنی حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ، زید بن حارثہ اور علی رضی اللہ عنہم تو کل تعداد ۱۳۳ ہوتی ہے۔ یہ سب کتنے پائے کے لوگ تھے، میں صرف چند کے نام لکھتا ہوں۔ ان سے اندازہ لگائیے کہ کیسے کیسے آسمانوں کے تارے اسلام کی گود میں آگرے۔

- حضرت جعفر بن ابی طالبؓ۔ ان کو ان کے والد نے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ حال پچھلے صفحوں میں آ چکا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے اپنی بیوی اسماء بنت عمیس کو مسلمان کیا۔
- حضرت صفیہ، اروی۔ حضورؐ کی دو پھوپھیاں حضرت صفیہ اور حضرت حمزہؓ ایک ماں سے تھے اور ابولہب اور اروی ایک ماں سے
- حضرت ابو حذیفہؓ مشہور سردار عتبہ بن ربیعہ کے صاحبزادے ہیں

عتبہ جنگ بدر میں قریشی لشکر کا سپہ سالار تھا اور حضرت حمزہؓ کی تلوار سے قتل ہوا تھا۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنی بیوی سہلہ کو مسلمان کیا جو مشہور سردار سہیل بن عمرو کی بیٹی تھیں۔ ان دونوں کو عتبہ نے بہت ستایا۔

○ حضرت عثمانؓ، حضورؐ کے داماد، یہی آگے چل کر خلیفہ سوم ہوئے، انھوں نے اپنی والدہ اروی بنت کریز کو مسلمان کیا۔ ان کے چچا نے دونوں کو باندھ کر مارا پیٹا۔

○ خالد بن سعید بن العاص۔ ان کی بیوی اُمیمہ، ابی سفیان کی بیٹی .... امّ حبیبہ۔ یہ سب حضرت عثمانؓ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ یہ سب بنوامیہ کے بڑے لوگوں کی اولاد سے تھے۔

○ ابوبکرؓ نے اپنی بڑی بیٹی اسماء، بیوی ام رومان، نوجوان دوست طلحہ بن عبداللہ اور حارث بن خالد کو مسلمان کیا۔ طلحہ نے اپنی والدہ بنت الحضرمی کو مسلمان کیا۔

○ زبیر (حضرت صفیہ کے شوہر) اور خالد بن حزام۔ یہ نوجوان خدیجہؓ کے بھتیجے اور ابوبکرؓ کے دوست تھے۔

○ عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابوبکر کے دوست۔ یہ مسلمان ہوئے اور اپنی والدہ مشفاء کو مسلمان کیا اور اپنے چچازاد بھائی مُطّلب بن ازہر کو اور طلیب بن ازہر کو اور رملہ بنت ابی عوف کو مسلمان کیا۔

○ سعد بن ابی وقاص۔ بڑے گھرانے کے نوجوان تھے۔ بہت جوشیلے حضور کے ماموں لگتے تھے۔ یہ گھر میں کھلم کھلا تبلیغ کرتے تھے۔ اپنے دو بھائیوں عمرؓ اور عامر کو مسلمان کیا۔ یہ دونوں بھی بڑے جوشیلے تھے یہ تینوں بھائی اپنی ماں کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ کئی بار ایسا

ہوا کہ کافروں کو برابر کا جواب دیا۔ ایک بار حضرت سعدؓ نے ایک کافر کو ہڈی پھینک ماری کہ اس کا سر کھل گیا۔

○ دو مشہور سردار زادے اور نہایت جوشیلے نوجوان عبداللہ بن مسعود اور عتبہ بن مسعود۔

○ حضرت شرجبیلؓ۔ انھوں نے اپنے دو بھائیوں جابرؓ اور جنادہؓ کو مسلمان کیا۔

○ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔ بہت مشہور ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت زید بن عمرو زمانہ جاہلیت میں شرک سے بیزار ہو گئے تھے اور موحد بن گئے تھے۔ اُن کے چچا نے اس 'جرم' میں مکے سے نکلوا دیا تھا۔ ان کے بیٹے سعیدؓ مشہور سردار حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی تھے اور عمرؓ کی بہن فاطمہؓ انھیں بیاہی تھیں۔ فاطمہؓ نے اپنے بھائی عمرؓ کو مسلمان کیا۔ حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی زید بن خطاب مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اپنی بیوی لیلیٰ اور حضرت عامر کو مسلمان کیا۔ عامر کو خطاب نے اپنا منھ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔

○ مصعب بن عمیرؓ۔ مکے کے سب سے خوبصورت اور شاندار نوجوان۔ ماں باپ کے پیارے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان کیا۔ مسلمان ہوئے تو ماں باپ کا سارا لاڈ ختم ہو گیا۔ قید کر دیے گئے اور کھانا بند کر دیا گیا۔ بہت دکھ جھیلے۔ انھوں نے اپنے بھائی ابوالروم کو مسلمان کیا۔

○ عثمان بن مظعون۔ بہت عالی قدر سردار کے بیٹے۔ ان کے بیٹے سائب، دو بھائی قدامہ اور عبداللہ مسلمان ہوئے۔ اور بھی کئی عورتیں اور مرد مسلمان ہوئے

○ عبداللہ بن حذافہؓ۔ بہت مشہور سردار زادے۔ ان کے بھائی خنیس بن

حذافہ جو حضرت عمرؓ کے داماد تھے اور ام المومنین حضرت حفصہ
پہلے شوہر۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے خاندان کے گیارہ آدمیوں
کیا۔ وہ سب بڑے جری اور بہادر تھے۔

○ ابو سلمہ۔ بہت مشہور نوجوان۔ امّ المومنین حضرت ام سلمہ
پہلے شوہر۔ ابوجہل کے قریبی رشتہ دار تھے۔

○ عیاشؓ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کے بھائی)۔ حضرت خالد بن ولیدؓ
سپہ سالار کے چچازاد بھائی۔ ابوجہل نے ان کو بہت ستایا۔ انکی
اسماء بنت سلامہ۔ ان کے خاندان کے بڑے بڑے زبردست
نوجوان ولید بن ولید (حضرت خالد کے بھائی)، ہشام بن ابی حذ
وغیرہ سب مسلمان ہوئے۔ یہ سب ابوبکرؓ کے دوست تھے۔

○ ابو سبرہؓ۔ حضورؐ کی پھوپی برّہ کے بیٹے۔ ان کی بیوی ام کلثوم (حض
ابوجندل کی ماں) اور اُن کے گھرانے کے سات اور مرد عورتیں۔
میں ام المومنین حضرت سودہؓ بھی تھیں اور اُن کے پہلے شوہر سکران
اور حضرت ام مکتوم بھی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

○ ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ بہت مشہور ہیں۔ ابوبکرؓ کے ذریعہ مسلمان ہو
ان کے ساتھ پانچ اور سردار مسلمان ہوئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
امین الامت کہا کرتے تھے۔

○ حضرت طلیبؓ۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے ابولہب کو پیٹا تھا

اس رتبے کے ۱۳۲ جوانمرد مسلمان ہو گئے۔ یہ سب دشمن کے [illegible]
دھنی تھے۔ حق پر جمنے والے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے [illegible]
بڑی سے بڑی قوت سے لڑ جانے والے لوگ تھے۔

# کھلے عام دعوت اسلام

تین برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اب علی الاعلان کھلے عام تمام لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کی تربیت بھی حضورؐ کو سکھائی یہ کہ پہلے خود اپنے اسلام کا اعلان کرو کہ اول المسلمین میں ہوں۔ اس کے بعد وَاَنذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرو۔ پھر پڑوسیوں کو اور پھر مکے والوں کو، اس کے بعد مکےؐ کے باہر والوں کو اسلام کی دعوت دو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کے ساتھ کام شروع کیا۔ حضورؐ کی دیکھا دیکھی مسلمان ہونے والے مردوں اور مسلمان ہونے والی عورتوں نے بھی اپنے اپنے گھر والوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ ان صحابہؓ کی کوششوں اور ان کوششوں کے نتیجے میں جو کچھ ہوا وہ سب بیان کریں گے لیکن پہلے ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ کا حکم پا کر کیا نمونہ پیش کیا اور اس کا اثر مکےؐ والوں نے کیا لیا۔

ہم حضورؐ کی پہلی کوشش کو قرآن کریم کی سورہ علق سے لے کر لکھتے ہیں۔ سورہ علق کی آیت ۹ سے آخر سورہ تک ملاحظہ ہو۔ قرآن ان الفاظ میں اس واقعہ کو بیان کرتا ہے:۔

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ۙ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ؕ اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَانَ

عَلَى الْهُدٰىٓ ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

تم نے دیکھا، اس شخص کو جو ایک بندے کو روکتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر وہ (بندہ) سیدھے راستے پر ہو یا پرہیزگاری اور تقویٰ کے لئے کہتا ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ روکنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے اس پیشانی کو جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔ وہ بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو۔ ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔ اس کی بات نہ مانو۔ سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔

اِن آیتوں کے بارے میں محدثین (حدیثیں جمع کرنے والوں اور مفسرین (قرآن کی تفسیر کرنے والوں) نے لکھا ہے کہ وہ بندہ جو نماز پڑھنے کھڑا ہوا تھا وہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور روکنے والا ابوجہل تھا۔ مفسرین کے اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِسلام کو ظاہر کیا اور اس طرح کہ حرم پاک میں قریشی سرداروں کے سامنے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر سمجھ لیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اپنا لیا ہے۔ اِس سے پہلے کسی مسلمان کی ہمت نہیں تھی کہ حرم پاک تو الگ رہا کسی

اُور کھلی جگہ پر نماز پڑھ سکتا۔ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں کہ ایک بار ایک گھاٹی میں حضرت سعد بن وقاصؓ کچھ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔مشرکین نے دیکھ لیا اُور مار کٹائی کی نوبت پہونچ گئی تھی۔لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسلام کھل کر پیش کیا جائے تو سب سے پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حرم پاک میں گئے اُور قریشی سرداروں کے سامنے نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔

علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ اسی نماز کو دیکھ کر مکے والوں نے سمجھ لیا کہ آپؐ کا دین اُن کے دین سے الگ ہے۔قریشی سردار یہ دیکھ کر تعجب میں پڑ گئے کہ محمدؐ نے یہ کیسی نماز شروع کر دی۔ابوجہل کو طیش اُور غصّہ آیا۔اس نے آپؐ کو روکنا چاہا۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا ''کیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منھ ٹیکتے ہیں؟'' لوگوں نے کہا ''ہاں''۔اس نے کہا ''لات وعزّیٰ کی قسم اگر میں نے اس طرح اُن کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اُن کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اُور اُن کا منھ زمین میں رگڑ دوں گا۔'' اس کے بعد ایک دن حضورؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر اس ارادے سے بڑھا کہ آپؐ کی گردن پر پاؤں رکھے مگر لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اُور اپنا منھ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ کیا ہو گیا تو اس نے بتایا ''میرے اُور اُن کے درمیان آگ کی ایک خندق اُور ایک بھیانک چیز تھی اُور کچھ پر تھے۔'' نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اس کے چیتھڑے اُڑا دیتے۔''

ایسی بات کئی بار ہوئی۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ حرم میں مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ادھر سے ابوجہل گزرا تو اس نے کہا ''محمدؐ! کیا میں نے تم کو اس سے روکا نہ تھا؟'' آپؐ نے

اس کی بات سنی اور جھڑک دیا۔ اس پر اس نے کہا "اے محمد! تم کس بل پر مجھے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم اس وادی (مکہ) میں میرے ساتھی زیادہ ہیں۔"

دیکھا آپ نے! حرم پاک میں سب سے پہلے حضورؐ نے نمازیں پڑھ پڑھ کر صاف صاف بتا دیا کہ اب ہمارا دین اسلام ہے اور ہم اس پر عمل کر کے رہیں گے۔ اور سب سے پہلا شخص ابوجہل تھا جس نے آپؐ کو روکا ٹوکا اور آپ سے جھگڑنے لگا تھا۔

اس کے بعد قریش کے سردار بھی آپؐ کو نماز سے روکنے لگے لیکن حضورؐ حرم میں نماز پڑھنے سے نہ رکے۔ اس کا اشارہ بھی قرآن میں ہے۔ فرمایا:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا

اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کو (اللہ کو) پکارنے کے لئے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ (سورہ جن ۔ ۱۹)

## دوسری کوشش ۔ خاندان کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کو اپنے یہاں بلایا۔ حضرت علی جو اس وقت بارہ تیرہ برس کے تھے ان سے کہا کہ گھر والوں کو بلا لاؤ۔ حضورؐ کے بلانے پر ۴۵ آدمی آ گئے لیکن اس سے پہلے کہ حضورؐ کچھ کہتے، ابولہب (حضورؐ کا چچا) بولا "یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی موجود ہیں۔ جو کچھ چاہو کہو مگر دین سے پھرنے کی بات نہ کرو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہاری قوم سارے عرب سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتی اور تمہارا ہاتھ پکڑنے اور تم کو روکنے کے سب سے زیادہ حقدار تمہارے اپنے ہی خاندان کے لوگ ہیں۔ اگر تم یہی کام کرتے رہے جو کر رہے ہو تو تم کو روکنا ان کے لئے اس سے زیادہ ہلکی بات

...پر قریش کے دوسرے خاندان ٹوٹ پڑیں اور عرب اُن کی مدد کریں میں
...شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنے گھرانے پر اس سے زیادہ سخت آفت لایا ہو
...لے آئے ہو۔"

**نوٹ کر لیجیے** کہ ابوجہل کے بعد دوسرا شخص جس نے حضور صلے اللہ
...وسلم کو دھمکایا اور اسلام پھیلانے سے روکا وہ حضورؐ کا چچا ابولہب تھا۔ پہلے دن
...مجلس کو درہم برہم کر دیا لیکن دوسرے دن آپؐ نے پھر سب کو بلایا اور
...پیش کی۔ فرمایا کہ اللہ نے مجھے اپنا نبی بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ایک اللہ
...سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

یہ سُن کر آپؐ کے سرپرست چچا ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب
...دین نہیں چھوڑ سکتا مگر جس کام کا حکم تم کو دیا گیا ہے اُسے تم کرو۔ میں تمہارا ساتھ
...اور تم کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ بڑے بھائی سے ابولہب نے یہ سُنا تو بولا کہ
...کی قسم یہ بہت بری بات ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ
...دوسرے پکڑیں۔ ابوطالب نے کہا "خدا کی قسم ہم اس کی حفاظت کریں گے جبتک
...ہماری جان میں جان ہے۔"

روایات میں آتا ہے کہ اس دن آپؐ نے جو تقریر فرمائی وہ بہت ہی اثر کرنے
والی تھی۔ آپؐ نے اپنے گھر والوں کے نام لے لے کر پکارا۔ اے عبدالمطلب کے
فرزندو (یعنی میرے بھائیو)! یا عبّاس (حضورؐ کے چچا)! یا صفیہ (پھپی)! یا فاطمہ
بنت محمدؐ! تم سب اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ مجھ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ
میں تم کو اللہ کی پکڑ سے بچا لوں۔ ہاں، میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔

**نوٹ کر لیجئے**۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اول دن ہی اس نسبی غرور
کی جڑ کاٹ دی کہ نبی کے گھر والوں کو، چاہے وہ بڑے ہی ہوں، اللہ اپنے نبی

کے طفیل بخش دے گا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو یہی غرور ہے اور آج کل بہت سے بناوٹی پیر بھی مسلمانوں کو بہکاتے پھرتے ہیں کہ ہمارے مرید ہو جاؤ۔ ہم تم کو آخرت کے دن بخشوالیں گے اور تم کو سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ملے گی۔

ایک روایت میں اس طرح بھی ہے کہ آپؐ نے جب گھر والوں کو اپنی حمایت کے لئے ابھارا تو سب خاموش رہے لیکن حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا "میں آپؐ کا ساتھ دوں گا حالانکہ اس وقت میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ حالانکہ اس وقت میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ حالانکہ میں کمسن ہوں۔"

## تیسری کوشش۔ قریش کے تمام گھرانوں کو اسلام کی طرف بلانا

اس کے بعد آپ نے تیسرا قدم اٹھایا۔ ایک روز صبح سویرے صفا پہاڑ کی سب سے اونچی جگہ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے پکارا "یا صباحاہ (ہائے صبح کا خطرہ)! اے قریش کے لوگو!" (آپ نے ایک ایک گھرانے کا نام لیا۔ روایات میں یہ نام آئے ہیں)

عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ 'یا صباحاہ' پکارنے لگتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔

ایسا ہی ہوا۔ حضورؐ کی پکار سنتے ہی سب لوگ گھروں سے نکل آئے۔ جو خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے کسی کو بھیجدیا کہ دیکھے کیا بات ہے۔ جب سب لوگ آگئے تو آپؐ نے فرمایا "لوگو! اگر میں تم کو بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ جانو گے؟" سب نے کہا "ہاں! ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔" آپؐ نے فرمایا "اچھا تو میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ خدا کا عذاب آنے سے پہلے اپنی جانوں کو

اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف وہی لوگ ہوں گے جو متقی ہوں گے، اللہ سے ڈرنے والے اور اس کے حکموں پر چلنے والے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر جائیں اور تم لوگ دنیا کا وبال سر پر اٹھائے ہوئے ہو۔ اس وقت تم 'یا محمد! یا محمد!' پکارو گے لیکن اس دن میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منھ موڑ لوں۔ ہاں دنیا میں میرا تمہارا خون کا رشتہ ہے اور یہاں میں تمہارے ہر کام آؤں گا۔ تم 'لا الٰہ الا اللہ' کہو۔ اس کلمہ کی بدولت عرب تمہارے تابع اور عجم تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔" اس پر ابولہب بول اٹھا تبًا لک ا لھٰذا جمعتنا (ناس جائے تیرا۔ کیا اسی لئے تو نے ہمیں بلایا تھا)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے پتھر اٹھا لیا تھا کہ آپؐ کو پھینک مارے۔

## تبلیغِ عام

اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق رسول کریمؐ اپنے گھرانے، پھر اپنے خاندانی لوگوں اور پھر مکّے کے تمام افراد تک اللہ کا پیغام پہونچا چکے تو پھر ہر اس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا جو باہر سے مکّے میں آیا یا بازار میں کسی سے ملاقات ہو گئی یا کہیں میلا لگا یا حج کا زمانہ آیا اور حاجی گروہ کے گروہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی ملے اور گروہوں کے سرداروں سے بھی۔ آپؐ سب سے کہتے "لوگو! کہو 'لا الٰہ الا اللہ'۔ فلاح پاؤ گے اور اس کلمے کی بدولت عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجم تمہارے قبضے میں آجائے گا اور جب تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں تم بادشاہ ہو گے۔"

آپؐ سب سے یہ کہتے اور پیچھے پیچھے ابولہب آکر آپؐ کی مخالفت کرتا۔ کہتا کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کی بات نہ مانو۔ اس کی بات سن کر لوگ الٹا دسرے

سے پوچھتے کہ یہ کون ہے اور یہ کون ہے۔ جب انھیں معلوم ہوتا کہ یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں، اور یہ اُن کا چچا ابولہب ہے تو لوگ کہتے "اے محمدؐ! تمہارے اپنے گھرانے کے لوگ اور تمہاری بستی والے ہی تم کو خوب جانتے ہیں۔ جب انھوں نے تمہارا ساتھ نہیں دیا تو ہم کیسے تمہاری بات مان سکتے ہیں۔" یہ جواب سُن کر حضورؐ بس یہ کہہ کر رہ جاتے "اے اللہ! اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے۔"

یہ تھا جوشِ تبلیغ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قرآنِ مجید کی آیتیں اور پوری پوری سورتیں، بارش کی طرح آپؐ پر برس رہی تھیں۔ آپؐ یہ سب اپنے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کو سُناتے۔ ان آیتوں اور سورتوں کی روشنی میں ساتھیوں کی تربیت فرماتے اور مکے والوں کے اعتراضات کا جواب بھی دیتے۔

صحابہؓ اور صحابیاتؓ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان آیتوں کو سُن کر گھر بیٹھ رہا ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک طرف اپنے کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا، اپنے اندر کی کھوٹ نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ بہترین انسان بنتے گئے، دوسری طرف ہر ایک نے جم کر اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کے سامنے بڑے جوش کے ساتھ اسلام پیش کیا۔ مکے کے ہر گھر میں کھلبلی مچ گئی۔ مکے والوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اب کسی کا بیٹا مسلمان ہو چکا تھا، کسی کا بھائی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی، کسی کا ملازم، کسی کی لونڈی وغیرہ۔ یہ دیکھ کر مکے کے سردار گھبرا اُٹھے۔ پھر وہ اس تحریک کو روکنے کی تدبیریں اور اسے کچلنے کے طریقے سوچنے لگے۔ ان سے جو ہو سکا وہ سب کر گزرے۔ انھوں نے ٹوکا روکا، اسلام کے نظریوں پر اعتراضات کئے، مسلمان ہو جانے والوں کو مارا پیٹا، قید کر دیا، قتل بھی کرنا شروع کر دیا، مگر اسلامی تحریک کو کسی طرح بھی دبا نہ سکے۔ قرآن کا فروں کی روک ٹوک، اُن کے اعتراضات کے جوابات دے رہا تھا اور مسلمانوں کو صبر کی

تلقین کے ساتھ یقین دلا رہا تھا کہ تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ اللہ کی نصرت اور مدد آنا ہی چاہتی ہے۔ اگلے صفحات میں اسی بات کو کھول کر بیان کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کی اخلاقی تعلیم کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ جو بھی مسلمان ہو جاتا ہے وہ کیسا بھلا آدمی ہو جاتا ہے اور حضورؐ کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر ۔۔ سی سرداروں کے دل آپؐ سے مرعوب ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے کچھ نمونے تو ہم اس جگہ بیان کرتے ہیں باقی اس ترتیب میں بیان کریں گے جو ترتیب دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں حضورؐ کے سامنے تھی اور تاریخ کے طور پر ہم تک پہونچی ہے۔

## کردار کا اثر

قرآن کی تعلیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار، آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا جوش تبلیغ اور مسلمان ہونے والوں کو بہترین انسان بنتے دیکھ کر ایک طرف تو قریشی سردار غصے کے مارے اپنی بوٹیاں کاٹے ڈال رہے تھے تو دوسری طرف ان کے دلوں پر حضورؐ کا رعب چھایا جا رہا تھا۔ ان کے سامنے حضورؐ کا بچپن بھی تھا، حضورؐ کی جوانی بھی تھی۔ انھیں یہ بھی یاد تھا کہ وہ محمدؐ کو امین و صادق کہہ چکے ہیں، حضورؐ کا بے داغ کردار ان کے سامنے تھا۔ سب اپنی آنکھوں دیکھے حالات اور پوری جانکاری سے پوری طرح سمجھ چکے تھے کہ یہ کوئی بہت ہی عظیم اور غیر معمولی انسان ہے جو ان کے شہر میں پیدا ہوا ہے۔ حضورؐ کے نبی ہونے سے پہلے یہ رعب ان کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ حضورؐ کے نبی ہونے کے بعد وہ یہ بھی سمجھنے لگے کہ کوئی غیبی طاقت اس شخص کے ساتھ ہے۔ مزیدار بات یہ کہ سب حضورؐ کے جانی دشمن ہو رہے تھے لیکن اگر کسی کو اپنی بڑی رقم یا قیمتی چیز امانت میں رکھنا ہوتی تو حضورؐ کی خدمت میں آتا اور کہتا "محمدؐ امین! یہ امانت رکھ لیجئے"۔ حضورؐ یہ خدمت فوراً منظور کر لیتے۔

یہ تھا وہ اخلاقی اور اسلامی رُعب کہ بڑے سے بڑا اور کٹر سے کٹر دشمن بھی آپؐ کے سامنے آتا تو ہستی گم کر بیٹھتا تھا۔ آپؐ کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا۔ آپؐ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کی مرعوبیت کا حال سنئے!

**پہلا واقعہ** ایک بار ایک شخص کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا۔ ابوجہل نے اس کے اونٹ خرید لیے۔ اس شخص نے قیمت مانگی تو ابوجہل ٹال مٹول کرنے لگا۔ وہ بے چارہ بہت پریشان ہوا۔ وہ حرم میں گیا۔ وہاں قریشی سردار بیٹھے تھے۔ اُن سے فریاد کی۔ دوسری طرف حرم کے ایک گوشے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ قریشی سرداروں نے اس شخص سے کہا کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ دیکھو، وہ صاحب جو اس کونے میں بیٹھے ہیں اُن سے جا کر کہو۔ وہ تم کو تمہارا روپیہ دلا دیں گے۔ وہ شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ ادھر قریشی سرداروں نے آپس میں کہا "آج مزہ آئے گا"۔ اس شخص نے جا کر حضورؐ سے ابوجہل کی شکایت کی۔ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف چل دئے۔ پیچھے سرداروں نے ایک آدمی لگا دیا کہ جو کچھ ہو اُس کی خبر لا کر دے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے دروازے پر پہونچے۔ کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے پوچھا "کون؟" آپؐ نے جواب دیا "محمد" (صلے اللہ علیہ وسلم)۔ ابوجہل حیران ہو کر باہر نکل آیا۔ آپؐ نے اُس سے کہا "اس شخص کا حق ادا کردو"۔ ابوجہل نے کچھ بھی نہ کہا۔ سیدھا گھر کے اندر گیا اور اونٹوں کی قیمت لا کر اونٹ والے کو دیدی۔ قریش کا مخبر یہ سب دیکھ کر حرم کی طرف دوڑا۔ سرداروں کو سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ واللہ! آج وہ عجیب معاملہ دیکھا ہے جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ حکم بن ہشام (ابوجہل) جب گھر سے نکلا تو محمدؐ کو دیکھتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور جب محمدؐ

اس سے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کردو تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ اس نے کچھ کہے بغیر رقم دے دی۔

## دوسرا واقعہ

ایک شخص تھا۔ اس کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ وہ شخص مرنے لگا تو اس نے ابوجہل کو بلایا۔ گھر کا مال اور وہ بچہ اسے سپرد کیا کہ اس کی نگرانی کرے۔ یہ وصیت کرکے وہ شخص مر گیا۔ دن کٹنے لگے۔ ایک دن وہ بچہ اس حال میں ابوجہل کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے۔ وہ بہت گڑگڑایا کہ اس کے باپ کے مال میں سے کچھ دیدے مگر اس ظالم کا دل نہ پسیجا۔ بچہ کھڑے کھڑے مایوس ہوگیا اور چلا گیا۔ قریشی سرداروں نے (شرارتاً) اس سے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے۔ وہ مال دلا دیں گے۔ بچہ بھولا تھا۔ وہ قریش کی شرارت کو نہ سمجھا۔ وہ کیا جانے کہ ابوجہل کا رویہ حضور کے ساتھ کیسا ہے اور یہ شریر لوگ اسے آپ کے پاس کیوں بھیج رہے ہیں۔ بچہ سیدھا حضور کے پاس پہونچا۔ اپنا حال کہا۔ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے گھر گئے۔ اس نے جیسے ہی حضور کو دیکھا استقبال کے لئے بڑھا۔ پھر جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دیدو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لاکر اسے دے دیا۔ قریش کے سردار تکتے رہ گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آج محمد اور ابوجہل میں کڑی جھڑپ ہو جائے گی مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ دیکھنے سب ہی گئے تھے پر تماشہ نہ ہوا۔ تو یہ لوگ حیران حیران ابوجہل کے پاس آئے اور بات ماری کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ بیٹھے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں ایسا حربہ ہے جو میرے اندر گھس

جائے گا اگر میں نے ذرا بھی اُن کی مرضی کے خلاف کیا۔

## تیسرا واقعہ

ایک دن رسول کریمؐ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کے ساتھ حرم میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ زُبَید کا ایک آدمی آیا۔ اس نے پکارا "قریش کے لوگو! تمہارے یہاں کون تجارتی مال لانے کی ہمت کرے گا جبکہ تم باہر سے آنے والوں کو لوٹ لیتے ہو؟" حضورؐ نے اس سے پوچھا "تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟" بولا "ابوالحکم (ابوجہل) نے۔ اُس نے مجھ سے تین اُونٹ خریدنے کی بات کی لیکن قیمت بہت کم لگائی۔ اب اس کے مقابلے میں کوئی شخص ان اونٹوں کو اس کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ پر خریدنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر میں اِس قیمت پر بیچ دوں تو بڑے گھاٹے میں رہوں گا۔ حضورؐ نے اُس سے تینوں اُونٹ خرید لئے۔ ابوجہل دور بیٹھا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ آپؐ اُس کے پاس گئے۔ ڈانٹا "خبردار! تم نے پھر کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جو اس غریب بدّو سے کی ہے تو میں بری طرح پیش آؤنگا۔"

وہ کہنے لگا "میں پھر کبھی ایسا نہ کروں گا۔" اس پر اُمیّہ بن خلف اور دوسرے سردار جو وہاں موجود تھے ابوجہل کو شرم دلانے لگے کہ تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے ایسی کمزوری دکھائی کہ شبہ ہوتا ہے تم آگے چل کر اُن کا دین اپنا لوگے۔" اس نے کہا "خدا کی قسم، میں اُن کی بات کبھی نہ مانوں گا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اُنکے دائیں بائیں کچھ لوگ نیزے لئے کھڑے ہیں۔ میں ڈرا کہ میں نے ذرا بھی اُن کا کہنا نہ مانا تو وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

## اعتراف

مکّے کے کٹر سے کٹّر دشمنِ اسلام اور نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے

مخالف اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جھوٹے نہیں ہیں ۔ وہ
سچّے ہیں ۔لیکن کچھ ہٹ دھرمی اور کچھ یہ کہ اسلام قبول کرلینے سے اُن کو مالی نقصان
ہوگا اِس لئے وہ اسلام قبول نہیں کرتے تھے ۔اس وقت اس طرح کی آیتیں
نازل ہورہی تھیں کہ تم سب ایک دوسرے سے بڑھ کر دولت کمانے کی کوشش
میں ہو اور دوزخ کی طرف جارہے ہو ۔حیف ہے اس پر جو اس سے روکتا ہے
کہ کوئی یتیم کو کھانا کھلاتا ہے ۔افسوس ہے اس پر جو گن گن کر پیسہ جمع کرنے میں
لگا ہے ۔فلاح پائیں گے وہ لوگ جو صدقہ کرتے ہیں ۔انفاق کرتے ہیں اور اللہ
نے انھیں جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے مسکینوں اور غریبوں کو دیتے ہیں ۔ اور یہ
اس طرح کی آیتیں کہ وہ کیسے برے لوگ ہیں جو کم تولتے ہیں ۔ڈنڈی مارتے ہیں ۔
پڑوسیوں پر ظلم کرتے ہیں ، بیاج کھاتے ہیں ، بیوہ عورتوں سے اس لئے نکاح
کرتے ہیں کہ ان بیواؤں کے یتیم بچوں کا مال ہڑپ کرلیں ۔ اور یہ کہ بتوں کی نذر کا
مال کھانا حرام ہے ۔اور یہ کہ سارے انسان ایک آدم و حوّا کی اولاد ہیں ۔ تم میں
شریف وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے ۔

یہ وہ بات تھی جس سے کفار مکہ کو مالی نقصان کا خطرہ تھا ۔یہ وہ بات تھی
جس سے اُن کے خاندانی وقار کو ٹھیس پہونچتی تھی اور اُن کا دھرم مٹتا نظر آتا تھا اور
یہی وجہ تھی کہ لوگ حضورؐ کے دشمن ہورہے تھے ۔وہ اپنی اس کمزوری کو اور
حضورؐ کے کردار کی بلندی کو محسوس کررہے تھے ۔اس لئے وہ حضورؐ سے آنکھ
نہیں ملا سکتے تھے ۔اس کی بہت سی مثالیں ہم آگے بیان کریں گے ۔ یہاں صرف
ابوجہل کا اعتراف دیکھئے جو حضورؐ کا سب سے بڑا دشمن تھا ۔وہ خود اپنی دشمنی
کا بھانڈا کس بھونڈے طریقے سے پھوڑا کرتا تھا ۔

◉ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے ، ایک

دن ابوجہل کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں حضورؐ مل گئے۔ آپؐ نے ابوجہل سے فرمایا "اے ابوالحکم! آجاؤ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف۔ میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔" وہ بولا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا تم ہمارے معبودوں کی برائی کرنے سے باز آتے ہو؟ تم یہی چاہتے ہو نا کہ ہم اس بات کی شہادت دے دیں کہ تم نے بات ہم تک پہونچا دی۔ تو ہم شہادت دیتے ہیں کہ تم نے بات ہم تک پہونچا دی مگر خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ تم حق پر ہو تو میں تمہاری بات مان لیتا اور جو تم کہتے وہ کرتا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ اب ابوجہل مجھ سے بولا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے لیکن ایک چیز مجھے روکتی ہے۔ قصیؔ کی اولاد (اس میں حضورؐ کا گھرانہ بھی تھا) نے کہا کہ حجابت (اہلِ مکّہ کی حفاظت کا نظم) ہمارے ہاتھ میں رہے گا۔ ہم نے کہا 'ہاں'۔ انھوں نے کہا کہ سقایت (حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) ہمارے ذمّے رہے گی۔ ہم نے اس کو بھی مان لیا۔ انھوں نے کہا ندوہ (پنچایت) بھی ہم میں رہے گا۔ ہم نے اسے بھی تسلیم کر لیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ لِوار (جھنڈا) بھی ہمارے پاس رہے گا۔ ہم نے اس پر بھی ہاں کر دی۔ پھر انھوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی کھلائے۔ یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے (یعنی اُن سے پیچھے نہیں رہے اور ہر کام میں اُن کی برابری کی) تو وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے، تو پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔ خدا کی قسم میں ہرگز یہ نہ مانوں گا۔"

ابوجہل کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے جلن یہ تھی کہ بنی ہاشم (ہاشم کی اولاد) ہم سے زیادہ عزت والی ہو جائے گی۔ یہ وہی حسد ہے جو شیطان کو آدمؑ سے ہو گیا تھا کہ مجھے محروم کر کے آدم کو کیوں خلیفہ بنایا گیا۔ یہی ابوجہل کو حسد تھا کہ ساری

ن ہاشمی خاندان کے نصیب میں کیوں چلی گئی اور ہم سب محروم ہیں۔ لیکن اس
ا کو کیا معلوم کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہ اللہ کا فضل ہے
جسے چاہے دیدے۔ یہ عزت کوئی اپنے بل بوتے نہیں پا سکتا)۔

◉ ایک بار ابوجہل سے حضورؐ کی ملاقات ہو گئی۔ اس نے بڑھ کر آپؐ سے مصافحہ کیا۔ ایک شخص نے اس سے کہا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم اس صابی (باپ دادا کے دین سے پھرے ہوئے) سے مصافحہ کر رہے ہو؟ ابوجہل نے الگ ہو کر اس سے کہا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ نبی ہیں مگر ہم کب بنی عبدمناف (یعنی حضورؐ کے گھرانے والوں) کے تابع ہیں۔"

◉ ابوجہل حضورؐ سے کہا کرتا تھا کہ ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے۔ ہم تو اس بات کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو (یعنے دین اسلام)

آخر میں بدنصیب قریشی سرداروں کی ہٹ دھرمی کا ایک دلچسپ پھپوان واقعہ سن لیجئے۔ اس کے بعد میں آگے حال عرض کروں گا۔

◉ ایک رات ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق الگ الگ نکلے تاکہ حضورؐ رات میں جو قرآن پڑھتے ہیں وہ سنیں۔ تینوں کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ صبح ہوئی تو انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہر ایک نے دوسرے کو ملامت کی اور عہد کیا کہ پھر ایسا نہ کریں گے لیکن قرآن کی فصاحت و بلاغت کی لذت پا چکے تھے۔ دوسری رات پھر ایسا ہی ہوا اور پھر صبح کو ایک نے دوسرے کو ملامت کی اور عہد کیا کہ اب ایسا نہ کریں گے لیکن تیسری رات پھر قرآن سننے انھیں کھینچا اور صبح کو ایک نے دوسرے کو دیکھا تو اخنس لاٹھی سنبھال کر ابوسفیان

کے سر ہو گیا کہ بتاؤ ٹھیک ٹھیک، محمدؐ سے جو تم نے سنا ہے۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا "واللہ! میں نے وہ باتیں سنی ہیں جنھیں میں سمجھتا ہوں اور ان کا مطلب بھی جانتا ہوں اور کچھ باتیں ایسی بھی سنی ہیں جن کا مطلب میں نہیں سمجھتا۔"

اخنس نے ابوسفیان سے یہ سنا تو بولا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ "ابوالحکم! جو کچھ تم نے محمدؐ سے سنا ہے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا "سنا کیا ہے" ہم میں اور بنی عبد مناف میں مقابلہ تھا کہ کون ایک دوسرے سے بڑھ کر رہے تو انھوں نے بھی مال خرچ کیا ہم نے بھی خرچ کیا۔ انھوں نے کھانے کھلائے، ہم نے بھی کھلائے انھوں نے حاجیوں کی خدمت کی اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھایا۔ ہم نے بھی یہ سب کیا۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کی ٹکر کے ہو گئے تو وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اب یہ ہم کہاں سے لائیں۔ خدا کی قسم، ہم اسے نہیں مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔"

ٹھیک یہی بات اخنس نے جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل سے پوچھی تھی تو اس وقت بھی ابوجہل نے اپنا یہی حسد اور تکبر اگلا تھا۔ انشاء اللہ جب ہم بدر کے حالات بیان کریں گے تو وہاں پھر یہ گفتگو نقل کریں گے۔

اس جگہ ابوسفیان کا ایک تائیدی بیان اور سن لیجیے۔ ابوسفیان کے بیٹے معاویہؓ (یہ دونوں باپ بیٹے آگے چل کر مسلمان ہو گئے تھے) بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میرے باپ میری ماں ہندہ کو اپنے ساتھ گدھی پر بٹھائے ہوئے اپنے صحرائی علاقے (بن) کی طرف جا رہے تھے اور میں ایک گدھی پر ان کے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ میرے باپ نے مجھ سے

کہا "تم اُتر جاؤ تاکہ محمدؐ تمہاری گدھی پر سوار ہو جائیں"۔ میں اتر گیا اور حضورؐ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر آپؐ نے میرے والد اور والدہ سے کہا "اے ابوسفیان اور اے ہندہ بنت عتبہ! خدا کی قسم تم سب ایک دن مرو گے اور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو نیک ہے وہ جنت میں جائے گا اور جو بد ہے وہ جہنم میں جائے گا"۔ پھر آپؐ نے سورہ حٰم سجدہ کی ابتدائی گیارہ آیتیں سنائیں اور گدھی سے اتر گئے اور میں سوار ہو گیا۔ راستے میں میری ماں نے میرے باپ سے کہا "اس جھوٹے جادوگر کے لئے تم نے میرے بیٹے کو سواری سے اُتارا"۔ میرے باپ نے جواب دیا "خدا کی قسم یہ شخص نہ ساحر ہے نہ جھوٹا"۔

## قریشی سرداروں کا یقین

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قریش کے وہی لوگ جو آپؐ کے کھلے دشمن تھے اور آپؐ کا راستہ روکے کھڑے تھے اپنے دلوں میں حضورؐ کی بزرگی کے قائل تھے۔ اس کا ثبوت بہت سے واقعات میں سے اس واقعے سے بھی ملتا ہے:

ایک بار مکّہ میں سخت قحط پڑا۔ مکّہ کے سارے لوگ چیخ اٹھے۔ اس وقت مکّہ کے سردار حضورؐ کی خدمت میں گئے۔ عرض کیا "آپؐ اپنی قوم کو اس آفت سے چھٹکارا پانے کے لئے دعا فرمائیں۔ اب ہم مردار، ہڈیاں اور کھالیں تک کھا رہے ہیں۔ آپؐ تو رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپؐ کی قوم کا یہ حال ہے لیکن آپؐ دعا نہیں کرتے۔ اس درخواست پر حضورؐ نے دعا فرمائی۔ دعا کے بعد خوب پانی برسا۔ ایسی بارش ہوئی کہ اب بارش رکنے کی دعا کرانے دوڑے۔ آپؐ نے پھر دعا کی۔ بادل سمٹ گئے۔

اس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک کا دل مانتا تھا لیکن اپنی

ہٹ دھرمی اور کچھ اپنے مالی نقصان کی وجہ سے اسلامی عقیدے اور نظریات پر اعتراض کرتے تھے۔ آپ کو جادوگر اور کاہن وغیرہ کہتے تھے مگر ان کا دل کہتا تھا کہ ہم یہ جھوٹ بک رہے ہیں۔ پھر بھلا وہ آپؐ سے کس طرح آنکھ ملاتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ جو تحریک لے کر محمدؐ کھڑے ہوئے ہیں وہ ترقی کرے۔ اُسے وہ مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انھوں نے کیا تدبیریں اور کوششیں کیں اور پھر جھنجلاہٹ میں اُن سے کیا حرکتیں ہوئیں؟ نمونے کے طور پر ان میں سے کچھ کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے:-

## اعتراضات

### ① بشر اور رسول؟

کفّارِ مکہ نے سب سے پہلے یہ اعتراض کیا کہ کوئی بشر رسول نہیں ہو سکتا اور تم بشر ہو، اس لئے رسول نہیں ہو۔ دراصل بات یہ تھی اور آج بھی ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذہبوں اور دھرموں نے لوگوں کو یہ عقیدہ دیا تھا کہ انسان اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔ دنیا میں جب جب اُدھرم پھیلا تو اُدھرم کو مٹانے کے لئے خدا خود ہی انسان کی شکل میں آیا۔ اس عقیدے نے کسی قوم کو 'اوتار' کا اور کسی قوم کو خدا کے 'باپ' ہونے کا تصور دیا۔ آج بھی آپ مسلمانوں میں تلاش کریں گے تو بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو رسول کو بشر اور انسان ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ایسے لوگوں کی سوچ، فکر اور سمجھ انھیں یہ سمجھاتی ہے کہ دنیا میں جتنے بزرگ اصلاح کے لئے آئے وہ سب کے سب بشر سے بڑھ کر خدائی صفت رکھنے والے تھے۔ مجھے ایک دن بڑی حیرت ہوئی جب ایک مولوی قرآن کی موجودگی میں مجھ سے اُلجھ پڑا۔

وہ کہتا تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہرگز بشر نہیں تھے۔ میں نے قرآن کی آیات پیش کیں تو اُس نے قبول نہ کیا۔ پھر میں نے کہا کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تھے تو کیا فرشتہ تھے؟ جواب دیا "نہیں"۔ پھر میں نے کہا "اگر فرشتہ نہیں تھے تو کیا ہندوؤں کے بعض دیوتاؤں کی طرح ایسے تھے کہ اُن کا سر انسان کا اور جسم ہاتھی کا یا کئی ہاتھوں اور سروں والے تھے؟" جواب دیا "نہیں"۔ "تو پھر کیا خدا تھے؟" جواب دیا "نہیں"۔ اِس سوال کے جواب کے بعد دوسرے نمازیوں نے (جو یہ گفتگو سُن رہے تھے) پوچھا "تو پھر کیا تھے؟" اُس مولوی نے کہا "وہ تو کچھ اور ہی تھے"۔

اُس کی ذہنیت پتہ دے رہی تھی کہ وہ زبان سے حضورؐ کو خدا کہنے سے گریز کر رہا تھا لیکن اس کا دل خدا ہی تسلیم کرتا تھا۔ میں نے ایسے لوگوں کے لٹریچر میں صاف صاف پڑھا ہے کہ محمدؐ کے روپ میں عرش والا ہی آ گیا تھا۔ اب بتائیے اِس عقیدے اور اوتار کے عقیدے میں فرق ہی کیا ہے؟"

اِس عقیدے نے لوگوں کے دل اور دماغ میں ایسی جڑ پکڑ لی تھی کہ جب کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں اللہ کا پیغام لے کر آیا اور کہا کہ "اِنِّی رَسُولُ اللہ" یعنے میں اللہ کا رسول ہوں تو لوگوں نے بڑی حیرت سے اُس کو دیکھا۔ اس کے بعد سوال پر سوال کرنے لگے۔ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے، شادی بیاہ کرتا ہے۔ ہماری طرح بیمار ہوتا ہے۔ ہماری طرح اِس کو بھی دکھ ہوتا ہے۔ ہماری طرح اسے بھی خوشی ہوتی ہے۔ وغیرہ۔

اِس طرح کے سوالات ہر نبی سے کئے گئے۔ اِس اعتراض کا نشانہ ہر نبی بنا۔ قرآن مجید میں ایسے اعتراضات کی بھرمار ہے۔ ایسے ہی اعتراضات حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئے۔ مکّے والوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک شخص جو

ہماری طرح ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک اور جسم و جان رکھتا ہے وہ اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ حیران ہو ہو کر پوچھتے تھے:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط (الفرقان ۷،۸)

یہ کیسا رسول ہے؟ جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہ اس پر کوئی فرشتہ اترا کہ اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا یا کم سے کم اس کے لئے کوئی خزانہ ہی اتارا جاتا۔ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس کے پھل کھاتا۔

اس طرح کی سوچ بشر کو رسول ماننے میں ہمیشہ رکاوٹ رہی ہے۔ اسلئے قرآن میں اس کو کھلی دلیلوں سے روکیا گیا۔ ساتھ ہی رسول کے بشر ہونے کی وجہ بھی بتادی۔ فرمایا:

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۹۵)

اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے (بسے ہوتے) تو پھر ہم بھی ان پر آسمان کے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

کیسی عمدہ وجہ بتا کر سمجھایا کہ رسول کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہونچادے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو ہدایت دے اس ہدایت پر کام کر کے دکھائے یعنی رسول نمونہ ہے لوگوں کے لئے اس بات کا کہ اللہ کے حکموں پر کس طرح چلا جائے۔ چونکہ زمین پر انسان چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہیں اس لئے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جانا ٹھیک ہے۔ رسول بتاتا ہے کہ انسان کو دنیا میں کس طرح رہنا چاہیے۔ کس طرح شادی بیاہ

کرنا چاہیئے کس طرح تجارت اور لین دین کرنا چاہیئے کس طرح جنگ کرنا چاہیئے اور کس طرح صلح کرنا چاہیئے، وغیرہ

اب ذرا بات عوامی ہو جائے گی مگر سمجھ میں آنے والی ہے اس لئے عرض کرتا ہوں۔ ایک رسول جس کا جسم انسان کا ہو اور سر ہاتھی کا، اور وہ سونڈ ہلاتا ہوا انسانوں کو رشکشا دینے اور بھاشن فرمانے چلے تو انسان کا حال کیا ہو گا۔ پھر جب عمل کا موقع آئے گا تو گت کیا بنے گی؟ قرآن نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور وہ انسانوں کے لئے نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن کے یہ زوردار الفاظ پڑھیئے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (الکہف ۱۱۰)

(اے محمد) کہہ دو کہ میں تو محض تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (یہ) کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے۔

ایک اور پتے کی بات سنئے۔ مکے والے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ سارے نبی اور رسول جو الگ الگ قوموں میں بھیجے گئے وہ سب ایسے ہی انسان تھے جیسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ اسی طرح کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے جس طرح ہر انسان کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (انبیاء ۸)

(اے محمدؐ) ہم نے تم سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا تھا وہ بھی آدمی ہی تھے جن پر ہم (وحی) نازل کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ ہم نے ان انبیا کو ایسے جسم نہیں دیئے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

کیسا عمدہ طرز بیان ہے۔ بات تو حضورؐ کو مخاطب کرکے کہی جارہی ہے لیکن اصل سنانا اعتراض کرنے والوں کو ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ (الرعد ۳۸)

اور ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے تھے اور ان کے لئے بیویاں بھی پیدا کی تھیں اور ان کو اولاد بھی دی تھی۔

قرآن کے یہ حوالے میں نے صرف تین جگہ سے دیئے ہیں ورنہ اس طرح کے سوال و جواب قرآن میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ قرآن کی اس وضاحت نے نہ صرف یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمام غلط عقیدوں کو رد کردیا بلکہ سارے انبیاؑ اور صلحاء کی ذات سے متعلق تمام دنت کتھاؤں کا بھی خاتمہ کردیا اب بھی کوئی بدنصیب قرآن سے ہٹ کر سوچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ مانے تو یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ ایسا انسان اگر مسلمان ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیئے۔

## (۲) رسول کا صاحب قدرت ہونا

دوسری چیز جس کو قرآن نے کھول کھول کر بیان کیا وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں کو خدائی میں کوئی قدرت حاصل نہیں تھی نہ رسولوں کو علم غیب تھا۔ وہ قسمتوں کے فیصلے بھی نہیں بدل سکتے تھے۔ ان کے بس میں یہ بھی نہ تھا کہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہونچا

سکیں اور نہ کائنات کی قوتیں اُن کے زیرِ اثر تھیں۔ وہ ایسے صاحبِ دل بھی نہ تھے کہ اپنی نظر کیمیا اثر سے لوگوں کی کایا پلٹ دیتے ہوں۔ دنیا میں ایسے خیالات پائے جاتے رہے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی خیالات مکہ والوں کے بھی تھے جن کی بنا پر وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کی مانگیں کرتے تھے۔ قرآن اُن کی سوچ اور فکر کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے جو وہ اعتراض کے طور پر کرتے تھے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

انھوں نے کہا، ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے (یعنی رسول نہ مانیں گے) جب تک تم ہمارے لئے زمین میں ایک چشمہ نہ نکال دو یا تمہارے لئے (ہماری آنکھوں دیکھتے دیکھتے) خرموں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور اس میں تم نہریں بہا دو یا جیسا تم کو زعم ہے (کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) تم آسمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور تمہارے چڑھنے پر بھی ہم اُس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک کہ ہمارے اوپر ایسی ہی ایک تحریر نازل نہ کرو جسے ہم پڑھیں۔ اے محمدؐ! ان سے کہو، پاک

ہے میرا رب۔ کیا میں پیغمبر ایک بشر کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں؟

عجوبہ پسند لوگوں کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔ مشرکوں ہی میں نہیں آج اسلام اور قرآن کے ماننے والوں میں نبی تو نبی پیروں کے بارے میں ایسے عقائد پائے جاتے ہیں کہ ان کو خدائی میں دخل رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پیر صاحب جو فرما دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے سامنے اڑ جاتے ہیں اور اللہ کو ان کی ضد ماننا پڑتی ہے۔ پیر صاحب حاجت روائی کرتے ہیں۔ انھیں غیب کا بھی علم ہے۔

صاحب دل اور پہونچے ہوئے بزرگوں کے بارے میں اس طرح کے جتنے عقیدے پائے جاتے تھے وہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تردید کرتا ہے۔ صاف صاف بتاتا ہے کہ پیر تو پیر اللہ کا آخری اور سب سے پیارا رسول بھی خدائی میں ذرہ برابر حصہ دار نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو، اپنے پیارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ
وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الانعام)

(اے نبیؐ) اگر خدا تم کو کوئی نقصان پہونچائے تو اس کے سوا کوئی اس نقصان کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ فائدہ پہونچانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور سنئے، رسول کے علم غیب کے جاننے کے بارے میں اسی سورہ انعام کی آیت ۵۰ میں ہے کہ:

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ

(اے محمدؐ) کہو، (اے لوگو!) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

خزانے ہیں نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (جو انسانی ضرورتوں سے پاک ہوتا ہے)۔ میں تو صرف اُس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

ایک تردید نفسیاتی انداز کی سنئے۔ حضورؐ کفار مکہ کو سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۸ پڑھ کر سناتے ہیں کہ اگر میں غیب کا جاننے والا ہوتا تو اپنے لئے بہت کچھ فائدے سمیٹ لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہونچتا۔

سورۂ انعام آیت ۵۷، ۵۸ میں ہے "یہ بات میرے بس میں نہیں ہے کہ جس عذاب کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو وہ میں خود تمہارے اوپر نازل کردوں فیصلہ تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے۔"

اسی عبارت میں آگے بڑے مزے کی بات ہے۔ "(اے لوگو!) اگر کہیں عذاب میرے بس میں ہوتا جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ ہی ظالموں سے نبٹنا خوب جانتا ہے۔"

ایک اور تیکھی بات سنئے۔ اس بات کے پیچھے واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں تو وہ جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پیار کے ساتھ بڑے تیکھے انداز میں کہتا ہے کہ اے پیارے نبیؐ! تم ان (کافروں) کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ اس غم میں تم اپنی جان دیدو گے۔ تمہارا کام پہونچا دینا ہے۔ تم نے میرے احکام پہونچا دئے۔ نبوت کا حق ادا کردیا۔ بس تمہارا کام ختم ہو چکا۔ تم اِن پر کوتوال نہیں بنائے گئے۔

اس کے بعد پھر فرمایا "اور اے نبی! اگر تمہارے بس میں ہو تو آسمانوں میں چڑھ جاؤ اور وہ بات لے آؤ جس کا مطالبہ یہ لوگ کر رہے ہیں۔"

قرآن کا یہ فیصلہ صاف اور کھلا ہے چاہے یہ بات کسی کو کیسی ہی گراں لگے

## (۳) "محمد" ہی نبی کیوں؟

قریش کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا تو محمدؐ ہی کو کیوں نبی بنایا۔ مکے اور طائف کے رئیسوں میں سے کسی کو چُن لیا ہوتا۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں سورۂ ص آیت ۸ میں ہے:

أَؤُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ط کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا۔

یعنی اُن کا کہنا یہ تھا کہ نبی ذرا مالدار ہوتا، صاحب اثر ہوتا، جتھہ بند ہوتا، اُس کے بہت سے بیٹے ہوتے جیسے مکہ میں ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں عروہ بن مسعود، حسیب بن عمرو وغیرہ۔ اِس اعتراض پر قرآن کا جواب سنئے، دو ٹوک جواب۔ فرمایا:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النحل آیۃ ۲)

وہ (اللہ) اِس روح (یعنی وحی) کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے فرشتوں کے ذریعہ اُتارتا ہے۔

اور دیکھئے۔ قرآن اِن معترضین کے دل کا چور کس خوبصورتی کے ساتھ پکڑتا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ لا إِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ج فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (المؤمن ۵۶)

دراصل بات یہ ہے کہ جو لوگ کسی سند اور حجت کے بغیر اِن کے پاس آئے ہیں، اللہ کی آیات میں جھگڑ رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں کبر بھرا پڑا ہے

مگر وہ اس بڑائی کو پہونچنے والے نہیں (یعنے نہیں پا سکتے) جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں۔ بس اللہ کی پناہ مانگ لو۔ وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔

قرآن نے کیا منھ توڑ جواب دیا ہے۔ کہتا ہے کہ نبوت تو بڑی چیز ہے، چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی جسے چاہتا ہے وہی دیتا ہے۔ اللہ ہی کسی کو حسین اور کسی کو بدصورت بناتا ہے۔ ہے کوئی جو بدصورت کو حسین کردے۔ اللہ ہی کسی کو خوش گلو اور کسی کو بد آواز بناتا ہے۔ ہے کوئی جو کرخت آواز والے کو خوش آواز بنا دے۔ اللہ کسی کو تندرست، کسی کو گونگا بہرا، کسی کو اندھا کسی کو لولا کسی کو فقیر کسی کو امیر بناتا ہے۔ کوئی از خود بن کر دیکھ لے۔ ہرگز نہیں۔ عزت دینے والا اللہ ہی ہے۔ ذلت سے نکالنے والا اللہ ہی ہے۔ رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت بھی اللہ ہی تقسیم کرتا ہے۔ جسے اللہ گرانا چاہے اُسے کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ جسے وہ اٹھانا چاہے اُسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ وَھُوَ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ وہی ہر شے پر قادر ہے۔ اس نے اپنے فضل سے محمدؐ کو نبی چن لیا۔ تم حسد میں کیوں مرے جا رہے ہو؟

قریش کے بیہودہ اعتراض کا جواب ایسا ہی دو ٹوک ہونا چاہئے۔

(۴) کچھ سوالات اور اعتراضات ایسے تھے جن میں قریش کے دلوں کی خباثت کی ملاوٹ تھی:۔

- وہ کہتے کہ اگر محمدؐ رسولِ برحق ہوتے تو بڑے بڑے لوگ سب ایمان لے آتے۔ یہ نچلے لوگ بلال حبشیؓ، صہیبؓ، عمارؓ اور خبابؓ جیسے لوگ کیوں ان کے گرد جمع ہوتے۔
- وہ کہتے کہ محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ اس لئے کیا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں تاکہ ہم پر حکم چلائیں۔ ابوجہل تو پکار پکار کر یہی کہتا تھا۔

... باپ دادا کے دین سے پھیر دینا چاہتے ہیں۔

- وہ آپس میں کہتے اور دوسرے لوگوں کو یہ کہہ کر روکتے کہ اجی یہ رسالت وسالت کچھ نہیں محض اقتدار کی بھوک ہے۔ بھائیو! سوچو تو سہی کدھر جا رہے ہو۔ یہ شخص ہر بات میں تمہاری طرح ہے۔ تمہارے جسم کی طرح اس کا جسم ہے۔ جو تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے۔ اس میں کون سی انوکھی بات تم سے الگ ہے۔ اس لئے اس کی بات ہرگز نہ سنو۔ ورنہ تم گھاٹے میں رہو گے۔ ارے یہ شاعر ہے۔ ارے یہ کاہن ہے۔ ارے یہ جادوگر ہے۔ اس پر جنوں کا اثر ہے۔

یہ باتیں سردارانِ مکّہ اس لئے کہتے تھے کہ انہیں خطرہ تھا کہیں لوگ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت اور دل لگتی باتوں کا اثر نہ لے لیں۔ اگر عوام نے اثر لے لیا تو پھر ہماری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔

یہ باتیں اور یہ اعتراض قریشی سردار کرتے تو تھے لیکن اُن کے دل خود اُن سے کہتے تھے کہ یہ ساری باتیں جھوٹ اور غلط ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ پاک زندگی اُن کی نظروں میں تھی۔ حضورؐ جو قرآن پیش کرتے تھے اُس کی تاثیر سردارانِ قریش خود تسلیم کرتے تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بڑے بڑے کٹر دشمن چھپ چھپ کر قرآن سُنا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا پاکیزہ آدمی کاہن نہیں ہو سکتا۔ وہ جادو اور کلامِ الٰہی میں فرق محسوس کرتے تھے اور کچھ نہ بن پڑنے پر اپنی بوٹیاں نوچتے تھے۔

## ۵) معجزوں کی مانگ

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ
اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ (العنکبوت)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اُتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں (معجزے) اس کے رب کی طرف سے۔ (اے نبی!) کہو نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو بس ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایک اُمّی (بے پڑھا) قرآن جیسا کلام سنا رہا ہے کیا یہ معجزہ نہیں ہے۔

قرآن نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو بھی معجزہ بتایا۔ تم دیکھتے نہیں! محمدؐ تمہارے درمیان بچپن سے رہ رہے ہیں۔ تم اُن کی ایک ایک بات سے واقف ہو۔ تمہارا معاشرہ کس طرح کا ہے۔ تم سب جیسے ہو۔ آخر محمدؐ تم جیسے کیوں نہ بنے۔ یہ معجزہ نہیں کہ تمہارے معاشرے میں سے ایک شخص ایسا نکلا جسے تم خود امین اور صادق مان چکے؟

قرآن نے خوب خوب جواب دیئے ہیں۔ دو ایک جواب سن لیجئے۔ فرمایا:-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ
بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (عنکبوت ۴۸)

(اے نبی!) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو جھوٹے شبہ میں پڑ سکتے تھے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ ق

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(سورہ یونس آیۃ ۱۰)

اے نبی! ان سے کہو، اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی (اللہ یہی چاہتا کہ میں نبی نہ بنایا جاتا) تو میں یہ قرآن تم کو کبھی نہ سناپاتا اور اللہ تم کو اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں یہ چند اعتراضات ہم نے قرآن کریم سے نقل کئے۔ اس طرح کے بہت سے اعتراض اور سوال ہیں جو طرح طرح سے کئے گئے ہیں مگر ان میں یہ سوال اور اعتراض شامل ہیں۔

## ⑥ قرآن پر اعتراض

یہ مضمون بہت لمبا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ:

- اجی یہ تو من گھڑت کتاب ہے۔
- محمدؐ کو کوئی سکھا جاتا ہے اور وہی وہ تلاوت کرنے لگتے ہیں (اس سلسلے میں کچھ لوگوں کے نام لئے جاتے ہیں)
- اجی یہ تو پرانی کہانیاں ہیں۔ اساطیر الاولین

یہ اور اس طرح کے اعتراضات کا جواب جو قرآن نے دیا ہے بڑا غور طلب ہے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۸۸)

کہہ دو اگر انسان اور جن سب مل کر بھی اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (هود ۱۳، ۱۴)

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑی ہے۔ کہو، اچھا اگر یہ بات ہے تو اِس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جو جو ہیں اُن کو مدد کے لئے بُلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ اب اگر وہ تمہاری مدد کو نہیں پہونچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے حکم سے نازل ہوتی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم سر تسلیم خم کرتے ہو!

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (یونس ۳۸)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اِسے خود تصنیف کر لیا ہے۔ کہو، اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو (دس سورتیں نہیں) ایک ہی سورۃ اِس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کے سوا جس کو چاہو مدد کے لئے بلا لو۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ (الطور)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اِس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے۔ اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو (دس سورۃ نہیں، ایک سورہ بھی نہیں) اِس شان کا ایک کلام (ہی) بنا لائیں۔

قرآن کا یہ چیلنج بار بار کفارِ مکہ کو دیا گیا۔ اس کے بعد پھر جب حضور مدینے تشریف لے گئے تو وہاں پھر دہرایا گیا۔ اس کا جواب دینے کی نہ اُس وقت کسی کو ہمت ہوئی اور نہ اس کے بعد آج تک کسی کو جرأت ہوئی کہ قرآن سے کے مقابلے کی کوئی چیز لا سکے۔

## ⑦ مکافاتِ عمل اور آخرت

مکافاتِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں جو عمل (کام یا بات) کر رہا ہے اُس کا بدلہ اُسے ملنا چاہئے۔ مکافاتِ عمل کے بارے میں اللہ کے نبیوں نے جو عقیدہ دیا تھا اُسے اُدل بدل کر اور اپنی طرف سے گھٹا بڑھا کر لوگوں نے کچھ سے کچھ کر دیا تھا۔

● عیسائیوں نے مکافاتِ عمل کو مانا لیکن اُسے اس طرح بدل دیا:

"حضرت عیسیٰؑ نے پھانسی کے تختے پر چڑھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفّارہ ادا کر دیا۔ اب عیسائی کچھ بھی کریں وہ جنّت ہی میں جائیں گے کیونکہ اُن کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو چکا ہے۔

● یہودیوں نے بھی مکافاتِ عمل کو مانا لیکن اُن کا کہنا یہ ہے کہ ہم کچھ بھی کریں جنت ہی میں جائیں گے کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ اور اگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو ایام معدودات، چند دنوں کے لئے بس۔

● ہندوستان کے ہندو دھرم نے بھی مکافاتِ عمل کی اہمیت کو تسلیم کیا لیکن بُرے اعمال کی سزا کے سلسلے میں آواگمن کے چکّر میں پھنس گئے یعنی انسان کی روح ایک جسم میں آتی ہے پھر جسم مردہ ہونے پر دوسرے جسم (یونی) میں چلی جاتی ہے۔ یہ چکّر چلتا رہتا ہے۔ اس بار بار کے آواگمن میں اس کے گناہ چھٹتے

رہتے ہیں۔ پھر ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ پاک ہو جاتا ہے اور پاک ہو کر ایسو میں مل جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایک روح ایک لاکھ چوراسی ہزار جسموں (یونی) کی جیل کاٹ کر کرنی کا پھل ادا کرتی رہتی ہے۔

● ایک اور گروہ ہے۔ وہ مذہب ہی کو نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دنیا آپ سے آپ پیدا ہو گئی ہے۔ ایک دن آپ سے آپ ہی ختم ہو جائے گی۔ پھر کیسی جزا اور کیسی سزا۔ یہ گروہ ہے دہریہ (ناستک)

قرآن نے ان سارے بگڑے عقیدوں کی اصلاح کی۔ اس نے بتایا کہ :-

● انسان ایک بار پیدا ہوتا ہے اور ایک ہی بار مرتا ہے۔ آدمی کے مرنے کے بعد اس کی روح کو عالمِ برزخ میں رکھا جاتا ہے اور فرشتے اس روح کی نگرانی کرتے ہیں۔

● ہر انسان جیسا اس دنیا میں کرے گا آخرت میں اس کو ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

● ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک دوسری دنیا برپا کرے گا۔ تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گا اور وہاں سب کے کرموں کی جانچ ہوگی۔ اس دن جو اچھے ثابت ہوں گے جنت میں جائیں گے اور بُرے دوزخ میں جھونک دئے جائیں گے۔

● اس دن کی جانچ پڑتال میں نہ رشوت چلے گی اور نہ سفارش سنی جائیگی۔ اس کے باپ دادا، بیٹی بیٹا، اس کے پیر اور سرپرست، اس کا اعلیٰ خاندان چاہے وہ خاندان نبیوں کا ہی ہو، کچھ کام نہ آئے گا۔

● فیصلہ اس پر ہوگا کہ دنیا میں انسان رحمان کے حکموں پر چلا یا شیطان کی پیروی کی۔ رحمان کے حکموں پر چلنے کا مطلب یہ کہ اللہ کے نبیوں نے جو تعلیم دی، اس کے مطابق زندگی بسر کی یا اسے جھٹلایا اور اس کے برعکس زندگی گزاری۔ اس

فیصلے میں جو کامیاب ہو گیا ہمیشہ جنت میں رہے گا اور جو ناکام ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلتا رہے گا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ عقیدہ پیش کیا تو مکے والے بری طرح چونکے۔ اُنھیں ایسا لگا کہ اگر ہم اِس کو مان لیں تو ہماری ساری آزادی ختم ہو جائے گی۔ یہ تو ایک طرح کی جیل ہے جس میں ہم من مانی نہ کر سکیں گے۔ ہر وقت حرام و حلال کا خیال رکھنا پڑے گا۔ کسی مقام پر کسی عورت کو یا کسی کی دولت کو اُچک لینے کا موقع بھی ہو گا تو یہ عقیدہ ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ سردارانِ قریش بری طرح اِس عقیدے پر چونکے اور بڑے زور شور کے ساتھ اِس عقیدے پر اعتراضات کئے۔ اِن اِعتراضات کو ہم ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

■

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ۝ (الجاثیۃ ۳۲)

اور جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہوتی ہے۔ ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں۔ یقین ہم کو نہیں ہے۔

اِس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اِس طرح کہنے والوں کو آخرت پر یقین نہ تھا مگر وہ کھل کر انکار نہ کر سکے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے آج کے کسی بد عقیدہ شاعر نے کہا ہے کہ "بالفرض اگر ہو گی قیامت قائم، دے لیگی جواب جوانی میری"۔ "بالفرض" سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس شاعر کو یقین نہیں ہے۔ دوسرا مصرع تو بڑی ہی

ڈھٹائی اور بے غیرتی کا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ (الجاثیة ۲۴-۲۵)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم کو مرنا اور جینا ہے۔ دہر[1] کے سوا کوئی ہمیں ہلاک نہیں کرتا۔ دراصل اس معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔ اور جب ہماری کھلی ہوئی آیتیں (آخرت کے ثبوت میں) ان کو سُنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہوتی کہ اُٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔

یہ ہٹ دھرمی آج بھی پائی جاتی ہے۔ غیروں کو چھوڑئیے مسلمانوں کو جب قرآن سُنایا جاتا ہے اور جب وہ اپنے گھریلو رسم و رواج کے خلاف کوئی ذرا دا سنتے ہیں تو اسی ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں کہ ماوجدنا علیہ اٰباءنا ہم نے اپنے پرکھوں سے جو پایا ہے اسی پر عمل کریں گے۔ اس ہٹ دھرمی پر شیخ سعدیؒ نے قرآن کے دلائل کو سمیٹ کر بہت ہی خوب کہا ہے:
"خطائے بزرگاں گرفتن خطاست"۔ بزرگوں سے جو غلطی چلی آرہی ہے

---

[1] دہر یعنی گردشِ ایام۔ زندگی میں آئے دن اُتار چڑھاؤ کا چکر۔

اُسے اپنا نا سخت غلطی ہے۔ پھر شیخ کہتے ہیں کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جسے علم نہیں وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ آخرت کے سلسلے میں کفار مکہ نے جو بات کہی وہ بے علمی ہی کی بنا پر کہی۔

۵

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (المؤمنون)

یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کے پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہم کو پھر زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ ہم نے بھی یہ وعدے بہت سُنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے آرہے ہیں۔ یہ تو بس پرانی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

۶

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ (سبا ۷، ۸)

آخرت کا انکار کرنے والے لوگوں سے کہتے ہیں، ہم بتائیں تم کو ایسا شخص جو خبر دیتا ہے کہ جب تمہارے جسم کا ذرّہ ذرہ بکھر چکا ہوگا اُس وقت تم نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے۔ نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے۔

یہ چند آیتیں ہم نے اُوپر درج کی ہیں۔ اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ کفار مکہ نے یہی باتیں طرح طرح سے اعتراض کے طور پر کہی ہیں۔ اب آگے

دیکھئے۔ قرآن نے اِن سارے اعتراضات کی دھجیاں کس طرح بکھیر کر رکھدی ہیں۔ ہم ہر اعتراض کی تردید میں صرف ایک ہی مقام کی آیتیں دیتے۔ مطلب صرف سمجھنا ہے، مضمون کو طول دینا نہیں ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝

(یٰس ۷۷-۷۸-۷۹)

کیا انسان دیکھتا نہیں کہ اُسے ہم نے ایک بوند سے پیدا کیا اور پھر وہ پورا جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے (کہاوتیں بگھارتا ہے۔ باتیں مارتا ہے) اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے ۔کہتا ہے کہ کون اِن ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی (یعنی گل چکی) ہوں گی۔ اس سے کہو انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا۔ اور وہ تخلیق (پیدا کرنے کے سلسلے) کا ہر کام جانتا ہے۔

کافروں کا اعتراض یہ تھا کہ یہ ہو کیسے سکتا ہے؟ قرآن جواب دیتا ہے کہ جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کردے گا۔

اس طرح کی دوسری آیتوں میں ذرا اور وضاحت سے فرمایا "تو کیا پہلی بار ہم تخلیق (پیدا کرنے) سے عاجز تھے۔ تو پھر کیوں ایک نئی تخلیق کی طرف سے (آخرت کے دن اُٹھائے جانے سے) یہ لوگ شک میں پڑے ہیں۔ (ق ۱۵)

ایک اور جگہ ایسا پیارا جواب دیا کہ ہر سمجھدار آدمی کو اپیل کرے گا۔ فرمایا

"بتاؤ کسی چیز کو پہلی بار بنانا مشکل ہے یا دوسری بار؟"
یہ جواب دے کر انسان کو سوچنے کے لئے چھوڑ دیا۔ انسان اگلی بات کو خود پورا کرتا ہے کہ اس چیز کو دوبارہ بنانا آسان ہے۔

کافروں کا یہ اعتراض آخرت کے امکان (یعنی ہونے) پر تھا، اس کا جواب ہو گیا۔ یہ سوال و جواب قرآن میں جگہ جگہ ہیں۔ وہ سب ہم چھوڑتے ہیں۔ کفار کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سوال بار بار کیا گیا۔ اس کا جواب سنئے:

❖

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (قیامہ)

کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔

یعنی شتر بے مہار کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا پھرے، حرام و حلال کی پروا نہ کرے، جائز و ناجائز کام کرتا پھرے اور یہ سمجھتا رہے کہ اس کا بدلہ نہ ملے گا۔ قرآن نے کہا کہ یہ خیال غلط ہے۔ بدلہ مل کر رہے گا۔ قرآن نے کہا کہ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے فضول پیدا کیا گیا ہے اور اسے کبھی اللہ کے حضور پلٹ کر جانا نہیں ہے۔

❖

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۝ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۝ (ص ۲۷-۲۸)

ہم نے اس زمین کو اور آسمان کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہے فضول
پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کیا ہے اور
ایسے کافروں کے لئے بربادی ہے جہنم کی آگ سے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو
ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو زمین میں فساد
کرنے والے ہیں، یکساں کر دیں گے۔ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں

یعنی یہ اندھیر نگری نہیں ہے جہاں نیک و بد یکساں سمجھے جائیں یہ تو
انصاف کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے عقل کہتی ہے کہ نیکوں
کو نیکی کا بدلہ ملنا چاہیئے اور بدوں کو بدی کا جو اس دنیا میں ممکن نہیں۔ یہاں تو
چور اور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں۔ گلچھرّے اُڑاتے ہوئے زندگی گزار دیتے ہیں
انھیں کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ ان کے مقابلے میں نیک لوگ زیادہ دکھ اُٹھاتے ہیں۔
تو اگر آخرت کا دن نہ ہو تو ان کی نیکی برباد اور ان کی بدی کی کوئی پوچھ تاچھ نہیں
قرآن میں جگہ جگہ ہے کہ اندھیرا اُجالا، نیکی بدی، نیک اور بد ہرگز یکساں نہیں
ہو سکتے۔ فرمایا:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ
كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ
وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ (الجاثیۃ ۲۱-۲۲)

کیا وہ لوگ جنھوں نے برے کام کئے ہیں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انھیں اور ایمان
لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے کہ اُن کا جینا
اور مرنا یکساں ہو جائے۔ بہت بُرے فیصلے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ نے

آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لئے کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے، لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے۔

اِس طرح کی بہت سی آیتوں کے بعد قرآن نے یہ بتایا ہے کہ آخرت کو ماننے انسان اِس دنیا میں بہترین کردار کا انسان بنتا ہے اور جو آخرت کا انکار کرتا وہ کردار کا اچھا نہیں بنتا کیونکہ اُسے بدلے کا ڈر نہیں۔ ایک بہت لمبا مضمون با۔ اُسے میں اپنے لفظوں میں لکھتا ہوں:

ایک شخص نے بہت بُرے کام کئے۔ بہتوں کی جانیں ماریں۔ بہت سی عورتوں کو بیوہ کیا۔ بہت سے بچّوں کو یتیم کیا۔ بہت سی جانوں کو دکھ پہنچایا بہت سے لوگوں کا مال اُڑایا۔ بہت سی عورتوں کو بے آبرو کیا۔ اِس کے بعد وہ قید کیا گیا اور قتل کر دیا گیا تو سوچئے کہ اُس کی ایک بار جان مار دینے سے کیا اُن ہزاروں جانوں کا بدلہ ہو گیا جو وہ مار چکا ہے۔ یہ انصاف نہیں ہوا ضرورت ہے کہ اُسے کما حقہٗ بدلہ ملے یعنی اُن ہزاروں جانوں کو مارنے کا۔ ہزاروں عورتوں کو بیوہ کرنے کا۔ ہزاروں بچّوں کو یتیم کرنے کا۔ ہزاروں عورتوں کو بے آبرو کرنے کا۔ اور پھر اِن ہزاروں جانوں کے ضائع ہونے سے جہاں جہاں اور جب جب جو نقصان پہونچا اس کا بدلہ بھی اُسے ملنا چاہیے۔ یہ بدلہ اِس دنیا میں نہیں مل سکتا اور نہ کوئی جج اِس کی برائیوں اور برائیوں کے اثرات کو گھیر سکتا ہے۔ ہاں آخرت میں جب اللہ کی عدالت میں اس کا مقدمہ ہو گا تو، ہاں اللہ جیسے کا تیسا بدلہ دے گا کیونکہ اللہ کے علم میں ہے کہ جہاں کہاں تک ظالم کے ظلم کے اثرات پہونچے [illegible] حساب لے گا [illegible] یاد رکھیں [illegible]

# روک تھام

مکے کے سردار رسالت اور آخرت کے بارے میں جو اعتراضات کرتے تھے ان کے جواب میں قرآن جو کچھ پیش کرتا تھا۔ اس سے صرف یہی نہیں کہ رسالت اور آخرت کے بارے میں بات نکھر نکھر کر سامنے آجاتی تھی بلکہ ان کے ساتھ ساتھ توحید کی تائید اور شرک کی تردید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح آیتیں برس رہی تھیں۔ ان آیتوں کی خصوصی دلیلوں کے سامنے اعتراض کرنے والے ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ انھیں اپنے باپ دادا کا دین خطرے میں دکھائی دے رہا تھا۔ دوسری طرف مسلمان ان آیتوں کے سہارے دعوت و تبلیغ کے کام میں پرجوش ہو جاتے تھے اور پوری ... وہ آیتیں پیش کر دیتے تھے۔ آج قرآن کا مطالعہ کیجیے تو اس طرح کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی ٹھیک اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سارا لٹریچر تیار کر رہا تھا۔ یوں کہیے کہ اسلامی لٹریچر ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کی تنظیم کے ساتھ ساتھ ساتھ ... چل رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لٹریچر کی مدد سے مسلمانوں کی تربیت فرماتے تھے۔ مسلمان اس کے مطابق اپنی زندگی سنوارتے رہتے تھے اور کفار مسلمانوں کو اچھا انسان بنتے دیکھ دیکھ کر دانت پیستے اور غصے میں اپنے جسم کا گوشت کھرتے تھے۔

ان کی اس حالت کا نقشہ قرآن نے جگہ جگہ خوب کھینچا ہے۔

سورۂ زمر آیت ۴۵ میں ہے کہ:

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے

ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝

ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو اچانک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔

یعنی یہ بات انھیں بہت ہی بری لگتی تھی کہ بس "اللہ ہمارا رب ہے، اللہ ہی ہمارا رب ہے" ہی رٹا جا رہا ہے۔ انھوں نے اللہ کے علاوہ اور جو الٰہ بنا رکھے ہیں ان کا ذکر نہیں۔ یہ "وہابیت" انھیں بالکل پسند نہیں۔ کچھ بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر ہو، آستانوں اور مزاروں کی برکتوں کا ذکر ہو، اولیاء کی خدائی کا ذکر ہو، پیروں کی عالم الغیبی کا ذکر ہو۔ یہ ذکر ہو کہ ان کے الٰہ بیٹی بیٹا دے سکتے ہیں، مرادیں بر لا سکتے ہیں اپنے گنڈوں اور تعویذوں کے ذریعہ مریدوں کے من پسندوں کو ان کی طرف مائل کر سکتے ہوں تو دیکھو یہ کیسے خوش ہوتے ہیں۔

یہ ذوق دنیا کی مشرک قوموں کا رہا ہے اور آج بھی ہے۔ آج قرآن کی ان آیتوں پر عمل کیجیے تو مشرکانہ ذہن رکھنے والے کہیں گے کہ یہ شخص مزار، بزرگوں اور اولیاء کو نہیں مانتا اور ان کی توہین کرتا ہے۔

یہ تو عام مشرکین کا حال ہوتا ہے۔ عوام پر دباؤ رکھنے والے بااثر اور صاحب اقتدار مکے کے سردار جب یہ آیتیں سنتے تو انھیں بے حد غصہ آتا تھا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ (نحل ۳۶)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس تعلیم کے ساتھ کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

"طاغوت" اسے کہتے ہیں جو اللہ کو نہ مان کر اپنا حکم چلائے۔ چاہے وہ ایک انسان ہو [illegible] اپنی طاعت اور بندگی کی طرف بلاتے۔ چاہے وہ کچھ لوگ ہوں، چاہے ایسے [illegible] ہو، چاہے وہ [illegible] آستان یا استھان۔ یہ سب طاغوت ہیں [illegible]

[illegible]

باپ دادا جو مر چکے ہیں۔ ان سب کو تم نے کافر اور گمراہ ٹھہرایا۔ اب تم ذرا میری بات سنو۔ میں کچھ باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ ان پر غور کرو شاید کہ ان میں سے کوئی بات تم قبول کرلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ابوالولید! آپ کہیں میں سنوں گا"۔ ... نے کہا

"بھتیجے! یہ کام جو تم نے شروع کیا ہے اس سے تمہارا مقصد ... مل کر

تم کو ... دے ... ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر اس سے اپنی بڑائی

چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنائے لیتے ہیں کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں

کریں گے۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ مان لیں گے اور اگر ... ہو ... تا

ہے جسے تم خود دور نہیں کر سکتے اور تم کو سوتے جاگتے کچھ نظر آتا ہے تو ہم بہترین طبیبوں کو

بلوا کر تمہارا علاج کرا سکتے ہیں اور اس کا خرچ ہم سب مل کر برداشت کریں گے"۔

عتبہ یہ کہتا رہا اور حضور ... چپ چاپ سنتے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ "ابوالولید ... آپ کو جو

کچھ کہنا تھا کہہ چکے یا ابھی کچھ اور کہنا ہے؟" اس نے کہا "بس مجھے جو کچھ کہنا تھا میں نے کہہ دیا"

آپ نے فرمایا۔ اچھا اب میری سنئے۔ اس کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ حم سجدہ

تلاوت شروع کی۔ عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا آیت سجدہ

پر پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا "ابوالولید! میرا جواب آپ نے سن لیا اب آپ

... اور آپ کا کام"۔

عتبہ اٹھ کر سرداران قریش کی طرف چلا تو لوگوں نے دور سے اس کو ...

... عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے یہ وہ صورت نہیں ہے جسے لیکر گیا تھا ...

... کیا سن آئے ... خدا کی قسم! میں نے ایسا کلام ... کبھی ...

... نہ یہ شعر ہے نہ ... لعنت ... قریش کے لوگو! میری ...

... کے حال پر چھوڑ دو میں ... یہ کلام رنگ لاکر رہے گا فرض ...

---

... القرآن جلد ... ۳ ... شروع ہے آیت ۳۸ تک ...

یا تو تم اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے باز آ جاؤ۔ ...
تب ہی تمہاری بادشاہی ہو گی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی۔

سرداران قریش اس کی بات سنتے ہی بول اٹھے "ابوالولید آخر اس کا جادو تم پر بھی چل ہی گیا۔ عتبہ نے کہا کہ میری جو رائے تھی وہ میں نے بتا دی۔ اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو
اس موقع کی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حٰم سجدہ کی آیت ۱۳ پڑھی یعنی یہ

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝

اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے تم کو اس طرح کے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا۔

تو عتبہ نے بے اختیار آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہنے لگا۔ ایسی بات نہ کہو۔ اور اپنی اس حرکت کا سبب اپنے لوگوں کو یہ بتایا کہ تم لوگ جانتے ہو محمدؐ جب کوئی بات کہتے ہیں تو وہ ہو کر رہتی ہے اس لئے مجھے عذاب کا ڈر ہوا۔

اس کے بعد قریش کے سرداروں میں سے کچھ بڑے بڑے لوگ آپ کی خدمت میں جاتے رہے اور ایسی ہی باتیں دہراتے رہے لیکن حضورؐ نے ہر بار انکار کر دیا۔ ایک بار اور یہ سب گئے اور اپنی بات میں یہ اضافہ کیا کہ اگر تم عرب کی حسینہ چاہتے ہو تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے لیکن تم اس سے باز آ جاؤ جو کہتے ہو اور جب حضورؐ نے اس سے بھی انکار کر دیا تو انہوں نے کہا۔ اچھا آؤ اس پر سمجھوتہ کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات و عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے رب واحد کی عبادت کریں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو بھی بری طرح ٹھکرا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوٹوک جواب سے سمجھوتہ کی امید ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

مکے کے سردار آپ کو دولت، حکومت، اور عورت پیش کر رہے تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب جب تحریک اسلامی پیدا ہوئی ہے تحریک کے قائد کو اس طرح کا لالچ دیا گیا ہے

اور اج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔

(۲) اسلام کی دعوت و تحریک کو روکنے کے لئے قریش نے دوسری تدبیر یہ کی حضورؐ کے سرپرست جناب ابوطالب سے بار بار مل کر ان پر دباؤ ڈالا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس تحریک سے باز آجائیں یا آپ محمدؐ کی حمایت چھوڑ دیں۔

اس غرض کے لئے مکے کے سردار چار بار ان سے ملے پہلی ملاقات میں کہا۔ اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کی بُرائی کی ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالا، ہم کو احمق جانا، ہمارے باپ دادا کو گمراہ بتایا، اب یا تو آپ اس کو ہماری دل آزاری سے روکیں! ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ خود بھی اس کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہیں پھر ہم اس سے نبٹ لیں گے۔

ابوطالب نے اپنی نرم باتوں سے ان کو ٹھنڈا کیا اور وہ چلے گئے لیکن جب دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنا کام کئے چلے جا رہے ہیں تو پھر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا۔ اے ابوطالب! آپ مکے کے بزرگ اور عزت دار سردار ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ محمدؐ کو روکیں لیکن آپ نے ہماری بات نہ سنی۔ ہم سے اپنے باپ دادا کی بُرائی اور اپنی توہین اور اپنے معبودوں کی مذمت برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ اب یا تو آپ اُسے روکیں یا پھر ہم میں آپ میں ٹھن جائے گی پھر ہم میں آپ میں سے کوئی ایک ہلاک ہو جائے گا۔

یہ سُن کر ابوطالب نے حضورؐ کو بلوایا اور آپ سے کہا۔ "بھتیجے! یہ سب لوگ تمہارے بھائی بند ہیں۔ یہ مجھ سے تمہاری شکایت کرتے ہیں کہ تم انھیں دکھ دے رہے ہو تم ان کو دکھ دینا بند کر دو۔ اس پر حضورؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور قریش کے سرداروں سے کہا" آپ لوگ یہ سورج دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا، "ہاں" آپ نے فرمایا جس طرح یہ سورج اپنے شعلے پھینکنے پر مجبور ہے اسی طرح میں بھی یہ کام کرنے پر مجبور ہوں۔

یہ کہہ کر آپ اُٹھ گئے۔ آپ کے جانے کے بعد ابوطالب نے کہا میرے بھتیجے نے کبھی

جھوٹی بات نہیں کہی ہے اس لئے آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ وہ لوگ چلے گئے تو ابوطالب
نے حضورؐ کو پھر بلایا اور کہا۔ تم میرے لئے بھی اور اپنے لئے بھی جینے کی گنجائش باقی رہنے دو
اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ نہ میں اُسے اُٹھا سکوں اور نہ تم۔

ابوطالب کی یہ بات سن کر حضورؐ نے محسوس کر لیا کہ چچا مشکل میں پڑ گئے ہیں، اور
مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور شاید میری مدد سے ہاتھ اُٹھا لینا چاہتے ہیں تب
آپ نے فرمایا۔ "چچا جان! اگر سورج میرے سیدھے ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے
تو میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ میں اس راہ میں کام آجاؤں" یہ کہکر آپ آنکھوں
میں آنسو بھر لائے اور اُٹھ کر جانے لگے۔ آپ کو آبدیدہ دیکھ کر ابوطالب نے کہا "اپنا کام
جاری رکھو اور جو کچھ کرنا چاہو کرو۔ خدا کی قسم! میں کسی بھی دباؤ پر تم کو دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

تیسری بار پھر قریش کے سردار ابوطالب کے پاس آئے اور کہا "دیکھئے، ہم ایک انصاف
کی بات کہتے ہیں۔ آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں آپ خود انصاف کیجئے۔ اپنے بھتیجے کو بلائیے
اور اس سے کہئے کہ وہ ہمارے معبودوں کی برائی چھوڑ دے اور ہم اُسے اور اس کے رب کو
اس کے حال پر چھوڑے دیتے ہیں۔ ابوطالب نے حضورؐ کو بلوایا اور بات رکھی۔ آپ نے کہا۔ کیا
میں اس سے بہتر بات کی طرف ان کو نہ بلاؤں۔ میں انھیں ایسے کلمے کی طرف بلاتا ہوں کہ اگر یہ
لوگ اُسے مان لیں تو عرب کے حکمراں بن جائیں گے اور عجم ان کا تابعدار ہو جائیگا۔ ابوجہل بولا
"یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے۔ ہم ایک نہیں ایسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں۔ بتاؤ، وہ کلمہ کیا ہے؟"
آپ نے فرمایا کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ یہ سُن کر وہ آپے میں نہ رہے۔ کہنے لگے "اپنے معبودوں کی عبادت پر
ڈٹے رہو۔ اس بات کا مطلب تو کچھ اور ہی ہے۔"

آخری ایک تدبیر قریش کے سرداروں نے اور کی۔ ولید بن مغیرہ کا ایک لڑکا تھا عمّا
نہایت حسین وجمیل، اور اس کا بڑا نام تھا۔ اُسے ساتھ لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا
"اسے اپنا بیٹا بنا لو اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو۔ جس نے تمہارے باپ دادا کے دین

[illegible] بنا لیا۔ ہم ایک آدمی دے کر اسے لیتے ہیں تاکہ اسے قتل کر دیں۔

ابوطالب نے جواب دیا" واللہ! تم نے نہایت بُرا سودا مجھ سے کرنے کو کہا، اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں اور میرا بیٹا مجھ سے مانگتے ہو کہ اُسے قتل کرو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ابوطالب کے ایک قریبی رشتہ دار مطعم بن عدی نے کہا" ابوطالب! تمہاری قوم نے تم سے انصاف کی بات کہی ہے تم کو مشکل سے نکالنے کی بات کہی ہے اور تم قبول نہیں کرتے۔" ابوطالب نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم! انھوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا مگر تم مجھے چھوڑ رہے ہو، اچھا جاؤ۔ کر لو، جو تم کرنا چاہتے ہو۔" اس پر بات بڑھ گئی اور قریش کے سرداروں نے مقابلے کی ٹھان لی۔

## ابوطالب کی دھمکی

اس کے بعد ابوطالب نے اپنے پردادا ہاشم کی اولاد اور اپنے دادا مُطّلب کی اولاد کو بلایا اور کہا کہ تم کو اپنے بھتیجے محمدؐ کی حمایت اور حفاظت بہر حال کرنا ہے اس بات کو سب نے مان لیا اور ابوطالب کا ساتھ دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ صرف ابولہب الگ رہا۔

اب ابوطالب ہاشم اور المُطّلب دونوں گھرانوں کے جوانوں کو لے کر حضورؐ کے گھر گئے آپ کو نہ پایا تو ابوطالب یہ سمجھے کہ بھتیجے کو قتل کر دیا گیا۔ انھوں نے اسی وقت تمام جوانوں سے کہا "ایک ایک خنجر یا کوئی تیز ہتھیار لے کر کپڑوں میں چھپالو اور میرے پیچھے آؤ۔ جب میں مسجدِ حرام میں پہنچوں تو تم دیکھو کہ ابوجہل کن لوگوں میں بیٹھا ہے بس اسے تاک کر فوراً قتل کر دو۔"

سب اس ارادے سے چلے لیکن راستے میں زید بن حارثہؓ مل گئے اور انھوں نے بتایا کہ حضورؐ بخیریت ہیں۔ دوسرے روز حضورؐ چچا کے گھر گئے تو وہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر اور ہتھیار بند نوجوانوں کو لے کر حرم میں گئے۔ قریش کے سردار بیٹھے تھے ان سے کہا "تم جانتے ہو کہ میں نے کل کیا ارادہ کیا تھا؟" انھوں نے کہا "نہیں" ابوطالب نے اپنے نوجوانوں

[illegible]ہارا اپنی چادریں ہٹاؤ۔ جب انھوں نے چادریں ہٹائیں تو لوگوں نے دیکھا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تیز ہتھیار ہے۔ پھر ابوطالب نے کہا "خدا کی قسم! اگر تم نے محمدؐ کو قتل کیا تو میں تم میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ ہم لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں۔"

اس دھونس سے قریش سمجھ گئے کہ محمدؐ پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ واقعہ [illegible] کو بہت ہی کھلا۔

# قریش کی ذلیل حرکتیں

اس کے بعد قریش نہایت چھچھوری اور کمینی حرکتوں پر اتر آئے۔ ان حرکتوں [illegible] کا مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھانا تھا۔ آپ کو تنگ کرنا تھا۔ ان میں سے ایک بات یہ کی کہ قریش کے سردار حضورؐ کے داماد ابوالعاص کے پاس گئے۔ وہ [illegible] تھے۔ مکے کے مالدار رئیس اور کڑیل نوجوان تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ [illegible] حضورؐ کی بڑی بیٹی زینب سے ابوالعاص کی شادی اس وقت ہوئی تھی جبکہ حضورؐ نبی نہیں ہوئے تھے۔ قریش کے سرداروں نے ان سے کہا "تم زینب کو طلاق دے دو جس طرح ابولہب کے کہنے سے اس کے بیٹوں نے محمدؐ کی بیٹیوں رقیہ اور ام کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ ابوالعاص نے قریش کا دباؤ نہ مانا اور کہا کہ میں زینب کو طلاق نہیں دے سکتا، وہ بہترین بیوی ہے۔" قریش نے حسین و جمیل لڑکیوں کے بارے میں بتایا کہ ان سے تمہاری شادی کر دیں گے۔ مگر ابوالعاص نے سب کو ٹھکرا دیا۔

## کمینہ پن کی حد کر دی

(۱) اولاد نرینہ میں حضورؐ کے دو لڑکے تھے۔ قاسم اور عبداللہ۔ یہ دونوں ایک [illegible]

فوت ہو گئے۔ ایسے موقعوں پر دشمن کو بھی ہمدردی ہو جاتی ہے لیکن [illegible]

خوشی منائی اور حضورؐ کے دل کو دکھ دینے کے لئے آپ کو جڑ کٹا کہا یعنی ایسا آدمی جس کا نام لیوا نہ رہا ہو۔ وہ آپس میں باتیں کرتے کہ محمدؐ جب مرجائیں گے تو کون ان کا نام لے گا۔ ہم سب کا پیچھا اس مصیبت سے چھوٹ جائے گا۔ یہ سن کر بے شک آپ کا دل دکھا لیکن اللہ نے اطمینان دلایا۔ فرمایا "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" اے نبی! تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابی حملہ نہ تھا بلکہ پیشین گوئی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ آج دنیا میں حضورؐ کے نام لیوا کتنے ہیں کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ پھر دن میں پانچوں وقت کی اذانوں میں آپ کا نام بلند ہو رہا ہے۔ کروڑوں مسلمان رات دن آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں لیکن ابوجہل، ابولہب، ولید، عتبہ وغیرہ سب نامراد مر گئے اور ان کی اولاد نے خود بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کیا اور حضورؐ کے قدموں میں آگرے۔

## اُجڈ پن

قریش اُجڈپن پر اُتر آئے، جب کہیں قرآن پڑھا جاتا تو وہ شور مچاتے تاکہ قرآن کی آواز ان کے کانوں میں نہ پڑے اور نہ دوسرے لوگ سن سکیں۔ قریش کو معلوم تھا کہ قرآن ایسا اثر کرکے رہتا ہے اس لئے ایسی تدبیر کرو کہ قرآن سننے ہی نہ دو۔ قرآن میں قریش کی ان ذلیل حرکتوں کا تذکرہ آتا ہے۔ قرآن کی ایسی آیتوں میں سے ایک آیت حٰم سجدہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ پھر تلاوت کیجئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ کافروں نے کہا۔ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اسمیں خلل ڈالو۔ شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ

اس سلسلے میں ایک چھچھوری حرکت یہ بھی کرتے کہ قرآن کی کوئی آیت سنتے تو آگے پیچھے [illegible] لوگوں کو سناتے، پھر اعتراض کرتے اور کہتے [illegible]

[illegible]

یہ وہی حرکت ہے جو آج اسلامی لٹریچر کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ آج کی ٹریجڈی یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی جو جماعت تحریک اسلامی کی علمبردار ہے غیرمسلم تو غیرمسلم خود مسلمان اس جماعت کو بدنام کرنے میں لگے ہیں۔ اس جماعت کے لٹریچر میں ادھر ادھر سے ٹکڑے لے کر عوام کو سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہیں کرتوت اس جماعت کے۔

قریش کے لوگ سنتے کہ فلاں شخص مسلمان ہو گیا ہے تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے، نہ گھر میں اُسے چین لینے دیتے نہ محلے اور برادری میں۔ جہاں وہ جاتا کسی نہ کسی بحث میں الجھا دیتے۔ لیکن کفار قریش کو کہیں یہ کامیابی نہیں ہوئی کہ کسی مسلمان نوجوان کو اپنی طرف پھیر لاتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کو بھی باپ دادا کے دین کی طرف نہیں لا سکے۔

## قریش کا ثقافتی پروگرام

قریش نے ایک بہت ہی گھٹیا تدبیر سوچی حضورؐ کی دعوت و تحریک میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے سوچا کہ لوگوں کو قصہ کہانیوں اور گانے بجانے اور رنگ رلیوں میں مست کر کے اس قابل ہی نہ رکھا جائے کہ وہ محمدؐ کی بات سنیں۔

انھوں نے کیا یہ کہ ایک بار مل کر بیٹھے تو نضر بن حارث نے کہا، تم لوگ محمدؐ کا مقابلہ جس طرح کر رہے ہو اس سے کام نہ چلے گا وہ جب تمہارے درمیان نوجوان تھا تو تمہارا سب سے زیادہ نیک نام نوجوان تھا۔ سب سے زیادہ سچا اور سب سے بڑھ کر امین سمجھا جاتا تھا۔ اب جبکہ اس کے بال سفید ہونے کو آ گئے اور وہ تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا جو وہ لایا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ جادوگر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں ہے ہم نے ساحروں کو دیکھا ہے اور ان کی جھاڑ پھونک سے ہم واقف ہیں۔ خدا کی قسم وہ کاہن بھی نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کی تک بندیاں سنی ہیں اور جیسی گول مول باتیں وہ کیا کرتے ہیں وہ سب ہم جانتے ہیں، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں ہے شعر کی سبھی باتوں کو ہم سمجھتے ہیں یہ محمدؐ کا کلام ان سے الگ ہے، خدا کی قسم وہ مجنون بھی نہیں ہے، مجنون کی جو حالت ہوتی ہے اور

جیسی بے تکی بڑ وہ بکتا ہے۔ وہ سب بھی ہم جانتے ہیں۔ اے سردارانِ قریش! کچھ اور بات سوچو۔ جس چیز سے تمہارا مقابلہ ہے وہ اس سے زیادہ بڑی ہے کہ یہ باتیں بنا کر تم اُسے ہرا سکو۔

یہ کہہ کر نضر نے یہ تجویز پیش کی کہ عجم سے رستم واسفندیار کے قصّے لاکر پھیلائے جائیں تاکہ لوگ انہیں دلچسپی لینے لگیں اور وہ انھیں قرآن سے زیادہ انوکھے معلوم ہوں۔

کچھ دنوں اس پر بھی عمل رہا۔ خود نضر نے کہانیاں کہنی شروع کر دیں۔ نضر نے گانے بجانے والی لونڈیاں خریدیں۔ جب وہ سنتا کہ فلاں جوان مسلمان ہوا۔ بس لونڈی اس کے پیچھے لگا دیتا اور اس سے کہتا کہ اسے خوب کھلا پلا اور گانا سنا تاکہ تیرے ساتھ رہ کر اس سے پھر جائے۔ لیکن اس ثقافتی پروگرام میں بھی کافروں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ قرآنی آیات کی روشنی میں مسلمانوں کی ایسی تربیت فرمارہے تھے کہ مسلمانوں نے ثقافتی پروگرام میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی اور اس طرح یہ تدبیر بھی بیکار گئی۔

## جھوٹا پروپیگنڈا

قریش کے سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹا پروپیگنڈ بھی کیا۔ جو لوگ باہر سے مکّہ آتے، انھیں حضورؐ سے دور رہنے کی نصیحت کرتے۔ کہتے کہ خبردار اس شخص سے نہ ملنا جادوگر ہے۔ یہ بات سوچ سمجھ کر اور آپس میں طے کر کے کہی جانے لگی قریش کے سرداروں نے خاص کر حج کے موقع پر سوچا کہ اس وقت عرب سے حاجیوں کے قافلے آئیں گے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آن قافلوں کے لوگوں سے مل مل کر قرآن سنایا اور اسلام سمجھایا۔ تو لوگ سوچنے پر مجبور ہوں گے اور اس طرح بہت سے لوگ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور اس طرح پورے عرب میں اسلام کی دعوت پہنچ جائے گی۔

اس موقع پر قریش نے ایک کانفرنس کی۔ اس کانفرنس میں طے کیا گیا کہ حاجیوں کے آتے ہی ان کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے۔ ولید نے کہا سوچ سمجھ کر یہ طے کرلو۔ سب کیا کہیں گے، ایسا نہ ہو کہ سب اپنی اپنی کہیں اور ایک

طرح ہماری بات بے اثر ہو جائے اور ہمارا اعتبار جاتا رہے۔ ولید نے اچھا مشورہ دیا تھا اس کا مشورہ مان لیا گیا۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم محمدؐ کو کاہن کہیں گے۔ ولید نے کہا نہیں، خدا کی قسم، وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے جیسی باتیں وہ گنگناتے ہیں، جس طرح کی باتیں وہ جوڑتے ہیں۔ قرآن کو اس سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔

کچھ اور لوگ بولے " اچھا تو پھر انھیں مجنون کہا جائے ولید نے کہا۔ وہ مجنون بھی نہیں ہیں۔ ہم نے دیوانے اور پاگل دیکھے ہیں۔ اس حالت میں آدمی جیسی بہکی بہکی باتیں اور الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے۔ وہ ہم سب جانتے ہیں۔ کون یقین کرے گا کہ محمدؐ جو کلام پیش کر رہے ہیں وہ دیوانے کی بڑ ہے یا جنون کے دورے پڑنے پر ایسی باتیں کر رہے ہیں۔

لوگوں نے کہا کہ اچھا تو پھر ہم اُسے شاعر کہیں گے۔ ولید بولا۔ وہ شاعر بھی نہیں ہم شعر اچھی طرح سمجھتے ہیں محمدؐ کا کلام ایسا نہیں ہوتا۔ لوگوں نے کہا تو پھر جادوگر کہنا ٹھیک ہو گا ولید نے جواب دیا مصیبت یہ ہے کہ وہ جادوگر بھی نہیں ہے جادوگروں کو ہم جانتے ہیں۔ وہ اپنے جادو کے لئے جو طریقے برتتے ہیں۔ ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ یہ بات بھی محمدؐ پر پوری نہیں اُترتی۔ پھر ولید نے کہا تم ان باتوں میں سے جو بات بھی کرو گے لوگ اس کو جھوٹ سمجھیں گے، خدا کی قسم، اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں بڑی گہری اور ڈالیاں بڑی پھلدار ہیں۔ اس پر ابوجہل ولید کے سر ہو گیا اور اس نے کہا کہ تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہو گی۔ جب تک تم محمدؐ کے بارے میں کوئی سجھاؤ نہ دو۔ ولید نے کہا اچھا۔ مجھے سوچ لینے کا موقع دو۔ پھر سوچ سوچ کر بولا۔ تم عرب کے لوگوں سے یہ کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے۔ یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی بچوں اور سارے خاندان سے جدا کر دیتا ہے۔ ولید کی اس بات کو سب نے مان لیا۔ پھر جب حاجی آئے تو قریش ...

جو بڑا جادوگر ہے اور اس کا جادو خاندان میں پھوٹ ڈال دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا۔

یہ جھوٹ صرف حج ہی کے زمانے میں نہیں بولا جاتا تھا بلکہ سال کے بارہ مہینے اور تیسوں دن بولا جاتا تھا۔ مکّے کے عوام کو بھی بہکایا جاتا تھا، باہر سے آنیوالوں کو بھی خبردار کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا کہ خبردار! اس شخص کے قریب نہ جانا۔ عرب میں جہاں جہاں میلے لگتے اور بازاریں لگتی تھیں وہاں مکے کے سردار جاتے اور حضور کے خلاف طرح طرح کے وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے تھے۔

قریش سمجھے ہوئے تھے کہ اس طرح وہ اسلامی تحریک کو نقصان پہنچا دیں گے لیکن ان کے اس پروپیگنڈے سے حضورؐ اور اسلام کا چرچا سارے عرب میں ہونے لگا۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے والے مکے کے نوجوان اگر اسلام کا پروپیگنڈا کرتے تو اتنی شہرت نہ ہوتی جتنی شہرت قریش کے ذریعہ ہوگئی۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آنے لگا کہ آخر معلوم تو ہو، وہ کون ایسا آدمی ہے جس کے خلاف یہ کہا جا رہا ہے اور وہ بات کیا ہے جس سے ہم کو ڈرایا جا رہا ہے۔ اس طرح مکے سے باہر آپ سے آپ اسلام کے پہنچنے کا راستہ کھل گیا۔

## طفیلؓ بن عمرو کا مسلمان ہونا

حضرت طفیلؓ اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں خود بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلۂ دوس کا ایک شاعر تھا۔ ایک کام سے مکے گیا۔ جیسے ہی میں وہاں پہنچا۔ مکے کے سرداروں نے مجھے گھیر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میرے کان بھرے۔ یہاں تک کہ میں آپ سے سخت بدگمان ہو گیا اور میں نے طے کر لیا کہ آپ سے بچ کر ہی رہوں گا۔ دوسرے روز میں نے حرم میں حاضری دی تو وہاں دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے کانوں میں چند جملے پڑے تو مجھے یہ کلام بہت اچھا لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ میں ایک شاعر ہوں، جوان مرد ہوں، عقل رکھتا ہوں، کوئی بچہ نہیں ہوں کہ صحیح اور غلط کو نہ سمجھ سکوں۔ آخر کیوں نہ اس شخص سے

... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر واپس چلے

تو میں آپ کے پیچھے ہولیا اور آپ کے مکان پر پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھ سے یہ اور یہ کہا تھا اور میں آپ سے اتنا بدگمان ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی تاکہ آپ کی آواز نہ سن سکوں لیکن ابھی جو چند کلمے آپ کی زبان سے سنے ہیں وہ مجھے بہت کچھ اچھے معلوم ہوئے۔ آپ مجھے ذرا تفصیل سے بتائیے۔ آپ کیا کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو قرآن کا ایک حصہ سنایا۔ میں نے اُس سے اتنا زیادہ اثر لیا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ پھر میں جب گھر واپس گیا تو اپنے والد اور اپنی بیوی کو مسلمان کیا۔ پھر میں قبیلۂ دوس میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔ کچھ لوگ مسلمان ہوئے مگر زیادہ لوگوں نے دھیان نہیں دیا تو میں پھر حضورؐ کی خدمت میں گیا اور قبیلۂ دوس کے بارے میں دعا کرنے کو کہا۔ آپ نے دعا کی، اور کہا۔ اب جا کر جا کر تبلیغ کرو ذرا نرمی کے ساتھ۔ اب جو میں نے نرمی کے ساتھ اسلام پیش کیا تو سبھی لوگ مسلمان ہو گئے۔

## حضرت ابوذر غفاریؓ

یہ قبیلۂ غفار سے تھے۔ یہ قبیلہ ڈاکہ ڈالنے میں مشہور تھا۔ خود ابوذر غفاری ایک زمانے میں ایسے زبردست ڈاکو تھے کہ اکیلے ہی کسی قافلے پر اس طرح جا پڑتے جیسے کوئی درندہ ٹوٹ پڑا ہو۔ مگر اسلام قبول کرنے سے تین سال پہلے ڈکیتی چھوڑ دی تھی۔

ابوذر غفاری نے سُنا کہ مکّے میں کوئی شخص اپنے کو نبی کہتا ہے تو انھوں نے اپنے بھائی انیس کو بھیجا کہ مکّے جا کر حالات معلوم کریں۔ انیس گئے۔ واپس آکر بتایا کہ اس نبی کا نام محمدؐ ہے۔ وہ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسا کلام پیش کرتے ہیں جو شعر نہیں ہے ابوذر نے کہا کہ وہ کلام سناؤ۔ انیس قرآن نہ سُنا سکے تو کہا کہ میں جو چاہتا تھا وہ تم نہیں لائے۔ پھر وہ خود مکّے گئے اور مسجد حرام میں حضورؐ کو تلاش کرنے لگے۔ مگر پہچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے مل نہ سکے۔ حضرت علیؓ نے ان کو دیکھا۔ سمجھ گئے کہ کوئی مسافر ہے۔ انھوں نے دوسرے دن بھی دیکھا۔ تیسرے دن پوچھا، تم یہاں کیوں آئے

تو ابوذر نے کہا۔ تم وعدہ کرو کہ جہاں میں جانا چاہتا ہوں، وہاں پہنچا دو گے تو میں تم کو بتاؤں کہ کیوں آیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے وعدہ کیا۔ تب انھوں نے کہا، کہ میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا "بیشک وہ سچے نبی ہیں اور اللہ کے رسول ہیں۔ کل صبح تم میرے پیچھے پیچھے آنا اگر میں چلتا رہوں تو تم بھی چلتے رہنا اور جہاں میں داخل ہوں، وہاں داخل ہو جانا۔ لیکن اگر میں نے راستے میں خطرے کی کوئی بات دیکھی تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جیسے پانی گرا رہا ہوں۔ یہ دیکھ کر تم رک جانا۔

اس تدبیر سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ذرؓ کو حضورؐ کے پاس لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ نے آپ سے قرآن سنا اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "اب تم اپنی قوم میں واپس جاؤ، وہاں دین پھیلاؤ۔ حضرت ابو ذرؓ نے کہا کہ میں مکّے والوں کے سامنے اپنے اسلام قبول کرنے کو ظاہر کر کے رہوں گا۔ یہ کہہ کر حرم میں گئے اور پکار کر کلمۂ شہادت پڑھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ سنتے ہی لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ وہ گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عباسؓ ان کے اور لوگوں کے بیچ میں آ گئے اور کہا "کم بختو! تمھیں کچھ خبر بھی ہے کہ یہ قبیلۂ غفار میں سے ہے۔ تمہارا تجارتی قافلہ اس قبیلے سے ہو کر گزرتا ہے یاد رکھو کہ پھر یہ قبیلہ تم کو آگے نہ بڑھنے دیگا۔ یہ سن کر لوگوں نے ہاتھ روکے دوسرے دن پھر ابوذر نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا۔ دوسرے دن بھی پٹائی ہوئی اور عباسؓ ہی نے بچایا۔

اس کے بعد ابوذرؓ گھر گئے۔ انیس نے پوچھا "کیا کر کے آئے" جواب دیا کہ مسلمان ہو کر آ رہا ہوں۔ یہ سن کر انیس اور ماں دونوں مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کی تو پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خُفاف بن ایما رسب کو نماز پڑھایا کرتے تھے جو قبیلۂ غفار کے سردار تھے۔

اسی طرح باہر کے لوگوں میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھ پچاس آدمی مسلمان ہوئے۔ حضرت معیقیب ابن ابی فاطمہ الدوسیؓ، جعال بن سراقہؓ، عبداللہ، اور عبدالرحمٰن کنانی (دونوں بھائی) اور حضرت بُریدہؓ اپنے اسّی گھرانوں کے ساتھ مسلمان ہوئے۔

مکے کے قریش کے جھوٹے پروپیگنڈے کی بدولت مکے سے باہر کے لوگوں میں اسلام کے متعلق دلچسپی پیدا ہوئی، اور جب انھوں نے جانچا پرکھا تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے نہایت اختصار کے ساتھ میں نے چند لوگوں کے مسلمان ہونیکا تذکرہ مثال کے طور پر بیان کیا۔ یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ"۔ یعنی آپ اس جھوٹے پروپیگنڈے سے اداس نہ ہوں۔ ہم نے تو ان کے جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعہ سے آپ کا بول بالا کر دیا۔

## مار دھاڑ اور قید و بند

تحریک اسلامی کی روک تھام کیلئے مکے کے سرداروں نے جو تدبیریں کیں ان میں سے، کچھ اوپر لکھی جا چکیں۔ ان تدبیروں کے ساتھ مکے کے سرداروں نے مسلمان ہونے والوں کو بُری طرح ستانا بھی شروع کر دیا جس جس کے بارے میں ان کو معلوم ہوتا کہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یا جس نے بھی اسلام کی ہمدردی میں زبان کھولی۔ اس پر بے تحاشا ظلم ڈھانے لگے۔ ان میں سے جو لوگ تجارت کرتے تھے یا کوئی پیشہ کرتے تھے ان کو دھونس دی جاتی کہ اسلام چھوڑ دو اور اپنے پرانے دین میں آجاؤ۔ نہیں تو تمہاری تجارت برباد کر دی جائے گی اور تمہارے پیشے نہیں چلنے دیں گے۔ یہاں تک کہ تم بھوکے مر جاؤ۔

یہ دھونس اور ڈراوا لونڈی غلاموں اور عام لوگوں ہی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ مکے کے سرداروں کے جو بیٹے بیٹیاں مسلمان ہو جاتے تھے۔ انھیں بھی اسلام سے پھیرنے کیلئے

یہی ڈرا دیا جاتا۔ اس سلسلے میں ایک مزے کی بات یہ تھی کہ جس سردار کا بیٹا بیٹی یا بھائی
مسلمان ہو جاتا۔ وہ یہ سمجھتا کہ ناک کٹ گئی۔ دوسرے سردار بات مارتے، کہو بھئی! تم بھی بھائی
بیٹے کو روک نہ سکے اور وہ شرمندہ ہو جاتا۔ اس کے بعد جس بُری طرح لونڈی غلاموں کی
مار کٹائی ہوتی۔ اس سے زیادہ بھائیوں اور بیٹوں کو مارا پیٹا جاتا۔ باندھ کر اندھیری کوٹھری
میں ڈال دیا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ اس طرح مکے کے اندر مسلمانوں پر مار دھاڑ کا فتنہ برپا
ہو گیا۔ اس فتنۂ عظیم سے وہ بڑے لوگ بھی نہ بچ سکے جن کی عزت خود مکے کے سردار کرتے
تھے۔

● حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ مکے کے بڑے سرداروں میں سے
تھے اور ان کی بات مانی جاتی تھی۔ وہ مسلمان ہوئے۔ اس "جرم" کے علاوہ "دوسرا جرم" یہ کہ
انھوں نے قریشی سرداروں کے بیٹے بیٹیوں میں تبلیغ شروع کر دی اور اس طرح نوجوانوں کی
ایک کھیپ تیار ہو گئی۔ اس دوسرے جرم کی وجہ سے ان کے ایک رشتہ دار نوفل نے (جو قریش
کا شیر کہلاتا تھا) انھیں پکڑ کر مسلمان ہونے والے ایک نوجوان طلحہ کے ساتھ باندھا پھر دونوں
پر وہ ظلم کیا کہ حضورؐ نے اللہ سے دعا کی، خدایا! ابن عدویہ (یعنی نوفل) کی شرارت سے
ہمیں بچا۔ واضح رہے کہ حضرت طلحہؓ حضرت ابوبکرؓ کی کوشش سے مسلمان ہوئے تھے اسی
طرح حضرت زبیر بن عوام مسلمان ہوئے تو ان کو ان کا چچا ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا نیچے
سے دھونی دیتا اور کہتا جاتا کہ اسلام سے پھر جا۔ لیکن وہ یہی کہتے کہ میں کبھی کفر نہ کروں گا۔
یہ زبیرؓ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ کے بیٹے تھے اور مکے کے مشہور رئیس عوام کے بیٹے تھے
جب ان پر ظلم ہوتا تو کوئی بچانے نہ آتا۔

● حضرت عثمان کے بارے میں سنئے۔ یہ خاندان بنو امیہ کے چمکتے ستاروں میں
سے تھے۔ مسلمان ہوئے تو ان کے چچا حکم نے باندھ کر ڈال دیا اور کہا کہ تو باپ دادا کا دین
چھوڑ کر محمد کا دین قبول کرتا ہے۔ میں تجھے نہیں کھولوں گا، جب تک تو اس دین کو نہیں چھوڑیگا

ت بھ سب دیتے، میں اسلام نہیں چھوڑوں گا، چاہے کچھ ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ کو بھی بچانے کے لئے خاندان میں سے کوئی آگے نہ بڑھا۔

● مصعب بن عمیرؓ کا واقعہ تو بڑا ہی دردناک ہے۔ مکے کا یہ رئیس زادہ مکے کا سب سے زیادہ خوبصورت نوجوان تھا۔ ان کے ماں باپ بڑے لاڈ پیار سے ان کو پال رہے تھے۔ اچھے سے اچھا پہناتے، اچھے سے اچھا کھلاتے۔ ان کے لئے شام سے عطر منگایا جاتا۔ عطر لگا کر جب نکلتے تو اور کسی گلی سے گزرتے تو خوشبو سے پوری فضا سے لوگ سمجھ جاتے کہ مصعب گزر رہے ہیں۔ لاڈ پیار کا پلا ہوا یہ حسین و جمیل نوجوان مسلمان ہوا تو ماں باپ اور چچا کا سارا لاڈ پیار غیظ و غضب سے بدل گیا۔ پہلے عثمان بن طلحہ (چچا) نے بڑی بے دردی سے پٹائی کی، پھر ماں باپ نے باندھ کر اندھیری کوٹھری میں ڈال دیا اور کھانا بند کر دیا۔ آخر مجبور ہو کر ایک لونڈی کی مدد سے بھاگ نکلے اور مکہ چھوڑ کر حبش چلے گئے۔ پھر جب آئے تو اس شان سے ساتھ لوگوں نے دیکھا کہ بدن پر پیوند لگا ایک کمبل تھا اور پھول سا چہرہ مرجھا کر بے گوشت کا ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ضبط کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ حضورؐ بھی ان کی یہ حالت دیکھ نہ سکے۔ فرمایا مصعب جیسا حسین و جمیل نوجوان مکہ کی وادی نے پیدا نہیں کیا۔ اب تو انقلاب آجانا چاہئے۔

● سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کے بھائی عمیرؓ مسلمان ہوئے تو ان کی ماں نے انھیں بہت تنگ کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے حضورؐ سے ماں کی شکایت کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ، آپ میری ماں کو جانتے ہیں۔ وہ بڑے سکھ چین کی عورت ہے اور بڑے گھرانے (ابو سفیان کی بھتیجی) ہے۔ وہ مجھ سے کہتی ہے کہ جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے گا میں نہ کھاؤں گی، نہ پیوں گی، نہ سائے میں بیٹھوں گی۔ وہ کہتی ہے کہ ماں کا کہنا ماننا تو تیرے صاحب نے بھی فرض کر دیا ہے تو تو میرا کہا مان! اگر تو نے میری بات نہ مانی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تو نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یا رسول اللہ! میں سخت پریشان ہوں کیا کروں؟

• حضرت ابوبکرؓ کا ایک "جرم" یہ تھا کہ وہ بڑے گھرانوں کے نوجوانوں میں تبلیغ کرتے۔ ان کی نصیحت سے بڑے جیالے نوجوان مسلمان ہوتے جارہے تھے۔ طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف ابوعبیدہ بن جرّاح، حضرت عثمان اور ایسے ہی دوسرے رئیس زادے ابوبکرؓ ہی کی تلقین سے مسلمان ہوئے۔ دوسرا "جرم" یہ تھا کہ مکّے کے سردار مسلمان ہوجانے والے غلاموں، اور لونڈیوں پر ناقابلِ برداشت ظلم ڈھاتے تو ابوبکرؓ ان کو بھاری رقم دے کر خرید لیتے، اور آزاد کر دیتے۔

ان "دو جرموں" کی وجہ سے مکے کے سرداران کی تاک میں تھے اور حیلہ ڈھونڈھ رہے تھے ایک دن یہ حیلہ مل گیا۔ ابوبکرؓ نے حرم میں تقریر شروع کردی۔ نرم زبان، باأثر تقریر سے نوجوانوں میں بے چینی پھیلی تو مکے کے سرداران پر ٹوٹ پڑے۔ ان کو گرا کر جوتوں سے، وندا عتبہ نے ان کے منہ پر اتنے جوتے مارے کہ سارا منہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی۔ ان کے خاندان والے یہ سب دیکھ رہے تھے لیکن کوئی بچانے نہ آیا لیکن جب یہ شک پیدا ہوا کہ مرہی جائیں گے تو ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ وہاں ایسا لگا کہ ابوبکر زندہ نہ بچیں گے تو پلٹ کر پھر حرم میں گئے اور پکار کر کہا کہ خدا کی قسم! ابوبکر کی جان پر بن آئی ہے اگر وہ مرگئے تو سن لو۔ ہم عتبہ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

شام تک ابوبکرؓ بے سدھ پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس سوال پر گھرانے والے ان کو بُرا کہنے لگے اور اٹھ کر چلے گئے۔ ان کی ماں اُمّ الخیر سے کہہ گئے کہ انھیں کھلاؤ پلاؤ۔ جب ماں بیٹے تنہا رہ گئے تو ابوبکرؓ نے اپنی ماں سے پھر وہی سوال کیا انھوں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی کہ تمہارا دوست کس حال میں ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ جاکر اُمِ جمیل (حضرت عمر کی بہن) سے پوچھو۔ وہ اس وقت مسلمان ہو چکیں تھیں مگر انھوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ ابوبکرؓ کی ماں جاکر ان سے ملیں اور جب اسے کہا کہ ابوبکر محمد بن عبداللہ کا حال پوچھ رہے ہیں تو انھوں نے جواب دیا میں کچھ نہیں

جانتی۔ ہاں اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے ابوبکرؓ کے پاس لے چلو۔ انھوں نے کہا "چلو"۔ ام جمیلؓ ان کے گھر گئیں۔ ابوبکرؓ بڑی خستہ حالت میں پڑے تھے۔ ان کا یہ حال دیکھ کر وہ چیخ اٹھیں: "خدا کی قسم! جن لوگوں نے ابوبکرؓ کا یہ حال کیا ہے وہ کافر اور فاسق ہیں۔ اللہ ان سے انتقام ضرور لے گا"۔ ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا "رسول اللہ کا کیا حال ہے"۔ ام جمیل نے کہا کہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ ابوبکرؓ بولے۔ ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تب انھوں نے بتایا کہ حضورؐ بخیریت ہیں اور دارِ ارقم میں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم! میں نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک ان کے پاس نہ جاؤں۔ ام جمیل نے کہا۔ ذرا ٹھہر جائیے۔ شہر میں سکون ہونے دیجئے۔ پھر وہ اور ام الخیر ان کو سہارا دے کر دارِ ارقم لے گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بڑا صبر و ضبط عطا فرمایا تھا۔ لیکن آپ ابوبکرؓ کا حال دیکھ کر رو پڑے۔ آپ ان پر جھک گئے۔ ان کو چوم لیا۔ دوسرے مسلمان بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بھی اداس ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے سوائے اس تکلیف کے جو اس فاسق نے میرے منہ پر جوتے برسا کر پہنچائی۔ یارسول اللہ! یہ میری ماں ہیں۔ آپ بابرکت ہیں ان کو اسلام کی طرف بلائیے اور دعا دیجئے کہ اللہ انھیں دوزخ کی آگ سے بچالے۔ حضورؐ نے ام الخیر کے لئے دعا کی اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ام الخیر مسلمان ہو گئیں۔

## حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

• ایک روز صحابہ کرامؓ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اچانک کسی نے کہا کہ قریش نے کبھی ہم میں سے کسی کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے نہیں سنا۔ ہم میں کون ہے جو ایک بار انھیں قرآن سنا ڈالے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا۔ صحابہؓ نے کہا۔ ہمیں ڈر ہے کہ لوگ تم پر زیادتی کریں گے کوئی ایسا آدمی جا کر سنائے جس کا خاندان بڑا ہو لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے کہنے پر اڑے رہے۔ بولے: مجھے یہ کام کر ڈالنے دو۔ اللہ میرا حافظ ہے پھر وہ حرم میں گئے اور مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر سورۂ رحمٰن شروع کر دی۔ اللہ اکبر! عبداللہ

ابن مسعودؓ کی قرارت معلوم ہوتا تھا کہ جبرئیل کی آواز آرہی ہے۔ حرم کے اندر جتنے لوگ تھے سب سننے لگے۔ اور ان میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ قریش کے سرداروں نے دیکھا کہ عبداللہ قرآن پڑھ رہے ہیں تو چاروں طرف سے جھپٹے اور ان کو تھپڑ مارنے لگے۔ وہ تھپڑ کھاتے جاتے تھے اور قرآن پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ پوری سورہ رحمٰن پڑھ کر دم لیا۔ پھر جب اپنا سوجا ہوا چہرہ اور بدن لے کر صحابہؓ کے پاس آئے تو سب نے کہا کہ اسی لئے ہم روک رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم۔ تم کہو تو پھر میں جا کر ان کو قرآن سناؤ صحابہؓ نے کہا۔ بس کرو۔ اتنا ہی کافی ہے۔

یہ وہ ظلم و ستم کی کہانی ہے جو نوجوان رئیس زادوں کی ہے۔ ہم نے ان نوجوان عورتوں کا ذکر یہاں پر نہیں کیا۔ نوجوان عورتوں کے ذکر میں دعوت و تبلیغ کا ایک نیا انداز پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم ان کا تذکرہ آگے کریں گے کہ ان پر کیا بیتی۔ اور انھوں نے اپنے قریب کے لوگوں، شوہر، باپ، ماں، اور رشتہ داروں کو کیسے متاثر کیا۔ یہی ام جمیل جو ابوبکرؓ کی حضورؐ تک رہنما بنی تھیں۔ ان کا حال بھی ہم آگے لکھیں گے۔ نیز حضرت زینب، حضرت صفیہ، حضرت اروی، حضرت اسمار وغیرہ کے کارنامے انشار اللہ تفصیل سے تو نہیں مختصراً بیان کریں گے ان سے خواتین میں دعوت و تبلیغ کی راہ ہماری مستورات کو ملے گی۔ اب ہم ان غلاموں اور لونڈیوں پر کئے جانے والے ظلم و ستم کا حال بیان کریں گے جن کا کوئی سہارا مکے میں نہیں تھا اور وہ بے بس و بے کس تھے۔

## غلاموں اور لونڈیوں پر ظلم

● ان میں سے سابقون الاولون۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانے دوست، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ؛ یہ سابقون الاولون میں پانچویں مسلمان ہیں۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ مسلمان ہوئے اور امیہ بن خلف کو ... تو اس نے انھیں طرح طرح کے عذاب دیئے۔ دوپہر کو جب عرب کا ریتیلا

بدن آگ کی طرح گرم ہوجاتا تو انھیں پکڑ کر لے جاتا اور گرم ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ
دیتا اور کہتا خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا جب تک محمد کا انکار نہ کرے اور لات وعزیٰ
کی عبادت نہ کرے۔ مگر بلالؓ جواب میں اَحد اَحد کہتے رہتے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے
ہیں میں نے بلال کو اس حال میں دیکھا کہ اگر اس گرم ریت پر گوشت ڈال دیا جاتا تو بھن
جاتا۔ مگر وہ اس حالت میں بھی کہتے تھے کہ میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں اس زمانے میں عمرہ کرنے گیا۔ میں نے
دیکھا کہ بلال ایک رسی سے بندھے ہوتے ہیں اور لڑکے ان کو گھسیٹتے پھرتے ہیں مگر
وہ کہے جارہے ہیں کہ میں لات، عزیٰ، ہبل اور اساف وغیرہ سب کا انکار کرتا ہوں۔ خود
حضرت بلال کہتے ہیں کہ ایک بار مجھے رات دن پیاسا رکھا گیا پھر تپتی ریت پر لے جاکر ڈال دیا
پھر گلے میں رسی باندھ دی گئی۔ لڑکوں کے حوالے کردیا گیا۔ وہ مجھے مکہ کی گھاٹیوں پر گھسیٹتے
پھرتے۔ پھر تپتی ریت پر اوندھے منہ ڈال دیتے اور اس پاس گرم پتھروں کا ڈھیر لگادیتے۔
حضرت بلال پر یہ وہ ظلم تھا کہ خود کافروں کو ترس آجاتا تھا۔ وہ ان کے پاس آکر کہتے کہ
... کہہ دو جو اُمیہ کہتا ہے۔ وہ جواب دیتے کہ میں کیا کروں میرے منہ سے احد کے سوا
کچھ نہیں نکل سکتا۔

ابوبکرؓ اسی محلے میں رہتے تھے۔ انھوں نے یہ حال دیکھا تو اپنے ایک قوی اور
قیمتی غلام کو دے کر اُمیہ سے بلالؓ کو خرید لیا اور آزاد کردیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ ابوبکر
بڑا اچھا سودا کیا اس مال میں مجھے بھی شریک کرلو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میں بلال کو آزاد
کرچکا۔ اس کے بعد بلالؓ عمر بھر حضورؐ کی خدمت ہی میں رہے۔

## ● عمار بن یاسرؓ

آل یاسر کے سلسلے میں ایک کہانی سنانے کو جی چاہتا ہے۔ ہماری خواتین ... 
... جستہ جستہ وہ بات لارہے ہیں جو پیچھے سننے میں آتی تھی۔ دیکھئے ایک ادنیٰ خاتون

نے کس طرح پورے خاندان کو اسلام کی گود میں لا بٹھایا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یاسر یمن کے رہنے والے تھے وہاں سے مکہ آئے اور ابو حذیفہ بن مغیرہ کے بھائی بن گئے۔ ابو حذیفہ نے بھائی چارہ نبھاتے ہوئے اپنی لونڈی سُمیّہ سے ان کی شادی کردی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی آواز بلند کی تو حضرت سمیّہ نے بڑھ کر لبیک کہی اور مسلمان ہو گئیں۔

پھر ایک دن یاسر نے خواب دیکھا کہ ایک گھاٹی ہے آگ سے بھری ہوئی۔ وہ گھاٹی کی بلندی پر کھڑے ہیں۔ پھر دیکھا۔ ایک سرسبز شاداب باغ ہے۔ اس میں بیوی سمیّہ بڑے ٹھاٹ سے ٹہل رہی ہیں۔ انھوں نے بیوی سے کہا۔ شوہر کا حق ادا کرو۔ سمیّہ نے جواب دیا جب تک اس گھاٹی سے نہ اترو گے۔ اس باغ میں نہیں آسکتے۔ اب ان کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے بیوی سے خواب بیان کیا۔ حضرت سمیّہ نے کہا۔ اے یاسر! خدا کی قسم! تمہارا خواب بالکل سچا ہے ایسا لگتا ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا درجہ عطا فرمائے گا اے یاسر! جلدی کرو۔ تم یقیناً مسلمان ہو گے۔ ابھی میرے ساتھ چلو اور اللہ کے نبی کا ساتھ دو۔

یاسر بیوی کی باتیں سُن کر بہت متاثر ہوئے۔ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں گئے دونوں بیٹے عمار اور عبداللہ ساتھ تھے۔ سب مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونا تھا کہ ابوجہل اور پورا خاندان مخزومی ان کا دشمن ہو گیا۔ بُری طرح عذاب دینے لگا۔ حضرت محمد بن کعب کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمار کو ایک بار کُرتہ اُتارتے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر داغ ہی داغ نظر آئے۔ پوچھا "یہ کیا ہے؟" انھوں نے بتایا کہ یہ ان عذابوں کے نشانات ہیں جو مکے کی تپتی ہوئی زمین پر مجھے اور میرے ماں باپ بھائی کو دئے جاتے تھے۔ مشرکین مکہ آگ سے داغ دیتے تھے۔ حضورؐ یہ حال دیکھتے تو صبر کی نصیحت کرتے۔ فرماتے "اے آلِ یاسر صبر کرو۔ تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ ایک بار آگ کا عذاب ہوتے دیکھا، تو فرمایا" اے آگ آلِ یاسر پر ٹھنڈی ہو جا جس طرح ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ بوڑھے

یاسر اس عذاب کو نہ سہہ سکے اور انتقال کر گئے۔ سخت جانوں میں سمیہ رض سے ابو جہل نے کہا کہ اسلام سے پھر جا! اس پر انھوں نے کہا کہ تو کافر ہے۔ یہ سن کر ابو جہل نے اس زور سے نیزہ ناف کے نیچے مارا کہ حضرت سمیہ شہید ہوگئیں۔ ہماری خواتین فخر کر سکتی اور کہہ سکتی ہیں کہ اسلام کی راہ میں سب سے پہلا قطرۂ خوں ایک عورت کا گرا۔ عبداللہ کو ابو جہل نے تیر مار کر ہلاک کر دیا اب رہ گئے عمار تو ان پر ایک نئے قسم کا عذاب شروع ہوا۔ انھیں پکڑ کر پانی میں غوطہ دیا جاتا جب سانس گھٹنے لگتی تو نکالا جاتا اور کہا جاتا کہ کہو لات و عزیٰ کی جے ہو۔ وہ اللہ اکبر کہتے تو پھر پانی میں غوطہ دیا جاتا اور پھر نکالا جاتا۔ کافر پکارتے کہو لات و عزیٰ کی جے ہو۔ وہ کہتے "اللہ اکبر" تو پھر غوطہ دیتے۔ اس طرح غوطہ دیتے دیتے ایسا بدحواس کر دیا کہ ایک بار جب پانی سے نکالا گیا اور شور سنا کہ لات و عزیٰ کی جے ہو تو زبان سے یہی نکل گیا۔ پھر جب اوسان درست ہوئے تو روتے ہوئے حضور کی خدمت میں گئے اور کہا کہ میں نے بدحواسی میں آپ کا انکار کر دیا۔ حضور نے فرمایا تمہارے دل کی کیا حالت ہے۔ عرض کیا "الحمد للہ"! اب حضور نے فرمایا کہ اگر پھر ایسا ہی موقع ہو تو پھر کہہ دینا لیکن حضرت عمار رض نے حضور کی اس رعایت سے پھر فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس واقعہ پر سورۂ نحل کی آیت ۱۰۴ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے۔ وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تب تو معاف ہے البتہ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کا ساتھ دے۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کیلئے سخت عذاب ہے۔

## ● حضرت خبّاب رض

یہ عراق کے رہنے والے تھے کسی نے پکڑ کر غلام بنالیا اور مکے میں لاکر بیچ دیا یہ لوہاری کا پیشہ جانتے تھے اور بہترین کاریگر تھے۔ تلوار بہت اچھی بناتے تھے۔ یہ مسلمان ہوئے تو پہلے ان کا پیشہ برباد کیا گیا۔ ان سے لین دین بند ہوا۔ عاص بن وائل سہمی پر کچھ قرض تھا انھوں نے اس سے مانگا تو اس نے کہا پہلے محمد کا انکار کرو۔ انھوں نے کہا میں محمد کا انکار نہیں کر سکتا پھر عاص ان کا مذاق اڑاتا اور ارے کیوں پریشان ہے۔ جنت میں تیرے لئے سونا چاندی

کپڑا سب کچھ ہے۔" اس پر یہ کہتے" انشاء اللہ"۔

• اس طرح بات نہ بنی تو کافروں نے آگ کا عذاب شروع کر دیا۔ ایک بار تو غضب کر دیا۔ انگارے جلائے۔ اور ان پر چت لٹا دیا اور سینے پر پتھر رکھ دیا یہاں تک ان کے چربی سے آگ بجھی۔ یہ بات عمار رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو خود بتائی تھی اور اپنی پیٹھ دکھائی تھی

یہی خبابؓ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں مشرکین کے عذاب سے بے حد پریشان تھے۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی دیوار کے ... میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا" یا رسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی۔ آپ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے۔" یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک تمتما اٹھا اور آپ نے ... تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گذر چکے ہیں۔ ان پر اس سے زیادہ ظلم توڑے گئے۔ ان میں ... کو گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور اس کے سر پر آرہ چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے جاتے۔ اور کسی کے جوڑوں پر لوہے کے کنگھے گھسے جاتے تا کہ وہ ایمان سے باز آجائے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہیگا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا مگر اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔

حضرت بلال رضؓ اور خبابؓ کی طرح نو لونڈیوں غلاموں کا حال کتابوں میں ملتا ہے۔ جن پر سب سے زیادہ ظلم کیا جاتا تھا اور وہ اس ظلم کے سامنے اسلام کی دعوت دینے سے باز نہ رہتے تھے۔ حضرت حمامہؓ حضرت بلال کی ماں، عامر بن فہرہ۔ ابوفکیہہ۔ لُبَینہ (ان کو حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ یہ ان سے کہتی تھیں اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر اس سے بری مار پڑے گی)، حضرت نہدیہ اور انکی بیٹی، زِنّیرہؓ (ان کا واقعہ عجیب و غریب ہے ان کو سر کی مار دی جاتی تھی عذاب سخت تھا اس سے ان کی آنکھوں کی بینائی متاثر ہو گئی۔ ابو جہل نے کہا۔ تجھے لات عزیٰ نے اندھا کر دیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ لات وعزیٰ تو خود اندھے ہیں انھیں خبر بھی نہیں کون

انھیں پوچھ رہا ہے۔ تم اتنا نہیں سمجھتے۔ یہ فیصلے تو آسمان پر ہوتے ہیں اور میرا رب اس پر قادر
ہے کہ میری بینائی واپس کر دے۔ خدا کا کرنا۔ دوسرے دن وہ سو کر اٹھیں تو انہیں دکھائی
دے رہا تھا۔

ان کے علاوہ ایک اور لونڈی تھیں جو مسلمان ہو گئی تھیں اور انھوں نے بڑے ظلم
سہے تھے۔ ان کا نام تھا اُم عُبیسؓ۔

## اس ظلم کا نتیجہ

قریش نے مسلمانوں پر اس طرح کے ظلم ڈھا کر یہ چاہا تھا کہ دھونس، دھاندلی
اور مار دھاڑ سے لوگوں کو اسلام سے روک دیں لیکن جیسے جیسے وہ مسلمانوں کو ستاتے تھے۔
مسلمان دین میں پکے ہوتے جاتے تھے۔ پھر قرآن کی آیتوں کی روشنی میں مسلمانوں کی جو تربیت
ہو رہی تھی اور ان کا اخلاق نکھر رہا تھا اس کی قدر کٹر سے کٹر کے دل میں پیدا ہو جاتی تھی اس
ظلم کی بھٹی سے گذر کر جو لوگ اسلامی تنظیم میں آئے وہ بڑے مضبوط اور بہترین انسان تھے ایسی
حالت میں کچا آدمی کبھی سچا ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب اللہ کی طرف سے تربیتی آیتیں بارش کی طرح برس رہی تھیں
جن میں مسلمانوں کے لئے بشارتیں اور کافروں کے لئے ڈراوے ہوتے تھے۔ پیشین گوئیاں
تھیں کہ اے مسلمانو! تم ہی سر بلند ہو گے۔ صبر کی تلقین بھی ہوتی تھی تسلیاں بھی ہوتی تھیں پچھلی امتوں
کے واقعات کہ کونسی قوم رسول کا انکار کر کے کس طرح برباد ہوئی۔ ایسی آیتوں سے مسلمان عبرت
حاصل کرتے اور ان کا دل مضبوط ہوتا جاتا۔

## وحدتِ بنی آدم

توحید، رسالت اور آخرت کے علاوہ ایک اور مسئلہ سرداران قریش کو بہت ہی گراں
گزر رہا تھا وہ تھا مسئلہ وحدت بنی آدم۔ وحدت بنی آدم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسان
حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناتے سارے انسان

آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ آدمی ہونے کے ناتے سب برابر ہیں۔ یہ بات دل و دماغ میں بٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار آیتیں نازل فرمائیں ہیں اس سلسلے میں صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ج (سورۂ نساء۔ آیت ۱)

اے انسانو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تم کو ایک نفس (یعنی ایک فرد یا ایک شخص یا ایک انسان) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ (حجرات۔ ۱۳)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ متقی (اللہ کے ڈر سے برائیوں سے بچنے والا) ہے۔

ان آیتوں کا مطلب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کھول کر بار بار سمجھایا ہے اسے بھی اس جگہ لکھ دیا جائے تو بہت مناسب رہے گا چونکہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی چھوٹے بڑے ارشادات لکھنا ہیں۔ اس لئے متن کو چھوڑ کر صرف ترجمہ پیش کر رہا ہوں فرمایا:

● تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لوگ اپنے پرکھوں پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دیں نہیں تو وہ اللہ کی نظر میں گندے کیڑوں سے زیادہ ذلیل و خوار ہوں گے۔

● اللہ قیامت کے دن تمہارا حسب و نسب (ذات برادری) نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی (برائیوں

سے بچنے والا) ہو۔

- اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارا مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال (کاموں کو) دیکھتا ہے یعنی تم نے کیا کیا کام کیئے اور کس نیت سے کیئے (اللہ کو خوش کرنے کے لیئے یا اپنے نام یا کسی فائدے کی وجہ سے کیئے)۔
- شکر ہے اس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت (اگیان اور مورکھتا) کی برائی اور اس کا گھمنڈ دور کر دیا۔ لوگو۔ اللہ کے یہاں انسانوں کے صرف دو گروہ ہیں۔ ایک نیک اور پرہیزگار یعنی اللہ کے ڈر سے برائیوں سے بچنے والا اور دوسرا فاجر اور دل کا کٹر یعنی اللہ کی نافرمانی کرنے والا اور دل کا ایسا سخت جس پر اچھائی کا اثر نہ ہو۔ یہ دوسرا اللہ کی نظر میں ذلیل ہے ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔
- لوگو! خبردار رہو۔ تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی (غیر عرب) پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی بڑائی نہیں ملی ہے۔ ہاں بڑائی تقویٰ پر ہے یعنی اللہ کے یہاں سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ برائیوں سے بچنے والا ہو۔ بتاؤ۔ میں نے تم کو بات پہنچا دی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا، اچھا تو جو موجود ہے وہ ان لوگوں تک بات پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں (ہو سکتا ہے سننے والوں میں لوگ تم سے زیادہ اس بات کو سمجھنے والے ہوں۔)

اللہ اور اللہ کے رسول کی یہ تعلیم صرف کتابوں ہی میں لکھی نہیں رہ گئی بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر میں چھا جانے والی مسلمانوں کی ایک برادری بنا دی جس میں ذات پات، اونچ نیچ، خاندان، برادری، اور قوم و وطن سب کچھ کھپ گیا۔ اب آدمی نہ برہمن رہا نہ اچھوت نہ ہندی رہا نہ عربی، نہ ترکی رہا نہ ایرانی، صرف مسلمان رہ گیا۔

صرف مسلمان رہ جانے کا کھلا ہوا ثبوت مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدر و اُحد کی لڑائیوں میں پیش کیا۔ اس وقت انھوں نے ان تمام رشتوں کو کاٹ کر پھینک دیا جو دین سے ہٹ کر

جڑے ہوئے تھے۔ ان معرکوں میں اللہ کے بندے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے اپنے ہی گھر والوں سے لڑ گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے کٹر کافر باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارث نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔

اس جنگ میں مصعبؓ بن عمیر کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے دیکھا تو پکار کر کہا۔ "ذرا مضبوط باندھنا۔ اس کی ماں بہت زیادہ مالدار ہے۔ اس کی رہائی کے لئے وہ تم کو فدیہ میں بہت زیادہ مال دے گی۔

ابوعزیز نے کہا "تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو" مصعبؓ نے جواب دیا "اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو۔ بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے۔ جو تم کو گرفتار کر رہا ہے"۔

اسی جنگ میں حضورؐ کے اپنے سگے چچا عباس اور داماد ابوالعاص قید ہو کر آئے۔ ان سے بھی فدیہ کی رقم مانگی گئی۔ حضرت عباسؓ نے کہا "مجھ سے فدیہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ یا رسول اللہ! آپ گواہ ہیں، میں ہمیشہ سے آپ کا اور اسلام کا طرفدار رہا۔ مسلمانوں کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچاتا رہا"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "چچا! آپ نے جو کچھ کہا۔ وہ سب ٹھیک ہے لیکن ابھی آپ نے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا اور اسلامی معاشرے سے کٹے رہے۔ اس جواب کے بعد چچا اور داماد دونوں کو فدیہ دینا پڑا تب ہی ان کی جان چھٹی۔

یہی وہ بات تھی جس پر صرف قریش ہی نہیں، عرب کے سارے قبیلے ہی تلملا اٹھے خونی رشتہ اور خاندان کا بڑپن ہی ان کے لئے بڑائی اور عزت کا نشان تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے پر اسی لئے بڑائی جتاتا تھا پدرم سلطان بود، ہمارے باپ دادا بڑے آدمی تھے وہ یہ اور یہ کارنامے کر گئے ہیں۔ اب جو انھوں نے دیکھا کہ وحدت بنی آدم پر ایک معاشرہ بن رہا ہے

جان کے سماج کی بنیادی اینٹ ہی کو توڑے پھوڑے ڈال رہا ہے تو انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس سر چشمے کو اسی وقت بند کر دیا جائے ورنہ اگر یہ چشمہ دریا بن گیا تو سب کو بہالے جائے گا۔ یاد ہوگا ابوجہل بار بار اپنے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ محمدؐ کو میں جھوٹا نہیں کہتا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا گھٹنا بلال کے گھٹنے سے چھو جائے۔ خدا کی قسم میں جم کر محمدؐ کی مخالفت کروں گا۔ ابولہب نے حضورؐ سے ایک بار پوچھا۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا "جنت"۔ اس نے پھر پوچھا" اور بلال وصہیب وغیرہ کو؟" آپؐ نے فرمایا "انھیں بھی جنت ملے گی"۔ اس جواب پر ابولہب غصے میں دانت پیسنے لگا۔ اس نے کہا "ستیاناس جائے تیرا تو نے مجھے اور انھیں برابر کر دیا۔

ابوجہل اور ابولہب ہی کی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ ایسے ابوجہل اور ابولہب پائے جاتے رہے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں نے اسی بنا پر اپنے کو ساری دنیا کے لوگوں سے بڑا سمجھا اور سینے پر ہاتھ مار کر کہا" ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ ہم دوزخ میں نہیں جا سکتے اور اگر گئے بھی تو ایاماً معدودات چند دنوں کے لئے۔ عیسائیوں نے اسی بنا پر فخر کیا کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اب ہم کو کون جہنم میں ڈال سکتا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں ورن آشرم (ذات پات) کو اسی نے جنم دیا جس کی بدولت برہمن اعلیٰ ذات بن گیا، اور شودر انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دئیے گئے۔ امریکہ اور افریقہ میں کالے گورے کی تفریق اس سے پڑی۔ وغیرہ،

ابوجہلوں اور ابولہبوں نے بہت زور لگایا کہ معاشرے میں یہ مساوات گھسنے نہ پائے لیکن ان کی ایک نہ چلی۔ تحریک اسلامی اپنے تمام اصولوں کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔

# ہجرتِ حبشہ

اب تک جو کچھ لکھا گیا۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے تھے۔ انھوں نے اللہ کے حکموں کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا کہ کوئی طاقت ان کے اندر ڈھیل پیدا نہیں کرسکتی تھی اور ان پر عمل ایسی جاں نثاری اور فداکاری کے ساتھ کرتے تھے کہ بڑے سے بڑا ظلم انھیں باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ دوسری طرف قریش کے سردار ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئے تھے کہ یا تو وہ اپنی طاقت کے بل بوتے انھیں اسلام سے پھیر دیں گے اور اگر وہ اسلام سے نہ پھرے تو پھر انھیں مکہ میں رہنا دوبھر کردیں گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر کر بھی دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب دیکھتے تھے اور مسلمانوں کی بے بسی پر اللہ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ان غریبوں کے لئے کوئی ایسی صورت نکال دے کہ وہ تیرے دین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعا سن لی اور اب ایسی آیتیں نازل ہونا شروع ہوگئیں جن میں یہ اشارے پائے جاتے ہیں کہ اگر مکے کے اندر تم اپنے دین و ایمان کے مطابق زندگی بسر نہیں کرسکتے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔

اس طرح کی آیتوں کا مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اب اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آگیا ہے، تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: "اچھا ہو، اگر تم لوگ یہاں سے نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی زمین ہے جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو دور نہ کردے۔ تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔"

یہ حکم پاکر مسلمان مردوں اور عورتوں نے ایک ایک دو دو کرکے مکّے سے نکلنا شروع کردیا۔ اس طرح پندرہ سولہ آدمی (عورتیں اور مرد) مکّے سے نکل گئے اور چھپ

چھپ کر حبش پہنچ گئے۔ یہ بڑے پائے کے نوجوان اور بڑے گھرانے کے چشم و چراغ تھے
مشہور رئیس زادہ حضرت عثمان بن عفانؓ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی رقیہؓ (حضرت
عثمان کی بیوی) مشہور سردار عتبہ کے فرزند حضرت ابو حذیفہؓ، ان کی بیوی حضرت سہلہ
حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھانجے زبیرؓ بن عوام، مصعبؓ بن
عمیر، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوجہل کے گھرانے کے حضرت ابو سلمہؓ، اور ان کی بیوی ام سلمہؓ
(یہ ابوجہل کی سگی چچازاد بہن تھیں۔) عثمان بن مظعونؓ، عامر بن ربیعہؓ، عامر کی بیوی لیلیٰؓ،
ابو سبرہؓ اور حضرت سہیل بن بیضاءؓ، حضرت حاطبؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ اور کہا
جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی ابو طالب کے بڑے بیٹے حضرت جعفرؓ بھی جو بعد
میں ان سے جا ملے تھے۔

ان سب کو سچ مچ وہاں بڑا امن ملا۔ وہ اپنے دین پر اطمینان کے ساتھ عمل کرتے۔ آرام
سے رہتے۔ اور تجارت کر کے حلال روزی حاصل کرتے تھے۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو پہنچی تو آپ نے دوسرے صحابہؓ سے کہا کہ وہ بھی حبش ہی کی طرف ہجرت کر جائیں۔
قریش پندرہ سولہ آدمیوں کے غائب ہو جانے سے چوکنا ہو گئے تھے اب
جو اور مسلمان مکے سے جانے لگے تو انھیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ ان کے جانے
میں رکاوٹیں ڈالیں۔ پریشان کیا پھر بھی اسی، بیاسی، مردوں اور اٹھارہ انیس عورتوں
نے حبش کی راہ لی۔ اور بخیریت وہاں پہنچ گئے۔ ان میں بھی سارے کے سارے رئیسوں کے
گھرانوں کے لوگ تھے۔ قریش کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں کا ایک نہ ایک نوجوان بھاگ
نہ نکلا ہو۔ ان کی فہرست لمبی ہے۔ صرف ان نوجوان خواتین کے نام دے رہے ہیں جنھیں
صنف ضعیف کہا جاتا ہے ان کمزور جانوں نے اللہ کے دین کے لئے ماں باپ کی جدائی
گوارا کی۔ گھر بار اور وطن چھوڑا سکھی سہیلیوں سے منہ موڑا اور مردوں کے ساتھ نکل گئیں
پہلی اور دوسری مرتبہ جانے والیوں کے سب ہی کے نام ملاحظہ ہوں۔

حضرت اسماء بنت عمیس (حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی) حضرت رقیہ رضؓ (حضرت عثمان رضؓ کی بیوی اور حضورؐ کی پیاری بیٹی) حضرت فاطمہ بنت صفوان رضؓ (عمرو بن سعید بن العاص کی بیوی) حضرت امینہ (خالد بن سعید بن العاص کی بیوی) حضرت ام حبیبہ (ابوسفیان کی بیٹی) ان کو حبش میں بڑی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا شوہر حبش پہنچ کر عیسائی ہو گیا۔ اُم حبیبہ رضؓ نے مرتد شوہر پر لات مار دی۔ اس کا ساتھ گوارا نہیں کیا مسلمان بنی رہیں۔ اس پر اللہ نے انھیں دنیا میں سب سے بڑا انعام یہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح ہوا اور وہ ام المومنین بن گئیں۔ حضرت برکہ رضؓ (قیس بن عبداللہ کی بیوی) حضرت اُم حرملہ رضؓ (جہم بن قیس کی بیوی) حضرت رملہ رضؓ (حضرت مطلب بن ازہر کی بیوی) حضرت ربطہ رضؓ (حضرت حارث بن خالد کی بیوی جو حضرت ابوبکر کے ماموں زاد بھائی تھے) حضرت ام سلمہ رضؓ، (ابوسلمہ رضؓ کی بیوی بہت مشہور ہیں۔ ابوسلمہ کے بعد ام المومنین بنیں۔) حضرت فاطمہ رضؓ، (حضرت حاطب بن حارث کی بیوی) حضرت فکیہہ رضؓ (حضرت حطاب بن حارث کی بیوی) حضرت حسنہ رضؓ (حضرت جنادہ بن سفیان کی بیوی) حضرت لیلیٰ بنت حثمہ رضؓ (حضرت عامر بن ربیعہ کی بیوی) حضرت اُم کلثوم بنت سہیل بن عمرو رضؓ، (ابوسبرہ رضؓ کی بیوی جو حضورؐ کی پھوپی برہ کے بیٹے تھے) حضرت سودہ بنت زمعہ رضؓ (بہت مشہور ہیں۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضورؐ نے ان سے نکاح کیا تھا) حضرت عمرہ رضؓ، (حضرت سودہ کے بھائی مالک بن زمعہ رضؓ کی بیوی)۔

مکے کے آسمانوں کے یہ ۱۰۳ چمکدار ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر سرزمین حبشہ میں جا گرے تو مکے کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن، کسی کا بھانجہ گیا کسی کا بھتیجہ۔ ان ہجرت کرنے والوں کے سارے نام ہیں نے نہیں لکھے۔ ورنہ آپ دیکھتے کہ جو گھرانے سب سے زیادہ اسلام دشمن تھے وہی سب سے زیادہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے محروم ہو گئے۔ ابوجہل اسلام دشمنی میں سب سے پیش پیش تھا اس کے گھرانے سے پچیس لڑکے لڑکیاں بنی سہم (حضرت عمر رضؓ کے داماد) کا گھرانہ

اس گھرانے سے ۱۳ مصعب بن عمیر کے گھرانے سے ۸۔ بنی ...

سے کم نہ تھا۔ اس خاندان سے ۱۱ بنی عامر (جس خاندان میں حضورؐ کی پھوپھی برّہ بیاہی تھیں۔
اس خاندان کے دس)، بنی حارث یعنی ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کے گھرانے سے ۸۔ بنی عدی،
حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کے) ۶۔ اس طرح قریش کے ہر مشہور خاندان سے دو دو چار چار
نوجوان گئے۔ یاد ہوگا کہ حضرت طلیبؓ بن عمیر جنھوں نے اپنے ماموں ابو لہب کو اس لئے
باندھ کر پیٹا تھا کہ اس نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کی تھی اور جن کو ان کی ماں اروی کی
حمایت حاصل تھی وہ بھی حبش کو ہجرت کر گئے۔

ان نوجوانوں کے ہجرت کر جانے کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ ابوجہل اور عتبہ جیسے لوگ اسلام
دشمنی میں اور بھی سخت ہو گئے۔ دوسرا اثر یہ دیکھا گیا کہ پھر زیادہ دن نہیں بیتے تھے کہ ان
خاندانوں کے دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

## حضرت ابوبکر رضؓ کی ہجرت

نوجوانوں کی طرف سے ایک چرکہ سردارانِ قریش کو لگا ہی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ جیسا
عظیم انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکے سے نکل گیا تاکہ وہ بھی حبش نکل جائیں۔
وہ مکے سے کچھ دور گئے تھے کہ انھیں ایک عرب سردار ابن دَغنہ ملا۔ اس نے پہچانا۔ پوچھا
ابوبکر کہاں چلے؟ ابوبکرؓ نے بتایا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، بڑے دکھ دئے ہیں۔
زندگی اجیرن کر دی ہے۔" اس نے کہا۔ ہرگز نہیں، تمہارے مرتبے کا آدمی مکے سے باہر نہیں
جا سکتا۔ خدا کی قسم! تم ہمارے سماج کی رونق ہو، غریبوں کو کما کر کھلاتے ہو۔ قریبی اور دور
کے رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہو۔ گرے پڑے لوگوں کو اوپر اُٹھاتے ہو۔ مہمان نواز ہو
نیک کاموں میں مدد کرتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ واپس چلو۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم اپنے
ہی شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔"

ابن دَغنہ ابوبکر رضؓ کو ساتھ لے کر مکے پہنچا۔ بڑے بڑے سرداروں سے ملا۔ سب کو

شرم دلائی۔ ابوبکرؓ جیسا آدمی مکے سے نکل جائیگا تو تمہاری کتنی بدنامی ہوگی تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جس میں یہ اور یہ خوبیاں ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ابوبکر جیسا آدمی مکے سے باہر نہیں جاسکتا۔ میں نے ابوقحافہ کے بیٹے کو پناہ دی۔

قریش نے اپنی پریشانی بیان کی اور عذر پیش کیا کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر جس طرح چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں۔ اور جو چاہیں پڑھیں لیکن ہمارے دلوں کو دکھ نہ دیں وہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں اور نہ گھر کے باہر کہیں قرآن پڑھیں ان کی قراءت سے ہمیں خطرہ ہے ہمارے بال بچے ان کے گرد اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ ابن دغنہ نے اطمینان دلایا کہ وہ امن سے رہیں گے۔

ابوبکرؓ نے گھر کے احاطے میں نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے لگے۔ ان کی آواز میں ایسا سوز تھا اور ایسی کشش تھی کہ قریش کے عام وخاص سبھی گھرانوں کی عورتیں اور ان کے بچے اور نوجوان گروہ در گروہ آتے۔ احاطے کے پاس کھڑے ہو جاتے اور سنتے۔

حضرت ابوبکرؓ خود دل کے نرم تھے۔ قرآن کا اثر ان کے دل پر ہوتا خود رونے لگتے۔ تو عورتیں بچے اور نوجوانوں پر اثر ہوتا۔ قریش کے سرداروں نے یہ دیکھا تو بہت گھبرائے۔ انھوں نے ابن دغنہ کو بلایا اور شکایت کی اور کہا کہ ابوبکرؓ کو روکو یا اپنی پناہ کی ذمہ داری اٹھالو۔ اس نے ابوبکر سے بات کی تو حضرت ابوبکرؓ نے خود اس کی مشکل آسان کر دی۔ فرمایا کہ میں اپنی خوشی سے تمہاری پناہ سے نکلتا ہوں اور اپنے اللہ کی پناہ میں جاتا ہوں۔ ابن دغنہ نے یہی بات قریش سے کہدی اور چلا گیا۔

## قریش کی ایک چال

ایک دن قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے انھوں نے طے کیا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو بہت سے قیمتی تحفوں کے ساتھ حبش بھیجا جائے اور یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی (بادشاہ حبش) کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس کر دے۔

قریش کے ان دونوں سفیروں نے حبش پہنچ کر جو تدبیریں اور کوششیں کیں ان کو مہاجرین حبشہ میں سے بہت سے صحابہؓ نے بیان کیا ہے لیکن حضرت ام سلمہؓ نے سارے واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاست سفیر ہمارے پیچھے حبش پہنچے۔ پہلے وہ نجاشی کے درباریوں سے ان کے گھروں پر ملے انھیں تحفے دئے اور انھیں راضی کر لیا کہ وہ ان کی سفارش کریں گے۔ اس کے بعد نجاشی سے جا کر ملے۔ اس کی خدمت میں بڑے قیمتی تحفے پیش کئے۔ پھر کہا کہ ہمارے شہر کے کچھ نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے یہاں آئے ہیں۔ ہماری قوم کے بڑے لوگوں نے ہمیں آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ انھیں ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے بھی نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی نہیں آئے ہیں۔ انھوں نے تو ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔

جیسے ہی یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے نجاشی کے درباری بولنے لگے " بے شک، ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہیئے ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا خرابی ہے انھیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ اس طرح تو میں انھیں ان کے حوالے نہیں کروں گا ان لوگوں نے ہم پر بھروسہ کیا ہے اور اس بھروسے آئے ہیں کہ یہاں ان کو امن ملے گا۔ وہ اس وقت ہماری پناہ میں ہیں ان سے میں بے وفائی نہیں کر سکتا۔ پہلے میں انھیں بلا کر ان کا بیان بھی لے لوں کہ دراصل بات کیا ہے۔

یہ کہہ کر نجاشی نے مہاجرین کو بُلا بھیجا۔ نجاشی کا یہ پیغام پا کر سب مہاجرین اکٹھا ہوئے آپس میں رائے ملائی کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے ہ سب کی رائے یہی ہوئی کہ حضورؐ نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم وہی پیش کریں گے چاہے نجاشی ہم کو رکھے یا نکال دے۔

یہ سب دربار میں پہنچے تو نجاشی نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ یہ تم نے کیا کیا کہ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑا اور میرے دین میں بھی نہیں آئے اور نہ دنیا کے دوسرے دینوں میں سے کسی کو قبول کیا

آخر یہ تمہارا دین ہے کیا؟ اس پر مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب نے برجستہ تقریر کی۔ کہا:۔

"اے بادشاہ! ہم نری جاہلیت میں پڑی ہوئی ایک قوم تھے، بُت پوجتے تھے مردار کھاتے تھے، بے حیائی کی باتیں کرتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا بُرا برتاؤ تھا۔ قریبی رشتہ کا لحاظ بھی نہیں کرتے تھے۔ ہم اپنے قول پر قائم نہیں رہتے تھے۔ ہم میں سے جو طاقتور تھا، وہ کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے خود ہماری طرف سے ہمیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جس کے خاندان کو ہم جانتے تھے اس کی امانت داری اور سچائی سے واقف تھے۔ اس کے دامن پر بُرائی کا کوئی داغ دھبہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بُلایا کہ ہم صرف اسی کو اپنا مالک اور حاکم آقا مانیں۔ اور اسی اللہ کی عبادت کریں، ان پتھروں اور بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اس نے ہمیں سچائی کا سبق دیا۔ امانت داری سکھائی، صلہ رحمی کا حکم دیا۔ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے پر زور دیا اس نے ہم سے کہا کہ حرام کام نہ کرو، خون نہ بہاؤ، بے حیائی کی باتوں سے، جھوٹ سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا، ہم سے کہا کہ شرک نہ کرو ہمیں نماز پڑھنے روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی۔ پس ہم نے اس کا کہا مان لیا۔ اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس پر ایمان لائے۔ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لایا تھا ہم نے وہی کیا۔ ہم نے حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام، اس پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو ستایا ظلم توڑے تاکہ ہم پھر باپ دادا کے دین میں چلے جائیں۔ اور ہم ان ساری برائیوں کو پھر حلال کرلیں۔ آخر جب انھوں نے ہم کو بہت ستایا اور ہماری زندگی دوبھر کردی اور ہمیں ہمارے دین پر چلنے سے روکا۔ تو ہم اپنے نبی کے حکم سے آپ کے ملک میں چلے آئے اس اُمید پر کہ آپ کے یہاں ہم سے انصاف کیا جائے گا اور یہاں ہمیں پناہ ملے گی۔"

نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے

تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے۔ نجاشی سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ اس کے پادری بھی رو دیے اور درباری بھی جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا" یقیناً یہ کلام اور جو عیسیٰ لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمہ سے نکلے۔ خدا کی قسم، میں تم کو ان کے حوالے نہیں کروں گا اور قریش کے سفیروں سے کہا۔ واپس جاؤ خدا کی قسم، میں ان لوگوں کو تمہارے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔"

پھر حضرت اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا مگر عمرو بن عاص نے کہا کہ خدا کی قسم، میں کل وہ بات پیش کروں گا جو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دیگی میں نجاشی کو بتاؤں گا کہ یہ عیسیٰ بن مریم کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں عبداللہ نے کہا" ایسا نہ کرو، یہ ہمارے مخالف ہی سہی مگر ہیں تو ہمارے ہی بھائی بند اور ان کا کچھ حق ہم پر ہے۔ عمرو بن عاص نے اس کی ایک نہ سنی اور دوسرے روز نجاشی سے کہا" ذرا ان لوگوں کو بلا کر ان سے یہ تو پوچھئے کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے ؟ یہ لوگ ان کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین پہلے ہی عمرو بن عاص کی چال جان چکے تھے۔ انھوں نے پھر آپس میں رائے ملائی کہ اگر عیسیٰؑ کے بارے میں ہم سے پوچھا گیا تو کیا جواب دیا جائے۔ موقع بڑا نازک تھا اور سب اس سے پریشان تھے پھر بھی رسولِ خدا کے صحابہؓ نے یہی طے کیا کہ جو کچھ ہونا ہے ہو جائے۔ ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول نے سکھائی ہے۔

یہ لوگ دربار میں گئے۔ نجاشی نے وہی سوال ان سے کیا تو جعفر بن ابی طالب نے اُٹھ کر کسی جھجک کے بغیر کہا کہ :۔

وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔ نجاشی نے سُن کر ایک تنکا زمین سے

اُٹھایا اور کہا کہ خدا کی قسم، جو کچھ تم نے کہا ہے، عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے اس پر وہ پادری جو پاس بیٹھے تھے، پھنکارنے لگے مگر نجاشی نے کہا۔ واللہ! بات یہی ہے چاہے تم کتنا ہی پھنکارو۔ پھر اس نے ہم سے کہا کہ جاؤ، تم میری زمین میں امن سے رہو۔ جو تم کو بُرا کہے گا سزا پائے گا۔ اگر مجھے سونے کا پہاڑ بھی ملے تو اس کے عوض تم کو ستانا پسند نہیں کروں گا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ان دونوں سفیروں کو ان کے تحفے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اللہ نے جب میرا ملک مجھے دلوایا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اللہ کے معاملے میں رشوت لوں۔

اس طرح مہاجرین حبشہ نے نہ صرف یہ ثابت کر دیا کہ جس حق پر وہ ایمان لائے تھے اس پر ایمان رکھنے میں وہ اتنے مخلص ہیں کہ اس کی خاطر گھر بار۔ ماں باپ بھائی، کاروبار اور ملک اور وطن سب کو چھوڑ کر ہر طرح تکلیفیں سہنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ان کی یہ قوت ایمانی حیرت انگیز تھی کہ انھوں نے ٹھیک ٹھیک عیسائی بادشاہ کے سامنے بڑے نازک موقع پر اپنا عقیدہ صاف صاف بیان کر دیا۔ اسی چیز نے دنیا کو دکھا دیا کہ دعوت و تبلیغ کو کیسے مضبوط کردار کے لوگ مل گئے تھے۔ اسی کردار کا اثر یہ تھا کہ حبش سے بیس[۲۰] علماء کا ایک گروہ مکے پہنچا اور حضورؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ابوجہل نے سنا تو ان کے پاس گیا اور انھیں لعنت ملامت کی لیکن ان علماء نے اسے جھڑک دیا۔

## قرآن کی ایک پیشین گوئی

اسی زمانے میں قیصر روم اور کسریٰ میں ایک بڑی جنگ چھڑی ہوئی تھی قیصر عیسائی بادشاہ تھا اور کسریٰ ایرانی۔ ایرانی بادشاہ نے اس بُری طرح قیصر کو ہرایا تھا کہ اس میں کچھ بھی دم نہ رہا تھا اور وہ بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب مکہ معظمہ میں مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور ان کی ایک بڑی تعداد حبش جا چکی تھی چونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا عقیدہ قریب قریب یکساں تھا وہ بھی اللہ رسول اور آخرت کے ماننے والے تھے

اور مسلمان بھی۔ ادھر مکے کے سرداروں کا عقیدہ ایرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ اس لئے قیصر کی ہار پر مشرکین مکہ بغلیں بجاتے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے۔ دیکھو۔ ایران کے مشرکین جیت رہے ہیں اور اللہ، رسول اور آخرت کے ماننے والے ہار رہے ہیں اسی طرح ہم عرب کے بُت پرست بھی تم کو پیس کر رکھ دیں گے۔ اس وقت سورہ روم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں کہا گیا ہے کہ قریب کی سرزمین میں رومی ہار گئے ہیں مگر اس ہار کے بعد کچھ ہی برسوں میں وہ جیت جائیں گے اور وہ دن وہ ہوگا جب اللہ کی دی ہوئی فتح سے مسلمان خوش ہو رہے ہوں گے۔ مسلمانوں اور قیصر روم کا حال وہ بُرا ہو رہا تھا کہ ایک طرف مسلمان مکے میں مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے اور برسوں تک ان کی کامیابی کے آثار نہ ملتے تھے دوسری طرف قیصر روم کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے اور اس کی حالت دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا دس بیس برس میں وہ جیت سکتا ہے۔ قرآن نے یہ پیشین گوئی کی تو مکے والوں نے ان آیتوں کا خوب مذاق اُڑایا حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اُبی بن خلف نے ہنسی اُڑائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ یہی ہو کر رہے گا اُبی بن خلف نے ابوبکرؓ سے شرط بدی کہ اگر تین سال کے اندر رومی جیت گئے تو دس اونٹ وہ ابوبکر کو دے گا اور اگر نہ جیتے تو ابوبکرؓ اُبی کو دس اونٹ دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ابوبکر سے کہا کہ تین سال کے بدلے دس سال کے اندر کی شرط کر لو اور اونٹوں کی تعداد دس سے بڑھا کر سو کر دو حضرت ابوبکرؓ نے اُبی سے پھر بات کی۔ اس نے منظور کر لی۔

۶۲۲ء میں ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے (اس ہجرت کا حال آگے بیان ہوگا) ادھر ہرقل (قیصر روم) خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے ہوتا ہوا طرابزون کی طرف چلا جہاں اس نے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۶۲۳ء میں اس نے آرمینیا کا قلعہ فتح کیا۔ ۶۲۴ء میں آذربائیجان جیتا پھر ایرانیوں کے مقدس مقام زرطشت کی پیدائش کی جگہ ارمیاہ کو تباہ کر دیا۔ ایرانی آگنی دیو

کے بھی پجاری تھے اور ہر وقت آگ روشن رکھتے تھے۔ آرمیاہ کے آتش کدہ میں ہزاروں برس سے آگ روشن رہتی تھی۔ اور وہ کبھی بجھتی نہ تھی۔ قیصر نے اس آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجائی یہی وہ سال تھا جب بدر کے مقام پر ۳۱۳ مسلمانوں نے حضورؐ کی قیادت میں بارہ تیرہ سو قریشی لشکر سے جنگ لڑی تھی اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر کے فتح حاصل کی تھی اس طرح دونوں پیشین گوئیاں جو سورہ روم میں کی گئی تھیں دس سال کے اندر پوری ہو گئیں ابی بن خلف مر چکا تھا۔ اس کے گھر والوں کو ہار مان کر سو اونٹ ابوبکرؓ کے حوالے کرنے پڑے وہ انھیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے لیکن اب جوا حرام ہو چکا تھا اس لئے اونٹ صدقہ کر دئے گئے۔

## قریش کا نبیؐ پر ہاتھ ڈالنا

قریش کے دلوں کے ٹکڑے حبش میں پڑے تھے عبداللہ اور عمرو بن عاص جیسے سمجھدار آدمی بھی انھیں واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے تو اب وہ حضورؐ کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور وہ حضورؐ کو مار ڈالنے پر تل جاتے۔ ایک دن کی بات ہے کہ حضورؐ حرم کے اندر نماز پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دور پر قریش کے سردار بیٹھے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو حضورؐ کے خلاف بھرا اور بھڑکایا۔ پھر وہ ایک ساتھ حضورؐ پر پل پڑے۔ ایک ظالم نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر جھٹکا دیا یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل ٹک گئے۔ کسی نے حضورؐ کی داڑھی اور سر کے بال نوچے، ایک شور مچ گیا حضرت ابوبکرؓ آپ کو بچانے دوڑے وہ آپ کو بچاتے جاتے تھے قریش کو ڈھکیلتے جاتے تھے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "کیا تم اس شخص کو صرف اس خطا پر مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ حضورؐ نے ابوبکرؓ سے کہا "چھوڑ دو انھیں اے ابوبکر! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ان کی طرف "ذبح" کی نشانی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضورؐ کی زبان سے یہ سننا تھا کہ قریش کانپ گئے۔ پھر ساری بھیڑ چھنٹ گئی۔ (دو ذبح کا مطلب یہ ہے کہ اول

حضرت اسمٰعیل ذبیح جو حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے ذبح ہوتے ہوتے بچے اور اللہ کے حکم سے ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل کے بدلے مینڈھا ذبح کیا۔ حضرت اسمٰعیل تمام قریش کے جدِ اعلیٰ تھے۔
دوسرے حضورؐ کے والد صاحب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب۔ ان کو عبدالمطلب نے منت کے طور پر ذبح کرنا چاہا لیکن پھر وہ عجیب ڈرامائی انداز سے بچ گئے۔ عبدالمطلب کو ان کے بدلے سو اونٹ ذبح کرنے پڑے۔ قریش پر ان دو ذبح کا بڑا اثر تھا انھیں یقین تھا کہ اگر ان کے ہاتھوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم مرگئے تو عذاب نازل ہوجائیگا)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے۔ ایک دن حضورؐ طوافِ کعبہ کر رہے تھے۔ قریش کے سردار ایک طرف بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ہم نے اس شخص کے بارے میں صبر کیا اتنا صبر کبھی نہیں کیا۔ اس نے ہم کو احمق قرار دیا۔ ہمارے باپ دادا کو احمق ٹھہرایا۔ ہمارے دین میں کیڑے نکالے۔ اور ہمارے گھروں میں پھوٹ ڈالی۔ پھر بھی ہم صبر کر رہے ہیں۔ اتنے میں حضورؐ ادھر سے نکلے اور آگے بڑھ گئے۔ حجرِ اسود کو چوما اور پھر طواف میں لگ گئے۔ قریش نے کوئی سخت فقرہ کسا۔ حضورؐ کا چہرہ ذرا بدلا مگر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسری بار پھر گذرے تو پھر انھوں نے کوئی فقرہ چست کیا۔ حضورؐ کو یہ ناگوار گذرا۔ تیسری بار جب پھر ادھر سے گذرے تو پھر ایسی ہی بے جا حرکت کی تو آپؐ رک کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: "قریش کے لوگو! سنتے ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے پاس " ذبح " لے کر آیا ہوں۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں اس وقت اتنا بڑا تھا کہ بات سمجھتا تھا میں قریش کے درمیان باپ کے ساتھ بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ سارے لوگ سُن ہو کر رہ گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ پھر ان میں سے جو سب سے بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اس نے ایسی ٹھنڈی باتیں کرنی شروع کردیں جو وہ اپنے نزدیک بہتر سے بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے کہا " ابوالقاسم! اچھی طرح گذر جاؤ۔ تم تو کبھی نادان نہ تھے حضورؐ نے اسے جھڑک دیا لیکن تو انہی میں سے ہے۔ یہ شخص ابوجہل تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن

العاص کہتے ہیں کہ میں نے قریش کو اتنا مستقل اور مجبور کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضورؐ پر وہ دن بڑا سخت تھا جس دن قریش آپ کو لپٹ گئے تھے اور آپ کے بال نوچ کر مارنا چاہتے تھے (اس دن لفظ "ذبح" سن کر قریش کی صورت دیکھنے کے لائق تھی۔

## حضرت حمزہ کا مسلمان ہونا

انہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اچانک حضرت حمزہ رضؓ مسلمان ہو گئے۔ قصہ یوں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے بُری طرح گالیاں دیں آپ کے بارے میں اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کی شان میں بہت ہی بُرے الفاظ منہ سے نکالے آپ نے اس کی بے ہودہ باتوں کا جواب نہیں دیا۔ اس کی خبر ایک لونڈی نے حمزہ کو دی۔ کہا۔ ابو عمارہ! اس وقت تم ہوتے جب ابوالحکم نے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دی تھیں۔ تم برداشت نہ کرتے۔ حمزہ قریش کے نہایت بہادر، طاقتور اور خود دار آدمی تھے۔ حضورؐ کے سگے چچا تھے۔ دودھ شریک بھائی بھی۔ اور ان کی ماں حضورؐ کی ماں بی بی آمنہ کی چچازاد بہن بھی تھیں عمر میں بھی بس سال دو سال کا فرق تھا۔ آپؐ سے وہ بہت ہی محبت کرتے تھے۔ قریش کے سرداروں سے بھی یارانہ تھا۔ شکار کے شوقین تھے۔ تیر کمان لئے واپس آرہے تھے کہ یہ قصہ سنا تھکے تو تھے ہی۔ غصہ بھڑکا۔ غصے میں بھرے ہوئے حرم میں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا۔ جاتے ہی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر کھل گیا۔ پھر کہا۔ تو ان کو گالیاں دیتا ہے میں بھی انہی کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ تجھ میں ہمت ہے تو وہی گالیاں مجھے دیکر دیکھ! اس پر اس کے حمایتی حمزہ پر جھپٹے۔ مگر اس نے روک دیا۔ بولا۔ ابو عمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بری طرح گالیاں دی تھیں۔

حضرت حمزہؓ نے دین کے بارے میں اور بھتیجے کے نبی ہونے کے بارے میں کبھی کچھ سوچا بھی نہیں تھا۔ اب اچانک بھتیجے کی حمایت میں کہہ گئے کہ میں بھی محمدؐ کے دین پر ہوں تو گھر آکر سوچ میں پڑ گئے۔ رات بھر سوچا۔ آخر فیصلہ کر کے اُٹھے حضورؐ کے پاس گئے۔ کچھ باتیں کیں پھر کہا۔

"بھتیجے! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم صادق ہو اور میں مسلمان ہوں۔ حضورؐ کو چچا کے مسلمان ہونے بڑی خوشی ہوئی۔ قریش کے سرداروں نے سنا تو کہا کہ بُرا ہوا کہ حمزہ مسلمان ہو گئے۔

## حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا

حضرت حمزہ رضؓ کے مسلمان ہونے کی چوٹ قریش کے سرداروں کے دلوں سے ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اس سے زبردست اور زیادہ چوٹ دوسری پڑی۔ حضرت حمزہ رضؓ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد سنا کہ عمرؓ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ مسلمان ہونے سے پہلے حضورؐ اور مسلمانوں کے ایسے ہی سخت دشمن تھے جیسے ابوجہل تھا۔ وہ قریش کے سرداروں میں باعزت گنے جاتے تھے اور انہیں بہت سی خوبیاں تھیں۔ بڑے بہادر تھے۔ بڑے طاقتور تھے۔ بڑے ہی زبردست شہسوار تھے۔ زبان و بیان کی قوت بھی تھی۔ فیصلہ کن ذہن ملا تھا۔ کون جانتا تھا کہ ایسا شخص اسلام کا طرفدار بن کر کھڑا ہو جائے گا لیکن انھیں بھی اسلام نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ حمزہ کے مسلمان ہونے کے تیسرے دن حضورؐ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب سے اسلام کو قوت عطا فرما۔

حضرت عمرؓ خود کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضورؐ کی زبان سے سورۂ حاقہ سنی تھی۔ اس کا مجھ پر اثر تھا۔ اور میں بہت بے چین تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ اس کے بعد تم ایک واقعہ سے اور متاثر تھے۔ ان کے گھرانے کے بہت سے لوگ مسلمان ہو کر حبش چلے گئے تھے ان میں سے لیلیٰ بنت ابی حشمہ رضؓ ان کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ ایک دن عمر ان سے ملنے ان کے گھر گئے۔ ان کے شوہر حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ عمر نے دیکھا کہ سامان سفر باندھ رہی ہیں۔ وہ کھڑے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔ "ام عبداللہ! کیا اب روانگی ہے؟" لیلیٰ نے جواب دیا "ہاں، کیا کروں جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا اور ہم پر ظلم کیا تو اب ہم خدا کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے جہاں خدا ہمارے لئے مصیبت سے بچنے کی کوئی راہ نکال دے گا اس پر عمرؓ نے کہا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہو۔" اس

وقت وہ اُداس ہو گئے۔ اور ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس کے بعد جب عامر گھر آئے تو لیلیٰ نے کہا" عبداللہ کے ابا کاش! اس وقت تم عمر کو اور ہمارے حال پر اُن کے آنسو دیکھتے!" عامر رضؓ نے بیوی سے پوچھا تو کیا تم کو یقین ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے انھوں نے کہا" ہاں مجھے ایسا ہی لگتا ہے" اس پر عامر نے کہا کہ جس کو تم نے ابھی دیکھا ہے وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوگا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے (یعنی یہ بات ناممکن ہے)۔

عمر سورۂ حاقّہ سن کر اور لیلیٰ کو ہجرت کرتے دیکھ کر بڑی بےچینی میں پھنس گئے۔ انہی دنوں میں قریش کے سرداروں نے حضورؐ کے خلاف انھیں چڑھا دیا تو انھوں نے دل میں ٹھان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تاکہ یہ روز روز کا قصہ ختم ہو جائے جس نے ان کو الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ وہ تلوار لیکر گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت نعیم انہی کے گھرانے کے ایک صاحب تھے۔ وہ کچھ دن پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ابھی کسی کو معلوم نہ تھا بولے ارادے کہاں کے ہیں" یہ کہنے لگے" آج میں اس صابی کو قتل کروں گا جس نے قریش کے گھر گھر پھوٹ ڈال دی ہے۔ ہم سب کو احمق ٹھہرایا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالا ہے اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔" نعیم نے سُن کر کہا" خدا کی قسم عمر! تمہارے نفس نے تم کو دھوکہ دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے قتل کے بعد ان کے گھرانے والے تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لئے جیتا چھوڑ دیں گے۔ تم ذرا اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور انھوں نے محمدؐ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔

حضرت عمر رضؓ کے بدن میں آگ لگ گئی۔ وہیں سے پلٹ پڑے۔ بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ موجود تھے ان کے پاس سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ حضرت فاطمہ رضؓ کو یاد کرا رہے تھے ادھر عمر نے آواز دی۔ فوراً حضرت خبابؓ گھر کے ایک کونے میں جا چھپے

حضرت فاطمہ نے سورۂ طٰہٰ کو چھپالیا۔ عمر نے اندر پہنچ کر پوچھا "یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو ابھی میں نے سنی تھی۔ بہن اور بہنوئی نے کہا "تم نے کچھ نہیں سنا۔ عمر نے کہا نہیں میں نے سنی ہے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنے لگے۔ فاطمہ شوہر کو بچانے دوڑیں تو انھیں بھی مارا۔ چوٹ کھا کر ان کا سر پھٹ گیا اور خون بہہ نکلا۔ تب دونوں نے کہا۔ "ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں عمر! اب ہماری رگوں سے ایمان نہیں نکل سکتا۔ تمہارا جو جی چاہے کرلو۔ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہارے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔

عمر نے بہن کو لہو لہان اور ایمان میں چٹان سے زیادہ سخت دیکھا تو دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوئے۔ بہن سے کہا کہ اچھا وہ صحیفہ مجھے دکھاؤ جسے ابھی ابھی تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ دیکھوں تو وہ کیا ہے جو محمد لائے ہیں۔ عمر پڑھے لکھے آدمی تھے اس لئے اسے پڑھنا چاہتے تھے۔ بہن نے کہا "ہمیں ڈر ہے کہ تم اسے پھاڑ ڈالو گے۔ انھوں نے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ میں واپس کر دوں گا۔ پھر اپنے معبودوں کی قسم کھائی۔ اب بہن نے کہا کہ اچھا نہالو۔ پاک ہو کر اسے چھوؤ۔ عمر نے غسل کیا۔ ذرا ٹھنڈے ہوئے تو بہن نے سورۂ طٰہٰ انھیں دے دی۔ چند ہی سطریں پڑھی تھیں کہ زبان سے نکل گیا۔ "کیا عمدہ اونچا کلام ہے یہ سن کر حضرت خبّاب کونے سے نکل کر سامنے آگئے اور کہنے لگے "عمر! مجھے یقین ہے کہ تمہارے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو گئی۔ میں نے کل حضورؐ کو یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ! ابوالحکم عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب سے اسلام کی مدد فرما۔ بس اے عمر! تم کو خدا نے چن لیا (اور عمر بن ہشام محروم رہا) اب جلدی کرو۔ اللہ کی طرف آؤ۔ عمر نے کہا۔ مجھے اللہ کے رسول کے پاس لے چلو تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضرت خبابؓ ان کو لے کر دار ارقم میں کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ عمر گھر کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا ایک صاحب نے کواڑ کی جھری میں سے دیکھا کہ عمر تلوار باندھے کھڑے ہیں وہ ڈرے اور پلٹ کر

عمر کے آنے کی خبر دی۔ حضرت حمزہ بولے "آنے دو۔ اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو ہم بھی نیک برتاؤ کریں گے۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اُسے ختم کر دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا "آنے دو"۔
حضرت عمر کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے آتے ہی حضورؐ ان کی طرف بڑھے ان کی چادر پکڑ کر کھینچی اور فرمایا۔ خطاب کے بیٹے! تم کو کیا چیز یہاں لائی ہے؟ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ تم باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تم پر کوئی مصیبت نازل نہ کر دے۔ حضرت عمر نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول پر اور رسول کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی کہ حمزہ کے بعد عمر بھی مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے کہا "کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا "بیشک" تو عمرؓ نے کہا کہ کعبے میں نماز پڑھنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کو ساتھ لیکر حرم شریف کی طرف چلے۔ داہنی طرف حمزہؓ تھے اور بائیں طرف عمرؓ اور صحابہؓ پیچھے تھے۔ عمرؓ اور حمزہؓ تلوار کندھے پر رکھے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں کعبے کے اندر پہنچے اور نماز پڑھنا چاہی تو قریش جھگڑنے لگے خطرہ پیدا ہو گیا کہ تلوار چل جائے گی کہ ایک سردار نے کہا "تو کیا ہوا میں نے عمر کو پناہ دی"۔ اس کے یہ کہنے سے قریش چپ ہو گئے اور پہلی مرتبہ حضورؐ کے ساتھ مسلمانوں نے حرم میں باجماعت نماز پڑھی۔ بعد میں معلوم ہوا وہ شخص عاص بن وائل تھا یعنی عمرو بن العاص کا باپ۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ انتالیسویں مسلمان حضرت حمزہ تھے اور چالیسواں میں۔ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے مکے میں موجود مسلمانوں کا شمار کر کے یہ کہا ہو ورنہ ظاہر ہے کہ ۴۰ مسلمان تو حبشہ جا چکے تھے (یعنی کل ملا کر ۱۳۰ ہوتے ہیں)۔

## بائیکاٹ

ان دنوں میں قریش کا غصہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روز بروز بھڑکتا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی بڑی بڑی کوششوں پر بھی مکے میں اسلام

پھیلتا جارہا تھا اور باہر کے لوگ بھی آئے دن مسلمان ہورہے تھے۔ اتنا ہی نہیں حبش تک اس
کی جڑیں پھیل گئی تھیں۔ نجاشی بھی مسلمان ہوچکا تھا اور وہ کھل کر مسلمانوں کی حمایت کرنے
لگا تھا۔ حبش سے لوگ حضورؐ سے ملنے آتے اور مسلمان ہوکر واپس جاتے۔ اس پر طرّہ یہ
کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر اور بااثر سردار مسلمان ہوگئے تھے۔ اس پر قریش
کے غصے کی آگ اور بھی بھڑکی۔ وہ پھر سر جوڑ کر بیٹھے۔ اب کی بار انھوں نے ایک تجویز رکھی۔
جس میں اللہ کی قسم کھاکر یہ عہد کیا گیا تھا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب محمدؐ کو ان کے
حوالے نہ کردیں اس وقت تک ان سے میل جول، شادی بیاہ، بول چال اور لین دین کا کوئی
تعلق نہ رکھا جائے گا۔ قریش کے سارے خاندانوں کے سرداروں نے اس تجویز کو پاس کیا
اور اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

اس بائیکاٹ کی خبر ابوطالب کو ہوئی تو انھوں نے اپنے دونوں گھرانوں کے لوگوں
کو بلایا اور ان سے کہا کہ محمدؐ کو ساتھ لیکر سب کے سب شعب ابی طالب میں جاکر ٹھہریں اور
آخر وقت تک ان کی حفاظت کریں۔ شعب ابی طالب مکے کے پاس پہاڑ کی گھاٹیوں میں
سے ایک گھاٹی تھی جو ابوطالب کے قبضے میں تھی۔ ہاشم اور مطلب دونوں خاندانوں کے
لوگ جن میں کچھ مسلمان ہوچکے تھے اور کچھ مسلمان نہیں ہوئے تھے سب شعب ابی طالب میں
چلے گئے۔ صرف ابولہب ایسا بے وفا اور کمینہ ثابت ہوا جس نے خاندان والوں کا ساتھ
نہیں دیا۔ اس نے بائیکاٹ کرنے والوں کا ساتھ دیا۔

یہ بائیکاٹ تین برس رہا۔ قریش نے گھاٹی کو گھیر رکھا تھا کہ کسی طرف سے غلہ اور
کوئی چیز اندر نہ جاسکے۔ مکے میں باہر سے تجار غلہ لاتے تو اس سے پہلے کہ ابوطالب کو خبر ہو۔
قریش جلدی جلدی غلہ اور سامان خرید لیتے تاکہ گھاٹی والے ایک دانہ نہ پاسکیں۔ اور اگر
ان میں سے کوئی کبھی پہنچ جاتا تو ابولہب تاجروں سے کہتا کہ اس سے اتنی قیمت مانگو کہ یہ خرید
نہ سکے پھر میں وہی چیز تم سے خرید لوں گا۔ میں تمہارا نقصان نہ ہونے دوں گا۔

اس ناکہ بندی سے ابوطالب کے ساتھیوں کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ وہ بھوک پیاس سے تڑپنے لگے۔ عورتوں کے سینوں میں دودھ خشک ہوگیا۔ دودھ پیتے بچوں کا بُرا حال تھا۔ وہ بھوک کے مارے بلکتے اور چیختے تو آواز گھاٹی کے باہر جاتی۔ قریش خوش ہوکر کہتے۔ اب ابوطالب زیادہ دن صبر نہ کرسکیں گے اور محمد کو ہمیں قتل کرنے کے لئے دیدیں گے

بائیکاٹ کے دنوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضہ کے بھتیجے حکیم بن حزام اور ابوطالب کے رشتے کے ایک صاحب ہشام بن عمرو چوری چھپے غلہ اور پانی بھیج دیا کرتے تھے اس سلسلے کا مشہور قصہ ہے کہ ایک بار ابوجہل نے حکیم بن حزام کو غلہ لے جاتے دیکھ لیا۔ اس نے شور مچا دیا کہ میں تم کو رسوا کرکے رہوں گا۔ اتنے میں ابوالبختری آگیا۔ یہ حضرت خدیجہ کا رشتہ دار تھا اس نے ابوجہل کو جھڑک دیا۔ بولا "چھوڑ دے اس کو۔ یہ اس کی پھوپی کا غلہ ہے جو وہ ان کو واپس کرنے جارہا ہے۔ کیا تو ان کی اپنی چیز ان کے پاس نہیں لے جانے دے گا ابوجہل ابوالبختری سے جھگڑنے لگا تو ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اس کے پھینک ماری ہڈی ابوجہل کے سر میں لگی اور اس کے سخت چوٹ آئی۔ اس جھگڑے کو گھاٹی کے اندر حضرت حمزہ رضہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنس دئے تو ان دونوں نے خفیف ہوکر جھگڑا ختم کردیا۔
اس عرصے میں حکیم بن حزام نے غلے کا اونٹ گھاٹی کے اندر ڈھکیل دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالبختری بھی چوری چھپے کبھی کبھی گھاٹی میں غلہ اور پانی پہنچا دیا کرتا تھا۔ قریش نے اسے بھی دھمکی دی تو ابوسفیان نے کہا "چھوڑ دو، ایک شخص ہے جو رشتہ داری کا حق ادا کرتا ہے

## بائیکاٹ کا خاتمہ

مکے کے کافروں کے سرپھرے اور ضدی سرداروں نے اہل مکہ کو جوش دلاکر اپنے شہر کے دو بڑے خاندان کا بائیکاٹ تو کرادیا تھا لیکن وہاں حالت یہ تھی کہ مکے کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے ہاشمی خاندان والوں کی رشتہ داری نہ ہو۔ اس دو چار دن کے بعد ہی ناگواری پھیلنے لگی کیونکہ جب گھاٹی سے بچوں کے بلکنے اور رونے کی آواز باہر جاتی تو ان کے رشتہ دار

سُن کر بے چین ہو جاتے۔ عورتیں اپنے مردوں کو ملامت کرنے لگیں اور خود رشتہ دار آپس
میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ پھر مکہ کے اندر یہ آواز صاف سنی جانے لگی
کہ یہ بائیکاٹ کر کے برادری کا حق مارا گیا ہے اور اس سے ہم عرب میں خفیف ہو گئے۔ یہ بائیکاٹ
غلط ہوا۔

جب گھاٹی والوں کا حال دیکھا نہ گیا تو ابوطالب کا رشتہ دار ہاشم بن عمرو نے
قسم کھائی کہ وہ یہ بائیکاٹ ختم کر کے رہے گا۔ سب سے پہلے وہ مکے کے سب سے با اثر گھرانے
بنی مخزوم کے ایک سردار زہیر بن ابی اُمیہ سے ملا۔ یہ ام سلمہ کا بھائی اور حضور کی پھوپی عاتکہ بنت
عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ ہاشم نے کہا " اے زہیر! لعنت ہے کہ تم اس بات سے خوش ہو کہ
خود اطمینان سے کھاؤ پیو۔ شادی کرو۔ اور تمہاری ننہال کے لوگ بھوکوں مریں ان کا
بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے شادی بیاہ کے رشتے توڑ لیے جائیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا
ہوں کہ اگر ابوالحکم عمر بن ہشام (ابوجہل) کا معاملہ ہوتا اور تم نے اس کے ننہال کے ساتھ یہ کیا
ہوتا جو اس نے تمہاری ننہال کے ساتھ کیا ہے تو وہ ہرگز نہ مانتا۔
زُہیر یہ طنز سُن کر تڑپ گیا۔ بولا۔ ہشام! افسوس کہ میں اکیلا ہوں۔ کوئی ساتھ دینے
والا ہوتا تو تم دیکھتے کہ بائیکاٹ کا کاغذ پھٹا پڑا ہوتا۔ ہشام بولا۔ ایک آدمی تو میں ہوں
آؤ اور تلاش کریں۔ پھر ہاشم مطعم بن عدی سے ملا اور اسے غیرت دلائی۔ وہ بھی ساتھ
ہو گیا۔ پھر ابوالبختری سے کہا۔ اس نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ ہاشم نے کہا
ہم چار ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک جری آدمی اور ڈھونڈو۔ ہشام نے ایک اور جیالے جوان کو تلاش
کر لیا۔ یہ زمعہ تھا جو تیسری پشت کے بعد ابوطالب کا بھائی ہوتا تھا وہ فوراً تیار ہو گیا۔
یہ پانچوں آدمی ایک رات مل کر بیٹھے اور رائے ملانے لگے کہ کس طرح بائیکاٹ کا
کاغذ ختم کیا جائے۔ زہیر نے کہا کہ میں بات شروع کروں گا تم سب میرا ساتھ دینا۔ دوسرے
روز یہ سب حرم میں گئے اور قریش کے سرداروں میں مل کر بیٹھ گئے۔ پھر زُہیر نے کعبے کا

طواف کیا۔ طواف کرکے پکارا "اے اہلِ مکہ! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں۔ اس حال میں کہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں۔ نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک کہ بائیکاٹ کا کاغذ ختم نہ کیا جائے گا۔" ابوجہل جھٹ اس کی طرف بڑھا اور کہا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ وہ دستاویز ہرگز نہ پھاڑی جائیگی۔ ایک طرف سے زمعہ بولا۔ واللہ! تو سب سے بڑا جھوٹا ہے ہم اس وقت بھی راضی نہ تھے جب یہ دستاویز لکھی گئی تھی۔ ابوالبختری نے تائید کی کہ زمعہ سچ کہتا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس پر راضی نہیں اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اب مطعم بن عدی بولا بیشک تم دونوں سچے ہو اور جھوٹا ہے وہ جو اس کے علاوہ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے سامنے اس دستاویز سے برأت کا اظہار کرتے ہیں آخر میں ہشام بن عمرو نے بھی تائید کی۔ اس پر ابوجہل کھسیانہ ہو کر بولا "یہ ایک سازش ہے جو رات کو کسی جگہ بیٹھ کر کی گئی ہے۔

کچھ ساتھی ابوجہل کے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور بات بڑھ گئی اور شور بلند ہو گیا۔ زہیر دستاویز کی طرف بڑھ رہا تھا اور ابوجہل کے طرفدار پانچوں کو روک رہے تھے اس کشمکش میں زہیر دروازے پر پہنچ گیا اور اس نے کاغذ نوچ لیا۔ ٹھیک اسی وقت لوگوں نے دیکھا کہ ابوطالب صاف ستھرے کپڑے پہن کر آرہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی بھتیجے بھی ہیں سب ان کو دیکھنے لگے۔ سب حیرت میں تھے کہ یہ کیسے آگئے۔

ابوطالب نے وہاں پہنچتے ہی کہا "ہم ایک بات لے کر آئے ہیں۔ اس کا وہ جواب دو جو تم بہتر سمجھتے ہو۔ قریش کے سرداروں نے کہا۔ اہلاً و سہلاً خوب آئے آپ۔ ہمارے پاس وہ بات ہے جو آپ کو خوش کرنے والی ہو۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ ابوطالب نے کہا کہ میرے بھتیجے نے ابھی ابھی مجھے خبر دی ہے۔ اور خدا کی قسم تم بھی جانتے ہو اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ میرا بھتیجہ کہتا ہے اور اُسے خدا نے خبر دی ہے کہ اس دستاویز میں ظلم اور رشتے ناتے توڑنے کا جو مضمون ہے اس سب کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی

رہ گیا ہے۔ اب تم اس دستاویز کو دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچی نکلے تو ہم تمہارے
قریبی رشتے دار ہیں۔ تم رشتہ توڑنے سے باز آجاؤ اور اس تجویز کو ختم کردو۔ اور اگر
میرے بھتیجے کی بات غلط نکلے تو میں اُسے تمہارے حوالے کردوں گا تم اُسے قتل کردو
یا چاہو زندہ رکھو۔

سرداران قریش نے کہا کہ آپ نے یہ انصاف کی بات کہی۔ زبیر سے وہ دستاویز
لی گئی۔ اُسے کھولا گیا۔ دیکھا گیا کہ اس میں صرف اللہ کا نام لکھا ہوا باقی رہ گیا ہے باقی دیمک
نے چاٹ لیا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور ان کے سر جھک گئے۔
ابوطالب نے کہا "تم نے دیکھ لیا کہ ظالم تم ہو"۔ یہ کہہ کر ابوطالب کعبے کے پردوں کے پیچھے
گئے اور کعبے کی دیوار سے لپٹ کر دُعا کی۔ "اے ہمارے رب! ان ظالموں کے مقابلے
میں ہماری مدد فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا۔ رشتوں کو توڑا اور جو بات ان پر حلال نہ تھی
انھوں نے اپنے لئے حلال کرلی۔

یہ دعا مانگ کر ابوطالب اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو لیکر واپس گھاٹی میں
چلے گئے۔ اس انکشاف سے زہیر، ہشام، ابوالبختری، زمعہ اور مطعم کی ہمت بڑھی
پانچوں نے قریش کو لعنت ملامت کی اس کے بعد ہتھیار باندھ کر گھاٹی کی طرف گئے
اور سب کو نکال کر ان کے گھروں میں پہنچایا۔ اس طرح تین برس کے بعد یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔

## غم کا سال

تین برس کے بعد بائیکاٹ ختم تو ہوگیا لیکن ان تین برسوں میں دو بوڑھی جانوں
پر جو بیت گئی۔ وہ دوسرا کیا جانے یہ دو بوڑھی جانیں تھیں (۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ (۲) جناب
ابوطالب۔ یہ خود بھوکے رہتے اور جو کچھ میسر ہوتا دوسروں کو کھلا دیتے۔ اکثر ایسے حالات
پیش آجاتے تھے کہ بقول سعد بن ابی وقاص رضؓ کہیں سوکھا چمڑا مل جاتا تو ہم اُسے پانی
میں بھگو دیتے پھر باری باری چوستے تھے۔ اس طرح کسی نہ کسی طرح تین برس جھیل تو لے گئے

لیکن دونوں بزرگ ٹوٹ کر رہ گئے۔ چند ہی دنوں میں آگے پیچھے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خدا کے بعد ان دونوں کا بڑا سہارا تھا۔ ابو طالب اور خدیجہؓ کی وجہ سے قریش کے سردار ذرا رعایت کرتے تھے۔ ان کے اُٹھ جانے کے بعد اب ان کو کسی کا لحاظ نہ رہا۔ ابو طالب کے بعد خاندان کا بڑا ابولہب تھا۔ اسے ذرا غیرت آئی۔ اس نے حضورؐ سے کہا "بھتیجے! جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو۔ کرتے رہو۔ ابو طالب کے زمانے میں جو کام تم کرتے تھے وہ جاری رکھو۔ لات و عزیٰ کی قسم، میرے جیتے جی کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ لیکن ابولہب نے یہ قول صرف ایک بار نبھایا اس کے بعد سرپرستی سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

ہوا یہ کہ حضورؐ گھر سے نکلے تو حارث بن قیس سر بازار حضورؐ کو گندی گالیاں دینے لگا۔ ابولہب نے سنا تو گیا اور حارث کی بُری طرح خبر لی۔ اس پر وہ شور مچاتا ہوا بھاگا کہ لوگو! سنو، ابو عتبہ بھی باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ یہ سُن کر لوگ ابولہب کے پاس آئے اور ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا "میں نے عبدالمطلب کا دین نہیں چھوڑا ہے لیکن اب میں اپنے بھتیجے کی حمایت کروں گا۔ قریش کے سرداروں نے کہا۔ یہ تو تم نے بہت اچھا کیا کہ قریبی رشتہ کا حق ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔"

ابولہب کی وجہ سے کچھ دنوں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم امن میں رہے لیکن ایک دن ابوجہل عقبہ بن ابی معیط آپس میں رائے ملا کر ابولہب کے پاس گئے اور اس سے کہا "ذرا اپنے بھتیجے سے یہ تو پوچھ لو کہ اس کا دادا اور تمہارا باپ عبدالمطلب کہاں جائیگا؟" ابولہب نے یہ سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ "جہاں ان کی قوم جائے گی وہاں وہ جائیں گے۔ ابولہب نے قریش کو یہ جواب سنا دیا۔ انھوں نے کہا کچھ سمجھے بھی، محمدؐ نے کیا کہا۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عبدالمطلب جہنم میں جائیں گے" ابولہب نے حضورؐ سے یہی بات پوچھی تو آپؐ نے کہا۔ "ہاں"۔ یہ سنتے ہی ابولہب بھنّا گیا اور جھڑک کر بولا۔ خدا کی قسم، میں تیرا ہمیشہ دشمن رہوں گا۔ تو سمجھتا ہے کہ عبدالمطلب

خ میں جائیں گے۔ اس طرح اللہ کا دشمن وہ تین دن حق کا حامی رہا۔ اس کے بعد پھر اصلیت کی طرف پلٹ گیا۔

قریش کو اب کس کا پاس لحاظ تھا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح ستانے پر تل گئے آپ پر راہ چلتے مٹی اور غلاظت پھینکی جانے لگی۔ ایک دن آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو جس وقت آپ نے سجدہ کیا ایک خبیث نے آپ پر اونٹ کی اوجھ ڈال دی۔ اس بوجھ سے آپ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھا سکے۔ قریش یہ حال دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ یہ خبر حضرت فاطمہؓ کو ہوئی۔ وہ دوڑی آئیں اور انھوں نے اوجھ الگ کی اور قریش کو برا کہا اور انھیں بددعائیں دیں۔ کفار اب بھی ہنسے جا رہے تھے۔ حضورؐ نے نماز ختم کی اس کے بعد فرمایا "خدایا! قریش سے نبٹ لے" حضورؐ نے یہ جملہ دو تین بار کہا۔ حضورؐ سے یہ سنتے ہی قریش ڈر گئے۔ ان کی ہنسی غائب ہو گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ کی بددعا کا اثر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن کے سوا حضورؐ کو ان لوگوں کے حق میں بددعا کرتے نہیں سنا۔

اسی سال ایک بار قریش نے آپ کو اکیلا پا کر گھیر لیا۔ گالیاں دیتے دیتے مار ڈالنے پر تل گئے۔ خبر آپ کے گھر پہنچی تو آپ کے ربیب (حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر کے صاحبزادے حضرت ہالہ جو اس وقت جوان ہو چکے تھے) دوڑے اور بھیڑ میں گھس کر آپ کو بچانے لگے۔ ان کی اچانک آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بچ گئے لیکن کئی تلواریں ان کے جسم پر پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ابولہب آپ کے گھر کے اندر اپنی چھت سے غلاظت پھینکتا تھا اور اس کی بیوی آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ پھر بھی آپ اسلام پھیلانے میں لگے رہے تو قریش نے آپ کو مکے سے نکال دیا۔ آپ مکے سے نکل کر طائف گئے۔ وہاں کے سرداروں سے ملے لیکن وہاں کسی نے آپ کی بات نہیں سنی بلکہ الٹا پتھروں سے مار مار کر اتنا زخمی کر دیا کہ آپ گر پڑے

حضرت زید بن حارثہ رضہ ساتھ تھے۔ وہ اُٹھا کر ایک باغ کے پاس لے گئے۔ حضرت زید رضہ نے
عرض کیا "آپ ان کے لئے بد دعا نہیں کرتے"۔ فرمایا نہیں، مجھے اُمید ہے کہ یہاں سے ایسے
لوگ اُٹھیں گے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے مکے کی طرف
رُخ کیا تو زید رضہ نے کہا کہ آپ مکے میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔ قریش نے آپ کو نکال دیا
ہے۔ اس پر آپ نے کئی سرداروں کے پاس کہلا بھیجا کہ تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو۔ ان میں
سے مطعم بن عدی پناہ دینے پر تیار ہوا۔ آپ مکے میں آ گئے۔ مطعم کا یہ احسان حضور نے یاد
رکھا۔ پھر جب بدر کی لڑائی میں آپ نے ۳۱۳ آدمیوں کی مدد سے قریش کے بارہ تیرہ سو
کے لشکر جرار کو ہرایا تو فرمایا۔ اگر آج مطعم زندہ ہوتا اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں
کہتا تو میں اس کے کہنے کی وجہ سے سب کو چھوڑ دیتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال بہت ہی دُکھ جھیلنے پڑے تھے۔ چچا ابو طالب اور
ام المومنین حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ پھر قریش نے ناقابلِ برداشت تکلیفیں دیں
طائف تشریف لے گئے تو وہاں بھی ستائے گئے۔ اس بنا پر آپ نے اس سال کو
عام الحزن (غم کا سال) فرمایا۔

# حضرت سودہ رضہ اور عائشہ رضہ سے شادی

حضرت خدیجہ رضہ کی وفات کے بعد دوہری پریشانی میں پڑ گئے۔ گھر میں چھوٹی چھوٹی دو
بچیاں ام کلثوم اور فاطمہ تھیں۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ قریش جان
کے دشمن ہو رہے تھے۔ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے باہر جاتے تو یہ لڑکیاں گھر میں بے
سہارا رہ جاتیں۔ اس لئے آپ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضہ سے شادی
کر لی۔ جو ایک بوڑھی خاتون تھیں۔ وہ لڑکیوں کی دیکھ بھال کے لئے بہت موزوں تھیں

حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر حضرت سکران بن عمروؓ دونوں ہجرت حبشہ میں شریک تھے حضرت سکران رضؓ کا انتقال حبشہ میں ہو گیا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ سے شادی کرنے کے لئے آپ کے گھرانے کی ایک سنجیدہ خاتون حضرت خولہ بنتِ حکیم نے آپ سے کہا۔ آپ نے کہا کہ ابو بکرؓ سے بات کرو۔ انھوں نے ان سے بات کی تو ابو بکر اور ان کی بیوی اِم رومان دونوں بہت خوش ہوئے۔ اور عائشہ رضؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔

# عرب کے قبیلوں میں حضورؐ کے تبلیغی دورے

مکہ اور طائف والوں میں اسلام کی دعوت دینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے قبیلوں سے ملنا شروع کر دیا۔ ہر سال حج کے موقع پر آپ ایک ایک قبیلے کے خیمے میں تشریف لے جاتے مشہور بازاروں اور میلوں میں ان سے ملتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قبیلوں سے پہلے بھی ملا کرتے تھے لیکن اب دعوتِ دین دینے کے ساتھ آپ یہ بھی کہتے تھے۔ کہ تم مجھے پناہ دو تاکہ میں کھُل کر اللہ کا دین پھیلا سکوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں جاتے، ابو جہل، ابولہب اور قریش کے دوسرے شیطان پیچھے پیچھے جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ اس کی بات مت سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے یہ تو پاگل ہو گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے سارے ہی قبیلوں میں گئے۔ زیادہ تر لوگوں نے یہی کہا کہ آپ کے شہر والے زیادہ بہتر جانتے ہیں جب وہ پاگل کہتے ہیں تو پھر ہم آپ کی بات سنتے ہی کیسے مان لیں پھر جب آپ یہ کہتے کہ اگر میری بات مان لو گے تو تم عرب اور عجم پر غالب آ جاؤ گے تو لوگ ہنس دیتے اور سمجھتے کہ سچ مچ یہ شخص پاگل ہو گیا ہے کیونکہ ایسی بات کا وہ گمان بھی نہیں

کر سکتے تھے. کچھ قبیلوں نے آپ کی بات دھیان سے سنی اور پسند بھی کی لیکن آپ کو ساتھ لے جانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوا۔

## قبیلہ اوس و خزرج

اوس اور خزرج مدینے کے دو بڑے قبیلے تھے. اوس اور خزرج ایک ہی باپ کے بیٹے تھے جب ان دونوں کی اولاد بڑھی تو عرب میں جیسا ہوتا تھا وہ بھی وہی کرنے لگے یعنی آپس میں لڑنے لگے. مدینے میں یہودی بھی رہتے تھے۔ وہ دونوں کو شہ دے دے کر لڑایا کرتے تھے. ان کے لڑنے سے ان کا فائدہ تھا. دونوں قبیلے ان سے مدد مانگتے اور وہ ان سے من مانا معاہدہ کرا لیتے تھے. وہ سود کا کاروبار بھی کرتے تھے. انھوں نے دونوں قبیلوں میں سود کا جال بچھایا تھا. یہودیت کا پرچار بھی کرتے رہتے تھے اس طرح اوس اور خزرج کے لوگ توحید، رسالت اور آخرت کے الفاظ سن چکے تھے اور یہ بھی جان چکے تھے کہ یہودی ایک اور نبی کے انتظار میں ہیں. یہودی جب ان قبیلوں سے بگڑتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ صبر کرو عنقریب ایک نبی آنے والا ہے وہ جب آئے گا تو ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو ایسا ماریں گے جیسے عاد اور ارم کے لوگ برباد کئے جا چکے ہیں. قرآن مجید میں ان کی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے. بقرہ آیت ۸۹ میں ہے:
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ اور اس سے پہلے وہ خود کافروں کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اوس اور خزرج والوں کے دلوں میں آپ سے آپ یہ جذبہ پیدا ہونے لگا کہ اگر وہ نبی آئے تو سب سے پہلے آگے بڑھ کر ہم کیوں نہ اس کی پیروی کر لیں۔

ایک اور خیال اوس اور خزرج کو آیا. وہ آپس کی لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے. اور دونوں قبیلے مل جل کر رہنا چاہتے تھے. وہ چاہتے تھے کہ انھیں ایک ایسا قائد اعظم مل جائے جو ان میں بھائی چارہ اور محبت پیدا کر دے. اس جذبے کے تحت انھوں نے خزرج کے

رئیس عبداللہ بن اُبی کو چن لیا تھا۔ قریب تھا کہ اسے اپنا بادشاہ بنا لیتے [illegible]
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پہنچ گئی۔ اور مدینے میں اسلام پھیل گیا۔ عبداللہ بن اُبی اپنا سامنہ
لے کر رہ گیا۔ اوس و خزرج کے لوگ کس طرح اسلام کے قریب آئے۔ یہ اللہ کے فضل
اور اس کے رحم و کرم کی بڑی نشانی ہے اور پڑھنے والوں کے لئے اسمیں بڑی نصیحتیں ہیں۔

## مدینے کا پہلا مسلمان

مدینے میں ایک صاحب تھے ان کا نام سوید بن صامت تھا وہ قبیلۂ اوس سے تھے
وہ اپنی لیاقت، بہادری، شاعری، عقل، عزت اور خاندان کی بڑائی کی وجہ سے کامل کہلاتے
تھے۔ ایسے شخص کو وہاں کامل ہی کہا جاتا تھا۔ ان کی ماں لیلی حضورؐ کے دادا عبدالمطلب
کی ماں سلمٰی کی سگی بہن تھیں۔ وہ جب عمرہ یا حج یا کسی کام سے مکہ آتے تو آلِ عبدالمطلب ان
سے ملتے یا وہ آلِ عبدالمطلب سے ملتے۔ دونوں صلہ رحمی کا حق ادا کرتے۔ اسی
طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس صحیفہ لقمان تھا۔ انھوں نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے اچھی چیز ہے وہ ہے
قرآن جسے اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اور وہ سراسر ہدایت ہے۔ پھر آپ نے ان کو قرآن
سنایا تو انھوں نے کہا کہ بیشک یہ اچھا کلام ہے۔ وہ مسلمان ہو کر مدینے گئے لیکن خزرج
والوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس قتل سے اوس اور خزرج میں ٹھن گئی اور وہ اپنے اپنے
مددگار آس پاس کے مقامات میں تلاش کرنے لگے۔

## اوس کا دوسرا مسلمان

قبیلۂ اوس کے کچھ لوگ اپنے طرفدار تلاش کرنے مکے آئے منشاء یہ تھا کہ مکے والوں کو
اپنی مدد پر آمادہ کر لیں۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کا علم ہوا۔ آپ ان کے پاس گئے اور
کہا کہ تم جس کام کے لئے یہاں آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز قبول کر سکتے ہو؟ انھوں نے پوچھا کیا؟ آپ
نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اپنا نبی بنایا ہے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔

اور نہ اس کے ساتھ کسی کو ساجھی بناؤ میرے پاس اللہ کی کتاب ہے۔" یہ کہہ کر آپ نے قرآن سنایا اوس کے لوگوں میں ایک نوجوان تھے ایاس۔ وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ بولے۔" واللہ یہ سچ مچ اس سے اچھی چیز ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو۔ اور یہ وہی ہے جس کی تم خواہش کرتے تھے لیکن بوڑھے لوگوں نے ان کو ڈانٹ دیا۔ وہ لوگ مدینے واپس چلے گئے اس کے بعد اوس وخزرج میں وہ جم کر جنگ ہوئی جس کا نام جنگ بعاث ہے۔ اس جنگ میں ان کے تمام بڑے مارے گئے۔ اس لڑائی کے بعد وہ تھک چکے تھے اور پھر لڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انھوں نے عبداللہ بن اُبی کے سر پر تاج رکھنا طے کر لیا تھا۔ اس لڑائی کے بعد ایاس کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت وہ اللہ کی حمد اور تسبیح کر رہے تھے واقعہ یہ ہے کہ ایاس حضورؐ سے مل کر مسلمان ہو چکے تھے۔ رضی اللہ عنہ،

## مدینے کا پہلا گروہ جس نے اسلام قبول کیا

اس کے بعد حج کا زمانہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبیلوں سے ملاقات کرنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ عقبہ کی گھاٹی میں پہنچے۔ وہاں مدینے کے قبیلہ خزرج کا ایک گروہ ٹھہرا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔" آپ کون ہیں ؟" انھوں نے بتایا۔" ہم قبیلۂ خزرج کے چند آدمی ہیں"۔ آپ نے فرمایا۔" کیا آپ لوگ بیٹھیں گے اور میری بات سنیں گے"۔ انھوں نے کہا "کیوں نہیں"۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ قرآن سنایا۔

قرآن سن کر سبھی پکار اٹھے۔" بھائیو! جان لو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں یہودی تم سے کہا کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی تم سے آگے بڑھ جائیں۔ پھر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اب آپ نے ان سے کہا۔" کیا تم میری حفاظت اور مدد کرو گے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔ انھوں نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! ابھی ہمارے یہاں جنگ بُعاث ہو چکی ہے۔ اس حالت میں اگر آپ تشریف لے گئے تو آپ پر لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہو گا اس وقت آپ ہمیں اپنے لوگوں میں جانے دیجئے ہم ان کے سامنے بھی دین پیش

یں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمارے باہمی جھگڑے ختم کرا دے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کو آپ پر جمع کر دے۔ پھر آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہ ہوگا۔ اب ہم اگلے سال حج میں آپ سے ملیں گے

قرآن کی سورہ آل عمران آیت ۱۰۳ میں یہ اشارہ کتنا خوبصورت ہے۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ اور تم (انصار) آگ سے بھرے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ نے اس سے تم کو بچا لیا۔

## مدینے میں اسلام

یہ لوگ مسلمان ہو کر مدینے پہنچے تو ایک ایک سے مل کر اسلام پہنچانے اور نبی کا حال سنانے لگے۔ اب گھر گھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا۔ ان لوگوں کی ایک کوشش یہ بھی تھی کہ اوس کے بھی کچھ لوگ مسلمان ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ اگلے سال جب حج کو جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں تو اوس کے لوگ بھی ساتھ ہوں اور حضورؐ کا وہ مقصد بھی پورا ہو جس کا وعدہ کر کے آئے تھے۔

اس گروہ کے لوگ اوس کے صلح پسند آدمی تلاش کرنے لگے۔ اللہ کا فضل ان کے شریک تھا۔ انھیں دو بہت ہی صالح آدمی مل گئے۔ (۱) ابوالہیثم بن التیہان جو پہلے ہی سے بت پرستی کے خلاف تھے اور توحید کے قائل ہو چکے تھے۔ (۲) عویم بن ساعدہ پھر جب دوسرے سال وہ حج کو گئے تو خزرج کے بھی کچھ لوگوں کو مسلمان کر کے ساتھ لے گئے یہ کل بارہ تھے جن میں دس خزرجی تھے اور دو اوس۔ اس طرح خزرج اور اوس کے اتحاد کی بنیاد پڑ گئی۔

## حضرت مصعبؓ بن عمیر کا مدینے جانا

جب یہ بارہ آدمی مدینے واپس جانے لگے تو انھوں نے عرض کیا کہ ہیں کوئی ایسا شخص دیجئے جو ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ساتھ کر دیا جو حبش سے واپس آ چکے تھے۔ حضرت مصعبؓ کی قیادت میں ان لوگوں نے بڑی تیزی

سے مدینے میں اسلام پھیلانا شروع کر دیا۔ حضرت مصعبؓ نے کتنے ٹھنڈے دل کے ساتھ وہاں دعوتی کام کیا۔ اس کی ایک جھلک ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

ایک روز اسعد بن زُرارہؓ نے حضرت مصعبؓ کو ساتھ لیا اور قبیلہ اوس کے ایک باغ میں پہنچے۔ وہاں کچھ مسلمان اکٹھا ہو چکے تھے۔ اوس کے سردار سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر کو پتہ چلا تو وہ بہت برہم ہوئے۔ سعد نے اُسید سے کہا۔ ذرا ان دونوں (اسعد بن زرارہ اور مُصعَب) کے پاس جاؤ جو ہماری بستیوں میں آکر ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں اور انھیں ڈانٹ کر علاقے میں آنے سے روک دو۔ اگر سعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود جاتا مگر تم جانتے ہو کہ وہ میرا خالزاد بھائی ہے اور میں اس کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر اُسید نیزہ لے کر اُٹھے اور باغ کی طرف چلے۔ اسعد بن زُرارہؓ نے ان کو آتے دیکھ کر مصعبؓ سے کہا کہ یہ اپنی قوم کا سردار آرہا ہے۔ اس کے معاملے میں ٹھیک ٹھیک اللہ کی بات پہنچانے کا حق ادا کر دو۔" حضرت مصعبؓ نے کہا "اگر یہ بیٹھ گئے تو میں بات کروں گا۔

اُسید ان کے سامنے آکر بڑے سخت انداز میں کھڑے ہو گئے اور بولے "کیا چیز تم دونوں کو یہاں لے آئی۔ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بناتے ہو۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو ادھر کا رُخ نہ کرنا۔" مصعبؓ نے کہا۔ کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے۔ اگر پسند آئے تو قبول کر لیجئے۔ نہ پسند آئے تو جو کام آپ کو پسند نہ ہوگا وہ نہ کیا جائیگا۔ اُسید نے کہا کہ یہ تو نے انصاف کی بات کہی اور نیزہ زمین میں گاڑ کر ان کے پاس بیٹھے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کو اسلام کی باتیں بتائیں۔ قرآن پڑھ کر سنایا۔ قرآن سننا تھا کہ ان کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ چہرے پر بشاشت اور نرمی آگئی۔ ان کی زبان سے نکلا "کیسا عمدہ اور حسین کلام ہے یہ۔ تم لوگ جب اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ دونوں صاحبوں نے کہا "غسل کر کے اپنے جسم کو پاک کر لیجئے۔ اور اپنے کپڑے بھی پاک کر لیجئے۔ پھر حق کی گواہی دیجئے۔ اور اس

کے بعد نماز پڑھتے " وہ اسی وقت اُٹھے، پاک صاف ہو کر آئے، کلمہ شہادت ادا کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر کہنے لگے کہ میرے پیچھے ایک آدمی ہے جو اگر تمہاری پیروی کرلے تو اس کی قوم میں سے ایک آدمی بھی اس کے خلاف نہ چلے گا۔ میں جاکر اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔" یہ کہکر اُسیدؓ اپنا نیزہ لیکر سعد بن معاذ کی طرف چلے۔ ان کے پاس اس وقت ان کی قوم کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد نے اُسید کو دیکھ کر کہا: خدا کی قسم کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو اُسید لیکر گیا تھا۔

حضرت اُسیدؓ آکر سب کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ سعد نے پوچھا کیا کر آئے ہو؟ اُسید نے کہا: میں نے دونوں آدمیوں سے بات کی۔ مجھے تو ان میں کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ میں نے ان کو منع کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم وہی کریں گے۔" پھر حضرت اسیدؓ نے کہا: میں نے سنا ہے بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعد تمہارا خالہ زاد بھائی ہے اور وہ تم کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سعد غصے میں فوراً اُٹھے اور نیزہ لیکر تیزی سے چلے تاکہ بنی حارثہ کا ہاتھ پڑنے سے پہلے اپنے بھائی تک پہنچ جائیں۔ چلتے ہوئے انھوں نے اسید سے کہا: واللہ! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" حضرت اسعد بن زرارہؓ نے دور سے ان کو آتے دیکھ کر مصعبؓ سے کہا: یہ ایسا سردار ہے جس کے پیچھے اس کی ساری قوم ہے۔ یہ مسلمان ہوگیا تو کوئی دو آدمی بھی ایسے نہ رہیں گے جو اس کی قوم میں سے اسلام قبول نہ کرلیں۔ وہاں پہنچ کر جب سعد نے دیکھا کہ اسعد اور مصعب دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں تو سمجھ گئے کہ اسید کا مقصد دراصل یہ ان کی بات سنوانا تھا۔ وہ غضبناک انداز میں آکر کھڑے ہوئے اور اسعد بن زرارہ سے کہا: "ابواُمامہ! بخدا اگر میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو یہ شخص جو تمہارے برابر بیٹھا ہے بچ کر نہیں جاسکتا تھا۔ کیا تو ہمارے گھر پر وہ چیز مسلّط کرنا چاہتا ہے جو ہمیں پسند نہیں ہے۔"

حضرت مصعبؓ نے کہا: "کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے؟ پسند آئے تو

کر لیجئے۔ پسند نہ آئے تو ہم آپ سے اس چیز کو دور رکھیں گے جو آپ کو پسند نہیں ہے"۔ سعد نے کہا کہ یہ تو تم نے انصاف کی بات کہی۔ پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا تو اُن کا چہرہ کھل اٹھا اور اس میں نرمی آگئی۔ سعد نے ساری بات سننے کے بعد کہا "اس دین میں داخل ہونے کے لئے تم کیا کرتے ہو؟" انھوں نے وہی بات اُن سے بھی کہی جو اُسیدؓ سے کہی تھی۔ سعد پاک صاف ہو کر آئے کلمہ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اپنا نیزہ لئے ہوئے اپنے لوگوں میں چلے گئے۔

حضرت سعدؓ جب لوگوں کے سامنے پہونچے تو انھیں آتے دیکھ کر ہی لوگ بول اُٹھے کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لئے ہوئے سعدؓ گئے تھے۔ انھوں نے آتے ہی کہا "تم اپنے درمیان میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟" سب نے کہا "آپ ہمارے سردار ہیں۔ رشتہ داری کا حق ادا کرتے ہیں۔ ہم سب سے زیادہ اچھی رائے رکھتے ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ عقل اور تجربہ رکھنے والے ہیں۔" حضرت سعدؓ یہ سُن کر بولے "تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔" اِس کے بعد شام ہونے سے پہلے اُنکا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ صرف ایک صاحب عمرو بن ثابتؓ رہ گئے جو جنگِ احد کے وقت مسلمان ہوئے اور ایک سجدے کی نوبت آنے سے پہلے شہید ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا "وہ جنتی ہیں۔" سعد بن معاذؓ اور اُسید بن حضیرؓ گھر گھر جا کر اپنے قبیلے کے بت توڑتے پھرتے تھے۔

مدینے میں جمعہ

حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام کے بہترین مبلغ اور نہایت ذہین آدمی تھے انھوں نے مدینے میں بڑی حکمت اور دانائی کے ساتھ اسلام پھیلایا۔ یہاں تک کہ مدینے کے زیادہ تر آدمی مسلمان ہو گئے۔ پھر سب نے مشورہ کیا کہ ہفتے میں ایک بار سب مل کر ایک جگہ نماز پڑھا کریں گے۔ اس کے لئے سب نے جمعہ کا دن مقرر کیا۔ سب سے پہلے جمعہ کی نماز حضرت اسعد بن زرارہؓ نے پڑھائی۔ اس میں چالیس آدمی شریک ہوئے۔ اِس کے بعد مکے سے نبی کریمؐ

کا خط آ گیا جس میں لکھا تھا کہ نماز جمعہ کا حکم آ گیا ہے اِس لئے دو پہر کے بعد لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھاو۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اِس ارشاد کے مطابق باقاعدہ جمعہ کی نماز کا اہتمام فرمایا۔

## پھر عقبہ کی گھاٹی میں

تیسرے سال مدینے سے ۷۲ مسلمان دو مسلمان عورتوں (ام عمارہؓ اور اسماء بنت عمروؓ) کو ساتھ لے کر حج کے لئے گئے۔ یہ سب مدینے کے اس قافلے کے ساتھ تھے جس میں عبداللہ بن اُبی اور اُس کے آدمی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی مشرک تھے۔ رات کو یہ سب کے ساتھ پڑاؤ پر سوتے۔ پھر ان میں سے کئی آدمی چھپ کر نبی کریمؐ سے آپؐ کے چچا عباسؓ کے گھر ملے اور پوچھا کہ ہم سب آپ سے کب اور کہاں ملیں۔ عباسؓ نے رائے دی کہ ابھی اپنے کو چھپائے رہو۔ تمہارے ساتھ تمہاری قوم کے مشرک بھی تو ہیں۔ نبی کریمؐ نے ملاقات کے لئے وہ رات طے کی جب حاجی منیٰ سے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہونے لگتے ہیں۔ جگہ وہی عقبہ کی گھاٹی طے ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی سوتے کو جگانا نہیں اور جو موجود نہ ہو اس کا انتظار نہ کرنا۔

پھر جب یہ لوگ دو دو چار چار چھپتے چھپاتے طے شدہ مقام پر پہونچے تو نبی کریمؐ کو عباسؓ کے ساتھ موجود پایا۔ عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن وہ دِل سے حضورؐ کے ساتھ تھے اور بڑے اچھے مشورے دیا کرتے تھے۔ عقبہ کی گھاٹی میں جب سب لوگ جمع ہو گئے تو سب سے پہلے حضورؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے بات شروع کی، انھوں نے کہا " اے گروہ خزرج! (حالانکہ ان میں اوس بھی تھے) تم نے محمدؐ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی ہے اور حال یہ ہے کہ محمدؐ اپنے خاندان اور رشتہ داروں کے درمیان سب سے مضبوط حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم میں جس نے اُن کا دین قبول کیا ہے اور جس نے نہیں قبول کیا ہے، سب خاندانی تعلق سے اُن کی حفاظت کر رہے ہیں مگر محمدؐ سب کو چھوڑ کر تمہارے

پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ اب تم دیکھ لو، تم میں اتنی طاقت ہو، اپنے اندر اتنا جماؤ پاتے ہو، جنگی سوجھ بوجھ رکھتے ہو یا نہیں کہ تمام عرب کے مقابلے میں ڈٹ سکو، کیونکہ عرب مل کر تم پر پل پڑیں گے۔ اس لئے آج سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ آپس میں رائے ملا لو کیونکہ سب سے اچھی بات سچی بات ہے۔" اس کے بعد حضرت عباسؓ نے پوچھا "ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے دشمن سے کس طرح لڑتے ہو؟" لوگ اس سوال پر خاموش رہے۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام نے اس سوال کا جواب دیا "اے رسول اللہؐ کے چچا! واللہ، ہم جنگ کا ڈھب جانتے ہیں۔ لڑائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم کو اس کا تجربہ ہے۔ جنگ ہم نے باپ دادا سے میراث میں پائی ہے۔ ہم پہلے جب دشمن سے دور ہوتے ہیں تو تیر اندازی کرتے ہیں، یہاں تک کہ تیر ختم ہو جائیں۔ پھر ہم نیزوں کے وار کرتے ہیں یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ جائیں۔ پھر ہم تلوار سونت کر بڑھتے ہیں۔ پھر ہماری تلواریں بجلیاں بن بن کر دشمنوں پر پڑتی ہیں، یہاں تک کہ مرنے والے مرتے ہیں اور زندہ رہنے والے زندہ رہتے ہیں۔"

یہ تقریر سن کر عباسؓ نے کہا "ہاں سچ مچ تم جنگی لوگ ہو۔ اب اگر تم سمجھتے ہو کہ تم جو اقرار کر رہے ہو اُسے پورا کرو گے اور اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں اُن کی حفاظت کر لو گے تو تو ذمہ داری تم اُٹھانا چاہتے ہو اُٹھا لو لیکن اگر دیکھو، تمہارے دل میں ذرا بھی اندیشہ ہو تو اچھا یہی ہے کہ ابھی ان کو چھوڑ دو کیونکہ ہم ان کی حفاظت میں مضبوطی سے قائم ہیں۔"

تمام لوگوں نے کہا "ہاں۔ ہم نے آپ کی بات سُن لی۔ اب یا رسول اللہؐ! آپ ارشاد فرمائیں اور اپنے لئے ہم سے جو عہد لینا چاہیں، لے لیں۔" اس پر حضورؐ نے سب سے پہلے قرآن پڑھا، پھر فرمایا "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حفاظت اور حمایت کرو گے جس طرح خود اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔" براء بن معرورؓ جو ایک بڑے سردار تھے اور تجربہ کار بزرگ تھے، انھوں نے حضورؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا "جی ہاں، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم ہر اُس چیز سے آپ کی

حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل و اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔
بس یا رسول اللہؐ! ہم سے بیعت لیجئے۔"

ابو الہیثم بن التیہانؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ! ہمارے اور دوسرے لوگوں (یعنی یہود)
کے درمیان معاہدے ہیں جن کو اب ہم ختم کردیں گے۔ اس کے بعد کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب
اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس چلے جائیں" حضورؐ
نے مسکرا کر جواب دیا "نہیں، بس اب خون کے ساتھ خون ہے اور قبر کے ساتھ قبر ہے (یعنی ...
مرنا جینا سب تمہارے ساتھ ہے) میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو جس سے تمہاری لڑائی
اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح، اس سے میری صلح۔ تم مجھ سے بیعت کرو کہ ...
بُرے حال میں حکم سنو گے اور اطاعت کرو گے۔ خوشحالی ہو یا بدحالی ہر صورت میں ...
کرو گے، نیکی کا حکم دو گے۔ برائی سے منع کرو گے۔ اللہ کے معاملے میں حق بات کہو گے ...
ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے اور اس بات پر کہ جب میں تمہارے یہاں ...
تو تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جیسے اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اس سے ...

حضورؐ کی ... سن کر سب لوگ آپؐ کی طرف بڑھے تو سب سے ...
نوجوان اسعد بن زرارہ نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا "ٹھہرو ...
ہم اپنے اونٹ دوڑا کر ... ان کے پاس اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں آئے ...
کے رسول ہیں اور آج ان کو نکال کر اپنے ساتھ لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ...
اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تمہارا خون بہائیں گی ...
اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور ...
کے ذمے ہے۔ لیکن اگر تم کو اپنی جانوں کا ڈر ہے تو پھر ابھی سے چھوڑ دو اور صاف صاف ...
کردو کیونکہ اس وقت عذر کردینا اللہ کے یہاں زیادہ قابلِ قبول ہوگا۔"

یہ سن کر سب نے کہا "اے اسعد! ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ خدا کی قسم، ہم اس بیعت کو ہرگز نہ توڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کھینچیں گے۔" اس کے بعد سب نے بیعت کی۔

## اس بیعتؓ کی اہمیت

اسلام کی تاریخ میں یہ ایک انقلابی موقع تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے عنایت فرمایا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ ہم یہ واقعات پڑھنے والے اچھی طرح سمجھ لیں کہ مدینے کے یہ لوگ آپؐ کو اس حیثیت سے نہیں لے جا رہے تھے کہ آپؐ ایک مظلوم آدمی ہیں کہ انھیں پناہ دیں گے بلکہ وہ آپؐ کو اللہ کے رسول اور امام اور فرمانروا کی حیثیت سے لے جا رہے تھے۔ اس بلاوے کا منشاء اور مقصد یہی تھا کہ جو مسلمان عرب کے قبیلوں میں اِکّا دکّا اور گروہ کی حیثیت سے الگ الگ پھیلے ہیں وہ سب مدینے میں آ کر مل جائیں اور اُن لوگوں سے مل کر ایک اسلامی معاشرہ بنالیں۔ یوں کہیئے کہ مدینے کے یہ فداکار (انصار) اسلام کو ایک مرکز دے رہے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو کر عرب و عجم سب سے سخت ٹکّر لینا ہوگی۔

## ایک دلچسپ واقعہ

مدینے پہونچ کر سب نے بڑی تیزی سے اسلام پھیلانا شروع کر دیا۔ لوگ بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کر رہے تھے، گھر گھر بت ٹوٹ رہے تھے اور اب ہر گھر سے قرآن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ سننے کے لائق ہے۔ مدینے کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے عمرو بن جموح۔ اُن کے بیٹے حضرت معاذؓ مسلمان ہو چکے تھے لیکن خود وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی حویلی میں لکڑی کا ایک بت رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اس کی پوجا بڑے گیان دھیان سے کرتے تھے۔ جب اُن کے

گھرانے کے اور بھی نوجوان مسلمان ہوئے تو رات کو وہ آن کی حویلی میں گھس گئے اور اس بت کو نکال کر ایک گڈھے میں پھینک دیا۔ صبح کو جب عمرو بن جموح نے بت کو نہ پایا تو اُسے ڈھونڈنے نکلے۔ اُسے ایک گڈھے میں پایا۔ نکالا۔ دھویا۔ خوشبو لگائی اور پھر اس کی جگہ رکھ دیا۔ لڑکوں نے کئی دنوں یہی کھیل کیا تو ایک دن عمرو بن جموح نے بُت کی گردن میں تلوار لٹکا دی اور کہا کہ تیرے اندر اگر کوئی خیر ہے تو اس تلوار سے اپنی حفاظت کر۔

اس بار نوجوانوں نے تلوار تو الگ رکھ دی۔ اس بت کو اٹھایا۔ اس کی گردن میں مرا ہوا کتا باندھا اور اُسے ایک کنویں میں ڈال دیا۔ اس کنویں میں لوگ گندگیاں ڈال دیا کرتے تھے۔ اس کی صبح کو بھی جب عمرو نے بت کو نہ پایا تو ڈھونڈنے نکلے اور جب کتے کے ساتھ بندھا ہوا گندگی میں لتھڑا ہوا پایا تو دوسرے سرداروں نے آکر سمجھایا کہ جو اتنا بے بس ہو کہ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکتا ہو تو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

اب اُن کی آنکھیں کھلیں اور وہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

# معراج

معراج سے متعلق سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (پاک ہے وہ، جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرم سے دور کی اُس مسجد تک جس کے ماحول کو اُس نے برکت دی ہے کہ اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)۔

[illegible] آیت میں مسجد حرام (یعنی کعبہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) [illegible] میں حضورؐ کے لے جانے کی بات کہی گئی ہے اور مقصد یہ بیان کیا گیا ہے [illegible] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کچھ نشانیاں [illegible] چاہتا [illegible] نشانیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئیں لیکن حدیثوں [illegible] تفصیل ملتی ہے جس کا [illegible] یہ ہے کہ رات کے وقت جبرئیل علیہ السلام [illegible] بیت المقدس تک براق پر لے گئے۔ وہاں آپؐ نے [illegible] ساتھ نماز ادا کی۔ [illegible] امامت آپؐ ہی نے فرمائی۔ پھر جبرئیلؑ آ[illegible] چلے۔ وہاں بھی [illegible] نبیوں سے خاص ملاقات [illegible] آپؐ کو جنت [illegible] جنتیں بھی۔ آپؐ کو دوزخ دکھائی گئی اور اس کے عذاب [illegible] کے حضور حاضر ہوئے۔ اس حضوری کے موقع پر اللہ کی طرف سے [illegible] اور پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ اس کے بعد آپؐ رات ہی میں

حضرت ابوبکر ...

عنہ اللہ واپس آگئے۔ دوسرے روز جب آپؐ نے معراج کا واقعہ لوگوں کو ...
آپؐ کا بہت مذاق اڑایا۔ راتوں رات ایک شخص کا زمین سے آسمانوں تک کا سفر ...
جانا ایسا واقعہ تھا جو لوگوں کی سمجھ سے باہر تھا۔ بہت سے مسلمانوں کے ایمان ڈانواں ڈول ...

# معراج کی مختصر روداد

اب ہم معراج سے متعلق حدیثوں کی روشنی میں اس کی پوری تفصیل بیان کرتے ہیں۔ ہم سورہ بنی اسرائیل کی مدد سے یہ بھی بتائیں گے کہ وہ کیا پیغام تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور آپؐ نے دنیا کو دیا۔ اس پیغام کو ہم "اسلامی ریاست کے منشور" کے عنوان سے یا "اسلامی ریاست کا چودہ نکاتی پروگرام" ... سے لکھیں گے۔ پہلے معراج کی ان نشانیوں کا بیان ملاحظہ فرمائیں اور یہ دیکھیں کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔

یہ واقعہ تحریک اسلامی کے اُس مرحلے میں پیش آیا جب نبی صلے اللہ علیہ ... توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے مکّے میں بارہ سال گزر چکے تھے۔ آپؐ کے دشمن راستہ روکنے کے لئے سارے جتن کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی آواز عرب کے کونے کونے میں پہونچ گئی۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا تھا جس میں دو چار آدمی آپؐ کی دعوت سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ خود مکّے میں ایسے جانبازوں کا چھوٹا سا جتھا بن چکا تھا جو دعوت اسلامی کی کامیابی کے لئے ہر خطرہ مول لینے اور اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ جتھے کے لوگ حضورؐ کے ادنیٰ اشارے پر جان کی بازی لگا سکتے تھے۔ مدینے میں اوس اور خزرج کے طاقتور قبیلوں کی ایک بڑی تعداد آپؐ کی طرفدار ہو چکی تھی اور اُس نے آپ کو یہ دعوت دی تھی کہ آپ ہمارے یہاں آئیں۔ ہم پورے طور پر آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ وہ حالات جب آپؐ کو معراج کا سفر کرایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ پیغام دیا جو ...

[illegible] ۱۹۸۳ء

بنی اسرائیل میں اِسلامی ریاست کے منشور یا اسلامی ریاست کے چودہ نکاتی پروگرام کے طور پر موجود ہے۔

## معراج مبارک

رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ نبوّت کا بارھواں سال تھا۔ حضورؐ کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔ آپؐ حرم کعبہ میں سو رہے تھے۔ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ آپؐ کو جگایا، کچی نیند میں اٹھا کر آپؐ کو زمزم کے پاس لے گئے۔ سینہ چاک کیا۔ زمزم کے پانی سے اس کو دھویا، پھر اُسے علم اور بردباری (گیان اور گورَو، گمبھیرتا) اور سوجھ بوجھ اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ اس کے بعد آپؐ کی سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا۔ اِس کا رنگ چاندی کی طرح سفید، قد گدھے سے بڑا اور خچّر سے چھوٹا تھا۔ اس کی رفتار بجلی سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اِس کا نام براق تھا۔ جہاں تک نظر دیکھتی ہے اتنی دور اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چمکا (بدکا)۔ حضرت جبریلؑ نے اُسے تھپکی دی۔ کہا "کیا کرتا ہے۔ خدا کی قسم، آج تک محمدؐ سے بڑا کوئی آدمی تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے۔" اس پر وہ شرمایا اور پسینے پسینے ہوگیا۔ پھر آپؐ اس پر سوار ہوئے۔ جبریلؑ آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ پہلی منزل مدینے کی ہوئی۔ آپؐ وہاں اُترے۔ نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے بتایا "یہاں آپؐ ہجرت کر کے آئیں گے۔" دوسری منزل طور سینا کی تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے باتیں کی تھیں۔ تیسری منزل بیت اللحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے۔ چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا۔ بیت المقدس پہونچ کر براق کا سفر ختم ہوگیا۔

### نماز اور امامت

—— بیت المقدس پہونچ کر آپؐ براق سے اُترے۔ بیت المقدس میں گئے، وہاں اللہ تعالیٰ کے سارے ہی نبی اور رسول موجود تھے۔ جیسے ہی آپؐ پہونچے، نماز کے لئے

صفیں بندھ گئیں۔ جبرئیلؑ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا کہ امامت
فرمائیں۔ آپؐ نے سب کو نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کئے گئے۔ ایک
پیالے میں پانی تھا، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شراب تھی۔ آپؐ نے دودھ کا
اٹھا لیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو مبارکباد پیش کی کہ آپ نے فطرت کی راہ پا
اس کے بعد ایک (نورانی) سیڑھی آپؐ کے سامنے پیش کی گئی۔ حضرت جبر[illegible] اس
سیڑھی سے آپؐ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں
لئے یہ واقعہ معراج شریف کے نام سے مشہور ہوا۔

## آسمانوں کی سیر

پہلے آسمان پر پہونچے تو فرشتوں نے سوال کیا "کون آتا ہے" [illegible]
نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا گیا "تمہارے ساتھ کون ہے؟" بتایا "محمد صلے اللہ علیہ [illegible]
پھر سوال ہوا "کیا انھیں بلایا گیا ہے؟" جواب دیا "ہاں"
اب فرشتوں نے بڑے تپاک سے آپؐ کا استقبال (سواگت) کیا۔ یہاں ایک
جگہ آپؐ نے حضرت آدمؑ کو دیکھا۔ وہ انسانی بناوٹ کا پورا اور بے عیب نمونہ تھے
چہرہ مہرہ، ناک نقشہ، انگ انگ سبھی بے عیب تھے۔ کسی جگہ کوئی نقص نہ تھا۔
حضرت آدمؑ کے دائیں بائیں بے شمار لوگ تھے۔ وہ داہنی طرف دیکھتے تو خوش
ہو جاتے لیکن بائیں طرف دیکھ کر رونے لگتے۔ حضورؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا "یہ کیا ماجرا ہے؟"
انھوں نے بتایا کہ دائیں بائیں حضرت آدمؑ کی پوری نسل ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے۔
آدمؑ کے داہنی طرف نیک اولاد ہے۔ اسے دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں۔ بائیں طرف [illegible]
اولاد ہے۔ اسے دیکھ کر روتے ہیں کیونکہ یہ جہنم میں جائیں گے۔
اس کے بعد آپؐ دوسرے آسمان پر گئے۔ دوسرے آسمان پر دو نوجوان سب سے
زیادہ ممتاز نظر آئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس ؑ سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون ؑ سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ ؑ سے ملے اور ساتویں آسمان پر ایک ایسا محل دیکھا جو بھرا ہوا (بیت المعمور) تھا۔ اس میں بے شمار فرشتے آتے جاتے تھے۔ اس کے پاس آپؐ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو شکل وصورت میں آپؐ سے ملتے جلتے تھے۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کے بزرگ اعلیٰ حضرت ابراہیم ہیں۔

## سدرۃ المنتہیٰ

--- ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے آپؐ اور اونچے چلے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچ گئے۔ جبریلؑ یہاں تک آپؐ کے ساتھ تھے۔ جبریلؑ نے کہا "اب میں آپؐ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ آپؐ اکیلے سفر کریں گے۔" حضرت جبریلؑ یہاں ٹھہر گئے۔ آپؐ اور اونچے اٹھے۔ اس مقام کے پاس جنت ہے۔ آپؐ کو دکھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار بندوں کے لئے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کوئی سوچ سکتا ہے۔

یہ سب دیکھتے ہوئے آپؐ ساری بلندیوں سے بلند جگہ پر پہونچ گئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے چار تحفے عطا فرمائے

(۱) ہر روز پانچ وقت کی فرض نمازوں کا تحفہ۔

(۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائیں۔

(۳) شرک کے سوا دوسرے گناہوں کی معافی کا امکان ظاہر کیا گیا۔

(۴) ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے، اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جو برائی کا ارادہ کرتا ہے تو (اس ارادہ کرنے پر) اس کے خلاف برائی نہیں لکھی جاتی۔ ہاں جب وہ اس پر

عمل کرتا ہے تو صرف ایک ہی بڑی کاری جاتی ہے۔

## واپسی

اللہ تعالیٰ سے یہ تحفے لے کر آپؐ واپس ہوئے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبریلؑ موجود تھے۔ وہ آسمانوں سے اسی نورانی سیڑھی سے واپس بیت المقدس لائے۔ یہاں تمام پیغمبروں کو پھر نماز پڑھائی۔ اس کے بعد براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس آ گئے۔

صبح سب سے پہلے اپنی چچازاد بہن ام ہانی کو یہ روداد سنائی۔ پھر باہر کو چلے تو بہن نے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور کہا "خدا کے لئے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنائیے۔ نہیں تو آپؐ کا مذاق اڑانے کے لئے انھیں ایک شوشہ اور مل جائے گا۔" مگر آپؐ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ ضرور سناؤں گا۔

آپؐ حرم کعبہ میں پہونچے تو سب سے پہلے ابوجہل سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس نے کہا "کوئی تازہ خبر؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں۔" پوچھا "کیا؟" فرمایا "میں آج رات بیت المقدس گیا تھا۔" وہ حیرت کے ساتھ بولا "بیت المقدس؟ راتوں رات گئے اور آ بھی گئے!" فرمایا "ہاں۔" بولا "قوم کو جمع کروں؟ سب کے سامنے یہی بات کہہ دو گے؟" آپؐ نے فرمایا "بے شک۔" ابوجہل نے پکار پکار کر سب کو بلا لیا اور آپؐ سے کہا "وہ اب کہو۔" آپؐ نے سب کے سامنے پورا قصہ کہہ دیا۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ کوئی تالی پیٹتا تھا کوئی سر پر ہاتھ رکھے حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ بیت المقدس کا دو ماہ کا سفر، یہ ناممکن ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ آسمانوں کی سیر۔ لوگوں نے کہا کہ پہلے تو شک تھا مگر اب یقین ہو گیا کہ تم دیوانے ہو گئے ہو۔"

## ابوبکرؓ کی تصدیق

ابوجہل تو بڑا ہی ذہین آدمی تھا۔ وہ دوڑا دوڑا ابوبکرؓ کے پاس گیا اس کا خیال تھا کہ اب تو ابوبکرؓ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانہ مان لیں گے۔

رابوبکرؓ سے کہا "اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ میں راتوں رات بیت المقدس گیا اور واپس آگیا
یا تم اُس کی بات مان لوگے؟" ابوبکرؓ نے کہا "نہیں"۔ اب اُس نے کہا کہ سنو چل کر،
ارے صاحب کیا کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو بالکل
لک ہے۔ اُن کے پاس تو روز ہی آسمانوں سے پیغام آتے رہتے ہیں۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔

پھر ابوبکر صدیقؓ حرم کعبہ میں آئے۔ حضورؐ موجود تھے۔ لوگ آپؐ کی ہنسی اُڑا رہے
ہ۔ ابوبکرؓ نے حضور سے پوچھا کہ کیا واقعی آپؐ نے یہ ادعیہ فرمایا ہے۔ آپؐ نے کہا "ہاں"۔
رؓ بولے "بیت المقدس میرا دیکھا ہوا ہے۔ آپ اس کا نقشہ بیان فرمائیں"۔ آپؐ نے
بلکل ٹھیک نقشہ بیان فرما دیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی بتایا کہ بیت المقدس کے اتنے دروازے
ں۔ آپؐ یہ سارا نقشہ اس طرح بیان فرما رہے تھے جیسے بیت المقدس اس وقت بھی
پ کے سامنے ہے اور آپؐ اُسے دیکھ دیکھ کر ہر بات بتا رہے ہیں۔ اب تو ہنسی اُڑانے
الوں کو سانپ سونگھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس تدبیر سے کافروں کے دل و دماغ پر ایک
ری چوٹ پڑی کیونکہ وہاں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جنھوں نے بہت بار بیت المقدس
یکھا تھا۔ اُن کا دل گواہی دینے لگا کہ محمدؐ سچ کہتے ہیں۔

پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے راستے کی بہت سی نشانیاں بتائیں۔ آپؐ نے بتایا کہ
ب قافلہ آرہا ہے۔ اس کے ساتھ فلاں فلاں سامان ہے۔ ایک جگہ اُن کے اُونٹ
راق کی چمک سے بدکے اور ایک اُونٹ فلاں طرف بھاگ نکلا۔ میں نے پکار کر بتا دیا کہ
لاں جگہ ہے۔ راستے میں ایک قافلہ اور ملا۔ میں نے اُن کے برتن سے پانی لیکر پیا۔ ایسے ہی
چھ اور راستے پتے دیئے۔ پھر جب دوسرے تیسرے دن قافلے والے آگئے تو اُن سے پوچھا گیا۔
نھوں نے بتایا کہ ہاں محمدؐ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔

اس طرح ہنسی اُڑانے والے خود جھینپ کر رہ گئے۔ اُن کے دل مان گئے مگر وہ
زبان سے یہی کہتے رہے کہ ایسا ہو کیسے سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے کہ آج جب آپ دعوت و تبلیغ

کرتے وقت اپنی بات پوری دلیل کے ساتھ کہتے ہیں تو لوگ دل میں آپ کی بات کا اعتراف
کرتے ہیں لیکن زبان سے یہی کہتے ہیں کہ بھائی یہ بات عقل قبول نہیں کرتی۔ انکار کرنے والوں کا
مزاج ہمیشہ یکساں رہا ہے۔

## معراج کا چودہ نکاتی پروگرام

(۱) وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر
صرف اس کی یعنی اللہ کی (صرف پوجا پاٹ ہی نہیں بلکہ پورے کے پورے اس کے بندے
بن جاؤ) اور زندگی کے ہر کام اور روزمرہ کی زندگی کی ہر بات میں اسی کی اطاعت کرو، اسی
کا حکم مانو اور اسی کے قانون کے مطابق اپنے فیصلے کرو۔

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ماں باپ
کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہ
تو انھیں اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کر
اور نرمی و رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو، پروردگار! ان پر
فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

یہ صرف اخلاقی سفارش نہیں ہے بلکہ بتایا گیا کہ خدا کے بعد والدین کا سب
بڑا حق ہے۔ اسی کی بنیاد پر والدین کے شرعی اور قانونی حقوق متعین کیے گئے یعنی یہ بتایا
اسلامی ریاست بہر صورت ہر خاندانی ادارے کو ہر طرح مضبوط بنائے گی۔

(۳) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔ رشتہ دا
اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔

④ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

⑤ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ اگر ان سے (یعنے حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں سے) تم کو کترانا ہو، اِس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو، تلاش کر رہے ہو تو انھیں نرم جواب دے دو۔

⑥ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اُسے اتنا ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

⑦ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت اُن کا قتل بڑی خطا ہے۔

⑧ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔

⑨ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝ کسی نفس کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے پس چاہیئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے۔ اس کی مدد کی جائے گی۔

⑩،⑪ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

وَاَوْفُوْا بِالْعَہْدِ ۚ اِنَّ الْعَہْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۔ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جٹھکو مگر احسن طریقے سے ۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہونچ جائے اور عہد کی پابندی کرو ۔ بے شک عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا ۔

(۱۲) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو ۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے ۔

(۱۳) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تم کو علم نہ ہو ۔ یقیناً آنکھ ، کان اور دل سب ہی سے پوچھا جائے گا ۔

(۱۴) وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو ۔

دفعہ ۳ تا دفعہ ۱۴ یہ صرف انفرادی اخلاق کی تربیت کے لئے ہی نہیں فرمائی گئیں بلکہ ہجرت کے بعد جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینے پہونچے اور اسلامی ریاست بنائی تو انہی دفعات پر اسلامی معاشرے کو ڈھالا گیا اور ان ہی کی روشنی میں اسلامی قانون بنا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلے انہی آیات کی بنا پر کئے ۔ چنانچہ صدقات کا نظم ، یتیموں کے حقوق ، مسافر کی ضیافت ، وصیت ، وراثت ، وقف ، زنا اور اسکے محرکات رقص و سرود ، فحش لٹریچر ، قتل عمد ، منڈیوں اور بازاروں میں لین دین کے اصول ، پیمانوں کی نگرانی وغیرہ کے بنیادی اصول بنائے گئے ۔

**ہجرت کی دعا** — اسی سورہ بنی اسرائیل میں وہ دعا بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھائی گئی جسے دعائے ہجرت کہنا مناسب ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا گیا تھا ۔ دعا یہ ہے :-

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ اور اے نبی! دُعا کرو: پروردگار مجھے جہاں بھی تو لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال، سچائی کے ساتھ نکال۔ اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

اس دعا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت کا وقت قریب آگیا ہے اور 'اقتدار' کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ بہت جلد ایک کامیاب اسلامی ریاست بننے والی ہے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مسلمان ہونے والے اصحاب کا ذہن بنانا اور اُن کو تربیت دینا شروع کر دیا اور پھر ایک ایک دو دو اور پھر گروہ در گروہ مسلمان مکّے سے مدینے کی طرف جانے لگے۔

توحید کی گھٹا گو مکّے پہ چھا رہی تھی
لیکن زمین مدینے کی مسکرا رہی تھی

**ابو سلمہؓ : سب سے پہلے مہاجر**

حضرت ابو سلمہؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برّہ بن عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ اس طرح وہ حضورؐ کے پھوپی زاد بھائی بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی۔ قریش کے نہایت طاقتور اور بڑے گھرانے میں برّہ کی شادی ہوئی تھی۔ یہ گھرانہ بنی عبد الاشعر کہلاتا تھا۔ اس گھرانے کے نوجوان ابو سلمہ مسلمان ہوئے تو ان کی بیوی ام سلمہؓ بھی مسلمان ہوئیں۔ یہ خاتون مکے کے دوسرے بڑے ہی جنگجو قبیلے بنی مخزوم سے تھیں۔ خالد بن ولیدؓ مشہور سپہ سالار اسی قبیلے سے تھے۔ ان دونوں گھرانوں کے لوگوں نے ابو سلمہؓ اور ام سلمہؓ کو اس بری طرح ستایا کہ وہ بیچارے پہلے حبش چلے گئے۔ وہاں کچھ دنوں کے بعد سُنا کہ قریش اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں سمجھوتہ ہو گیا ہے اور اب مسلمان مکّے میں آرام سے رہ رہے ہیں۔ دونوں یہ خبریں سن کر مکّے واپس آ گئے تو پتہ چلا کہ یہ افواہ قریش کے سرداروں نے پھیلائی ہے تاکہ حبش میں جو لوگ ہیں وہ واپس آجائیں۔ یہ چال کامیاب رہی۔ بہت سے مسلمان حبشہ سے مکّہ آ گئے اور ان سب پر پہلے سے زیادہ ظلم توڑے جانے لگے۔ جو گھرانہ جتنا ہی بڑا تھا اس نے اپنے بیٹوں بیٹیوں کو اتنا ہی زیادہ ستایا۔

ابو سلمہؓ کو کچھ اس طرح کی سُن گُن مل چکی تھی کہ مدینے کے انصار دوبار آ چکے ہیں اُور وہ حضورؐ کو مدینے لے جانے کے لئے تیار ہیں۔ ابھی تیسری بیعت عقبہ نہیں ہوئی تھی کہ ابو سلمہؓ نے ام سلمہؓ اور معصوم بچے سلمہ کو ساتھ لیا۔ اُونٹ پر سامان لادا، اُور مدینہ جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر گھر والوں نے خیریت سے نکلنے نہ دیا۔ ان کی بیوی ام سلمہؓ ایک نہایت سنجیدہ اور سمجھدار نوجوان خاتون تھیں۔ بڑے سلیقے سے گفتگو کرتی تھیں۔ ان کی تقریر کا اثر لوگوں پر ہوتا تھا۔ وہ خود اپنی ہجرت کا واقعہ بڑے دردناک انداز میں بیان کرتی ہیں۔ اس طرح کہ جب میرے شوہر ابو سلمہؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی اُن کے ساتھ اپنے بچے سلمہ کو گود میں لئے ہوئے نکلی۔ ابو سلمہؓ نے مجھے اُور میرے بچے کو اُونٹ پر بٹھایا اُور نکیل تھام کر چلے۔ میرے میکے والوں (بنی مخزوم) نے جاتے دیکھ لیا۔ وہ دوڑے اُور راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم خود تو ہمارے قابو سے باہر ہو گئے ہو، جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ مگر ہم اپنی اس لڑکی کو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں جانے دیں گے۔ یہ کہہ کر انھوں نے نکیل چھین لی۔ ابو سلمہؓ نے نیزہ سنبھالا اُور کہا کہ خدا کی قسم، تم نے ظلم کی حد کر دی اور مجھے مجبور کر دیا۔ تم میری بیوی اور بچے کو نہیں لیجا سکتے۔

میں نے اکیلے ابو سلمہؓ کو بیسیوں نیزوں کی زد میں دیکھا تو کہا "ابو سلمہؓ! بڑا نازک معاملہ ہے۔ خدا کے لئے ہجرت کی ہے۔ خدا کے لئے صبر کرو اُور مجھے خدا ہی کے حوالے کرو۔ خدا میرے لئے بھی کوئی سبیل نکال دے گا۔"

ابو سلمہؓ کا نیزہ نیچے آگیا۔ ظالموں نے مجھے اور بچے کو چھین لیا۔ ابو سلمہؓ منہ لٹکائے ہوئے مدینے کی طرف جا رہے تھے اور میں روتی ہوئی میکے واپس ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میری سسرال (بنی عبدالاسد) والوں نے بنی مغیرہ سے کہا کہ تم نے ہمارے آدمی سے اپنی لڑکی چھین لی تو ہم اپنے لڑکے سلمہ کو کیوں نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے سلمہ کو میری

گود سے چھین لیا۔ یہ دوہرا ظلم مجھ پر ہوا۔ گھر آ کر میں رات دن شوہر اور بچے کی جدائی اور اپنی
ہجرت کی ناکامی پر روتی رہتی۔ پورا ایک سال بیت گیا۔ میں گھر سے نکل کر اپنے باغ میں
جا بیٹھتی اور وہاں دھاڑیں مار مار کر روتی۔ ایک دن میرے بھائی بندوں میں سے ایک شخص
باغ میں آیا۔ میری زبان سے دردناک اشعار نکل رہے تھے۔ وہ بہت متاثر ہوا۔ اس نے
جا کر بنی مغیرہ سے کہا کہ اس مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے۔ تم نے اسے شوہر سے بھی جدا
کر دیا اور بچے سے بھی۔

پھر اس نے اتنا اصرار کیا کہ بنی مخزوم راضی ہو گئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تو
جہاں جانا چاہتی ہے چلی جا۔ میری سسرال والوں نے یہ سنا تو انھوں نے میرا بچہ بھی مجھے
دے دیا۔ اب میں اپنے اونٹ پر اکیلی ہی مدینے کی طرف چل پڑی۔ میں ڈر رہی تھی کہ اکیلی کیسے
راستہ طے کر سکوں گی۔ قزاق مجھے لوٹ لیں، راستہ بھول جاؤں۔ مگر میں اللہ کے بھروسے
پر جا رہی تھی۔ اونٹ کی نکیل ڈھیلی کر دی تھی۔ اونٹ کو اللہ کے فرشتے راہ پر لگائے ہوئے
تھے۔ اس طرح میں ایک قریہ (گاؤں) تنعیم کے قریب پہونچی تو عثمان بن طلحہ (کعبے کی
کنجی رکھنے والے) مل گئے۔ انھوں نے کہا "ابو امیہ کی بیٹی! کدھر جا رہی ہے؟" میں نے کہا
"اپنے شوہر کے پاس مدینے جا رہی ہوں۔" انھوں نے پوچھا "تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟"
میں نے کہا "خدا اور اس بچے کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں ہے۔" انھوں نے کہا "خدا کی
قسم، میں تم کو ہرگز تنہا نہیں جانے دوں گا" پھر وہ اونٹ کی نکیل تھام کر چلنے لگے۔ خدا کی قسم
میں نے ان سے زیادہ شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی منزل پر (جہاں قافلے دم
لینے کے لئے ٹھہرتے ہیں) پہونچتے تو میرے اونٹ کو بٹھا کر الگ ہٹ جاتے جب میں بچے
کو لے کر اتر جاتی تو وہ اونٹ کو درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور دوسرے درخت
کے نیچے جا لیٹتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ لا کر بٹھاتے۔ خود الگ ہٹ کر
کھڑے ہو جاتے اور مجھ سے کہتے "سوار ہو جاؤ۔" میرے سوار ہونے کے بعد وہ اونٹ کی

تکمیل تمام کر چل دیتے۔ مدینے تک سارا راستہ انھوں نے اسی طرح طے کیا۔ جب قبا ء میں بنی عوف کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا "لڑکی! تیرا شوہر یہاں ہے اس کے پاس چلی جا اللہ تجھے برکت دے۔" اس کے بعد جس طرح پیدل آئے تھے اسی طرح پیدل مکہ واپس ہو گئے

یہ بات بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ مکے کے بڑے سرداروں میں سے تھے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے کٹر دشمنوں میں سے تھے۔ ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ میں اپنے رب کی عبادت کے لئے کعبے کے اندر جانا چاہتا ہوں، تم دروازہ کھول دو، لیکن انھوں نے اجازت نہیں دی تو حضورؐ نے فرمایا "اے عثمان! ایک دن وہ آئے گا جب تم یہ کنجی خود مجھے پیش کر دگے۔" عثمان بن طلحہ تحریکِ اسلامی کو کچلنے میں قریش کے سرداروں کے ساتھ تھے۔

ام سلمہؓ کے ساتھ اچانک ان کی ہمدردی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریش مسلمانوں پر سختیاں کرنے میں جس طرح حد سے گزرتے چلے جا رہے تھے اس کو دیکھ دیکھ کر خود ان کے اندر کے شریف لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ مکے کے سرداروں میں جس کے اندر ذرا بھی انسانیت تھی وہ اسلام سے عداوت رکھنے پر بھی مسلمانوں کے بلند اخلاق اور ان کے صبر و ضبط کی قدر کرتا تھا۔ وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ یہ کیسے لوگ ہیں جن کو دنیا کا کوئی لالچ نہیں ہے، یہ اپنے ایمان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں ظلم پر ظلم سہتے چلے جاتے ہیں مگر جو "حق" انھوں نے سمجھ لیا ہے، سخت سے سخت اذیت پر بھی اسے نہیں چھوڑتے۔ سچ کہا ہے ایک صاحب بصیرت شاعر نے کہ:

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

## ہجرت کی عام اجازت

——— آخری بیعت عقبہ (یعنے عقبہ کی گھاٹی میں تیسری ملاقات

نے کے انصار نے ... بن ...
نے تعالیٰ نے اب تمہارے لئے بھائی پیدا
اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لئے بھائی پیدا
کر دیئے ہیں اور ایک ایسا شہر بتا دیا ہے جہاں تم امن سے رہ سکتے ہو۔
یہ حکم پاتے ہی سب سے پہلے عامر بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضؓ کے
ساتھ نکلے۔ پھر عمار بن یاسرؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی
پھر حضرت عثمان بن عفان رضؓ نے اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہؐ کے ساتھ روانہ
ہوئے۔ اس کے بعد ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور قافلے کے قافلے مدینے کو جانے لگے۔
بنی مظعون، بنی
... گھرانے تو پورے کے پورے نکل گئے اور ان کے محلے خالی ہو گئے۔
بنی جحش اور بنی جحش کے ساتھ بنی اسد کا قبیلہ بھی ہو گیا اور چوتھا محلہ بھی ویران ہو گیا
ان سب میں بڑے بڑے لوگ تھے۔ حضورؐ کے پھوپی زاد بھائی عبداللہ بن جحشؓ، ابواحمد
بن جحشؓ، ان کی دونوں بہنیں زینب بن جحشؓ اور حمنہ بن جحشؓ (حضرت مصعب بن
عمیرؓ کی بیوی)، ام حبیب بن جحشؓ (عبدالرحمان بن عوف کی بیوی) وغیرہ۔
ان کے جانے کے بعد ایک دن عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل اور حضرت عباسؓ (حضورؐ
کے چچا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) ادھر سے نکلے تو عتبہ بن ربیعہ ان ویران محلوں
کو دیکھ کر اداس ہو گیا۔ اس نے درد بھرے لفظوں میں کہا "آج بنی جحش کا گھر ویرانہ ہو گیا"۔ یہ
سن کر ابوجہل بولا "روتے کیا ہو۔ یہ سب ہمارے اس بھائی (عباسؓ) کے بھتیجے کا کیا
ہے۔ اس نے ہمارے اندر پھوٹ ڈال دی۔ ہمارے رشتے کاٹ دیئے"۔

## حضرت صہیبؓ کی ہجرت

بہت سے لوگ جتھے کے جتھے نکلے اور وہ اپنے ساتھ
اپنا مال اور سامان بھی لاد لے گئے۔ کچھ نے دو دو چار چار ہجرت کی۔ یہ بھی چھپ چھپا کر اپ
دولت ساتھ لے گئے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا مکے میں کوئی نہ تھا جیسے صہیبؓ رومی۔ یہ

اپنی کمائی لے کر چلے تو مکے والوں کو پتہ چل گیا۔ انھوں نے بڑھ کر گھیر لیا، کہا "تم یہاں کنگال آئے تھے۔ ہمارے شہر میں رہ کر مالدار ہوئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان کے ساتھ اپنی دولت بھی لے جاؤ۔ واللہ! یہ نہیں ہو سکتا۔" حضرت صہیبؓ نے جواب دیا "تم جانتے ہو میں بلا کا تیر انداز ہوں۔ جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی رہے گا تم مجھ تک نہیں آسکتے یہاں تک کہ جس کی موت ہو وہ مر نہ جائے۔ لیکن میں خدا کے لئے ہجرت کر رہا ہوں۔ کیا ایک انصاف کی بات مانو گے۔" قریش نے کہا "ضرور مانیں گے"۔ انھوں نے کہا "میں اپنا سارا مال تم کو دے دوں تو، یا تم مجھ کو جانے دو گے؟" قریش نے کہا "ہاں" حضرت صہیبؓ نے سارا مال اُن کے حوالے کیا اور دامن جھاڑ کر خدا کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے حضورؐ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا "صہیبؓ نے بڑے نفع کا سودا کیا۔" (واضح رہے کہ حضرت صہیبؓ نے اُس وقت ہجرت کی تھی جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کر چکے تھے اور آپؐ کا قیام قبا میں تھا۔ صہیبؓ وہیں جا کر آپؐ سے ملے)

## حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کی ہجرت

حضرت عمرؓ اس شان سے نکلے کہ بیس سوار ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے قریش کو پکارا "جس کی ہمت ہو ہم کو روک لے۔" اُن کے ساتھ بڑے بڑے سردار تھے۔ ان کے بھائی زید بن خطابؓ، ان کے بہنوئی سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نوفل، ان کے داماد خنیس بن حذافہ وغیرہ۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ وہ دونوں مکے سے آگے فلاں آبادی میں فلاں وقت ہم سے مل لیں، وقت پر جو نہ آئے گا تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا۔ اس کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ ہشام کو ڈھونڈتے ہی میں گھر والوں نے پکڑ لیا۔ عیاشؓ ہمارے ساتھ مدینہ پہونچ گئے، پیچھے پیچھے ابوجہل اور حارث دونوں بھائی پہونچے۔ ابوجہل نے پوری مکاری کے ساتھ کہا "بھائی! اماں جان

سم کھائی ہے کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لیں، اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریں گی اور نہ دھوپ سائے میں بیٹھیں گی۔" ابوجہل سے یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ وہ دھوکہ دے رہا ہے۔ میں نے عیاش کہا کہ فریب سے بچو۔ تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو وہ خود کنگھی کرے گی اور جب دھوپ نہ سہہ سکے گی تو خود سائے میں چلی جائے گی۔ مگر عیاشؓ ماں کی محبت میں پھنس گئے۔ ے "میں بس ماں کی قسم پوری کرا آؤں اور اپنا مال بھی لے آؤں گا۔" میں نے کہا کہ میں تم کو آدھا مال دیتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ مگر وہ نہ مانے۔ آخر میں نے اُن سے کہا کہ اگر جانا ہے تو میری یہ اونٹنی ساتھ لے جاؤ۔ دوڑ میں بے مثل ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑنا جب ان دونوں نیت خراب ہو تو فوراً اس پر بھاگ نکلنا۔ یہ بات انھوں نے مان لی۔ راستے میں ایک جگہ جہل نے ان سے کہا "بھیا! میرا اونٹ کچھ ٹھیک نہیں چل رہا ہے۔ کیا تم اپنی اونٹنی پر ساتھ بٹھا لو گے؟" عیاشؓ نے کہا "کیوں نہیں:" پھر دونوں زمین پر اترے تاکہ ابوجہل اپنے اونٹ سے اُتر کر عیاشؓ کی اونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اونٹ بٹھا کر نیچے اتر آیا۔ دونوں نے مل کر عیاشؓ کو باندھ لیا۔ ابوجہل اور حارث عیاشؓ کو لئے ہوئے اس حال میں دن دہاڑے مکے پہونچے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی انھیں پیٹتے جاتے تھے اور اعلان کرتے جاتے تھے کہ مکے کے لوگو! اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔

یہ دونوں (یعنی ہشام اور عیاشؓ) بہت دن مکے میں قید رہے۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینے پہونچے تو آپؐ نے فرمایا "کون ان دونوں کو میرے پاس لانے کے لئے تیار ہے؟" ولیدؓ بن ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کے بھائی) نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میں یہ خدمت انجام دینے کے لئے حاضر ہوں۔" حضورؐ نے ان کو اجازت دی۔ وہ مکے گئے۔ ٹوہ لگائی۔ معلوم ہوا کہ ایک بے چھت کی کوٹھری میں دونوں قید ہیں۔ رات کو دیوار پھاند کر وہاں پہونچے۔ دونوں کی بیڑیاں کاٹیں اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر مدینے لے آئے۔

## عبداللہ بن سہیلؓ کی بپتا

جو لوگ زبردستی روک دئے گئے تھے ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن سہیلؓ بھی تھے۔ وہ اس وقت حبشہ میں تھے۔ سُنا کہ مدینہ جانے کے لئے ہجرت کا حکم دیا گیا ہے تو وہ مکّہ آئے تاکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں۔ مگر اُن کے باپ سہیل نے دیکھ لیا اور پکڑ کر قید کر دیا۔ انھوں نے حیلہ کیا "باپ! میں باپ دادا کے دین میں پلٹ آیا ہوں"۔ اس پر وہ چھوڑ دئے گئے۔ پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینے پہونچے اور قریش سے پہلی جنگ (بدر کی لڑائی) ہوئی تو وہ قریش کے لشکر کے ساتھ گئے لیکن عین لڑائی کے وقت کافروں کے لشکر سے کٹ کر حضورؐ کی خدمت میں پہونچے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ پھر جب حضورؐ نے دو تین سال کے بعد مکّہ فتح کیا تو سہیل بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت سہیلؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے عبداللہ کے ایمان میں میرے لئے بڑی خیر رکھ دی تھی۔

## حضورؐ کی ہجرت

دھیرے دھیرے وہ سارے مسلمان مکّے سے مدینے چلے گئے جن کو یا تو قریش دیکھ نہ سکے یا روک نہ سکے۔ اب کچھ وہ مجبور رہ گئے تھے جو پکڑ کر قید کئے جا چکے تھے یا پھر وہ کمسن تھے جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کے باپ مسلمان نہیں ہوئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عباسؓ حضورؐ کے چچا ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے جبکہ اُن کی بیوی ام رومان اور عبداللہ بن عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ نے اپنے ساتھ ہجرت کے لئے روک لیا تھا۔ ان کی مسلمان بیوی ام رومانؓ اور کمسن بیٹیاں اسماءؓ اور عائشہؓ مسلمان ہو چکی تھیں۔ مجبوراً وہ بھی رک گئیں۔ حضرت علیؓ اب بیس بائیس سال کے ہو چکے تھے لیکن حضورؐ نے ان کو بھی روک لیا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں اللہ کی طرف سے حضورؐ کے ہجرت کرنے کا حکم آ گیا اور وقت بھی متعین کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ

کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت [illegible]

کے ساتھ ابوبکرؓ جائیں گے۔ حضورؐ نے یہ بات ابوبکرؓ کو بتادی اور وہ اپنی دو تیز رفتار اونٹنیوں کو کھلا پلا کر تیار کرنے لگے۔

## ذاتِ گرامی کا انوکھا پن

دنیا بھر کے عظیم لوگوں میں حضورؐ کی ذاتِ گرامی وہ عظیم ہستی ہے کہ مکے کے لوگ ایک طرف آپؐ کے جانی دشمن تھے، دوسری طرف اگر انھیں کسی کے پاس امانت رکھنا ہوتی تو وہی ہستی نظر آتی تھی جو اللہ کا رسول ہو چکا تھا۔ وہ اپنی امانت آ آ کر حضورؐ کے پاس رکھتے تھے۔

اس وقت قریش کے شیروں کی کچھار میں حضورؐ کی حیثیت ایک کمزور بھیڑ کی سی تھی لیکن دل گردے کے تھے حضورؐ کہ سارے مسلمانوں کو مدینے کی طرف روانہ کرتے رہے اور خود بڑی ثابت قدمی کے ساتھ اس خطرناک کچھار میں رُکے رہے۔

اس کے بعد اللہ کا حکم پاتے ہی حضرت علیؓ کو امانتیں سپرد کیں اور بتایا کہ کون سی امانت کس کی ہے۔ میرے ہجرت کرنے کے بعد تم امانتیں واپس کرو گے اور پھر ہجرت کر کے مدینے آجاؤ گے۔ اللہ اکبر! اگر آپؐ مکے کی ایک بھاری دولت اپنے ساتھ لے جاتے تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔ لیکن جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے مطالعہ میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تربیت کے لئے آیتیں نازل فرمادی تھیں کہ جہاں سے نکلو سچائی کے ساتھ نکلو اور جہاں جاؤ سچائی کے ساتھ جاؤ۔ اس میں امانت کی واپسی بھی شامل ہے۔

حضورؐ کی ہجرت اور مسلمانوں کی ہجرت میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اللہ کے یہ بندے کسی کا ایک پیسہ بھی لے کر بھاگے ہوں، بعض نے تو اُلٹے اپنی دولت مکے میں چھوڑ دی تھی۔ آج دنیا ایسے قائد کو ترس رہی ہے جو اس طرح اپنے ساتھیوں کی تربیت کر سکے اور ان جیسے ساتھی۔ انکو بھی ترس رہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے قائد اور صحابہ کرامؓ جیسے ساتھی

پھر دُنیا نے نہیں دیکھے۔

## قریش کو ایک خطرہ

کفار قریش کو اب یقین ہو گیا تھا کہ کسی روز بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود مدینے کی طرف ہجرت فرما جائیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ وہ حضورؐ کی زبردست شخصیت، آپؐ کی غیر معمولی قابلیت اور قرآن کریم کا اثر جانتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اب آپؐ کو ایک ٹھکانہ میسر آگیا ہے۔ دو طاقتور اور جنگی قبیلے آپؐ کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خود قریش کے ایسے جوانمرد اور جانباز لوگ اُن سے جا ملے ہیں جنھوں نے تیرہ سال تک ہر قسم کی مصیبتیں اور سختیاں برداشت کیں۔ صبر کا بہت بڑا ثبوت دیا۔ بار بار ہجرت کر کے یہ بھی دکھا دیا کہ اپنے ایمان پر وہ اپنا گھربار، مال و دولت، رشتہ ناتہ، قوم و وطن سب کچھ نچھاور کر سکتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی عظیم قیادت کے تحت ایسے فداکاروں کا ایک مضبوط جتھا بن جانا اور ایک شہر (مدینہ) کی ریاست بھی ہاتھ آجانا پرانے رواجی سماج کے لئے موت کا پیغام تھا۔ پھر یہ کہ مدینہ ایسی جگہ بسا ہوا تھا جس سے قریش کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ اسی راستے سے وہ اپنا تجارتی مال شام لے جایا کرتے تھے۔ یہ تجارتی مال مدینے میں بس جانے والے مسلمانوں کے نشانے پر ہوگا جس کی قیمت سالانہ ڈھائی لاکھ اشرفی تھی۔ مسلمان اس پر ہاتھ ڈال کر قریش کا جینا دوبھر کر دینگے۔ یہ خطرہ تھا جس سے قریش بوکھلا گئے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان مدینے میں جا بسیں لیکن اُن کی کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ مسلمان مدینے جا پہونچے اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بہت کم صحابہؓ ہی مکے میں رہ گئے تھے۔

## حضورؐ کے قتل کا فیصلہ

مکے کے قریش پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ یہ جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے اسے کیسے دور کیا جائے۔ سوچ سمجھ کر اس بات پر سب ایک رائے ہو گئے کہ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح بھی مدینے نہ جانے دیا جائے آپ کے بغیر مسلمان بھی بھیڑوں کی طرح ہوں گے جن کا کوئی رکھوالا نہ ہو۔

سوال یہ تھا کہ آپ کو کیسے روکا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اس شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا نہ کیا جائے۔ یہ رائے نہیں مانی گئی۔ کہا گیا اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی طاقتور ہو جائیں گے تو اسے چھڑانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینگے۔

پھر دوسری رائے یہ آئی کہ اسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ جب یہ یہاں نہیں رہے گا تو ہم سے کیا بحث کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے خس کم جہاں پاک۔ یہ تجویز قبول کر لینے کا مطلب یہ تھا کہ حضورؐ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی جائے۔ سارے ہی لوگوں نے کہا کہ ہم اس لئے تو بیٹھے ہیں کہ محمدؐ کو باہر نہ جانے دیں۔ ہم آپ سب جانتے ہیں کہ یہ شخص جادو بیان ہے۔ دلوں کو موہ لیتا ہے۔ اگر کہیں دوسری جگہ جا بسا تو وہاں کے لوگوں کو بس میں کر لے گا۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پر چڑھ دوڑے۔

ابوجہل یہ سب سنتا رہا۔ آخر میں اس نے رائے دی اور وہی سب نے مان لی۔ اس نے کہا کہ ہم میں سے ہر گھرانے کا ایک جوان چن لیا جائے۔ پھر یہ سب جوان مل کر محمدؐ کو قتل کر دیں۔ قتل کر دینے کے بعد محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے گھرانے والے کس کس سے لڑینگے وہ سب سے نہیں لڑ سکتے۔ آخر میں معاملہ اس پر طے ہو گا کہ ایک جان کے بدلے جو رقم (دیت۔ خون بہا) دی جاتی ہے وہ ہم دیدیں گے۔

ابوجہل نے اٹوٹ تجویز پیش کی تھی۔ جوان چنے گئے۔ حضورؐ کے قتل کا وقت بھی بتا دیا گیا۔ میٹنگ ختم ہو گئی اور جوان اپنی اپنی تلوار کی دھار تیز کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی خوب ہی ہوتا ہے۔ قریش مکہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے جو وقت طے کیا تھا اسی وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ہجرت کا حکم

دیا۔ قرآن کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ○

اور اے نبی! وہ وقت بھی یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا یہاں سے نکال دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ (انفال۔۳۰)

یہی وہ موقع تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ دعا یاد دلائی جو سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۰ میں ہے اور اس کا تذکرہ ہم معراج کے سلسلے میں کر چکے ہیں کہ "اے میرے رب! مجھے داخل کر سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ اور مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور کسی طاقت کو میرا مددگار بنا دے۔"

ٹھیک دوپہر کے وقت آپؐ کی خدمت میں جبریلؑ آئے۔ بتایا کہ قریش نے کیا طے کیا ہے۔ اب آپ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں۔

## آپؐ کی تیاریاں

حضورؐ نے حضرت جبریلؑ سے یہ سنا تو اسی وقت (دوپہر کو) منھ پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ آواز دی تو ابوبکرؓ چونکے کہ اس دوپہری میں آپؐ کبھی نہیں آئے۔ لپک کر گئے۔ عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے آپ اس وقت تشریف لائے ہیں۔" حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ پھر فرمایا کہ سب کو ہٹا دو۔ ابوبکرؓ نے کہا "کوئی غیر نہیں، یہ تو آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں (اس وقت گھر میں حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے سوا کوئی اور نہ تھا)۔"

اب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ تاکید ہے کہ آج رات ہی نکل جاؤں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا" میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا میں آپ کے ساتھ ہوں گا؟" فرمایا "ہاں"۔ ابوبکرؓ نے پھر عرض کیا" میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں"۔ فرمایا "مگر قیمت دے کر لوں گا"۔ اونٹنی کی بات طے کر کے ایک شخص کے پاس گئے۔ اس کا نام عبداللہ بن اُریقط تھا۔ عبداللہ مکّے کے باہر والے سارے راستوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ریگستانی راستے بھی اور ساحل کے کنارے والے راستے بھی۔ اُس سے اجرت طے کی۔ وقت بتا دیا کہ فلاں وقت فلاں جگہ سے روانہ ہوں گے۔ بات پکّی کر کے دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں اور کہہ دیا کہ وقت پر وہیں آجانا۔ یہ عبداللہ مشرک تھا لیکن وعدے کا بڑا پکّا مشہور تھا۔ اس پر بھروسا کیا جاتا تھا۔ اس سفر میں سچ مچ وہ وفادار ثابت ہوا۔ اس نے بڑے سے بڑے لالچ میں بھی بے وفائی نہیں کی۔

## رات کا ماجرا آپ سنئے ذرا!

اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر آگئے۔ رات تک گھر پر ہی رہے۔ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور اپنی چادر اوڑھا دی۔ رات کے وقت قریشی جوانوں نے گھر گھیر لیا۔ یہ بارہ جوان تھے۔ یہ تاک جھانک کرتے رہے اور دیکھا کئے کہ حضورؐ لیٹے ہیں۔

عرب رات میں کسی کے گھر دیوار پھاند کر جانا اپنی ذلّت سمجھتے تھے۔ اس لئے رات بھر گھر گھیرے پڑے رہے کہ کب دروازہ کھلے اور سب کی تلواریں ایک ساتھ آپؐ پر پڑیں۔ رات کو کسی وقت آپؐ اُن کے بیچ سے نکل گئے اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔ صبح کو جب وہ گھر میں گئے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ لیٹے ہیں۔ ان کو جگایا اور پوچھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ جواب دیا کہ وہ تو رات ہی میں چلے گئے۔ پوچھا "کہاں گئے؟" جواب دیا "میں کیا جانوں کہاں گئے۔ تم لوگوں نے نکالا، وہ نکل گئے۔ میں اُن پر کوئی نگراں تو ہوں نہیں۔ ہاں

یہ جواب سن کر سب کو بڑا غصہ آیا۔ ڈانٹا اور پیٹا لیکن جب کچھ نہ بتایا تو اپنا سا منھ لے کر چلے گئے۔ وہاں سے سیدھے ابو بکرؓ کے گھر پہونچے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں "انھوں نے دروازے پر پہونچ کر مجھ سے پوچھا کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس پر ابو جہل نے اس زور کا تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی۔ پھر وہ لوگ چلے گئے۔"

## تین دن غار ثور میں

——— رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس رات میں گھر سے نکلے تو سیدھے ابو بکرؓ کے گھر پہونچے۔ وہ آپؐ کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت ساتھ ہو لیے۔ راتوں رات جا کر غار ثور میں پہونچے۔ غار ثور مکہ معظمہ سے کم و بیش چار کلو میٹر دور ایک پہاڑ میں ہے۔ اسکے راستے میں ایک جگہ حَزْوَرَہ ہے۔ حضورؐ اس جگہ کعبے کی طرف منھ کر کے کھڑے ہوئے اور بڑے دکھ بھرے لفظوں میں کہا:

"اے مکّہ! تو مجھے خدا کی زمین میں سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر تیرے باسیوں (باشندوں) نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔"

## ابو بکرؓ کے انتظامات

——— حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ تم دن بھر مکے والوں کے ساتھ رہو۔ خبریں لیتے رہو۔ رات کو ہمارے پاس آؤ اور بتاؤ کہ قریش کیا کر رہے ہیں یہی بات ابو بکرؓ نے اپنے غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ سے کہی حضرت عامرؓ بڑے پکے مسلمان اور وفادار تھے۔ وہ بکریاں چراتے، قریش کی سن گن لیتے۔ رات کو دودھ دوہتے اور دن بھر کی خبریں جا سناتے حضرت اسماءؓ تازہ کھانا تیار کر کے بھیجتی تھیں۔

## ابو بکرؓ کی فضیلت

——— حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو اس وقت کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کہیں

جن سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ عمرؓ نے ابوبکرؓ سے بڑھ کر کام کئے اور عمرؓ کا مقام ابوبکرؓ سے بڑھ گیا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے بھری محفل میں کہا کہ خدا کی قسم، ابوبکرؓ کی ایک رات آلِ عمرؓ سے افضل ہے اور اُن کا ایک دن آلِ عمرؓ سے بڑھ کر ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ جس رات حضورؐ غارِ ثور تشریف لے جا رہے تھے تو ابوبکرؓ کی فداکاری کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی حضورؐ کے پیچھے پیچھے چلتے اور کبھی آگے آ کر چلنے لگتے۔ حضورؐ نے پوچھا "ابوبکرؓ! ایسا کیوں کر رہے ہو؟" عرض کیا "یا رسول اللہؐ! جب میں یہ سوچتا ہوں کہ قریش پیچھا کئے چلے آ رہے ہوں گے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں تاکہ پیچھے سے کوئی آفت آئے تو مجھ پر آئے اور آپ بچے رہیں۔ پھر جب خیال آتا ہے کہ قریش آگے سے گھیر لیں گے تو میں آگے آ جاتا ہوں تاکہ آگے سے کوئی آفت آئے تو مجھ پر آئے اور آپ بچے رہیں۔ اس طرح غارِ ثور پر پہونچے تو ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپ ذرا ٹھہریں۔ میں اندر جا کر غار کو صاف کر دوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گئے۔ سوراخ ڈھونڈتے۔ اپنی چادر پھاڑ کر اس میں دبا دیتے۔ سوراخ بند ہو جاتا۔ اس طرح بند کرتے کرتے ایک بل رہ گیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ایڑی رکھ دی اور حضورؐ سے عرض کیا کہ تشریف لائیں۔

## لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

—— قریش نے مکّے کے آس پاس کونہ کونہ چھان مارا۔ انھوں نے دو کھوجیوں کو اجرت دے کر ساتھ لیا۔ ایک دن کھوجی زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے غارِ ثور تک جا پہونچے مگر وہاں پہونچ کر انھوں نے دیکھا کہ غار کے منھ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ کرز بن علقمہ کھوجی نے کہا کہ یہاں سے آگے پتہ نہیں چلتا۔ اب قریش میں سے ایک شخص نے کہا کہ غار کے اندر چل کر دیکھنا چاہیے۔ اس پر امیّہ بن خلف نے کہا "یہاں کیا پاؤ گے۔ اس غار پر تو مکڑی کا جالا محمدؐ کی پیدائش سے پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔" یہ سن کر سب اُلٹے پاؤں پلٹ گئے۔

ابوبکرؓ نے اندر سے دشمنوں کو دیکھ لیا تھا۔ حضورؐ اس وقت نماز پڑھ رہے

[illegible] جب [illegible] اور

سے۔ آپ نے [illegible] اگر ان لوگوں نے اپنے پاؤں کے نیچے دیکھا تو
ہمیں دیکھ لیں گے۔ خدا کی قسم، میں اپنے لئے نہیں روتا بلکہ اس ڈر سے روتا ہوں کہ کہیں
میری آنکھوں کے سامنے آپؐ کو تکلیف پہونچے۔ حضورؐ نے فرمایا "کیا خیال ہے ابوبکرؓ!
ان دو آدمیوں کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ مت ڈرو۔ بے شک ہم دونوں کے
ساتھ تیسرا خدا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبۃ ۴۰)

جب اُسے (محمدؐ کو) کافروں نے نکال دیا تھا، جب وہ دو میں کا ایک تھا (یعنی
محمدؐ اور ابوبکرؓ) جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ (محمدؐ) اپنے ساتھی
(ابوبکرؓ) سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

## انعام کا اعلان

اس ناکام کھوج کے بعد قریش نے اعلان کر دیا کہ جو شخص محمدؐ اور ابوبکرؓ
کو پکڑ کر لائے گا یا قتل کر دے گا تو اُسے دو سو سُرخ بالوں والے اُونٹ انعام میں دیے
جائیں گے۔

اس وقت سُرخ بالوں والے اونٹ کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ دو سو سُرخ بالوں
والے اُونٹ ایک بڑا سرمایہ تھے۔

حضورؐ تین دن غارِ ثور میں رہے۔ چوتھے دن عبداللہ بن اُریقطؔ (راستہ بتانے
والا جسے پہلے طے کر لیا تھا) اُونٹنیاں لے کر پہونچ گیا۔ حضرت اسماءؓ بھی ٹھیک وقت پر
پہونچ گئیں۔ وہ ایک تھیلے میں سفر کا سامان بھر کر لے گئی تھیں لیکن تھیلے کا منھ باندھنا
باقی رہ گیا تھا۔ باندھنے کے لئے کچھ اور نہ ملا تو انھوں نے اپنی کمر کا کپڑا (نطاق) کھولا۔ اُسے
پھاڑا۔ ایک حصے سے تھیلے کا منھ باندھا۔ دوسرا اپنی کمر میں لپیٹ لیا۔ اس وقت نبی کریمؐ نے

حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین (دو نطاق والی) فرمایا۔ اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ
چل دیئے۔ ایک اونٹنی پر آپؐ دوسری اونٹنی پر ابوبکرؓ۔ ابوبکرؓ نے حضرت عامرؓ (اپنے غلا
اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھالیا۔ آگے آگے عبداللہ بن اُریقط راستہ بتانے کے لئے پیدل چل رہ
کتابوں میں لکھا ہے کہ غار ثور سے آپؐ ۴ ربیع الاول کو پیر کے دن روانہ ہوئے تھے۔
فیل میں جو واقعہ ابرہہ کی بربادی کا ہے اُسے ۵۴ برس ہوچکے تھے اور حضورؐ کو نبی ہ
چودھواں برس تھا۔

## آگے سفر کا حال

——— عبداللہ بن اُریقط بڑا اچھا راہ بر تھا۔ وہ اس راستے سے ہٹ کر چلا
سے عام طور سے لوگ جایا کرتے تھے تاکہ قریش آپؐ تک نہ پہونچ سکیں۔ حضرت ا
عرب بھر میں گھوم پھر چکے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے قریش کے سفیر بن کر جایا کرتے
اور قبیلوں سے جو سمجھوتہ کرلیتے تھے قریش اس کو مان لیتے تھے۔ پھر یہ کہ تجارت کے ل
جایا کرتے تھے۔ اس لئے لوگ انھیں پہچانتے ہی نہ تھے بلکہ بہت مانتے بھی تھے۔ لوگ
پہچان کر سلام کرتے اور پوچھتے "ابوبکرؓ! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟" ابوبکرؓ بڑے مز
جواب دیتے۔ کہتے "ھٰذا الرجل یھدینی السبیل۔ یہ صاحب مجھے راستہ بتانے
ہیں۔" سننے والا یہ نہیں سمجھ پاتا تھا کہ آپ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ سمجھتا تھا کہ را
بتانے کے لئے ساتھ لے لیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ خود اس سفر کی روداد بیان کرتے ہیں کہ ہم دوسرے دن دوپہ
چلتے رہے۔ جب گرمی تیز ہوئی تو میں نے اِدھر اُدھر دیکھا، کہیں سائے کے لئے جگہ ہے۔
دیکھا کہ ایک چٹان کے نیچے اچھی سایہ ہے۔ میں وہاں پہونچا۔ فرش بچھایا۔ پھر حضورؐ سے
"ذرا دیر آرام فرمالیں۔" پھر میں چاروں طرف دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی ہماری تلاش
نہیں آرہا ہے۔ اتنے میں ایک چرواہا چٹان کی طرف آیا۔ اس کے ساتھ بکریاں تھیں۔

... دیا اور میں نے ایک بکری کے تھن اور
اس لڑکے کے ہاتھ دھلوائے۔ اس نے دودھ دوہا۔ میں نے اس دودھ میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ٹھنڈا کیا اور لے جا کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ سراقہ کا قصہ بھی بیان کرتے ہیں لیکن سراقہ کی کہانی خود انہی کی زبانی سنئے۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میں اپنے قبیلے کا رئیس تھا۔ میرا قبیلہ بنی مُدلِج قُدَید کے پاس رہتا تھا۔ میرے پاس قریش کے آدمی یہ پیغام لے کر آئے کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ابو بکرؓ کو قتل کر دے یا گرفتار کر کے لائے اسے دو سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد ایک دن میں اپنی قوم کے لوگوں میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آ کر مجھ سے کہا کہ "ابھی میں نے ساحل کے کنارے کنارے کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ہو نہ ہو، وہ محمدؐ اور اُن کے ساتھی ہیں۔" میں سمجھ گیا کہ سچ مچ وہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ نہیں ہیں بلکہ فلاں فلاں کو تم نے دیکھا ہے جو ابھی ابھی ہمارے سامنے سے گزرے ہیں۔ پھر میں وہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھا چپکے سے اٹھا۔ اپنے گھر گیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور چل دیا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی اور کو خبر نہ ہو ورنہ انعام میں وہ بھی شریک ہو جائے گا۔

میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ گھوڑا دوڑا کر چاہا کہ پاس پہونچ کر وار کروں لیکن گھوڑے سے گر پڑا۔ مسلمان ہونے سے پہلے میں شگون اور فال کو بہت پسند کرتا تھا۔ میں نے فال نکالی۔ وہ میرے ارادے کے خلاف نکلی۔ مگر دو سو سُرخ اُونٹوں کا انعام! ایسا نہ تھا کہ میں فال کو مان لیتا۔ میں پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور اتنا قریب پہونچ گیا کہ حضورؐ کی قرأت صاف سُنائی دے رہی تھی۔ حضور اطمینان سے قرآن پڑھتے جا رہے تھے لیکن ابو بکرؓ بہت سوچ میں تھے۔ انھوں نے کہا "یا رسول اللہؐ! وہ آ گیا۔" لیکن حضورؐ نے کچھ پروا نہیں کی۔ میں نے چاہا کہ نیزے کا وار کروں کہ پھر گر پڑا۔ میں نے فال نکالی۔ فال پھر میرے ارادے کے خلاف نکلی۔ مگر لالچ کا بھوت میرے سر پر سوار تھا۔ میں پھر گھوڑے پر سوار ہوا

اور اب کی بار بالکل قریب پہونچ گیا۔ ابوبکرؓ نے کہا "یارسول اللہؐ! یہ ہمارا پیچھا کرنے والا بہت ہی قریب آگیا ہے۔" (اب حضورؐ نے مجھے دیکھا) اور دعا کی کہ اے اللہ! اسے گرادے۔ ایک اور روایت میں ہے "دھنسا دے"۔ اس بددعا کے نتیجے میں دونوں باتیں ہوئیں۔ گھوڑے کی ٹانگیں رانوں سمیت دھنس گئیں اور میں گر بھی پڑا (میرے حق میں یہ اچھا ہوا۔ اگر میں گر نہ پڑتا تو میری رکاب بھی زمین میں دھنس جاتی اور میرے دونوں پاؤں پھنس جاتے)۔ اب تو میرے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے پکار کر معافی مانگی۔ حضورؐ ٹھہر گئے۔ میں نے لگام پکڑ کر گھوڑے کو کھینچا۔ اُسے نکالا اور سوار ہو کر آپؐ کے پاس پہونچا۔ جو کچھ مجھ پر گزری تھی اس سے میں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ آپ مجھے موقع دیں تاکہ میں آپ سے بات کروں۔ خدا کی قسم میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہونچاؤں گا اور نہ کوئی ایسی بات ہی کروں گا جو آپ کو ناگوار ہو۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے لئے انعام کا اعلان کیا ہے اور لوگ آپ کی تلاش میں ہیں۔ میں بھی اسی لالچ میں یہاں تک آیا تھا۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ حضورؐ نے معاف کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ مجھ کو امان نامہ لکھ دیجئے۔ حضورؐ نے امان نامہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھوا دیا۔ اس کے بعد میں نے کچھ زادراہ اور سامان پیش کیا۔ معلوم نہیں کیوں حضورؐ نے قبول نہیں کیا (شاید اس لئے کہ اس وقت میں کافر تھا)۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! آپ مجھے حکم دیں۔ میں بجالاؤں۔" آپؐ نے مجھ سے کہا "سراقہ! اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور کسی کو مجھ تک آنے نہ دو۔" پھر جب آپؐ چلنے لگے تو مسکرا کر فرمایا "سراقہ! وہ دن بھی خوب ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔" اس کے بعد میں وٹا اور جو مجھے راستے میں ملا اس سے کہا "تم جانتے ہو کہ میری نظر سے بچ کر کوئی نہیں جاسکتا۔ میں دور تک دیکھ آیا لیکن جس ارادے سے گیا تھا اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔" یہ کہہ کر میں لوگوں کو واپس کر دیتا۔ میں نے حضورؐ کی یہ تحریر اپنے پاس رکھی۔ پھر جب حضورؐ نے حنین اور

میں نے معافی نامہ دکھایا اور عرض کیا کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ آپ نے فرمایا "آج حق ادا کرنے کا دن ہے اور عہد کے پورا کرنے کا بھی دن ہے۔ پاس آجاؤ"۔ میں پاس گیا میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اس کے بعد میں بہت دنوں زندہ رہا۔ (حضورؐ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابوبکرؓ بھی رحلت فرما گئے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران فتح ہوا۔ مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ عمرؓ نے کسریٰ کا کمر پٹہ میری کمر میں باندھا اور کنگن بازوؤں میں۔ تاج میرے سر پر رکھا۔ پھر مجھے حکم دیا "کہو، تعریف ہے اس خدا کی جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو اپنے کو لوگوں کا رب کہتا تھا اور بنی مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیں۔ اس دن میں رسول اللہؐ کی یہی پیشین گوئی بھی لوگوں کو سنا رہا تھا کہ ہجرت کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا تھا "سراقہ! وہ دن بھی خوب ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے")۔

## امّ مَعبَدُ سے ملاقات

———— نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب قُدَید سے چلے تو راستے میں ام معبد عاتکہ بنت خالد کے خیموں پر پہونچے۔ یہ قبیلہ خُزاعہ کی پختہ عمر کی نہایت شاندار اور باعفت خاتون تھی۔ جو لوگ ادھر سے گزرتے تھے اُن کو کھانا کھلایا کرتی تھی۔ جب حضورؐ کا قافلہ وہاں سے گزرا تو وہ اپنے خیمے کے آگے بیٹھی تھی۔ قحط کا زمانہ تھا۔ قافلہ والوں نے اس سے کہا "دودھ یا گوشت یا کھجوریں جو تمہارے پاس ہو، ہم کو دو۔ ہم اس کی قیمت تم کو دیں گے"۔ اس نے جواب دیا "واللہ! اگر میرے پاس کچھ بھی ہوتا، میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرتی"۔ اتنے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کو دیکھا اور فرمایا "معبد کی ماں! یہ بکری کیسی ہے؟" اس نے بتایا کہ یہ بے چاری اتنی لاغر اور کمزور ہے کہ دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے بھی نہ جا سکی۔ آپؐ نے پوچھا "یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے؟" اس نے عرض

اس کا دودھ دوہ لوں؟" اس نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ اس میں
سے کچھ بھی دودھ پائیں تو نچوڑ لیں۔" آپؐ نے کہا کہ بکری پاس لاؤ۔ بکری پاس لائی گئی۔ آپؐ
نے بکری کے پاؤں باندھے۔ اس کے بعد اس کے تھن اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اللہ سے دعا کی کہ
اے اللہ! اس عورت کی بکریوں میں برکت دے۔ دعا دے کر بسم اللہ پڑھی اور دودھ
دوہنے لگے۔ خدا کی شان کہ بکری نے ٹانگیں پھیلا دیں، جگالی بھی کرنے لگی۔ پھر دودھ کی دھاریں
اس کے تھن سے بہنے لگیں۔ برتن دودھ سے بھر گیا۔ جھاگ برتن کے منہ تک آ گیا۔ اب آپؐ نے
پہلے ام معبد کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو۔ اس کے بعد خود پیا اور فرمایا ساقی القوم اٰخرھم
لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے۔ دودھ پی کر آپؐ نے دوبارہ دوہا اور برتن دودھ سے
بھر کر دے دیا اور فرمایا کہ یہ دودھ معبد کے باپ کو دے دینا جب وہ آئے۔

## امّ معبد کی ادبی زبان اور حضورؐ کا حلیہ مبارک

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ام معبد
کا شوہر اپنی دبلی پتلی بکریاں لے کر پلٹا۔ دودھ سے بھرا برتن دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پوچھا معبد
کی ماں! یہ دودھ کہاں سے آیا؟" وہ بولی "خدا کی قسم، وہ ایک بابرکت آدمی ہے جو یہاں
سے گزرا۔ اس کی برکت اور دعا سے یہ سب ہو گیا۔" پھر شوہر نے پورا قصہ سنا تو کہا "ذرا اس کا
حلیہ بتا!" وہ کہنے لگی "میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن و جمال صاف ظاہر ہو رہا
تھا۔ روشن چہرے والا۔ پاکیزہ اخلاق والا۔ اس کا بدن نہ بھاری نہ لاغر۔ نہایت خوبصورت،
تامہ زیب، پیارے پیارے ناکوں والا۔ آنکھوں میں سیاہی۔ پلکیں لمبی۔ آواز بلند مگر اس
میں کڑک نہ تھی (نرمی تھی)۔ آنکھوں کی پتلیاں بہت ہی کالی کالی ڈھیلے اُجلے اُجلے۔
آنکھوں کے کوئے ہلکی سیاہی لئے ہوئے۔ بھویں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہ الگ
دونوں بھوؤں کے کنارے باریک۔ بیچ میں ہلکے سے بال [illegible]

داڑھی گھنی۔ باتیں کرتا ہے تو اس پاس پر چھا جاتا ہے۔ خاموش رہتا ہے تو باوقار لگتا ہے۔ گفتگو ایسی گویا زبان سے موتیوں کی لڑیاں برابر چلی آ رہی ہوں میٹھی بولی کھلی کھلی۔ نہ بکواس نہ باتونی پن۔ تلی بات کرنے والا۔ قریب سے سنو تو ایسا لگے جیسے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ قد نہ لمبا نہ پست۔ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ بھلا لگنے والا۔ اس کے ساتھی اسے گھیرے رہتے۔ اس کی بات دھیان سے سنتے۔ اس کے حکم پر دوڑ پڑتے۔ اس کی باتوں میں نہ ترشی نہ اُس کے کلام میں سختی۔ عقل کہتی ہے کہ اس کی خدمت کی جائے۔ وہ مخدوم ہے۔ دل کہتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ وہ مالوف ہے۔"

ام معبد کا شوہر بیوی کی زبان اور بیان پر دنگ رہ گیا۔ خدا کی قسم، تو کبھی ایسی زبان و بیان والی نہ تھی۔ تجھ پر اس کی برکت نازل ہوئی ہے۔ خدا کی قسم، یہ وہی ہے جس کا ذکر قریش کرتے ہیں۔ اگر میں اُن سے ملتا تو ان کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا۔ تجھے خدا کی قسم، بتا کہ وہ کتنی دور گئے ہوں گے۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہونچے۔

## مدینے میں حضورؐ کا انتظار

——— حضورؐ کے مکّے سے نکلنے کی خبر مدینے پہونچ چکی تھی۔ خبر پانے کے بعد مدینے کے لوگ روز صبح کے وقت مکّے کے راستے پر جا بیٹھتے اور اُس وقت تک بیٹھے رہتے جب تک دھوپ سہہ سکتے تھے۔ پھر اپنے گھروں کو پلٹ جاتے تھے۔ آپؐ کو پہونچنے میں جیسے جیسے دیر ہوتی جاتی، مسلمان اتنا ہی بے چین ہوتے جاتے تھے۔

ایک دن (وہ دن پیر کا تھا اور ربیع الاول کی ۱۲ ر تاریخ تھی) دوپہر کو لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے کہ حضورؐ مدینے کے پاس کی ایک بستی قبا میں پہونچ گئے۔ ابوبکرؓ نے عامر بن فہیرہؓ کو بھیجا کہ انصار کو خبر کر دیں۔ یہاں ایک یہودی نے جو اپنی گڑھی پر کسی کام سے بیٹھا ہوا تھا، آپؐ کو آتے دیکھ لیا۔ اس نے اپنی فراست سے پہچانا اور پکارا "اے آل قیلہ (اوس اور

زرج دونوں) اوہ تمہارے سردار آپہونچے۔"

یہ سنتے ہی عمرو بن عوفؓ کے گھر والوں نے جو قبا میں رہتے تھے، ایک ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انھوں نے ہتھیار اپنے اپنے بدن پر سجے اور آپؐ کے استقبال کو چلے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اپنی اپنی سواری سے اتر کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ چکے تھے۔ انصار بیتاب ہو کر پہونچے۔ وہ آپؐ کو پہچانتے نہ تھے۔ وہ سب ابوبکرؓ کو اللہ کا رسول سمجھ کر سلام کرتے۔ ابوبکرؓ سمجھ گئے۔ وہ ایک چادر لے کر اُٹھے۔ آپؐ پر تان کر کھڑے ہو گئے۔ اب جو اُتا سمجھ جاتا کہ پیارے رسولؐ کون سے ہیں۔ انصار آپ پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم قبا میں تین دن ٹھہرے۔ وہاں مکے میں حضرت علیؓ نے مکے والوں کی امانتیں انھیں دیں اور حضورؐ کے تین دن بعد روانہ ہو گئے اور قبا میں حضورؐ سے آملے۔ حضرت علیؓ کے آنے کے بعد آپؐ مدینے کو چلے۔ راستے میں اوس اور خزرج کے بڑے بڑے گھرانے پڑتے تھے۔ ان کے سردار آتے اور حضورؐ سے درخواست کرتے کہ ہمارے گھر چلیے۔ ہم جنگجو ہیں۔ ہمارے پاس جنگی سامان ہے۔ ہم آپؐ کی حفاظت جان و دل سے کریں گے۔ ایک شاعر نے اس موقع پر کیا خوب شعر کہا ہے ؎

ہر ایک کی زبان پر جاری تھا یہ ترانہ!

نزدیک ہے یہاں سے مولا غریب خانہ!

یہ دیکھ کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ مامور ہے۔" مامور کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف سے حکم مل چکا ہے کہ کہاں رکے گی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نکیل ڈھیلی چھوڑ دی اور اب آپؐ اشارہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اونٹنی چلتے چلتے انصار کے ایک خاندان بنی نجار کے محلے میں پہونچی تو ٹھیک اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں پر آج مسجد نبوی ہے مگر حضورؐ ابھی اترے نہیں کہ شاید اٹھ کر پھر چلے۔ اونٹنی اٹھی۔ کچھ آگے بڑھی اور پھر واپس آکر اسی جگہ بیٹھ گئی۔ تب حضورؐ اس پر سے اترے [illegible]

سے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا گھر قریب تھا اور دروازہ بالکل سامنے تھا۔ حضرت ابو ایوبؓ کی قسمت پر اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ انھوں نے سامان اتروایا اور حضورؐ کو اپنے گھر لے گئے۔

استقبال کا عالم یہ تھا کہ لوگ چاروں طرف سے امنڈے چلے آرہے تھے۔ راستے کے چاروں طرف اور چھتوں پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے تھے۔ خدام اور لڑکے دوڑتے پھرتے اور نعرے لگا رہے تھے کہ اللہ اکبر، رسول اللہ تشریف لے آئے۔ دلوں کا حال یہ تھا کہ خوشی اور جوش اور ولولہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ جن لوگوں کی عمریں بہت زیادہ تھیں انھوں نے کہا کہ ایسا استقبال عرب میں کبھی کسی کا نہیں ہوا۔ لوگ اونچی جگہوں پر پہونچ پہونچ کر آپؐ کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور پوچھتے تھے کہ ان دونوں میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کون ہیں ؟ مدینہ والوں کو ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی جیسی اس وقت ہو رہی تھی۔ عورتیں چھتوں پر چڑھ کر یہ گیت گا رہی تھیں :

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاع

(ہم پر چودھویں کا چاند نکل آیا وَداع کی پہاڑیوں میں سے۔ ہم پر شکر واجب ہے جب تک کوئی اللہ کو پکارنے والا باقی رہے)

جب حضورؐ بنی نجار کے محلّے میں پہونچے تو لڑکیاں دف بجاتی ہوئی نکل آئیں اور وہ یہ گیت گانے لگیں :

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّار يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَار

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں ، کیا اچھے پڑوسی ہیں محمدؐ ،

حضورؐ نے لڑکیوں سے پوچھا "کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟" انھوں نے عرض کیا "جی ہاں یا رسول اللہؐ" آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا "خدا کی قسم، میں بھی تم لوگوں (انصار)

سے محبت انصار ...

فرمایا "خدا کی قسم، تم لوگ (سارے انصار) مجھے سب سے زیادہ پیارے ہو۔"

اس جگہ ہم یہ یاد دلادیں کہ بنو نجار وہ خاندان تھا جس کی ایک خاتون سلمیٰ بنتِ عمرو سے حضورؐ کے پردادا ہاشم نے شادی کی تھی حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کی ماں وہی تھیں، اسی خاندان میں عبدالمطلب بڑے ہوئے، اسی خاندان کے لوگ اس وقت عبدالمطلب کی مدد کو پہونچے تھے جب اُن کے چچا نے اُن کی میراث پر قبضہ کرلیا تھا، یہ بھی یاد ہوگا کہ حضورؐ کے والد جناب عبداللہ جب شام کے تجارتی قافلے کے ساتھ آرہے تھے تو مدینہ میں بیمار ہو گئے تو وہ اسی خاندان میں رکے تھے اور یہیں اُن کا انتقال ہوا تھا، حضورؐ کی والدہ آپ کو اسی خاندان سے ملانے لائی تھیں۔

شاید یہی وجہ تھی کہ حضورؐ نے اپنی زبان سے تو نہیں کہا کہ میں بنو نجار میں ٹھہرونگا لیکن اللہ کی طرف سے ماموراونٹنی وہیں جا بیٹھی اور حضورؐ بڑے اطمینان سے وہاں اترے۔

## قریش کی جھنجلاہٹ

حضورؐ کے مدینہ پہونچنے کی خبر مکے میں پہونچی تو قریش بہت پریشان ہوئے۔ اور جب اُن کو حضورؐ کے شاندار استقبال کا حال معلوم ہوا تو وہ تلملا اٹھے، انھوں نے مدینے کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا (جسے انصار اپنا بادشاہ بنانے والے تھے لیکن حضورؐ کے پہونچنے پر اُس کی اُمیدوں پر پانی پھر چکا تھا)۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

> تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اُس سے لڑو یا اُسے نکال دو، ورنہ ہم تم پر حملہ کردیں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کرکے تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔

عبداللہ بن اُبی نے یہ خط پاکر کچھ کرنا چاہا لیکن جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس کی شرارت کو دبا دیا۔ یاد رہے کہ عبداللہ بن ابی کا ایک بیٹا جس کا نام بھی

عبداللہ تھا، وہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی مسلمان ہو چکے تھے اور بڑے جوشیلے مسلمان نوجوانوں میں سے تھے۔

اس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ (مدینے کے ایک بڑے سردار) عمرے کے لئے مکّے گئے تو اپنے زمانۂ جاہلیت کے دوست امیہ بن خلف کے گھر اترے۔ دونوں میں بڑا یارانہ تھا۔ امیہ جب مدینے جاتا تو ان کے یہاں ٹھہرتا۔ سعد نے امیہ سے کہا کہ مجھے ایسے وقت حرم میں لے چلو جب وہاں کوئی نہ ہو۔ امیہ انھیں دوپہر کے وقت لے کر گیا لیکن ابوجہل نے دیکھ لیا۔ اس نے حضرت سعدؓ سے کہا "تم ہمارے دین سے پھرے ہوئے لوگوں کو پناہ دو اور اُن کی مدد کا دم بھرو اور ہم تم کو اطمینان سے مکّے میں طواف کرنے دیں۔ خدا کی قسم، اگر تم ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے۔"

حضرت سعد بن معاذؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم، اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تم کو اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لئے اس سے زیادہ سخت ہے (یعنی پھر تم مدینہ ہو کر شام کی طرف تجارت کرنے نہیں جا سکتے)"۔ اس جواب سے ابوجہل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ امیہ بن خلف نے کہا "سعد! ابوالحکم (ابوجہل) سے سخت بات نہ کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔" حضرت سعدؓ نے کہا "چھوڑو بھی۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ لوگ (یعنی مسلمان) تمہیں قتل کر دیں گے۔" یہ سن کر امیہ بوکھلا گیا۔ اس نے پوچھا "کیا یہ لوگ مجھے مکّے میں قتل کر دیں گے؟" حضرت سعدؓ نے کہا "چھوڑو بھی۔ ان باتوں کو میں نہیں جانتا کہ کہاں قتل کریں گے۔" امیہ نے جب یہ بات اپنی بیوی سے کہی تو اس نے کہا "خدا کی قسم، محمدؐ جھوٹ نہیں بولتے۔" اس کے بعد بدر کی لڑائی کے موقع پر ہم بیان کریں گے کہ مسلمانوں نے کس طرح مکّے کے چنے چنے سرداروں کو چن چن کر مارا۔

## مسجد نبوی کا بننا

—— حضرت ابوایوب انصاریؓ کے یہاں آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]

اونٹنی بیٹھی تھی۔ یہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان لڑکوں سے بات کی گئی تو دونوں نے عرض
کیا " یارسول اللہ! ہم اس زمین کو بلا قیمت بخوشی اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں لیکن حضورؐ نے
قیمت لینا پسند نہیں کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دس دینار (سونے کا سکہ) میں زمین خرید
لی۔ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت ادا کی۔

زمین مل گئی تو اسے صاف کیا گیا۔ اس کے اندر کچھ قبریں تھیں، ان کو اکھاڑ دیا گیا۔
کھجور کے کچھ درخت تھے، ان کو کاٹ کر ستون بنا لیا گیا۔ کھجور کے پتوں کی چھت ڈال دی گئی
کچی اینٹوں اور گارے سے دیواریں بنائی گئیں۔ زمین کچی ہی رہنے دی گئی۔ بعد میں جب
پانی برسا اور کیچڑ ہو گئی تو کچے فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں

مسجد نبوی بنانے میں مسلمانوں نے رضا کارانہ کام کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
خود بھی سب کے ساتھ کام کیا۔ آپ اینٹیں اور گارا لاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور
کچھ شعرا صاحبان کام کرتے وقت توحید و رسالت کے ترانے گاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سن کر بہت خوش ہوتے۔ کبھی کبھی ترانے کا کوئی بول آپ بھی دہراتے تھے۔

## حضورؐ کے لئے حجرے

مسجد سے ملے ہوئے حضورؐ نے اپنے لئے دو حجرے بنا لئے۔ ایک
حجرہ ام المومنین حضرت سودہؓ کے لئے اور دوسرا ام المومنین حضرت عائشہؓ کے لئے۔ یہ حجرے بھی کچی
اینٹوں کے تھے۔ کھجور کے پتوں ہی کی چھت تھی۔ دروازوں میں کواڑ نہیں تھے۔ کمبل لٹکا دئے
گئے تھے۔ چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ ہاتھ اٹھا کر چھوا جا سکتا تھا۔

یہ کام ہو گیا تو آپ نے زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافع کو پانچ سو درہم اور دو
اونٹ [illegible] ان دونوں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ
[illegible] میں۔ زید بن
[illegible]

المومنین حضرت سودہؓ کو حضورؐ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ کو اور
ام ایمن اور اپنے بچے اسامہ بن زیدؓ کو لے آئے لیکن حضرت زینب کو نہ لا سکے۔
کے شوہر ابو العاص نے روک لیا حضرت عبداللہ بن ابی بکر انہی لوگوں کے ساتھ
م روماں اور دونوں بہنوں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کو لے آئے۔ اور اس طرح
بچے سے مدینے آبسے اور یہیں کے ہو رہے۔



# حجاب پرنٹنگ سینٹر کے متعلق

① جناب ابن عبدالشکور صاحب بنگلوری فرماتے ہیں :-

آپ نے میری کتاب سرچشمۂ ہدایت اپنے اہتمام سے اتنی خوبصورت
شائع کی ہے اس کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا صلہ عطا فرمائے۔
میری دو چار کتابیں ابھی اور آپ کو شائع کرنی ہیں۔

② جناب شبیر احمد منظر قدوسی صاحب ایڈیٹر صدائے سحر بنگلور:

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ "حجاب پرنٹنگ سینٹر" کے نام سے کتابوں کی کتابت،
طباعت اور بائنڈنگ کرا رہے ہیں۔ ہم ۹ یا ۱۰ فارم کی ایک کتاب شائع کرنا چاہتے
ہیں۔ اس کا تخمینہ تحریر فرمائیں تاکہ ہم اپنی کتاب چھپوانے کے لئے بھجوا سکیں۔

نوٹ :- حجاب پرنٹنگ سینٹر بیرونِ دہلی کے پبلشرز اور بک سیلرس کی خدمت
کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔ ضرورتمند حضرات مندرجۂ ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں:

حجاب پرنٹنگ سینٹر ۱۸۷۰ گلی پتے والی، سوئی والان نئی دہلی ۲